شرح ابوداؤد شریف

جلد 4

امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی

ترجمہ

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

دامت برکاتہم العالیہ

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

شرح ابوداؤد شریف

تصنیف

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی

ترجمہ وتخریج

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

دامت برکاتہم العالیہ

4

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

شبیر برادرز

اردو بازار ۰ لاہور

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شرح ابوداؤد شریف

مترجم ———— ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر
شارح ———— علامہ محمد لیاقت علی رضوی
باہتمام ———— ملک شبیر حسین
سن اشاعت ———— ستمبر 2016ء
سرورق ———— اے ایف ایس ایڈورٹائزر۔ لاہور
طباعت ———— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ ———— روپے

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر، ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ھو الناصر

تنبیہ

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

مقدمہ رضویہ

الحمد لله الّذِی أوضح وُجوہ معالم الدّین وأفضح وُجوہ الشّک بکشف النقاب عَن وَجه الیقین بالعلماء المستنبطین الراسخین والفضلاء المحقِقین الشامخین الّذین نزہوا کَلَام سید المرسلین ممیزین عَن زیف المخلطین المدلسین وَرفعوا مناره بنصب العلائم وأسندوا عمده بأقوی الدعائم حَتّی صَار مَرفوعا بِالْبِنَاء العالی المشید وبالأحکام الموثق المدمج المؤکّد مسلسلا بسلسة الحفظ والاسناد غیر منقطع وَلَا واہ إِلَی یَوْم التناد وَلَا مَوْقوف علی غیره من المبانی وَلَا معضل مَا فِیهِ من المعَانی (وَالصَّلَاة) علی من بعث بِالدّینِ الصَّحِیح الحسن وَالحق الصریح السّنَن الخالی عَن الْعِلَل القادحة والسالم من الطعْن فِی أدلته الراجحة محمَّد المستأثر بالخصال الحمیدة والمجتبی المختَص بالخلال السعیدة وعَلی آله وَصَحبه الکِرَام مؤیدی الدّین ومظهری الْإِسْلَام وعَلی التَّابِعین بِالْخیر وَالْإِحْسَان وعَلی عُلَمَاء الأمة فِی کل زمَان مَا تغرد قمری علی الْوَرْد والبان وناح عندلیب علی نور الأقحوان (وَبعد) فَإِن عانی رَحْمَة ربه الْغنی محمَّد لیاقت علی الرضوی الحنفی عَامله ربه ووالدیه بلطفِهِ الخفی یَقُول أَن السّنة إِحْدَی الحجَج القاطعة وأوضح المحجة الساطعة وَبهَا ثبوت أَکثر الْأَحْکَام وَعَلَیْهَا مدَار الْعلمَاء الْأَعْلَام وَکَیف لَا وَهِی الْقَوْل وَالْفِعْل من سید الْأَنَام فِی بَیَان الحلَال وَالحرَام الّذین عَلَیْهِمَا مَبْنِیّ الْإِسْلَام فصرف الاعمار فِی استِخْرَاج کنوزہا من أہم الْأُمُور وتوجیه الأفکار فِی استکشاف رموزہا من تعمیر العمور لَهَا منقبة تجلت عَن الحسن والبہا ومرتبة جلت بالبہجة والسنا وَهِی أنوار الْهِدَایَة ومطالعہا ووسائل الدِّرَایَة وذرائعہا وَهِی من مختارات الْعُلُوم عینهَا وَمن منتقدات نقود المعارف فضہا وعینہا ولو لاہا لمَا بَان الخطأ عَن الصَّوَاب وَلَا تمیز الشَّرَاب من السراب وَلَقَد تصدت طَائِفَة من السّلف الکِرَام ممن کساہم الله تَعَالَی جلابیب الْفَهم والأفہام ومکنہم من انتقاد الْأَلْفَاظ الفصیحة المؤسسة علی المعَانِی الصَّحِیحَة وأقدرہم علی الحفْظ بالحفاظ من المتون والألفاظ إِلَی جمع سنَن من سنَن سید المرسلین بادیة إِلَی طرائق شرائع الدّین وَتَدْوِین مَا تفرق منهَا فِی أقطار بِلَاد المسلمین بتفرق الصَّحَابَة وَالتَّابِعِین الحاملین والفقہاء مذاہب الاربعة۔

علم حدیث باعتبار روایت (علم حدیث)

ہر علم وفن کے لئے بطور مبادی آٹھ امور ذکر کئے جاتے ہیں جن کے ذریعہ طالب فن کو من وجہ بصیرت حاصل ہوجاتی ہے اور اس علم کا حصول آسان ہوجاتا ہے۔ان کو اصطلاح فن میں رؤس ثمانیہ کہتے ہیں۔ان کا اجمالی خاکہ یوں ہے۔

۱۔تعریف ۲۔موضوع ۳۔غرض وغایت ۴۔وجہ تسمیہ ۵۔مؤلف ۶۔اجناس ۷۔مرتبہ ومقام ۸۔تقسیم وثبوت

لیکن ہم مسلمانوں کے لئے ایک نواں امر جاننا بھی ضروری ہے اور وہ ہے اس کا شرعی حکم۔اس اجمال کی قدرے تفصیل ملاحظہ کریں۔واضح رہے کہ یہ تفصیلات قسم اول کی بیان کی جائیں گی اور اس کے بعد دوسری قسم کا بیان ہوگا۔

تعریف

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریزات کا نام ہے۔تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور کا کسی کام کو ہوتے دیکھنا، یا کسی چیز کی خبر آپ تک پہنچنا جبکہ اس کا متعلق مسلمان ہے پھر اس کام پر سکوت فرمانا بھی حدیث کے تحت داخل ہے۔

ہاں جو چیزیں احوال سے متعلق ہیں تو ان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ اختیاری ہیں تو افعال میں داخل۔اور غیر اختیاری ہیں جیسے حلیۂ مبارکہ، واقعات ولادت وغیرھا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا۔اہل فقہ کے نزدیک یہ ہی تعریف مشہور ہے اور ان کے فن سے یہ ہی متعلق ہے۔

ہاں علماء حدیث نے مطلق احوال کو بھی حدیث میں شمار کیا کہ یہ ان کے فن کے موافق ہے۔لہٰذا سیرت مبارکہ کے تمام پہلو اس میں داخل ہیں۔

صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال کو بھی تبعاً حدیث میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ صحابہ کرام کی تقریرات بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔

موضوع

موضوع کے ذریعہ فن ممتاز ہوتا ہے اور فن کی عظمت وشرافت باعتبار موضوع ہوتی ہے۔لہٰذا یہاں علم حدیث کا موضوع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے اس حیثیت سے کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

غرض وغایت

جب کسی علم کا ثمرہ ونتیجہ معلوم ہوجاتا ہے تو انسان اسی اعتبار سے اس علم کی طرف رغبت کرتا ہے یا اس سے اعراض۔

علم حدیث کے حصول سے مقصد چند ہیں:

۱۔ان فضائل وخصائل کا حصول جو حاملین حدیث کے لئے حضور نے ارشاد فرمائے۔

۲۔قرآن عظیم کے مجمل احکام کی توضیح وتبیین۔

۳۔کلام محبوب ہے لہٰذا اس کلام سے حلاوت ولذت کا حصول۔

۴۔حضور اور صحابہ کرام کی اتباع اور پیروی۔

ان سب کا مرجع ومآل واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ سعادت دارین حاصل کرنا۔

وجہ تسمیہ

باعتبار لغت حدیث قدیم کا مقابل ہے۔نیز اس کا استعمال ہر خبر کے لئے ہوتا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔کیونکہ اس کا ظہور تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں فرمایا:

عرف شرع میں حدیث اس کو کہتے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو۔گویا یہ قرآن کریم کے مقابل ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور قدیم۔اور یہ کلام رسول ہے اور حادث یا حدیث۔

مؤلف

یہ دو طرح ہوتے ہیں۔مؤلف فن،مؤلف کتاب۔

چونکہ یہاں کسی خاص کتاب کا تعارف مقصود نہیں بلکہ مطلق علم حدیث کو ذکر کرنا ہے لہٰذا مؤلف فن یعنی جن حضرات نے اس فن کو ایجاد کیا ان کی تفصیل بیان کرنا۔اس کی تفصیل بعنوان حفاظت حدیث گزر چکی کہ صحابہ کرام نے اس علم کی حفاظت اپنے عمل و کردار سے کی اور روایت کر کے علم حدیث دوسروں تک پہنچایا۔

اجناس

علوم کی تفصیل مختلف اجناس،حیثیات اور اعتبارات سے کی جاتی ہے۔

مثلاً علم کی تقسیم کبھی باعتبار نقل وعقل ہوتی ہے کہ یہ علم عقلی ہے یا نقلی۔لہٰذا کہا جائے گا کہ علم قرآن وحدیث نقلی ہیں اور منطق و فلسفہ عقلی۔

کبھی باعتبار اصل وآلہ ہوتی ہے۔یعنی یہ علم اصل ہے یا آلی۔لہٰذا کہا جاتا ہے کہ علم حدیث اصلی ہے اور نحو وصرف علوم آلی۔

اور کبھی شرعی وغیر شرعی اعتبار سے،جیسے علم حدیث شرعی علوم سے ہے اور علم سحر غیر شرعی۔

لہٰذا خلاصہ کلام یہ نکلا کہ علم حدیث کی جنس نقلی اصلی شرعی ہے۔

مرتبہ ومقام

مرتبہ علم حدیث کے دو اعتبار ہیں۔۱۔باعتبار فضیلت۔۲۔باعتبار تعلیم باعتبار فضیلت تو یہ دوسرے مقام پر ہے۔اول مرتبہ علم قرآن کا ہے۔

اور باعتبار تعلیم درس نظامی میں اس کا مرتبہ آخری ہے کہ سب سے آخر میں اسی علم کو پڑھایا جاتا ہے۔

تقسیم وتبویب

جس طرح کتابوں میں تقسیم وتبویب ہوتی ہے اسی طرح علم کی بھی تقسیم وتبویب ہوتی ہے۔لہٰذا حدیث کے آٹھ ابواب ہے۔

۱۔عقائد۔ ۲۔احکام۔ ۳۔تفسیر۔ ۴۔تاریخ۔ ۵۔رقاق۔ ۶۔آداب۔ ۷۔مناقب۔ ۸۔فتن۔

یعنی ہر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھوں ابواب میں سے کسی ایک میں داخل ہو۔ جو کتاب ان آٹھوں ابواب پر مشتمل ہوگی اس کو جامع کہا جائے گا۔

حکم شرعی

علم حدیث کا حکم شرعی یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو اس کے لئے علم حدیث کا پڑھنا واجب عین اور ایک جماعت آباد ہو تو واجب کفایہ ہے۔ یہی حکم علم فقہ سے متعلق ہے کہ احادیث کی تفصیل تبیین فقہ پر ہی موقوف ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور علم حدیث

نام ونسب: نام، نعمان۔ کنیت، ابوحنیفہ۔ والد کا نام، ثابت۔ القاب، امام اعظم، امام الائمہ سراج الامہ، رئیس الفقہاء والمجتہدین، سید الاولیاء والمحدثین۔ آپ کے دادا اہل کابل سے تھے۔ سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

نعمان بن ثابت بن مرزبان زوطی بن ثابت بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیرواں۔

شرح تحفہ نصائح کے بیان کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک پہنچتا ہے اور یہاں آکر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

خطیب بغدادی نے سیدنا حضرت امام اعظم کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد سے نقل کیا ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن مرزبان از اولاد فرس احرار ہوں۔ اللہ کی قسم! ہم پر کبھی غلامی نہیں آئی۔ میرے دادا حضرت ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، انکے والد حضرت ثابت چھوٹی عمر میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر کئے گئے، آپ نے ان کے اور انکی اولاد کے لئے برکت کی دعا کی۔ اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کی دعا ہمارے حق میں قبول کرلی گئی ہے۔(۱)

اس روایت سے ثابت کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ دوسری روایت جو حضرت امام ابویوسف سے ہے اس میں ۷۷ھ ہے۔ علامہ کوثری نے ۷۰ھ کو دلائل وقرائن سے ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ ۸۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن الحارث سے ملاقات ہوئی اور حدیث سنی۔ اسی ۷۰ھ کو ابن حبان نے بھی صحیح بتایا ہے۔

معتمد قول یہی ہے کہ آپ فارسی النسل ہیں اور غلامی کا دھبہ آپ کے آباء میں کسی پر نہیں لگا، مورخوں نے غیر عرب پر موالی کا استعمال کیا ہے بلکہ عرب میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ پردیسی یا کمزور فرد کسی بااثر شخص یا قبیلہ کی حمایت وپناہ حاصل کرلیتا تھا۔ لہٰذا جبکہ حضرت امام اعظم کے جد امجد جب عراق آئے تو آپ نے بھی ایسا ہی کیا۔

امام طحاوی شرح مشکل الآثار میں راوی کہ حضرت عبداللہ بن یزید کہتے ہیں، میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا، تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: میں ایسا شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس پر اسلام کے ذریعہ احسان فرمایا، یعنی نومسلم۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا: یوں نہ کہو، بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے تعلق پیدا کرلو پھر تمہاری نسبت بھی ان کی طرف

ہوگی، میں خود بھی ایسا ہی تھا۔(۲)

مولی صرف غلام ہی کو نہیں کہا جاتا، بلکہ ولاء اسلام، ولاء حلف، اور ولاء لزوم کو بھی ولاء کہتے ہیں اور ان تعلق والوں کو بھی موالی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری ولاء اسلام کی وجہ سے جعفی ہیں۔ امام مالک ولاء حلف کی وجہ سے تیمی۔ اور مقسم کو ولاء لزوم یعنی حضرت ابن عباس کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہنے کی وجہ سے مولی ابن عباس کہا جاتا ہے۔(۳)

کنیت کی وضاحت: آپ کی کنیت ابوحنیفہ کے سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں۔

۱۔ چونکہ اہل عرب دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اور کوفہ کی جامع مسجد میں وقف کی چار سو دواتیں طلبہ کے لئے ہمیشہ وقف رہتی تھیں۔ امام اعظم کا حلقۂ درس وسیع تھا اور آپ کے ہر شاگرد کے پاس علیحدہ دوات رہتی تھی، لہٰذا آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا۔

۲۔ صاحب ملت حنیفہ، یعنی ادیان باطلہ سے اعراض کر کے حق کی طرف پورے طور پر مائل رہنے والا۔

۳۔ ماء مستعمل کو آپ نے طہارت میں استعمال کرنے کے لئے جائز قرار نہیں دیا تو آپ کے متبعین نے ٹوٹیوں کا استعمال شروع کیا، چونکہ ٹوٹی کو حنیفہ کہتے ہیں لہٰذا آپ کا نام ابوحنیفہ پڑ گیا۔(۴)

وجہ تسمیہ۔ وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ نعمان لغت عرب میں خون کو کہتے ہیں جس پر مدار حیات ہے۔ نیک فالی کے طور پر یہ نام رکھا گیا۔ آپ نے شریعت اسلامیہ کے وہ اصول مرتب کئے جو مقبول خلائق ہوئے اور شریعت مطہرہ کی ہمہ گیری کا ذریعہ بنے۔ یہاں تک کہ امام شافعی قدس سرہ نے بھی آپ کی علمی شوکت وفقہی جلالت شان کو دیکھ کر فرمایا۔

الناس فی الفقه عیال ابی حنیفة۔

فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

نعمان گل لالہ کی ایک قسم کا نام بھی ہے۔ اسکا رنگ سرخ ہوتا ہے اور خوشبو نہایت روح پرور ہوتی ہے، چنانچہ آپ کے اجتہاد اور استنباط سے بھی فقہ اسلامی اطراف عالم میں مہک اٹھی۔

بشارت عظمی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، اسی مجلس میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی، جب آپ نے اس سورۃ کی آیت: آخرین منهم لما یلحقوا بهم۔ پڑھی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ دوسرے حضرات کون ہیں جو ابھی ہم سے نہیں ملے؟ حضور یہ سن کر خاموش رہے، جب بار بار پوچھا گیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر دست اقدس رکھ کر ارشاد فرمایا:

لوکان الایمان عند الثریا لناله رجل من هؤلاء۔(۵)

اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کرلیں گے۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ جسکا مفہوم ومعنی ایک ہے۔

علامہ ابن حجر مکی نے حافظ امام سیوطی کے بعض شاگردوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارے استاد امام سیوطی یقین کے ساتھ کہتے تھے۔

اس حدیث کے اولین مصداق صرف امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔ کیونکہ امام اعظم کے زمانے میں اہل فارس سے کوئی بھی آپ کے علم وفضل تک نہ پہنچ سکا۔ (۶) الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ کے بموجب نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑا۔ لکھتے ہیں

ہم امام دراں داخل ست۔ (۷)

امام اعظم بھی اس حدیث کے مصداق ہیں۔

امام بخاری کی روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت سلمان فارسی کے لئے یہ بشارت نہ تھی کہ آیت میں، لما یلحقوبہم، کے بارے میں سوال تھا اور جواب میں آئندہ لوگوں کی نشاندھی کی جارہی ہے، لہٰذا وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث تو حضرت سلمان فارسی کے لئے تھی اور احناف نے امام اعظم پر چسپاں کردی۔ قارئین غور کریں کہ یہ دیانت سے کتنی بعید بات ہے۔

تعلیم کے مراحل: آپ نے ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد تجارت کا میدان اختیار کرلیا تھا۔ آپ ریشم کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے، حفص بن عبدالرحمن بھی آپ کے شریک تجارت تھے۔ آپ کی تجارت عامیانہ اصول سے بالاتر تھی۔ آپ ایک مثالی تاجر کارول ادافرماتے، بلکہ یوں کہا جائے کہ تجارت کی شکل میں لوگوں پر جودوکرم کا فیض جاری کرنا آپ کا مشغلہ تھا۔

ایک دن تجارت کے سلسلہ میں بازار جارہے تھے، راستے میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی، یہ وہ عظیم تابعی ہیں جنہوں نے پانچسو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، فرمایا: کہاں جاتے ہو؟ عرض کی بازار، چونکہ آپ نے امام اعظم کے چہرہ پر ذہانت وسعادت کے آثار نمایاں دیکھ کر بلایا تھا، فرمایا: علماء کی مجلس میں نہیں بیٹھتے ہو، عرض کیا نہیں۔ فرمایا: غفلت نہ کرو تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو۔ کیونکہ میں تمہارے چہرے میں علم وفضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ (۸)

امام اعظم فرماتے ہیں:

امام شعبی کی ملاقات اور ان کے اس فرمان نے میرے دل پر اثر کیا اور بازار کا جانا میں نے چھوڑ دیا۔ پہلے علم کلام کی طرف متوجہ ہوا اور اس میں کمال حاصل کرنے کے بعد گمراہ فرقوں مثلاً جہمیہ قدریہ سے بحث ومباحثہ کیا اور مناظرہ شروع کیا۔ پھر خیال آیا کہ صحابہ کرام سے زیادہ دین کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے، اس کے باوجود ان حضرات نے اس طریق کو نہ اپنا کر شرعی اور فقہی مسائل سے زیادہ شغف رکھا، لہٰذا مجھے بھی اسی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

کوفہ آپ کے عہد پاک میں فقہائے عراق کا گہوارہ تھا جس طرح اس کے برخلاف بصرہ مختلف فرقوں اور اصول اعتقاد میں بحث ومجادلہ کرنے والوں کا گڑھ تھا۔ کوفہ کا یہ علمی ماحول بذات خود بڑا اثر آفریں تھا۔ خود فرماتے ہیں: میں علم وفقہ کی کان کوفہ میں سکونت پذیر تھا اور اہل کوفہ کا جلیس وہم نشیں رہا۔ پھر فقہاء کوفہ میں ایک فقیہ کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ (۹)

ان فقیہ سے مراد حضرت حماد بن ابی سلیمان ہیں جو اس وقت جامع کوفہ میں مسند درس وتدریس پر متمکن تھے اور یہ درسگاہ باقاعدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عہد پاک سے چلی آرہی تھی۔

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام جن میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکاء تھے آکر آباد

ہو گئے۔ جس برج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوں اس کی ضوفشانیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کر سکتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفہ کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر ہر گھر دار الحدیث اور دار العلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے اس وقت کوفہ میں حدیث وفقہ کے وہ ائمہ مسند تدریس کی زینت تھے جن میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ آفتاب و مہتاب تھا۔ کوفہ کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک بھی باقی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکے، اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفہ کے ہیں۔

اس وقت کوفہ میں مندرجہ ذیل مشاہر ائمہ موجود تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق، امام عامر شعبی، سلمہ بن کہیل، ابو اسحاق سبیعی، سماک بن حرب، محارب بن دثار، عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، ہشام بن عروہ بن زبیر، سلیمان بن مہران اعمش، حماد بن ابی سلیمان فقیہ عراق۔

سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کوفہ ہی میں تھے۔ کوفہ کو مرکز علم وفضل بنانے میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حضرت ابن مسعود کو حضرت فاروق اعظم نے کوفہ کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا، اسی عہد میں انہوں نے کوفہ میں علم وفضل کا دریا بہایا۔

اسرار الانوار میں ہے:

کوفہ میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار ہزار افراد حاضر ہوتے۔ ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لئے آئے تو سارا میدان آپ کے تلامذہ سے بھر گیا۔ انہیں دیکھ کر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا ابن مسعود! تم نے کوفہ کو علم وفقہ سے بھر دیا، تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی وعرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گذرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔ خواہ علم حدیث ہو یا علم فقہ۔ اگر کوفہ کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ صحاح ستہ نہ رہ جائیں گی۔

امام شعبی نے فرمایا: صحابہ میں چھ قاضی تھے، ان میں تین مدینے میں تھے۔ عمر، ابی بن کعب، زید۔ اور تین کوفے میں علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام مسروق نے کہا: میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ کو منبع علم پایا۔ عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابو درداء، ابی بن کعب، اس کے بعد دیکھا تو ان چھ حضرات کا علم ان دو میں مجتمع پایا۔ علی اور ابن مسعود۔ ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کر اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ ان آفتاب و ماہتاب نے کوفے کے ذرے ذرے کو چمکایا۔

حضرت عمر نے اس شہر کو راس الاسلام، راس العرب، جمجمۃ العرب، رمح اللہ اور کنز الایمان کہا۔

حضرت سلمان فارسی نے قبۃ الاسلام کا لقب دیا۔

حضرت علی نے کنزالایمان، حجۃ الاسلام، رحمہ اللہ، سیف اللہ فرمایا۔(۱۰)

امام اعظم نے امام حماد کی حلقہ تلامذہ میں شرکت اس وقت کی جب آپ کی عمر بیس سال سے متجاوز ہو گئی تھی اور آپ اٹھارہ سال تک ان کی خدمت میں فقہ حاصل کرتے رہے، درمیان میں آپ نے دوسرے بلاد کا سفر بھی فرمایا، حج بیت اللہ کے لئے حرم شریف میں بھی حاضری کا موقع ملا۔ اس طرح آپ ہر جگہ علم کی تلاش میں رہے اور تقریباً چار ہزار مشائخ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا اور پھر اپنے استاذ حضرت حماد کی مسند درس پر جلوس فرمایا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام حماد کا وصال ۱۲۰ھ میں ہوا، لہٰذا ان کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر چالیس سال تھی، گویا جسم وعقل میں کامل ہونے کے بعد آپ نے چالیس سال کی عمر میں مسند درس کو رونق بخشی۔ آپ کو پہلے بھی اس چیز کا خیال آیا تھا کہ میں اپنی درسگاہ علیحدہ قائم کرلوں مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی۔ آپ کے شاگرد امام زفر فرماتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنے استاذ حضرت حماد سے وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: میں دس سال آپ کی صحبت میں رہا، پھر میرا جی حصول اقتدار کے لئے للچایا تو میں نے الگ اپنا حلقہ جمانے کا ارادہ کرلیا۔ ایک روز میں پچھلے پہر نکلا اور چاہا کہ آج یہ کام کر ہی لوں، مسجد میں قدم رکھا اور شیخ حماد کو دیکھا تو ان سے علیحدگی پسند نہ آئی اور ان کے پاس ہی آکر بیٹھ گیا۔ اسی رات حضرت حماد کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں ان کا کوئی عزیز فوت ہو گیا ہے، بڑا مال چھوڑا اور حماد کے سوا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے، آپ نے اپنی جگہ مجھے بٹھایا، جیسے ہی وہ تشریف لے گئے کہ میرے پاس چند ایسے مسائل آئے جو میں نے آج تک ان سے نہ سنے تھے، میں جواب دیتا جاتا اور اپنے جوابات لکھتا جاتا تھا۔ جب حضرت حماد واپس تشریف لائے تو میں نے وہ مسائل پیش کئے، یہ تقریباً ساٹھ مسائل تھے۔ چالیس سے تو آپ نے اتفاق کیا لیکن بیس میں میرے خلاف جواب دئیے۔ میں نے اسی دن یہ تہیہ کرلیا کہ تاحین حیات ان کا ساتھ نہ چھوڑونگا، لہٰذا میں اسی عہد پر قائم رہا اور تازندگی ان کے دامن سے وابستہ رہا۔

غرضکہ آپ چالیس سال کی عمر میں کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے استاذ کی مسند پر متمکن ہوئے اور اپنے تلامذہ کو پیش آمدہ فتاوی وجوابات کا درس دینا شروع کیا۔ آپ نے بڑی سلجھی ہوئی گفتگو اور عقل سلیم کی مدد سے اشباہ وامثال پر قیاس کا آغاز کیا اور اس فقہی مسلک کی داغ بیل ڈالی جس سے آگے چل کر حنفی مذہب کی بنیاد پڑی۔

آپ نے دراسات علمی کے ذریعہ ان اصحاب کرام کے فتاویٰ تک رسائی حاصل کی جو اجتہاد واستنباط، ذہانت وفطانت اور جودت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔

ایک دن آپ منصور کے دربار میں تشریف لے گئے، وہاں عیسیٰ بن موسیٰ بھی موجود تھا۔ اس نے منصور سے کہا: یہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم دین ہیں، منصور نے امام اعظم کو مخاطب کر کے کہا: نعمان! آپ نے علم کہاں سے سیکھا، فرمایا: حضرت ابن عمر کے تلامذہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے۔ نیز شاگردان علی سے انہوں نے حضرت علی سے۔ اسی طرح تلامذہ ابن مسعود سے۔ بولا: آپ نے بڑا قابل اعتماد علم حاصل کیا۔(۱۱)

شرف تابعیت: امام اعظم قدس سرہ کو متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے شرف ملاقات بھی حاصل تھا، آپ کے

تمام انصاف پسند تذکرہ نگار اور مناقب نویس اس بات پر متفق ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جو ائمہ اربعہ میں کسی کو حاصل نہیں۔ بلکہ بعض نے تو صحابہ کرام سے روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، اس وقت کوفہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کا وصال ۸۸ھ کے بعد ہوا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس وقت بصرہ میں موجود تھے اور ۹۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ نے ان کو دیکھا ہے۔ ان حضرات کے سوا دوسرے بلاد میں دیگر صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ جیسے

☆ حضرت واثلہ بن اسقع شام میں۔ وصال ۸۵ھ

☆ حضرت سہل بن سعد مدینہ میں۔ وصال ۸۸ھ

☆ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ مکہ میں۔ وصال ۱۱۰ھ

یہ تمام صحابہ کرام میں آخری ہیں جن کا وصال دوسری صدی میں ہوا۔ اور امام اعظم نے ۹۳ھ میں ان کو حج بیت اللہ کے موقع پر دیکھا۔

امام ابویوسف سے روایت ہے کہ میں نے خود امام اعظم کو فرماتے سنا کہ میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا، اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ ان پر لوگوں کا ہجوم تھا، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ بوڑھے شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابی ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن حارث بن جزء ہے، پھر میں نے دریافت کیا کہ ان کے پاس کیا ہے؟ میرے والد نے کہا: ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ میں نے کہا: مجھے بھی ان کے پاس لے چلئے تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں، چنانچہ وہ مجھ سے آگے بڑھے اور لوگوں کو چیرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا اور میں نے ان سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : من تفقه فی دین اللّٰہ کفاہ اللّٰہ ھمه ورزقه من حیث لایحسبه۔ (۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دین کی سمجھ حاصل کرلی اس کی فکروں کا علاج اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کو اس طرح پر روزی دیتا ہے کہ کسی کو شان وگمان بھی نہیں ہوتا۔

علامہ کوثری کی صراحت کے مطابق پہلا حج ۸۷ھ میں سترہ سال کی عمر میں کیا، اور دوسرا '۹۶' ھ میں ۲۶ سال کی عمر میں۔ اور متعدد صحابہ کرام سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ درمختار میں بیس اور خلاصہ اکمال میں چھبیس صحابہ کرام سے ملاقات ہونا بیان کی گئی ہے۔

بہرحال اتنی بات محقق ہے کہ صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی اور آپ بلاشبہ تابعی ہیں اور اس شرف میں اپنے معاصرین واقران

مثلاً امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، اور امام لیث بن سعد پر آپ کو فضیلت حاصل ہے۔ (۱۳)

لہٰذا آپ کی تابعیت کا ثبوت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ بلکہ آپ کی تابعیت کے ساتھ یہ امر بھی محقق ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے احادیث کا سماع کیا اور روایت کیا ہے۔ تو یہ وصف بھی بلاشبہ آپ کی عظیم خصوصیت ہے۔ بعض محدثین ومورخین نے اس سلسلہ میں اختلاف بھی کیا ہے لیکن منصف مزاج لوگ خاموش نہیں رہے، لہٰذا احناف کی طرح شوافع نے بھی اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔

علامہ عینی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی صحابی رسول کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ھو احد من رأہ ابو حنیفة من الصحابة وروی عنه ولا یلتفت الی قول المنکر المتعصب وکان عمر ابی حنیفة حینئذ سبع سنین وھو سن التمییز ہذا علی الصحیح ان مولد ابی حنیفة سنة ثمانین وعلی قول من قال سنة سبعین یکون عمرہ حینئذ سبع عشرة سنة ویستبعد جدا ان یکون صحابی مقیما ببلدة وفی اہلہا من لا رأہ واصحابه اخبر بحاله وہم ثقاة فی انفسهم۔ (۱۴)

عبداللہ بن ابی اوفی ان صحابہ سے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت کی اور ان سے روایت کی قطع نظر کرتے ہوئے منکر متعصب کے قول سے امام اعظم کی عمر اس وقت سات سال کی تھی کیونکہ صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور بعض اقوال کی بنا پر اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ بہر حال سات سال عمر بھی فہم وشعور کا سن ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک صحابی کسی شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے رہنے والوں میں ایسا شخص ہو جس نے اس صحابی کو نہ دیکھا ہو۔ اس بحث میں امام اعظم کی تلامذہ کی بات ہی معتبر ہے کیونکہ وہ ان کے احوال سے زیادہ واقف ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

ملاعلی قاری امام کردری کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال الکردری جماعة من المحدثین انکر واملاقاته مع الصحابة واصحابه اثبتوہ بالاسانید الصحاح الحسان وہم اعرف باحواله منهم والمثبت العدل اولی من النافی۔ (۱۵)

امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور ان کے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

مشہور محدث شیخ محمد طاہر ہندی نے کرمانی کے حوالہ سے لکھا ہے:

واصحابه یقولون انه لقی جماعة من الصحابة وروی عنهم۔ (۱۶)

امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس میں روایات مع سند بیان فرمائیں۔ نیز ان کو حسن وقوی بتایا۔ امام سیوطی نے ان روایات کو تبییض الصحیفہ میں نقل کیا ہے جن کی تفصیل یوں ہے۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔(۱۷)

امام سیوطی نے فرمایا یہ حدیث پچاس طرق سے مجھے معلوم ہے اور صحیح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : الدال علی الخیر کفاعلہ۔(۱۸)

اس معنی کی حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول :ان اللہ یحب اغاثة اللہ فان۔(۱۹) ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اس کو صحیح کہا۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دست گیری کو پسند فرماتا ہے۔

عن یحیٰ بن قاسم عن ابی حنیفة سمعت عبداللہ بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاة بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة۔(۲۰)

امام سیوطی فرماتے ہیں، اس حدیث کا متن صحیح بلکہ متواتر ہے۔

حضرت یحییٰ بن قاسم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جس نے اللہ کی رضا کے لئے سنگ خوار کے گڑھے کے برابر بھی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

عن اسماعیل بن عیاش عن ابی حنیفة عن واثلة بن اسقع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔(۲۱)

امام ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی۔

حضرت اسماعیل بن عیاش حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شک وشبہ کی چیزوں کو چھوڑ کر ان چیزوں کو اختیار کرد

جوشکوک وشبہات سے بالاتر ہیں۔

ان تمام تفصیلات کی روشنی میں یہ بات ثابت وتحقق ہے کہ امام اعظم صحابہ کرام کی رویت وروایت دونوں سے مشرف ہوئے۔یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام اعظم کے بعض سوانح نگار اپنی صاف گوئی اور غیر جانب داری کا ثبوت دیتے ہوئے وہ باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن سے تعصب کا اظہار ہوتا ہے۔ان کے پیچھے حقائق تو کیا ہوتے دیانت سے بھی کام نہیں لیا گیا۔اس سلسلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی کی تصنیف تذکرۃ المحدثین سے ایک طویل اقتباس ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کیے ہیں لکھتے ہیں۔

میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے۔محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لئے کم ازکم کتنی عمر شرط ہے؟اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا،ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے،غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔"

اس سلسلہ میں اولاً تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہل کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماع حدیث کے لئے کم ازکم بیس سال عمر درکار ہے،کونسی یقینی روایت سے ثابت ہے؟امام صاحب کی مرویات صحابہ کے لئے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہل کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایت کے کیسے مان لیا گیا،

ثانیا:یہ قاعدہ خود خلاف حدیث ہے کیونکہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے متی یصح سماع الصغیر کا باب قائم کیا ہے اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے،اس کے علاوہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر حضور کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی،اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے۔پس روایت حدیث کے لئے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقہ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے ارباب علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالثاً:برتقدیر تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہل کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا،اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ملتی۔اغلب اور قرین قیاس یہی ہے کہ جب علم حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہوگیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہوگئیں اور وسیع پیانے پر آثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی،اس وقت اہل کوفہ نے اس قید کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا تاکہ ہر کہ ومہ حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کردے،یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہد صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں بن گئیں اور ان میں داخلہ کے لئے قوانین اور عمر کا تعین بھی ہوگیا تھا۔

رابعاً:اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر باقاعدہ درسگاہیں قائم ہوگئی تھیں اور ان کے ضوابط اور قوانین بھی وضع کئے جاچکے تھے تو ان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماع حدیث کے لئے بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرت انس

اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تو مقرر تھے نہیں کہ ان سے سماع حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامسا: بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لئے اگر کوفہ کا کوئی رہنے والا بصرہ جا کر سماع حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثر انداز ہوگی؟ حضرت انس بصرہ میں رہتے تھے اور امام اعظم ان کی زندگی میں بارہا بصرہ گئے اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایت حدیث کی ہوگی۔

سادسا: اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کر لیا جائے تو بھی یہ کسی طور قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجود مسعود نوادر روزگار اور مغتنمات عصر میں سے تھا ان سے ازراہ تبرک وتشرف احادیث کے سماع کے لئے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میری عمر بیس سال کو پہنچ لے تو میں ان سے جا کر ملاقات اور سماع حدیث کروں۔ حضرت انس کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اور امام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اور حضرت انس سے مل کر اور ان سے سماع حدیث کر کے نہ آئے ہوں، راوی اور مروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہو جائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے۔ یہاں معاصرت کے بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جا رہا ہے۔

الحمدللہ العزیز! کہ ہم نے اصول روایت اور قرائن عقلیہ کی روشنی میں اس امر کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام سے روایت حدیث کا شرف حاصل تھا اور اس سلسلے میں جتنے اعتراضات کئے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کر لی ہے۔ اس کے باوجود بھی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے ہم اسے منوانے کے لئے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔ (۲۲)

اساتذہ: گزشتہ تفصیلات میں آپ متفرق طور پر پڑھ چکے کہ امام اعظم نے کثیر شیوخ واساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا، ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں۔

عطاء بن ابی رباح، حماد بن ابی سلیمان، سلیمان بن مهران اعمش، امام عامر شعبی، عکرمہ مولی ابن عباس، ابن شہاب زهری، نافع مولی بن عمر، یحییٰ بن سعید انصاری، عدی بن ثابت انصاری، ابوسفیان بصری، ھشام بن عروہ، سعید بن مسروق، علقمہ بن مرثد، حکم بن عیینہ، ابواسحاق بن سبیعی، سلمہ بن کهیل، ابوجعفر محمد بن علی، عاصم بن ابی النجود، علی بن اقمر، عطیہ بن سعید عوفی، عبدالکریم ابوامیہ، زیاد بن علاقہ، سلیمان مولی ام المومنین میمونہ، سالم بن عبداللہ۔

چونکہ احادیث فقہ کی بنیاد ہیں اور کتاب اللہ کے معانی ومطالب کے فہم کی بھی اساس ہیں لہٰذا امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں بھی انتھک کوشش فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور سے جاری تھا

اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ کوفہ کا یہ وصف خصوصی امام بخاری کے زمانہ میں بھی اس عروج پر تھا کہ خود امام بخاری فرماتے ہیں، میں کوفہ اتنی بار حصول حدیث کے لئے گیا کہ شمار نہیں کرسکتا۔

امام اعظم نے حصول حدیث کا آغاز بھی کوفہ ہی سے کیا۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو۔ ابوالحاسن شافعی نے فرمایا: ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے میں قیام فرماتے تھے یا کوفے تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔ ان میں اکثر تابعی تھے۔ بعض مشائخ کی تفصیل یہ ہے۔

امام عامر شعبی: انہوں نے پانچسو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، خود فرماتے تھے کہ بیس سال ہوئے میرے کان میں کوئی حدیث ایسی نہ پڑی جس کا علم مجھے پہلے سے نہ ہو۔ امام اعظم نے ان سے اخذ حدیث فرمائی۔

امام شعبہ: انہیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں، سفیان ثوری نے انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا، امام شافعی نے فرمایا: شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔ امام شعبہ کو امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا، فرماتے تھے، جس طرح مجھے یہ یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح یقین سے کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہمنشیں ہیں۔

امام اعمش: مشہور تابعی ہیں شعبہ وسفیان ثوری کے استاذ ہیں، حضرت انس اور عبداللہ بن ابی اوفی سے ملاقات ہے۔ امام اعظم آپ سے حدیث پڑھتے تھے اسی دوران انہوں نے آپ سے مناسک حج لکھوائے۔ واقعہ یوں ہے کہ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ انہوں نے امام اعظم سے پوچھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کہاں سے یہ کہتے ہو۔ فرمایا۔ آپ ہی کی بیان کردہ احادیث سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کردیا۔ امام اعمش نے فرمایا۔ بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سناڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث میں یہ عمل کرتے ہیں۔

یامعشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایھا الرجل اخذت بکلا الطرفین۔

اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور آپ نے دونوں کو حاصل کرلیا۔

امام حماد: امام اعظم کے عظیم استاذ حدیث وفقہ ہیں اور حضرت انس سے حدیث سنی تھی بڑے بڑے ائمہ تابعین سے ان کو شرف تلمذ حاصل تھا۔

سلمہ بن کہیل: تابعی جلیل ہیں، بہت سے صحابہ کرام سے روایت کی۔ کثیر الروایت اور صحیح الروایت تھے۔

ابواسحاق سبیعی۔ علی بن مدینی نے کہا ان کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو ہے۔ ان میں اڑتیس صحابہ کرام ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم سرفہرست ہیں۔

کوفہ کے علاوہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں آپ نے ایک زمانہ تک علم حدیث حاصل فرمایا: چونکہ آپ نے پچپن حج کئے اس لئے ہر سال حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما میں حاضری کا موقع ملتا تھا اور آپ اس موقع پر دنیائے اسلام سے آنے والے مشائخ سے اکتساب علم کرتے۔

مکہ معظمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح سرتاج محدثین تھے، دوسرے صحابہ کرام کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مجتہد وفقیہ تھے۔ حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ ایام حج میں اعلان عام ہوجاتا کہ عطاء کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین امام اوزاعی، امام زہری، امام عمرو بن دینار ان کے شاگرد تھے۔ امام اعظم نے اپنی خداداد ذہانت وفطانت سے آپ کی بارگاہ میں وہ مقبولیت حاصل کرلی تھی آپ کو قریب تر بٹھاتے۔ تقریباً بیس سال خدمت میں حج بیت اللہ کے موقع پر حاضر ہوتے رہے۔

حضرت عکرمہ کا قیام بھی مکہ مکرمہ میں تھا، یہ جلیل القدر صحابہ کے تلمیذ ہیں۔ حضرت علی، حضرت ابوہریرہ، ابوقتادہ، ابن عمر اور ابن عباس کے تلمیذ خاص ہیں۔ ستر مشاہیر ائمہ تابعین ان کے تلامذہ میں داخل ہیں۔ امام اعظم نے ان سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

مدینہ طیبہ میں سلیمان مولی ام المومنین میمونہ اور سالم بن عبداللہ سے احادیث سنیں۔

انکے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی اکتساب علم کیا۔

بصرہ کے تمام مشاہیر سے اخذ علم فرمایا، یہ شہر حضرت انس بن مالک کی وجہ سے مرکز حدیث بن گیا تھا۔ امام اعظم کی آمدورفت یہاں کثرت سے تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات بصرہ میں بھی ہوئی اور آپ جب کوفہ تشریف لائے اس وقت بھی۔

غرضکہ امام اعظم کو حصول حدیث میں وہ شرف حاصل ہے جو دیگر ائمہ کو نہیں، آپ کے مشائخ میں صحابہ کرام سے لیکر کبار تابعین اور مشاہیر محدثین تک ایک عظیم جماعت داخل ہے اور آپ کے مشائخ کی تعداد چار ہزار تک بیان کی گئی ہے۔

تلامذہ: آپ سے علم حدیث وفقہ حاصل کرنے والے بے شمار ہیں، چند مشاہیر کے اسماء اس طرح ہیں۔

امام ابویوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حماد بن ابی حنیفہ، امام مالک، امام عبداللہ بن مبارک، امام زفر بن ہذیل، امام داؤد طائی، فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، بشر بن الحارث حافی، ابوسعید یحیی بن زکریا کوفی ہمدانی، علی بن مسہر کوفی، حفص بن غیاث، حسن بن زناد، مسعر بن کدام، نوح بن دراج نخعی، ابراہیم بن طہمان، اسحاق بن یوسف ازرق، اسد بن عمر وقاضی، عبدالرزاق، ابونعیم، حمزہ بن حبیب الزیات، ابویحییٰ حمانی، عیسیٰ بن یونس، یزید بن زریع، وکیع بن جراح، ہشیم، حکام بن یعلی رازی، خارجہ بن مصعب، عبدالحمید بن ابی داؤد، مصعب بن مقدام، یحییٰ بن یمان، لیث بن سعد، ابوعصمہ بن مریم، ابوعبدالرحمن مقری، ابوعاصم وغیرہم۔

تصانیف۔ امام اعظم نے کلام وعقائد، فقہ واصول اور آداب واخلاق پر کتابیں تصنیف فرماکر اس میدان میں اولیت حاصل کی ہے۔

امام اعظم کے سلسلہ میں ہر دور میں کچھ لوگ غلط فہمی کا شکار رہے ہیں اور آج بھی یہ مرض بعض لوگوں میں موجود ہے۔ فقہ حنفی کو بالعموم حدیث سے تہی دامن اور قیاس ورائے پر اسکی بنا سمجھی جاتی ہے جو سراسر خلاف واقع ہے۔ اس حقیقت کو تفصیل سے جاننے

کے لئے بڑے بڑے علمائے فن کے رشحات قلم ملاحظہ کریں جن میں امام یوسف بن عبدالھادی حنبلی، امام سیوطی شافعی، امام ابن حجر مکی شافعی، امام محمد صالحی شافعی وغیرہم جیسے اکابر نے اسی طرح کی پھیلائی گئی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ علم حدیث میں امام اعظم کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن میں کوئی دوسرا محدث شریک نہیں۔

امام اعظم کی مرویات کے مجموعے چار قسم کے شمار کئے گئے ہیں جیسا کہ شیخ محمد امین نے وضاحت سے "مسانید الامام ابی حنیفہ" میں لکھا ہے۔

کتاب الآثار۔ مسند امام ابوحنیفہ۔ اربعینات۔ وحدانیات۔

متقدمین میں تصنیف وتالیف کا طریقہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے لائق وقابل فخر تلامذہ کو املا کراتے، یا خود تلامذہ درس میں خاص چیزیں ضبط تحریر میں لے آتے، اسکے بعد راوی کی حیثیت سے ان تمام معلومات کو جمع کر کے روایت کرتے اور شیخ کی طرف منسوب فرماتے تھے۔

کتاب الآثار۔ امام اعظم نے علم حدیث وآثار پر مشتمل کتاب الآثار، یونہی تصنیف فرمائی، آپ نے اپنے مقرر کردہ اصول وشرائط کے مطابق چالیس ہزار احادیث کے ذخیرہ سے اس مجموعہ کا انتخاب کر کے املا کرایا۔ قدرے تفصیل گذر چکی ہے۔ کتاب میں مرفوع، موقوف، اور مقطوع سب طرح کی احادیث ہیں۔ کتاب الآثار کے راوی آپ کے متعدد تلامذہ ہیں جن کی طرف منسوب ہوکر علیحدہ علیحدہ نام سے معروف ہیں اور مرویات کی تعداد میں بھی حذف واضافہ ہے۔

عام طور سے چند نسخے مشہور ہیں:

۱۔ کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف۔

۲۔ کتاب الآثار بروایت امام محمد۔

۳۔ کتاب الآثار بروایت امام حماد بن امام اعظم۔

۴۔ کتاب الآثار بروایت حفص بن غیاث۔

۵۔ کتاب الآثار بروایت امام زفر (یہ سنن زفر کے نام سے بھی معروف ہوئی)

۶۔ کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد

ان میں بھی زیادہ شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

روی الآثار عن نبل ثقات۔ غزار العلم مشیخة حصیفة۔

امام اعظم نے الآثار، کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

والموجود من حدیث ابی حنیفة مفردا انما هو کتاب الآثار التی رواه محمد بن الحسن۔

اوراس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے کتاب الآثار موجود ہے جسے امام محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔اس میں مرفوع احادیث ۱۲۲ ہیں۔

امام ابو یوسف کا نسخہ زیادہ روایات پر مشتمل ہے،امام عبدالقادر حنفی نے امام ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف کے ترجمہ میں لکھا ہے: روی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ وھو مجلد ضخم۔

یوسف بن ابو یوسف نے اپنے والد کے واسطہ سے امام اعظم ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے جو ایک ضخیم جلد ہے، اس میں ایک ہزار ستر (۱۰۷۰) احادیث ہیں۔

مسند امام ابوحنیفہ

یہ کتاب امام اعظم کی طرف منسوب ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جن شیوخ سے احادیث کو روایت کیا ہے بعد میں محدثین نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کر کے مسانید کو مرتب کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے تدوین فقہ اور درس کے وقت تلامذہ کو مسائل شرعیہ بیان فرماتے ہوئے جو دلائل بصورت روایت بیان فرمائے تھے ان روایات کو آپ کے تلامذہ یا بعد کے محدثین نے جمع کر کے مسند کا نام دیدیا۔ ان مسانید اور مجموعوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

۱۔ مسند الامام مرتب امام حماد بن ابی حنیفہ

۲۔ مسند الامام مرتب امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری

۳۔ مسند الامام مرتب امام محمد بن حسن الشیبانی

۴۔ مسند الامام مرتب امام حسن بن زیاد لؤلوی

۵۔ مسند الامام مرتب حافظ ابو محمد عبداللہ بن یعقوب الحارث البخاری

۶۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد

۷۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالحسین محمد بن مظہر بن موسیٰ

۸۔ مسند الامام مرتب حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی

۹۔ مسند الامام مرتب الشیخ الثقۃ ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاری

۱۰۔ مسند الامام مرتب حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی

۱۱۔ مسند الامام مرتب حافظ عمر بن حسن الاشنانی

۱۲۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی

۱۳۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی

۱۴۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد السعدی

۱۵۔ مسند الامام مرتب حافظ عبداللہ بن مخلد بن حفص البغدادی

۱۶۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالحسن علی بن عمر بن احمد الدارقطنی

۱۷۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین

۱۸۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی

۱۹۔ مسند الامام مرتب حافظ شیخ الحرمین عیسیٰ المغربی المالکی

۲۰۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر القیسرانی

۲۱۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالعباس احمد الہمدانی المعروف بابن عقدہ

۲۲۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم الاصفہانی المعروف بابن المقری

۲۳۔ مسند الامام مرتب حافظ ابواسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الحنفی

۲۴۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالحسن عمر بن حسن الاشانی

۲۵۔ مسند الامام مرتب حافظ ابوالقاسم علی بن حسن المعروف بابن عساکر الدمشقی۔

ان علاوہ کچھ مسانید وہ بھی ہیں جن کو مندرجہ بالا مسانید میں سے کسی میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ابن عقدہ کی مسند میں ان چار حضرات کی مسانید کا تذکرہ ہے اور یہ ایک ہزار سے زیادہ احادیث پر مشتمل ہے۔

۱۔ حمزہ بن حبیب التیمی الکوفی

۲۔ محمد بن مسروق الکندی الکوفی

۳۔ اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ

۴۔ حسین بن علی

پھر یہ کہ جامع مسانید امام اعظم جس کو علامہ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی نے ابواب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا تھا اس میں کتاب الآثار کے نسخے بھی شامل ہیں اگر ان کو علیحدہ شمار کیا جائے تو پھر اس عنوان سند کے تحت آنے والی مسانید کی تعداد اکتیس ہوگی جبکہ جامع المسانید میں صرف پندرہ مسانید ہیں اور ان کی بھی تلخیص کی گئی ہے مکرر اسناد کو حذف کر دیا ہے یہ مجموعہ چالیس ابواب پر مشتمل ہے اور کل روایات کی تعداد ۱۷۱۰ ہے۔

مرفوع روایات ۹۱۶

غیر مرفوع ۷۹۴

پانچ یا چھ واسطوں والی روایات بہت کم اور نادر ہیں، عام روایات کا تعلق رباعیات،

ثلاثیات، ثنائیات اور وحدانیات سے ہے۔

علامہ خوارزمی نے اس مجموعہ مسند کے لکھنے کی وجہ یوں بیان کی ہے، کہ میں نے ملک شام میں بعض جاہلوں سے سنا کہ حضرت امام اعظم کی روایت حدیث کم تھی۔ ایک جاہل نے تو یہانتک کہا کہ امام شافعی کی مسند بھی ہے اور امام احمد کی مسند بھی ہے، اور امام

مالک نے تو خود موطا لکھی۔ لیکن امام ابوحنیفہ کا کچھ بھی نہیں۔

یہ سن کر میری حمیت دینی نے مجھکو مجبور کیا کہ میں آپ کی ۱۵ مسانید و آثار سے ایک مسند مرتب کروں، لہٰذا ابواب فقہیہ پر میں نے اس کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔ (۲۳)

کتاب الآثار، جامع المسانید اور دیگر مسانید کی تعداد کے اجمالی تعارف کے بعد یہ بات اب حیز خفا میں نہیں رہ جاتی کہ امام اعظم کی محفوظ مرویات کتنی ہوں گی، امام مالک اور امام شافعی کی مرویات سے اگر زیادہ تسلیم نہیں کی جاسکیں تو کم بھی نہیں ہیں، بلکہ مجموعی تعداد کے غالب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

امام اعظم کی مسانید کی کثرت سے کوئی اس مغالطہ کا شکار نہ ہو کہ پھر اس میں رطب و یابس سب طرح کی روایات ہوں گی۔ ہم نے عرض کیا کہ اول تو مرویات میں امام اعظم قدس سرہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور جو واسطے مذکور ہوتے ہیں ان کی حیثیت وعلوشان کا اندازہ اس سے کیجئے کہ:

امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃ الکبری میں فرماتے ہیں۔

وقد من اللہ علی بمطالعة مسانید الامام ابی حنیفة الثلاثة فرأیته لایروی حدیثا الاعن اخیار التابعین العدول الثقات الذین هم من خیرالقرون بشهادة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کالاسود وعلقمة وعطاء وعکرمة ومجاهد ومکحول والحسن البصری واضرابهم رضی اللہ عنهم اجمعین۔ بینه وبین رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عدول ثقات اعلام اخیار لیس فیهم کذاب ولامنهم بکذب۔ (۲۴)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کو مطالعہ کیا۔ میں نے ان میں دیکھا کہ امام اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی، جیسے اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم۔ لہٰذا امام اعظم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں جن کی طرف کذب کی نسبت بھی نہیں کی جاسکتی اور نہ وہ کذاب ہیں۔

اربعینات: امام اعظم کی مرویات سے متعلق بعض حضرات نے اربعین بھی تحریر فرمائی ہیں

مثلاً:

الاربعین من روایات نعمان سید المجتهدین۔ (مولانا محمد ادریس نگرامی)

الاربعین۔ (شیخ حسن محمد بن شاہ محمد ہندی)

وحدانیات: امام اعظم کی وہ روایات جن میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف ایک وسطہ ہو ان روایات کو بھی ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس سلسلہ میں

بعض تفصیلات حسب ذیل ہیں:

۱۔جزء مارواہ ابو حنیفۃ عن الصحابۃ۔
جامع ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد شافعی۔
امام سیوطی نے اس رسالہ کو تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں شامل کر دیا ہے، چند احادیث قارئین ملاحظہ فرما چکے۔

۲۔الاختصار والترجیح للمذھب الصحیح۔
امام ابن جوزی کے پوتے یوسف نے اس کتاب میں بعض روایات نقل فرمائی ہیں۔
دوسرے ائمہ نے بھی اس سلسلہ میں روایات جمع کی ہیں۔مثلاً:

۱۔ابو حامد محمد بن ہارون حضرمی
۲۔ابوبکر عبدالرحمن بن محمد سرخسی
۳۔ابوالحسین علی بن احمد بن عیسیٰ نہفقی

ان تینوں حضرات کے اجزاء وحدانیات کو ابو عبداللہ محمد دمشقی حنفی المعروف بابن طولون م ۹۵۳، نے اپنی سند سے کتاب فہرست الاوسط میں روایت کیا۔
نیز علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی سند سے المعجم المفہرس میں علامہ خوارزمی نے جامع المسانید کے مقدمہ میں ابو عبداللہ صیمری نے فضائل ابی حنیفہ واخبارہ میں روایت کیا ہے۔
البتہ بعض حضرات نے ان وحدانیات پر تنقید بھی کی ہے، تو اسکے لئے ملا علی قاری، امام عینی اور امام سیوطی کی تصریحات ملاحظہ کیجئے، ان تمام حضرات نے حقیقت واضح کر دی ہے۔
امام اعظم کی فن حدیث میں عظمت وجلالت شان ان تمام تفصیلات سے ظاہر وباہر ہے لیکن بعض لوگوں کو اب بھی یہ شبہ ہے کہ جب اتنے عظیم محدث تھے تو روایات اب بھی اس حیثیت کی نہیں، محدث اعظم واکبر ہونے کا تقاضہ تو یہ تھا کہ لاکھوں احادیث آپ کو یاد ہونا چاہیئے تھیں جیسا کہ دوسرے محدثین کے بارے میں منقول ہے۔تو اس سلسلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی کی محققانہ بحث ملاحظہ کریں جس سے حقیقت واضح ہو جائے گی۔لکھتے ہیں:
چونکہ بعض اہل اہوا یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔اس لئے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔حضرت ملا علی قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔
ان الامام ذکر فی تصانیفہ بضع وسبعین الف حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث۔
امام ابو حنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔
اور صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں: وانتخب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث۔

امام ابوحنیفہ نے کتاب الاثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔ ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت در حقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ ایک متن حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہوگا۔ منکرین حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور کی پوری رسالت کی زندگی کی شب و روز پر ان کو تقسیم کیا جائے تو احادیث حضور کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی۔ پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قابل تسلیم ہوگی۔ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں: ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی صلی الله علیه وسلم یعنی الصحیحة بلا تکرار اربعة الاف واربع مائة۔

بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے اس عرصہ میں بکثرت احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سیکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم تھا نہیں، اس لئے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایت کی تعداد کا فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے، نفس روایت نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسانید کے ساتھ مل سکتی تھیں امام اعظم نے ان تمام طرق و اسانید کے ساتھ ان احادیث کو حاصل کر لیا تھا اور حدیث واثر کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا۔ وہ اپنے زمانے کے تمام محدثین پر ادراک حدیث میں فائق اور غالب تھے۔ چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں:

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبت واخذ نا فی الزهد فبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون۔

میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسیٰ اپنے استاد امام عبدالرحمن مقری سے روایت کرتے ہیں:

وکان اذا حدث عن ابی حنیفة قال حدثنا شاهنشاه۔

امام مقری جب امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فن حدیث میں تمام پر فائق اور غالب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اصطلاح حدیث میں حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور کی تمام مرویات پر متناً وسنداً دسترس رکھتا ہو، مراتب محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے۔ کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیات انسانی کے تمام شعبوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

امام اعظم کے محدثانہ مقام پر ایک شبہ کا ازالہ: گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاتکرار احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار چار سو ہے اور امام حسن بن زیاد کے بیان کے مطابق امام اعظم نے جو احادیث بلاتکرار بیان فرمائی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ پس امام اعظم کے بارے میں حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعوی کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار احادیث کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امام اعظم کو علم بھی نہ ہو کیونکہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

خیال رہے امام اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جن سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے عمل کا ایک راستہ متعین فرمایا ہے جنہیں عرف عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حدیث کا مفہوم سنت سے عام ہے کیونکہ احادیث کے مفہوم میں وہ روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ، آپ کی قلبی واردات، خصوصیات، گذشتہ امتوں کے قصص اور مستقبل کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام ومسائل کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امام اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیل سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں۔

جو احکام سے متعلق نہیں ہیں لیکن یہاں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

فن حدیث میں امام اعظم کا فیضان: امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر

آپ کے حلقۂ درس میں سماع حدیث کے لئے حاضر ہوتا۔

حافظ ابن عبدالبر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں: وکان یحفظ حدیثه کله وکان قد سمع من ابی حنیفة

کثیرا۔

وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔

امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم اباحنیفة رحمه الله وسمع منه الحدیث۔

انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لئے ابوحنیفہ کے درس کو لازم کرلیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے۔امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں ان حوالوں سے یہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے، ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلا واسطہ شاگرد ہیں۔

فقیہ عصر شارح بخاری علیہ رحمۃ الباری تقلیل روایت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے۔مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے۔انہیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں۔غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟۔

پھر محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا۔مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا۔وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لئے قرآن وحدیث واقوال صحابہ سے متع مسائل اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط اور ان کو جمع کرنا تھا۔مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے۔اس میں مصروفیت اور پھر عوام وخواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

ایک وجہ قلت روایت کی یہ بھی ہے کہ آپ نے روایت حدیث کے لئے نہایت سخت اصول وضع کئے تھے، اور استدلال واستنباط مسائل میں مزید احتیاط سے کام لیتے، نتیجہ کے طور پر روایت کم فرمائی۔

چند اصول یہ ہیں:

۱۔سماعت سے لیکر روایت تک حدیث راوی کے ذہن میں محفوظ رہے۔

۲۔ صحابہ وفقہاء تابعین کے سوا کسی کی روایت بالمعنی مقبول نہیں۔

۳۔صحابہ سے ایک جماعت اتقیاء نے روایت کیا ہو۔

۴۔عمومی احکام میں وہ روایت چند صحابہ سے آئی ہو۔

۵۔اسلام کے کسی مسلم اصول کے مخالف نہ ہو۔

۶۔قرآن پر زیادت یا تخصیص کرنے والی خبر واحد غیر مقبول ہے۔

۷۔صراحت قرآن کے مخالف خبر واحد بھی غیر مقبول ہے۔

۸۔سنت مشہورہ کے خلاف خبر واحد بھی غیر مقبول ہے۔

۹۔ راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو جب بھی غیر مقبول۔

۱۰۔ایک واقعہ کے دو راوی ہوں، ایک کی طرف سے امر زائد منقول ہو اور دوسرا نفی بلا دلیل کرے تو یہ نفی مقبول نہیں۔

۱۱۔حدیث میں حکم عام کے مقابل حدیث میں حکم خاص مقبول نہیں۔

۱۲۔صحابہ کی ایک جماعت کے عمل کے خلاف خبر واحد قولی یا عملی مقبول نہیں۔

۱۳۔کسی واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات میں قریب سے مشاہدہ کرنے والے کی روایت مقبول ہوگی۔

۱۴۔قلت وسائط اور کثرت تفقہ کے اعتبار سے راویوں کی متعارض روایات میں کثرت تفقہ کو ترجیح ہوگی۔

۱۵۔حدود وکفارات میں خبر واحد غیر مقبول۔

۱۶۔جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

واضح رہے کہ احادیث کو محفوظ کرنا پہلی منزل ہے، پھر ان کو روایت کرنا اور اشاعت دوسرا درجہ۔اور آخری منزل ان احادیث سے مسائل اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط ہے۔اس منزل میں آکر غایت احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے۔امام اعظم نے کتنی روایات محفوظ کی تھیں آپ پڑھ چکے کہ اس وقت کی تمام مرویات آپ کے پیش نظر تھیں۔پھر ان سب کو روایت نہ کرنے کی وجہ استنباط واستخراج مسائل میں مشغولی تھی جیسا کہ گذر گیا۔

اب آخری منزل جو خاص احتیاط کی تھی اس کے سبب تمام روایات صحائف میں ثبت نہ ہوسکیں کہ ان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔جو معمول بہا تھیں ان کو املا کرایا اور انہیں سے تدوین فقہ میں کام لیا۔

فقہ حنفی میں بظاہر جو تقلیل روایت نظر آتی ہے اس کی ایک وجہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ امام اعظم نے جو مسائل شرعیہ بیان فرمائے ان کو لوگ ہر جگہ محض امام اعظم کا قول سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا ہر گز نہیں۔بلکہ کثیر مقامات پر ایسا ہے کہ احادیث بصورت مسائل ذکر کی گئی ہیں۔امام اعظم نے احادیث وآثار کو حسب موقع بصورت افتاء ومسائل نقل فرمایا ہے جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کہنے والے کا خود اپنا قول ہے حالانکہ وہ کسی روایت سے حاصل شدہ حکم ہوتا ہے حتی کہ بعض اوقات بعینہ روایت کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

امام اعظم کا یہ طریقہ خود اپنا نہیں تھا بلکہ ان بعض اکابر صحابہ کا تھا جو روایت حدیث میں غایت احتیاط سے کام لیتے تھے، وہ ہر جگہ صریح طور پر حضور کی طرف نسبت کرنے سے احتراز کرتے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی صراحۃ نسبت

کرنے میں ان کی نظر حضور کے اس فرمان کی طرف رہتی تھی کہ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔

لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے شعوری یا غیر شعوری طور پر انتساب میں کوتاہی ہو جائے اور ہم اس وعید شدید کے سزاوار ٹھہریں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اس سلسلہ میں سرفہرست رہے ہیں جن کے واقعات آپ نے ابتداء مضمون میں ملاحظہ فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کی شام بلاناغہ حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن میں نے کبھی آپ کی زبان سے یہ الفاظ نہیں سنے کہ حضور نے یہ فرمایا۔

ایک شام ان کی زبان سے یہ اُلفاظ نکلے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہتے ہیں! یہ الفاظ کہتے ہی وہ جھک گئے میں نے ان کی طرف دیکھا تو کھڑے تھے، ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ یہ آپ کی غایت احتیاط کا مظاہرہ تھا۔

اس وجہ سے آپ کے تلامذہ میں بھی یہ طریقہ رائج رہا کہ اکثر احادیث بصورت مسائل بیان فرماتے اور وقت ضرورت ہی حضور کی طرف نسبت کرتے تھے، کوفہ میں مقیم محدثین وفقہاء بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے، امام اعظم کا سلسلہ سند حدیث وفقہ بھی آپ تک پہنچتا ہے لہٰذا جو احتیاط پہلے سے چلی آرہی تھی اس کو امام اعظم نے بھی اپنایا ہے اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ابوحنیفہ احادیث سے کم اور اپنی رائے سے زیادہ کام لیتے اور فتویٰ دیتے ہیں۔

کلمات الثنا: امام اعظم کی جلالت شان اور علمی وعملی کمالات کو آپ کے معاصرین واقران۔ محدثین وفقہاء، مشائخ وصوفیاء، تلامذہ واساتذہ سب نے تسلیم کیا اور بیک زبان بے شمار حضرات نے آپ کی برتری وفضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ حدیث وفقہ دونوں میں آپ کی علو شان کی گواہی دینے میں بڑے بڑوں نے بھی کبھی کوئی جھجک محسوس نہیں کی، چند حضرات کے تاثرات ملاحظہ کیجئے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا، ان کی مجلس میں اپنے آپ کو جتنا کم رتبہ دیکھتا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا، اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔

نیز فرمایا:

امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے، ابوحنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو۔ اگر ابوحنیفہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔ آپ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے وہی کہتے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، احادیث ناسخ ومنسوخ کے بہت ماہر تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان ثوری کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔ میں نے ان میں دیکھا کہ ہر دن شرافت اور خیر کا اضافہ ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، میری آنکھوں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

مکی بن ابراہیم استاذ امام بخاری فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے اعلم علماء تھے۔

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا، اخیر میں امام ابوحنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا: سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے، میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

سعید بن عروبہ نے کہا: ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا وہ سب آپ میں مجتمع تھا۔

خلف بن ایوب نے کہا: اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور کو ملا، اور حضور نے صحابہ کو، صحابہ نے تابعین کو اور تابعین سے امام اعظم اور آپ کے اصحاب کو، حق یہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔

اسرائیل بن یونس نے کہا: اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں امام ابوحنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے حضرت قاسم فرماتے: امام ابوحنیفہ کی مجلس سے زیادہ فیض رساں اور کوئی مجلس نہیں۔

حفص بن غیاث نے کہا: امام ابوحنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے نہ دیکھا جو احکام میں صحیح اور مفید ہوں۔

مسعر بن کدام کہتے تھے: مجھے صرف دو آدمیوں پر رشک آتا ہے، ابوحنیفہ پر ان کی فقہ کی وجہ سے، اور حسن بن صالح پر ان کے زہد کی وجہ سے۔

ابوعلقمہ نے کہا: میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی حدیثوں کو امام ابوحنیفہ پر پیش کیا تو انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا، اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں کیوں نہیں سنادیں۔

امام ابویوسف فرماتے: میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر حدیث کے معانی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ جس مسئلہ میں غور و خوض کرتا تو امام اعظم کا نظریہ اخروی نجات سے زیادہ قریب تھا۔ میں آپ کے لئے اپنے والد سے پہلے دعا مانگتا ہوں۔

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں: امام سفیان امام اعظم کے لئے کھڑے ہوتے تو میں نے تعظیم کی وجہ پوچھی۔ فرمایا: وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں، اگر میں ان کے علم کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے سن و سال کی وجہ سے اٹھتا، اگر اس وجہ سے نہیں تو ان کی فقہ کی وجہ سے اٹھتا، اور اس کے لئے بھی نہیں تو تقویٰ کی وجہ سے اٹھتا۔

امام شافعی فرماتے: تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں، امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں موافقت حق عطا کی گئی۔

امام یحییٰ بن معین نے کہا: جب لوگ امام اعظم کے مرتبہ کو نہ پاسکے تو حسد کرنے لگے۔

امام شعبہ نے وصال امام اعظم پر فرمایا: اہل کوفہ سے علم کے نور کی روشنی بجھ گئی، اب اہل کوفہ ان کا مثل نہ دیکھ سکیں گے۔
داؤد طائی نے کہا: ہر وہ علم جو امام ابوحنیفہ کے علم سے نہیں وہ اس علم والے کے لئے آفت ہے۔
ابن جریج نے وصال امام اعظم پر فرمایا: کیسا عظیم علم ہاتھ چلا گیا۔
یزید بن ہارون فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ متقی، پرہیز گار، زاہد، عالم، زبان کے سچے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ تھے، میں نے ان کے معاصرین پائے سب کو یہ ہی کہتے سنا: ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔
فضیل بن عیاض نے فرمایا: ابوحنیفہ ایک فقیہ شخص تھے اور فقہ میں معروف، انکی رات عبادت میں گذرتی، بات کم کرتے، ہاں جب مسئلہ حلال وحرام کا آتا تو حق بیان فرماتے، صحیح حدیث ہوتی تو اس کی پیروی کرتے خواہ صحابہ وتابعین سے ہو ورنہ قیاس کرتے اور اچھا قیاس کرتے۔
ابن شبرمہ نے کہا: عورتیں عاجز ہوگئیں کہ نعمان کا مثل جنیں۔ عبدالرزاق بن ہمام کہتے ہیں: ابوحنیفہ سے زیادہ علم والا کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔
امام زفر نے فرمایا: امام ابوحنیفہ جب تکلم فرماتے تو ہم یہ سمجھتے کہ فرشتہ ان کو تلقین کر رہا ہے۔ علی بن ہاشم نے کہا: ابوحنیفہ علم کا خزانہ تھے، جو مسائل بڑوں پر مشکل ہوتے آپ پر آسان ہوتے۔
امام ابوداؤد نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مالک پر وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ابوحنیفہ پر وہ امام تھے۔
یحییٰ بن سعید قطان نے کہا: امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر کسی کی رائے نہیں،
خارجہ بن مصعب نے کہا: فقہاء میں ابوحنیفہ مثل چکی کے پاٹ کے محور ہیں، یا ایک ماہر صراف کے مانند ہیں جو سونے کو پرکھتا ہے۔
عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے کہہ رہے تھے: قسم بخدا! میں نے فقہ میں تم سے اچھا بولنے والا صبر کرنے والا اور تم سے بڑھکر حاضر جواب نہیں دیکھا، بیشک تمہارے دور میں جس نے فقہ میں لب کشائی کی تم اس کے بلا قیل وقال آقا ہو۔ جو لوگ آپ پر طعن کرتے ہیں وہ حسد کی بنا پر کرتے ہیں۔
ابومطیع نے بیان کیا کہ میں ایک دن کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور دوسرے علماء آئے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے کہا: ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں کثرت سے قیاس کرتے ہیں۔ اسکی وجہ سے ہم کو آپ کی عاقبت کا اندیشہ ہے، کیونکہ ابتداء جس نے قیاس کیا ہے وہ ابلیس ہے۔ امام ابوحنیفہ نے ان حضرات سے بحث کی اور یہ بحث صبح سے زوال تک جاری رہی اور وہ دن جمعہ کا تھا۔
حضرت امام نے اپنا مذہب بیان کیا کہ اولاً کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت پر، اور پھر حضرات صحابہ کے فیصلوں پر، اور جس پر ان حضرات کا اتفاق ہوتا ہے اسکو مقدم رکھتا ہوں اور اسکے بعد قیاس کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرات علماء کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام کے سر اور گھٹنوں کو بوسہ دیا اور کہا: آپ علماء کے سردار ہیں اور ہم نے جو کچھ برائیاں کی ہیں اپنی لاعلمی کی

وجہ سے کی ہیں۔آپ اس کو معاف کردیں۔آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ سب کی مغفرت فرمائے۔آمین۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں امام اوزاعی سے ملنے ملک شام آیا اور بیروت میں ان سے ملا۔انہوں نے مجھ سے کہا: اے خراسانی! یہ بدعتی کون ہے جو کوفہ میں نکلا ہے اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہے، میں اپنی قیام گاہ پر آیا اور امام ابوحنیفہ کی کتابوں میں مصروف ہوا، چند مسائل اخذ کر کے پہنچا، میرے ہاتھ میں تحریر دیکھ کر پوچھا کیا ہے، میں نے پیش کیا، تحریر پڑھ کر بولے، یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا: ایک شیخ ہیں جن سے عراق میں میری ملاقات ہوئی۔فرمایا: یہ مشائخ میں زیادہ دانشمند ہیں۔ان سے علم میں اضافہ کرو، میں نے ان سے کہا: یہ ہی وہ ابوحنیفہ ہیں جن سے آپ نے مجھے روکا تھا۔

امام اعظم سے اس کے بعد مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی، مسائل میں گفتگو ہوئی، جب ان سے میری ملاقات دوبارہ ہوئی تو امام اوزاعی فرماتے تھے، اب مجھے ان کے کثرت علم و عقلمندی پر رشک ہوتا ہے۔میں ان کے متعلق کھلی غلطی پر تھا، میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

مدینہ منورہ میں حضرت امام باقر سے ملاقات ہوئی، ایک صاحب نے تعارف کرایا، فرمایا: اچھا آپ وہی ہیں جو قیاس کر کے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہیں۔عرض کیا: معاذاللہ، کون رد کرسکتا ہے۔حضور اگر اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔اجازت کے بعد عرض کیا:

حضور مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا: عورت۔عرض کیا: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

فرمایا: مرد کا۔

عرض کیا:

میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم دیتا۔

پھر عرض کیا:

نماز افضل ہے یا روزہ؟

فرمایا: نماز۔

عرض کیا:

قیاس یہ چاہتا ہے کہ حائضہ پر نماز کی قضا بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہیئے، اگر قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا کرے۔

پھر عرض کیا:

منی کی ناپاکی شدید تر ہے یا پیشاب کی؟

فرمایا: پیشاب کی۔

عرض کیا:

قیاس کرتا تو پیشاب کے بعد غسل کا حکم بدرجہ اولی دیتا۔

اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھکر پیشانی چوم لی۔ اس کے بعد ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں رہ کر فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: یہ ابوحنیفہ ہیں اور اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

یہ ائمہ وقت اور اساطین ملت تو امام اعظم کے علم وفن اور فضل وکمال پر کھلے دل سے شہادت پیش کرتے ہیں اور آج کے کچھ نام نہاد مجتہدین وقت نہایت بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے کہتے پھرتے اور کتابوں میں لکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کا حشر عابدین میں تو ہوسکتا ہے لیکن علماء وائمہ میں نہیں ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

محیر العقول فتاویٰ

امام وکیع بیان کرتے ہیں کہ ایک ولیمہ کی دعوت میں امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، مالک بن مغول، جعفر بن زیاد، احمد اور حسن بن صالح کا اجتماع ہوا۔ کوفہ کے اشراف اور موالی کا اجتماع تھا۔ صاحب خانہ نے اپنے دو بیٹوں کی شادی ایک شخص کی دو بیٹیوں سے کی تھی۔ یہ شخص گھبرایا ہوا آیا اور اس نے کہا۔ ہم ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں اور اس نے بیان کیا گھر میں غلطی سے ایک کی بیوی دوسرے کے پاس پہنچادی گئی اور دونوں نے اپنے بھائی کی بیوی سے شب باشی کرلی ہے۔

سفیان ثوری نے کہا کوئی بات نہیں۔

اور آپ نے کہا میرے نزدیک دونوں افراد پر شب باشی کرنے کی وجہ سے مہر واجب ہے اور ہر عورت اپنے زوج کے پاس چلی جائے (یعنی جس سے اس کا نکاح ہوا ہے) لوگوں نے سفیان کی بات سنی اور پسند کی امام ابوحنیفہ خاموش بیٹھے رہے۔ مسعر بن کدام نے ان سے کہا تم کیا کہتے ہو۔ سفیان ثوری نے کہا وہ اس بات کے علاوہ کیا کہیں گے۔ ابوحنیفہ نے کہا۔ دونوں لڑکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ دونوں آئے۔ حضرت امام نے ان میں سے ہر ایک سے دریافت کیا" تم کو وہ عورت پسند ہے جس کے ساتھ تم نے شب باشی کی ہے۔" ان دونوں نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے ہر ایک سے کہا اس عورت کا نام کیا ہے جو تمہارے بھائی کے پاس گئی ہے۔ دونوں نے لڑکی کا اور اس کے باپ کا نام بتایا۔

آپ نے ان سے کہا۔ اب تم اس کو طلاق دو۔ چنانچہ دونوں نے طلاق دی اور آپ نے خطبہ پڑھ کر ہر ایک کا نکاح اس عورت سے کردیا جو اس کے پاس رہی ہے۔ اور آپ نے دونوں لڑکوں کے والد سے کہا۔ دعوت ولیمہ کی تجدید کرو۔

ابوحنیفہ کا فتویٰ سن کر سب متحیر ہوئے اور مسعر نے اٹھ کر ابوحنیفہ کا منہ چوما اور کہا تم لوگ مجھ کو ابوحنیفہ کی محبت پر ملامت کرتے ہو۔

جواب امام سفیان کا بھی درست تھا لیکن کیا ضروری تھا کہ دونوں شوہروں کی غیرت اس بات کو گوارہ کرلیتی کہ جس سے دوسرے نے شب باشی کی ہے کہ وہ اب اس پہلے کے ساتھ رہے۔

امام وکیع ہی بیان کرتے ہیں: ہم امام ابوحنیفہ کے پاس تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میرے بھائی کی وفات ہوئی

ہے اس نے چھ سو دینار چھوڑے اور اب مجھ کو ورثہ میں ایک دینار ملا ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ میراث کی تقسیم کس نے کی ہے۔ اس نے کہا داؤد طائی نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا انہوں نے ٹھیک کی ہے۔ کیا تمہارے بھائی نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے پوچھا اور ماں چھوڑی ہے؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے پوچھا اور بیوی چھوڑی ہے؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے پوچھا اور ایک بہن اور بارہ بھائی چھوڑے ہیں؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے کہا لڑکیوں کا دو تہائی حصہ ہے یعنی چار سو دینار اور چھٹا حصہ ماں کا ہے یعنی ایک سو دینار اور آٹھواں حصہ بیوی کا ہے یعنی پچھتر دینار۔ باقی رہے پچیس دینار۔ اس سے بارہ بھائیوں کے چوبیس دینار یعنی ہر بھائی کو دو دینار اور تم بہن ہو تمہارا ایک دینار ہوا۔

امام ابو یوسف بیان فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ سے کسی شخص نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنی بیوی سے بات نہیں کروں گا جب تک وہ مجھ سے بات نہ کرلے، اور میری بیوی نے قسم کھائی کہ جو مال میرا ہے وہ سب صدقہ ہوگا اگر وہ مجھ سے بات کرلے جب تک کہ میں اس سے بات نہ کرلوں۔ ابوحنیفہ نے اس شخص سے کہا۔ کیا تم نے یہ مسئلہ کسی سے پوچھا ہے؟ اس شخص نے کہا۔ میں نے سفیان ثوری سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ تم دونوں میں سے جو بھی دوسرے سے بات کرے گا وہ حانث ہوجائے گا۔ ابوحنیفہ نے اس شخص سے کہا: جاؤ اپنی بیوی سے بات کرو، تم دونوں حانث نہ ہوگے۔ وہ شخص ابوحنیفہ کی بات سن کر سفیان ثوری کے پاس گیا۔ اس شخص کی سفیان ثوری سے کچھ رشتہ داری بھی تھی، اس نے ابوحنیفہ کا جواب سفیان ثوری سے بیان کیا، وہ جھنجھلا کر ابوحنیفہ کے پاس آئے اور انہوں نے ابوحنیفہ سے غصہ میں کہا۔ کیا تم حرام کراؤ گے۔ آپ نے کہا کیا بات ہے، اے ابوعبداللہ۔ اور پھر آپ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ اپنا سوال ابوعبداللہ کے سامنے دہراؤ۔ چنانچہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور ابوحنیفہ نے اپنا فتوئی دہرایا۔ سفیان نے کہا۔ تم نے یہ بات کہاں سے کہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خاوند کے قسم کھانے کے بعد اس کی بیوی نے خاوند سے بات کی لہٰذا خاوند کی قسم پوری ہوگئی اب وہ جا کر بیوی سے بات کرلے تا کہ اس کی قسم پوری ہوجائے اور دونوں میں سے کوئی بھی حانث نہیں ہے۔

یہ سن کر سفیان ثوری نے کہا: انه ليكشف لك من العلم عن شئ كلنا عنه غافل. حقیقت امر یہ ہے کہ تم پر علم کے وہ دقائق واضح ہوتے ہیں کہ ہم سب اس سے غافل ہیں۔

امام لیث بن سعد کہتے تھے: کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر سنا کرتا تھا اور میری تمنا اور خواہش تھی کہ ان کو دیکھوں۔ اتفاق سے میں مکہ میں تھا میں نے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگ ٹوٹے پڑتے ہیں اور ایک شخص ان کو یا ابا حنیفہ کہہ کر صدا کر رہا تھا۔ لہٰذا میں نے دیکھا کہ یہ شخص ابوحنیفہ ہیں۔ آواز دینے والے نے ان سے کہا میں دولتمند ہوں میرا ایک بیٹا ہے۔ میں اس کی شادی کرتا ہوں، روپیہ خرچ کرتا ہوں، وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے، میں اس کی شادی پر کافی روپیہ خرچ کرتا ہوں اور یہ سب ضائع ہوتا ہے، کیا میرے واسطے کوئی حیلہ ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا تم اپنے بیٹے کو اس بازار لے جاؤ جہاں لونڈی غلام فروخت ہوتے ہیں۔ وہاں اس کی پسند کی لونڈی خرید لو، وہ تمہاری ملکیت میں رہے، اس کا نکاح اپنے بیٹے سے کردو، اگر وہ طلاق دے گا باندی تمہاری رہے گی۔

یہ کہہ کر لیث بن سعد نے کہا: فواللہ ما اعجبنی سرعۃ جوابہ۔ اللہ کی قسم ہے آپ کے جواب پر مجھ کو اتنا تعجب نہ ہوا جتنا کہ ان کے جواب دینے کی سرعت سے ہوا۔ یعنی پوچھنے کی دیر تھی کہ جواب تیار تھا۔

امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا۔ شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا بیوی کیوں پیچھے رہتی۔ اس نے بھی برابر کی قسم کھائی جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان۔ شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے، فرمایا کہ بیوی سے بات کرو وہ تم سے کرے اور قسم کا کفارہ دیدو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم اس سے بار کرو اور وہ تم سے بات کرے، کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا واقعہ بیان کرنے کو کہا۔ جب وہ بیان کر چکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کے قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی۔ اب قسم کہاں رہی۔ اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

امام اعظم پر مظالم اور وصال: بنو امیہ کے آخری حکمراں مروان الحمار نے یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو عراق کا والی بنا دیا تھا، عراق میں جب بنو مروان کے خلاف فتنہ اٹھا تو ابن ہبیرہ نے علماء کو جمع کر کے مختلف کاموں پر متعین کیا۔ ابن ابی لیلی، ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند بھی اس میں شامل تھے۔

امام اعظم کے پاس قاصد بھیج کر آپ کو بلوایا اور ابن ہبیرہ نے آپ پر عہدۂ قضا پیش کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ یہ حکومت کی مہر ہے، آپ کے حکم کے بغیر سلطنت میں کوئی کام نہیں ہوگا، بیت المال پر سارا اختیار آپ کا رہے گا۔ لہٰذا آپ یہ عہد قبول کریں، آپ نے انکار کیا۔ ابن ھبیرہ نے قسم کھائی کہ یہ عہدہ آپ کو قبول کرنا ہوگا ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ آپ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کرونگا۔ یہ سن کر بولا آپ میرے مقابلہ میں قسم کھاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کے سر پر کوڑوں کی بوچھار شروع کر دی گئی۔ بیں کوڑے مارے گئے اور دس دن تک کوڑے لگوائے جاتے رہے۔ امام اعظم نے فرمایا: اے ابن ھبیرہ! یاد رکھو کل بروز قیامت خدا کو منہ دکھانا ہے۔ تم کو کل اللہ کے حضور کھڑا ہونا ہوگا اور میرے مقابلہ میں تمہیں نہایت ذلیل کیا جائے گا، یہ سن کر ابن ھبیرہ نے کوڑے تو رکوا دیئے لیکن قید خانہ میں بھیج دیا۔

رات کو خواب میں ابن ھبیرہ نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ اے ابن ھبیرہ! میری امت کے لوگوں کو بغیر کسی جرم کے سزائیں دیتا اور ستاتا ہے، خدا سے ڈر اور انجام کی فکر کر۔

یہ خواب دیکھ کر نہایت بے چین ہوا اور صبح اٹھکر آپ کو قید خانے سے رہا کر دیا۔ اس طرح آپ کی قسم پوری ہوگئی۔ یہ پہلی ابتلاء و آزمائش تھی۔ بعد کے واقعات شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔

خلافت بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے

لئے وہ وہ مظالم کئے جو تاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں۔منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطین عباسیہ کی پیشانی کا بہت بڑا ابدنما داغ ہیں۔اسی خونخوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کو دیوار میں زندہ چنوادیا۔آخر تنگ آمد بجنگ آمد۔ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ابتداء ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے۔بعد میں بہت بڑی فوج تیار کرلی۔حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کا فتوئی دیدیا۔نفس ذکیہ بہت شجاع فن جنگ کے ماہر قوی طاقتور تھے۔مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیاز کہ جب منصور سے مقابلہ ہوا تو ۱۴۵ھ میں دادمردانگی دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کا دعوی کیا۔ہر طرف سے ان کی حمایت ہوئی۔خاص کوفے میں لگ بھگ لاکھ آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔بڑے بڑے ائمہ علماء فقہاء نے ان کا ساتھ دیا۔حتی کہ حضرت امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکے جس کا ان کو مرتے دم تک افسوس رہا۔مگر مالی امداد کی۔لیکن نوشتۂ تقدیر کون بدلے۔ابراہیم کو بھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ابراہیم بھی شہید ہوگئے۔

ابراہیم سے فارغ ہوکر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔۱۴۶ھ میں بغداد کو دارالسلطنت بنانے کے بعد منصور نے حضرت امام اعظم کو بغداد بلوایا۔منصور انہیں شہید کرنا چاہتا تھا۔مگر جواز قتل کے لئے بہانہ کی تلاش تھی۔اسے معلوم تھا کہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کو قبول نہ کریں گے۔اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدہ قضا پیش کیا۔امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔منصور نے جھنجھلا کر کہا تم جھوٹے ہو۔امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو ثابت کہ میں عہدۂ قضا کے لائق نہیں۔جھوٹا ہوں تو بھی عہدۂ قضا کے لائق نہیں، اس لئے کہ جھوٹے کو قاضی بنانا جائز نہیں۔اس پر بھی نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تم کو قبول کرنا پڑے گا۔امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ربیع نے غصے سے کہا ابو حنیفہ تم امیرالمومنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔امام صاحب نے فرمایا۔ہاں یہ اس لئے کہ امیرالمومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے۔اس پر منصور نے جزبز ہوکر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی نداکرات کرتا رہتا تھا۔منصور نے حضرت امام کو قید تو کردیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔بغداد چونکہ دارالسلطنت تھا۔اس لئے تمام دنیائے اسلام کے علماء، فقہاء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے۔حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔قید نے ان کی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے اور زیادہ بڑھادیا۔جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلوادیا۔جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا

سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کرگئی جنتی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

تجہیز وتدفین۔وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا۔قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے

غسل دیا۔غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے۔تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کردیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔غسل سے فارغ ہوتے ہوتے جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔پہلی بار نماز جنازہ میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔اس پر بھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔چھ بار نماز جنازہ ہوئی۔اخیر میں حضرت امام کے صاحبزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔اس لئے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی۔اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے۔دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ایسے قبول عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت وہ ائمہ محدثین وفقہاء موجود تھے جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے، سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔مکہ معظمہ میں ابن جریج تھے۔انہوں نے وصال کی خبر سن کر، اناللہ پڑھا اور کہا۔بہت بڑا عالم چلا گیا۔بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا کوفہ میں اندھیرا ہوگیا۔امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سن کر بغداد حاضر ہوئے۔جب امام کے مزار پر پہنچے۔روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ابوحنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے۔ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین چھوڑا۔تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پر انوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام وخواص ہے۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا:

میں حضرت امام ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں۔جب کوئی حاجت پیش آتی ہے ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعلم انه لم يزل العلماء وذوالحاجات يزورون قبره ويتوسلون عنده فى قضاء حوائجهم ويرون نجح ذلك منهم الامام الشافعى رحمة الله عليه انتهى۔

یعنی جان لے کہ علماء واصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں۔ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلاں سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالیشان قبہ بنوایا اور اسکے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی۔اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء وعمائد کو مدعو کیا۔یہ مدرسہ ''مشہد ابوحنیفہ'' کے نام سے مشہور ہے۔مدت تک قائم رہا۔اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا، جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔بغداد کا مشہور دار العلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔حضرت امام کا وصال نوے سال

کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو ۱۵۰ھ میں ہوا۔

امام المسلمین ابوحنیفہ

از: حضرت امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ

لقدزان البلاد ومن علیها ★ امام المسلمین ابو حنیفه

باحکام وآثار وفقه ★ کایات الزبور علی صحیفه

فمافی المشرقین له نظیر ★ ولا فی المغربین ولا بکوفه

یبیت مشمرا سهر اللیالی ★ وصام نهاره لله خیفه

☆ امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے شہروں اور شہریوں کو زینت بخشی،

☆ احکام قرآن، آثار حدیث اور فقہ سے، جیسے صحیفہ میں زبور کی آیات نے۔

☆ کوفہ بلکہ مشرق ومغرب میں ان کی نظیر نہیں ملتی، یعنی روئے زمین میں ان جیسا کوئی نہیں۔

☆ آپ عبادت کے لئے مستعد ہوکر بیداری میں راتیں بسر کرتے اور خوف خدا کی وجہ سے دن کو روزہ رکھتے،۔

☆ انہوں نے اپنی زبان ہر بہتان طرازی سے محفوظ رکھی، اور ان کے اعضا ہر گناہ سے پاک رہے۔

☆ آپ لہو ولعب اور حرام کاموں سے بچے رہے، رضائے الٰہی کا حصول آپ کا وظیفہ تھا۔

☆ امام اعظم کے نکتہ چیں بے وقوف، مخالف حق اور کمزور دلائل والے ہیں۔

☆ ایسے فقیہ کو کسی بھی وجہ سے تکلیف دینا کیونکر جائز ہے، جس کے علمی فیوض تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

☆ حالانکہ صحیح روایت میں لطیف حکمتوں کے ضمن میں امام شافعی نے فرمایا: کہ

☆ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی فقہ کے محتاج ہیں۔

☆ ریت کے ذرّوں کے برابر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو امام ابوحنیفہ کے قول کو مردود قرار دے۔

ماخذ ومراجع

۱۔ تاریخ بغداد للخطیب۔ ۱۲/۳۲۶۲۔ مشکل الآثار للطحاوی۔ ۳، ۳/۵۴۔ مقدمه ابن صلاح، ۴۔ سوانح امام اعظم ابو حنیفه۔ مولانا ابو الحسن زید فاروقی۔ ۵، ۱۰۔ الجامع الصحیح للبخاری۔ تفسیر سورة الجمعة ۲/ ۶، ۷۲۶۔ تذکرة المحدثین۔ مولانا غلام رسول سعیدی ۷، ۴۸۔ اتحاف النبلاء ۸، ۲۲۳۔ مناقب امام اعظم ۹، ۱/۵۹۔ تاریخ بغداد للخطیب ۱۳/ ۱۰، ۳۳۲۔ نزہة القاری۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی ۱۱، ۱/۱۱۔ تاریخ بغداد للخطیب ۱۲، ۳/۳۳۴۔ کتاب بیان العلم ۱/ ۱۳، ۴۵۔ الخیرات الحسان لابن حجر مکی ۱۴، ۲۲۔ عمدة القاری شرح البخاری للعینی ۱۵، ۱/۷۹۸۔ شرح مسند الامام للقاری ۱۶، ۲۸۵۔ المغنی للعراقی ۱۷، ۸۰۔ سوانح بے بہانے امام اعظم ابو حنیفه ۱۸، ۶۳۔ ۱۹، ۶۳۔ ۲۰، ۶۳۔ ۲۱، ۶۶۔ ۲۲، ۶۵۔ تذکرة المحدثین۔ مولانا غلام رسول سعیدی ۷۶ تا ۷۸، ۲۳۔ سوانح بے بہانے امام اعظم ابو حنیفه ۲۴، ۳۴۸۔ میزان الشریعة الکبری ۱/۶۸

حضرت امام حماد بن امام اعظم رضی اللہ عنہ بلند پایہ فقیہ، تقویٰ و پرہیز گاری، فضل و کمال، علم و دانش اور جود سخا میں اپنے والد ماجد کا عکس جمیل تھے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعلیم و تربیت نہایت اہتمام سے فرمائی، مشہور ہے کہ الحمد کے ختم پر آپ کے معلم کو ایک ہزار درہم عنایت فرمائے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ نے حدیث وفقہ کی تحصیل والد ماجد سے کی، اور اس میں کمال مہارت پید اکی۔ جب امام اعظم نے اپنے اس لائق اور ہونہار لخت جگر کو علوم وفنون میں کامل پایا تو مسند افتاء پر متمکن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ نے نہ صرف فتویٰ نویسی کے اہم فریضہ کو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا بلکہ تدوین کتب فقہ میں بھی آپ نے نمایاں کردار ادا کیا، اور حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر، حضرت امام حسن بن زیاد وغیرہ ارشد تلامذہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے طبقہ میں شمار ہوئے۔

آپ نہایت متقی و متورع انسان تھے، جب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا تو گھر میں لوگوں کی بہت سی امانتیں ایسی بھی تھیں جن کے مالک مفقود الخبر تھے، آپ نے وہ تمام مال واسباب امانتوں کی صورت میں قاضی وقت کے سامنے پیش کر دیا۔ قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ ابھی اپنے پاس رہنے دیجئے، آپ امین مشہور ہیں اور بہتر طریقے سے اس کی حفاظت کر سکتے ہیں، مگر آپ نے قاضی سے اعتذار کرتے ہوئے تمام مال واسباب کی فہرست پیش کر دی اور ساتھ ہی فوری عمل درآمد کے لئے کہہ دیا تا کہ ان کے والد ماجد بری الذمہ ہوں، کہتے ہیں کہ جب تک وہ امانتیں قاضی نے کسی اور کے اہتمام میں نہیں دیں، آپ نظر نہیں آئے۔

حضرت امام حماد نے اپنی عمر تعلیم و تعلم میں صرف فرمائی، آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل نے تفقہ کیا جن سے عمرو بن ذر، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب، اور قاسم بن معین وغیرہ جلیل القدر فقہاء ومحدثین فیض یاب ہوئے۔ حضرت امام اسماعیل بن حماد بن امام اعظم پہلے بغداد بعدہ بصرہ اور پھر رقہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ احکام قضا، وقائع ونوازل میں ماہر باہر اور عارف بصیر تھے۔ محمد بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک کوئی قاضی اسماعیل بن حماد سے اعلم نہیں ہوا۔ آپ بہ عہد خلیفہ مامون الرشید

۲۱۲ھ میں جوانی کے عالم میں فوت ہوئے، اسی فرزند ارجمند کے نام سے حضرت امام حماد نے ابو اسماعیل کنیت پائی۔ حضرت امام حماد حضرت قاسم بن معین کی وفات کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ ماہ ذی القعدہ ۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔ قطب دنیا ۱۷۶ھ آپ کی تاریخ وفات ہے، آپ نے عمر، اسماعیل ابو حیان و عثمان چار صاحبزادے چھوڑے جو علم وفضل میں یگانہ روزگار تھے۔ تصانیف میں مسند الامام الاعظم آپ کی یادگار ہے۔ (۱)

امام ابو یوسف

نام ونسب: نام، یعقوب۔ کنیت، ابو یوسف۔ اور لقب قاضی القضاۃ ہے۔ ولادت ۱۱۳ھ/۷۳۱ء علوم ومعارف کے شہر کوفہ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے فقہ کو پسند کیا، پہلے حضرت عبدالرحمن بن ابی یعلی کی شاگردی اختیار کی، پھر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں آئے اور مستقل طور پر انہیں سے وابستہ ہو گئے۔

والدین نہایت غریب تھے جو آپ کی تعلیم کو جاری نہیں رکھنا چاہتے تھے، جب حضرت امام اعظم کو حالات کا علم ہوا تو انہوں نے نہ صرف آپ کے تعلیمی مصارف بلکہ تمام گھر والوں کے اخراجات کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ حضرت امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے، مجھے امام اعظم سے اپنی ضروریات بیان کرنے کی کبھی حاجت نہیں ہوئی۔ وقتاً فوقتاً خود ہی اتنا روپیہ بھیجتے رہتے تھے کہ میں فکر معاش سے بالکل آزاد ہو گیا۔

قوت حافظہ اور علم وفضل: آپ ذہانت کے بحر ذخار تھے، آپ کی ذہانت وفطانت بڑے بڑے فضلائے روزگار کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔

ملا جیون صاحب نورالانوار فرماتے ہیں: امام ابو یوسف کو بیس ہزار موضوع احادیث یاد تھیں، پھر صحیح احادیث کے بارے میں تجھے کیا گمان ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: آپ محدثین کے پاس حاضر ہوتے تو ایک ایک جلسہ میں پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے تھے۔

امام یحییٰ ابن معین، امام احمد بن حنبل، اور شیخ علی بن المدینی فرماتے ہیں: امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگردوں میں آپ کا ہم سر نہ تھا۔

طلیحہ ابن محمد کہتے ہیں: وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑی فقیہ تھے، کوئی ان سے بڑھ کر نہ تھا۔

داؤد بن رشد کا قول ہے: امام ابو حنیفہ نے صرف یہی ایک شاگرد پیدا کیا ہوتا تو ان کے فخر کے لئے کافی تھا۔

امام ابو یوسف کو نہ صرف فقہ حدیث پر عبور حاصل تھا بلکہ تفسیر، مغازی، تاریخ عرب، نعت، ادب، اور علم کلام وغیرہ علوم وفنون میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ یہی وہ فطری ذہانت تھی جس نے چند سال میں آپ کو سارے ہم عصروں میں ممتاز کر دیا تھا اور علماء وقت آپ کے تبحر علمی اور جلالت فقہی کے قائل تھے۔ خود امام اعظم آپ کی بڑی قدر ومنزلت فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ جس نے علم حاصل کیا وہ ابو یوسف ہیں۔

قاضی القضاۃ: ۱۶۶ھ/۷۸۳ء میں آپ جب بغداد تشریف لائے تو خلیفہ محمد المہدی بن منصور نے آپ کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

ہادی بن مہدی بن منصور کے زمانہ میں بھی آپ اسی عہدہ پر فائز رہے۔ جب ہارون الرشید نے ۱۹۳ھ/۸۰۸ء میں عنان

حکومت سنبھالی تو اس نے آپ کو تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کر دیا۔
موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق یہ عہدہ محض عدالت عالیہ کے حاکم اعلیٰ کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وزیر قانون کے فرائض بھی اس میں شامل تھے۔ اور سلطنت کے تمام داخلی وخارجی معاملات میں قانونی رہنمائی کرنا بھی آپ کا کام تھا۔ مملکت اسلامیہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ یہ منصب قائم ہوا۔ اس سے پہلے کوئی شخص خلافت راشدہ، اموی یا عباسی سلطنتوں میں اس عہدہ پر فائز نہ ہوا۔ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی داؤد کے اور کسی کو یہ عہدہ تفویض نہ ہوا۔

عبادت وریاضت: آپ عہدہ قضا اور علمی مشاغل کے باوجود عبادت وریاضت میں بھی بلند مقام رکھتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں امام اعظم کی خدمت میں انتیس سال رہا اور میری صبح کی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی۔

بشیر بن ولید کا بیان ہے کہ: امام ابو یوسف کے زہد وورع اور عبادت وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ زمانہ قضاء ووزارت میں بھی دوسو رکعتیں نوافل ادا کرتے۔

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں محمد بن حسن شیبانی، شقیق بن ابراہیم بلخی، امام احمد بن حنبل، بشر بن الولید کندی، محمد بن سماعہ، معلی بن منصور، بشر بن غیاث، علی بن جعدہ، یحییٰ بن معین، احمد بن منیع، وغیرہ محدثین کبار وفقہائے کرام آفتاب وماہتاب کی طرح درخشاں وتاباں نظر آتے ہیں۔

وصال: ۵ ربیع الاول ۱۸۷ھ جمعرات کے روز ظہر کے وقت بغداد شریف میں علم وعرفان کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ مزار شریف احاطہ حضرت امام موسیٰ کاظم کے شمالی گوشہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ (۲)

امام زفر

نام ونسب: نام، زفر۔ اور والد کا نام ہذیل ہے، عربی النسل ہیں۔ کوفہ آپ کا وطن تھا۔ والد ماجد اصفہان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم کے بعد حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوئے، پھر طبیعت کا میلان فقہ کی طرف ہوا اور فقہ کی عظیم درسگاہ جامع کوفہ میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آخر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

فقہ میں صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے ہم پلہ قرار دیئے گئے ہیں اور امام اعظم کے ان دس اصحاب میں ہیں جنہوں نے فقہ کی تدوین میں امام اعظم کی معاونت کی۔

آپ امام اعظم کے محبوب ترین تلامذہ میں تھے۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نکاح امام اعظم نے پڑھایا۔ آپ پر امام اعظم کو بہت اعتماد تھا۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں: امام زفر مجلس امام اعظم ابوحنیفہ میں سب سے آگے بیٹھتے تھے۔

امام زفر اور امام داؤد طائی ایک ساتھ امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حدیث وفقہ کا درس لیتے، دونوں میں بھائی چارہ تھا، پھر امام داؤد طائی علمی مشغلہ سے تصوف کی راہ پر گامزن ہو گئے جبکہ امام زفر علم وعبادت دونوں کے جامع ہے۔

زہد وریاضت: حدیث وفقہ میں امامت کا درجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں بھی بے مثال تھے، زہد وورع ہی کے پیش نظر آپ نے عہدہ قضا کو قبول نہ کیا جبکہ دومرتبہ آپ کو اس کام کے لئے مجبور کیا گیا، آپ نے انکار کیا اور وطن چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ حکومت وقت نے انتقاماً آپ کا گھر جلا دیا، چنانچہ آپ کو اپنا مکان دومرتبہ تعمیر کرنا پڑا۔

وصال: آپ اصل کوفہ کے باشندے تھے، مگر بھائی کی میراث کے سلسلہ میں بصرہ چلے گئے، اہل بصرہ نے بصد اصرار یہاں ہی اقامت کا مشورہ دیا اور آپ ان کی درخواست پر یہیں مقیم ہو گئے۔

آپ نے ۱۷۸ھ خلیفہ محمد المھدی کے عہد میں یہیں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔(۳)

امام عبداللہ بن مبارک

نام ونسب: نام، عبداللہ۔ والد کا نام مبارک۔ کنیت، ابوعبدالرحمن ہے۔ حنظلی تمیمی ہیں، آپ کے والد ترکی النسل تھے، اور قبیلہ بنوحنظلہ جو اہل ہمدان سے تعلق رکھتا تھا اس کے آزاد کردہ غلام، آپ کی والدہ خوارزمیہ تھیں۔

والد محترم نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس میدان میں خوب شہرت حاصل کی۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت ۱۱۸ھ مرو میں ہوئی، والدین نے اپنے اس ہونہار فرزند کی بڑے اہتمام سے تعلیم وتربیت کی۔

سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور فقہ میں عبور حاصل کیا۔ اس کے بعد طلب علم حدیث میں دور دراز مقامات کی سیر کی اور بے شمار ائمہ حدیث سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے ذوق علمی میں یہ واقعہ مشہور ہے۔

ایک مرتبہ والد ماجد نے آپ کو پچاس ہزار درہم تجارت کے لئے دیئے تو تمام رقم طلب حدیث میں خرچ کر کے واپس آئے، والد ماجد نے درہموں کی بابت دریافت کیا تو آپ نے جس قدر حدیث کے دفتر لکھے تھے والد کے حضور پیش کر دیئے اور عرض کیا: میں نے ایسی تجارت کی ہے جس سے ہم دونوں کو دونوں جہان کا نفع حاصل ہوگا۔ والد ماجد بہت خوش ہوئے، تیس ہزار درہم اور عنایت کر کے فرمایا: جاؤ علم حدیث اور فقہ کی طلب میں خرچ کر کے اپنی تجارت کامل کرلو۔

علم وفضل: ایک مرتبہ بزرگوں کی ایک جماعت کسی مقام پر اکٹھی ہوئی، کسی نے کہا: آؤ حضرت عبداللہ بن مبارک کے کمالات شمار کریں، انہوں نے جواب دیا: بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔

علم فقہ، حدیث، ادب نحو، میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ زہد وشجاعت میں لاجواب تھے، نعت گو شاعر اور ادیب تھے۔ شب بیداری، عبادت، حج، جہاد، اور شہسواری میں اپنی نظیر آپ تھے۔ لایعنی باتوں سے اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، نہایت منصف مزاج اور رحم دل تھے۔

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں: میں کتنی ہی کوشش کروں کہ سال بھر میں ایک دن حضرت عبداللہ بن مبارک کی طرح گزاروں تو نہیں گزار سکتا۔

شعیب بن حرب کہتے ہیں: ایک سال یا تین دن بھی پورے سال میں حضرت عبد اللہ کی طرح نہیں گزار سکتا۔

نیز فرماتے ہیں:

ابن مبارک جس سے بھی ملے اس سے افضل ہی ثابت ہوئے۔

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام کو بلاشبہ فضل صحابیت حاصل تھا ورنہ دوسرے خصائل میں آپ کا مقام نہایت بلند ہے۔

سلام بن ابی مطیع کہتے ہیں: مشرق میں ان جیسا پھر کوئی نظر نہ آیا۔

امام ابن معین فرماتے ہیں: آپ احادیث صحاح کے حافظ تھے، بیس ہزار یا اکیس ہزار حدیث کی کتابوں سے آپ احادیث روایت فرماتے ہیں۔

اسماعیل بن عیاش کہتے ہیں:

ابن مبارک جیسا روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر خوبی کے جامع تھے، فقراء پر جب خرچ فرماتے تو ایک سال میں ایک لاکھ درہم تک خرچ کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لئے جارہے تھے، قافلہ والوں کا ایک پرند مر گیا، ایک بستی کے کوڑا خانہ میں لوگوں نے اسے پھینک دیا پھر قافلہ تو آگے بڑھ گیا۔ آپ کچھ دیر سے چلے، دیکھا کہ ایک لڑکی اس مردار پرند کو اٹھا کر لے گئی اور تیز قدم چل کر ایک مکان میں داخل ہوگئی۔ آپ اس کے گھر کی طرف تشریف لے گئے، حال معلوم ہوا اور مردار پرند کو لانے کا سبب پوچھا، اس لڑکی نے کہا: میں اور میرا بھائی یہاں رہتے ہیں، ہمارے پاس کچھ نہیں فقط ستر پوشی کے لئے یہ تہبند ہے، اور اب ہماری خوراک صرف یہ ہی رہ گئی ہے کہ ان گھوروں سے جو چیز بھی مل جائے۔ ہمارے لئے ان حالات میں یہ مردار بقدر ضرورت حلال ہے، ہمارے والد مالدار تھے، ان پر ظلم ہوا اور قتل کر دیئے گئے اور سارا مال ظالم لے گئے۔

امام ابن مبارک یہ سن کر نہایت متاثر ہوئے، اپنے خازن سے فرمایا: فی الحال زادراہ میں کیا باقی رہا ہے، اس نے عرض کیا: ایک ہزار دینار۔ آپ نے فرمایا: بیس دینار لے لو کہ اپنے وطن مرو تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں اور باقی ۹۸۰ دینار اس مظلومہ کو دو۔ اس سال ہمیں حج کے مقابلہ میں یہ اعانت وامداد بہتر ہے اور وہیں سے واپس وطن تشریف لے آئے۔

جب حج کا موسم آتا تو اپنے ساتھیوں سے کہتے: تم میں امسال کون حج کو جانا چاہتا ہے، جو ارادہ رکھتا ہو وہ اپنا زادراہ میرے پاس لا کر جمع کرلے تاکہ میں راستہ میں اس پر خرچ کرتا چلوں، لہٰذا سب سے دراہم ودنانیر کی تھیلیاں جمع کرتے، ہر تھیلی پر اس کا نام لکھتے اور ایک صندوق میں رکھتے جاتے۔

پھر سب کو ساتھ لیکر نکلتے اور ان کے زادراہ کی نسبت زیادہ خرچ کرتے ہوئے ان کو ساتھ لے جاتے، جب حج بیت اللہ سے فارغ ہوتے تو پوچھتے: تمہارے گھر والوں نے کچھ یہاں کے تحائف کی فرمائش کی ہے، جس کو جیسی خواہش ہوتی ان کو مکی اور یمنی تحائف دلواتے، پھر مدینہ منورہ حاضری دیتے اور وہاں بھی ایسا ہی کرتے۔

جب تمام حجاج کرام واپس ہوتے تو ان کو ان کے گھر واپس فرماتے اور خود اپنے گھر پہنچ کر سب کی دعوت کرتے، جب دعوت سے فارغ ہوتے تو وہ صندوق منگاتے اور سب کو ان کی تھیلیاں واپس فرماتے، یہ لوگ گھروں کو اس حال میں واپس ہوتے کہ سب کی زبانوں پر ہدیہ تشکر ہوتا اور ہمیشہ آپ کے مدح خواں رہتے۔

آپ کی نوازشات کا یہ عالم ہوتا، طرح طرح کے لذیذ کھانے اور حلوے ساتھ رہتے لیکن خود تیز دھوپ اور شدید گرمی میں روزہ دار ہوتے اور لوگوں کو کھلاتے پلاتے ساتھ لے جاتے تھے۔ خلوص نیت پر بہت زور دیتے تھے، آپ کے محامد و محاسن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۱۸۱ھ میں آپ جہاد کے لئے روانہ ہوئے، فتح و کامرانی کے بعد واپس آرہے تھے کہ قصبہ سوس میں آکر علیل ہو گئے اور چند ایام کی علالت کے بعد وصال ہو گیا۔ دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں ''ہیت'' میں مدفون ہوئے، آپ کا مزار مرجع انام ہے۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، ان میں سے چند مشاہیر یہ ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ، سلیمان تیمی، حمید الطویل، یحیٰی بن سعید انصاری، سعد بن سعید انصاری، ابراہیم بن علیہ، خالد بن دینار، عاصم الاحول، ابن عون، عیسیٰ بن طہمان، ہشام بن عروہ، سلیمان اعمش، سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج، اوزاعی، ابن جریج، امام مالک، لیث بن سعد، حیوہ بن شریح، خالد بن سعید اموی، سعید بن عروبہ، سعید بن ابی ایوب، عمرو بن میمون، معمر بن راشد، وغیرہم۔

تلامذہ: سفیان ثوری، معمر بن راشد، ابواسحاق فزاری، جعفر بن سلیمان ضبعی،، بقیہ بن ولید، داؤد بن عبدالرحمن عطار، سفیان بن عیینہ، ابوالاحوص، فضیل بن عیاض، معتمر بن سلیمان، ولید بن مسلم، ابوبکر بن عیاش، مسلم بن ابراہیم، ابواسامہ، نعیم بن حماد، ابن مہدی، قطان، اسحاق بن راہویہ، یحیٰی بن معین، ابراہیم بن اسحاق طالقانی، احمد بن محمد مردویہ، اسماعیل بن ابان وراق، بشر بن محمد سختیانی، حبان بن موسیٰ، حکم بن موسیٰ، سعید بن سلیمان، سلمہ بن سلیمان مروزی۔ (۴)

امام محمد

نام ونسب۔ نام، محمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام، حسن ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی۔ شیبانی آپ کے قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ بعض محققین کے نزدیک یہ نسبت ولائی ہے کہ آپ کے والد بنوشیبان کے غلام تھے۔ آپ کے والد کا اصل مسکن جزیرہ شام تھا، دمشق کے قریب حرسا کے رہنے والے تھے، بعد میں ترک وطن کر کے شہر واسطہ آگئے تھے۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت ۱۳۲ھ میں بمقام شہر واسطہ (عراق) میں ہوئی پھر آپ کے والد نے کوفہ کو اپنا مسکن بنایا اور آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز یہاں ہی ہوا۔

چودہ سال کی عمر میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے مجلس میں آکر امام اعظم کے بارے میں سوال کیا، امام ابویوسف نے آپ کی رہنمائی کی آپ نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوجائے اور اسی رات فجر سے پہلے

وہ بالغ ہوجائے تووہ نماز دہرائے گا یانہیں، امام اعظم نے فرمایا دہرائے گا۔امام محمد نے اسی وقت اٹھ کرایک گوشہ میں نماز پڑھی۔امام اعظم نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا انشاء اللہ یہ لڑکا رجل رشید ثابت ہوگا۔اس واقعہ کے بعد امام محمد گاہے گاہے امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے رہے، کم سن تھے اور بے حد خوبصورت، جب باقاعدہ تلمذ کی درخواست کی تو امام اعظم نے فرمایا پہلے قرآن حفظ کرو پھر آنا۔سات دن بعد پھر حاضر ہوگئے، امام اعظم نے فرمایا: میں نے کہا تھا کہ قرآن مجید حفظ کرکے پھر آنا عرض کیا: میں نے قرآن کریم حفظ کرلیا ہے۔امام اعظم نے ان کے والد سے کہا اس کے سر کے بال منڈوادو لیکن بال منڈوانے کے بعد ان کا حسن اور دمکنے لگا۔ابونواس نے

اس موقع پر یہ اشعار کہے:

حلقوا راسہ لیکسوہ قبحا⋆غیرۃ منہم علیہ وشحا

کان فی وجہہ صباح ولیل⋆نزعوا لیلہ وابقوہ صبحا

لوگوں نے ان کا سر مونڈ دیا تا کہ ان کی خوبصورتی کم ہو، ان کے چہرہ میں صبح بھی تھی اور رات بھی، رات کو انہوں نے ہٹادیا صبح تو پھر بھی باقی رہی۔

آپ مسلسل چار سال خدمت میں رہے، پھر امام ابویوسف سے تکمیل کی۔انکے علاوہ مسعر بن کدام، اوزاعی، سفیان ثوری اور امام مالک وغیرہ سے علم حدیث میں خوب استفادہ کیا اور کمال حاصل کیا۔

خود فرماتے تھے: مجھے آبائی ترکہ سے تیس ہزار درہم یا دینار ملے تھے جن میں سے آدھے میں نے لغت وشعر کی تحصیل میں خرچ کرڈالے اور نصف فقہ وحدیث کے لئے۔

اساتذہ۔آپ نے طلب علم میں کوفہ کے علاوہ مدینہ، مکہ، بصرہ، واسطہ شام، خراسان اور یمامہ وغیرہ کے سیکڑوں مشائخ سے علم حاصل کیا، چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام زفر، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، مالک بن مغول، حسن بن عمارہ، امام مالک، ابراہیم، ضحاک بن عثمان، سفیان بن عیینہ، طلحہ بن عمرو، شعبہ بن الحجاج، ابوالعوام، امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، زمعہ بن صالح،

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی تعداد نہایت وسیع ہے۔چند یہ ہیں۔

ابوحفص کبیر احمد بن حفص عجلی استاذ امام بخاری۔موسیٰ بن نصیر رازی، ہشام بن عبیداللہ رازی، ابوسلیمان جوزجانی، ابوعبید القاسم بن سلام، محمد بن سماعہ، معلّٰی بن منصور، محمد بن مقاتل رازی، شیخ ابن جریر، یحیٰی بن معین، ابوزکریا، یحیٰی بن صالح، حاظی حمصی، یہ امام بخاری کے شیوخ شام سے ہیں۔عیسیٰ بن ابان، شداد بن حکیم، امام شافعی جن کو آپ نے اپنا تمام علمی سرمایہ سونپ دیا تھا جو ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

ابوعبید کہتے ہیں: میں نے امام شافعی کو دیکھا کہ امام محمد نے ان کو پچاس اشرفیاں دیں اور اس سے پہلے پچاس روپے دے

چکے تھے۔

ابن سماعہ کا بیان ہے: امام محمد نے امام شافعی کے لئے کئی بار اپنے اصحاب سے ایک ایک لاکھ روپے جمع کر کے دیئے۔

امام مزنی فرماتے تھے: امام شافعی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں عراق میں قرضہ کی وجہ سے محبوس ہو گیا، امام محمد کو معلوم ہوا تو مجھے چھڑا لیا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ امام شافعی امام محمد کی نہایت تعظیم وتوقیر کرتے اور واضح الفاظ میں احسانات کا اظہار کرتے تھے، فرماتے۔ فقہ کے بارے میں مجھ پر زیادہ احسان محمد بن حسن کا ہے۔

حافظ سمعانی نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعہ میری معاونت فرمائی۔ سفیان بن عیینہ کے ذریعہ حدیث میں اور امام محمد کے ذریعہ فقہ میں۔

علامہ کردری نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا کہ: علم اور اسباب دنیوی کے اعتبار سے مجھ پر کسی کا بھی اتنا بڑا احسان نہیں جس قدر امام محمد کا ہے۔

آپ کے دوسرے عظیم شاگرد اسد بن الفرات ہیں، خصوصی اوقات میں آپ نے ان کی تعلیم وتربیت کی۔ ساری ساری رات ان کو تنہا لیکر بیٹھتے، پڑھاتے اور مالی امداد بھی کرتے تھے، جب پڑھ لکھ کر فاضل ہو گئے تو امام محمد کی روایت سے امام اعظم کے مسائل، اور ابن قاسم کی روایت سے امام مالک کے مسائل پر مشتمل ۶۰ کتابوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام اسدیہ رکھا۔ علماء مصر نے اس مجموعہ کی نقل لینا چاہی اور قاضی مصر کے ذریعہ سفارش کی، آپ نے اس کی اجازت دیدی اور چمڑے کے تین سو ٹکڑوں پر اس کی نقل کرائی گئی جو ابن القاسم کے پاس رہی۔ بعد کے مدونہ نسخوں کی اصل بھی یہ ہی اسدیہ ہے۔

امام محمد کے پاس مال کی اتنی فراوانی تھی کہ تین سو منیم مال کی نگرانی کے لئے مقرر تھے۔ لیکن آپنے اپنا تمام مال ومتاع محتاج طلبہ پر خرچ کر دیا یہاں تک کہ آپ کے پاس لباس بھی معمولی رہ گیا تھا۔

معمولات زندگی: آپ راتوں کو نہیں سوتے تھے، کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے۔ جب ایک فن کی کتابوں سے طبیعت گھبراتی تو دوسرے فن کا مطالعہ شروع کر دیتے تھے، جب راتوں کو جاگتے اور کوئی مسئلہ حل ہو جاتا تو فرماتے، بھلا شاہزادوں کو یہ لذت کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے آپ کے یہاں قیام کیا، اور صبح تک نماز پڑھتا رہا، لیکن امام محمد رات بھر پہلو پر لیٹے رہے اور صبح ہونے پر یونہی نماز میں شریک ہو گئے۔ مجھے یہ بات کھٹکی تو میں نے عرض کیا، آپ نے فرمایا: کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سو گیا تھا نہیں میں نے کتاب اللہ سے تقریباً ایک ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے۔ تو آپ نے رات بھر اپنے لئے کام کیا اور میں نے پوری امت کے لئے۔

محمد بن مسلمہ کا بیان ہے، کہ آپ نے عموماً رات کے تین حصے کر دیئے تھے، ایک سونے کے لئے، ایک درس کے لئے اور ایک عبادت کے لئے۔ کسی نے آپ سے کہا: آپ سوتے کیوں نہیں ہیں۔ فرمایا: میں کس طرح سو جاؤں جبکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں۔

فضل وکمال۔ امام شافعی فرماتے ہیں: اگر میں کہنا چاہوں کہ قرآن مجید محمد بن حسن کی لغت پر اترا ہے تو میں یہ بات امام محمد کی فصاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں۔ نیز یہود و نصاریٰ امام محمد کی کتابوں کا مطالعہ کرلیں تو ایمان لے آئیں۔ فرماتے ہیں: میں نے جس شخص سے بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو اس کی تیوری پر بل آگئے مگر امام محمد سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ مسئلہ سمجھایا۔

امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا۔ یہ مسائل دقیقہ آپ نے کہاں سے سیکھے تو فرمایا: امام محمد کی کتابوں سے۔ ابن اکثم نے یحییٰ بن صالح سے کہا، تم امام مالک اور امام محمد دونوں کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ ان دونوں میں کون زیادہ فقیہ تھا، تو آپ نے بلا تردد جواب دیا، امام محمد۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں۔ میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کوئی صاحب عقل نہیں دیکھا۔ جرأت واستقلال۔ امام محمد بے حد غیور اور مستقل مزاج تھے، اقتدار وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے اور اظہار حق کے راستے میں کوئی چیز ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہوگئے محمد بن حسن بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد خلیفہ کے نقیب نے محمد بن حسن کو بلایا ان کے شاگرد اور احباب سب پریشان ہوگئے کہ نہ جانے شاہی عتاب سے کس طرح خلاصی ہوگی۔ جب آپ خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے پوچھا کہ فلاں موقع پر تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے، فرمایا کہ جس طبقہ میں خلیفہ نے مجھے قائم کیا ہے میں نے اس سے نکلنا پسند نہیں کیا۔ آپ کی تعظیم کے لئے قیام کرکے اہل علم کے طبقہ سے نکل کر اہل خدمت کے طبقہ میں داخل ہونا مجھے مناسب نہیں تھا۔ پھر کہا: آپ کے ابن عم یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ آدمی اس کی تعظیم کے لئے کھڑے رہیں وہ اپنا مقام جہنم میں بنائے۔ حضور کی مراد اس سے گروہ علماء ہے پس جو لوگ حق خدمت اور اعزاز شاہی کے خیال سے کھڑے رہے انہوں نے دشمن کے لئے ہیبت کا سامان مہیا کیا اور جو بیٹھے رہے انہوں نے سنت اور شریعت پر عمل کیا جو آپ ہی کے خاندان سے لی گئی ہے اور جس پر عمل کرنا آپ کی عزت اور کرامت ہے۔ ہارون رشید نے سن کر کہا سچ کہتے ہو۔

عہدہ قضاء: امام ابو یوسف کو فقہ حنفی کی ترویج اور اشاعت کا بے حد شوق تھا وہ چاہتے تھے کہ ملک کا آئین فقہ حنفی کے مطابق ہو۔ اس لئے انہوں نے ہارون رشید کی درخواست پر قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ قبول کرلیا تھا، کچھ عرصہ بعد ہارون رشید نے شام کے علاقہ کے لئے امام محمد کا بحیثیت قاضی تقرر کیا، امام محمد کو علم ہوا تو وہ امام ابو یوسف کے پاس گئے اور اعتذار کیا اور درخواست کی کہ مجھے اس آزمائش سے بچایئے، امام ابو یوسف نے مسلک حنفی کی اشاعت کے پیش نظر ان سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ ان کو یحییٰ برمکی کے پاس لے گئے یحییٰ نے ان کو ہارون رشید کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح مجبور ہوکر ان کو عہدہ قضاء قبول کرنا پڑا۔

حق گوئی و بے باکی۔ امام محمد اپنے احباب اور ارکان دولت کے اصرار کی بناء پر عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے۔ جتنا عرصہ قاضی رہے بے لاگ فیصلے کرتے رہے لیکن قدرت کو ان کی آزمائش مقصود تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ نامی ایک شخص کو خلیفہ

پہلے امان دے چکا تھا۔ بعد میں کسی وجہ سے خلیفہ اس پر غضب ناک ہوا اور اس کو قتل کرنا چاہا۔ اپنے اس مذموم فعل پر خلیفہ قضاۃ کی تائید چاہتا تھا تا کہ اس کے فعل کو شرعی جواز کا تحفظ حاصل ہو جائے۔ خلیفہ نے تمام قاضیوں کو دربار میں طلب کیا سب نے خلیفہ کے حسب منشا نقض امان کی اجازت دیدی لیکن امام محمد نے اس سے اختلاف کیا اور برملا فرمایا: یحییٰ کو جو امان دی جا چکی ہے وہ صحیح ہے اور اس امان کو توڑنے اور یحییٰ کے خون کی اباحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس کو قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ انکی حق گوئی سے مزاج شاہی برہم ہو گیا لیکن جن کی نظر میں منشا الوہیت ہوتا ہے وہ کسی اور مزاج کی پرواہ نہیں کرتے، جو دلوں میں اس قہار حقیقی کا خوف رکھتے ہیں وہ مخلوق کی ناراضگی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ امام محمد اپنے اس فیصلہ کے ردعمل کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ اس اظہار حق کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ آپ کو عہدۂ قضاء سے ہٹایا گیا اور افتاء سے روکا گیا بلکہ کچھ عرصہ کے لئے آپ کو قید میں بھی محبوس کیا گیا۔

عہدۂ قضاء پر بحالی: امام محمد کے عہدہ قضاء سے سبکدوش ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہارون رشید کی بیوی ام جعفر کو کسی جائیداد کے وقف کرنے کا خیال آیا اس نے امام محمد سے وقف نامہ تحریر کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا مجھے افتاء سے روک دیا گیا ہے اس لئے معذور ہوں۔ امام جعفر نے اس سلسلہ میں ہارون رشید سے گفتگو کی جس کے بعد اس نے نہ صرف آپ کو افتاء کی اجازت دی بلکہ انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کر دیا۔

تصانیف۔ امام محمد کی تمام زندگی علمی مشاغل میں گذری۔ ائمہ حنفیہ میں انہوں نے سب سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا فقیر محمد جہلمی نے لکھا ہے کہ انہوں نے نوسو ننانوے کتابیں لکھی ہیں اور اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ ہزار کا عدد پورا کر دیتے۔ بعض محققین کا یہ بھی خیال ہے کسی موضوع پر جو کتاب لکھی جاتی ہے اس میں متعدد مسائل کو مختلف عنوانات پر تقسیم کر دیا جاتا ہے، جیسے کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم وغیرہ پس جن لوگوں نے ۹۹۹ کا عدد لکھا ہے وہ ان کی تصانیف کے تمام عنوانوں کے مجموعہ کے اعتبار سے لکھا ہے، بہر حال ان کی تصانیف کی جو تفصیل دستیاب ہو سکی وہ اس طرح ہے۔

مؤطا امام محمد

حدیث میں یہ امام محمد کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے زیادہ تر امام مالک سے سنی ہوئی روایات کو جمع کیا ہے۔ بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مؤطا کے سولہ نسخے ذکر کئے ہیں لیکن آج دنیا میں صرف دو نسخے مشہور ہیں۔ ایک امام محمد کی روایت کا مجموعہ جس کو مؤطا امام محمد کہتے ہیں اور دوسرا یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نسخہ جو مؤطا امام مالک کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن مؤطا امام محمد، مؤطا امام مالک سے چند وجوہ پر فوقیت رکھتی ہے۔

اولاً یہ کہ امام محمد یحییٰ بن یحییٰ سے علم حدیث میں زیادہ بصیرت اور فقہ میں ان سے بڑھ کر مہارت رکھتے تھے۔

ثانیاً: مؤطا کی روایت میں یحییٰ بن یحییٰ سے متعدد جگہ غلطیاں واقع ہوئیں۔ چنانچہ خود مالکی محدث شیخ محمد عبدالباقی زرقانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔ قلیل الحدیث لہ اوھام، 'انکو اکثر وہم لاحق ہوتے تھے اور حدیث میں وہ بہت کم معرفت رکھتے تھے۔ اور امام محمد کے بارے میں ذہبی جیسے شخص کو بھی اعتراف کرنا پڑا، وکان من بحور العلم والفقہ قویا فی ماروی عن مالک' امام محمد علم

کے سمندر تھے اور امام مالک سے روایت کرنے میں وہ بہت قوی تھے۔

ثالثاً: یحییٰ بن یحییٰ کو امام مالک سے پوری مؤطا کے سماع کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ جس سال وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی سال امام مالک کا وصال ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ موطا امام مالک میں احادیث "عن مالک" کے صیغہ سے روایت کرتے ہیں۔ برخلاف امام محمد کے کہ وہ تین سال سے زیادہ عرصہ امام مالک کی خدمت میں رہے اور موطا کی تمام روایات کا انہوں نے امام مالک سے براہ راست سماع کیا ہے، اسی وجہ سے وہ "اخبرنا مالک" کے صیغہ کے ساتھ موطا میں احادیث روایت کرتے ہیں۔ اس کتاب میں امام محمد ترجمۃ الباب کے بعد سب سے پہلے امام مالک کی روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر مسلک حنفی اس روایت کے مطابق ہو تو اس کے بعد "بہ ناخذ" فرماتے ہیں اور اگر اس روایت کا ظاہر مسلک حنفی کے خلاف ہو تو اس کی توجیہ ذکر کر کے مسلک حنفی کی تائید میں احادیث اور آثار وارد کرتے ہیں اور بسا اوقات دوسرے ائمہ فتویٰ کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ اس کتاب میں امام محمد نے امام مالک کے علاوہ دوسرے مشائخ کی روایات بھی ذکر کی ہیں۔ اسی لئے یہ کتاب امام مالک کی طرف منسوب ہونے کے بجائے امام محمد کی طرف منسوب ہوگئی۔ موطا امام محمد میں کل ایک ہزار ایک سو اسی احادیث ہیں جن میں ایک ہزار پانچ احادیث امام مالک سے مروی ہیں اور ایک سو پچھتر دوسرے شیوخ سے۔ سترہ امام ابوحنیفہ سے اور چار امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔ اس کتاب کی بعض احادیث کے طرق اور اسانید پر اگرچہ جرح کی گئی ہے لیکن ان کی تائید اور تقویت دوسری اسانید سے ہو جاتی ہے۔

کتاب الآثار

حدیث میں یہ امام محمد کی دوسری تصنیف ہے۔ اس کتاب میں امام محمد نے احادیث سے زیادہ آثار کو جمع کیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے ان کی یہ تصنیف کتاب الآثار کے نام مشہور ہوگئی۔ اس کتاب میں ایک سو چھ احادیث اور سات سو اٹھارہ آثار ہیں۔ ان کے علاوہ اس میں انہوں نے امام اعظم کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔

کتاب الحج۔ اس کتاب میں بھی امام محمد نے احادیث کو جمع کیا ہے۔ امام مالک اور بعض دوسرے علماء مدینہ سے امام محمد کو فقہی اختلاف تھا۔ انہوں نے اپنے موقف کو احادیث اور آثار کی روشنی میں ثابت کرنے کے لئے اس کتاب کو تالیف کیا۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

حدیث میں بھی اگرچہ امام محمد نے چند کتابیں تالیف فرمائی ہیں لیکن ان کا اصل موضوع فقہ ہے، اور اس سلسلے میں انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ امام محمد کی فقہی تصنیفات کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ ایک ظاہر الروایۃ اور دوسری نوادر۔ ظاہر الروایۃ امام محمد کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے بارے میں تواتر سے ثابت ہے کہ امام محمد کی تصانیف میں۔ یہ چھ کتابیں ہیں۔ مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر اور سیر کبیر۔ اور نوادر امام محمد کی
ان تصانیف کو کہا جاتا ہے جن کا امام محمد کی طرف منسوب ہونا تواتر سے ثابت نہیں۔

مبسوط۔ علم فقہ میں امام محمد کی سب سے ضخیم تصنیف ہے، یہ کتاب چھ جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں دس ہزار سے زیادہ مسائل مذکور ہیں۔ اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں، مشہور نسخہ وہ ہے جو

ابوسلیمان جوزجانی سے مروی ہے۔ امام شافعی نے اس کو حفظ کرلیا تھا۔ ایک غیر مسلم اہل کتاب اس کو پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا کہ جب محمد اصغر کی کتاب ایسی ہے تو محمد اکبر کی کتاب کی کیا شان ہوگی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۸۱) مصر اور استنبول کے کتب خانوں میں اس کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں۔

الجامع الکبیر: فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی دوسری کتاب ہے، اس میں مسائل فقہیہ کو دلائل نقلیہ سے ثابت کیا ہے۔ نیز اس کتاب کی عربی بھی بے حد بلیغ ہے۔ جس طرح یہ کتاب فقہی طور پر حجت تسلیم کی جاتی ہے اسی طرح اس کی عربیت بھی زبان و بیان کے اعتبار سے حجت مانی جاتی ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں حاجی خلیفہ نے پچاس سے زیادہ اس کی شروح کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے متعدد راوی ہیں۔ اور اس کے قلمی نسخے استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

الجامع الصغیر۔ فقہ میں امام محمد کی یہ تیسری تصنیف ہے اس کتاب میں ۱۵۳۶ مسائل ہیں جن میں سے دو کے سوا باقی تمام مسائل کی بنیاد احادیث اور آثار پر رکھی ہے باقی دو مسئلوں کو قیاس سے ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے امام محمد سے فرمائش کی کہ وہ امام اعظم کے ان مسائل کو جمع کریں جو امام محمد نے امام ابو یوسف کی وساطت سے سماع کئے ہیں۔ جب یہ کتاب امام محمد نے لکھ کر امام ابو یوسف پر پیش کی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور باوجود اپنی جلالت علمی کے سفر و حضر میں ہر جگہ اس کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کتاب کے مسائل کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر امام محمد کی دوسری کتب میں نہیں ہے۔ دوسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر دوسری کتب میں ہے لیکن یہ تصریح نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے یا نہیں، یہاں پر اس بات کی تصریح کردی ہے۔ تیسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا محض اعادہ کیا ہے مگر وہ بھی تغییر عبارت کی وجہ سے افادہ سے خالی نہیں۔ عہدۂ قضاء کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی تیس سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۶۱) متاخرین میں سے ایک شرح مولانا عبدالحی لکھنوی نے لکھی ہے اور اس کے شروع میں مبسوط مقدمہ "النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر" کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں اس کتاب کی تمام خصوصیات اور اس کی شروح کا ذکر کیا ہے۔

السیر الصغیر۔ علم فقہ میں امام محمد کی یہ چوتھی تصنیف ہے۔ امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو سیر و مغازی کے باب میں جو کچھ املا کرایا یہ اس کا مجموعہ ہے۔

السیر الکبیر۔ فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی پانچویں تصنیف ہے۔ امام اوزاعی نے سیر صغیر کا تعاقب کیا اور اس کے جواب میں امام محمد نے سیر کبیر کو تالیف کیا، سیر و مغازی کے موضوع پر یہ ایک انتہائی مفید کتاب شمار کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں جہاد و قتال اور امن و صلح کے مواقع اور طرق بیان کئے ہیں۔ غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات ان کے حقوق و فرائض اور تجارتی اور عام معاملات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسلام کے بین الاقوامی نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

یہ کتاب امام محمد کی انتہائی اہم اور ادق کتاب شمار جاتی ہے، قوت استدلال اور رفعت بیان کے اعتبار سے یہ کتاب ان کی دیگر تمام کتب میں ممتاز ہے۔ ہارون الرشید کو اس کتاب سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ اس نے اپنے دونوں لڑکوں امین اور مامون کو اس کا

ملا کرایا۔اس کتاب کی متعدد شروح لکھی جاچکی ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت امام سرخسی کی شرح کو حاصل ہوئی، یہ شرح مع متن کے حیدرآباد دکن سے چھپ چکی ہے۔

زیادات۔ظاہر الروایۃ میں امام محمد کی یہ چھٹی تصنیف ہے جو کہ سیر صغیر سیر کبیر کے تتمہ کے حکم میں ہے۔کیونکہ سیر اور مواضع کہ جو مسائل ان دو کتابوں میں رہ گئے تھے ان کا اس کتاب میں ذکر کردیا گیا ہے۔اس کے قلمی نسخے استنبول کی لائبریریوں میں موجود تھا۔

فقہ سے متعلق امام محمد کی ان چھ کتابوں کو ظاہرہ الروایہ کہا جاتا ہے۔امام محمد بن محمد حاکم شہید متوفی ۳۳۴ھ نے مبسوط جامع صغیر اور جامع کبیر سے مکرر مسائل اور مطول عبارات کو حذف کرکے ایک مختصر متن تیار کیا اور اس کا نام ''الکافی فی فروع الحنفیہ'' رکھا۔ایک مرتبہ انہیں خواب میں امام محمد کی زیارت ہوئی فرمایا تم نے میری کتابوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟انہوں نے کہا: میں نے فقہاء کو مسائل اور کسل مند پایا اس لئے مطول اور مکرر امور کو حذف کردیا۔امام محمد نے جلال میں آکر فرمایا جس طرح تم نے میری کتابوں میں کاٹ چھانٹ کی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری بھی ایسی ہی کانٹ چھانٹ کریگا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا مرو کے لشکر نے آپ کو قتل کردیا پھر آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کرکے درخت پر لٹکا دیا۔حدائق حنفیہ ص ۱۷۰ امام حاکم شہید کی الکافی کی متعدد علماء نے شروح لکھیں لیکن سب سے زیادہ شہرت شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی شرح مبسوط کو حاصل ہوئی۔یہ کتاب تیس اجزاء پر مشتمل ہے اور مصنف نے اس شرح کو قید خانے میں بغیر کسی مطالعہ کے فی البدیہہ املا کرایا ہے۔فقہ حنفی میں یہ کتاب اصول کا درجہ رکھتی ہے اور ہدایہ وغیرہ میں جب مطلقاً مبسوط کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد یہی مبسوط سرخسی ہوتی ہے۔

دیگر کتب۔ظاہر الروایۃ کے علاوہ امام محمد نے فقہ کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کا احصاء مشکل ہے۔چند کتابوں کا ذکر ہم ہدایۃ العارفین کے حوالے سے کررہے ہیں۔(۱) الاحتجاج علی مالک (۲) الاکتساب فی الرزق المستطاب (۳) الجرجانیات (۴) الرقیات فی المسائل (۵) عقائد الشیبانیہ (۶) کتاب الاصل فی الفروع (۷) کتاب الاکراہ (۸) کتاب الحیل (۹) کتاب السجلات (۱۰) کتاب الشروط (۱۱) کتاب الکسب (۱۲) کتاب النوادر (۱۳) الکیسانیات (۱۴) مناسک الحج (۱۵) النوادر الصیام (۱۶) الہارونیات اور بہت سی کتابیں۔

سانحہ وصال۔امام محمد نے اٹھاون سال عمر گزاری اور عمر کا بیشتر حصہ فقہی تحقیقات اور مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں گذارا۔جب دوبارہ عہدۂ قضا پر بحال ہوئے اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تو ان کو ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے ساتھ سفر پر لے گیا، وہاں رے کے اندر نبویہ نامی ایک بستی میں آپ کا وصال ہوگیا۔اسی سفر میں ہارون رشید کے ساتھ نحو کے مشہور امام کسائی بھی تھے جو آپ کے خالہ زاد بھائی ہوتے تھے اور اتفاق سے اسی دن یا دو دن بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ہارون رشید کو ان دونوں ائمہ فن کے وصال کا بے حد ملال ہوا اور اس نے افسوس سے کہا آج میں نے فقہ اور نحو دونوں کو ''رے'' میں دفن کردیا۔

روایت ہے کہ بعد وصال کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا نزع کے وقت کیا حال تھا۔آپ نے فرمایا میں اس وقت مکاتب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ پر غور کررہا تھا مجھ کو روح نکلنے کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔

خطیب بغدادی نے امام محمد کے تذکرہ کے اخیر میں محمویہ نامی ایک بہت بڑے بزرگ جن کا شمار ابدال میں کیا جاتا ہے، سے ایک روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے محمد بن حسن کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اے ابوعبداللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ کہا اللہ نے مجھ سے فرمایا اگر تمہیں عذاب دینے کا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یہ علم نہ عطا کرتا، میں نے پوچھا اور ابویوسف کا کیا حال ہے فرمایا مجھ سے بلند درجہ میں ہیں۔ پوچھا اور ابوحنیفہ؟ کہا وہ ہم سے بہت زیادہ بلند درجوں پر فائز ہیں۔ (۵)

امام داؤد طائی

نام ونسب: نام، داؤد۔ کنیت، ابوسفیان۔ والد کا نام نصیر ہے۔ طائی کوفی ہیں اور فقیہ زاہد کے لقب سے مشہور ہیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم کے بعد سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کی درسگاہ میں داخل ہوئے اور بیس سال تک اکتساب علم میں مشغول رہے۔ ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

عبادت وریاضت: حدیث وفقہ حاصل کرنے کے بعد تارک الدنیا ہو گئے تھے، اہل تصوف میں سید السادات اور بے مثل صوفی مانے گئے ہیں۔ حضرت حبیب بن سلیم راعی سے بیعت ہوئے، پوری زندگی نہایت سادگی کے ساتھ بے سروسامانی کے عالم میں گزاری،

زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ وراثت میں بیس دینار ملے تھے جن کو بیس سال میں خرچ کیا۔

عطا بن مسلم کہتے ہیں:

ہم جب آپ کے مکان پر آپ سے ملاقات کے لئے گئے تو ان کے یہاں بچھانے کے لئے ایک چٹائی، تکیہ کے لئے ایک اینٹ، ایک تھیلا جس میں خشک روٹی کے چند ٹکڑے اور وضو کے لئے ایک لوٹا تھا۔

اساتذہ: امام اعظم ابوحنیفہ، عبدالملک بن عمیر، اسماعیل بن خالد، حمید الطویل، سعد بن سعید انصاری، ابن ابی لیلی، امام اعمش۔

تلامذہ: عبداللہ بن ادریس، سفیان بن عیینہ، ابن علیہ، مصعب بن مقدام، اسحاق بن منصور سلولی، امام وکیع، ابونعیم، وغیرہم۔

وصال: ایک دن ایک صالح شخص نے خواب دیکھا کہ آپ دوڑ رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: ابھی ابھی قید خانہ سے چھٹکارا پا کر آ رہا ہوں، وہ صالح شخص بیدار ہوا تو اسے پتہ چلا کہ حضرت امام داؤد طائی وصال فرما چکے ہیں۔

ابونعیم نے آپ کا سنہ وصال ۱۶۰ ہجری بیان کیا ہے۔ لیکن ابن نمیر نے کہا کہ آپ کا وصال ۱۶۵ھ میں ہوا۔ زیب عالم (۱۶۵) مادۂ تاریخ سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ (۶)

فضیل بن عیاض

نام ونسب: نام، فضیل۔ والد کا نام، عیاض۔ کنیت ابوعلی ہے۔ تمیمی یربوعی خراسانی ہیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ عرصہ یونہی گزرا اور پھر جوانی کے عالم میں امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم پائی۔ دیگر محدثین سے علم حدیث حاصل کیا اور مسند حدیث بند کر کے مکہ مکرمہ چلے

گئے اور بیت اللہ شریف کی مجاورت اختیار فرمائی۔

واقعہ توبہ: فضل بن موسیٰ آپ کی نوجوانی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ ابیورد اور سرخس کے درمیان راستہ میں ڈاکہ زنی کرتے تھے، جس سے لوگوں میں نہایت خوف و ہراس کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ کسی لڑکی پر اسی دوران عاشق ہو گئے، رات کو دیوار پر چڑھ کر اس کے گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ کسی طرف سے تلاوت قرآن کی آواز آئی، اتفاق سے اس وقت کوئی شخص اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ۔

کیا ابھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خشیت ربانی اور ذکر الٰہی سے معمور ہوں۔ یہ آیت سنتے ہی اتر آئے اور بارگاہ خداوند قدوس میں عرض کیا: یارب! قدآن۔ اے رب! اب وہ وقت آ گیا۔ رات ایک ویرانہ میں گزار دی، وہاں آپ نے ایک قافلہ کے لوگوں کی فنکوسنی، کوئی کہہ رہا تھا، ابھی یہاں سے کوچ کرنا چاہیے، دوسرا بولا! نہیں صبح تک یہیں ٹھہرو، اس علاقہ میں فضیل ڈاکو پھرتا ہے۔

خود واقعہ بیان کر کے فرماتے تھے، میں نے دل میں کہا لوگ مجھ سے اتنے خوف زدہ ہیں اور میں راتوں کو معاصی میں مبتلا رہتا ہوں۔ فوراً تائب ہوا اور واپس آیا۔

اس کے بعد شب بیداری، گریہ وزاری آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ بدن پر دو کپڑوں کے علاوہ سامان دنیا نہیں رکھتے تھے، آپ کے فضائل و مناقب سے یہ بھی ہے کہ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ثقہ صدوق صالح اور حجت تھے، محدثین آپ کی جلالت شان پر متفق ہیں۔

اساتذہ: امام اعظم ابوحنیفہ، امام اعمش، منصور، عبید اللہ بن عمر، ہشام بن حسان، یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن اسحاق، لیث بن ابی سلیم، امام جعفر بن محمد صادق، اسماعیل بن خالد، سفیان بن عیینہ، بیان بن بشر، وغیرہم۔

تلامذہ: امام سفیان ثوری، یہ استاذ بھی ہیں۔ سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان، عبد الرزاق، حسین بن علی الجعفی، وغیرہم۔

فضائل: عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھے۔ میرے نزدیک آپ سے زیادہ فضیلت والا اب روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں۔

عبید اللہ بن عمر قواریری نے کہا: جن مشائخ کو میں نے دیکھا آپ کو سب سے افضل پایا۔

خلیفہ ہارون رشید کہتے ہیں: امام مالک سے زیادہ خشیت الٰہی والا، اور فضیل بن عیاض سے زیادہ تقویٰ والا میں نے علماء میں نہیں دیکھا۔

وصال: ۱۸۷ھ میں آپ نے مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا، امام عادل (۱۸۷) مادۂ تاریخ ہے۔ (۷)

ابراہیم بن ادہم

نام ونسب: نام، ابراہیم۔ والد کا نام، ادہم۔ اور دادا کا نام منصور ہے۔

تعلم وتربیت: ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ساتھ ہی دوسرے محدثین وفقہاء کی خدمت میں بھی حاضر رہے اور پھر مسند درس وتدریس کو زینت بخشی۔

شیخ المشائخ حضرت داتا گنج بخش ہجویری فرماتے ہیں: آپ اپنے زمانہ کے یگانہ عارف باللہ اور سید اقران گزرے ہیں، آپ کی بیعت حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے تھی۔

آخر عمر میں درس وتدریس سے کنارہ کش ہوکر ہمہ تن عبادت میں مصروف ہو گئے تھے۔ آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں غیر مسلم زمرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور سینکڑوں گناہگار مسلمان آپ کے ہاتھ پر تائب ہوکر مرتبہ ولایت پر فائز ہوئے۔ آپ نہایت صابر وشاکر اور متقی وسخی تھے۔

وصال: آپ مجاہدین اسلام کے ساتھ لشکر میں شامل ہوکر جہاد کے لئے بلاد روم میں تشریف لے گئے اور یہاں ہی ۱۶۲ھ میں وصال فرمایا۔

اساتذہ: امام اعظم ابوحنیفہ، یحییٰ بن سعید انصاری، سعید بن مرزبان، مقاتل بن حبان، وغیرہم۔

تلامذہ: امام سفیان ثوری، ابراہیم بن بشار، بقیہ بن ولید، شفیق بلخی، اوزاعی، وغیرہ۔ محدثین آپ کو ثقہ ومامون کہتے ہیں۔ (۸)

بشر بن الحارث

نام ونسب: نام، بشر۔ کنیت ابونصر، والد کا نام، حارث۔ اور دادا کا نام عبد الرحمن بن عطا بن ہلال مروزی ہے۔ زاہد وعارف باللہ تھے اور حافی لقب سے مشہور ہوئے۔

تعلیم وتربیت: اصل وطن آپ کا مرو ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ کیا، پھر دوسرے محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کرنے کے بعد زہد وتصوف کی طرف مائل ہوئے، مجاہدات وریاضات میں بلند شان کے حامل تھے۔ اعمال واخلاص میں حظ تام رکھتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض کے خاص صحبت یافتہ تھے، اپنے ماموں علی بن خشرم سے مرید تھے، اور علم اصول وفروع میں یکتا وبے مثال تھے۔ علوم وفنون کی تحصیل کے بعد مستقل بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

اساتذہ: امام اعظم ابوحنیفہ، حماد بن زید، ابراہیم بن سعد، فضیل بن عیاض امام مالک، ابوبکر بن عیاش، عبد الرحمن بن مہدی وغیرہم،

تلامذہ: امام احمد بن حنبل، ابراہیم حربی، ابراہیم بن ہانی، محمد بن حاتم، ابوخیثمہ وغیرہم۔

وصال: ۲۲۷ھ کو بغداد میں وصال ہوا۔ (۹)

شفیق بلخی

نام ونسب: نام، شفیق۔ کنیت، ابوعلی، والد کا نام، ابراہیم ہے۔ ازدی بلخی ہیں۔
اساتذہ: امام اعظم ابوحنیفہ کی بارگاہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام ابویوسف وامام زفر کی صحبت حاصل رہی۔
حضرت اسرائیل بن یونس اور عباد بن کثیر سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے علاوہ خود آپ نے اپنے اساتذہ کی تعداد (۱۷۰۰) بتائی ہے۔
تلامذہ: حضرت حاتم اصم، محمد بن ابان بلخی اور ابن مردویہ آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں زہد وریاضت: آپ نے جس وقت توکل وقناعت کے میدان میں قدم رکھا تو آپ کے پاس تین سو گاؤں کی زمینداری تھی، لہٰذا سب فقراء میں تقسیم کردیئے حتیٰ کی بوقت وصال کفن کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ ایک مدت تک حضرت ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہے اور طریقت کا علم حاصل کیا۔
وصال: ختلان، ترکستان جہاد کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۹۴ میں یہاں شہادت پائی۔ نجم اہل دنیا ۱۹۴، آپ کی تاریخ وفات ہے۔(۱۰)

اسد بن عمرو

نام ونسب: نام، اسد۔ اور والد کا نام۔ عمرو ہے آپ امام اعظم ابوحنیفہ کے ان چالیس تلامذہ میں سے ہیں جو کتب وقواعد فقہ کی تدوین میں مشغول رہے، امام ابویوسف، امام محمد امام زفر اور امام داؤد طائی وغیرہم کی طرح اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔ تیس سال تک امام اعظم کے لئے کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے۔
عہدہ قضا: امام ابویوسف کے وصال کے بعد ہارون الرشید نے بغداد اور واسط کا قاضی مقرر کیا اور بنی بیٹی کے ساتھ آپ کا نکاح کردیا۔
کچھ مدت کے بعد آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، آنکھوں سے معذور ہوجانے کی وجہ سے عہدہ قضا چھوڑ دیا تھا۔
تلامذہ: امام احمد بن حنبل، محمد بن بکار، اور احمد بن منیع آپ کے مشہور تلامذہ میں ہیں۔ ۱۹۰ھ یا ۱۸۸ھ میں وصال ہوا۔(۱۱)

وکیع بن الجراح

نام ونسب: نام، وکیع۔ کنیت، ابوسفیان۔ والد کا نام، جراح بن ملیح ہے۔ کوفی اور حافظ حدیث ہیں۔ تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم کی بارگاہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ دوسرے محدثین وفقہاء سے بھی اکتساب علم کیا، آپ کے شیوخ واساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے۔
چند مشاہیر یہ ہیں:
اساتذہ: آپ کے والد جراح بن ملیح، اسماعیل بن ابی خالد، عکرمہ بن عمار، ہشام بن عروہ، سلیمان بن اعمش، جریر بن حازم،

عبداللہ بن سعید بن ابی ہند، معروف بن خربوذ، ابن عون، عیسیٰ بن طہمان، مصعب بن سلیم، مسعر بن حبیب، بدر بن عثمان، ابن جریج، امام اوزاعی، امام مالک، اسامہ بن زید لیثی، سفیان ثوری، شعبہ، ابن ابی لیلی، حماد بن سلمہ، وغیرہم۔

تلامذہ: تلامذہ کی تعداد بھی بہت ہے، چند یہ ہیں:

امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، ابوخیثمہ حمیدی، قعنبی، علی بن خشرم، مسدد، محمد بن سلام، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، محمد بن صباح دولابی، وغیرہم۔

علم وفضل: محدثین آپ کی جلالت علمی پر متفق ہیں، امام احمد بن حنبل کا ایک مرتبہ امام دوری سے کسی حدیث پر مذکراہ ہورہا تھا، امام احمد نے پوچھا؟ آپ یہ حدیث کس سے روایت کرتے ہیں، بولے: شبابہ سے، فرمایا: میں یہ حدیث اس امام عالی شان سے روایت کرتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں نے ان کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یعنی امام وکیع سے۔ آپ اپنے دور میں امام المسلمین تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں: میں نے وکیع سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔

نوح بن حبیب کہتے ہیں: میں نے ثوری، معمر اور امام مالک کو دیکھا ہے لیکن امام وکیع کی طرح میں نے کسی کو نہ پایا۔

یحییٰ بن اکثم نے کہا: میں نے امام وکیع کو سفر وحضر میں دیکھا، آپ ہمیشہ روزہ دار رہتے اور رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے۔

وصال: آپ نے ۷۰ سال کی عمر پاکر ۱۹۷ھ میں وصال فرمایا۔ کعبۂ اہل دین مادہ تاریخ وصال ہے۔ (۱۲)

یحییٰ بن سعید قطان

نام ونسب: نام، یحییٰ۔ کنیت، ابوسعید۔ والد کا نام، سعید بن فروخ ہے۔ تیمی بصری ہیں اور قطان سے مشہور ہیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی، اور تدوین فقہ کی مجلس میں رکن رکین کی حیثیت کے حامل ہے، نقد رجال حدیث میں خوب نام کمایا اور مشہور نقادان رجال کے استاد ہوئے۔

آپ کے درس حدیث کا وقت عصر سے مغرب تک تھا، نماز عصر کے بعد منارہ مسجد سے تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے اور سامنے امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، اور عمرو بن خالد جیسے ائمہ فن کھڑے ہو کر درس حدیث لیتے، مغرب تک نہ وہ کسی سے بیٹھنے کو کہتے اور نہ کسی کی جرأت ہوتی۔

فن رجال میں سب سے پہلے انہوں نے لکھا، پھر ان کے تلامذہ نے، اور پھر ان کے تلامذہ امام بخاری وامام مسلم وغیرہ نے قلم اٹھایا۔

ائمہ حدیث کا قول ہے کہ جس کو یحییٰ قطان چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ اس فضل وکمال کے باوجود ہمیشہ امام اعظم کی شاگردی پر فخر فرماتے۔

امام احمد فرماتے ہیں: میں نے یحییٰ بن سعید قطان کا مثل نہیں دیکھا۔

علی بن مدینی فرماتے ہیں: فن رجال میں یحییٰ قطان جیسا میں نے کوئی نہ دیکھا،

بندار کہتے ہیں: میں بیس سال تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا، میں نے کبھی آپ کو گناہ کرتے نہیں دیکھا۔

کثیر محدثین آپ کی مدح وستائش میں رطب اللسان ہیں اور آپ کو ثقہ، ثبت حجت، اور مامون کہتے ہیں۔

اساتذہ: امام اعظم ابو حنیفہ، سلیمان تیمی، حمید الطویل، اسماعیل بن ابی خالد، عبید اللہ بن عمرو، ہشام بن عروہ، بہز بن حکیم، امام مالک، امام اوزاعی، امام شعبہ، امام سفیان ثوری، عثمان بن غیاث، فضیل بن غزوان، قرہ بن خالد، وغیرہم۔

وصال: اٹہتر (۷۸) برس کی عمر پا کر ۱۹۸ھ میں وصال ہوا۔(۱۳)

حفص بن غیاث

نام ونسب: نام، حفص۔ کنیت، ابو عمر۔ والد کا نام غیاث بن طلق بن معاوہ بن مالک بن حارث بن ثعلب ہے۔ نخعی کوفی ہیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے، ممتاز فضلاء اصحاب میں شمار ہوتے ہیں اور تسوید فقہ حنفی میں نمایاں رول ادا کیا۔ امام اعظم سے مسانید امام میں بکثرت احادیث روایت کرتے ہیں۔

امام اعظم نے جن اصحاب کو وجہ سرور اور دافع غم فرمایا تھا یہ بھی انہیں میں سے ایک ہیں۔ محدثین آپ کو ثقہ مانتے ہیں، زہد و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ جس دن آپ کا وصال ہوا تو آپ کی ملکیت میں ایک درہم بھی نہ تھا۔ آپ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے۔

وصال: آپ کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۹۴ھ میں وصال ہوا۔

اساتذہ: آپ کے دادا طلق بن معاویہ، امام اعظم ابو حنیفہ، اسماعیل بن ابی خالد، ابو مالک اشجعی، سلیمان تیمی، عاصم احول، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، امام اعمش، امام ثوری، امام جعفر صادق، ابن جریج، وغیرہم۔

تلامذہ: امام احمد بن حنبل، اسحاق، ابن ابی شیبہ، یحییٰ بن معین، ابو نعیم، علی بن مدینی، یحییٰ قطان، وغیرہم۔(۱۴)

امام مالک بن انس

نام ونسب: نام، مالک۔ کنیت، ابو عبد اللہ۔ لقب امام دار الہجرۃ۔ والد کا نام، انس ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن انس ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی۔

امام مالک کے پردادا ابو عامر انس بن عمرو جلیل القدر صحابی تھے، غزوۂ بدر کے سوا تمام مشاہد میں شریک رہے۔ بزرگوں کا وطن یمن تھا۔ سب سے پہلے آپ کے پردادا ابو عامر ہی نے مدینۃ النبی میں سکونت اختیار کی، چونکہ یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ اصبح سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے مورث اعلیٰ حارث اس خاندان کے شیخ تھے، اس لئے ان کا لقب ذواصبح تھا، اسی وجہ سے امام مالک اصبحی کہلاتے ہیں۔

ولادت وتعلیم۔ ۹۳ھ میں ولادت ہوئی، خلاف معمول شکم مادر میں تین سال رہے۔ بعض نے دو سال بیان کیا ہے۔ جائے مولد مدینۃ الرسول ہے۔

آپ نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ منورہ میں ابن شہاب زہری یحییٰ بن سعید انصاری، زید بن اسلم، ربیعہ اور ابو الزناد وغیرہم تابعین اور تبع تابعین کا آفتاب علم وفضل نصف النہار پر چمک رہا تھا۔

آپ نے قرآن مجید کی قرأت وسند مدینہ منورہ کے امام القراء نافع بن عبدالرحمن متوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کی۔ دیگر علوم و خواہش کے جذبات غیر معمولی طور پر ودیعت تھے، زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس سرمایہ کچھ نہ تھا، مکان کی چھت توڑ کر اسکی کڑیوں کو فروخت کر کے بھی کتب وغیرہ خریدی تھیں۔ اسکے بعد دولت کا دروازہ کھل گیا، حافظہ نہایت اعلی درجہ کا تھا، فرماتے تھے کہ جس چیز کو میں نے محفوظ کر لیا اس کو پھر کبھی نہیں بھولا۔

اساتذہ۔ آپ کے اساتذہ میں زیادہ تر مدینہ کے بزرگان دین شامل ہیں، امام زرقانی فرماتے ہیں، آپ نے نوسو سے زیادہ مشائخ سے علم حاصل کیا۔ چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔

زید بن اسلم، نافع مولی ابن عمر، صالح بن کیسان، عبداللہ بن دینار، یحیٰی بن سعید، ہشام بن عروہ، ایوب السختیانی، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، جعفر صادق بن محمد باقر، حمید بن قیس مکی، سہل بن ابی صالح، ابوالزبیر مکی۔ ابوالزناد، ابو حازم، عامر بن عبداللہ بن العوام وغیرہم

تلامذہ۔ تلامذہ میں ان کے مشائخ معاصرین وغیرہم سب شامل ہیں، اس لئے کہ آپ نے مستقل مسکن مدینہ منورہ کو بنالیا تھا، لہذا اطراف واکناف سے لوگ یہاں آتے اور آپ سے اکتساب فیض کرتے، مستفیدین کی فہرست طویل ہے چند یہ ہیں۔

ابن شہاب زہری، یحیٰی بن سعید انصاری، اور یزید بن عبداللہ بن الھاد، یہ مشائخ میں بھی ہیں۔ معاصرین میں سے امام اوزاعی، امام ثوری، ورقاء بن عمر، شعبہ بن الحجاج، ابن جریج، ابراہیم بن طہمان، لیث بن سعد، اور ابن عیینہ وغیرہم۔

یحیٰی بن سعید القطان، ابواسحاق فزاری، عبدالرحمن بن مہدی، حسین بن ولید نیشاپوری امام شافعی، امام ابن مبارک، ابن وہب، ابن قاسم، خالد بن مخلد، سعید بن منصور، یحیٰی بن ایوب مصری، قتیبہ بن سعید، ابومصعب زہری، امام محمد۔

علم وفضل۔ آپ کے علم وفضل کی شہادت معاصرین وتلامذہ وغیرہم نے دی ہے۔

ابومصعب زہری فرماتے تھے: امام مالک ثقہ، مامون، ثبت، عالم، فقیہ، حجت وورع ہیں

یحیٰی بن معین اور یحیٰی بن سعید القطان نے فرمایا: آپ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔

عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے۔

روئے زمین پر امام مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں۔ سفیان ثوری امام حدیث ہیں امام سنت نہیں، اور اوزاعی امام سنت ہیں امام حدیث نہیں، اور امام مالک دونوں کے جامع۔

امام اعظم فرماتے ہیں:

میں نے امام مالک سے زیادہ جلد اور صحیح جواب دینے والا اور اچھی پرکھ والا نہیں دیکھا۔

امام شافعی فرماتے ہیں: تابعین کے بعد امام مالک مخلوق خدا کی حجت تھے، اور علم تین آدمیوں میں دائر ہے۔

مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد۔

امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی کی حدیث زبانی یاد کرنا چاہے تو کس کی کرے، فرمایا: مالک بن انس کی۔

امام بخاری نے اصح الاسانید کے سلسلہ میں فرمایا: مالک عن نافع عن ابن عمر۔
بشارت عظمیٰ۔امت مسلمہ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت آپ کی ذات گرامی تھی۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینۃ۔
قریب ہے کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں گے اور عالم مدینہ سے بڑھکر کوئی عالم نہ پائیں گے۔
امام عبدالرزاق اور امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا: اس حدیث کے مصداق امام مالک ہیں۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کی شخصیت عشق رسالت سے معمور تھی، مدینہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں پیار تھا، اس مقدس شہر کی سرزمین پر کبھی کسی سواری پر نہ بیٹھے اس خیال سے کہ کبھی اس جگہ حضور پیادہ چلے ہوں۔

درس حدیث کا نہایت اہتمام فرماتے، غسل کر کے عمدہ اور صاف لباس زیب تن کرتے پھر خوشبو لگا کر مسند درس پر بیٹھ جاتے اور اسی طرح بیٹھے رہتے تھے، ایک دفعہ دوران درس بچھو انہیں پیہم ڈنگ لگا تا رہا مگر اس پیکر عشق ومحبت کے جسم میں کوئی اضطراب نہیں آیا، پورے انہماک واستغراق کے ساتھ اپنے محبوب کی دلکش روایات اور دلنشیں احادیث بیان کرتے رہے۔ جب تک درس جاری رہتا انگیٹھی میں عود اور لوبان ڈالا جاتا رہتا۔

ابتلاء۔امام مالک کا مسلک تھا کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ انکے زمانہ کے حاکم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور ان کو زدوکوب کیا، اونٹ پر سوار کر کے شہر میں گشت بھی کرایا لیکن آپ اس حال میں بھی بلند آواز سے یہی کہتے جاتے تھے:

جو شخص مجھے جانتا ہے جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ میں مالک بن انس اصحی ہوں، اور میرا مسلک یہ ہے کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ جعفر بن سلیمان تک جب یہ خبر پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ اونٹ سے اتار لیا جائے۔

بعض نے قصہ یوں بیان کیا ہے کہ جعفر بن سلیمان والی مدینہ سے کسی نے شکایت کردی کہ امام مالک آپ لوگوں کی بیعت کو صحیح نہیں سمجھتے، اس پر اس کو غصہ آیا اور آپ کو بلوا کر کوڑے لگوائے، آپ کو کھینچا گیا اور دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں سے اتروادیا۔ ان چیزوں سے آپ کی عزت ووقعت اور شہرت زیادہ ہی ہوئی۔

حلم وبردباری۔خلیفہ منصور جب حج کے لئے حرمین حاضر ہوا تو اس نے جعفر سے امام مالک کا قصاص لینا چاہا تھا مگر آپ نے روک دیا اور فرمایا:

واللہ! جب مجھ پر کوڑا پڑتا تھا میں اس کو اسی وقت حلال اور جائز کر دیتا تھا کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے۔

وصال۔یحیٰ بن یحیٰ مصمودی بیان کرتے ہیں کہ جب امام مالک کا مرض وصال طویل ہوا اور وقت آخر آپہنچا تو مدینہ منورہ اور دوسرے شہروں سے علماء وفضلاء آپ کے مکان میں جمع ہو گئے تا کہ امام مالک کی آخری ملاقات سے فیض یاب ہوں۔ میں بار بار

امام کے پاس جاتا اور سلام عرض کرتا تھا۔ کہ اس آخری وقت میں امام کی نظر مجھ پر پڑ جائے اور وہ نظر میری سعادت اخروی کا سبب بن جائے۔ میں اسی کیفیت میں تھا کہ امام نے آنکھیں کھولیں اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا شکر جس نے ہم کو کبھی ہنسایا اور کبھی رلایا، اسکے حکم سے زندہ رہے اور اسی کے حکم سے جان دیتے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا: موت آگئی، خدائے تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے۔

حاضرین نے عرض کیا: اس وقت آپ کے باطن کا کیا حال ہے؟ فرمایا: میں اس وقت اولیاء اللہ کی مجلس کی وجہ سے بہت خوش ہوں، کیونکہ میں اہل علم کو اولیاء اللہ شمار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد علماء سے زیادہ کوئی شخص پسند نہیں۔ نیز میں اس لئے بھی خوش ہوں کہ میری تمام زندگی علم کی تحصیل اور اس کی تعلیم میں گذری ہے۔ اور میں اس سلسلہ میں اپنی تمام مساعی کو مستجاب اور مشکور گمان کرتا ہوں۔ اس لئے کہ تمام فرائض اور سنن اور ان کے ثواب کی تفصیلات ہم کو زبان رسالت سے معلوم ہوئیں۔ مثلاً حج کا اتنا ثواب ہے اور زکوۃ کا اتنا، اور ان تمام معلومات کو سوا حدیث کے طالب علم کے اور کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ اور یہ ہی علم اصل میں نبوت کی میراث ہے۔

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کہتے ہیں: اس کے بعد امام مالک نے حضرت ربیعہ کی روایت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے اب تک یہ روایت نہیں بیان کی ہے۔

حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ قسم بخدا! کسی شخص کو نماز کے مسائل بتلانا روئے زمین کی تمام دولت صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور کسی شخص کی دینی الجھن دور کردینا سوحج کرنے سے افضل ہے۔ اور ابن شہاب زہری کی روایات سے بتلایا کہ کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ اس گفتگو کے بعد امام مالک نے کوئی بات نہیں کی اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

۱۱ریا۱۴ربیع الاول ۱۷۹ھ کو آپ نے مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ اولاد امجاد میں تین صاحبزادے یحییٰ، محمد، اور احمد چھوڑے، کسی نے آپ کی سنہ ولادت اور سنہ وصال کو یوں نظم کیا ہے۔

فخر الائمۃ مالک۔ نعم الامام السالک مولدہ نجم ھدی۔ وفاتہ فاز مالک

۱۷۹۹۳

مؤطا امام مالک

آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں لیکن مؤطا آپ کی مشہور ترین کتاب جو کتب خانہ اسلام کی فقہی ترتیب پر دوسری کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کی تالیف وترتیب مدینہ طیبہ ہی میں ہوئی، کیونکہ آپ کا قیام ہمیشہ مدینہ منورہ ہی میں رہا، آپ نے حج بھی صرف ایک مرتبہ ہی کیا باقی پوری حیات مبارکہ مدینہ پاک ہی میں گذاردی۔

امام شافعی نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا تھا: کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر اس سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

امام ابوزرعہ رازی فن جرح وتعدیل کے امام فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں تو وہ حانث

نہیں ہوگا۔

امام مالک نے ایک لاکھ احادیث میں سے مؤطا کا انتخاب کیا، پہلے اس میں دس ہزار احادیث جمع کی تھیں، پھر مسلسل غور کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں چھ سو احادیث باقی رہ گئیں۔ بعدہ مراسیل وموقوف اور اقوال تابعین کا اضافہ ہے۔ یعنی کل روایات کی تعداد ایک ہزار سات سو بیس ہے۔

لفظ موطا ''توطیہ'' کا اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں، روندا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم وسہل بنایا ہوا۔ یہاں یہ سب معانی بطور استعارہ مراد لئے ہیں۔

امام مالک خود فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب کو لکھ کر فقہاء مدینہ میں ستر حضرات کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے مجھ سے اتفاق کیا یعنی انظار دقیقہ سے روندا، لہٰذا میں نے اس کا نام مؤطا رکھا۔ دوسرے ائمہ نے وجہ تسمیہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ امام مالک نے اس کتاب کو مرتب کر کے لوگوں کے لئے سہل اور آسان بنا دیا ہے اس لئے اس کو مؤطا امام مالک کہتے ہیں۔

مؤطا امام مالک کے تیس سے زیادہ نسخے ہیں، بستان المحدثین میں سولہ کا ذکر بالتفصیل ہے۔ لیکن اس وقت امت کے ہاتھوں میں دو نسخے موجود ہیں۔ ایک یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا جو مؤطا امام مالک سے مشہور ہے۔ اور دوسرا امام محمد بن حسن کا جو مؤطا امام محمد سے شہرت یافتہ اور عام طور پر داخل نصاب ہے۔ (۱۵)

امام شافعی

نام ونسب: نام، محمد۔ کنیت، ابو عبد اللہ۔ والد کا نام، ادریس ہے، سلسلہ نسب یوں ہے، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت ہاشم پر آپ کا سلسلہ نسب ملتا ہے لہٰذا آپ قرشی ہیں اور یوں ائمہ اربعہ میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

آپ کے دادا 'العباس' کے دادا شافع تھے جو صغار صحابہ سے ہیں اور ان کے والد حضرت سائب غزوۂ بدر کے موقع پر اسلام لائے اور یہ حضور کے چچا زاد بھائی تھے۔

ولادت وتعلیم۔ غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، کہتے ہیں خاص اس دن جس دن امام اعظم کا وصال ہوا۔ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت عبد اللہ محض ہیں حضرت حسن مثنی کی پوتی اور سیدنا امام حسن کی پر پوتی تھیں۔۔

آپ کے والد کا انتقال دو سال کی عمر ہی میں ہو گیا تھا۔ لہٰذا والدہ ماجدہ آپ کو صغر سنی میں ہی وہاں سے مکہ لے آئیں اور آپ نے وہیں پرورش پائی۔ سن تمیز سے ہی علوم وفنون کی طرف توجہ شروع کر دی تھی، ابتداءً شعر، لغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ تھی، اسکے بعد تجوید قرأت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی۔

بارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے مؤطا کو حفظ کر لیا تھا اور اس کے بعد امام مالک کی خدمت میں پہنچے اور ان پر مؤطا کی قرأت کی۔ آپ علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرماتے تھے۔ علم فقہ کی طرف توجہ۔ ایک دن میں ذوق وشوق

سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ نصیحت آمیز غیبی آواز آئی، اشعار میں پڑ کر کیوں وقت ضائع کرتے ہو، جاؤ جا کر فقہ کا علم حاصل کرو۔ فرماتے ہیں: میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور میں نے مکہ جا کر سفیان بن عیینہ کی درسگاہ میں حاضری دی تھی، انکے بعد مسلم بن خالد زنجی اور پھر مدینہ طیبہ حضرت امام مالک کی خدمت میں پہنچا۔

اساتذہ۔ امام شافعی کا زمانہ حدیث وفقہ کے ائمہ کا نادر المثال دور ہے۔ لہٰذا آپ نے اس زمانہ کے جلیل القدر محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کیا، بعض کے اسماء یہ ہیں۔

امام سفیان بن عیینہ، امام مالک، مسلم بن خالد زنجی، ابراہیم بن سعد۔ اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد جندی، ہشام بن یوسف صنعانی، امام محمد وغیرہم۔

آپ کے اساتذہ میں جن کا رنگ آپ پر غالب نظر آتا ہے وہ آخر الذکر امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ کیونکہ امام شافعی کی والدہ سے آپ نے نکاح کرلیا تھا اور اپنا تمام مال اور کتابیں امام شافعی کے حوالہ کردی تھیں۔ امام محمد کی تصانیف کے مطالعہ سے ہی آپ میں فقاہت کا ملکہ پیدا ہوا۔ اسی فیضان سے متاثر ہو کر امام شافعی نے فرمایا: جو شخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہے وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے استفادہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان لوگوں پر کشادہ کردی ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

قسم بخدا! مجھے فقاہت ہرگز نصیب نہ ہوتی اگر میں امام محمد کی کتب کا مطالعہ نہ کرتا۔ جس شخص کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔

تلامذہ: حدیث وفقہ میں آپ کے تلامذہ کی فہرست کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ چند حضرات یہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، سلیمان بن داؤد ہاشمی، ابراہیم بن منذر حزامی، ابراہیم بن خالد، ابوثور ابراہیم بن خالد، ربیع بن سلیمان جنیدی، حسن بن محمد بن صباح زعفرانی۔

مبارک خواب

امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ آپ نے مجھے سلام کیا اور مصافحہ فرما کر ایک انگشتری میرے ہاتھ میں پہنائی۔ میرے عم محترم نے اس کی تعبیر یوں بیان فرمائی کہ مصافحہ کرنے کا مطلب ہے کہ تم عذاب سے مامون رہوگے اور انگوٹھی پہنانے کی تعبیر یہ ہے کہ جہاں تک مولیٰ علی کے نام کی شہرت ہے وہاں تک تمہارا نام بھی مشہور ہوگا۔

بشارت عظمیٰ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے۔

اللھم اھد قریشا فان عالمھا یملأ طباق الارض علما۔ الحدیث۔

الٰہی قریش کو سیدھی راہ پر چلا، ان میں ایک عالم ایسا ہوگا جو طبقات زمین کو علم وعرفان سے بھر دیگا۔ حافظ ابونعیم عبدالملک بن

محمد کہتے ہیں: اس حدیث کے مصداق حضرت امام شافعی ہیں۔

علم وفضل۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

امام شافعی دوسری صدی کے مجدد ہیں جس طرح خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز پہلی صدی کے۔

نیز فرماتے ہیں:

تیس سال سے میری کوئی رات ایسی نہیں گذری جس رات میں امام شافعی کے لئے میں نے دعا نہ کی۔

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں: جس طرح علماء یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام منفرد تھے اسی طرح علماء اسلام میں امام شافعی منفرد ہیں۔

شمائل وخصائل۔ امام شافعی طبعا فیاض تھے، اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے، بے حد غیور اور خود دار تھے، اہل جاہ وحشم اور ارباب ثروت واقتدار سے کبھی کسی چیز کی طمع اور توقع نہ رکھتے، اسکے ساتھ بے حد خلیق اور بامروت تھے۔ اگر کوئی شخص کبھی محبت اور عقیدت سے کوئی نذرانہ پیش کرتا تو اسکو رد نہیں کرتے، تاہم فیاضی طبع کی بنیاد پر اس کو پاس رکھتے بھی نہیں تھے، بارہا ایسا ہوا کہ آپ خلیفہ ہارون رشید کی دعوت پر دربار میں گئے، اس نے اشرفیوں کی تھیلیاں نذرانہ کیں اور آپ واپسی میں دونوں ہاتھوں سے ان اشرفیوں کو تقسیم کرتے ہوئے چلے گئے، یہاں تک کہ جب گھر پہنچے تو آپ کے پاس اس نذرانے میں سے ایک درہم بھی نہیں تھا۔

امام حمیدی فرماتے ہیں:

امام شافعی جب صنعاء سے مکہ مکرمہ آئے تو آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ آپ نے ایک جگہ خیمہ نصب کر کے قیام فرمایا۔ لوگوں کو پتہ چلا تو مختلف اطراف سے بے شمار لوگ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے جنمیں بہت سے لوگ ضرورت مند بھی تھے، جب آپ لوگوں کی ملاقات سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس ایک دینار بھی باقی نہیں تھا۔

مزنی کہتے ہیں:

میں نے امام شافعی سے بڑھکر کوئی فیاض شخص نہیں دیکھا، ایک شب میں ان کے ساتھ مسجد سے ان کے گھر تک آیا، میں کسی فقہی مسئلہ میں ان سے گفتگو کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک غلام آیا اور کہنے لگا: میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ تھیلی نذر کی ہے، آپ نے تھیلی رکھ لی، تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا اور اس نے کہا میری بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں، آپ نے وہ تھیلی اٹھا کر اسے دیدی۔

زہد وتقوی۔ علمی وجاہت اور فقہی متانت کے ساتھ عبادت وریاضت اور زہد وتقوی میں بھی امتیاز حاصل تھا۔ بعض واقعات خرق عادت اور کرامت معلوم ہوتے ہیں۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں:

امام شافعی رمضان کے نوافل میں ساٹھ مرتبہ قرآن عظیم پڑھتے تھے، عام ایام میں وہ رات کے تین حصہ کرتے، پہلے حصہ

میں تصنیف وتالیف، دوسرے میں نوافل اور تیسرے میں آرام فرماتے۔

ابراہیم بن محمد کا قول ہے:

میں نے امام شافعی سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔آپ کی نماز مسلم بن خالد کی نماز کے مشابہ تھی، اوران کی مسلم بن جریج کی نماز کے مماثل، اوران کی عطاء بن ابی رباح، اوران کی عبداللہ بن زبیر، اوران کی ابو بکر صدیق، اوران کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مماثل تھی۔

خوف الٰہی اور خشیت ربانی سے لرزہ براندام ہوجاتے تھے۔

تصنیف وتالیف۔ امام شافعی کی زندگی کا اکثر حصہ درس وتدریس، علمی مباحث، مسائل کے استنباط اور افتاء وغیرہ میں گذرا، اسکے باوجود آپ نے مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

عبدالرحمن بن مہدی نے امام شافعی سے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمادیں جس میں قرآن عظیم کے معانی معتبرہ، احادیث اوران کے ساتھ اجماع اور ناسخ ومنسوخ کا بھی بیان ہو۔ آپ نے عنفوان شباب میں کتاب الرسالہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مذکورہ بالا تمام مقاصد پر مشتمل تھی۔

فن حدیث میں امام شافعی کی روایات کو کتاب الام اور کتاب المبسوط میں ان کے تلامذہ نے جمع کیا ہے، لیکن جو کتاب امام شافعی کی روایات کی جامع ہے وہ مسند شافعی ہے۔

یہ کتاب ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنہیں امام شافعی خود اپنے تلامذہ کے سامنے بیان کرتے تھے۔ امام شافعی کی بعض روایات کا ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم نے ربیع بن سلیمان مرادی سے سماع کر کے ان کو کتاب الام اور مبسوط کے ضمن میں جمع کر دیا تھا۔ ابوالعباس اصم نے ان تمام روایات کو ایک جگہ جمع کر کے مجموعہ کا نام مسند شافعی رکھ دیا ہے۔

وصال:۔مزنی کہتے ہیں جب امام شافعی کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں ان کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے عرض کیا: کیا حال ہے؟ فرمایا: دنیا سے کوچ اور احباب سے جدائی کا وقت ہے، موت کا پیالہ پیش ہوا چاہتا ہے اور نتیجہ اعمال نکلنے والا ہے، عنقریب اللہ رب العزت کے دربار میں حاضری ہوگی، کون جانے کہ میری روح کدھر لے جائی جائے گی۔

آپ اس وقت وجد کی حالت میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنته ★ بعفوک ربی کان عفوک اعظما

میرے گناہ بہت بڑے ہیں لیکن میں تیری رحمت کی طرف نظر کرتا ہوں تو وہ میرے گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا وصال ۳۰ رجب ۲۰۴ھ شب جمعہ بعد نماز مغرب ہوا اور مزار مبارک مصر کے شہر قرافہ میں ہے۔(۱۶)

امام احمد بن حنبل

نام ونسب: نام، احمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام، محمد ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ الذہلی الشیبانی ثم المروزی ثم البغدادی۔

ولادت وتعلیم: آپ کے والد محمد بن حنبل مرو سے بغداد آکر اقامت پذیر ہوئے اور آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ بغداد میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد سب سے پہلے امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے لیکن بعد میں علم حدیث کی طرف توجہ کی اور پندرہ سال کی عمر میں احادیث کا سماع کرنے کے لئے ۱۷۹ھ میں بغداد کے مشہور شیخ ہشیم کی خدمت میں حاضری دی۔ اسی سال امام عبداللہ بن مبارک بغداد میں تشریف لائے، امام احمد کو ان کا علم ہوا تو ان کی مجلس میں پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ طرطوس جاچکے ہیں۔ اس کے بعد وہ بغداد واپس نہیں آئے اور دو سال بعد ان کا وہیں وصال ہوگیا۔

امام ہشیم کی وفات کے بعد آپ نے بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں کا رخ کیا، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کوفہ، بصرہ شام، یمن اور جزیرہ کے مشائخ وقت سے سماع حدیث کیا۔

اساتذہ: آپ نے علم حدیث مندرجہ ذیل مشاہیر وقت سے حاصل کیا۔ بشر بن مفضل، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبدالحمید، یحییٰ بن سعید القطان، ابوداؤد طیالسی، عبداللہ بن نمیر، عبدالرزاق علی بن عیاش حمصی، امام شافعی، معتمر بن سلیمان، ہشیم، ابراہیم بن سعد، عبادہ بن عباد اور یحییٰ بن زائدہ وغیرہم۔

تلامذہ: آپ کا زمانہ درس وتدریس نہایت ابتلاء وآزمائش کا دور ہے مگر جبر واستبداد کی زنجیریں میدان تدریس میں آپ کا راستہ نہ روک سکیں، آپ کے تلامذہ اور مستفدین کی فہرست نہایت طویل ہے چند اسماء یہ ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، اسود بن عامر، شاذان، ابن مہدی۔ ساتھ ہی آپ کے اساتذہ نے بھی آپ سے سماع حدیث کیا ہے، ان میں امام شافعی، ابوالولید، عبدالرزاق، وکیع، یحییٰ بن آدم، یزید بن ہارون نہایت مشہور ہیں۔

نیز اکابر محدثین میں قتیبہ بن سعید، داؤد بن عمرو، اور خلف بن ہشام نے بھی آپ سے سماع کیا ہے۔ اور معاصرین میں یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، ابوقدامی سرخسی، محمد بن رافع، محمد بن یحییٰ اور احمد بن ابی حواری بھی آپ کے تلامذہ سے ہیں۔

باقی تلامذہ میں اپ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور صالح اور ان کے علاوہ ابوبکر اثرم، حرب کرمانی، بقی بن مخلد، حنبل بن اسحاق اور شاہین وغیرہم کثیر محدثین شمار ہوتے ہیں۔

ابتلاوآزمائش: ۲۱۲ھ ائمہ مسلمین اور مقتدایان قوم کے لئے انتہائی صبر آزما سال تھا، اسی سال عباسی خلفاء میں سے ایک خلیفہ مامون رشید نے خلق قرآن کے مکروہ عقیدہ کا اظہار کیا اور علماء معتزلہ کی معاونت سے اس عقیدہ کو پھیلاتا رہا۔ ۲۱۷ھ میں اس نے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم معتزلی کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے، انا جعلناہ قرآنا عربیا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ

نے قرآن کو مجعول قرار دیا اور جو مجعول ہو وہ مخلوق ہے۔ لہٰذا جو شخص قدم قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے اس کا عقیدہ قرآن مجید کی نص صریح کا انکار ہے۔ تم بغداد کے تمام علماء اور مقتدر لوگوں کو جمع کرو اور ان پر یہ عقیدہ پیش کرو جو مان لے اس کو امان دو اور جو نہ مانے اس کے جوابات لکھ کر مجھے بھیج دو۔ بہت سے سرکردہ لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور کتنے ہی لوگوں نے جان بچانے کی خاطر خلق قرآن کا عقیدہ قبول کر لیا۔ امام احمد بن حنبل سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہتا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قاضی اسحاق بن ابراہیم نے یہ جواب مامون رشید کو لکھ کر بھیجا، مامون رشید نے جواب لکھا، جو شخص عقیدہ خلق قرآن سے موافقت نہ کرے اس کو درس اور افتاء سے روک دو۔

کچھ عرصہ بعد مامون رشید نے قاضی بغداد کو لکھا جو لوگ عقیدہ خلق قرآن سے موافقت نہ کریں ان کو قید کر کے فوج کے حوالے کر دو۔ اگر خلق قرآن کا اقرار کر لیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس دھمکی سے مرعوب ہو کر احمد بن حنبل، محمد بن نوح اور قواریری کے سوا بغداد کے تمام علماء نے خلق قرآن کا اقرار کر لیا۔ قاضی کے حکم سے امام احمد وغیرہ کو قید کر کے مامون کی طرف بھجوا دیا گیا لیکن اس سے پہلے کہ مامون ان مردان خدا پر تلوار اٹھاتا، سیف قضا نے خود اس کا کام تمام کر دیا۔

امام احمد کے شاگرد احمد بن غسان کہتے ہیں کہ خلیفہ کے حکم پر مجھے اور امام احمد بن حنبل کو گرفتار کر کے اس کے پاس لے جایا جا رہا تھا، راستہ میں امام احمد بن حنبل کو یہ خبر پہنچی کہ اگر احمد بن حنبل نے خلق قرآن کا قول نہ کیا تو وہ ان کو اور ان کے شاگرد کو مار مار کر ہلاک کر دے گا۔ اس وقت امام احمد نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ آج اس فاجر کو یہاں تک جرأت ہو گئی ہے کہ یہ تیرے اولیاء کو للکارتا ہے۔ اگر تیرا قرآن غیر مخلوق ہے تو تو ہم سے اس مشقت کو دور فرما۔ ابھی رات کا ایک تہائی حصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ سپاہی دوڑتے ہوئے آئے اور کہا: اے ابو عبد اللہ تم واقعی سچے ہو اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ قسم بخدا خلیفہ ہلاک ہو گیا۔

۲۱۸ھ میں مامون رشید ہلاک ہوا اور اس کا بھائی معتصم باللہ بن ہارون رشید تخت حکومت پر قابض ہوا۔ مامون کی طرح معتصم بھی اعتزال کا حامی تھا۔ اس نے حکومت سنبھالنے کے بعد عقیدہ اعتزال کی ترویج کی۔ پہلے مختلف حیلوں سے امام احمد کو اعتزال کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر ۲۲۰ھ میں اس نے امام احمد بن حنبل کو دربار خلافت میں طلب کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب امام احمد کی عمر ۵۶ سال کی ہو چکی تھی۔ شباب رخصت ہو چکا تھا اور ان کا جسم بڑھاپے کی سرحد میں داخل اور نحیف و نزار تھا لیکن اعصاب فولاد کی طرح مضبوط اور قوت ارادی چٹان سے کہیں زیادہ راسخ تھی۔

خلیفہ کے سامنے ایک طویل مناظرہ ہوا۔ امام احمد کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ قرآن کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اگر یہ حادث ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات محل حوادث بن جائے گی اور یہ محال ہے۔ خلیفہ سے امام احمد کی اس دلیل کا کوئی جواب نہ بن سکا۔ بالآخر معتزلی قاضی اور اس کے حواری معتزل علماء نے کہا کہ ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ اس شخص کا خون آپ پر مباح ہے۔ آپ اس کو قتل کر دیں۔ خلیفہ نے جلاد کو بلایا اور اس سے کہا کہ احمد بن حنبل کے جسم پر کوڑے مارو۔ ایک جلاد جب کوڑے مارتے مارتے شل ہو جاتا تو دوسرا جلاد آ جاتا اس طرح بار بار جلاد بدلتے رہے اور امام احمد بن حنبل صبر و استقامت سے کوڑے کھاتے رہے۔

اس فتنہ میں چار علماء ثابت قدم رہے اور آپ سب کے سردار ہیں۔ دوسرے محمد بن نوح بن میمون کہ ان کا انتقال راستہ ہی

میں ہو گیا تھا۔ تیسرے نعیم بن حماد خزاعی، ان کا انتقال قید خانہ میں ہوا۔ ابو یعقوب بویطی، انکا وصال بھی قید خانہ میں ہوا، چوتھے احمد بن نصر خزاعی۔

امام احمد بن حنبل کو جب کوڑے مارے جا رہے تھے تو اسی اثنا میں ضرب شدید کی وجہ سے آپ کا ازار بند ٹوٹ گیا، قریب تھا کہ بے ستری ہو جاتی، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یا غیاث المستغیثین، یا الہ العالمین، تو خوب جانتا ہے اگر میں حق پر ہوں تو میری پردہ پوشی فرما۔

فوراً آپ کا پاجامہ اپنی جگہ رک گیا۔ دار الخلافت سے اسحاق بن ابراہیم معتزلی کے مکان پر لائے گئے تو آپ روزہ دار تھے۔ کمزوری بہت تھی، لہٰذا کھانے کے لئے ستو وغیرہ لائے گئے لیکن آپ نے روزہ مکمل فرمایا۔

ظہر کی نماز وہیں ادا فرمائی، قاضی ابن سماعہ نے کہا آپ نے نماز خون آلود جسم و کپڑوں میں پڑھ لی؟ فرمایا: حضرت عمر نے بھی اسی حالت میں نماز پڑھی تھی۔ یہ سن کر قاضی صاحب خاموش ہو گئے۔

فضل و کمال: آپ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، اور ابتلاء و امتحان میں استقامت پر ان کے زمانہ کے اکابر، معاصرین اور متقدین نے بے پناہ خراج تحسین پیش کیا ہے۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں: میں نے دو سو ماہرین علم سے استفادہ کیا لیکن ان میں امام احمد کے مثل کوئی نہ تھا۔ وہ کبھی عام دنیاوی کلام نہیں کرتے، جب گفتگو کرتے تو موضوع سخن کوئی علمی مسئلہ ہوتا۔

حافظ ابو زرعہ کہتے ہیں: امام احمد علم و فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ قتیبہ بن سعید کہتے ہیں: اگر امام احمد بن حنبل کا زمانہ امام مالک، سفیان ثوری اور اوزاعی کا زمانہ ہوتا علم و فضل میں ان پر مقدم ہوتے۔ اور امام احمد نہ ہوتے تو دنیا سے تقویٰ اٹھ جاتا۔ اسحاق بن راھویہ کہتے تھے، اگر اسلام کی خاطر امام احمد کی قربانیاں نہ ہوتیں تو آج ہمارے سینوں میں اسلام نہ ہوتا۔

ابو عبد اللہ بحستانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، پوچھا حضور ہم اس زمانہ میں کس کی اقتداء کریں، فرمایا: احمد بن حنبل کی امام مزنی کہتے ہیں، آپ کی ذات خلفائے راشدین کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ تھی

ہلال بن معافی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس امت پر چار عظیم شخصیتوں کے ذریعہ احسان فرمایا: امام شافعی، ابو عبید، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل۔

آپ کے استاذ یحییٰ بن سعید قطان فرماتے تھے۔ بغداد میں جو لوگ آئے سب میں مجھے احمد بن حنبل زیادہ محبوب ہیں۔

زہد و تقوی: آپ کے زہد و تقویٰ کی متعدد مثالیں گذریں، شان استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپ کے استاذ امام عبد الرزاق نے کچھ رقم آپ کی ناداری کے زمانہ میں بھیجی تو آپ کے غیور ضمیر نے لینا گوارا نہ کی اور خود محنت و مشقت کر کے اپنی ضرورت پوری فرمائی۔

حسن بن عبد العزیز کو ایک لاکھ دینار وراثت سے ملے، اس نے ان میں سے تین ہزار دینار آپ کی خدمت میں پیش کئے

اور عرض کیا کہ یہ مال حلال ہے آپ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے عیال پر خرچ کریں، لیکن آپ نے یہ کہکر دینار واپس فرمادیئے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔

علمی اور فکری مصروفیات کے باوجود آپ عبادت میں قدم راسخ رکھتے تھے، آپ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ آپ دن اور رات میں تین سو نوافل پڑھا کرتے تھے۔ آپ نوافل میں قرآن پڑھتے اور سات راتوں میں ایک قرآن مجید ختم فرماتے۔ آپ کو کبھی تلاش کیا جاتا تو آپ یا تو مسجد میں ملتے، یا نماز جنازہ میں، یا کسی مریض کے یہاں عیادت میں۔

محبت رسول سے قلب وسینہ معمور تھا، آپ کے صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں، کہ آپ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک تھا، اس مقدس بال کو ہونٹوں پر رکھ کر چومتے اور کبھی آنکھوں سے لگاتے، جب کبھی بیمار ہوتے اس کو پانی میں ڈال کر اس کا غسالہ پیتے جس سے شفا حاصل ہوتی۔

آپ مستجاب الدعوات تھے، لوگ کثرت سے دعا کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ خوبصورتی سے ٹال بھی دیتے تھے۔

علی بن حرارہ کا بیان ہے کہ میں اپنی اپاہج ماں کے لئے دعا کرانے حاضر ہوا، فرمایا، ہم خود دعا کے محتاج ہیں ان سے کہنا ہمارے لئے دعا کیا کریں، میں گھر واپس آیا تو دیکھا والدہ گھر میں ٹھیک ٹھاک چل پھر رہی ہیں۔

وصال: آپ ابتلاء وآزمائش کے بعد اکیس سال تک زندہ رہے، خلق خدا کو فیض پہنچاتے رہے، کوڑوں کی تکلیف آخر عمر تک محسوس کرتے تھے، لیکن عبادت وریاضت میں مستقیم اور درس وتدریس میں ہمہ تن مصروف رہے۔

۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز جمعہ آپ نے وصال فرمایا: یہ معتصم کے بیٹے واثق باللہ کا زمانہ تھا۔ محمد بن طاہر نے اپنے دربان کے ہاتھ کفن کے لئے مختلف چیزیں بھیجیں اور کہا: یہ خلیفہ کی طرف سے سمجھو کہ اگر وہ خود یہاں ہوتا تو یہ چیزیں بھیجتا۔

صاحبزادگان نے کہا: آپ کی حیات ظاہری میں خلیفہ نے آپ کی ناپسندیدہ چیزوں سے آپ کو معذور رکھا تھا لہذا ہم کبھی یہ کفن نہیں لیں گے اور آپ کو ان کپڑوں میں کفن دیا گیا جو آپ کی باندی نے بن کر تیار کیا تھا۔ آپ کے غسل میں دارالخلافہ کے تقریباً سو خاندان بنو ہاشم کے شہزادگان تھے اور سب آپ کی پیشانی کو چومتے تھے۔

بیشمار لوگ نماز جنازہ میں حاضر ہوئے۔ کئی مرتبہ نماز جنازہ ہوئی، لوگوں کی بھیڑ میں خلیفہ کا نائب بھی عام لوگوں کی طرح حاضر رہا۔ اسکے حکم سے تعداد کا اندازہ کیا گیا تو دس لاکھ سے بیس لاکھ تک کی روایتیں منقول ہیں۔ اس کثرت ازدحام اور مقبولیت امام سے متاثر ہو کر بیس ہزار یہود ونصاری اور مجوس نے اسلام قبول کیا۔

عبدالوہاب وراق کہتے ہیں۔

جاہلیت اور اسلام میں کبھی کسی کے جنازہ پر اتنے لوگ جمع نہیں ہوئے جتنے آپ کے جنازہ میں تھے۔

امام احمد بن حنبل نے جس طرح خدمت دین انجام دی اور امتحان میں صبر واستقامت سے کام لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بیحد انعام واکرام سے نوازا، حشیش بن ورد کہتے ہیں کہ میں خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا میں نے

پوچھا، حضور احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا عنقریب حضرت موسیٰ تشریف لاتے ہیں ان سے پوچھنا۔ جب حضرت موسیٰ تشریف لائے تو میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی! احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا انہیں عیش وراحت اور تنگی وتکلیف میں کیا گیا لیکن ہر حال میں ان کو صدیق پایا گیا پس ان کو صدیقین کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔

مروزی کہتے ہیں: میں نے وصال کے بعد امام احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا انہوں نے سبز رنگ کے دو حلے پہنے ہوئے تھے اور پیروں میں چمکتے ہوئے سونے کی دو نعلین تھیں۔ جن کے تسمے سبز زمرد کے تھے اور سر پر جواہر سے مرصع ایک تاج تھا اور وہ بڑے ناز سے چل رہے تھے میں نے پوچھا اے ابوعبداللہ یہ کیسی چال ہے؟ فرمایا یہ جنت کے خدام کی چال ہے پھر میں نے پوچھا اے اللہ کے حبیب! یہ آپ کے سر پر تاج کیسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھے اپنی جنت میں داخل کر لیا میرے سر پر تاج رکھا اور اپنا دیدار مجھ پر مباح کر دیا اور فرمایا

اے احمد یہ تیرے کلام اللہ کو غیر مخلوق کہنے کا صلہ ہے۔

تصانیف: آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں مسند احمد نہایت مشہور ہے۔ آپ نے اس کو بیاض کی صورت میں جمع فرمایا تھا اور اس کی باقاعدہ ترتیب کی مہلت آپ کو نہ ملی۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور اس مسند کے راوی حضرت ابوبکر قطیعی نے اس میں کچھ اضافے کئے اور پھر اس کی ترتیب حضرت عبداللہ نے انجام دی۔

امام احمد بن حنبل نے اس مسند کو ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب فرمایا تھا، اب اس میں ستائیس ہزار ایک سو احادیث ہیں جن کو آٹھ سو صحابہ کرام سے روایت کیا گیا ہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

امام سیوطی نے فرمایا: مسند احمد کی ہر حدیث مقبول ہے۔

اب یہ مسند الفتح الربانی کے نام سے ۱۲ مجلدات میں ترتیب فقہی پر بھی مرتب ہو گئی ہے جس کو اقسام کے تحت شیخ احمد بن عبدالرحمن ساعاتی نے پیش کیا ہے جو بطور حاشیہ فوائد علمیہ پر بھی مشتمل ہے۔ (۱۷)

امام بخاری

نام ونسب: نام محمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام۔ اسماعیل لقب، امیر المومنین فی الحدیث اور امام بخاری ہے، سلسلۂ نسب یوں ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی۔ آپ کے جد امجد مغیرہ بن بروزبہ جعفی مجوسی تھے۔ حاکم بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے، اسی نسبت سے جعفی کہلاتے، امام بخاری کو بھی جعفی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

ولادت وتعلیم: ولادت ۱۳ رشوال ۱۹۴ھ میں ماوراء النھر کے مشہور شہر بخارا میں ہوئی۔ ایام طفولیت میں والد کا انتقال ہو گیا، والدہ ماجدہ نے پرورش کی۔ آپ بچپن ہی میں نابینا ہو گئے تھے۔ اطباء ومعالجین کی کوششوں کے باوجود آپ کی بینائی واپس نہ آسکی۔

آپ کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ زاہدہ تھیں، اور روکر رات کو دعائیں کرتیں آخر کار آپ کے نالہائے شب کا ثمرہ ظاہر ہوا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف لائے اور فرمایا، بشارت ہو کہ تمہارے فرزند کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بینائی عطا کی۔ صبح کو بیدار ہوئے تو بینا تھے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے بخارا کے درس حدیث میں داخلہ لیا، انتہائی لگن اور محنت سے جلد ہی اپنے ساتھیوں میں امتیازی مقام حاصل کرلیا اور اساتذہ کی توجہ کا مرکز بن گئے۔

حج وزیارت: اٹھارہ سال کی عمر میں برادر اکبر احمد بن اسماعیل اور والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر حرمین کے لئے روانہ ہوئے۔ حج وزیارت سے فارغ ہوکر آپ وہیں ٹھہر گئے اور حصول علم حدیث شب وروز کا مشغلہ تھا۔ اسی دوران آپ نے قضایا الصحابۃ والتابعین کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

اسی زمانہ میں اس کے بعد چاندنی راتوں میں روضۂ انور کے مواجہہ اقدس میں بیٹھ کر تاریخ کبیر تصنیف کی۔ آپ کی اس تصنیف کی متعدد نقلیں وہاں کے حضرات نے لیں، یہ زمانہ آپ کی نوجوانی کا تھا۔

قوت حافظہ۔ امام بخاری کو اللہ رب العزت نے عظیم قوت حافظہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کے ساتھی حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں: آپ ہمارے ساتھ بچپن میں حدیث کی سماعت کے لئے مشائخ بصرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، سب لوگ احادیث سن کر لکھتے لیکن آپ صرف سماعت کرتے۔ سولہ دن کے بعد ہم نے ان سے کہا: آپ بلا وجہ وقت ضائع کررہے ہیں کہ سب طلبہ کے برخلاف آپ سماعت پر تکیہ کرلیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا آپ سب لوگ اپنے نوشتے لاؤ اور مجھ سے سن کر مقابلہ کرو۔

ہم نے ایسا کیا، سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ۱۶ ایام میں حاصل شدہ پندرہ ہزار احادیث آپ نے فرفر سنادیں، گویا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب روایات آپ نے ہی ہمیں املا کرائی تھیں۔

تعلیم کے لئے اسفار۔ امام بخاری کے اساتذہ کی تعداد کثیر ہے، آپ نے شہر در شہر اور قریہ قریہ سفر کرکے ائمہ کرام سے احادیث سماعت کیں۔ خود فرماتے ہیں۔

میں نے طلب علم میں مصر وشام کا دو مرتبہ دورہ کیا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا، چھ سال حجاز مقدس میں رہا، اور کوفہ وبغداد کا شمار نہیں کہ کتنی مرتبہ سفر کیا۔

علم وفضل۔ آپ کو اللہ رب العزت نے قوت حافظہ کے ساتھ جودت ذہن اور نکتہ رس فکر سے بھی نوازا تھا۔ معاصرین نے بارہا آپ کا امتحان لیا لیکن ہر مرتبہ آپ کامیاب وفائز المرام رہے۔ روایتوں کے طرق پر آپ کو خصوصی طور سے ملکہ تھا۔

بغداد شریف میں سو احادیث کی سندوں میں الٹ پھیر کی گئی لیکن آپ نے مجمع عام میں ان کی تصحیح کرکے سب سے خراج تحسین حاصل کیا۔ سمرقند میں بھی چار سو محدثین نے آپ کو آزمانا چاہا لیکن آپ نے تمام سندوں کے برمحل جواب عنایت فرمائے۔

علل حدیث کو فنون حدیث میں نہایت اہمیت حاصل ہے اور بہت مشکل فن سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ عبدالرحمن مہدی کا کہنا ہے کہ یہ علم بغیر الہام حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کو اس پر ایسا عبور حاصل تھا کہ شاید وباید۔

حافظ احمد بن حمدون کہتے ہیں، امام ذہلی نے اسماء وعلل کے بارے میں جب ایک موقع پر سوالات کئے اور آپ نے جواب دینا شروع کئے تو ایسا محسوس ہورہا تھا کہ آپ کے منہ سے جواب نہیں بلکہ کمان سے تیر نکل رہا ہو۔

شمائل وخصائل۔ امام بخاری کے والد نہایت دولت مند اور امیر کبیر شخص تھے، وراثت میں کافی مال ملا تھا لیکن کبھی آپ نے خود تجارت نہیں کی بلکہ ہمیشہ بیع مضاربت پر رقم دیتے تھے۔

اس مال ومتاع اور تمول کے باوجود آپ نے ہمیشہ سادہ زندگی گذاری اور کفایت شعاری وجفاکشی اختیار کی اور علمی انہماک ہی پوری حیات آپ کا مشغلہ رہا۔ سخاوت وفیاضی آپ کا عام شیوہ تھا۔ عیش وعشرت سے ہمیشہ کوسوں دور رہے۔ عبادت وریاضت اور شب بیداری کرتے اور کثرت سے نوافل پڑھتے۔

فقہی مسلک۔ امام بخاری کی تصانیف میں اس بات کی صراحت تو نہیں کہ آپ کا فقہی مسلک کیا تھا، البتہ امام تاج الدین سبکی، امام قسطلانی اور آخر میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے آپ کو ائمہ شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ لیکن یہ بات گویا طے شدہ ہے کہ آپ محض مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد فی المسائل تھے۔ آپ کی مثال شوافع میں ایسی ہی ہے جیسے امام ابوجعفر طحاوی کی احناف میں۔

امام بخاری کی مدح وثناء تلامذہ، معاصرین حتی کہ اساتذہ نے بھی کی ہے جو آپ کے علم وفضل کا بین ثبوت ہیں۔ آپ نے پوری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تلاش میں گذاری، اگرچہ آپ کو کسی جگہ سکون سے بیٹھنے اور کام کرنے کا موقع نہیں ملا، لیکن پھر بھی آپ نے تقریباً دو درجن کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں صحیح بخاری کو شہرت دوام حاصل ہے اور آج جس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

وصال: یکم شوال ۲۵۶ھ کو باسٹھ سال کی عمر شریف میں آپ کا وصال سمرقند کے قریب خرتنگ نامی بستی میں ہوا۔ آپ کی قبر انور سے ایک زمانہ تک مشک کی خوشبو آتی تھی اور دور دراز سے لوگ آ کر بطور تبرک لے جاتے تھے۔

صحیح بخاری

امام بخاری نے اس کتاب کا نام ''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ'' رکھا تھا، اور اب یہ بخاری شریف کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

صحیح بخاری کا اصل موضوع احادیث مرفوعہ مسندہ ہیں اور انہیں احادیث کی صحت کا آپ نے التزام کیا ہے۔ انکے علاوہ جو تعلیقات، متابعات، شواہد، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور ائمہ فتاویٰ کے احکام ذکر کئے ہیں وہ سب بالتبع ہیں اور اس ضمن میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ امام بخاری کے موضوع سے خارج ہیں اور نہ ہی ان کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث وارد کرنے کی یہ شرط مقرر کی ہے کہ ان کے شیخ سے لیکر صحابی تک تمام راوی ثقہ اور متصل ہوں۔

صحیح بخاری کی تعداد مرویات میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن صلاح کی تحقیق یہ ہے کہ کل تعداد (۷۲۷۵) ہے، اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد (۴۰۰۰) ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق کل تعداد (۹۰۸۲) ہے اور حذف مکررات کے بعد احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تیئس (۲۶۲۳) رہ جاتی ہے۔ (۱۸)

امام مسلم

نام نسب: نام، مسلم۔ کنیت، ابوالحسین۔ لقب عساکر الملۃ والدین۔ اور والد کا نام الحجاج بن مسلم ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے، مسلم بن الحجاج بن مسلم بن درد بن کرشاد القشیری۔ آپ کا سلسلہ نسب عرب کے مشہور قبیلہ بنو قشیر سے ملتا ہے اسی لئے آپ کو قشیری کہا جاتا ہے۔

ولادت و تعلیم۔ خراسان کے مشہور اور عظیم شہر نیشاپور میں آپ کی ولادت ہوئی، سنہ ولادت ۲۰۲ھ یا ۲۰۶ھ ہے۔ نیشاپور اس زمانہ کا بقول علامہ حموی معدن الفضلاء ومنبع العلماء تھا۔ وہاں سے اتنے علماء وائمہ نکلے جن کا شمار نہیں۔

امام سبکی نے فرمایا: یہ شہر کس قدر بڑے اور عظیم شہروں میں تھا کہ بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی۔ مؤرخین نے اس کو ام البلاد کہا ہے۔

ابتدائی تعلیم نیشاپور میں حاصل کی، اس وقت وہاں امام ذہلی اور اسحاق بن راہویہ جیسے امام فن موجود تھے۔ آپ نے احادیث کی سماعت چودہ سال کی عمر شریف سے شروع کر دی تھی۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے آپ نے دور دراز کا سفر کیا اور مختلف مقامات کی خاک چھانی۔ عراق، حجاز، شام اور مصر وغیرہ مقامات کا متعدد مرتبہ دورہ کیا۔ بغداد معلّٰی کئی بار گئے یہاں تک کہ آپ نے ایک زمانہ میں درس بھی دیا تھا۔

شمائل وخصائل: آپ سرخ وسفید رنگ، بلند قامت اور وجیہ شخصیت کے مالک تھے، سر پر عمامہ باندھتے تھے۔ علم دین کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا، کپڑوں کی تجارت کر کے ضروریات پوری فرماتے۔ آپ کے خصائل میں سے ہے کہ عمر بھر نہ کسی کی غیبت کی، نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کے ساتھ درشت کلامی کی۔

اساتذہ۔ آپ کے اساتذہ کا شمار مشکل ہے چند حضرات یہ ہیں۔ محمد بن یحیٰی ذہلی، اسحاق بن راہویہ، محمد بن مہران، ابوغسان، امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، احمد بن یونس یربوعی، سعید بن منصور، ابومصعب، حرملہ بن یحیٰی، ھیثم بن خارجہ، شیبان بن فروخ، امام بخاری۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کا حصر واستیعاب بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چند مشاہیر کے اسماء اس طرح ہیں امام ترمذی، امام ابوحاتم رازی، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، ابوعمرو مستملی، عبداللہ بن الشرقی۔ علی بن اسماعیل الصفار،

علم وفضل۔ آپ فن حدیث میں عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے، حدیث صحیح وسقیم کی پہچان میں وہ اپنے زمانہ کے اکثر محدثین پر فوقیت رکھتے تھے حتی کہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی فضیلت حاصل تھی، کیونکہ امام بخاری نے اہل شام کی اکثر روایات بطریق مناولہ حاصل کی ہیں جس کے سبب کبھی غلطی واقع ہو جاتی ہے اور نام وکنیت کے تعدد سے آپ ایک راوی کو دو سمجھ لیتے ہیں۔ امام مسلم نے براہ راست سماع کیا ہے جس کی وجہ سے آپ مغالطہ نہیں کھاتے۔

امام مسلم کی خدمات، انکے کمالات اور قوت حافظہ کی وجہ سے لوگ اس قدر گرویدہ تھے کہ اسحاق بن راہویہ جیسے امام فن کہتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ یہ شخص کتنا عظیم انسان ہوگا۔

امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم رازی اپنے ہمعصر مشائخ پر آپ کو فضیلت دیتے تھے۔

ابن اخرم نے کہا:

نیشاپور نے تین محدث پیدا کئے۔ محمد بن یحیٰی، ابراہیم بن ابی طالب، امام مسلم۔

ابوبکر جارودی کہتے تھے: امام مسلم علم کے محافظ تھے۔ مسلمہ بن قاسم نے کہا وہ جلیل القدر امام تھے۔

بندار نے کہا: دنیا میں صرف چار حفاظ ہیں۔ ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل بخاری، دارمی اور مسلم بن حجاج۔

آپ کے ایک استاذ محمد بن عبدالوہاب فراد کہتے تھے۔ مسلم علم کا خزانہ ہیں میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا۔

وصال۔ آپ کے وصال کا واقعہ بھی نہایت عجیب بیان کیا جاتا ہے کہ کسی مجلس میں آپ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال ہوا، اتفاق سے وہ حدیث یاد نہ آئی، گھر آکر اس حدیث کو کتابوں میں تلاش کرنا شروع کیا، قریب ہی کھجوروں کا ایک ٹوکرا بھی رکھا تھا، حدیث کی تلاش کے دوران ایک ایک کھجور اٹھا کر کھاتے رہے اور اس انہماک میں مقدار کی طرف توجہ نہ ہو سکی اور پورا ٹوکرا خالی ہوگیا، جب حدیث مل گئی تو مڑ کر دیکھا تو کھجوریں زیادہ کھا لینے کا احساس ہوا، اس کی وجہ سے آپ بیمار ہوگئے اور ۲۴ رجب ۲۶۱ھ بروز اتوار وصال ہوگیا۔

صحیح مسلم

آپ کی تصانیف کی تعداد بیس سے متجاوز ہے لیکن صحیح مسلم کو عظیم شہرت اور قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہے۔ حتیٰ کہ متقدمین میں بعض مغاربہ اور محققین نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر بھی فوقیت دی ہے۔

امام بخاری کا مقصد احادیث صحیحہ مرفوعہ کی تخریج اور فقہ وسیرت نیز تفسیر وغیرہ کا استنباط تھا اس لئے انہوں نے موقوف معلق، صحابہ وتابعین کے فتاویٰ بھی نقل کئے جس کے نتیجہ میں احادیث کے متون وطرق کے ٹکڑے کتاب میں بکھر گئے۔ اور امام مسلم کا مقصد صرف احادیث صحیحہ کو منتخب کرنا ہے، وہ استنباط وغیرہ سے تعرض نہیں کرتے بلکہ ہر حدیث کے مختلف طرق کو حسن ترتیب سے یکجا بیان کرتے ہیں جس سے متون کے اختلاف اور مختلف اسانید سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اس لئے احادیث منقطعہ وغیرہ کی تعداد نادر ہے۔

آپ نے اپنے شیوخ سے براہ راست سماعت کی ہوئی تین لاکھ احادیث سے صحیح مسلم کا انتخاب کیا ہے، اور مختلف حیثیات سے احادیث کی تعداد چار ہزار، آٹھ ہزار اور بارہ ہزار شمار کی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب میں ابواب کا لحاظ تو آپ نے رکھا تھا لیکن تراجم ابواب قائم نہیں فرمائے، آپ کے بعد دیگر محدثین نے یہ کام انجام دیا۔ (۱۹)

امام ابوداؤد

نام ونسب: نام،سلیمان۔کنیت،ابوداؤد۔والد کا نام،اشعث،اور سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ابوداؤدسلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی السجستانی۔

کہتے ہیں آپ کے جدامجد عمران نے جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا تھا اوراس میں شہادت پائی۔

ولادت وتعلیم۔آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ملک سجستان (اسبستان) میں ہوئی جو سندھ اور ہرات کے درمیان ہندوستان کے پڑوس میں قندھار سے متصل واقع ہے۔

آپ نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا،آپ نے بلاد اسلامیہ کا عموما دورہ کیا اور بالخصوص مصر،شام،حجاز،عراق اور خراسان کے سفر اختیار کئے اور اس دور کے مشاہیر اساتذہ وشیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور متعدد بار بغداد کا سفر فرمایا،پھر آخر میں بغداد ہی کو آپ نے وطن بنالیا۔لیکن ۲۷۱ھ میں بعض وجوہ کی بنا پر بغداد کو خیر باد کہہ کر بصرہ میں مقیم ہوگئے تھے۔

اساتذہ: جن اساتذہ وشیوخ سے آپ نے علم حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی ان کا استقصاء مشکل ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے تین سو شیوخ کی تعداد تحریر کی ہے،ان میں بلند پایہ محدثین وفقہاء شمار کئے جاتے ہیں،جیسے امام احمد بن حنبل،اسحاق بن راہویہ،قتیبہ،ابوالولید طیالسی،یحییٰ بن معین،ابوبکر بن ابی شیبہ،عثمان بن ابی شیبہ وغیرہم۔

تلامذہ: آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے والے بیشمار ہیں،بعض اوقات ہزاروں کا جم غفیر بھی ہوتا تھا،امام احمد بن حنبل اگرچہ آپ کے استاذ حدیث ہیں لیکن آپ سے روایت بھی کی ہے۔

آپ کے تلامذہ میں چار حضرات جماعت محدثین کے پیشوا اور سردار ہوئے ہیں۔آپ کے صاحبزادے ابوبکر بن ابی داؤد۔ابوعلی محمد بن احمد بن عمر لؤلوی۔ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی۔ابوبکر محمد بن عبدالرزاق بن داسہ۔

علم وفضل۔حافظ محمد بن اسحاق صنعانی اور ابراہیم حربی فرماتے تھے۔امام ابوداؤد کے لئے اللہ تعالیٰ نے علم حدیث ایسا نرم کردیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا۔

محمد بن لیث کہتے ہیں:

امام ابوداؤد دنیا میں علم حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے۔

موسیٰ بن ہارون نے کہا: میں نے ان سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔

امام حاکم نے فرمایا: علم حدیث میں آپ کی امامت مسلم چیز ہے۔

اصحاب صحاح ستہ کی بہ نسبت آپ پر فقہی ذوق زیادہ غالب تھا،چنانچہ علامہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے صرف آپ کو طبقات فقہاء میں شمار کیا ہے،وجہ بھی معقول ہے کہ احادیث فقہیہ کے حصر واستیعاب کے سلسلہ میں ابوداؤد کو جو بات حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح

ستہ کو حاصل نہیں۔علامہ یافعی نے آپ کو حدیث وفقہ دونوں کا امام کہا ہے۔

حفظ حدیث اور اتقان وروایت کے ساتھ آپ زہد وعبادت میں بھی یکتائے روزگار تھے،یقین وتوکل میں مثالی کردار ادا فرماتے،اس لئے آپ کی مجلس میں ہر طرح کے لوگ حاضری دیتے،طلبہ وعلماء،شاہان وقت وامراء اور محدثین وصوفیاء سب نے آپ کی بارگاہ میں نیازمندانہ حاضری دی ہے۔

ایک مرتبہ مشہور عارف باللہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے،جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ کو نہایت خوشی ہوئی اور خوش آمدید کہتے ہوئے تشریف لائے۔حضرت سہل نے کہا:اے امام! ذرا اپنی وہ مبارک زبان دکھائیں جس سے آپ احادیث رسول بیان کرتے ہیں تاکہ میں اس مقدس زبان کو بوسہ دوں۔آپ نے زبان منہ سے باہر نکالی تو انتہائی عقیدت سے آپ نے اس کو چوم لیا۔

وصال۔۱۶رشوال ۲۷۵ھ بروز جمعہ وصال فرمایا اور بصرہ میں امام سفیان ثوری کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

سنن ابی داؤد

آپ کی پوری زندگی طلب حدیث اور مختلف بلاد کے سفر میں گذری لیکن اس کے باوجود آپ نے تقریباً بیس کتابیں تصنیف فرمائیں۔ان سب میں سنن ابی داؤد کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی جو آپ کے نام کو قیامت تک زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔تمام طبقات فقہاء میں مسلکی اختلاف کے باوجود یہ کتاب مقبول رہی ہے۔

حسن بن محمد بن ابراہیم کہتے ہیں:ایک بار میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار پر انوار کیا،حضور فرمارہے تھے،جو شخص سنن کا علم حاصل کرنا چاہے وہ سنن ابی داؤد کا علم حاصل کرے۔حضور کے اس فرمان سے ظاہر ہوا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت میں مقبول ہے۔

پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جو اپنی نظیر آپ ہے،امام غزالی فرماتے ہیں:

علم حدیث میں صرف یہ ہی ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے۔

آپ نے یہ کتاب اپنے شیخ امام احمد بن حنبل کی حیات ہی میں لکھی اور مکمل کرکے پیش کی تو انہوں نے اس کو بہت پسند فرمایا اور دعائیں دیں،اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس کتاب کی تصنیف سے جوانی ہی میں فارغ ہوچکے تھے۔

خصائص سنن۔امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں جمع وترتیب کے لحاظ سے جن اسالیب کو اختیار کیا وہ بہت خوبیوں اور نکات پر مشتمل ہیں۔آپ نے اہل مکہ کے نام جو مکتوب رسالہ بکیہ کے نام سے ارسال کیا تھا اس میں بہت سے شرائط ونکات کی طرف رہنمائی کی ہے۔فرماتے ہیں۔

آپ لوگوں نے مجھ سے احادیث سنن کے بارے میں سوال کیا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ اس میں درج شدہ کیا میرے نزدیک صحیح ترین احادیث ہیں۔تو سن لیجئے

یہ تمام احادیث ایسی ہی ہیں۔البتہ وہ احادیث جو دو صحیح طریقوں سے مروی ہوں اور ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو کہ اس کی

سند عالی اور واسطے کم ہوں اور دوسرے کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو ایسی صورت میں اول الذکر طریقہ کو لکھ دیتا ہوں۔ حالانکہ ایسی احادیث کی تعداد بمشکل دس ہوگی۔

باقی مراسیل کا جہاں تک تعلق ہے تو پہلے زمانہ میں امام مالک، سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ ان سے استدلال کرتے تھے، یہانتک کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا زمانہ آیا اور انہوں نے یہ کلام کرنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رضا نصیب فرمائے۔

میرا مسلک یہ ہے کہ جب کوئی مسند روایت مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو یا مسند روایت نہ پائی جائے تو ایسی صورت میں مرسل روایت سے استدلال درست ہے اگرچہ وہ متصل کی طرح قوی نہیں ہوتی۔ میں نے اپنی سنن میں متروک راوی کی روایت نہیں لی ہے، اور اگر کوئی منکر حدیث آئی ہے تو میں نے اس کو بیان کردیا ہے۔ اس میں کوئی اور علت ہو تو اس کو بھی بیان کردیا ہے۔ جس حدیث کے بعد میں نے کچھ نہیں لکھا وہ صالح للعمل ہوتی ہے۔ میں نے اس کتاب میں اکثر احادیث مشہور جمع کی ہیں۔

میں نے کتاب سنن میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے، زھد اور فضائل اعمال سے متعلق احادیث نہیں بیان کی ہیں۔ لہٰذا یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث (۴۸۰۰) ہیں۔ یہ اس کتاب کا اجمالی تعارف جو خود مصنف علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا تفصیل کے لئے مطولات کا مطالعہ کریں۔ (۲۰)

امام ترمذی

نام ونسب۔ نام، محمد۔ کنیت، ابوعیسیٰ۔ والد کا نام، عیسیٰ۔ اور سلسلہ نسب یوں ہے، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن الضحاک بن السکن سلمی ترمذی۔

ولادت وتعلیم۔ بلخ کے شہر ترمذ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر دریائے جیحون کے قریب واقع تھا۔ قبیلہ بنوسلیم سے تعلق رکھتے تھے اس لئے نسب میں سلمی کہلاتے ہیں۔

حصول علم کی خاطر آپ نے خراسان، عراق اور حجاز کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور اپنے وقت کے جلیل القدر محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ علم حدیث کا شہرہ عام ہو چکا تھا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں مندرجہ ذیل حضرات شمار ہوئے ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، قتیبہ بن سعید، ابومصعب، ابراہیم بن عبداللہ ھروی، اسماعیل بن موسیٰ اسدی، محمد بن بشار، زیاد بن ایوب، سعید بن عبدالرحمن، فضل بن سہل، وغیرہم۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، چند یہ ہیں۔

ھیثم بن کلیب شاشی، داؤد بن نصر بن سہل بزدوی، عبد بن محمد بن محمود نسفی، محمد بن نمیر، وغیرہم۔ نیز آپ کے جلیل القدر اساتذہ امام بخاری اور امام مسلم نے بھی آپ سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ آپ نے ایسی دو احادیث کی طرف اپنی جامع میں اشارہ فرمایا۔ ایک ابواب التفسیر سورۃ الحشر میں اور دوسری ابواب المناقب فضیلت علی میں۔ یہ دونوں احادیث امام بخاری نے آپ سے سنی ہیں۔

نیز امام مسلم نے، رویت ہلال، کے باب میں آپ کی روایت سے بیان کی ہے۔ علم وفضل۔ اللہ رب العزت نے آپ کو نادر

الا بلا قوت حافظہ سے نوازا تھا، آپ نے ایک واقعہ یوں بیان فرمایا:
میں نے ایک استاذ سے ان کی مرویات کے دو جز نقل کئے تھے، ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں وہ میرے ہمراہ تھے۔ مجھے اب تک دوبارہ ان اجزاء کی جانچ پڑتال کا موقع نہیں ملا تھا میں نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ان کا حادیث کی قرأت کریں میں سن کر مقابلہ کرتا جاؤں، شیخ نے منظور کرلیا اور فرمایا: اجزاء نکال لو، میں پڑھتا ہوں اور تم مقابلہ کرتے جانا۔ آپ نے وہ اجزاء تلاش کئے مگر ساتھ نہ تھے، بہت فکر مند ہوئے لیکن میں نے ساعت کی غرض سے سادہ کاغذ ہاتھ میں لے لئے اور فرضی طور پر سننے میں مشغول ہوگیا۔ اتفاق سے ان اوراق پر شیخ کی نظر پڑگئی تو ناراض ہوکر بولے۔ تم کو شرم نہیں آتی مجھ سے مذاق کرتے ہو، پھر میں نے سارا ماجرا سنا کر عذر پیش کیا، اور عرض کیا آپ کی سنائی ہوئی تمام احادیث مجھے محفوظ ہیں۔
شیخ نے کہا: سناؤ، میں نے وہ تمام احادیث من وعن سنادیں، شیخ نے دوبارہ امتحان لینے کی غرض سے چالیس احادیث اور پڑھیں میں نے ان سب کو بھی اسی ترتیب سے سنادیا، اس پر شیخ نے نہایت تحسین وآفریں فرمائی اور فرمایا۔ مارأیت مثلک۔ میں نے تمہاری مثل آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔

خوف خدا: امام ترمذی زہد وورع اور خوف خدا میں ضرب المثل تھے، خشیت الٰہی کے غلبہ سے اتنا روتے تھے کہ آخر میں آپ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔

۱۳ / رجب ۲۷۹ھ مقام ترمذ میں شب دوشنبہ آپ کا وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ستر سال کی عمر پائی۔ سنہ وفات اور مدت عمر اس شعر سے ظاہر ہے۔

الترمذی محمد ذوزین ☆ عطر وفاتہ عمرہ فی عین ۲۷۹-۷۰

تصانیف۔ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔ جامع ترمذی، کتاب العلل، کتاب التاریخ، کتاب الزہد، کتاب الاسماء والکنی، کتاب، الشمائل النبویہ۔

جامع ترمذی

آپ کی تصانیف میں خاص شہرت جامع ترمذی کو حاصل ہے، اور یہ اپنی جودت ترتیب اور افادیت وجامعیت کے اعتبار سے صحیحین کے بعد شمار کی جاتی ہے۔

اس کے نام میں اختلاف ہے، بعض حضرات اس کو سنن ترمذی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، لیکن مشہور جامع ترمذی ہے کہ اس کی جامعیت کے پیش نظر اس کو اصطلاحاً جامع کہنا بالکل درست ہے۔

خصائص۔ جامع ترمذی میں آپ نے مندرجہ ذیل اسلوب اختیار فرمائے ہیں۔

۱۔ حدیث ذکر کرکے ائمہ مذاہب کے اقوال اور ان کا اختلاف بیان کرتے ہیں۔

۲۔ یہ التزام رہا ہے کہ وہ حدیث بیان کی جائے جو کسی امام کا مذہب ہے۔

۳۔ جب حدیث چند صحابہ سے مروی ہو تو مشہور راوی سے روایت کرتے ہیں اور باقی کو وفی الباب عن فلان الخ، سے بیان

کرتے ہیں۔

۴۔راوی کی روایت کے بعد 'وفی الباب الخ' میں بھی ان کا نام لیں تو ان سے اسی معنی کی دوسری روایت مراد ہوتی ہے۔

۵۔ حدیث میں اضطراب ہو تو متن یا سند کے اضطراب کو بیان کر دیتے ہیں۔

۶۔حدیث منقطع کے انقطاع اور بعض اوقات وجہ انقطاع کی صراحت کرتے ہیں۔

۷۔ حدیث غیر محفوظ اور شاذ کی صراحت کرتے ہیں اور کبھی وجہ شذوذ بھی بیان کرتے ہیں۔

۸۔حدیث منکر کی صراحت اور بعض مقامات پر وجہ بھی بیان کرتے ہیں۔

۹۔حدیث صحیح اگر دوسری سند سے مدرج ہو تو اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔

۱۰۔حدیث مرفوع اگر درحقیقت موقوف ہو تو اسکی صراحت بھی کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر اسلوب بھی اختیار کئے ہیں جن کو تفصیل سے علامہ غلام رسول سعیدی نے مقدمہ ترمذی مترجم میں بیان کیا ہے۔ جامع ترمذی کی جملہ احادیث کی تعداد (۳۹۵۶) بتائی جاتی ہے اور توابع وشواہد کو جدا کر کے احادیث مقصودہ کی تعداد (۱۳۸۵) رہ جاتی ہے۔(۲۱)

امام نسائی

نام ونسب: نام، احمد۔ کنیت، ابو عبدالرحمن۔ والد کا نام، شعیب ہے اور سلسلہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی۔

ولادت وتعلیم۔آپ کی ولادت ۲۱۵ھ میں خراسان کے ایک مشہور شہر نساء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے اساتذہ سے حاصل کی، اس کے بعد ۱۵ رسال کی عمر ۲۳۰ھ میں سب سے پہلے قتیبہ بن سعید بلخی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں ایک سال دو ماہ رہکر علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد دور دراز شہروں میں جا کر علم حدیث کا اکتساب کیا۔ اس سلسلہ میں خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے آخر میں مستقل سکونت مصر میں اختیار کر لی تھی۔

اساتذہ: اساتذہ کی فہرست طویل ہے، چند یہ ہیں: قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، ھشام بن عمار، محمد بن نصر مروزی، محمود بن غیلان، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہم

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، بعض کے اسماء یہ ہیں۔ ابوجعفر طحاوی، ابو القاسم طبرانی، ابوجعفر عقیلی، حافظ ابوعلی نیشاپوری، حافظ ابوالقاسم اندلسی، ابوبکر بن حداد فقیہ وغیرہم

شمائل وخصائل۔امام نسائی نہایت وجیہ اور خوبصورت شخص تھے، لحیم شحیم اور خوب تندرست دسترخوان انواع واقسام کے لذیذ کھانوں سے بھرا رہتا۔ کھانے کے بعد نبیذ استعمال فرماتے، ساتھ ہی خوش وضع اور خوش لباس تھے، آپ کی چار بیویاں تھیں اور ان کے علاوہ کنیزیں بھی ساتھ رہتی تھیں۔

عبادت: ان تمام ظاہری اسباب عیش وآرام کے باوجود آپ نہایت عبادت گذار اور شب بیدار تھے۔ صوم داؤدی پر ہمیشہ

حامل رہے، طبیعت میں حد درجہ استغناء تھا اس لئے حکام وقت کی مجلسوں سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے۔

آپ عقائد میں راسخ اور متصلب تھے، جس زمانہ میں معتزلہ کے عقیدۂ خلق قرآن کا چرچا تھا ان دنوں محمد بن اعین نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک سے کہا: فلاں شخص کہتا ہے کہ جو

شخص آیت کریمہ:

انی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدونی۔

کو مخلوق مانے وہ کافر ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: یہ حق ہے، امام نسائی نے جب یہ روایت سنی تو فرمایا: میرا بھی یہی مذہب ہے۔ حق گوئی وشہادت۔ امام نسائی اخیر عمر میں حاسدین کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فلسطین کے ایک مقام رملہ آگئے، یہاں بنوامیہ کی طویل حکومت کے سبب خارجیت وناصبیت کا زور تھا، عوام حضرت علی سے بدگمان تھے، بلکہ دمشق میں اس وقت اکثریت ان ہی لوگوں کی تھی۔ آپ نے یہ فضا دیکھی تو اصلاح عقائد کی غرض سے حضرت علی کے مناقب پر مشتمل کتاب الخصائص تصنیف فرمائی۔

تصنیف سے فارغ ہوکر آپ نے دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے اس کو پڑھکر سنادیا، چونکہ یہ کتاب وہاں کے لوگوں کے نظریات کے خلاف تھی اس لئے اس کو سن کر وہاں کے لوگ مشتعل ہوگئے۔ مجمع سے کسی شخص نے کہا: ہمیں آپ کوئی ایسی روایت سنائیں جس سے حضرت امیر معاویہ کی حضرت علی پر برتری ظاہر ہو۔

آپ نے جواب میں فرمایا: حضرت معاویہ کا معاملہ برابر سرابر ہوجائے تو کیا یہ تمہارے خوش ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، یا مطلب یہ تھا کہ کیا امیر معاویہ کے لئے حضرت علی کے مساوی ہونا کافی نہیں ہے جو تم برتری کا سوال کررہے ہو، یہ سننا تھا کہ وہ لوگ آگ بگولہ ہوگئے اور تمام آداب کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے آپ کو زدوکوب کرنا شروع کیا، بعض اشقیاء نے آپ کے جسم نازک پر بھی لاٹھیاں ماریں جس کی وجہ سے آپ بہت نڈھال ہوگئے۔ اسی حالت میں آپ کو مکان پر لائے، آپ نے فرمایا: مجھے مکہ مکرمہ لے چلو تاکہ میرا انتقال مکہ مکرمہ میں ہو۔ اسی حادثہ سے آپ کا وصال ۱۳؍ صفر المظفر ۳۰۳ھ ۸۸ سال کی عمر میں ہوا۔ صفا مروہ کے درمیان دفن ہوئے۔

تصانیف: امام نسائی نے کثرت مشاغل کے باوجود متعدد کتابیں تصنیف کیں جن کے اسماء اس طرح ہیں۔

السنن الکبری، المجتبی، خصائص علی، مسند علی، مسند مالک، مسند منصور، فضائل الصحابہ، کتاب التمیز، کتاب المدلسین، کتاب الضعفاء کتاب الاخوۃ، کتاب الجرح والتعدیل، مشیخۃ النسائی، اسماء الرواۃ، مناسک حج،

سنن نسائی

ان سب میں آپ کی سنن نسائی کو کامل شہرت حاصل ہوئی جو صحاح ستہ کی اہم کتاب ہے۔ السنن الکبری تصنیف کرنے کے بعد امیر رملہ (فلسطین) کے سامنے اس کتاب کو پیش کیا، امیر نے پوچھا کیا آپ کی اس کتاب میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث ہیں، اس پر امیر نے عرض کیا: آپ میرے لئے ان احادیث کو منتخب

فرمادیں جوتمام ترصحیح ہوں، لہٰذا امیر کی فرمائش پر آپ نے سنن کبری سے احادیث صحیحہ کا انتخاب فرمایا اور اسکا نام المجتبیٰ رکھا۔
اسی کوسنن صغری بھی کہتے ہیں، عرف عام میں سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے۔ محدثین جب مطلقا رواہ النسائی کہیں تو یہی کتاب مراد ہوتی ہے اور کتب ستہ میں اسی کا اعتبار ہے۔
آپ کی اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ اکثر کتب صحاح کے اسالیب کی جامع ہے، یعنی امام بخاری کے طرز پر ایک حدیث کو متعدد ابواب میں لاکر مختلف مسائل کا اثبات کیا ہے۔ امام مسلم کے طریقہ پر ایک حدیث کے تمام طرق کو اختلاف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام ابوداؤد کے انداز پر صرف احکام فقہیہ سے متعلق احادیث کی تدوین کی ہے۔ اور امام ترمذی کی طرح احادیث کے ذیل میں ان پر فنی نقطہ نگاہ سے گفتگو کی ہے جن کا کچھ تذکرہ آپ نے جامع ترمذی کے تحت ملاحظہ فرمایا۔ (۲۲)

امام ابن ماجہ

نام ونسب: محمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ عرف، ابن ماجہ۔ اور والد کا نام یزید ہے، سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ الربعی القزوینی۔ ماجہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام تھا، علامہ زبیدی نے تاج العروس میں اس کو بعض علماء کا قول بتایا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ماجہ آپ کے والد یزید کا لقب ہے اور یہی اکثر علماء اور قزوین کے مؤرخین کا مختار ہے۔ غالباً یہ ماہچہ کا معرب ہے۔
ولادت وتعلیم۔ قزوین عراق عجم کا مشہور شہر ہے، یہی آپ کا مولد ومسکن ہے، آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی۔ بچپن کا زمانہ علوم وفنون کے لئے باغ وبہار کا زمانہ تھا، اس وقت بنوعباس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ مامون رشید اس دور میں سریر آرائے سلطنت تھا۔
عام دستور کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی، اسکے بعد محدثین کی درسگاہوں کی طرف رخ کیا تاکہ علم حدیث حاصل کریں۔ قزوین میں اس وقت جلیل القدر محدثین موجود تھے۔ مثلا

ابوالحسن علی بن محمد طنافسی متوفی ۲۳۳
ابومجر عمرو بن رافع بجلی متوفی ۲۳۷
ابوسلیمان اسماعیل بن توبہ قزوینی متوفی ۲۴۷
ابوموسیٰ ہارون بن موسیٰ بن حیان تمیمی متوفی ۲۴۸
ابوبکر محمد بن ابی خالد یزید قزوینی طبری وغیرھم

آپ نے پہلے ان حضرات سے حدیث کا بڑا ذخیرہ حاصل کیا اور پھر تکمیل فن کے لئے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ بالخصوص مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، بصرہ اور بغداد کے محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کیا۔ ان کے علاوہ طہران، اصفہان، رہواز، رملہ، بلخ، بیت المقدس، حران، دمشق فلسطین، عسقلان، مرو اور نیشاپور کا نام بھی خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔
اساتذہ۔ آپ کے اساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، مندرجہ بالا کے علاوہ چند اسماء یہ ہیں۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر، ابراہیم بن المنذر الحزامی، عبداللہ بن معاویہ ہشام بن عمار، ابوبکر بن ابی شیبہ، محمد بن یحییٰ نیشاپوری، احمد بن ثابت الجحدری، ابوبکر بن خلاد باہلی، محمد بن بشار، علی بن منذر۔ وغیرہم

تلامذہ: آپ کے تلامذہ میں بعض کے اسماء اس طرح ہیں:

علی بن سعید عسکری، احمد بن ابراہیم قزوینی، ابوالطیب احمد بن روح شعرانی، اسحاق بن محمد قزوینی، ابراہیم بن دینار الجرشی الصمدانی، حسین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید قزوینی،

حکیم مدنی اصبہانی، وغیرہم

علم وفضل۔ امام ابن ماجہ کی امامت فن، فضل وکمال، جلالت شان، وسعت نظر اور حفظ حدیث وثقاہت کے تمام علماء معترف ہیں۔

ابویعلی خلیلی لکھتے ہیں: ابن ماجہ بڑے ثقہ، متفق علیہ، قابل احتجاج ہیں، آپ کو حدیث اور حفظ حدیث میں پوری معرفت حاصل ہے۔

علامہ ابن جوزی کہتے ہیں۔ آپ نے بہت سے شیوخ سے سماع حدیث کیا، اور سنن، تاریخ اور تفسیر کے آپ عارف تھے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: بیشک آپ حافظ حدیث، صدوق اور وافر العلم تھے۔

مورخ ابن خلکان نے لکھا: آپ حدیث کے امام اور حدیث کے جمیع متعلقات سے واقف تھے۔

وصال: ۲۲ ررمضان المبارک ۲۷۳ھ بروز پیر آپ کا وصال ہوا، چونسٹھ سال کی عمر پائی۔ آپ کے بھائی ابوبکر نے نماز جنازہ پڑھائی، دسرے دن تدفین عمل میں آئی۔

آپ نے تین تصانیف اپنی یادگار چھوڑی تھیں جن میں دو ناپید ہیں، تفصیل اس طرح ہے۔

ا۔ التفسیر، حافظ ابن کثیر نے اس کو تفسیر حافل کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ضخیم تالیف تھی۔ اس میں آپ نے تفسیر کے لئے جس قدر احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال مل سکتے تھے سب کو یکجا کردیا ہے۔ امام سیوطی نے طبقہ ثالثہ کی تفسیروں میں شمار کیا ہے۔

۲۔ التاریخ: ابن خلکان نے اس کو تاریخ ملیح، اور ابن کثیر نے تاریخ کامل کا عنوان دیا ہے۔ یہ صحابہ سے لیکر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے جس میں بلاد اسلامیہ اور رویان حدیث کے حالات ہیں۔

سنن ابن ماجہ

امام ابن ماجہ کی یہ مایۂ ناز اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے، حافظ ذہبی نے اس کتاب کی بابت خود آپ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: میں نے جب کتاب لکھ کر امام حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے۔

یہ کتاب اگر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع ومصنفات بیکار اور معطل ہوکر رہ جائیں گی۔ چنانچہ حافظ ابو زرعہ کا یہ قول حرف بحرف پورا پورا اور سنن ابن ماجہ کے فروغ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات کے چراغ ماند پڑ گئے۔

سنن ابن ماجہ کو جس چیز نے عوام وخواص میں پذیرائی اور قبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسن انتخاب

ہے۔ابواب کی فقہی رعایت سے ترتیب اور مسائل کے واضح استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور الجھن کے مطابقت نے اس کے حسن کو نکھارا ہے۔چند خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔اس کتاب کی اکثر روایات وہ ہیں جو کتب خمسہ میں نہیں۔

۲۔کوئی حدیث مکرر نہیں لائی گئی ہے۔

۳۔اختصار و جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے۔

۴۔مسائل و احکام سے متعلق احادیث ہی زیادہ تر لائی گئی ہیں۔

پانچویں صدی کے آخر تک صحاح کی بنیادی کتب میں صرف پانچ کتابوں کا شمار ہوتا تھا

بعد میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ نے اپنی کتاب شروط الائمۃ الستۃ، میں ابن ماجہ کی شروط سے بھی بحث کی اور اس کو بھی بنیادی کتابوں کے ساتھ لاحق کر کے صحاح کی اصل چھ کتابوں کو قرار دیا۔

اسی دور میں محدث زرین بن معاویہ مالکی متوفی ۵۵۲ھ نے اپنی کتاب التجرید للصحاح والسنن، میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی جگہ مؤطا امام مالک کو لاحق کر دیا۔اسکے بعد سے یہ اختلاف رہا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب مؤطا ہے یا ابن ماجہ۔عام مغاربہ مؤطا کو ترجیح دیتے تھے اور مشارقہ سنن ابن ماجہ کو۔لیکن متاخرین نے ابن ماجہ کے حق میں اتفاق کر لیا اور اب غالب اکثریت اسی طرف ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی مقدمہ شرح ابن ماجہ میں لکھتے ہیں۔وغالب المتاخرین علی انہ سادس الستۃ۔(۲۳)

امام طحاوی

نام و نسب: نام، احمد۔کنیت، ابوجعفر۔والد کا نام، محمد ہے۔سلسلہ نسب یوں ہے۔ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب ازدی حجری طحاوی مصری حنفی۔

ازد یمن کا ایک طویل الذیل قبیلہ ہے اور حجر اس کی ایک شاخ ہے۔حجر نام کے تین قبائل تھے۔حجر بن وحید۔حجر ذی اعین۔حجر ازد۔اور ازد نام کے بھی دو قبیلے تھے، ازد حجر۔ازد شنوءہ۔لہذا امتیاز کے لئے آپ کے نام کے ساتھ دونوں ذکر کر کے ازدی حجری کہا جاتا ہے۔آپ کے آباء واجداد فتح اسلام کے بعد مصر میں فروکش ہو گئے تھے لہذا آپ مصری کہلائے۔

ولادت و تعلیم۔طحا نام کی بستی مصر میں وادی نیل کے کنارے آباد تھی، آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں اسی بستی میں ہوئی۔اس لئے آپ کو طحاوی کہا جاتا ہے۔

آپ طلب علم کے لئے مصر آئے اور یہاں اپنے ماموں ابوابراہیم اسماعیل بن یحیی مزنی سے تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے، مزنی امام شافعی کے اجل تلامذہ اور اصحاب میں تھے ابتداء میں آپ امام شافعی کے مسلک پر رہے پھر فقہ حنفی کے متبع ہو گئے تھے۔اسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن اپنے ماموں سے پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سبق میں یہ مسئلہ آیا کہ اگر کوئی حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو برخلاف مذہب امام ابوحنیفہ کے امام شافعی کے نزدیک عورت کا پیٹ چیر کر بچہ

نکالنا جائز نہیں۔ آپ اس مسئلہ کے پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اس شخص کی ہرگز پیروی نہیں کرتا جو مجھ جیسے آدمی کی ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ فوت ہوگئی تھیں اور آپ پیٹ چیر کر نکالے گئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر آپ کے ماموں نے آپ سے کہا خدا کی قسم تو ہرگز فقیہ نہیں ہوگا۔ پس جب آپ خدا کے فضل سے فقہ وحدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ماموں پر خدا کی رحمت نازل ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے مذہب شافعی کے بموجب ضرور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

امام طحاوی نے اپنے ماموں مزنی کی درسگاہ کے بعد مصر کے شہرۂ آفاق استاذ ابو جعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ سے فقہ حنفی کی تحصیل شروع کی، فقہ حنفی پر ان کو کامل دستگاہ حاصل تھی اور صرف دو واسطوں سے ان کا سلسلہ امام اعظم سے مل جاتا ہے۔ اس طرح امام طحاوی کی سند فقہ اس طرح ہے:

عن احمد بن ابی عمران عن محمد بن سماعۃ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ۔

اساتذہ۔ مصر کے بعد آپ نے ملک شام، بیت المقدس، غزہ اور عسقلان کے مشائخ سے سماعت کی، دمشق میں ابو حازم عبدالحمید قاضی دمشق سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کی۔ اس کے بعد مصر واپس تشریف لائے اور جس قدر مشائخ حدیث آپ کی حیات میں مصر آئے ان سب سے امام طحاوی نے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ چند اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

سلیمان بن شعیب کیسانی، ابوموسیٰ یونس بن عبدالاعلی، ہارون بن سعید رملی، ابراہیم بن ابی داؤد برلسی، احمد بن قاسم کوفی، احمد بن داؤد سدوسی، احمد بن سہل رازی، جعفر ابن سلمی، حسن بن عبدالاعلی صنعانی، صالح بن شعیب بصری، محمد بن جعفر فریابی، ہارون بن محمد عسقلانی، یحییٰ بن عثمان سہمی۔

تلامذہ: آپ کی علمی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل گئی تھی، حدیث وفقہ کی جامعیت نے آپ کو طلبہ کا مرجع بنا دیا تھا، لہٰذا دور دراز سے تشنگان علم آتے اور سیراب ہو کر جاتے۔ بے شمار لوگوں نے پڑھا اور صاحب کمال ہوگئے چند نام یہ ہیں۔

ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی صاحب معاجیم ثلاثہ۔ ابو عثمان احمد بن ابراہیم، احمد بن عبدالوارث زجاج، احمد بن محمد دامغانی، ابومحمد حسن بن قاسم، عبدالرحمن بن اسحق جوہری۔

علمی مقام۔ آپ حفظ حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ واجتہاد میں بہت بلند مقام پر فائز تھے، آپ کا شمار اعاظم مجتہدین میں ہوتا ہے، چنانچہ ملا علی قاری نے آپ کو طبقہ ثالثہ کے محدثین میں شمار کیا ہے فرماتے ہیں:

اس سے مراد وہ مجتہدین ہیں جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہو۔ جیسے ابوبکر خصاف، ابو جعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں وغیرہم۔

یہ لوگ امام اعظم سے اصول وفروع میں مخالفت نہیں کرتے البتہ حسب اصول وقواعد ان مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی نص نہ ہو۔

حق گوئی۔ امام طحاوی حق گو، نڈر اور بے باک شخصیت کے مالک تھے، بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اور نتائج کی پرواہ کئے بغیر کلمہ

حق کہتے اور اس پر قائم رہتے، آپ قاضی ابو عبید کے نائب تھے لیکن ان کو ہمیشہ صحیح روش کی تلقین کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ قاضی صاحب سے فرمایا: وہ اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کریں۔ قاضی صاحب نے جواب دیا: اسماعیل بن اسحاق اپنے کارندوں کا حساب نہیں لیتے تھے، امام طحاوی نے فرمایا: قاضی بکار اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ قاضی صاحب نے پھر اسماعیل کی مثال دی، امام طحاوی نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں البتیۃ کا قصہ سنایا۔

جب کارندوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ غضبناک ہو گئے اور انہوں نے قاضی کو امام طحاوی کے خلاف بھڑکانا شروع کیا یہاں تک کہ قاضی امام طحاوی کے مخالف ہو گئے۔ اسی اثناء میں قاضی معزول کر دیئے گئے۔ جب امام طحاوی نے معزولی کا پروانہ پڑھا تو کچھ لوگ کہنے لگے، آپ کو مبارک ہو، آپ یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے، قاضی صاحب بہر حال ایک صاحب علم آدمی تھے، اب میں کس کے ساتھ علمی گفتگو کیا کرونگا۔

فضل وکمال۔ امام طحاوی کے فضل وکمال، ثقاہت ودیانت کا اعتراف ہر دور کے محدثین مؤرخین نے کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

امام طحاوی کی ثقاہت، دیانت علم حدیث میں ید طولی اور حدیث کے ناسخ ومنسوخ کی مہارت پر اجماع ہو چکا ہے۔

ابو سعید بن یونس تاریخ علماء مصر میں لکھتے ہیں: آپ صاحب ثقاہت اور صاحب فقہ تھے، آپکے بعد کوئی آپ جیسا نہیں ہوا۔

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

طحاوی حنفی المذہب ہونے کے باوجود تمام فقہی مذاہب پر نظر رکھتے تھے۔

ابن جوزی فرماتے ہیں: آپ ثقہ، ثبت اور فہیم تھے۔

امام ذہبی نے فرمایا: آپ فقیہ، محدث، حافظ، زبردست امام اور ثقہ تھے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں: آپ امام، علامہ، حافظ، صاحب تصانیف، ثقہ ثبت، فقیہ ہیں، آپ کے بعد آپ جیسا کوئی دوسرا نہ ہوا۔

جب عبد الرحمن بن اسحاق معمر جوہری مصر کے عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے تو وہ آپ کے ادب واحترام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، سواری پر ہمیشہ ان کے بعد سوار ہوتے۔ جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے۔ امام طحاوی مجھ سے گیارہ برس بڑے ہیں، اور وہ مجھ سے اگر گیارہ گھنٹے بھی بڑے ہوتے تو پھر بھی ان کا احترام لازم تھا۔

کیونکہ عہدۂ قضا کوئی ایسی بڑی چیز نہیں جس کی وجہ سے میں امام طحاوی جیسی شخصیت کے مقابلہ میں فخر کر سکوں۔

وصال۔ بانوے سال کی عظیم عمر اور پرشکوہ زندگی گذارنے کے بعد آپ نے یکم ذی قعدہ ۳۲۱ھ میں وصال فرمایا، قبر شریف قرافہ میں ہے جو مصر کے اماکن متبرکہ میں سے ہے۔ شارع شافعیہ سے دائیں جانب شارع طحاویہ کے سامنے ایک گنبد کے نیچے یہ آفتاب علم محو خواب ہے۔

مزار پر تاریخ وصال کندہ ہے اور ایک خاص عظمت برستی ہے۔

تصانیف۔ آپ کی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں، بعض کتابوں میں تقریباً تیس کی فہرست ملتی ہے،

ان میں مشکل الآثار اور شرح معانی الآثار نہایت مشہور کتابیں ہیں۔

شرح معانی الآثار کے بارے میں علامہ اتقانی نے فخر سے کہا تھا، جو شخص طحاوی کی علمی مہارت کا اندازہ کرنا چاہتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ شرح معانی الآثار کا مطالعہ کرے، مسلک حنفی تو الگ رہا کسی مذہب سے بھی اس کتاب کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔

اس کتاب سے امام طحاوی کا مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے سامنے اصل مقصد احناف کی تائید اور یہ ثابت کرنا تھا کہ امام اعظم کا موقف کسی جگہ بھی احادیث کے خلاف نہیں۔ اور جو روایات بظاہر امام اعظم کے مسلک کے خلاف ہیں وہ یا مؤول ہیں یا منسوخ۔

اس تصنیف میں امام طحاوی متعدد جگہ پر احادیث پر فنی حیثیت سے کلام کرتے ہیں اور مخالفین کی پیش کردہ روایات پر فن رجال کے لحاظ سے جرح کرتے ہیں اس کے علاوہ عقلی لحاظ سے بھی مخالفین کے نقطۂ نظر کی تضعیف کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب روایت اور درایت کی جامع ہے اور جن خوبیوں اور محاسن پر یہ کتاب مشتمل ہے صحاح ستہ کی تمام کتب ان سے خالی ہیں۔

سبب تالیف

امام ابو جعفر طحاوی اس کتاب کی تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، مجھ سے بعض اہل علم حضرات نے فرمائش کی کہ میں ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں احکام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جمع کروں جو بظاہر متعارض ہیں اور چونکہ ملحدین اور مخالفین اسلام اس ظاہری تعارض کی وجہ سے اسلام پر طعن کرتے ہیں اس لئے ان متعارض روایات میں تطبیق دینے کے لئے علماء اسلام کی ان تاویلات کا ذکر بھی کروں جو کتاب وسنت، اجماع اور اقاویل صحابہ سے موید ہیں اور جو روایات منسوخ ہو چکی ہیں ان کے نسخ پر دلائل پیش کروں تا کہ احادیث نبویہ کے درمیان تعارض نہ رہے اور طعن مخالفین سے یہ روایات بے غبار ہو جائیں۔

اسلوب۔ تمام امہات کتب حدیث میں امام طحاوی کا طرز سب سے منفرد اور دلچسپ ہے وہ ایک باب کے تحت پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث وارد کرتے ہیں پھر ذکر کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ احناف کثر ہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں اور ان کی دلیل ایک اور حدیث ہے جو اس حدیث کے مخالف ہے پھر اس حدیث کے متعدد طرق ذکر کرتے ہیں اخیر میں مذہب احناف کو تقویت دیتے ہیں۔ دونوں حدیثوں کا الگ الگ محل بیان کر کے تعارض دور کرتے ہیں اور کبھی پہلی حدیث کی سند کا ضعف ثابت کر کے دوسری حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض اوقات پہلی حدیث کا منسوخ ہونا واضح کر دیتے ہیں۔ نیز انہوں نے ہر باب میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ احناف کی تائید کرنے کے لئے آخر میں ایک عقلی دلیل پیش کی جائے۔ اور اگر مسلک احناف پر کوئی اشکال وارد ہوتا ہو تو اس کو بھی دور کرتے ہیں۔ (۲۴)

شیخ علی متقی

نام ونسب: نام علی۔ لقب متقی۔ والد کا نام، عبدالملک۔ لقب، حسام الدین ہے۔ سلسلہ نسب علی بن عبدالملک بن قاضی خاں شاذلی مدینی چشتی۔

آپ کے والد عبدالملک حسام الدین بن قاضی خاں متقی قادری شاذلی مدینی چشتی ہیں آباء واجداد جونپور سے آکر برھان پور میں مقیم ہوئے، آپ کی ولادت ۸۸۵ھ میں اسی شہر میں ہوئی، پاکیزہ ماحول میں تعلیم وتربیت پائی، آٹھ سال کی عمر میں شیخ بہاء الدین صوفی برھان پوری جوشاہ باجن چشتی سے مشہور تھے مرید ہوئے، والد کا انتقال اس کے بعد ہی آپ کی صغرسنی میں ہوگیا۔ نوجوانی میں بمقام مندو ایک بادشاہ کی ملازمت بھی کرلی تھی جواس وقت مالوہ کی قدیم حکومت کا صدر مقام تھا۔ لیکن سعادت ازلی نے اور عنایت الٰہی نے اس سے دل برداشتہ کردیا ملازمت ترک کرکے ملتان کا رخ کیا اور وہاں شیخ حسام الدین متقی ملتانی کی خدمت میں حاضری دی۔

دوسال کی مدت میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا آپ سے درس بھی لیا۔ اسکے بعد تقویٰ وتوکل کو زادراہ بنا کر حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاوتعظیما کا سفر اختیار فرمایا۔

مکہ معظمہ پہنچ کر شیخ ابوالحسن شافعی بکری کی خدمت میں حاضر ہوکر مزید علم شریعت وطریقت پایا، سلسلہ عالیہ قادریہ شاذلیہ مدینیہ میں مجاز ہوئے اور پھر شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی کی خدمت میں رہکر سلسلہ عالیہ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا۔ دیگر مشائخ طریقت سے بھی اجازت وخلافت سے نوازے گئے اور حدیث کی سند شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے حاصل کی اور مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کرلی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

اسی دوران آپ نے کنزالعمال نامی کتاب مدون ومرتب فرمائی جوآپ کا عظیم علمی ودینی شاہکار ہے۔ نیز آپ نے احادیث مکررہ کو چھانٹ کر منتخب کنزالعمال بھی تحریر فرمائی۔

ان کتابوں کو دیکھ کر آپ کے شیخ ابوالحسن بکری شافعی نے فرمایا تھا، امام سیوطی نے جمع الجوامع لکھ کر تمام لوگوں پر احسان کیا تھا لیکن شیخ علی متقی نے کنزالعمال کی تدوین فرماکر خود ان پر احسان کیا ہے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ پوری عمر زھد وتوکل میں بسر فرمائی۔ اس کے بعد ھندوستان میں محمود شاہ صغیر گجراتی کے دور میں دومرتبہ تشریف لائے، شاہ صغیر آپ کا مرید بھی ہوگیا تھا۔

آپ کا وصال ۲ رجمادی الآخرہ ۹۷۵ھ صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ میں ہوا، مکہ معظمہ میں تدفین کی گئی۔ شیخ عبدالوہاب متقی آپ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (۲۵)

ماخذ ومراجع

۱۔ انوار امام اعظم۔ مصنفہ مولانا محمد منشا تابش قصوری ۲۔ ۳۔ ۴۔ تہذیب التہذیب لابن حجر۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر۔ انوار امام اعظم ۵۔ تذکرۃ المحدثین۔ مصنفہ مولانا غلام رسول صاحب سعیدی۔ احوال المصنفین ۶۔ انوار امام اعظم ۷۔ تہذیب التہذیب۔ انوار امام اعظم ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ انوار امام اعظم ۱۱۔ انوار امام اعظم ۱۲۔ تہذیب التہذیب۔ انوار امام اعظم ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ البدایۃ والنہایہ۔ تذکرۃ المحدثین ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ کنزالعمال للمتقی۔ شیخ محدث دہلوی۔

كِتَابُ الْمَنَاسِكِ

کتاب: مناسک (حج) کے بارے میں روایات

حج کے معنی ومفہوم کا بیان

لغوی رُو سے حج کا معنی قصد کرنا، زیارت کا ارادہ کرنا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں مخصوص اوقات میں خاص طریقوں سے ضروری عبادات اور مناسک کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کا قصد کرنا، کعبہ اللہ کا طواف کرنا اور میدانِ عرفات میں ٹھہرنا حج کہلاتا ہے۔

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے آخری رکن ہے، اور انسان کی خدا پرستی کا قدیم ترین طریقہ ہے۔ حج کے لغوی معنی قصد وارادہ کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں خانہ کعبہ کا طواف اور مکہ مکرمہ کے مختلف مقامات مقدسہ میں حاضر ہو کر کچھ مخصوص مناسک آداب واعمال (بجالانے کا نام حج ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے) سورۃ البقرۃ (اس لیے ہر صاحب استطاعت مسلمان مرد وعورت پر ساری عمر میں کم از کم ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا حج کیا کرو۔ احادیث میں حج کے بڑے فضائل وبرکات منقول ہیں۔ حج کرنے سے گناہ یکسر معاف ہو جاتے ہیں اور حاجی کے نامہ اعمال میں ہر قدم پر سات سو نیکیاں درج ہوتی ہیں۔

حج کے بعض تاریخی احوال کا بیان

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے پوچھا: بیت اللہ کا طواف کب سے ہو رہا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کے بارے میں اطلاع دی تو انہوں نے عرض کیا: ہم آپ کی تسبیح وتقدیس کرنے والے ہیں اور آپ ایسے بشر کو خلیفہ بنا رہے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ فرشتوں کو اپنی عرض پر نہایت ہی شرمندگی ہوئی، انہوں نے حالت زاری اور تضرع میں عرش الٰہی کا تین دفعہ طواف کیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی رحمت کرتے ہوئے عرش کے نیچے بیت المعمور بنا کر فرمایا: تم اس کا طواف کیا کرو۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور ایک دفعہ طواف کرنے والے دوبارہ نہیں آتے۔ اس کے بعد فرشتوں سے فرمایا:

أَبْنُوْا لِيْ بَيْتًا فِي الْأَرْضِ بِمِثَالِهِ وَقَدْرِهِ۔

"اسی کی مثل ومقدار کے مطابق زمین پر میرا گھر بناؤ۔"

جب گھر بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر رہنے والی مخلوق کو حکم دیا:

أَنْ يَطُوفُوا بِهٰذَا الْبَيْتِ كَمَا يَطُوفُ أَهْلُ السَّمَآءِ بِالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ (ازرقی، اخبار مکۃ، 1:34)

"تم اس گھر کا اسی طرح طواف کرو جیسے آسمان والے بیت المعمور کا کرتے ہیں۔"

پھر جب سیّدنا آدم اور حضرت حوا علیہما السلام زمین پر آئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: مولا میں اس لذت و سرور سے محروم ہو گیا ہوں جو فرشتوں کے ساتھ بیت المعمور کے طواف میں آیا کرتا تھا۔ کاش! ہمیں پھر وہاں لوٹا دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: اے آدم!

اِبْنِ لِي بَيْتًا بِحِذَاءِ بَيْتِي الَّذِي فِي السَّمَآءِ، تَتَعَبَّدُ فِيهِ أَنْتَ وَوَلَدُكَ كَمَا تَتَعَبَّدُ مَلَائِكَتِي حَوْلَ عَرْشِي

(الصالحی، سبل الہدیٰ والرشاد، 1:147)

"تم اسی آسمانی گھر (بیت المعمور) کے مقابل زمین پر میرا گھر بناؤ اور اس میں تم اور تمہاری اولاد اسی طرح عبادت کرو جیسے ملائکہ میرے عرش کے اردگرد کرتے ہیں۔"

پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا۔ تو آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے حکم الٰہی کے مطابق قدیم بنیادوں پر ہی دوبارہ تعمیر کی۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ (آل عمران، 3:96)

"بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا، وہی ہے جو مکّہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لیے (مرکزِ) ہدایت ہے ۝"

جب تعمیر مکمل ہوئی تو حکم ہوا کہ تمام جہاں والوں کو اللہ کے گھر میں آنے کی دعوت دیں۔ اس دعوت کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ (الحج، 22:27)

"اور تم لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور تمام دبلے اونٹوں پر (سوار) حاضر ہو جائیں گے جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ دعوت کے نتیجہ میں حرم کعبہ کی تعمیر کے بعد پہلے حج کا آغاز ہوا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کی رہنمائی میں سیّدنا اسماعیل علیہ السلام اور قبیلہ جرہم کے جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب کی معیت میں ارکان حج ادا کیے۔ سب سے پہلے آپ نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ پھر صفا، مروہ کے درمیان سعی کی۔ بعد ازاں منیٰ تشریف لے گئے، وہاں تین جگہ شیطان نظر آیا تو آپ نے تکبیر کے ساتھ اسے سات، سات کنکریاں ماریں۔ آپ چلتے چلتے میدان عرفات پہنچ گئے، رات وہاں قیام کیا اور صبح وہاں سے منیٰ تشریف لے گئے اور جن تین مقامات پر شیطان دکھائی دیا تھا، وہاں رمی کی۔ منیٰ قیام کیا، پھر مناسک حج سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن ملک شام تشریف لے گئے۔

تاریخی تناظر میں حج کے پس منظر کا جائزہ لیں تو آج ہمیں حج کی وہ ارتقائی شکل نظر آتی ہے جو فتح مکہ کے ایک سال بعد 9 ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت وسربراہی میں ادا کیا گیا تھا۔ 9 ہجری کا حج دو طریقوں سے ادا کیا گیا۔ کفار و مشرکین جو اس موقع پر موجود تھے، انہوں نے قدیم آبائی طریقے سے حج کی رسوم ادا کیں، جبکہ مسلمانوں نے اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین کردہ حدود کے اندر رہ کر مناسکِ حج ادا کیے۔ اس طرح سب سے پہلی مقدس عمارت جو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تعمیر کی گئی اور انسانیت کے لئے رشد وہدایت کا مرکز اولیں قرار پائی، قرآن حکیم کی نص قطعی کے مطابق کعبۃ اللہ ہے جس کی تعمیر اوّل حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔ بعد ازاں جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے حکم الٰہی کے مطابق قدیم بنیادوں پر ہی اس کی دوبارہ تعمیر کی۔

زمین پر ورودِ آدم علیہ السلام کے بعد سرزمین مکہ کو بنی نوع انسان کی ہدایت کا نہ صرف پہلا مرکز ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ بلکہ اس مقام کو عالمگیر دعوت وتبلیغ اسلام کے مرکز اور نقطہ آغاز کے طور پر منتخب کر لیا گیا اور جس دینِ حنیف کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرزمینِ کعبہ میں رکھی، خاتم الانبیاء حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد اس کی تکمیل ہوگئی۔ گویا وہ بیج جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ (مکہ کی بے آب وگیاہ وادی) میں بویا تھا، صدیوں بعد نمو پا کر ایک شجر سایہ دار کی صورت سارے عالم پر سایہ فگن ہوگیا۔

سلسلہ حج کا باقاعدہ آغاز بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تین ہزار سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا اور یہ کسی نہ کسی شکل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک جاری رہا اور تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بیت اللہ شریف کی پہلی تعمیر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کی۔ اکثر مناسک یعنی ارکان حج اور دیگر شرائط سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے منسوب ہیں۔ پھر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض ترامیم کے ساتھ حج کا طریقہ کار مقرر فرما دیا۔

حج کے مناسک وارکان اور فرائض وسنن کی بجا آوری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو مرکزی اور کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

پہلا سبب: موجودہ تاریخ جو کم وبیش ساڑھے چار ہزار سال پرانی ہے، کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دورِ نبوت سے ہوا۔ اس سے قبل کا دور واقعات کا محفوظ ریکارڈ نہ ہونے کی بنا پر قبل از تاریخ دور کہلاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کے اَدوار کے بارے میں ہماری معلومات کا ذریعہ کتب سماویہ اور صحائف الٰہیہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ تاہم یہ بات مدنظر رہے کہ قدیم واقعات کی معلومات کا ذریعہ مقدس آسمانی کتابیں۔ انجیل اور توریت ہیں۔ جو کہ اب تحریف و اضافہ کے باعث صحیح اور ثقہ نہیں رہیں۔ ان میں اتنے تضادات ہیں کہ کسی واقعہ کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں ان سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ بنا بریں اب ہمارے پاس قدیم واقعات کی صحت جانچنے کا ماخذ وذریعہ صرف قرآن حکیم اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہیں۔ چونکہ بعثتِ ابراہیمی علیہ السلام سے قبل ادوار کے واقعات مؤرخین اور تاریخ دانوں

کی نظر سے اوجھل ہیں اور ان کی توجہ کا مرکز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی تاریخ ہے۔ اس لیے یہ کہنا برحق ہے کہ موجودہ تاریخ عالم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مسلمہ طور پر مرکزی و بنیادی حیثیت کی حامل ہے اور اس سے پہلے کا دور تاریخی اعتبار سے پردۂ اخفا میں ہے۔

دوسرا سبب: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرکزی حیثیت کا دوسرا اہم سبب آپ کا جدالانبیاء ہونا ہے۔ تاریخ ادیان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام متولد ہوئے۔ ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے، جن کا قصہ قرآن حکیم میں خاص طور پر مذکور ہے۔ ان سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام سلسلہ انبیاء کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا، جس کے معنی ہیں 'اللہ کا بندہ'۔ اس بنا پر آپ کی نسل بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوئی۔ بنی اسرائیل میں سے پے در پے بہت بڑی تعداد میں انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، جن کی نسل سے خاتم الانبیاء حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو نبوت سے سرفراز نہیں کیا گیا۔

تیسرا سبب: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرکزی حیثیت کا تیسرا بنیادی سبب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد ہونے کا شرف واعزاز ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے فخریہ انداز سے ان کا ذکر 'أبی ابراہیم' کہہ کر فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کو ابراہیمی دعاؤں اور بشارتوں کا حاصل قرار دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی دعاؤں میں بارگاہِ ایزدی میں التجا کرتے نظر آتے ہیں کہ یا الٰہی! میری نسل میں ایسے افراد پیدا فرما جو تیری عبادت و اطاعت اور بندگی میں شب و روز محو و منہمک رہیں اور آخر میں اپنے ہونہار اور سعادت مند نوجوان بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد و تعاون سے کعبۃ اللہ کی دیواریں تعمیر کرتے وقت یہ دعا ان کے لبوں پر مچل پڑی کہ یا الٰہی! میرے اس بیٹے کی پشت سے وہ نبی آخر الزماں مبعوث فرما جس کا وجودِ مسعود باعثِ تکوینِ کائنات ہو اور جس کے سر پر رحمۃ اللعالمینی کا تاج ابدالآباد تک رکھا جائے۔

چوتھا سبب: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مرکزی حیثیت کا چوتھا بنیادی سبب یہ ہے کہ آپ کو منصب نبوت کی تکمیل کی خاطر پے در پے آزمائشوں اور امتحانوں سے گزارا گیا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ منصب جس قدر عظیم ہوگا اتنی ہی بڑی آزمائش و ابتلا کے سلسلے سے اس شخصیت کو دوچار کیا جائے گا۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہونے کا بے نظیر و بے مثال شرف نصیب ہوا، انہیں پیغمبرانہ بصیرت اور اہلیت و قیادت ہونے کا جوہر بے مثال بھی عطا ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کا مابہ الامتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے تن تنہا شرک والحاد کی باطل قوتوں کو للکارا اور وہ اس بناء پر اس دو قومی نظریے کے پہلے نقیب ٹھہرے جو پانچ ہزار سال بعد تخلیق پاکستان کا بنیادی اور اساسی نقطہ قرار پایا۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آج سے چار ہزار سال قبل اپنی فقید المثال عزیمت اور مقصد کے عشق کی لگن سے باطل کے مقابلے میں حکومت الٰہیہ کی تشکیل کا علم اٹھایا اور وہ الحادی طاقتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ میں بلاخوف و خطر کود پڑے۔ بقول اقبال:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی
یہی نظریہ پیغمبر اسلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ جدوجہد کی اساس بنا جس پر آگے چل کر قصرِ اسلام کی عظیم الشان تعمیر عمل میں آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے صحرا نشینوں نے عالم استعمار کے عزائم خاک میں ملا دیئے اور دنیا میں پہلی مرتبہ حکومت الہیہ قائم ہوئی۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو تمام نوع انسانی کے لئے مکمل نمونہ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب، 33:21)

"فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔"

یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن حکیم نے صرف دو شخصیات کا ذکر کیا ہے جو اپنے سیرت و کردار کی بناء پر تمام بنی نوع انسان کے لئے کامل نمونہ ہیں۔ ان میں پہلی شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور دوسری حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہ دونوں ہستیاں آفتابِ رشد و ہدایت ہیں۔ ان کے اسوہ حسنہ سے روشنی لینے کے لئے شرق تا غرب تمام عالم تا ابد محتاج رہے گا۔

شعائر شعار کی جمع ہے، جو نشانی یا علامت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ایسے تمام ارکان جو خواہ عبادات، اوامر و نواہی یا مقدس مقامات سے متعلق ہوں یا جن پر عمل کرنے سے اسلام کی ہیئت اجتماعیہ تشکیل پائے شعائر کے ذیل میں آتے ہیں۔ چونکہ ان سب کا تعلق تاریخی اعتبار سے بعض مخصوص شخصیات و واقعات سے ہے جن کی نسبت براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، اس لئے ایسی تمام علامات کو شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں سے موسوم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ (البقرۃ، 2:158)

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے (درمیان) چکر لگائے، اور جو شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یقیناً اللہ (بڑا) قدر شناس (بڑا) خبر دار ہے ۝"

حج کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کے تمام مناسک اللہ کی تعظیم اور محبوبانِ الٰہی کی یاد میں عشق و محبت کے والہانہ پن سے عبارت ہیں۔ مثلاً جب بندہ بطور حاجی اللہ کے گھر میں داخل ہو کر ابھی سجدہ ریز نہیں ہوتا، رکوع و قیام اور نماز میں داخل نہیں ہوتا، بس غلاف کعبہ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں کے پیمانے اشکوں سے لبریز ہو جاتے ہیں اور پلکوں سے برسات ٹپکنے لگتی ہے اور پھر حدود حرم میں داخل ہونے سے قبل اپنے قیمتی کپڑوں کو اتار کر سادہ اَن سلی چادریں زیب تن کر لیتا ہے اور پیکر عجز و انکسار بن کر ننگے سر اور ننگے

پاؤں بیت اللہ کے صحن میں آجاتا ہے اور ایک طرح کی بے خودی سے دیوانہ وار دوڑنے لگتا ہے اور حرم کعبہ کے گرد سات چکر مکمل کرتا ہے۔ جسے عرف عام میں طواف کہا جاتا ہے۔ پھر وہ ایک گوشے میں نصب ایک پتھر دیکھتا ہے، جس کی طرف وہ دیوانہ وار لپکتا ہے، بڑی محنت و جانفشانی سے اس کے قریب پہنچتا ہے اور بے اختیار اسے چومنے لگتا ہے۔ وہ اس کی عقلی دلیل نہیں جانتا، اسے بس اتنا پتہ ہے کہ یہ حجرِ اسود ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسے دیئے تھے اور اسی نسبت سے اسے بوسہ دینا اپنے لئے بڑی سعادت خیال کرتا ہے۔

طواف سے فارغ ہو کر وہ ایک مقام پر جہاں سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ثبت ہیں رک جاتا ہے اور وہاں اس ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى (البقرۃ، 2:125)

''اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنالو۔''

پھر وہ بیت اللہ سے کچھ فاصلے پر صفا و مروہ دو پہاڑ دیکھتا ہے، جن کی طرف اس کے قدم بے اختیار اٹھ جاتے ہیں اور وہ دوڑ کر کبھی اس پہاڑ پر چڑھتا ہے، کبھی اس پہاڑ پر۔ ان دو پہاڑوں کی نسبت اللہ کی پیاری بندی حضرت حاجرہ علیہا السلام اور ان کے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے، جن کی بنا پر انہیں شعائر اللہ قرار دے دیا گیا۔

اللہ کا بندہ احرام باندھے ہوئے ننگے سر جب صفا و مروہ کی سعی مکمل کر لیتا ہے تو اس کی حجامت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، وہ بال جن کو اپنی زیب و زینت سمجھ کر سنوار کر رکھتا ہے، انہیں استرے سے منڈوا ڈالتا ہے۔ ناخن بڑھے ہوئے ہوں تو انہیں کٹواتا ہے، پھر منیٰ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، خیمے گاڑتا ہے اور عرفات میں شام تک قیام کرتا ہے۔ عرفات میں نماز ظہر کا وقت آتا ہے تو وہ جو عمر بھر قانونِ خداوندی:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا (النساء، 4:103)

''بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے۔''

کی تعمیل میں ہمیشہ نماز اپنے وقت پر پڑھنے کا عادی تھا، ظہر کی نماز کے ساتھ عصر کو ملا کر پڑھتا ہے۔ ایسا کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدانِ عرفات میں ظہر و عصر کو ملا کر پڑھا تھا۔ اب اس کی پیروی ہر خاص و عام کے لئے واجب قرار پائی۔ پھر مغرب کا وقت آجاتا ہے، وہ تمام حالات میں غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب ادا کرنے کا پابند ہے لیکن یہاں آکر قانونِ شریعت سے وہ پابندی معطل ہو گئی۔ وہ نماز کا وقت دیکھتا ہے، لیکن اس کی ادائیگی سے اس لئے گریز کرتا ہے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ادا نہیں کی تھا، وہ اس نماز کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مزدلفہ جا کر عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھتا ہے۔

مزدلفہ پہنچ کر سفر سے تھکا ہوا انسان سوچتا ہے کہ رات گزرنے کے بعد کچھ سستاؤں اور آرام کرلوں، لیکن حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ہے کہ مزدلفہ چھوڑ کر خیمہ یہاں (منیٰ میں) گاڑے اور پتھر کے ستونوں کو شیطان سمجھ کر انہیں کنکریاں مارے۔

عقل لاکھ کہے کہ شیطان کہاں یہ تو پتھر ہیں انہیں کنکریاں کیوں ماری جائیں؟ لیکن وہ محبت کے آگے سر تسلیم خم کر کے تین دن تک انہیں کنکریاں مارنے جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس فعل کو اللہ کے ایک مقرب بندے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے نسبت ہے، جنہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا اتنی پسند آگئی کہ اب اس کی یاد کو قیامت تک دہرانے کا حکم دے دیا گیا۔

پھر اللہ کا بندہ منیٰ پہنچ کر قربانی کرتا ہے اور قربانی کے بعد شہر مکہ لوٹ آتا ہے۔ کبھی یہ صحراؤں میں پھرتا ہے، کبھی جنگلوں میں ڈیرے لگاتا ہے اور کبھی شہر میں آتا ہے۔ شعائر اللہ کی یہ تعظیم و تکریم، دیوانہ وار طواف اور بھاگ دوڑ یہ سب باتیں ادب اور تقاضائے محبت ہیں۔ ان کی کوئی عقلی دلیل ممکن نہیں۔ بس یہ سب محبوبانِ الٰہی کی یادیں ہیں، جنہیں جاری و ساری کرنے کا اہتمام شرعاً عبادات کا درجہ اختیار کر گیا ہے۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور کسی بھی فرض و نفلی عبادت سے حکم الٰہی کی تکمیل تو ہو جاتی ہے، لیکن عشق و محبت کی وہ آگ جو بندۂ مومن کے سینے میں محبوب حقیقی کے ہجر و فراق کی وجہ سے بھڑکتی رہتی ہے، ختم نہیں ہوتی، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذوق محبت کے فروغ اور ان کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کے لیے اپنے انبیاء کرام اور برگزیدہ و مقبول بندوں کی زندگی کے ان واقعات کو چن چن کر بنی نوع انسان کے سامنے رکھا ہے، جو عشق و محبت، ایثار و قربانی اور وفا کے باب میں سب کے لئے ابدی معیار کا درجہ اختیار کر گئے ہیں۔ ان کو اپنی نشانیاں قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج، 22:32)

”یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجالاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)o“

حج میں شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کرنے کے حکم میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے حجاج کے دلوں میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم اور ان کا ادب اللہ کی نظر میں اس قدر محبوب ہے کہ اسے دلوں کے تقویٰ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ ویسے تو پہاڑ، پتھر اور قربانی کے جانوروں کی حیثیت عام چیزوں جیسی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقبول بندوں سے نسبت ہونے کی بناء پر ان کی تعظیم و ادب اتنی بڑی عبادت بن گیا جو دلوں کے تقویٰ کا موجب ہے۔

جی ہاں! قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ ہیں۔ یوں تو دنیا میں ہر جگہ اللہ کے نام پر صدقہ و خیرات کے لئے جانور ذبح کئے جاتے ہیں، لیکن ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نسبت ہونے کی بنا پر مقام منیٰ پر قربانی کے لئے ذبح کئے جانے والے جانوروں کی حیثیت منفرد اور جداگانہ ہو گئی ہے۔ انہیں اس خاص نسبت کے باعث شعائر اللہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (الحج، 22:36)

”اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے۔“

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ سلسلۂ حج کا آغاز بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار سال قبل ہوا اور یہ کسی نہ کسی شکل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک جاری رہا۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقرر کردہ حج کے طریقوں میں تحریف اور تبدیلی کی جانے لگی۔ان کی ہیئت پے در پے تبدیلیوں کے عمل سے مسخ ہوتی چلی گئی اور بالآخر ایسی بے بنیاد رسموں کی صورت اختیار کر گئی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کی روح سے قطعاً مختلف تھی۔قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر ان تحریفات کا ذکر کیا ہے۔

منجملہ رسوم میں ایک رسم جسے زمانہ جاہلیت کے عربوں نے اپنے ہاں بطور خاص رواج دے رکھا تھا، احرام باندھنے سے متعلق تھی۔اہل عرب جب حج کے ارادے سے احرام باندھ لیتے تو وہ اپنے گھر میں نہ صرف اصل دروازوں سے داخل ہونا حرام قرار دیتے بلکہ عقبی دیوار پھلانگ کر یا پچھواڑے میں کسی کھڑکی یا روشن دان کے راستے سے گھر کے اندر داخل ہوتے اور اپنے اس فعل کو مناسک حج کا حصہ اور عبادت تصور کرتے۔قران حکیم نے اس مضحکہ خیز اور بلا جواز رسم کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ اس میں کسی قسم کی نیکی کا کوئی تصور نہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ (البقرة، 2: 189)

"اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم (حالتِ احرام میں) گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی تو (ایسی الٹی رسموں کی بجائے) پرہیزگاری اختیار کرنا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے فرمان کی رُو سے نیکی تو اللہ کے ہاں تقویٰ کا نام ہے اور گھر کی عقبی دیواروں کو پھاند کر اندر داخل ہونا محض توہمات کے ذیل میں آتا ہے، جو نیکی کے کسی تصور سے ہرگز تعلق نہیں رکھتا۔قرآن حکیم نے اس طرح نیکی کا اصل الاصول بیان فرما کر ان بیہودہ اور لغو رسوم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

عربوں کے دورِ جاہلیت کی ایک اور رسم حج اور عمرہ سے متعلق تھی۔ان کا عقیدہ تھا کہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کی ادائیگی یکجا نہیں ہوسکتی۔اس غلط عقیدے کی بنا پر انہوں نے حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ مہینے مقرر کر رکھے تھے، جس کے لئے وہ جدا جدا سفر اختیار کرتے اس سے دور دراز کی مسافت طے کر کے آنے والے لوگوں کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔اسلام کی آمد کے بعد اس خود ساختہ رسم کو منسوخ کر دیا گیا اور ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنے کی ہر ایک کو اجازت مل گئی۔قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرة، 2: 158)

"چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے (درمیان) چکر لگائے۔"

اسی طرح ایک غلط نظریہ اور تصور زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں جڑ پکڑ چکا تھا، جس کی رو سے انہوں نے اپنے اوپر حج کے سفر کے دوران زادِ راہ ہمراہ لے جانا حرام قرار دیا تھا۔وہ حج کے لئے سفر پر نکلتے تو اپنے ساتھ کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا سامان لے جانا اپنے نام نہاد تقویٰ کے منافی سمجھتے تھے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بے بنیاد اور لغو تصور کا راز کھول دیا، ارشاد فرمایا:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُونِ يَا اُولِي الْاَلْبَابِ ۝ (البقرة،2:197)

''حج کے چند مہینے معیّن ہیں (یعنی شوّال، ذوالقعدہ اور عشرۂ ذوالحجہ) تو جو شخص ان (مہینوں) میں نیت کر کے (اپنے اوپر) حج لازم کرلے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے اور نہ کوئی (اور) گناہ اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرے، اور تم جو بھلائی بھی کرو اللہ اسے خوب جانتا ہے، اور (آخرت کے) سفر کا سامان کرلو، بے شک سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! میرا تقویٰ اختیار کرو ۝''

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ذاتِ کریم زندگی کے ہر گوشے میں نوعِ انسانی کے تمام مسائل کی تہہ پر نظر رکھتی ہے اور اسے ہرگز ہرگز گوارا نہیں کہ غلط سوچ اور نادانی کی بناء پر انسان نے معاشرتی سطح پر جو ناروا پابندیاں یکطرفہ طور پر عائد کر رکھی ہیں یا غلط رسوم اپنالی ہیں، انہیں جاری رکھا جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حج کے سفر پر نکلنے والوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنا زادِ راہ اور خورد و نوش کا سامان ساتھ لے کر نکلا کریں۔ پھر فرمایا کہ بہترین زادِ راہ تو تمہارا تقویٰ ہے اور باقی دنیاوی سامان تو سب عارضی ہے۔

دورِ جاہلیت میں عرب طواف کعبہ کرتے وقت برہنہ ہو کر تالیاں بجاتے اور سیٹیاں بجاتے، جنہیں وہ عبادت تصور کرتے۔ قرآن حکیم نے ان کے اس ناپسندیدہ فعل کو یوں بیان فرمایا:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً (الانفال،8:35)

''اور بیت اللہ (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس ان کی (نام نہاد) نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔''

اسلام دینِ فطرت ہونے کے باعث عمل کے اعتبار سے آسان ہے تاکہ انسانوں کو ان تمام ناروا پابندیوں اور رسم و رواج کی زنجیروں سے رہائی دلا دے جو اہلِ عرب نے ایک طویل عرصے سے حج کے ضمن میں عائد کر رکھی تھیں۔ اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خصوصی توجہ کا حامل ہے: كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِيَّ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 2:889، رقم:1218)

''زمانہ جاہلیت کی تمام رسوم میرے قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں۔''

بَابُ الرَّجُلِ يُهِلُّ بِالْحَجِّ ثُمَّ يَجْعَلُهَا عُمْرَةً

باب: جو شخص حج کا تلبیہ پڑھے اور پھر اسے عمرے میں تبدیل کر دے

1807 حَدَّثَنَا هَنَّادٌ يَعْنِي ابْنَ السَّرِيِّ، عَنِ ابْنِ اَبِي زَائِدَةَ، اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ سُلَيْمِ بْنِ الْاَسْوَدِ، اَنَّ اَبَا ذَرٍّ، كَانَ يَقُولُ فِيمَنْ حَجَّ، ثُمَّ فَسَخَهَا بِعُمْرَةٍ: لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ اِلَّا لِلرَّكْبِ الَّذِينَ كَانُوا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: سلیم بن اسود بیان کرتے ہیں: جو شخص حج (کا تلبیہ پڑھے) اور پھر اسے عمرہ کے ذریعے فسخ کر دے اس کے بارے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ اجازت صرف ان سواروں کے لیے تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع کے موقع پر) آئے تھے۔

1808 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنِي رَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَسْخُ الْحَجِّ لَنَا خَاصَّةً أَوْ لِمَنْ بَعْدَنَا؟ قَالَ: بَلْ لَكُمْ خَاصَّةً

حارث بن بلال اپنے والد (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! حج کو فسخ کرنے کا حکم صرف ہمارے لیے ہے یا ہمارے بعد والوں کے لیے بھی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی نہیں! بلکہ تمہارے لئے مخصوص ہے۔

حنابلہ واہل ظواہر کے نزدیک فسخ حج کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے حالت احرام میں مکہ میں ٹھہرنے کا بیان اس لئے کیا ہے کہ اس طرح محرم پہ حج حلال نہ ہوگا۔ جبکہ اس میں حنابلہ اور اہل ظواہر اور عام اہل حدیث نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ حج کا فسخ مانتے ہیں کہ جب کوئی شخص عمرے کی طرف سے طواف قدوم کرلے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ واجب ہے۔

اور بعض حنابلہ نے کہا ہے کہ ہم اللہ کے ہاں حاضر ہیں اور بے شک اگر ہم حج کے ساتھ محرم ہوئے تو پس اس کو عمرے کی طرف فسخ کرنا تاکہ فدیہ ادا کریں اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نکلے تو ہم نے حج کا احرام باندھا پس جب ہم مکہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو عمرہ بنالو۔ تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے حج کا احرام باندھا ہے اس کو عمرہ کس طرح بنائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں غور کرو جو میں نے تم حکم دیا ہے۔ تو انہوں نے اسی طرح کیا۔ اور جو اس قول پر لوٹے تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو کہا جس نے آپ کو ناراض کیا اس کو اللہ ناراض کرے۔

حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کے بیان میں اختلاف

جو کوئی بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور تلبیہ کہہ لے اس پر وہ حج اور عمرہ مکمل کرنا واجب ہو جاتا ہے چاہے وہ حج اور عمرہ نفلی ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو)۔

اور جس نے بھی احرام کی نیت کرلی اور بغیر کسی شرعی عذر کے حج یا عمرہ مکمل نہ کیا وہ ایک ممنوعہ کام کا مرتکب ہوا ہے۔

ہے: جب کسی نے احرام کی چادریں پہن لیں لیکن حج یا عمرہ کی نیت نہیں کی اور تلبیہ نہیں کہا اسے اختیار ہے چاہے تو وہ حج یا

عمرہ کی نیت کرلے اور اگر چاہے تو اسے منسوخ کردے، اور اگر وہ فریضہ حج یا فرضی عمرہ ادا کر چکا ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس نے حج یا عمرہ کی نیت کرلی اور تلبیہ کہہ لیا ہو تو پھر اسے فسخ کرنے کا حق نہیں رہتا بلکہ اس نے جس چیز کا بھی احرام باندھا ہے اسے شرعی طریقہ پر مکمل کرنا واجب ہوگا۔

کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو)۔ اور اس طرح آپ کے لیے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ:

جب مسلمان شخص نیت کرکے حج یا عمرہ کے احرام میں داخل ہو جائے تو اسے ختم کرنے کا حق نہیں بلکہ جس چیز کو شروع کر چکا ہے اسے مندرجہ بالا آیت کی بنا پر مکمل کرنا واجب ہے، لیکن اگر اس نے احرام باندھتے وقت شرط لگائی ہو اور اسے کوئی مانع پیش آجائے جس کا اسے خدشہ تھا تو پھر وہ احرام سے حلال ہوسکتا ہے۔

کیونکہ جب ضباعۃ بنت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حج کرنا چاہتی ہوں لیکن بیمار ہوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

تم حج کا احرام باندھ لو اور یہ شرط رکھو کہ جہاں میں روک دی جاؤں وہیں میرے حلال ہونے کی جگہ ہے۔ اسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

تو اس بنا پر آپ نے جو عمرہ ادا کیا ہے وہ اس عمرہ کے بدلے میں ہوگا جس کا احرام آپ نے پہلی بار باندھا تھا۔

اور آپ نے جو کچھ ان ایام میں احرام کے ممنوعہ کام کیے ہیں وہ معاف ہیں کیونکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں کہ عمرہ کی نیت کرنے کے بعد اسے فسخ کرنا حرام ہے۔

اس کا یہ عمل صحیح نہیں، کیونکہ جب انسان عمرہ یا حج میں داخل ہوجائے تو اس پر کسی شرعی سبب کے بغیر فسخ کرنا حرام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور تم اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، اور اگر تم روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو فدیہ دو

تو اس عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے کیے پر اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے، اور اس کا عمرہ صحیح ہے اگرچہ اس نے عمرہ فسخ کردیا تھا لیکن عمرہ فسخ نہیں ہوتا، بلکہ یہ حج کے خصائص میں سے ہے، اور حج کے عجیب وغریب خصائص ہیں جو کسی دوسری چیز میں نہیں پائےجاتے، لھذا جب حج کو باطل اور ترک کرنے کی نیت کریں تو وہ باطل نہیں ہوتا، لیکن جب آپ دوسری عبادات کو چھوڑنے کی نیت کریں تو وہ باطل ہوجاتی ہیں۔

لھذا اگر کوئی روزے دار شخص روزہ چھوڑنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہوجاتا ہے، اور اگر کوئی شخص وضوء کے درمیان وضوء باطل کرنے کی نیت کرتا ہے تو اس کا وضوء باطل ہوجائے گا۔

اور اگر کوئی عمرہ ادا کرنے والا شخص عمرہ کی نیت کرنے کے بعد عمرہ باطل کرنے کی نیت کرتا ہے تو وہ باطل نہیں ہوتا، یا پھر کوئی شخص حج شروع کرنے کے بعد حج کو باطل کرنے کی نیت کرلے تو اس کا حج باطل نہیں ہوگا۔

اسی لیے علماء کرام کا کہنا ہے کہ: نسک (حج اور عمرہ) چھوڑنے سے نہیں چھوٹتا۔ تو اس بنا پر ہم یہ کہیں گے کہ: اس عورت

نے جب احرام کی نیت کر لی تھی تو عمرہ مکمل کرنے تک یہ احرام کی حالت میں ہی تھی، اور اس کا نیت کو فسخ کرنا مؤثر نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنی نیت پر ہی باقی رہے گی۔

اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ: عورت کے بارہ میں ہم یہ کہیں گے :اس کا عمرہ صحیح ہے، اور اسے چاہیے کہ وہ آئندہ احرام کو چھوڑنے والا کام دوبارہ نہ کرے، کیونکہ اگر اس نے احرام کو چھوڑا تو وہ اس سے خلاصی نہیں پا سکے گی۔

اور اس نے جو احرام کے ممنوعہ کام کا ارتکاب کیا ہے مثلا ہم فرض کرتے ہیں کہ اس کے خاوند نے اس سے مجامعت کر لی تو حج یا عمرہ میں جماع کرنا سب سے بڑی ممنوعہ چیز ہے، اور اس عورت کے ذمہ کچھ لازم نہیں آئے گا کیونکہ وہ اس سے جاہل تھی، اور جہالت کی بنا پر یا بھول کر یا جس پر جبر کیا گیا ہو اس کا کسی ممنوعہ چیز کا ارتکاب کرنے والے شخص پر کچھ لازم نہیں آتا۔

حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کے بارے میں احادیث کا بیان

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک روایت میں ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چلے اور ہمیں صرف حج کا خیال تھا (یعنی حج کا احرام باندھا تھا) پھر جب ہم مکہ پہنچے اور کعبہ کا طواف کر چکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ (حج کے) احرام سے باہر ہو جائے پس جن لوگوں کے پاس قربانی نہیں تھی وہ احرام سے باہر ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس بھی قربانی نہیں تھی لہٰذا وہ احرام سے باہر ہو گئیں۔ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حائضہ ہو جانے کی وجہ سے بیت اللہ کا طواف نہ کر سکی جب محصب کی رات آئی تو میں نے کہا: یا رسول اللہ الوگ تو عمرہ اور حج دونوں کر کے لوٹیں گے اور میں صرف حج کر کے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تو جب مکہ آئی تھی تو طواف نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تو اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم تک جا، وہاں سے عمرے کا احرام باندھ لے پھر عمرے سے فارغ ہو کر فلاں جگہ پر ہمیں ملنا۔ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں اپنے آپ کو تم سب کا روکنے والا سمجھتی ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بانجھ، کیا تم نے قربانی والے دن طواف نہیں کیا؟ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی ہاں کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر کچھ حرج نہیں چلو۔(حدیث نمبر 791 : حدیث نمبر 792 :

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے سال (مکہ کی طرف) چلے تو ہم میں سے بعض لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بعض لوگوں نے عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھا تھا اور بعض لوگوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا پس جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا وہ احرام سے باہر نہیں ہوا، یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (اپنی خلافت میں) تمتع اور قران (حج اور عمرہ کے اکٹھا) کرنے سے منع کرتے تھے چنانچہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو حج وعمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا اور کہا لبیك بعمرة و حجة (یعنی قران کیا) اور کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کسی کے کہنے سے ترک نہیں کر سکتا۔حدیث نمبر 793 :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (دور جاہلیت میں) لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا تمام دنیا کی برائیوں سے بڑھ کر ہے اور وہ لوگ ماہ محرم کو ماہ صفر قرار دے لیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اونٹ کی پیٹھ کا زخم (جو سفر حج میں اس پر کجاوا باندھنے سے اکثر آ جاتا ہے) اچھا ہو جائے اور نشان بالکل مٹ جائے اور صفر گزر جائے تو اس وقت عمرہ حلال ہے اس شخص کے لیے جو عمرہ کرنا چاہے۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے مکہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس احرام کو (توڑ کر اس کی بجائے) عمرہ (کا احرام) کر لیں پس یہ بات ان لوگوں کو بری معلوم ہوئی اور وہ لوگ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! کون سی بات احرام سے باہر ہونے کی کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب باتیں۔ (حدیث نمبر 794 :)

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ عمرہ کر کے احرام سے باہر ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کر کے احرام سے باہر نہیں ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے سر کے بال جمائے اور اپنی قربانی کے گلے میں ہار ڈال دیا، لہٰذا میں جب تک قربانی نہ کر لوں احرام سے باہر نہیں آ سکتا۔ (حدیث نمبر 795 :)

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ان سے تمتع کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا پس سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے حکم دیا کہ تم اطمینان سے تمتع کرو۔ اس آدمی نے کہا کہ پس میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ حج بھی عمدہ ہے اور عمرہ بھی مقبول ہے۔ پس میں نے یہ خواب سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے (شوق سے کرو)۔ حدیث نمبر 796 :

سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ قربانی لے گئے تھے اور سب صحابہ نے حج مفرد کا احرام باندھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم لوگ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کر کے احرام سے باہر آ جاؤ اور بال کتروا ڈالو پھر احرام سے باہر ہو کر ٹھہرے رہو یہاں تک کہ جب آٹھویں تاریخ ہو تو تم لوگ حج کا احرام باندھ لینا اور یہ احرام جس کے ساتھ تم آئے ہو اس کو تمتع کر دو۔ صحابہ نے عرض کی کہ ہم اس کو تمتع کر دیں حالانکہ ہم حج کا نام لے چکے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میں تم کو حکم دیتا ہوں وہی کرو اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی ویسا ہی کرتا جس طرح تم کو حکم دیتا ہوں لیکن اب مجھ سے احرام علیحدہ نہیں ہو سکتا جب کہ قربانی اپنی اپنی قربان گاہ پر نہ پہنچ جائے۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر 797 : کتاب الحج)

حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کی ممانعت کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت سلیم بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے حج کی نیت کی اور پھر اس کو فسخ کر کے عمرہ میں بدل دیا تو یہ درست نہ ہوگا بلکہ یہ امر ان لوگوں کے لیے خاص تھا جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا حج کا فسخ کرنا ہمارے لیے خاص ہے یا ہمارے بعد کے لوگوں کے لیے بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف تم لوگوں کے لیے خاص ہے۔ (سنن ابوداؤد، کتاب حج)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال کی توجیہ

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے طواف میں تین بار رمل کرنا اور چار بار چلنا سنت ہے؟ اس لئے کہ تمہارے لوگ کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ سچے بھی جھوٹے بھی ہیں۔ میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب کہ انہوں نے سچ بولا اور جھوٹ کہا؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تو مشرکوں نے کہا، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیت اللہ شریف کا طواف ضعف اور لاغری و کمزوری کے سبب نہیں کر سکتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تین بار رمل کریں اور چار بار عادت کے موافق چلیں۔ پھر میں نے کہا کہ ہمیں صفا اور مروہ کے درمیان میں سوار ہو کر سعی کرنے کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ سنت ہے؟ کیونکہ آپ کے لوگ اسے سنت کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ سچے بھی ہیں اور جھوٹے بھی۔ میں نے کہا کہ اس کا کیا مطلب؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تو لوگوں کی بھیڑ ایسی ہوئی کہ کنواری عورتیں تک باہر نکل آئیں اور لوگ کہنے لگے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خوش خلقی ایسی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے لوگ مارے نہ جاتے تھے (یعنی ہٹو بچو، جیسے امرائے دنیا کے واسطے ہوتی ہے، ویسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتی تھی) پھر جب لوگوں کی بڑی بھیڑ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے اور پیدل سعی کرنا افضل ہے۔ (صحیح مسلم، ۲۹۵۱)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ الفاظ کے بظاہر تعارض میں فقہاء نے کہا ہے کہ رمل کے سنت ہونے کا معنی یہ ہے جس طرح کفار کو اس وقت دیکھانا مقصود تھا۔ اب کافروں میں وہ دیکھنے کا خیال نہیں ہے۔ تاہم سنت اپنی جگہ پر موجود ہے جس طرح ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف بیان کر آئے ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر دیا وہ ہمارے سنت بن گیا۔

بَابُ الرَّجُلِ يَحُجُّ عَنْ غَيْرِهِ

باب: آدمی کا دوسرے کی طرف سے حج کرنا

1809 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمٍ تَسْتَفْتِيهِ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ. فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ

أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ. وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔ ایک خاتون جو خثعم قبیلے سے تعلق رکھتی تھی وہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور اس خاتون نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا۔ اس عورت نے عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج کے حوالے سے جو چیز فرض کی ہے وہ میرے بوڑھے عمر رسیدہ والد پر بھی فرض ہو گئی ہے' جو سواری پر بیٹھنے کے بھی قابل نہیں ہیں' تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے حج کر لوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ (راوی کہتے ہیں:) یہ حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے۔

1810 حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، بِمَعْنَاهُ قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَالِمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ، عَنْ أَبِي رَزِينٍ، قَالَ: حَفْصٌ فِي حَدِيثِهِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ، قَالَ: احْجُجْ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ

❁❁ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے والد ایک بوڑھے عمر رسیدہ شخص ہیں جو حج اور عمرہ کرنے کی اور سواری پر بیٹھنے کی استطاعت نہیں رکھتے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے والد کی طرف سے حج بھی کر لو اور عمرہ بھی کر لو۔

1811 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الطَّالَقَانِيُّ، وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَ إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَزْرَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ، قَالَ: مَنْ شُبْرُمَةُ؟ قَالَ: أَخٌ لِي أَوْ قَرِيبٌ لِي، قَالَ: حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا' میں شبرمہ کی طرف سے حج کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے عرض کی: وہ میرا بھائی ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) میرا قریبی عزیز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے حج کر لیا ہے؟ تو اس نے عرض کی: یارسول

1810- اسناده صحيح، ابو رزين: هو لقيط بن صبرة، ويقال: لقيط بن عامر. واخرجه ابن ماجه (2906)، والترمذي (947)، والنسائي في "الكبرى" (3603) من طريق وكيع بن الجراح، والنسائي (3587) من طريق خالد بن الحارث، كلاهما عن شعبة، بهذا الاسناد. وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. وهو في "مسند احمد" (16184)، و"صحيح ابن حبان" (3991).

اللہ! جی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم اپنی طرف سے حج کرو بعد میں شبرمہ کی طرف سے حج کر لینا۔

اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایصال ثواب کا بیان

اہل سنت وجماعت کے نزدیک اس باب میں قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں اختیار رکھتا ہے کہ وہ دوسرے کو ثواب پہنچائے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا اس کے علاوہ ہو۔ کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے دو مینڈھوں کی قربانی کی کہ ان سیاہی میں کچھ سفیدی ملی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک اپنی طرف سے جبکہ دوسرا اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے تھا جنہوں نے اللہ وحدانیت کا اقرار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکریوں میں ایک بکری کی قربانی اپنی امت کی طرف سے کی۔ (ہدایہ اولین، کتاب الحج، لاہور)

دوسروں کی طرف سے حج کرنے میں احادیث کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے کہا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ (حجۃ الوداع میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اتنے میں خشعم قبیلے کی ایک عورت آئی فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت فضل کو دیکھنے لگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فضل کا منہ دوسری طرف پھیرنے لگے اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ نے جو اپنے بندوں پر حج فرض کیا تو ایسے وقت کہ میرا باپ نہایت بوڑھا ہے۔ اور وہ اونٹنی پر جم نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ قصہ حج وداع کا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۱۵۱۴)

اگر کسی صاحب پر حج فرض تھا حج کی ادائیگی سے پہلے اُن کا انتقال ہو جائے اور اُنہوں نے حج کے متعلق وصیت نہیں کی تو ایسے صاحب کی جانب سے اگر ان کے ورثہ میں سے کوئی ان کی جانب سے حج کریں تو اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حج کو فرض حج کے قائم مقام کر دے اور مرحوم کی جانب سے حج کی فرضیت ساقط ہو جائے ہاں ورثہ کے علاوہ غیر وارث کوئی شخص حج کرے تو نفل حج ہوگا فریضہ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

اگر آپ کے والد پر حج فرض تھا جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ سفر حج کی تیاری ہو چکی تھی ان کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی وصیت نہیں کی تھی ایسی صورت میں ورثہ میں کوئی حج بدل کر لیں تو ان کی جانب سے ان شاء اللہ تعالیٰ فرض حج ادا ہو جائے گا والد یا والدہ کی جانب سے حج کرنا اولاد کے لئے بڑی سعادت وخوش بختی عظیم فضیلت وثواب کا باعث ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں۔

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج عن ابيه او امه فقد قضى عنه حجته و كان له فضل عشر حجج۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے والد یا والدہ کی جانب سے حج کیا یقیناً اس نے ان کی جانب حج ادا کر لیا اور اسے دس حج کی ادائیگی کی فضیلت حاصل ہے۔

(سنن الدارقطنی کتاب الحج حدیث نمبر: 2641)

امام طبرانی کی معجم اوسط میں روایت ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من حج عن والديه او قضى عنهما مغرما بعثه الله يوم القيامة مع الابرار۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ کی جانب سے حج کیا یا ان کی جانب سے قرض ادا کیا اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن نیکوکاروں کے ساتھ مبعوث فرمائے گا۔
(معجم اوسط طبرانی حدیث نمبر:7800) ردالمحتار کتاب الحج باب الحج عن الغیر میں ہے

الذی تحصل لنا من مجموع ما قررناه ان من اهل بحجة عن شخصين، فإن امراه بالحج وقع حجه عن نفسه البتة، وإن عين احدهما بعد ذلك .ولہ بعد الفراغ جعل ثوابه لهما او لاحدهما، وإن لم يامراه فكذلك إلا إذا كان وارثا و كان على الميت حج الفرض ولم يوص به فيقع عن الميت عن حجة الاسلام للامر دلالة وللنص، بخلاف ما إذا اوصى به لان غرضه ثواب الانفاق من ماله، فلا يصح تبرع الوارث عنه

امام بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کرسکیں اور ان کا انتقال ہوگیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے تو حج کر۔ کیا تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اسے ادا نہ کرتیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرضہ تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔
(صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

دارقطنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا" : جو اپنے والدین کی طرف سے حج کرے یا ان کی طرف سے تاوان ادا کرے، روزِ قیامت ابرار کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ (دارقطنی، ۲۵۸۵)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا" : جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے تو اُن کا حج پورا کر دیا جائے گا اور اُس کے لیے دس حج کا ثواب ہے۔ (دارقطنی، ۲۵۸۳)

زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا" : جب کوئی اپنے والدین کی طرف سے حج کریگا تو مقبول ہوگا اور اُن کی رُوحیں خوش ہوں گی اور یہ اللہ (عزوجل) کے نزدیک نیکوکار لکھا جائے گا۔ (دارقطنی، ۲۵۸۷)

ابوحفص کبیر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا، کہ ہم اپنے مُردوں کی طرف سے صدقہ کرتے اور اُن کی طرف سے حج کرتے اور ان کے لیے دُعا کرتے ہیں، آیا یہ اُن کو پہنچتا ہے؟ فرمایا: "ہاں بیشک ان کو پہنچتا ہے اور بے شک وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسے تمھارے پاس طبق میں کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو تم خوش ہوتے ہو۔ (مسلک متقسط)

صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، کہ ایک عورت نے عرض کی، یارسول اللہ ! (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے باپ پر حج فرض ہے اور وہ بہت بوڑھے ہیں کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا: "ہاں۔ (مسلک متقسط)

ابوداود و ترمذی ونسائی ابی رزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ! (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میرے باپ، بہت بوڑھے ہیں حج وعمرہ نہیں کر سکتے اور ہودج پر بھی نہیں بیٹھ سکتے۔ فرمایا" : اپنے باپ کی طرف سے حج وعمرہ کرو۔

دوسروں کی طرف سے حج کرنے میں فقہاء اربعہ کا مذہب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حج کے دوران) ایک شخص کو سنا کہ وہ شبرمہ کی طرف سے لبیک کہہ رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میرا بھائی ہے یا کہا کہ میرا قریبی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم اپنی طرف سے حج کر چکے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پہلے تم اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔ (شافعی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ جو شخص پہلے اپنا فرض حج نہ کر چکا ہو اس کو دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے۔

حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست ہے چاہے خود اپنا فریضہ حج ادا نہ کر پایا ہو۔ لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی اولیٰ یہی ہے کہ پہلے اپنا حج کرے اس کے بعد دوسرے کی طرف سے حج کرے چنانچہ ان کے مسلک کے مطابق اس حدیث میں پہلے اپنا حج کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے۔ ویسے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا یہ کہ منسوخ ہے اس لئے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ہے۔

" امام محی الدین نووی شافعی "شرح المہذب" (ج:۵ ص:۳۱۱) میں لکھتے ہیں کہ: "قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہلِ قبور کے لئے دُعا کرے، امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں۔" فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں بھی ایصالِ ثواب کی تصریحات موجود ہیں، اس لئے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی تو بلاشبہ دُرست ہے۔ (شرح المہذب" (ج:۵ ص:۳۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کی برکت سے مرنے کے بعد نفع پہنچانا

حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انس نے فرمایا: یہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک ہے۔ پس تم اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ وہ کہتے ہی میں نے وہ بال ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور انہیں اس حال میں دفنایا گیا کہ وہ بال ان کی زبان کے نیچے تھا۔ (کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

پس ثابت ہوا کہ اپنے اعمال کے ساتھ ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات بھی مرنے کے بعد نفع کا باعث ہوتے ہیں۔

رسول ﷺ کی پہنی ہوئی چادر سے مرنے کے بعد نفع حاصل کرنا

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا کہا ہم سے عبدالعزیز بن ابی حازم نے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے سہل بن سعد ساعدی سے کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور ایک بنی ہوئی حاشیہ دار چادر آپ ﷺ کے لئے تحفہ لائی۔ تم جانتے ہو چادر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا شملہ، سہل نے کہا ہاں شملہ۔ خیر وہ کہنے لگی یہ میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے اور میں اس لئے لائی ہوں کہ آپ ﷺ اس کو پہنیں۔ آنحضرت ﷺ کو چادر کی اس وقت احتیاج تھی۔ آپ ﷺ نے لے لی۔ باہر نکلے تو اسی کی تہ بند باندھے ہوئے ایک شخص (عبدالرحمن بن عوف) کہنے لگے کیا عمدہ چادر ہے۔ یہ مجھ کو عنایت کیجئے۔ لوگوں نے عبدالرحمن سے کہا تم نے اچھا نہیں کیا۔ تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو پہن لیا پھر تم نے کیسے مانگی؟ تم یہ بھی جانتے ہو کہ آپ ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ عبدالرحمن نے کہا خدا کی قسم! میں نے پہننے کے لئے نہیں مانگی بلکہ میں (نے اس لئے مانگی کہ) اس کو اپنا کفن کروں گا۔ سہل نے کہا پھر وہ ان کے کفن میں شریک ہوئی۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز)

اسی طرح کی ایک حدیث یہ بھی ہے کہ جب شیرِ خدا مولا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول ﷺ نے ان کی تجہیز و تکفین کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا۔ غسل کے بعد جب انہیں قمیص پہنانے کا موقع آیا تو رسول ﷺ نے اپنا کرتہ مبارک عورتوں کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ یہ کرتہ پہنا کر اوپر کفن لپیٹ دیں۔

(المعجم لاکبیر للطبرانی 2:24 2۔ الاستیعاب ابن عبدالبر 4:282 3۔ اسد الغابہ 7:213 4۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ 4:380)

حضور ﷺ کے پسینہ مبارک سے مرنے کے بعد نفع اٹھانا

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کیا ہم سے محمد بن عبداللہ انصاری نے کہا مجھ سے میرے والد نے انہوں نے ثمامہ سے انہوں نے انس سے، کہ ام سلیم (ان کی والدہ) آنحضرت ﷺ کے لئے ایک چمڑا بچھاتیں۔ آپ ﷺ اسی چمڑے پر ان کے پاس دن کو سو رہتے۔ جب آپ ﷺ سو جاتے تو ام سلیم کیا کرتیں، آپ ﷺ کے بدن کا پسینہ اور بالوں کو لیکر ایک شیشی میں ڈالتیں اور خوشبو میں ملا لیتیں (برکت کے لئے)۔ آپ ﷺ سوتے رہتے، ثمامہ کہتے ہیں جب حضرت انس مرنے لگے تو انہوں نے وصیت کی اُن کے کفن پر وہی خوشبو لگائی جائے، آخر وہی خوشبو اُن کے کفن پر لگائی گئی۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان)

صحابی کا حضور ﷺ کے عصا مبارک کو قبر میں حصول برکت کے لیے ساتھ رکھ کر دفن ہونا

عبداللہ بن انیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب میں نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: کامیاب ہونے والا چہرہ۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اس (خالد بن سفیان) کو قتل کر دیا ہے۔ تو اس پر رسول ﷺ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ پھر رسول ﷺ میرے ساتھ کھڑے ہوئے اور اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور مجھے عصا عطا کیا اور فرمایا: اے عبداللہ! اسے اپنے پاس رکھ۔ تو جب میں یہ عصا لیکر لوگوں کے سامنے نکلا تو انہوں نے کہا کہ یہ عصا کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یہ مجھے رسول ﷺ نے عطا کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اسے اپنے پاس رکھوں۔ تو لوگوں نے مجھے کہا: کہا تم اسے رسول ﷺ کو واپس نہیں کرو گے، تم اس کے متعلق رسول ﷺ سے

پوچھو؟ تو عبداللہ بن انیس کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ عصا مبارک آپ نے مجھے کس لیے عطا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز یہ تیرے اور میرے درمیان ایک نشانی ہوگی کہ جس دن بہت کم لوگ کسی کے ساتھ تعاون کرنے والے ہوں گے۔ عبداللہ نے اس عصا کو اپنی تلوار کے ساتھ باندھ لیا اور وہ ہمیشہ ان کے پاس رہتا یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔ انہوں نے عصا کے متعلق وصیت کی تھی کہ اس کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔ تو جب ان کا انتقال ہوا تو ہم نے ان کو اکھٹے دفن کر دیا۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد 3)

انس بن مالک سے ایک اور روایت ہے کہ ان کے پاس رسول ﷺ کی ایک چھوٹی سی چھڑی تھی، جب وہ فوت ہوئے تو وہ چھڑی ان کے ساتھ ان کی قمیص اور پہلو کے درمیان دفن کی گئی۔ (البدایہ والنہایہ)

پس ثابت ہوا کہ اپنے اعمال کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ کی تبرکات بھی مرنے کے بعد فائدہ دیتے رہتے ہیں۔

المختصر، یہ تمام احادیث ثابت کرتی ہیں کہ مرنے والوں کو نیک اعمال کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اُن کے درجات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ اعمال چاہے استغفار کی صورت میں ہوں، یا پھر مالی صدقہ یا روزہ اور حج جیسی عبادات، ان تمام چیزوں کی شریعت میں عام اجازت ہے۔

ابن تیمیہ:

قران خوانی اور صدقہ وغیرہ سا اعمال صالحہ میں سے (اہلِ قبور کو) مالی عبادات کا ثواب پہنچنے میں علماء اہل سنت والجماعت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جیسے صدقہ اور عتق (غلام کو آزاد کرنا) جس طرح کہ دعا و استغفار (کا ثواب) بھی فوت شدہ کو پہنچتا ہے اور اس نماز یعنی نماز جنازہ کا (ثواب بھی) اور قبر کے نزدیک دعا کرنے کا ثواب بھی (میت کو پہنچتا ہے) اور اختلاف کیا ہے علماء نے اعمال بدنیہ کے پہنچنے میں جیسے روزہ، نماز اور قران خوانی۔ اور حق یہ ہے کہ سب اعمال (کا ثواب مالی ہو یا بدنی) میت کو پہنچتا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص فوت ہوا اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے اور یہ بھی رسول سے ثابت ہے کہ ایک عورت جس کی ماں فوت ہو گئی تھی اور اس پر روزہ تھا رسول ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھے اور رسول ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمر بن عاص کو فرمایا اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا اور تو اس کی طرف سے صدقہ کرتا یا روزہ رکھتا یا اس کی طرف سے غلام آزاد کرتا تو اسے ان اعمال سے نفع ہوتا اور یہ مذہب امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا اور امام مالک اور امام شافعی کے اصحاب کے ایک گروہ کا ہے (اور آیت قران وان لیس الانسان الا ما سعی) سے جو بعض دلیل پکڑتے ہیں عدم وصولِ ثواب پر تو جواباً ان سے کہا جائے گا کہ تحقیق یہ بات سنتِ متواترہ سے ثابت ہے کہ میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اس کے لیے دعا کی جاتی ہے اور اس کے لیے مغفرت طلب کی جاتی ہے اور یہ سب کچھ اُس کی غیر سعی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۲۴ صفحہ ۳۹۷)

ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

تحقیق نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ مردے کو روزے کا بھی ثواب ملتا ہے حالانکہ روزہ محض ترک ہے (کھانا پینا اور جماع

وغیرہ) اور نیت ہے جس کا تعلق دل سے ہے جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں اور اعضاء کا عمل نہیں ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ قرات کا بھی ثواب بطریق اولیٰ میت کو پہنچتا ہے جو کہ زبان کا عمل ہے جسے کان سنتے اور آنکھیں دیکھتی ہیں یعنی روزہ محض نیت ہے اور کھانے پینے اور صحبت سے بچنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مردے کو روزے کا ثواب پہنچا دیا تو قرات کا جو عمل اور نیت دونوں ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بدرجہ اولیٰ پہنچا دے گا گویا کہ روزے کے ثواب پہنچنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب پہنچتا ہے اور عبادت کی دو قسمیں ہیں مالی اور بدنی۔ اور بیشک شارع علیہ السلام نے صدقہ کا ثواب بتا کر اشارہ کیا کہ تمام مالی عبادتوں کا ثواب پہنچتا ہے اور روزے کے ثواب سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ تمام بدنی عبادتوں کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے اور حج کا ثواب بتا کر اشارہ کیا کہ تمام بدنی و مالی عبادتوں کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ پس تینوں اقسام بدنی۔ مالی اور ملی جلی کا ثواب نص اور اعتبار سے ثابت ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۳۰۸)

ابن قیم الجوزیہ مزید فرماتے ہیں:

اور اس پر اجماع امت ہے کہ اگر میت کی طرف سے قرض ادا کر دیا جائے تو وہ ادا ہو جاتا ہے اگرچہ اجنبی کی طرف سے ادا کیا جائے یا اس کے ترکہ کے علاوہ میں سے اور بے شک اس پر حدیث ابوقتادہ دلالت کرتی ہے جیسے وہ ایک میت کی طرف سے دو دیناروں کے ضامن بن گئے تھے [نوٹ: پس اس سے ثابت ہوا کہ مالی صدقہ دینے کے لیے نیابت یا ولی کی بحث اہلحدیث کا قیاسی مذہب ہے]۔ پس جب انہوں نے ان کو ادا کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اب مرنے والا سکون سے ہے۔ اور اس پر بھی اجماع امت ہے کہ جب کسی زندہ شخص کا مردے پر حق ہو پس وہ اس سے اسے بری کر دے تو معاف کرنا بھی اسے نفع دے گا اور وہ اس سے بری ہو جائے گا جس طرح زندہ کو معاف کرنے سے حق ساقط ہو جاتا ہے۔ پھر نص و اجماع سے زندہ شخص کو معاف کرنے سے حق ساقط ہو جاتا ہے جبکہ اس کی ادائیگی کا امکان بھی باقی ہے تو مردے کی طرف سے بدرجہ اولیٰ معافی سے حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ وہ ادا کرنے پر قادر نہیں اور جب مردوں کو زندوں کی معافی کا فائدہ پہنچتا ہے تو ان کے تحفوں اور ہدیوں کا بھی فائدہ پہنچنا چاہیے کیونکہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ عمل کا ثواب ہدیہ دینے والے کا حق ہے۔ جب اس نے یہ ثواب میت کے لیے ہبہ کر دیا تو اس کی طرف سے منتقل ہو گیا جس طرح میت پر حقوق میں سے کوئی حق ہو قرضہ وغیرہ جو کہ محض زندہ کا حق ہے۔ پس جب اس نے اس کو اس سے بری کر دیا تو یہ بری کرنا اسے پہنچ جاتا ہے اور اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے تو یہ دونوں ہی زندہ کا حق ہیں پس کون سی نص قیاس یا شرعی قانون ہے کہ ایک کا پہنچنا واجب کرے اور دوسرے کا پہنچنا ممنوع قرار دے؟

(کتاب الروح صفحہ ۳۰۶)

امام نووی (شارح صحیح مسلم)

اور اس حدیث کی بناء پر علماء نے قبر پر قرآن پڑھنے کو مستحب جانا ہے اس لیے کہ جب کھجور کی شاخ کی تسبیح سے تخفیفِ عذاب کی امید ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بدرجہ اولیٰ امید ہوئی واللہ اعلم اور بے شک امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ بریدہ بن حصیب اسلمی صحابی نے وصیت کی کہ اُن کی قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں۔ حضرت بریدہ نے نبی اکرم ﷺ کے فعل سے

برکت حاصل کی۔ (مسلم مع شرح نووی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۱)

پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہی راجح ہے کہ تخفیفِ عذاب ان شاخوں کی تسبیح کی وجہ سے ہے۔

اور یہی صحابہ نے سمجھا اور اسی پر عمل کی اور وصیت بھی فرماتے رہے کہ ہماری قبر پر سبز شاخیں رکھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ درختوں وغیرہ کی تسبیح سے قبر کے عذاب میں تخفیف واقع ہوتی ہے۔ تو اگر وہاں تلاوت قران پاک یا ذکر وغیرہ کیا جائے تو بدرجہ اولیٰ فائدہ مند ہوگا۔

امام قرطبی:

ہمارے بعض علماء نے میت کو ثواب پہنچنے پر حدیثِ عسیب سے استدلال کیا ہے اور وہ یہ کہ رسول ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ دو قبر والوں پر عذاب ہورہا ہے تو آپ ﷺ نے ایک تر شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں قبروں پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گی قبر والوں سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

خطابی کہتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک یہ اس بات پر محمول ہے کہ جب تک اشیاء اپنی اصل حالت پر رہتی ہیں سبز یا تر رہتی ہیں تو خدا کی تسبیح کرتی ہیں۔ خطابی کے علاوہ بھی دیگر علماء کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ درختوں وغیرہ کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے تو مومن اگر قبر کے پاس قران پڑھے گا تو کیا حال ہوگا۔ کہا اور یہ حدیث قبروں کے پاس درخت لگانے کی بھی اصل ہے۔

بَابُ كَيْفَ التَّلْبِيَةُ

باب: تلبیہ کیسے پڑھا جائے

1812 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ. قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَزِيدُ فِي تَلْبِيَتِهِ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ، وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ.

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے تلبیہ کے یہ الفاظ تھے۔

''میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں حاضر ہوں، بے شک حمد اور نعمت تیرے لیے مخصوص ہے اور بادشاہی بھی، تیرا کوئی شریک نہیں ہے''۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تلبیہ میں ان الفاظ کا اضافہ کرتے تھے۔

''میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں سعادت مندی تجھ سے ہی حاصل ہوسکتی ہے اور بھلائی تیرے دست قدرت میں ہے، رغبتیں (امیدیں) اور عمل تیری طرف جاتا ہے''۔

1813 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، حَدَّثَنَا اَبِي، عَنْ جَابِرٍ

بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: اَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ التَّلْبِيَةَ مِثْلَ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَالنَّاسُ يَزِيْدُوْنَ ذَا الْمَعَارِجِ وَنَحْوَهُ مِنَ الْكَلَامِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ فَلَا يَقُوْلُ لَهُمْ شَيْئًا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھا اس کے بعد وہ تلبیہ کے وہی الفاظ نقل کرتے ہیں: جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نقل کردہ روایت میں ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں۔

''لوگ اس میں لفظ ذا المعارج یا ان جیسے دیگر کلمات کا اضافہ کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ نہیں فرمایا''۔

1814 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ الْاَنْصَارِيِّ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَنِيْ اَنْ آمُرَ اَصْحَابِيْ وَمَنْ مَعِيَ اَنْ يَرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوْ قَالَ: بِالتَّلْبِيَةِ يُرِيْدُ اَحَدَهُمَا

خلاد بن سائب انصاری اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا: میں اپنے اصحاب اور اپنے ساتھ افراد کو یہ حکم دوں کہ وہ بلند آواز میں تلبیہ پڑھیں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) تلبیہ پڑھیں (راوی کہتے ہیں:) ان دونوں میں سے کوئی ایک مراد ہے۔

مختلف احوال میں تلبیہ پڑھنے میں متفرق نظریہ

تلبیہ ہر فریضہ اور نافلہ نمازوں کے بعد پڑھو! حتیٰ کہ جب تمہاری سواری چل پڑے، یا جب کسی بلند جگہ سے عبور کرو، یا کسی وادی سے تمہارا گزر ہو، یا کسی سوار کو دیکھو، یا نیند سے بیدار ہو اور سحر کے وقت اٹھ کر بھی پڑھو اور جتنا زیادہ ہو سکے اسے پڑھو، بلکہ بلند آواز سے پڑھو اور جان لو کہ کلام کے شروع میں جو چار تلبیات گزری ہیں ان کا پڑھنا لازم اور ضروری ہے، چونکہ وہ فرض ہیں اور یہی توحید بھی ہے، انبیاء علیہ السلام نے بھی انہی کے ذریعے لبیک کہی ہے اور وہ تلبیہ جس میں ذی المعارج کے ذریعے لبیک ہے اسے زیادہ پڑھو، کیونکہ حضرت نبی اکرم اسے زیادہ پڑھتے تھے اور سب سے پہلا شخص جنہوں نے لبیک کہی ہے، للہذا ہر خبیث چیز کو محو کر دیتا ہے اور ہر خبیث وسرکش شیطان کو دھتکار دیتا ہے جیسے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: یہاں خبائث کو محو کر دیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ قارون اور اس کے خزانے زمین میں دھنس گئے تھے۔

اور چونکہ حج خالص توحید ہے اور اس میں کسی قسم کا شرک نہیں ہے بلکہ جو بت بھی ہو اور جیسا بھی صنم ہو اسے حج میں دھتکارا جاتا ہے للہذا اسی سے مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہونے کے استحباب کا راز بھی معلوم ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھوں پر چڑھ کر، کعبہ کے اوپر نصب شدہ ہبل نامی بت کو نیچے گرایا تو اسے باب بنی شیبہ کے پاس ہی زمین میں گاڑ دیا گیا، تو اس کے بعد سے باب بنی شیبہ سے مسجد حرام میں داخل ہونا سنت بن گیا۔

تلبیہ والا ذکر بلند آواز کے ساتھ کرنے کا بیان

اور وہ بلند آواز سے تلبیہ کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: افضل حج آواز کو بلند کرنا اور خون بہانا ہے لہٰذا حج کا مطلب تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنی ہے۔ اور اسی طرح حج کا معنی خون بہانا (قربانی) ہے۔

تلبیہ میں آواز بلند کرنے کا حکم

حضرت خلاد بن سائب اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے یہ امر کیا کہ میں اپنے صحابہ کو اس بات کا حکم دوں کہ وہ اہلال یا تلبیہ میں اپنی آوازیں بلند کریں۔

(مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

بآواز بلند لبیک کہنا مردوں کے لئے مستحب ہے لیکن آواز کو اتنا بلند نہ کرنا چاہئے جس سے تکلیف پہنچے، عورتیں اتنی آہستہ آواز سے لبیک کہیں کہ وہ خود ہی سن سکیں دوسروں تک ان کی آواز نہ پہنچے۔

عورت کی آواز بلند ہونے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ، میں لکھتے ہیں۔

قال بعض أهل العلم : إنما كره التسبيح للنساء وأبيح لهن التصفيق من أجل أن صوت المرأة رخيم في أكثر النساء وربما شغلت بصوتها الرجال المصلين معها .

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ : عورتوں کے لیے "سبحان اللہ" کی کراہت اور تالی کی اجازت اس لیے ہے کہ اکثر عورتوں کی آواز اور گفتگو میں نرمی ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایسی آواز سن کر مرد اسی میں مشغول ہو جائیں۔ ("التمهيد")

تو شارع نے جب صرف "سبحان اللہ" جیسے مختصر کلام سے ہی عورتوں کو روکا ہے تو کیسے "اذاں" جیسے طویل کلام کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

نماز میں کوئی معاملہ بن جائے تو مرد حضرات کے لیے شریعت نے "سبحان اللہ" کہنا مباح کیا ہے، لیکن عورت کو "سبحان اللہ" کہنے کی اجازت نہیں دی تا کہ اس کی آواز مرد نہ سنیں، بلکہ اسے دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہلکی سی تالی بجانے کا حکم دیا ہے، اور اسی طرح تلبیہ کہنے اور اذان اور سلام کے جواب میں بھی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسی موقف کی تائید میں فقہاء اربعہ کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

احناف کی فقہی کتاب "فتح القدیر" کی شرح میں کمال الدین السیواسی کہتے ہیں۔

النوازل میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز ستر ہے، اس بنا پر میرے نزدیک کسی عورت کا نابینا آدمی کی بجائے عورت سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ وہ کہتے ہیں: کیونکہ عورت کی آواز ستر ہے، اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ": مرد سبحان اللہ کہیں، اور عورتیں تالی بجائیں" اس لیے اچھا نہیں کہ عورت کی آواز مرد سنے۔ (شرح فتح القدیر (1/260)

فقہ مالکیہ کی کتاب "شرح مختصر خلیل" میں درج ہے۔

"اور الناصر نے بیان کیا ہے کہ : عورت کی آواز سننے سے اگر لذت حاصل ہونے کا خدشہ ہو تو اسے اس حیثیت میں بلند کرنا جائز نہیں، نہ تو جنازہ میں، اور نہ ہی شادی بیاہ کے موقع پر، چاہے وہ نوجوان ہو یا نہ، لیکن بوڑھی عورتوں کی آواز سننا حرام نہیں : (شرح مختصر خلیل للخرشی (1،276)

اور کتاب الام میں امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم ہے، اس لیے عورت کی آواز کوئی شخص بھی نہ سنے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ پردہ کا باعث ہے، اور نہ ہی عورت تلبیہ میں اپنی آواز بلند کرے، بلکہ صرف اپنے آپ کو ہی سنائے "(کتاب الام((2، 156)

اور فقہ شافعی کی کتاب "روضۃ الطالبین "میں درج ہے۔ اگر عورت کا دروازہ کوئی مرد کھٹکھٹائے تو عورت کو چاہیے کہ وہ نرم اور سریلی آواز میں جواب نہ دے، بلکہ اپنی آواز میں سختی پیدا کرے۔ (روضۃ الطالبین (7، 21)

اور فقہ حنبلی کی کتاب "الانصاف "میں لکھا ہے: صالح کی روایت میں ہے کہ امام احمد کا قول ہے: بڑی عمر کی عورت کو سلام کیا جائے گا، لیکن نوجوان لڑکی نہ بولے، قاضی کہتے ہیں: یہ اس لیے کہ کہیں اس کی آواز سے فتنہ میں پڑ جائے، اور مذہب اسے مطلق کہا ہے، دونوں روایتوں کی بنا پر لذت سے آواز سننا حرام ہے، چاہے قرآت کی ہو۔ قاضی کہتے ہیں: عورت کی آواز سننے سے منع کیا جائے گا۔ (الانصاف (8 ج،31ص)

بَابُ مَتٰى يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ

باب: تلبیہ پڑھنا کب ختم کیا جائے

1815 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبّٰى حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ

❀❀ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کی رمی کرنے تک تلبیہ پڑھتے رہے۔

1816 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: غَدَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِنًى إِلٰى عَرَفَاتٍ مِنَّا الْمُلَبِّي وَمِنَّا الْمُكَبِّرُ

❀❀ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم لوگ منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہوئے' تو ہم میں سے کچھ لوگ تلبیہ پڑھ رہے تھے اور کچھ تکبیر کہہ رہے تھے۔

بَابُ مَتٰى يَقْطَعُ الْمُعْتَمِرُ التَّلْبِيَةَ

باب: عمرہ کرنے والا تلبیہ پڑھنا کب ختم کرے گا

1817 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُلَبِّي الْمُعْتَمِرُ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَهَمَّامٌ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''عمرہ کرنے والا اس وقت تک تلبیہ پڑھے گا' جب تک وہ حجر اسود کا استلام نہیں کر لیتا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ روایت عبدالملک بن ابوسلیمان اور ہمام کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے موقوف روایت کے طور پر نقل کی ہے۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يُؤَدِّبُ غُلَامَهُ

باب: محرم کا اپنے غلام کو ادب سکھانا (یا سزا دینا)

1818 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، قَالَ ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حُجَّاجًا حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْعَرْجِ نَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَزَلْنَا فَجَلَسَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا إِلٰى جَنْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَجَلَسْتُ إِلٰى جَنْبِ أَبِي وَكَانَتْ زِمَالَةُ أَبِي بَكْرٍ وَزِمَالَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً مَعَ غُلَامٍ لِأَبِي بَكْرٍ فَجَلَسَ أَبُو بَكْرٍ يَنْتَظِرُ أَنْ يَطْلُعَ عَلَيْهِ فَطَلَعَ وَلَيْسَ مَعَهُ بَعِيرُهُ قَالَ: أَيْنَ بَعِيرُكَ؟ قَالَ: أَضْلَلْتُهُ الْبَارِحَةَ، قَالَ: فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: بَعِيرٌ وَاحِدٌ تُضِلُّهُ قَالَ: فَطَفِقَ يَضْرِبُهُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ وَيَقُولُ: انْظُرُوا إِلٰى هٰذَا الْمُحْرِمِ مَا يَصْنَعُ قَالَ ابْنُ أَبِي رِزْمَةَ فَمَا يَزِيدُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَنْ يَقُولَ: انْظُرُوا إِلٰى هٰذَا الْمُحْرِمِ مَا يَصْنَعُ وَيَتَبَسَّمُ

یحییٰ بن عباس اپنے والد کے حوالے سے سیّدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کرنے کے لیے روانہ ہوئے' یہاں تک کہ جب ہم عرج کے مقام پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا۔ ہم نے بھی پڑاؤ کیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ گئیں میں اپنے والد کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کے ساتھ ایک اونٹنی پر تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے اس بات کا انتظار کر

رہے تھے کہ وہ آجائے۔ جب وہ آیا تو اس کے ساتھ اس کا اونٹ نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تمہارا اونٹ کہاں ہے، تو اس نے کہا: وہ گزشتہ رات مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: صرف ایک ہی اونٹ تھا اسے بھی تم نے گم کر دیا ہے؟ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے یہ فرما رہے تھے: اس محرم کو دیکھو یہ کیا کر رہا ہے۔

ابن ابورزمہ نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:
''اس محرم کو دیکھو کہ کیا کر رہا ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔

بَابُ الرَّجُلِ يُحْرِمُ فِي ثِيَابِهِ

باب: آدمی کا (عام سلے ہوئے) کپڑوں میں احرام باندھنا

1819 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً، اَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ، عَنْ اَبِيهِ، اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْجِعْرَانَةِ وَعَلَيْهِ اَثَرُ خَلُوقٍ اَوْ قَالَ: صُفْرَةٍ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ تَأْمُرُنِي اَنْ اَصْنَعَ فِي عُمْرَتِي؟، فَاَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيَ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ، قَالَ: اَيْنَ السَّائِلُ عَنِ الْعُمْرَةِ؟، قَالَ: اغْسِلْ عَنْكَ اَثَرَ الْخَلُوقِ اَوْ قَالَ: اَثَرَ الصُّفْرَةِ، وَاخْلَعِ الْجُبَّةَ عَنْكَ وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا صَنَعْتَ فِي حَجَّتِكَ.

❁❁ صفوان بن یعلی رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جعرانہ میں موجود تھے اس شخص (کے لباس پر) خلوق (مخصوص قسم کی خوشبو) یا زرد (رنگ کی خوشبو) کا نشان تھا۔ اس نے جبہ (یعنی سلے ہوئے کپڑے) پہنے ہوئے تھے۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا ہدایت کرتے ہیں کہ میں عمرہ کیسے کروں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرہ کے بارے میں دریافت کرنے والا شخص کہاں ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم خوشبو کے نشان کو اپنے اوپر سے دھو دو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) زردی کے نشان کو (دھو دو) اور جبہ اتار دو اور اپنے عمرے میں ویسا ہی کرو جو تم حج میں کرتے ہو (یعنی حج کی طرح کا احرام باندھو)

1820 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ، عَنْ اَبِي بِشْرٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ، وَهُشَيْمٌ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ اَبِيهِ، بِهَذِهِ الْقِصَّةِ، قَالَ فِيهِ: فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اخْلَعْ جُبَّتَكَ فَخَلَعَهَا مِنْ رَاْسِهِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

❁❁ حضرت صفوان بن یعلی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنا جبہ اتار دو''۔ تو اس نے اپنے سر کی

طرف سے اسے اتار دیا۔ اس کے بعد راوی نے پوری حدیث نقل کی ہے۔

1821 حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ الرَّمْلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنِ ابْنِ يَعْلَى ابْنِ مُنْيَةَ، عَنْ أَبِيهِ، بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ فِيهِ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْزِعَهَا نَزْعًا، وَيَغْتَسِلَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

✿✿ یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں' جس میں یہ الفاظ ہیں:

''نبی اکرم ﷺ نے اسے جبہ اتارنے کا حکم دیا اور اسے دو مرتبہ یا تین مرتبہ (اس جبے کو) دھونے کا حکم دیا''۔

اس کے بعد راوی نے پوری حدیث نقل کی ہے۔

1822 حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ، يُحَدِّثُ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَقَدْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُصَفِّرٌ لِحْيَتَهُ وَرَأْسَهُ، وَسَاقَ هَذَا الْحَدِيثَ

✿✿ صفوان بن یعلیٰ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک شخص جعرانہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے احرام باندھا ہوا تھا' اور جبہ پہنا ہوا تھا اس نے اپنی داڑھی اور سر پر زرد رنگ (کی خوشبو) لگائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد راوی نے پوری حدیث نقل کی ہے۔

سلوا کپڑا کسی قسم کا ہو اس کے پہننے میں ممانعت کا بیان

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں ": حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے درج ذیل اشیاء بھی اس کے معنی میں آئینگی مثلا قمیص اور سلوار اور پاجامہ اور ٹوپی وغیرہ بھی سلے ہوئے لباس میں شامل ہوں گی، اس لیے سب اہل علم کے ہاں احرام کی حالت میں یہ اشیاء پہننا جائز نہیں ہوں گی. دیکھیں: التمہید 104/15

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے: مسلمان اس پر متفق اور جمع ہیں کہ اس حدث میں احرام کی حالت میں محرم شخص کے لیے جن اشیاء کی ممانعت کا ذکر ہے اس میں قمیص اور پاجامہ سے ہر سلے ہوئے لباس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اور پگڑی اور برانڈی کہہ کر سر چھپانے والی ہر سلی ہوئی چیز اور موزے کہہ کر ہر ستر چھپانے والی چیز شمار کی گئی ہے "انتہی

اور ابن دقیق العید نے دوسرا اجماع اہل قیاس کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جو کہ واضح ہے. سلے ہوئے لباس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز جو کسی جسم کے مخصوص حصہ کے لیے بنایا گیا ہو، چاہے بدن کے کسی ایک حصہ کے لیے ہو "انتہی دیکھیں: فتح الباری (3 /. (402

لنگوٹ کے جواز کے قائلین حضرات نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا نے بار برداری کا کام کرنے والوں کو لنگوٹ پہننے کی اجازت دی تھی. اور اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی لنگوٹ پہنا کرتے تھے. عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بیان کرتے ہیں کہ: باب ہے احرام کے وقت خوشبو لگانے اور احرام باندھنے کا ارادہ کرتے وقت کیا پہنے ... عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج کو اٹھانے والوں کے لیے لنگوٹ

پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں"۔ (صحیح بخاری، 558 ، 2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر سعید بن منصور نے عبد الرحمن بن قاسم عن ابیہ کے طریق سے عائشہ رضی اللہ عنہا تک موصول بیان کیا ہے کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج کیا تو ان کے ساتھ ان کے دو غلام بھی تھے، جب وہ ان کا کجاوہ اٹھاتے تو ان کا کچھ ستر کھل جاتا، اس لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں لنگوٹ پہننے کا حکم دیا، تو وہ احرام کی حالت میں لنگوٹ پہنا کرتے تھے۔

اس میں ابن تین کے قول " : اس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارادہ عورتیں ہیں " کا رد پایا جاتا ہے، کیونکہ عورتیں تو سلا ہوا لباس زیب تن کرتی ہیں، لیکن مرد حالت احرام میں ایسا نہیں کر سکتے، لگتا ہے کہ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے ہے جو انہوں نے اختیار کی تھی، وگرنہ اکثر فقہاء اور علماء تو حالت احرام میں لنگوٹ اور سلوار و پاجامہ پہننے کی ممانعت میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔

(فتح الباری(3/397).)

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا اثر: ابن ابی شیبہ نے حبیب بن ابو ثابت سے بیان کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو میدان عرفات میں لنگوٹ پہنے ہوئے دیکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ (6 /.(34)

یہ بھی ضرورت پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ اخبار المدینۃ (3 / 1100) میں ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ایام میں زخمی ہوئے تھے جس کی بنا پر ان کا پیشاب پر کنٹرول نہیں تھا کیونکہ اس اثر میں "فلا یستمسک بولی "کے الفاظ ہیں کہ میرا پیشاب نہیں رکتا تھا۔

اور النھایۃ غریب الاثر (2 / 126) میں درج ہے: عبد خیر کی حدیث میں ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے انڈر ویئر پہنا ہوا تھا، اور انہوں نے فرمایا: مجھے مثانہ تکلیف ہے" الدقرارۃ انڈر ویئر یا پھر لنگوٹ کو کہا جاتا ہے جس سے صرف شرمگاہ چھپائی جاتی ہو۔

اور الممثون: مثانہ کی بیماری کے شکار شخص کو کہا جاتا ہے۔ اور لسان العرب میں درج ہے:

"عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے لنگوٹ پہن کر نماز ادا کی اور فرمایا: مجھے مثانہ کی تکلیف ہے۔ (لسان العرب (13 /.(71)

اگر بالفرض یہ آثار ثابت نہ بھی ہوں تو بھی دلالت کرتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ محرم شخص کو لنگوٹ پہننے سے روکا جائے گا، اور عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت کو ضرورت پر محمول کیا جائے گا، اور اس میں لنگوٹ پہننے سے فدیہ دینے کی نفی نہیں پائی جاتی، اور اسی طرح عمار رضی اللہ عنہ کے اثر کو بھی مثانہ کی تکلیف کی بنا پر لنگوٹ پہننے کو ضرورت پر محمول کیا جائے گا۔

عبد اللہ بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا اور انہیں میں نے فدیہ کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے ": یہ خاص کے لیے نازل ہوا تھا لیکن تمہارے لیے یہ عام ہے، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا کہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے خیال میں تمہیں بہت زیادہ

تکلیف ہو رہی ہے کیا تیرے پاس بکری ہے تو میں نے عرض کیا: نہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تین روزے رکھو یا پھر چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر مسکین کو نصف صاع دو" (صحیح بخاری حدیث نمبر (1721) صحیح مسلم حدیث نمبر (1201 .)

بَابُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ

باب: احرام والا شخص کون سے لباس پہن سکتا ہے

1823 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ اَبِيْهِ، قَالَ: سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَتْرُكُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ، فَقَالَ: لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ وَرْسٌ وَلَا زَعْفَرَانٌ وَلَا الْخُفَّيْنِ، اِلَّا لِمَنْ لَّا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ، فَمَنْ لَّمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ.

❁❁ سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا احرام والا شخص کون سے کپڑے نہیں پہن سکے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قمیص نہیں پہنے گا، ٹوپی نہیں پہنے گا، شلوار نہیں پہنے گا، عمامہ نہیں پہنے گا، ایسا کوئی کپڑا نہیں پہنے گا' جس پر ورس یا زعفران لگا ہو۔ موزے نہیں پہنے گا' البتہ جس شخص کو جوتے نہیں ملتے اس کا حکم مختلف ہے' جس شخص کو جوتے نہیں ملتے وہ موزے پہن لے گا' اور ان کو اتنا کاٹ لے گا کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں۔

1824 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ.

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

1825 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَزَادَ وَلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْاَةُ الْحَرَامُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيْثَ حَاتِمُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ، وَيَحْيَى بْنُ اَيُّوبَ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَلٰى مَا قَالَ اللَّيْثُ. وَرَوَاهُ مُوسَى بْنُ طَارِقٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ. وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَمَالِكٌ، وَاَيُّوبُ مَوْقُوْفًا. وَاِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيْدٍ الْمَدِيْنِيُّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمُحْرِمَةُ لَا تَنْتَقِبُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: اِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيْدٍ الْمَدِيْنِيُّ: شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَيْسَ لَهُ كَبِيرُ حَدِيْثٍ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اس کی مانند روایت نقل کرتے ہیں: تاہم اس روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''احرام والی عورت نقاب نہیں کرے گی اور دستانے نہیں پہنے گی''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ روایت حاتم بن اسمٰعیل اور یحییٰ بن ایوب نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے نافع کے حوالے سے نقل کی ہے جیسا کہ لیث نے روایت کی ہے' جبکہ موسیٰ بن طارق نے یہ روایت موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف روایت کے طور پر نقل کی ہے۔

عبیداللہ بن عمر' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایوب نے بھی اسے موقوف روایت کے طور پر نقل کیا ہے۔

ابراہیم بن سعید مدنی نے نافع کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

''احرام والی عورت نقاب بھی نہیں پہنے گی اور دستانے بھی نہیں پہنے گی''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابراہیم بن سعید مدنی نامی راوی اہل مدینہ کے بزرگوں میں سے ایک ہیں البتہ یہ علم حدیث میں زیادہ ماہر نہیں ہیں۔

1826 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَدِينِيُّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْمُحْرِمَةُ لَا تَنْتَقِبُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''احرام والی عورت نقاب نہیں پہنے گی اور دستانے نہیں پہنے گی''۔

1827 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: فَإِنَّ نَافِعًا مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، حَدَّثَنِي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى النِّسَاءَ فِي إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ، وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ، وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذَلِكَ مَا أَحَبَّتْ مِنْ أَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرًا أَوْ خَزًّا أَوْ حُلِيًّا أَوْ سَرَاوِيلَ أَوْ قَمِيصًا أَوْ خُفًّا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ نَافِعٍ عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، إِلَى قَوْلِهِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلَمْ يَذْكُرَا مَا بَعْدَهُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو (احرام کے دوران دستانے پہننے اور نقاب کرنے سے منع کر دیا اور ایسا لباس پہننے سے منع کیا) جس پر ورس یا زعفران لگا ہو' البتہ ان کے علاوہ وہ جس بھی رنگ کے چاہیں کپڑے پہن سکتی ہیں خواہ وہ زرد رنگ کے ہوں' یا ریشم کے ہوں' یا زیور ہوں' یا شلوار ہو یا قمیص ہو یا موزہ ہو۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ روایت ابن اسحٰق کے حوالے سے نافع سے عبدہ اور محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحٰق سے نقل کی ہے' جو ان الفاظ تک ہے۔

''وہ کپڑا جس پر ورس یا زعفران لگا ہو'' راوی نے اس کے بعد کا حصہ نقل نہیں کیا۔

1828 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ وَجَدَ الْقُرَّ، فَقَالَ: أَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ، فَأَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ: تُلْقِي عَلَيَّ هَذَا وَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے ایک دفعہ انہیں سردی محسوس ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے نافع! میرے اوپر کوئی کپڑا ڈال دو۔ میں نے ان پر برنس ڈال دی تو انہوں نے فرمایا: تم مجھ پر یہ ڈال رہے ہو جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام والے شخص کو اسے پہننے سے منع کیا ہے۔

1829 حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: السَّرَاوِيلُ لِمَنْ لَا يَجِدُ الْإِزَارَ، وَالْخُفُّ لِمَنْ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا حَدِيثُ أَهْلِ مَكَّةَ وَمَرْجِعُهُ إِلَى الْبَصْرَةِ إِلَى جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَالَّذِي تَفَرَّدَ بِهِ مِنْهُ ذِكْرُ السَّرَاوِيلِ وَلَمْ يَذْكُرِ الْقَطْعَ فِي الْخُفِّ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا:
''شلوار پہننے کی اجازت اس شخص کو ہے' جسے تہبند نہیں ملتا اور موزے پہننے کی اجازت اس کو ہے' جسے جوتے نہیں ملتے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ اہل مکہ کی نقل کردہ روایت ہے' لیکن اس کا محور اہل بصرہ ہیں اس کی سند جابر بن زید تک جاتی ہے اور ان سے اس روایت میں شلوار کا ذکر کرنے میں (اس سند کے راوی) منفرد ہیں۔ اس راوی نے موزے کو کاٹ دینے کا بھی ذکر نہیں کیا۔

1830 حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْجُنَيْدِ الدَّامِغَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ بِنْتُ طَلْحَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهَا، قَالَتْ: كُنَّا نَخْرُجُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَكَّةَ فَنُضَمِّدُ جِبَاهَنَا بِالسُّكِّ الْمُطَيَّبِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ، فَإِذَا عَرِقَتْ إِحْدَانَا سَالَ عَلَى وَجْهِهَا فَيَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَنْهَاهَا

1830- حديث صحيح، وهذا اسناد قوي، الحسين بن الجنيد الدامغاني لا باس به. لكنه قد توبع ابو اسامة: هو حماد بن اسامة. واخرجه اسحاق بن راهويه في "مسنده" (1772) و (1797)، والبيهقي 48/5 من طريق ابي اسامة، بهذا الاسناد. واخرجه اسحاق (1021) و (1022)، واحمد في "مسنده" (24502) و (25062)، وابو يعلى (4886) من طرق عن عمر بن سويد الثقفي، به. وزاد اسحاق في الموضع الاول فقال: والضماد: هو السك. واخرجه بنحوه الطبراني في "الاوسط" (1433) من طريق محمد بن سوقة، عن عائشة بنت طلحة، به.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے' تو ہم نے احرام باندھنے کے وقت خوشبو ملی ہوئی ایک مرکب چیز کا اپنی پیشانی پر لیپ کرلیا۔ جب ہم میں سے کسی کو پسینہ آتا تو وہ (مرکب) اس کے چہرے پر بہہ جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ملاحظہ کیا مگر اس سے منع نہیں کیا۔

1831 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي عَدِيٍّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ، قَالَ: ذَكَرْتُ لِابْنِ شِهَابٍ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ يَعْنِي يَقْطَعُ الْخُفَّيْنِ لِلْمَرْاَةِ الْمُحْرِمَةِ ثُمَّ حَدَّثَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ اَبِي عُبَيْدٍ، اَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ رَخَّصَ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُفَّيْنِ فَتَرَكَ ذٰلِكَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یوں کیا کرتے تھے یعنی احرام والی عورت کے موزے کاٹ دیا کرتے تھے۔ پھر سیدہ صفیہ بنت ابوعبید رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بیان کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو موزے پہننے کی اجازت دی تھی۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو (یعنی موزے کاٹنے کے عمل کو) ترک کر دیا۔

محرم کے ممنوع لباس میں فقہی مذاہب اربعہ کی تصریحات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کپڑوں میں سے کیا چیزیں پہن سکتا ہے اور کیا چیزیں نہیں پہن سکتا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو قمیص و کرتہ پہنو، نہ عمامہ باندھو، نہ پاجامہ پہنو، نہ برنس اوڑھو اور نہ موزے پہنو، ہاں جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہن سکتا ہے مگر اس طرح کہ موزہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے، نیز کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس پر زعفران یا ورس لگی ہو۔ (بخاری ومسلم)

بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ محرم عورت نقاب نہ ڈالے اور اور نہ دستانے پہنے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام پہننے والے کو ورس (رنگ کی ایک قسم) اور زعفران میں رنگی ہوئی چادریں استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں تہہ بند چادر اور جوتوں میں احرام باندھنا چاہئے اگر جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لو لیکن انہیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ لو۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

قمیص و کرتہ اور پاجامہ پہننے سے مراد ان کو اس طرح پہننا ہے جس طرح کہ عام طور پر یہ چیزیں پہنی جاتی ہیں جیسے قمیص و کرتہ گلے میں ڈال کر پہنتے ہیں یا پاجامہ ٹانگوں میں ڈال کر پہنا جاتا ہے، چنانچہ احرام کی حالت میں ان چیزوں کو اس طرح پہننا ممنوع ہے۔ ہاں اگر کوئی محرم ان چیزوں کو مروج طریقہ پر پہننے کی بجائے بدن پر چادر کی طرح ڈالے تو یہ ممنوع نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے قمیص و کرتہ پہنا ہے یا پاجامہ پہنا ہے۔

برنس اس لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو عرب میں اوڑھی جاتی تھی اور برنس وہ لباس بھی ہوتا ہے جس کا کچھ حصہ ٹوپی کی جگہ کام دیتا ہے جیسے برساتی وغیرہ۔ چنانچہ نہ برنس اوڑھو، سے مراد یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز نہ اوڑھو جو سر کو ڈھانپ لے خواہ وہ ٹوپی ہو یا برساتی اور

خواہ کوئی اور چیز۔ ہاں جو چیز ایسی ہو جس پر عرف عام میں پہننے یا اوڑھنے کا اطلاق نہ ہوتا ہو مثلاً سر پر کونڈا یا گھڑا وغیرہ رکھ لیتا یا سر پر گٹھر اٹھالیتا تو اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وہ موزہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے میں یہاں ٹخنے سے مراد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک وہ ہڈی ہے جو پیر کی پشت پر بیچ میں ہوتی ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے ہاں وہی متعارف ٹخنہ مراد ہے جس کو وضو میں دھونا فرض ہے۔

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں اور وہ موزے پہن لے تو آیا اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی تو یہ کہتے ہیں کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کسی کو سر منڈانے کی احتیاج وضرورت لاحق ہو جائے تو وہ سر منڈالے اور فدیہ ادا کرے۔

ورس ایک قسم کی گھاس کا نام ہے جو زرد رنگت کی اور زعفران کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس گھاس سے رنگائی کا کام لیا جاتا ہے۔ زعفران اور اس کے رنگ آلود کپڑوں کو پہننے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ ان میں خوشبو ہوتی ہے۔

محرم عورت نقاب نہ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے منہ کو برقع اور نقاب سے نہ ڈھانکے ہاں اگر وہ پردہ کی خاطر کسی ایسی چیز سے اپنے منہ کو چھپائے جو منہ سے الگ رہے تو جائز ہے، اسی طرح حنفیہ کے ہاں مرد کو بھی عورت کی طرح احرام کی حالت میں منہ ڈھانکنا حرام ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی ایک روایت کے مطابق یہی ہے جب کہ امام شافعی کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

ہودج میں بیٹھنا ممنوع ہے بشرطیکہ سر ہودج میں لگتا ہو، اگر سر ہودج میں نہ لگتا ہو تو پھر اس میں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے، اسی طرح اگر کعبہ کا پردہ یا خیمہ سر میں لگتا ہو تو ان کے نیچے کھڑا ہونا ممنوع ہے اور اگر سر میں نہ لگتا ہو تو ممنوع نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر محرم کو جوتے میسر نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے اور جس محرم کے پاس تہبند نہ ہو تو وہ پائجامہ پہن سکتا ہے۔ (بخاری مسلم)

موزوں کے استعمال کے بارے میں تو گزشتہ حدیث میں بتایا جا چکا ہے کہ جوتے میسر نہ ہوں تو محرم موزے پہن سکتا ہے۔ اس صورت میں امام شافعی کے نزدیک اس پر کوئی فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت امام اعظم کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ اگر تہبند نہ ہو تو پائجامہ کو پھاڑ کر اسے تہبند کی صورت میں باندھ لیا جائے اور اگر کوئی شخص اسے پھاڑ کر استعمال نہ کرے بلکہ پائجامہ ہی پہن لے تو اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔

زعفران و ورس پہننے پر وجوب فدیے میں مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جعرانہ میں (کہ جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ایک مقام ہے اور جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ اچانک ایک شخص جو دیہاتی تھا آیا اس نے کرتہ پہنا ہوا تھا، نیز وہ شخص خلوق میں رنگا بسا تھا (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار ہوتی تھی) اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! میں نے عمرہ کا احرام اس حالت میں باندھا تھا کہ یہ کرتہ میرے جسم پر تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر جو خوشبو لگی ہوئی ہے اسے تو تین مرتبہ دھوڈالو اور کرتہ کو اتار دو اور پھر اپنے عمرہ کے احرام میں وہی کرو جو تم اپنے حج کے احرام میں کرتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

زعفران کا استعمال چونکہ مردوں کے لئے حرام ہے اور خلوق زعفران ہی سے تیار ہوتی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو یہ حکم دیا کہ وہ اسے دھوڈالے نیز تین مرتبہ دھونے کا حکم صرف اس لئے دیا تا کہ وہ خوب اچھی طرح چھوٹ جائے ورنہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ خلوق کو بالکل صاف کردو خواہ وہ کسی طرح اور کتنی ہی مرتبہ میں صاف ہو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں حج کے احرام کی حالت میں ممنوع ہیں وہی عمرہ کے احرام کی حالت میں بھی ممنوع ہیں اس لئے تم عمرہ کے احرام کی حالت میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کرو جن سے حج کے احرام کی حالت میں پرہیز کیا جاتا ہے۔

احرام کی حالت میں بغیر خوشبو سرمہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے زیب وزینت مقصود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص زیب وزینت کے بغیر خوشبو کا بھی سرمہ لگائے تو مکروہ ہوگا۔

اس موقع پر ایک خاص بات یہ جان لینی چاہئے کہ جو چیزیں احرام کی حالت میں حرام ہو جاتی ہیں ان کا ارتکاب اگر قصداً ہو گا تو متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک اس کی وجہ سے مرتکب پر فدیہ لازم ہوگا۔ ہاں بھول چوک سے ارتکاب کرنے والے پر فدیہ واجب نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت امام شافعی، ثوری، احمد، اور اسحق رحمہم اللہ کا قول ہے البتہ امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک کے نزدیک اس صورت میں بھی فدیہ واجب ہوگا۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يَحْمِلُ السِّلَاحَ

باب: احرام والے شخص کا ہتھیار اٹھانا

1832 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، يَقُولُ: لَمَّا صَالَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ صَالَحَهُمْ عَلَى أَنْ لَا يَدْخُلُوهَا إِلَّا بِجُلْبَانِ السِّلَاحِ فَسَأَلْتُهُ مَا جُلْبَانُ السِّلَاحِ قَالَ: الْقِرَابُ بِمَا فِيهِ

❁❁ حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والوں کے ساتھ صلح کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کے ساتھ اس شرط پر صلح کی تھی کہ جب وہ لوگ مکہ میں داخل ہوں گے تو ان کے ہتھیار میان میں ہوں گے۔

راوی کہتے ہیں: میں نے اپنے استاد سے دریافت کیا: جلبان السلاح کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہ چمڑے کا بنا ہوا تھیلا جس میں ہتھیار رکھا جاتا ہے۔

حالت احرام میں مباح امور کا بیان

کُرتا، چغہ لپیٹ کر اوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور منہ نہ چھپے، ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا، ہمیانی یا پٹی باندھنا، بے میل چھڑائے حمام کرنا، کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا، چھتری لگانا، انگوٹھی پہننا، بے خوشبو کا سرمہ لگانا، فصد بغیر بال مونڈے، پچھنے لینا، آنکھ میں جو بال نکلے اسے جدا کرنا، سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے، جوں نہ گرے، احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی اس کا لگا رہنا، پالتو جانور اونٹ، گائے، بکری، مرغی کا ذبح کرنا، پکانا، کھانا، اس کا دودھ دوہنا، انڈے توڑنا، بھوننا، کھانا، کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا، کسی دریائی جانو کا مارنا دوا یا غذا کے لیے نہ ہو، نری تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکار دریا ہو یا جنگل خود ہی حرام ہے، اور احرام میں سخت تر حرام، منہ اور سر کا سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا، سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا، سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا، کان کپڑے سے چھپانا، ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا، سر پر سینی اور بوری اٹھانا، جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں اگرچہ خوشبو دیں یا بے پکائے جس میں خوشبو ڈالی اور وہ بو نہیں دیتی اس کا کھانا پینا، گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدو یا کاہو کا تیل کہ بسایا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا، خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ان کی خوشبو جاتی رہی ہو مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے، دین کے لیے لڑنا جھگڑنا بلکہ حسب حاجت فرض و واجب ہے، جوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے، بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویز گلے میں ڈالنا، آئینہ دیکھنا، ایسی خوشبو کا چھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان، صندل یا اس کا آنچل میں باندھنا، نکاح کرنا۔

بَابٌ فِي الْمُحْرِمَةِ تُغَطِّي وَجْهَهَا

باب: احرام والی عورت کا اپنے چہرے کو ڈھانپنا

1833 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ، فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: سوار ہمارے پاس سے گزرتے تو اس وقت ہم (خواتین) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں۔ جب وہ سوار ہمارے قریب پہنچتے تو ہم اپنی چادر کو چہرے پر لٹکا لیتی تھیں جب وہ آگے گزر جاتے تو ہم چہرے سے کپڑا ہٹا دیتی تھیں۔

سر اور چہرے کو ڈھانپنے کی ممانعت کا بیان

اور احرام والا اپنے چہرہ اور سر نہ ڈھانپے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ مرد کے لئے چہرہ ڈھانپنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کا احرام اس کے سر میں ہے اور عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اس کا چہرہ نہ ڈھانپو اور نہ اس کا سر ڈھانپو۔ کیونکہ یہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ یہ ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوت ہونے والے محرم کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ باوجود فتنے کے عورت اپنے چہرے کو نہیں ڈھانپے گی۔ تو مرد بدرجہ اولیٰ چہرے کو نہیں ڈھانپے گا۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت کا فائدہ سر ڈھانپنے میں فرق کرنے کے لئے ہے۔ (ہدایہ اولین، کتاب الحج، لاہور)

حالت احرام میں پردے کی تخفیف میں مذاہب اربعہ کا بیان

شریعت نے عورت کے لئے پردہ ہر حال میں لازم کیا ہے البتہ اس کے لئے احرام میں پردے میں تخفیف کر دی ہے کہ عورت چہرے پر نقاب وغیرہ نہ ڈالے بلکہ چہرہ کھلا رکھے کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عمر عن النبی ا قال: المحرمة لاتنتقب ولاتلبس القفازین۔ (بخاری)

البتہ کسی نامحرم کے سامنے آنے پر وہ اپنے چہرے کو چھپالے تاکہ اس جگہ بدنگاہی اور بے پردگی نہ ہو۔ چنانچہ صحابیات کا بھی یہی عمل رہا حضرت عائشہ کی روایت ہے:

کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول الله ا فاذا جاوذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها فاذا جاوزونا کشفناه۔ (ابوداود، ۱۵۶۰، ۱)

چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ عورت اپنے سر پر اس طرح کپڑا ڈال سکتی ہے کہ وہ کپڑا چہرے کو نہ لگے اور پردہ بھی ہو جائے۔ چنانچہ کتاب المبسوط میں ہے:

قال (ولا بأس بأن تسدل الخمار علی وجهها من فوق رأسها علی وجه لایصیب وجهها) وقد بینا ذلک عن عائشة رضی الله عنها لأن تغطیة الوجه إنما یحصل بما یماس وجهها دون ما لا یماسه ویکره لها أن تلبس البرقع لأن ذلک یماس وجهها۔ (کتاب المبسوط للسرخسی، ج۶، ۱۶۱، دار الکتب العلمیه)

ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

(وتغطی رأسها) أی لا وجهها الا أنها إن غطة وجهها بشیء متجاف جاز وفی النهایة: ان سدل الشیء علی وجهها واجب علیها ودلت المسئلة علی ان المرأة منهیة عن اظهار وجهها للأجانب بلاضرورة وکذا فی المحیط: وفی الفتح قالوا: والمستحب أن تسدل علی وجهها شیئا وتجافیه۔

(کتاب المناسک، ملا علی قاری)

الفقه الحنفی وأدلته میں ہے:

وفی روایة له ولا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازین وقوله ا : لایلبس خبر بمعنی النهی وعند وجود الاجانب فالارخاء واجب علیها وعند عدمه یجب علی الاجانب غض البصر فقول الحنفیة اعمال الحدیث من جهة وصرف الفتنة من جهة أخریٰ
(الفقہ الحنفی وادلتہ رط: دار الکلم الطیب)

نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ حکم صرف احناف کے ہاں ہی نہیں بلکہ چاروں ائمہ کا یہی مذہب ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں۔

اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے کہ وہ اس سے اپنے سر کو ڈھانپے اور اپنی بالوں کو چھپائے اوداوپر کی جانب اپنے چہرے پر سدل ثوب کرے اور سر پر آہستہ کپڑا ڈالے تا کہ اپنے آپ کو لوگوں کی نگاہوں سے بچائے۔ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیا کرتی تھیں۔ (بدایة المجتهد، ج ۳،ص ۲۷۸، دار الکتب العلمیة)

الفقه المالکی المیسر میں ہے:

واباح المالکیة لها ستر وجهها عند الفتنة بلاغرز للساتر بابرة ونحوها وبلاربط له براسها بل المطلوب سدله علی راسها ووجهها او تجعله کاللثام وتلقی طرفیه علی راسها بلاغرز ولاربط۔
(الفقہ المالکی المیسر للزحیلی، ۱، ۲۹۵، دار الکلم الطیب)

فقہ شافعی کی کتاب ''الحاوی الکبیر'' میں ہے۔

ان حرم المرأة فی وجهها فلا تغطیه کما کان حرم الرجل فی رأسه فلایغطیه لروایة موسیٰ ابن عقبة عن نافع عن ابن عمر: ان رسول الله ا نهیٰ ان تنتقب المرأة وهی محرمة وتلبس القفازین۔ (الحاوی الکبیر للماوردی، ۴، ۶۰، دار الکتب العلمیة)

فقہ حنبلی کی کتاب ''المیسر للزحیلی'' میں ہے:

ومن المحظورات فی الاحرام: تعمد تغطیة الوجه من الأنثیٰ لکن تسدل علی وجهها لحاجة لقوله ا : لاتنتقب المرأة المحرمة ولاتلبس القفازین قال الشرح: فیحرم تغطیة لانعلم فیه خلافا ولایضر لمس السدل وجهها.خلافاً للقاضی ابی یعلی قال فی الاقناع: ان غطته لغیر حاجة فدت وعلی هذا احرام المرأة فی وجهها فتحرم تغطیته بحو برقع ونقاب وتسدل لحاجة کمرور رجال بها الخ۔ (الفقه الحنبلی المیسر، ۵، ۲۷، دار القلم دمشق)

فقہاء کرام کے مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے چہرے پر نقاب ڈالنا بغیر کسی حائل کے ممنوع ہے بلکہ اسے چاہیئے کہ اجانب کی غیر موجودگی میں چہرے کو کھلا رکھے اور ان کی موجودگی میں چہرے سے کپڑے سے کسی حائل اور فاصلہ رکھنے والی چیز یا نقاب (جیسے ہیٹ والے مروجہ نقاب یا اس جیسی کوئی اور چیز) سے ڈھانپ لے تا کہ بدنگاہی اور بے پردگی نہ ہو۔ ہاں اگر کپڑا ہوا

کی وجہ سے بار بار چہرے پر پڑ جائے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کوئی دم وغیرہ لازم آئے گا۔

واحرام المرأة فی وجهها واجاز الشافعية والحنفية ذلک بوجود حاجز عن الوجه فقالوا: للمرأة ان تسدل علی وجهها ثوبا متجافیا عنه بخشبة ونحوها سواء فعلته لحاجة من حر او برد او خوف فتنة ونحوها او لغیر حاجة فان وقعت الخشبة فاصاب الثوب وجهها بغیر اختیارها ورفعته فی الحال فلا فدية۔

بَابٌ فِي الْمُحْرِمِ يُظَلَّلُ

باب: احرام والے شخص کا سائے میں آنا

1834 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ، حَدَّثَتْهُ قَالَتْ: حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ فَرَأَيْتُ أُسَامَةَ وَبِلَالًا وَأَحَدُهُمَا آخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهُ يَسْتُرُهُ مِنَ الْحَرِّ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ

سیدہ اُمّ حصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کیا۔ میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار کو پکڑا ہوا تھا' اور دوسرے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرمی سے بچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کپڑا تانا ہوا تھا۔ ایسا اس وقت تک ہوتا رہا جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ کی رمی نہیں کر لی۔

حالت احرام میں سر پر سایہ کرنے کا مسئلہ

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک (یعنی حضرت اسامہ) اپنا کپڑا اٹھائے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر) سورج کی گرمی کی تپش سے سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں۔ (مسلم)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کپڑے سے اس طرح سایہ کر رکھا تھا کہ وہ کپڑا اونچا ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے لگتا نہیں تھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ سایہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر پر چھتری کی مانند ایک چیز اٹھائے ہوئے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سر پر کسی چیز سے سایہ کر لے بشرطیکہ سایہ کرنے والی چیز اس سے کو نہ لگے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد نے اسے مکروہ کہا ہے۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يَحْتَجِمُ

باب: احرام والے شخص کا پچھنے لگانا

1835 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَطَاءٍ، وَطَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے۔

1836 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فِي رَأْسِهِ مِنْ دَاءٍ كَانَ بِهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری لاحق ہونے پر احرام کے دوران اپنے سر پر پچھنے لگوائے تھے۔

1837 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ عَلَى ظَهْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِهِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ، قَالَ ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ: أَرْسَلَهُ يَعْنِي عَنْ قَتَادَةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف لاحق ہونے پر پاؤں کے اوپر والے حصے پر احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے امام احمد کو یہ کہتے سنا ہے: ابن ابوعروبہ نے اس روایت کو مرسل روایت کے طور پر نقل کیا ہے یعنی یہ روایت قتادہ سے منقول ہے۔

پچھنے والی جگہ کا حلق کیا تو وجوب دم کا بیان

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر اس نے پچھنے والی جگہ کا حلق کروایا تو اس پر دم واجب ہے۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ اس پر صدقہ واجب ہے۔ کیونکہ اس نے صرف پچھنے لگوانے کی وجہ سے حلق کروایا ہے۔ اور پچھنا لگوانا ممنوعات میں سے نہیں ہے۔ اور اسی طرح اس میں بھی نہ ہوگا جو اس کا وسیلہ ہے۔ البتہ اس میں کچھ آلودگی دور کرنے کے لئے مونڈنا ہے لہذا صدقہ واجب ہوگا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ حلق کروانا مقصود ہے لہذا اس کو وسیلہ نہیں کہا جائے گا کیونکہ یہ خود حلق ہے۔ اور ایک کامل عضو سے آلودگی کو دور پایا جا رہا ہے لہذا دم واجب ہے۔

حالت احرام میں پچھنے لگوانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ جو بحینہ کے بیٹے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستے میں

لحی جمل کے مقام پر بحالت احرام اپنے سر کے بیچوں بیچ سینگی کھنچوائی۔ (بخاری ومسلم)

مالک، حضرت عبداللہ کے باپ کا نام ہے اور بحینہ ان کی ماں کا نام ہے گویا ابن بحینہ، حضرت عبداللہ کی دوسری صفت ہے اسی لئے، عبداللہ بن مالک ابن بحینہ، میں مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ابن بحینہ، میں الف لکھا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سر کے بیچوں بیچ پچھنے لگوائے تو سر مبارک کے بال کچھ نہ کچھ ضرور ٹوٹے ہوں گے لہٰذا یہ حدیث ضرورت پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عذر و ضرورت کی بناء پر سر میں پچھنے لگوائے تھے، چنانچہ اگر محرم کسی ایسی جگہ پچھنے لگوائے جہاں بال ہوں تو اس پر فدیہ واجب نہیں ہوتا۔

اگر کوئی محرم سر کے بال چوتھائی حصہ سے کم منڈوائے یا پچھنے وغیرہ کی وجہ سے اس کے سر کے چوتھائی حصہ سے کم بال ٹوٹ جائیں تو اس پر صدقہ واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء یا تو کسی بھوکے کے پیٹ بھر کھانا کھلا دے یا اسے نصف صاع گیہوں دے دے۔ اگر کوئی محرم بلا عذر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوا دے یا بلا عذر پچھنے لگوالے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زیادہ بال ٹوٹ جائیں تو اس پر دم واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء ایک بکری یا اس کی مانند کوئی جانور ذبح کرے اور اگر کوئی کسی عذر کی بناء پر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوائے یا کسی عذر کی وجہ سے پچھنے لگوائے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زائد بال ٹوٹ جائیں تو اسے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ ایک بکری ذبح کرے، چاہے نصف صاع فی مسکین کے حساب سے چھ مسکینوں کو تین صاع گیہوں دے اور چاہے تین روزے رکھے خواہ تین روزے مسلسل رکھ لے یا متفرق طور پر۔

اگر کوئی محرم پچھنے لگوانے کی وجہ سے محاجم یعنی پچھنوں کی جگہ سے بال منڈوائے تو اس صورت میں امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تو اس پر دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک صدقہ۔

پچھنوں کی جگہ سے گردن کے دونوں کنارے اور گدی مراد ہے، اس لئے اگر کوئی پوری گردن منڈوائے گا تو پھر متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور اگر پوری سے کم منڈوائے گا تو صدقہ واجب ہوتا ہے! خود بخود بال ٹوٹنے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں اپنے پیر کی پشت پر پچھنے لگوائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درد تھا۔ (ابوداؤد، نسائی)

پیر کی پشت پر چونکہ بال نہیں ہوتے اور وہاں پچھنے لگوانے سے بال ٹوٹنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے اور پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عذر یعنی درد کی وجہ سے یہ پچھنے لگوائے تھے۔

حالق ومحلوق پر وجوب دم کا بیان

اور ایک احرام والے نے دوسرے محرم کے سر کا حلق کیا خواہ اس کے حکم سے کرے یا بغیر حکم کے کرے تو حالق پر صدقہ واجب ہے اور محلوق پر دم واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے اگر بغیر حکم کے اس نے حلق کیا اس طرح کہ وہ سویا ہوا تھا تو محلوق پر دم واجب نہیں

ہے۔اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ حالت اکراہ ہے لہٰذا مجبوری کی وجہ سے مواخذہ کا حکم خارج ہو جائے گا۔جبکہ نیند مجبوری سے بھی بڑھ کر ہے۔

ہمارے نزدیک نیند اور مجبوری سے گناہ دور ہو جاتا ہے حکم دور نہیں ہوتا کیونکہ اس کا سبب ثابت ہے۔اور وہ سبب خوبصورتی وراحت حاصل کرنا ہے۔لہٰذا یقینی طور پر دم واجب ہوگا۔بہ خلاف حالت اضطراری کے کیونکہ وہاں آسمانی مجبوری ہے اور یہاں بندوں کی طرف سے ہے۔اس کے بعد محلوق حالق سے رجوع نہیں کرے گا۔کیونکہ اس پر دم اس راحت کی وجہ سے واجب ہے جو اس کو حاصل ہے۔لہٰذا محلوق عقر کے حق میں مغرور کی طرح ہو گیا اور اسی طرح اگر حالق حلال ہو تو محلوق کے حق میں حکم مختلف نہ ہوگا البتہ حالق کے لئے ہمارے نزدیک ان دونوں صورتوں میں اس پر صدقہ واجب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حالق پر کچھ واجب نہ ہوگا اسی اختلاف کی بنیاد پر جب کسی محرم نے غیر محرم کے سر کا حلق کر دیا۔حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کے بال مونڈنے میں راحت کے فائدے کا معنی ثابت نہیں ہوتا جبکہ موجب فدیہ یہی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کے جسم سے جو چیز بھی اگتی ہے اس کو دور کرنا ممنوعات احرام میں سے ہے۔کیونکہ جسم سے اگنے ولای چیز امن کی مستحق ہے جس طرح حرم کی گھاس ہے لہٰذا اپنے بالوں اور دوسروں کے بالوں میں فرق نہ ہوگا۔البتہ مکمل جنایت اپنے بالوں میں ہے۔

حالق ومحلوق کے فدیے میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اگر کسی حلال نے حلق کیا یا محرم نے حلق کیا اور محلوق نے حکم نہ دیا تھا یا وہ سویا ہوا تھا یا وہ مجبور تھا یا اس پر غشی طاری تھی۔تو دونوں اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے حالق پر فدیہ ہے۔

حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔کیونکہ تقصیر اسی کی طرف سے ہوئی ہے اور محلوق کی طرف سے کوئی تقصیر نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا دوسرا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ محلوق پر فدیہ ہے۔اور علامہ مزنی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر محلوق نے حکم دیا تھا تو محلوق پر فدیہ ہے۔اور حالق پر کچھ واجب نہیں ہے۔یہ ان کا ایک قول ہے۔

حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔کیونکہ حالق کے فعل کی اضافت اس کی طرف ہو خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم ہو۔حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: مجبوری کی وجہ سے مواخذہ خارج ہو جاتا ہے۔اور مجبوری نیند کے فعل سے بھی بڑی ہے۔

ہمارے نزدیک مجبوری سے حکم معصیت آخرت میں نہ ہوگا جبکہ دنیا میں فعل کا صدور ہو جاتا ہے۔اور دنیاوی حکم اس پر صادر کیا جائے گا۔(البنایہ شرح الہدایہ،۵،ص،۲۴۰،حقانیہ ملتان)

اور اگر مُحرِم نے دوسرے مُحرِم کا سر مونڈا اس پر بھی صدقہ ہے، خواہ اُس نے اُسے حکم دیا ہو یا نہیں، خوشی سے مونڈا یا ہو یا مجبور ہو کر اور غیر مُحرِم کا مونڈا تو کچھ خیرات کر دے۔

اور جب کسی غیر مُحرِم نے مُحرِم کا سر مونڈا اُس کے حکم سے یا بلا حکم تو مُحرِم پر کفارہ ہے اور مونڈنے والے پر صدقہ اور وہ مُحرِم اس مونڈنے والے سے اپنے کفارہ کا تاوان نہیں لے سکتا اور اگر مُحرِم نے غیر کی مونچھیں لیں یا ناخن تراشے تو مساکین کو کچھ صدقہ کھلا دے۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الحج)

جب محرم نے غیر محرم کی مونچھیں مونڈ دیں تو حکم صدقہ

اگر کسی محرم نے غیر محرم کی مونچھ یا ناخن کاٹے تو کھانے میں سے جو چاہے صدقہ دے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی راحت سے خالی نہیں ہے کیونکہ غیر سے میل کچیل کو دور کرنے والا ہے جس سے خود تکلیف محسوس کرنے والا ہے اگرچہ اپنی میل کچیل سے کم تکلیف محسوس کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس پر طعام ضروری ہے۔

اگر محرم نے اپنے دونوں ہاتھوں اور اپنے دونوں پاؤں کے ناخن تراش لیے تو اس پر دم واجب ہے اسلئے کہ یہ احرام کے ممنوعات میں سے ہے۔ اور یہ بھی دلیل یہ ہے کہ اپنے میل کچیل کو دور کرنا ہے اور بدن سے اگنے والی چیز کو زائل کرنا ہے۔ لہٰذا جب محرم نے تمام ناخنوں کو تراش لیا تو یہ کامل راحت بن گئی اس لئے اس پر قربانی واجب ہوگئی اور ایک دم پر زیادتی نہیں کی جائے گی البتہ شرط یہ ہے کہ تمام ناخنوں کا کاٹنا ایک ہی مجلس واقع ہو۔ کیونکہ جرم ایک ہی قسم کا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس طرح حکم ہے خواہ مجلس مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس مسئلہ کی بناء مداخلت پر ہے لہٰذا یہ افطار کے کفارے کے مشابہ ہوگیا۔ لیکن جب کفارہ درمیان میں واقع ہو کیونکہ وہ پہلا جرم کفارہ دینے کی وجہ سے دور ہو چکا ہے۔

شیخین کے نزدیک اس پر چار قربانیاں واجب ہیں۔ اگر اس نے ہر مجلس میں ایک پاؤں یا ایک ہاتھ کے ناخن تراش لیے کیونکہ کفارے میں عبادت کا معنی (ثواب) غالب ہے لہٰذا مداخلت اتحاد مجلس کے ساتھ مقید ہوگی۔ جس آیات سجدہ میں ہوتا ہے۔

مونچھ یا ناخن کاٹنے پر وجوب صدقہ میں مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مونچھ کا کاٹ لینا یا ناخن کاٹنا یہ محرم کے ممنوعات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ ایک ہی چیز ہے اس میں مذاہب اربعہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک دم واجب ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۳۲، حقانیہ ملتان)

اس مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ لہٰذا اتحاد مجلس کی قید کے ساتھ اس کو مقید کیا گیا ہے۔

ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسوں ایک ساتھ تو ایک دَم ہے اور اگر کسی ہاتھ یا پاؤں کے پورے پانچ نہ

کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ اگر چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دَم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کرلے یا دَم دے اور اگر ایک ہاتھ یا پاؤں کے پانچوں ایک جلسہ میں اور دوسرے کے پانچوں دوسرے جلسہ میں کترے تو دو دَم لازم ہیں اور چاروں ہاتھ پاؤں کے چار جلسوں میں تو چار دَم۔ اور اگر کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ بڑھنے کے قابل نہ رہا، اس کا بقیہ اُس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

ایک ہی جلسہ میں ایک ہاتھ کے پانچوں ناخن تراشے اور چہارم سر مونڈایا اور کسی عضو پر خوشبو لگائی تو ہر ایک پر ایک ایک دَم یعنی تین دَم واجب ہیں۔ مُحرِم نے دوسرے کے ناخن تراشے تو وہی حکم ہے جو دوسرے کے بال مونڈنے کا ہے۔ (منسک)

بَابُ يَكْتَحِلُ الْمُحْرِمُ

باب: احرام والے شخص کا سرمہ لگانا

1838 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ اَيُّوبَ بْنِ مُوسٰى، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ: اشْتَكٰى عُمَرُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْمَرٍ، عَيْنَيْهِ فَاَرْسَلَ اِلٰى اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ، قَالَ سُفْيَانُ: وَهُوَ اَمِيرُ الْمَوْسِمِ مَا يَصْنَعُ بِهِمَا؟ قَالَ: اضْمِدْهُمَا بِالصَّبِرِ، فَاِنِّي سَمِعْتُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ ذٰلِكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

❁❁ نبیہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عمر بن عبید اللہ کی آنکھوں میں تکلیف ہوگئی تو انہوں نے عبان بن عثمان کو پیغام بھیجا۔ سفیان نامی راوی نے یہ وضاحت کی ہے کہ وہ امیر الحج تھے۔ (پیغام یہ تھا) کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ تو ابان نے کہا: تم ان پر ایلوا کا لیپ کرلو کیونکہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔

1839 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ ابْنِ عُلَيَّةَ، عَنْ اَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، بِهٰذَا الْحَدِيثِ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يَغْتَسِلُ

باب: احرام والے شخص کا غسل کرنا

1840 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ اَبِيهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ، اخْتَلَفَا بِالْاَبْوَاءِ فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَاْسَهُ وَقَالَ الْمِسْوَرُ: لَا يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَاْسَهُ فَاَرْسَلَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ، اِلٰى اَبِي اَيُّوبَ الْاَنْصَارِيِّ، فَوَجَدَهُ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ، قَالَ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، قَالَ: مَنْ هٰذَا قُلْتُ: اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُنَيْنٍ، اَرْسَلَنِي اِلَيْكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ اَسْاَلُكَ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ؟ قَالَ: فَوَضَعَ أَبُو أَيُّوبَ يَدَهُ عَلَى الثَّوْبِ فَطَأْطَأَهُ حَتَّى بَدَا لِي رَأْسُهُ. ثُمَّ قَالَ: لِإِنْسَانٍ يَصُبُّ عَلَيْهِ اصْبُبْ. قَالَ: فَصَبَّ عَلَى رَأْسِهِ. ثُمَّ حَرَّكَ أَبُو أَيُّوبَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ. ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُهُ يَفْعَلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عبداللہ بن حنین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ابواء کے مقام پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بحث ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا تھا احرام والا شخص اپنے سر کو دھو سکتا ہے' جبکہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان تھا کہ احرام والا شخص اپنے سر کو دھو نہیں سکتا۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں (یعنی راوی کو) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ راوی نے انہیں کنوئیں کی چرخی کی دو لکڑیوں کے پاس بیٹھ کر غسل کرتے ہوئے پایا۔ انہوں نے کپڑے کے ذریعے پردہ کیا ہوا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں: میں نے انہیں سلام کیا' تو انہوں نے دریافت کیا: کون ہے؟ تو میں نے کہا: میں عبداللہ بن حنین ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا ہے' تاکہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت کروں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کے دوران اپنے سر کو کیسے دھوتے تھے؟ راوی کہتے ہیں: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ کپڑے پر رکھ کر اسے کچھ نیچے کیا' یہاں تک کہ ان کا سر نظر آنے لگا۔ پھر جو شخص ان پر پانی انڈیل رہا تھا انہوں نے اس سے کہا: تم پانی انڈیلو۔ اس نے ان کے سر پر پانی انڈیلا تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سر میں حرکت دی۔ انہیں آگے سے پیچھے لے کر گئے اور پیچھے سے آگے لے کر آئے اور پھر یہ بات بیان کی: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔

فقہ مالکی کے مطابق محرم کے غسل کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ محرم (غسل کے لیے) حمام میں جا سکتا ہے۔ ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم بدن کو کھجانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

ابن منذر نے کہا محرم کو غسل جنابت بالاجماع درست ہے لیکن غسل صفائی اور پاکیزگی میں اختلاف ہے امام مالک نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ محرم اپنا سر پانی میں ڈبائے اور موطا میں نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما احرام کی حالت میں اپنا سر نہیں دھوتے تھے، لیکن جب احتلام ہوتا تو دھوتے۔

فقہ حنفی کے مطابق محرم کے غسل کی اباحت کا بیان

حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حنین نے، انہیں ان کے والد نے کہ عبداللہ بن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کا مقام ابواء میں (ایک مسئلہ پر) اختلاف ہوا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے ابوایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں (مسئلہ پوچھنے کے لیے) بھیجا، میں جب ان کی خدمت میں پہنچا تو وہ کنوئیں کی دو لکڑیوں کے بیچ غسل کر رہے تھے، ایک کپڑے سے انہوں نے پردہ کر رکھا تھا میں نے پہنچ کر سلام کیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کون ہو؟ میں نے عرض کی کہ میں عبداللہ بن حنین ہوں، آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھیجا ہے یہ دریافت کرنے کے لیے کہ احرام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سر مبارک کس طرح دھوتے تھے۔ یہ سن کر انہوں نے کپڑے پر (جس سے پردہ تھا) ہاتھ رکھ کر اسے نیچے کیا۔ اب آپ کا سر دکھائی دے رہا تھا، جو شخص ان کے بدن پر پانی ڈال رہا تھا، اس سے انہوں نے پانی ڈالنے کے لیے کہا۔ اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا، پھر انہوں نے اپنے سر کو دونوں ہاتھ سے ہلایا اور دونوں ہاتھ آگے لے گئے اور پھر پیچھے لائے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (احرام کی حالت میں) اسی طرح کرتے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں و فی الحدیث من الفوائد مناظرة الصحابة فی الاحکام و رجوعهم الی النصوص و قبولهم لخبر الواحد ولو کان تابعیا و ان قول بعضهم لیس بحجة علی بعض الخ یعنی۔

اس حدیث کے فوائد میں سے صحابہ کرام کا باہمی طور پر مسائل احکام سے متعلق مناظرہ کرنا، پھر نص کی طرف رجوع کرنا اور ان کا خبر واحد کو قبول کر لینا بھی ہے اگرچہ وہ تابعی ہی کیوں نہ ہو اور یہ اس حدیث کے فوائد میں سے ہے کہ ان کے بعض کا کوئی محض قول بعض کے لیے حجت نہیں گردانا جاتا تھا۔

حالت احرام مکروہ امور کا بیان

بدن کا میل چھڑانا، بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بے خوشبو کی چیز سے دھونا، کنگھی کرنا، اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جوں گرے، انگرکھا، کرتا یا چغہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوشبوں کی دھونی دیا ہوا کپڑا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہوں پہننا، اوڑھنا، قصداً خوشبو سونگھنا اگرچہ خوشبو دار پھل یا پتہ ہو جیسے لیموں، نارنگی، پودینہ، عطر دانہ، سر یا منہ پر پٹی باندھنا، غلاف کعبہ مکہ معظمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، ناک وغیرہ منہ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپائے، یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں خوشبو پڑی ہو اور نہ ہو پکائی گئی ہو نہ زائل ہوگئی ہو، بے سلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا، تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھا لیٹنا، مہکتی خوشبو ہاتھ سے چھونا جبکہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویذ باندھا اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر، بلا عذر بدن عہ پر پٹی باندھنا، سنگھار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچلوں میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کر کمر بند سے کسنا۔

اگر کسی نے سر پر یا ایڑی پر پٹی باندھی اگرچہ ایک دن یا رات ہو تو اس پر صدقہ ہوگا، اور اگر سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ پر پٹی باندھی خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھی یا بلا وجہ، تو کوئی شیء لازم نہ ہوگی، ہاں بلا وجہ باندھنا مکروہ ہوگا۔

(فتح القدیر، باب الاحرام، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

بَابُ الْمُحْرِمِ يَتَزَوَّجُ

باب: احرام والے شخص کا شادی کرنا

1841 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، أَخِي بَنِي عَبْدِ الدَّارِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ، أَرْسَلَ إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ يَسْأَلُهُ وَأَبَانُ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْحَاجِّ وَهُمَا مُحْرِمَانِ

1841- اسناده صحيح. القعنبي: هو عبدالله بن مسلمة، ونافع: هو مولى ابن عمر. وهو عند مالك في "الموطا" 1/349-3481، ومن طريقه اخرجه مسلم (1409)، وابن ماجه (1966)، والنسائي في "الكبرى" (3811) و (3812) و (5390)

اِنِّیْ اَرَدْتُ اَنْ اُنْکِحَ طَلْحَةَ بْنَ عُمَرَ، ابْنَةَ شَيْبَةَ بْنِ جُبَيْرٍ فَاَرَدْتُ اَنْ تَحْضُرَ ذٰلِكَ فَاَنْكَرَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ اَبَانُ، وَقَالَ: اِنِّیْ سَمِعْتُ اَبِیْ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ

❁❁ عمر بن عبید اللہ نے ابان بن عثمان کو پیغام بھیجا اور ان سے یہ دریافت کیا۔ ابان ان دنوں امیر الحج تھے۔ یہ دونوں احرام کی حالت میں تھے (انہوں نے یہ کہا) میں یہ چاہتا ہوں کہ طلحہ بن عمر کی شادی شیبہ بن جبیر کی صاحبزادی سے کرا دوں' تو میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس میں شریک ہوں' تو ابان نے اس پر انکار کرتے ہوئے کہا: میں نے اپنے والد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے سنا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''محرم نکاح نہیں کرے گا (اور کسی دوسرے کا) نکاح نہیں کروائے گا''۔

1842 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ، حَدَّثَهُمْ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ مَطَرٍ، وَيَعْلٰى بْنِ حَكِيْمٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ عُثْمَانَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ مِثْلَهُ زَادَ وَلَا يَخْطُبُ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''وہ شادی کا پیغام بھی نہیں دے گا''۔

1843 حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ حَبِيْبِ بْنِ الشَّهِيْدِ، عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَصَمِّ ابْنِ اَخِیْ مَيْمُوْنَةَ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، قَالَتْ: تَزَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ حَلَالَانِ بِسَرِفَ

❁❁ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرف کے مقام پر مجھ سے شادی کی ہم لوگ اس وقت احرام کے بغیر تھے۔

1844 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ اَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حالت احرام میں تھے۔

1845 حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ اُمَيَّةَ، عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَ: وَهِمَ ابْنُ عَبَّاسٍ، فِیْ تَزْوِيْجِ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ

❁❁ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالت احرام کے بارے میں ہونے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وہم ہوا ہے۔

حج یا عمرہ کے دوران محرم کے نکاح سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ حالت احرام میں نکاح جائز نہیں ہے۔ آئمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت عثمان بن عفان کی درج ذیل حدیث سے ہے

"محرم نہ خود اپنا نکاح کرے اور نہ اس کا نکاح کیا جائے""

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا تو وہ حالت احرام میں نہیں تھے اور جب ان کی رخصتی ہوئی تب بھی وہ حالت احرام میں نہیں تھے،

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے، ان کی دلیل ابن عباس کی یہ حدیث ہے

"ان النبی ﷺ **تزوج ميمونة وهو محرم** ""حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کیا" اب یہاں فریقین کے دلائل میں تعارض ہو گیا، فریق اول نے حضرت میمونہ کی حدیث کو راجح قرار دیا، جو خود صاحب واقعہ ہیں، اور یہ تمام واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا تو جس کے ساتھ واقعہ پیش آیا وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی روایت کو قبول کیا جائے۔

(صحیح مسلم: ۸۸:۳، کتاب النکاح)

دوسری دلیل ابورافع کی حدیث ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ کے مابین سفیر تھے، سفیر کی روایت اس بات کا زیادہ استحقاق رکھتی ہے کہ اسے قبول کیا جائے، کیونکہ وہ دوسرے افراد کی نسبت اس واقعہ کو بہتر جانتا ہے"۔

(قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف، ص: ۱۰۴)

بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

باب: احرام والا شخص کون سے جانوروں کو مار سکتا ہے

1846 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ، فَقَالَ: خَمْسٌ لَا جُنَاحَ فِي قَتْلِهِنَّ عَلَى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: الْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْغُرَابُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ

❁❁ سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: محرم کون سے جانوروں کو قتل کر سکتا ہے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ کو قتل کرنے میں اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوگا' جو انہیں مار دیتا ہے۔ خواہ وہ حل میں ہو یا حرم میں ہو۔ بچھو، کوا، چوہا، چیل اور باؤلا کتا۔

1847 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ، حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَمْسٌ قَتْلُهُنَّ حَلَالٌ فِي الْحَرَمِ: الْحَيَّةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ

⊙⊙ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:
''پانچ (جانور) ایسے ہیں کہ انہیں حرم میں قتل کرنا حلال ہے۔ سانپ، بچھو، چیل، چوہا اور باؤلا کتا''۔

1848 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ اَبِيْ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ نُعْمٍ الْبَجَلِيُّ، عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَمَّا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ؟ قَالَ: الْحَيَّةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفُوَيْسِقَةُ، وَيَرْمِي الْغُرَابَ وَلَا يَقْتُلُهُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ، وَالْحِدَاَةُ، وَالسَّبُعُ الْعَادِيْ

⊙⊙ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: محرم کون سے (جانوروں کو) مار سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سانپ، بچھو، چوہا، البتہ کوے کو وہ پتھر مارے گا' اسے قتل نہیں کرے گا۔ باؤلا کتا، چیل اور حملہ آور درندہ۔

بَابُ لَحْمِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ

باب: احرام والے شخص کے لیے شکار کے گوشت کا حکم

1849 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ اَبِيْهِ، وَكَانَ الْحَارِثُ، خَلِيْفَةُ عُثْمَانَ عَلَى الطَّائِفِ فَصَنَعَ لِعُثْمَانَ طَعَامًا فِيْهِ مِنَ الْحَجَلِ وَالْيَعَاقِيْبِ وَلَحْمِ الْوَحْشِ، قَالَ: فَبَعَثَ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فَجَاءَهُ الرَّسُوْلُ وَهُوَ يَخْبِطُ لِاَبَاعِرَ لَهُ فَجَاءَهُ وَهُوَ يَنْفُضُ الْخَبَطَ عَنْ يَدِهِ، فَقَالُوْا لَهُ: كُلْ، فَقَالَ: اَطْعِمُوْهُ قَوْمًا حَلَالًا؛ فَاَنَا حُرُمٌ فَقَالَ: عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْشُدُ اللّٰهَ مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ اَشْجَعَ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى اِلَيْهِ رَجُلٌ حِمَارَ وَحْشٍ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَاَبٰى اَنْ يَاْكُلَهُ؟، قَالُوْا: نَعَمْ

⊙⊙ اسحاق بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے (اپنے دادا کے بارے میں) نقل کرتے ہیں: جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے طائف کے گورنر تھے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا تیار کیا' جس میں چکور، جنگلی چڑیوں اور نیل گائے کا گوشت تیار کیا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلوایا جب قاصد ان کے پاس آیا تو وہ اپنے اونٹوں کے لیے پتے جھاڑ رہے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے تشریف لائے۔ میزبان نے ان سے کہا: کھایئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کھانا ان لوگوں کو کھلاؤ جو حالت احرام میں نہیں ہیں' ہم لوگ تو حالت احرام میں ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہاں پر اشجع قبیلے کا جو بھی فرد موجود ہے میں اسے اللہ کا واسطہ دے کر دریافت کرتا ہوں کیا آپ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے

1848- اسناده ضعيف، لضعف يزيد بن ابى زياد - وهو القرشي الهاشمي مولاهم الكوفي - وفيه لفظة منكرة وهي قوله: "ويرمي الغراب ولا يقتله" ولهذا قال الذهبي في "السير" 1316/: هذا خبر منكر. قلنا: وقد سلف حديث ابن عمر برقم (1846) باسناد صحيح. وفيه: ان المحرم يقتل الغراب. واخرجه الترمذي (854) من طريق احمد بن منيع، عن هشيم بن بشير، بهذا الاسناد. وشمل الغراب فيما يقتله المحرم ايضاً.

نیل گائے کا گوشت تحفے کے طور پر پیش کیا' آپ ﷺ اس وقت حالت احرام میں تھے تو آپ ﷺ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے عرض کی: جی ہاں۔

حالت احرام میں شکار کی ممانعت کا بیان

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔ (المائدہ، ۱)

غیر محلی الصید (لیکن) شکار کو حلال مت سمجھنا۔ صید مصدر بھی ہو سکتا ہے (شکار کرنا) اور اسم مفعول بھی (شکار کیا ہوا ہے) لفظ غَیْرَ حال ہے یعنی انعام جیسے چوپائے تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں لیکن تمہارے لئے یہ حلت ایسی حالت میں ہے کہ بحالت احرام تم شکار کو حلال نہ سمجھو چونکہ حلت انعام کو اس شرط سے مشروط کرنا کہ حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھا جائے ایک بے ربطی سی بات تھی اسلئے صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ غیر محلی الصید سے مراد ہے شکار سے باز رہنا گویا یوں فرمایا کہ جب شکار کی ممانعت کی حالت ہو تو اس وقت (بھی) تمہارے لئے بعض چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں تاکہ تمہارے لئے کچھ دشوار نہ ہو۔

یہ تفسیر قابل اعتراض ہے کیونکہ چوپایوں کی حلت حالت احرام کے ساتھ مقید نہیں جبکہ شکار کرنا حرام ہوتا ہے بلکہ چوپایوں کی حلت ہر حال میں ہے۔ احرامی حالت ہو یا نہ ہو اس لئے یہ تقیید اس وقت درست ہو گی جب بہیمۃ سے مراد عام بہائم ہوں جنگلی ہوں یا شہری۔ یہ مراد اول تفسیر کی ہو گی اور تیسری صورت پر بہیمہ سے مراد خصوصیت کے ساتھ جنگلی چوپائے ہوں گے اس وقت شکار کی حلت' عدم احرام کے ساتھ مشروط ہو گی۔ مطلب اس طرح ہو گا کہ بہیمۃ الانعام جنگلی ہوں یا شہری۔ سوائے میتہ اور دوسرے ممنوعات کے تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں مگر تم احرام کی حالت میں شکار کی حلت کا اعتقاد نہ رکھو۔ یہ بھی جائز ہے کہ مُحِلّی سے مراد حق تعالیٰ کی ذات ہو اور جمع کا صیغہ تعظیماً استعمال کیا گیا ہو یعنی ہم نے تمہارے لئے بہیمۃ الانعام کو حلال کیا۔ مگر احرام کی حالت میں ہم نے شکار حلال نہیں کیا۔

وانتم حرم اس حال میں کہ تم احرام باندھے ہو۔

ان اللہ یحکم ما یرید کوئی شک نہیں کہ اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے چاہے وہ کسی چیز کو حلال بنا دے چاہے حرام اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ابن جریر نے عکرمہ اور سدی وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ حکم بن ہند بکری کچھ اونٹ غلہ سے لدے ہوئے لے کر مدینہ میں آیا اور غلہ فروخت کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور مسلمان ہو گیا جب واپسی میں پشت پھیر کر جانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقدس نے اس کی طرف دیکھا اور ان لوگوں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے فرمایا یہ شخص میرے سامنے کافر چہرہ لے کر آیا اور دغاباز پشت پھیر کر واپس چل دیا۔ چنانچہ حکم یمامہ پہنچ کر مرتد ہو گیا (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی) پھر اونٹوں پر کچھ لاد کر ماہ ذی قعدہ میں مکہ کو جانے کے ارادہ سے نکلا صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ خبر سنی تو مہاجرین وانصار کے کچھ آدمیوں نے اس کے قافلہ کو لوٹنے کے ارادہ سے جانے کا ارادہ کر لیا اس پر آئندہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا کہ آئندہ آیت کا نزول حطم کے متعلق ہوا تھا جس کا نام شریح بن ضبعیہ بکری تھا یہ مدینہ میں آیا اور اپنے سواروں

کو پیچھے چھوڑ کر تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ لوگوں کو کس بات کی طرف بلاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دعوت دیتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار کی۔ نماز پابندی کے ساتھ ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی کہنے لگا بہتر ہے مگر میرے ساتھ کچھ سردار اور بھی ہیں' جن (کی رائے) کے بغیر میں کسی کام کو طے نہیں کر سکتا۔ امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ شریح کے آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرما چکے تھے کہ تمہارے پاس قبیلۂ ربیعہ کا ایک شخص آئے گا جو شیطان کی زبان سے کلام کرے گا۔ غرض شریح حضور کے پاس سے نکل کر چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر منہ لے کر آیا تھا اور عہد شکن پشت کے ساتھ چلا گیا۔ شریح مدینہ سے نکل کر (جنگل میں) مدینہ والوں کے اونٹوں کی طرف سے گزرا اور گلہ کو ہنکا کر لے گیا لوگوں نے اس کا پیچھا کیا مگر گرفتار نہ کر سکے پھر جب دوسرا سال ہوا تو یہ بنی بکر کے حاجیوں کے ساتھ حج کرنے کے لئے یمامہ سے روانہ ہوا' اس وقت اس کے ساتھ بڑا تجارتی مال بھی تھا اور اونٹوں کی گردنوں میں اس نے قلادہ بھی ڈال رکھا تھا۔ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کی خدمت میں عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ حطم حج کے لئے نکلا ہے آپ ہم کو اجازت دے دیجئے ہم اس سے نمٹ لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے تو قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادے ڈال رکھے ہیں۔ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حرکت تو ہم جاہلیت کے زمانہ میں کیا کرتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

واحدی نے بیان کیا ہے کہ حطم یمامہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کی خدمت میں مدینہ میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہیں کی جب حطم مدینہ سے نکلا تو اثناء راہ میں مدینہ والوں کے اونٹوں کو ہنکا تا لے گیا۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضاء عمرہ کے لئے مدینہ سے نکلے تو آپ نے یمامہ کے حاجیوں کے لبیک پڑھنے کی آواز سنی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا یہ حطم اور اس کے ساتھی ہیں۔ حطم نے جو اونٹ لوٹے تھے ان کی گردنوں میں قلادے پہنائے تھے اور کعبہ کو قربانی کے لئے بھیجے تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری، سورہ مائدہ، لاہور)

1850 حَدَّثَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ، مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّهُ قَالَ: يَا زَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ، هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُهْدِيَ اِلَيْهِ عَضُدُ صَيْدٍ فَلَمْ يَقْبَلْهُ، وَقَالَ: اِنَّا حُرُمٌ، قَالَ: نَعَمْ

✿✿ عطاء' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: انہوں نے فرمایا: اے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کیا آپ یہ بات جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکار کا ایک عضو تحفے کے طور پر پیش کیا گیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا: ہم احرام (باندھے ہوئے) ہیں۔ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں۔

1851 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ يَعْنِي الْاِسْكَنْدَرَانِيَّ الْقَارِيَّ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ الْمُطَّلِبِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: صَيْدُ الْبَرِّ لَكُمْ حَلَالٌ، مَا لَمْ تَصِيْدُوْهُ اَوْ يُصَدْ لَكُمْ

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: اِذَا تَنَازَعَ الْخَبَرَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْظَرُ بِمَا اَخَذَ بِهِ اَصْحَابُهُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:
"تمہارے لیے خشکی کا شکار حلال ہے جب تم خود اسے شکار نہ کرو یا اسے تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو"۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے منقول دو روایات ایک دوسرے کی متضاد ہوں تو پھر اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس کو اختیار کیا ہے۔

حالت احرام ممانعت شکار میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محرم شکار نہ کرے نہ اس کی طرف دلالت کرے۔ نہ کسی حلال یا حرام کی طرف دلالت کرے۔ اور محرم کے لئے شکار کی ممانعت کا حکم تمام ائمہ کے اجماع سے ہے کیونکہ اس کی ممانعت کے بارے نص وارد ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ اور اسی طرح یہ نص ہے کہ تم پر حرم میں خشکی کا شکار حرام ہے لہٰذا جب تک احرام میں ہو اس نص میں اس کی طرف صیادت و دلالت کی ممانعت موجود ہے۔ اسی طرح حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے استدلال بھی اسی طرح ہے۔ (المغنی، ج ۳، ص ۲۷۵، بیروت)

امام ابن جریر کے نزدیک بھی قول مختار یہی ہے کہ مراد طعام سے وہ آبی جانور ہیں جو پانی میں ہی مر جائیں، فرماتے ہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے گو بعض نے اسے موقوف روایت کہا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے آپ نے آیت (احل لکم صید البحر و طعامه متاعا لکم) پڑھ کر فرمایا اس کا طعام وہ ہے جسے وہ پھینک دے اور وہ مرا ہوا ہو۔ بعض لوگوں نے اسے بقول ابوہریرہ موقوف روایت کیا ہے، پھر فرماتا ہے یہ منفعت ہے تمہارے لئے اور راہ رو مسافروں کے لئے، یعنی جو سمندر کے کنارے رہتے ہوں اور جو وہاں وارد ہوئے ہوں، پس کنارے رہنے والے تو تازہ شکار خود کھیلتے ہیں پانی جسے دھکے دے کر باہر پھینک دے اور مر جائے اسے کھا لیتے ہیں اور نمکین ہو کر دور دراز والوں کو سوکھا ہوا پہنچتا ہے۔

الغرض جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ پانی کا جانور خواہ مردہ ہی ہو حلال ہے اس کی دلیل علاوہ اس آیت کے امام مالک کی روایت کردہ وہ حدیث بھی ہے کہ حضور نے سمندر کے کنارے پر ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس کا سردار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا، یہ لوگ کوئی تین سو تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں میں بھی ان میں سے تھا ہم ابھی راستے میں ہی تھے جو ہمارے توشے تھے ختم ہو گئے، امیر لشکر کو جب یہ علم ہوا تو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو میرے پاس لاؤ چنانچہ سب جمع کر لیا اب حصہ رسدی کے طور پر ایک مقررہ مقدار ہر ایک کو بانٹ دیتے تھے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ہر دن ایک ایک کھجور ملنے لگی آخر میں یہ بھی ختم ہوگئی۔ اب سمندر

1851- صحیح لغیرہ، وهذا اسناد حسن ان صح سماع المطلب- وهو ابن عبد الله ابن حنطب المخزومي- من جابر بن عبد الله، وقد اختلف فيه على عمرو- وهو ابن ابي عمرو المدني- كما بيناه في "المسند." وعمرو بن ابي عمرو صدوق حسن الحديث. واخرجه الترمذي (862)، والنسائي في "الكبرى" (3796) من طريق قتيبة بن سعيد، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (14894)، و"صحيح ابن حبان" (3971). وفي الباب عن ابي قتادة عند احمد (22526) واسناده صحيح. وآخر من حديث رجل من بهز عند احمد (15744)

کے کنارے پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ کنارے پر ایک بڑی مچھلی ایک ٹیلے کی طرح پڑی ہوئی ہے، سارے لشکر نے اٹھارہ راتوں تک اسے کھایا، وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی دو پسلیاں کھڑی کی گئیں تو اس کے نیچے سے ایک شتر سوار نکل گیا اور اس کا سر اس پسلی کی ہڈی تک نہ پہنچا، یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا نام عنبر تھا ایک روایت میں ہے کہ یہ مردہ ملی تھی اور صحابہ نے آپس میں کہا تھا کہ ہم رسول اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس وقت سخت دقت اور تکلیف میں ہیں اسے کھالو ہم تین سو آدمی ایک مہینے تک وہیں رہے اور اسی کو کھاتے رہے یہاں تک کہ ہم موٹے تازے اور تیار ہو گئے اس کی آنکھ کے سوراخ میں سے ہم چربی ہاتھوں میں بھر بھر کر نکالتے تھے تیرہ شخص اس کی آنکھ کی گہرائی میں بیٹھ گئے تھے، اس کی پسلی کی ہڈی کے درمیان سے سانڈنی سوار گزر جاتا تھا، ہم نے اس کے گوشت اور چربی سے مٹکے بھر لئے جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کی طرف سے روزی تھی جو اللہ جل مجدہ نے تمہیں دی کیا اس کا گوشت اب بھی تمہارے پاس ہے؟ اگر ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ، ہمارے پاس تو تھا ہی ہم نے حضور کی خدمت میں پیش کیا اور خود آپ نے بھی کھایا،

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ میں خود پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اس وجہ سے بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ دو واقع ہوں اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو ایک ہی ہے، شروع میں اللہ کے نبی بھی ان کے ساتھ تھے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم سمندر کے سفر کو جاتے ہیں ہمارے ساتھ پانی بہت کم ہوتا ہے اگر اسی سے وضو کرتے ہیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہمیں سمندر کے پانی سے وضو کر لینے کی اجازت ہے؟ حضور نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے، امام شافعی امام احمد اور سنن اربعہ والوں نے اسے روایت کیا ہے۔

امام بخاری امام ترمذی امام ابن خزیمہ امام ابن حبان وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے صحابہ کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کیا ہے، ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرے میں تھے اتفاق سے ٹڈیوں کا دل کا دل آ پہنچا ہم نے انہیں مارنا اور پکڑنا شروع کیا لیکن پھر خیال آیا کہ ہم تو احرام کی حالت میں ہیں انہیں کیا کریں گے؟ چنانچہ ہم نے جا کر حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دریائی جانوروں کے شکار میں کوئی حرج نہیں۔

ابن ماجہ میں ہے کہ جب ٹڈیاں نکل آتیں اور نقصان پہنچاتیں تو رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ ان سب کو خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہلاک کر ان کے انڈے تباہ کر ان کا سلسلہ کاٹ دے اور ہماری معاش سے ان کے منہ بند کر دے یا اللہ ہمیں روزیاں دے یقیناً تو دعاؤں کا سننے والا ہے، حضرت خالد نے کہا: یا رسول اللہ آپ ان کے سلسلہ کے کٹ جانے کی دعا کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایک قسم کی مخلوق ہے آپ نے فرمایا ان کی پیدائش کی اصل مچھلی سے ہے، حضرت زیاد کا قول ہے کہ جس نے انہیں مچھلی سے ظاہر ہوتے دیکھا تھا خود اسی نے مجھ سے بیان کیا ہے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے حرم میں ٹڈی کے شکار سے بھی منع کیا ہے جن فقہا کرام کا یہ مذہب ہے کہ سمندر میں جو کچھ ہے سب حلال ہے ان کا استدلال اسی آیت سے ہے وہ کسی آبی جانور کو حرام نہیں کہتے حضرت ابوبکر صدیق کا وہ قول بیان ہو

چکا ہے کہ طعام سے مراد پانی میں رہنے والی ہر ایک چیز ہے، بعض حضرات نے صرف مینڈک کو اس حکم سے الگ کر لیا ہے اور مینڈک کے سوا پانی کے تمام جانوروں کو وہ مباح کہتے ہیں کیونکہ مسند وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کے مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی آواز اللہ کی تسبیح ہے، بعض اور کہتے ہیں سمندر کے شکار سے مچھلی کھائی جائے گی اور مینڈک نہیں کھایا جائے گا اور باقی کی چیزوں میں اختلاف ہے کچھ تو کہتے ہیں کہ باقی سب حلال ہے اور کچھ کہتے ہیں باقی سب نہ کھایا جائے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ خشکی کے جو جانور حلال ہیں ان جیسے جو جانور پانی کے ہوں وہ بھی حلال ہیں اور خشکی کے جو جانور حرام ہیں ان کی مشابہت کے جو جانور تری کے ہوں وہ بھی حرام۔

یہ سب وجوہ مذہب شافعی میں ہیں حنفی مذہب یہ ہے کہ سمندر میں مر جائے اس کا کھانا حلال نہیں جیسے کہ خشکی میں از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں کیونکہ قرآن نے اپنی موت آپ مرے ہوئے جانور کو آیت (حرمت علیکم المیتۃ) میں حرام کر دیا ہے اور یہ عام ہے، ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جو تم شکار کر لو اور وہ زندہ ہو پھر مر جائے تو اسے کھا لو اور جسے پانی آپ ہی پھینک دے اور وہ مرا ہوا الٹا پڑا ہوا ہو اسے نہ کھاؤ لیکن یہ حدیث سند کی رو سے منکر ہے صحیح نہیں، مالکیوں شافعیوں اور حنبلیوں کی دلیل ایک تو ہی عنبر والی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال کئے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی، یہ حدیث مسند احمد ابن ماجہ دار قطنی اور بیہقی میں بھی ہے اور اس کے سواہد بھی ہیں اور یہی روایت موقوفاً بھی مروی ہے، واللہ اعلم،

پھر فرماتا ہے کہ تم پر احرام کی حالت میں شکار کھیلنا حرام ہے، پس اگر کسی احرام والے نے شکار کر لیا اور اگر قصداً کیا ہے تو اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا اور گنہگار بھی ہوگا اور اگر خطا اور غلطی سے شکار کر لیا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے خواہ وہ احرام والے ہوں یا نہ ہوں۔ عطا قاسم سالم ابو یوسف محمد بن حسن وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں، پھر اگر اسے کھا لیا تو عطا وغیرہ کا قول ہے کہ اس پر دو کفارے لازم ہیں۔

لیکن امام مالک وغیرہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں کوئی کفارہ نہیں، جمہور بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں، ابو عمر نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح زانی کے کئی زنا پر حد ایک ہی ہوتی ہے،

حضرت ابو حنیفہ کا قول ہے کہ شکار کر کے کھانے والے کو اس کی قیمت بھی دینی پڑے گی، ابو ثور کہتے ہیں کہ محرم نے جب کوئی شکار مارا تو اس پر جزا ہے، ہاں اس شکار کا کھانا اس کے لئے حلال ہے لیکن میں اسے اچھا نہیں سمجھتا، کیونکہ فرمان رسول ہے کہ خشکی کے شکار کو کھانا تمہارے لئے حلال ہے جب تک کہ تم آپ شکار نہ کرو اور جب تک کہ خاص تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے، اس حدیث کا تفصیلی بیان آگے آ رہا ہے، ان کا یہ قول غریب ہے، ہاں شکاری کے سوا اور لوگ بھی اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض تو منع کرتے ہیں جیسے پہلے گزر چکا اور بعض جائز بتاتے ہیں ان کی دلیل وہی حدیث ہے جو اوپر ابو ثور کے قول کے بیان میں گزری، واللہ اعلم، اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا جو احرام باندھے ہوئے نہیں پھر اس نے کسی احرام والے کو وہ جانور ہدیئے میں دیا تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً حلال ہے خواہ اسی کی نیت سے شکار کیا ہو خواہ اس کے لئے شکار نہ کیا ہو،

حضرت عمر حضرت ابوہریرہ حضرت زبیر حضرت کعب احبار حضرت مجاہد، حضرت عطا، حضرت سعید بن جبیر اور کوفیوں کا بھی خیال ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ غیر محرم کے شکار کو محرم کھا سکتا ہے؟ تو آپ نے جواز کا فتویٰ دیا، جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کے خلاف فتویٰ دیتا تو میں تیری سزا کرتا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی محرم کو اس کا کھانا درست نہیں، ان کی دلیل اس آیت کے کا عموم ہے حضرت ابن عباس اور ابن عمر سے بھی یہی مروی ہے اور بھی صحابہ تابعین اور ائمہ دین اس طرف گئے ہیں۔

تیسری جماعت نے اس کی تفصیل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی غیر محرم نے کسی محرم کے ارادے سے شکار کیا ہے تو اس محرم کو اس کا کھانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے ان کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوا کے میدان میں یا ودان کے میدان میں ایک گورخر شکار کردہ بطور ہدیئے کے دیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا جس سے صحابی رنجیدہ ہوئے، آثار رنج ان کے چہرے پر دیکھ کر رحمۃ للعالمین نے فرمایا اور کچھ خیال نہ کرو ہم نے بوجہ احرام میں ہونے کے ہی اسے واپس کیا ہے، یہ حدیث بخاری ومسلم میں موجود ہے، تو یہ لوٹانا آپ کا اسی وجہ سے تھا کہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے یہ شکار خاص میرے لئے ہی کیا ہے اور جب شکار محرم کے لئے ہی نہ ہو تو پھر اسے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بھی جبکہ وہ احرام کی حالت میں نہ تھے ایک گورخر شکار کیا صحابہ جو احرام میں تھے انہوں نے اس کے کھانے میں توقف کیا اور حضور سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اسے اشارہ کیا تھا؟ یا اسے کوئی مدد دی تھی؟ سب نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا پھر کھالو اور خود آپ نے بھی کھایا یہ واقعہ بھی بخاری ومسلم میں موجود ہے،

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلی شکار کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اس حالت میں بھی کہ تم احرام میں ہو جب تک کہ خود تم نے شکار نہ کیا ہو اور جب تک کہ خود تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو، ابوداؤد ترمذی نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے،

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی مطلب کا جابر سے سننا ثابت نہیں، ربیعہ فرماتے ہی کہ عرج میں جناب خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، آپ احرام کی حالت میں تھے جاڑوں کے دن تھے ایک چادر سے آپ منہ ڈھکے ہوئے تھے کہ آپ کے سامنے شکار کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم کھالو انہوں نے کہا اور آپ کیوں نہیں کھاتے؟ فرمایا مجھ میں تم میں فرق ہے یہ شکار میرے ہی لئے کیا گیا ہے اس لئے میں نہیں کھاؤں گا تمہارے لئے نہیں گیا اس لئے تم کھا سکتے ہو۔ (ابن کثیر، مائدہ، ۹۶)

1852 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي النَّضْرِ، مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ التَّيْمِيِّ، عَنْ نَافِعٍ، مَوْلٰى اَبِي قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ، عَنْ اَبِي قَتَادَةَ، اَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيْقِ مَكَّةَ تَخَلَّفَ مَعَ اَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِيْنَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَاٰى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوٰى عَلٰى فَرَسِهِ، قَالَ: فَسَاَلَ اَصْحَابَهُ اَنْ يُّنَاوِلُوْهُ سَوْطَهُ فَاَبَوْا فَسَاَلَهُمْ رُمْحَهُ فَاَبَوْا

فَاَخَذَهُ. ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَاَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَاَبٰى بَعْضُهُمْ فَلَمَّا اَدْرَكُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ: اِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ اَطْعَمَكُمُوْهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سفر کر رہے تھے) مکہ کے راستے میں کسی جگہ پر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ' بچھ پیچھے رہ گئے۔ ان کے ساتھیوں نے احرام باندھا ہوا تھا' اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک نیل گائے کو دیکھا تو ایک گھوڑے پر سوار ہوئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے یہ کہا: وہ ان کو ان کا کوڑا پکڑا دیں' تو ان کے ساتھیوں نے یہ بات تسلیم نہیں کی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے نیزہ مانگا' تو ان کے ساتھیوں نے یہ بات بھی تسلیم نہیں کی۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے خود ہی اسے پکڑ لیا اور نیل گائے پر حملہ کر کے اسے مار دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے اس کا گوشت کھا لیا اور بعض نے اسے کھانے سے انکار کر دیا جب یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ خوراک ہے' جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلائی ہے۔

بَابٌ فِي الْجَرَادِ لِلْمُحْرِمِ

باب: احرام والے شخص کے لیے ٹڈی کا شکار کرنا

1853 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ جَابَانَ، عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْجَرَادُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''ٹڈی سمندر کا شکار ہے''۔

1854 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ حَبِيْبِ الْمُعَلِّمِ، عَنْ اَبِي الْمُهَزِّمِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: اَصَبْنَا صِرْمًا مِنْ جَرَادٍ فَكَانَ رَجُلٌ مِنَّا يَضْرِبُ بِسَوْطِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ. فَقِيْلَ لَهُ: هٰذَا لَا يَصْلُحُ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: اِنَّمَا هُوَ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ. سَمِعْتُ اَبَا دَاوٗدَ يَقُوْلُ: اَبُو الْمُهَزِّمِ ضَعِيْفٌ وَالْحَدِيْثَانِ جَمِيْعًا وَهْمٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمیں ایک ٹڈی دل ملا تو ہم میں سے ایک شخص جو کہ احرام کی حالت میں تھا وہ اپنے کوڑے کے ذریعے اسے مارنے لگا۔ اسے کہا گیا: درست نہیں ہے' اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سمندر کا شکار ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابومہزم نامی راوی ضعیف ہے اور ان دونوں روایات میں وہم پایا جاتا ہے۔

1855 حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ. حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ جَابَانَ، عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ

كَعْبٍ، قَالَ: الْجَرَادُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ

❁❁ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ٹڈی سمندر کا شکار ہے۔

بَابٌ فِي الْفِدْيَةِ

باب: (شکار کا) فدیہ دینا

1856 حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ الطَّحَّانِ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَالَ: قَدْ آذَاكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ قَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: احْلِقْ، ثُمَّ اذْبَحْ شَاةً نُسُكًا، أَوْ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ ثَلَاثَةَ آصُعٍ مِنْ تَمْرٍ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ

❁❁ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا تمہاری جوئیں تمہیں تنگ کر رہی ہیں؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنا سر منڈوا دو اور ایک بکری قربان کر دو یا تین روزے رکھ لو یا کھجوروں کے تین صاع چھ مسکینوں کو کھلا دو۔

1857 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: إِنْ شِئْتَ فَانْسُكْ نَسِيكَةً، وَإِنْ شِئْتَ فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَطْعِمْ ثَلَاثَةَ آصُعٍ مِنْ تَمْرٍ لِسِتَّةِ مَسَاكِينَ

❁❁ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اگر تم چاہو تو قربانی دے دو یا تین روزے رکھ لو یا کھجوروں کے تین صاع چھ مسکینوں کو کھلا دو''۔

1858 حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ح وحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ الْمُثَنَّى، عَنْ دَاوُدَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فَذَكَرَ الْقِصَّةَ فَقَالَ: أَمَعَكَ دَمٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ تَصَدَّقْ بِثَلَاثَةِ آصُعٍ مِنْ تَمْرٍ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ بَيْنَ كُلِّ مِسْكِينَيْنِ صَاعٌ

❁❁ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ ان کے پاس سے گزرے اس کے بعد راوی نے سارا واقعہ بیان کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: کیا تمہارے پاس قربانی کے جانور ہیں؟ انہوں نے عرض کی: جی نہیں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم تین روزے رکھ لو یا کھجوروں کے تین صاع چھ مسکینوں کو کھلا دو۔ ایک صاع دو مسکینوں کو دیا جائے (یعنی نصف صاع ایک مسکین کو دیا جائے)

1859 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ رَجُلًا، مِنَ الْأَنْصَارِ أَخْبَرَهُ، عَنْ

كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، وَكَانَ قَدْ اَصَابَهُ فِي رَاْسِهِ اَذًى فَحَلَقَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُهْدِيَ هَدْيًا بَقَرَةً

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے: ان کے سر میں جوئیں پڑ گئیں' تو انہوں نے اپنا سر منڈوالیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ایک گائے قربان کریں۔

1860 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، حَدَّثَنِيْ اَبِي، عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ، حَدَّثَنِيْ اَبَانُ يَعْنِي ابْنَ صَالِحٍ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، قَالَ: اَصَابَنِيْ هَوَامُّ فِيْ رَاْسِي وَاَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، حَتّٰى تَخَوَّفْتُ عَلٰى بَصَرِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فِيَّ (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ بِهِ اَذًى مِنْ رَاْسِهِ) (البقرة: 196) الْآيَةَ. فَدَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي: احْلِقْ رَاْسَكَ، وَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ فَرَقًا مِنْ زَبِيْبٍ اَوْ انْسُكْ شَاةً، فَحَلَقْتُ رَاْسِي، ثُمَّ نَسَكْتُ.

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حدیبیہ کے سال میرے سر پر جوئیں پڑ گئیں میں اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا مجھے اپنی بینائی رخصت ہونے کا اندیشہ ہو گیا' تو اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں یہ آیت نازل کی:

"تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سر میں کوئی تکلیف ہو (یعنی سر میں جوئیں پڑ جائیں)"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور فرمایا: تم اپنا سر منڈوا کر تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کشمش کا ایک "فرق" کھلا دو یا ایک بکری قربان کر دو تو میں نے اپنا سر منڈوایا اور قربانی کر دی"۔

1861 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ مَالِكٍ الْجَزَرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ زَادَ اَيَّ ذٰلِكَ فَعَلْتَ اَجْزَاَ عَنْكَ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

"تم اس میں سے جو بھی کرو گے تو تمہارے لیے کفایت کر جائے گا"۔

1860- حديث صحيح، وهذا اسناد حسن من اجل محمد بن اسحاق - وهو ابن يسار المطلبي مولاهم - وقد صرح بسماعه فانتفت شبهة تدليسه. لكن ذكر الزبيب فيه وهم، والمحفوظ فيه ذكر التمر، كما في الروايات السالفة. واخرجه البخاري (1815) و (1817) و (1818) و (4159) و (4191) و (6708)، ومسلم (1201)، والترمذي (2973) و (3213) من طرق عن مجاهد بن جبر، ومسلم (1201)، والترمذي (3214) من طريق عبد الله بن معقل، كلاهما عن عبد الرحمن بن ابي ليلى، به. واخرجه الترمذي (3212) من طريق مغيرة، عن مجاهد، عن كعب بن عجرة، به. فلم يذكر في اسناده عبد الرحمن بن ابي ليلى، والصواب ذكره كما في رواية الباقين. وهو في "مسند احمد" (18108) و (18121). وانظر ما سلف برقم (1856).

دم کو واجب کرنے والے اسباب کا بیان

جن امور کے کرنے سے دَم واجب ہوتا ہے؟ دَم سے مراد پوری بکری، بھیڑ یا اونٹ، گائے وغیرہ کے ساتویں حصے کی قربانی ہے، جن باتوں کی جزا میں دَم آتا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

حالتِ احرام میں پورے عضو یا اس سے زیادہ کو خوشبو لگانا۔

خوشبو دار تیل لگانے کا وہی حکم ہے جو خوشبو کا ہے، اسی طرح تیل اور زیتون کا تیل خوشبو کے حکم میں ہے۔ اگرچہ ان میں خوشبو نہ ہو البتہ ان کے کھانے، ناک میں چڑھانے اور زخم پر لگانے سے صدقہ واجب نہیں۔

خالص خوشبو جیسے مشک، زعفران، لونگ، الائچی، دارچینی اتنی کھائی کہ منہ کے اکثر حصے میں لگ گئی۔

خوشبو پکائے بغیر کھانے میں ڈالی گئی اور اس کے اجزاء کھانے میں غالب ہوں۔

سر پر مہندی کا پتلا خضاب کیا کہ بال نہ چھپے تو ایک دَم اگر گاڑھا خضاب کیا اور پورا دن یا پوری رات لگائے رکھی تو مرد پر دو دَم اور عورت پر بہر صورت ایک دم۔

داڑھی میں مہندی لگانا

پوری ہتھیلی یا تلوے میں مہندی لگانا

حالتِ احرام میں سلا کپڑا پورا دن یا پوری رات پہنا تو دَم واجب ہے، لگاتار کئی دن رہا تو بھی ایک دَم ہی واجب ہے۔ اسی طرح پورے چار پہر موزے پہننا

سر یا داڑھی کے چوتھائی بال یا زیادہ کسی بھی طریقے سے دور کئے تو دَم واجب ہے۔

پوری گردن اور پوری ایک بغل کے بال صاف کرنا یہی حکم زیر ناف کا ہے۔

ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترنا یا بیس ناخنوں کو ایک ساتھ تراشنا

طواف زیارت سے پہلے کسی مرد یا عورت سے شہوت کے ساتھ بوس و کنار کرنے اور بدن مس کرنے میں دَم واجب ہے۔

وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد ہو گیا، اسے حج کی طرح پورا کر کے دَم دے اور آئندہ سال میں اس کی قضا کرے۔

وقوف عرفہ اور حلق کے بعد جماع کرنا

عمرہ میں چار پھیروں سے قبل جماع کیا، عمرہ جاتا رہا، دَم دے اور عمرہ کی قضا کرے اور چار پھیروں کے بعد کیا تو دَم دے عمرہ صحیح ہے۔

عمرہ کرنے والے نے طواف وسعی کے بعد حلق سے پہلے جماع کیا تو دَم واجب ہے۔

حج قران کرنے والے نے عمرہ کے طواف سے پہلے جماع کیا تو حج وعمرہ دونوں فاسد ہو گئے، مگر دونوں کے تمام افعال سرانجام دے اور دو دَم دے اور آئندہ سال حج وعمرہ کرے۔ اگر عمرہ کا طواف کر چکا ہے اور وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو عمرہ

فاسد نہ ہوا۔ حج فاسد ہو گیا، دو دَم دے اور آئندہ حج کی قضا دے۔ اگر وقوف عرفہ کے بعد کیا تو نہ حج فاسد ہوا نہ عمرہ، ایک بدنہ اور ایک دَم دے اور ان کے علاوہ قران کی قربانی دے۔

حدود حرم میں احرام کے بغیر داخل ہونا، لیکن میقات واپس جا کر احرام باندھ لیا تو دَم ساقط ہو جائے گا۔

پورا یا زیادہ تر طواف زیارت بے وضو کیا تو دَم واجب ہوگا، طواف دہرانے سے دَم ساقط ہو جائے گا۔

پورا یا زیادہ تر طواف عمرہ حیض و نفاس کی حالت میں یا بے وضو کرنا۔

طواف قدوم یا وداع کا اکثر حصہ چھوڑ دیا یا طواف وداع بالکل چھوڑ دیا تو دَم واجب ہوگا، البتہ حائضہ سے یہ طواف ساقط ہو جاتا ہے اور طواف قدوم بالکل چھوڑ دینا مکروہ ہے، مگر دَم واجب نہیں۔

پوری سعی یا اکثر چکروں کو بلا عذر چھوڑنے یا سواری پر کرنے سے دَم واجب ہوگا، پیدل اعادہ کرنے سے دَم ساقط ہو جائے گا۔

غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے نکل جانا، لیکن غروب سے پہلے واپس آ کر غروب کے بعد نکلا تو دَم ساقط ہو گیا۔

دسویں کی صبح مزدلفہ میں بلا عذر وقوف نہ کرنا۔

کسی دن بھی کنکریاں نہ مارنا یا ایک دن کی پوری یا اکثر کنکریاں چھوڑ دینا۔

حدود حرم سے باہر حلق کرنا یا رمی سے پہلے کرنا یا قارن و متمتع نے قربانی سے پہلے حلق کیا یا ان دونوں نے رمی سے پہلے قربانی کی۔

سر منڈانے میں اس قدر تاخیر کرنا کہ قربانی کے دن گزر گئے۔

طواف زیارت میں تاخیر کرنا۔

بَابُ الْإِحْصَارِ

باب: محصور ہو جانا

1862 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ بْنَ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ. قَالَ عِكْرِمَةُ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَا: صَدَقَ.

❁ حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص (کی ہڈی) ٹوٹ جائے اور وہ لنگڑا ہو جائے اور پھر احرام کھول دے تو اس کے لیے اگلے سال حج پر جانا لازم ہوگا''۔

عکرمہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کیا' تو ان دونوں نے فرمایا: انہوں نے (حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ) نے صحیح بیان کیا ہے۔

1863 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ الْعَسْقَلَانِيُّ، وَسَلَمَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَافِعٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ أَوْ مَرِضَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ، قَالَ: سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ: أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ

حضرت حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

''جس کی (ہڈی) ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے یا وہ بیمار ہو جائے''۔ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

سلمہ بن شبیب نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: معمر نے ہمیں اطلاع دی۔

1864 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَاضِرٍ الْحِمْيَرِيَّ، يُحَدِّثُ أَبِي مَيْمُونَ بْنَ مِهْرَانَ، قَالَ: خَرَجْتُ مُعْتَمِرًا عَامَ حَاصَرَ أَهْلُ الشَّامِ ابْنَ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ وَبَعَثَ مَعِي رِجَالٌ مِنْ قَوْمِي بِهَدْيٍ فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى أَهْلِ الشَّامِ مَنَعُونَا أَنْ نَدْخُلَ الْحَرَمَ فَنَحَرْتُ الْهَدْيَ مَكَانِي، ثُمَّ أَحْلَلْتُ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ خَرَجْتُ لِأَقْضِيَ عُمْرَتِي فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: أَبْدِلِ الْهَدْيَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُبْدِلُوا الْهَدْيَ الَّذِي نَحَرُوا عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ

عمرو بن میمون کہتے ہیں: میں نے ابوحاضر حمیری کو اپنے والد میمون بن مہران سے یہ کہتے سنا: جس سال اہل شام نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا تھا اس سال میں عمرہ کرنے کے لیے گیا۔ میری قوم کے کچھ افراد نے میرے ساتھ قربانی کے جانور بھجوا دیے جب ہم اہل شام تک پہنچے' تو انہوں نے ہمیں حرم میں داخل ہونے سے روک دیا۔ میں نے قربانی کے جانور کو اسی جگہ قربان کیا پھر میں نے احرام کھول دیا اور واپس آ گیا۔ اگلے سال میں اپنے عمرے کی قضا کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا' تو انہوں نے فرمایا: تم قربانی کی جگہ دوسری قربانی بھی کرو کیونکہ حدیبیہ کے سال ان لوگوں نے جو قربانیاں کی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۂ قضا کے موقع پر اپنے اصحاب کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان قربانیوں کی جگہ دوسری قربانیاں کریں۔

بَابُ دُخُولِ مَكَّةَ

باب: مکہ میں داخل ہونا

1865 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ

اِذَا قَدِمَ مَكَّةَ بَاتَ بِذِي طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ. ثُمَّ يَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَيَذْكُرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ فَعَلَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے: جب وہ مکہ تشریف لاتے تھے' تو وہ وادی ذی طویٰ میں رات بسر کرتے تھے' جب صبح ہوتی' تو وہ غسل کرتے تھے اور دن کے وقت مکہ میں داخل ہوتے تھے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات ذکر کرتے تھے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

1866 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الْبَرْمَكِيُّ. حَدَّثَنَا مَعْنٌ، عَنْ مَالِكٍ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَابْنُ حَنْبَلٍ، عَنْ يَحْيٰى، ح وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ، جَمِيعًا، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْخُلُ مَكَّةَ مِنَ الثَّنِيَّةِ الْعُلْيَا قَالَا: عَنْ يَحْيٰى، اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْخُلُ مَكَّةَ مِنْ كَدَاءَ مِنْ ثَنِيَّةِ الْبَطْحَاءِ وَيَخْرُجُ مِنَ الثَّنِيَّةِ السُّفْلٰى. زَادَ الْبَرْمَكِيُّ يَعْنِي ثَنِيَّتَيْ مَكَّةَ وَحَدِيثُ مُسَدَّدٍ اَتَمُّ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی گھاٹی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوتے تھے' جب کہ ایک راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کدیٰ کی طرف سے بطحاء کی گھاٹی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیریں گھاٹی کی طرف سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔

برمکی کہتے ہیں: یہ دونوں مکہ کی دو گھاٹیاں ہیں۔ مسدد نامی راوی کی روایت زیادہ مکمل ہے۔

1867 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ. حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ طَرِيقِ الشَّجَرَةِ، وَيَدْخُلُ مِنْ طَرِيقِ الْمُعَرَّسِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شجرہ کے راستے سے (مدینہ منورہ سے باہر) تشریف لے جاتے اور معرس کے راستے سے (مدینہ منورہ میں) تشریف لاتے تھے۔

1868 حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءَ مِنْ اَعْلٰى مَكَّةَ، وَدَخَلَ فِي الْعُمْرَةِ مِنْ كُدًى. قَالَ: وَكَانَ عُرْوَةُ يَدْخُلُ مِنْهُمَا جَمِيعًا وَكَانَ اَكْثَرُ مَا كَانَ يَدْخُلُ مِنْ كُدًى وَكَانَ اَقْرَبَهُمَا اِلٰى مَنْزِلِهِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی علاقے میں موجود کداء کی طرف سے (مکہ میں) داخل ہوئے' جبکہ عمرہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کدیٰ کی طرف سے (مکہ میں) داخل ہوئے۔

عروہ نامی راوی ان دونوں راستوں سے داخل ہو جایا کرتے تھے' تاہم وہ زیادہ تر کدیٰ کے راستے سے داخل ہوتے تھے کیونکہ یہ ان کی رہائش کے زیادہ قریب تھا۔

1869 حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ مَكَّةَ دَخَلَ مِنْ أَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوتے تھے' تو اس کے بالائی حصے سے داخل ہوتے تھے اور زیریں حصے سے تشریف لے جاتے تھے۔

بَابٌ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا رَأَى الْبَيْتَ

باب: بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ بلند کرنا

1870 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ، حَدَّثَهُمْ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا قَزَعَةَ، يُحَدِّثُ، عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ، قَالَ: سُئِلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الرَّجُلِ يَرَى الْبَيْتَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ، فَقَالَ: مَا كُنْتُ أَرَى أَحَدًا يَفْعَلُ هَذَا إِلَّا الْيَهُودَ وَقَدْ حَجَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُنْ يَفْعَلُهُ

مہاجر مکی بیان کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا: جو بیت اللہ کو دیکھ کر دونوں ہاتھ بلند کرتا ہے' تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ صرف یہودی ہی یہ حرکت کر سکتے ہیں۔ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

1871 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ مِسْكِينٍ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ يَعْنِي يَوْمَ الْفَتْحِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کی (راوی کہتے ہیں:) یعنی فتح مکہ کے دن (ایسا ہوا)

1872 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، وَهَاشِمٌ يَعْنِي ابْنَ الْقَاسِمِ قَالَا: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ أَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَيْثُ يَنْظُرُ إِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللهَ مَا شَاءَ أَنْ يَذْكُرَهُ وَيَدْعُوهُ، قَالَ: وَالْأَنْصَارُ تَحْتَهُ، قَالَ هَاشِمٌ: فَدَعَا وَحَمِدَ اللهَ وَدَعَا بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُوَ

1869- اسناده صحيح. ابن المثنى: هو محمد العنزي. واخرجه البخاري (1577)، ومسلم (1258)، والترمذي (869)، والنسائي في "الكبرى" (4227) من طريق محمد بن المثنى، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (24121). وانظر ماسلف برقم (1865)

شرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے آپ ﷺ حجر اسود کے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے اسے بوسہ دیا اور بیت اللہ کا طواف کیا پھر آپ ﷺ صفا کی طرف گئے آپ ﷺ اس پر چڑھ گئے یہاں تک کہ اس مقام پر پہنچے جہاں سے آپ ﷺ کو بیت اللہ نظر آ رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہے اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا آپ وہ دعا کرتے رہے۔ انصار آپ ﷺ کے قریب موجود تھے۔

ہاشم نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: آپ ﷺ نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہ آپ ﷺ نے دعا کی۔

بَابٌ فِي تَقْبِيلِ الْحَجَرِ

باب: حجر اسود کو بوسہ دینا

1873 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ جَاءَ إِلَى الْحَجَرِ فَقَبَّلَهُ، فَقَالَ: إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے: وہ حجر اسود کے پاس تشریف لائے اسے بوسہ دیا اور بولے: میں یہ جانتا ہوں تم ایک پتھر ہو۔ تم کوئی نفع یا نقصان نہیں دے سکتے اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو تمہیں بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہیں بوسہ نہ دیتا۔

حجر اسود

حجر اسود عربی زبان کے دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ حجر عربی میں پتھر کو کہتے ہیں اور اسود سیاہ اور کالے رنگ کے لیے بولا جاتا ہے۔
حجر اسود وہ سیاہ پتھر ہے جو کعبہ کے جنوب مشرقی دیوار میں نصب ہے۔ اس وقت یہ تین بڑے اور مختلف شکلوں کے کئی چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ یہ ٹکڑے اندازاً ڈھائی فٹ قطر کے دائرے میں جڑے ہوئے ہیں جن کے گرد چاندی کا گول چکر بنا ہوا ہے۔ جو مسلمان حج یا عمرہ کرنے جاتے ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ طواف کرتے ہوئے ہر بار حجر اسود کو بوسہ دیں۔ اگر ہجوم زیادہ ہو تو ہاتھ کے اشارے سے بھی بوسہ دیا جا سکتا ہے۔

اسلامی روایات کے مطابق جب حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ تو حضرت جبرائیل نے یہ پتھر جنت سے لا کر دیا جسے حضرت ابراہیم نے اپنے ہاتھوں سے دیوار کعبہ میں نصب کیا۔ 606ء میں جب رسول اللہ کی عمر 35 سال تھی، سیلاب نے کعبے کی عمارت کو سخت نقصان پہنچایا اور قریش نے اس کی دوبارہ تعمیر کی لیکن جب حجر اسود رکھنے کا مسئلہ آیا تو قبائل میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ یہ سعادت اسے ہی نصیب ہو۔ رسول اللہ نے اس جھگڑے کو طے کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا اور تمام سرداران قریش سے کہا کہ وہ چادر کے کونے پکڑ کر اٹھائیں۔ چنانچہ

سب نے مل کر چادر کو اٹھایا اور جب چادر اس مقام پر پہنچی جہاں اس کو رکھا جانا تھا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو دیوار کعبہ میں نصب کر دیا۔ سب سے پہلے عبداللہ بن زبیر نے حجر اسود پر چاندی چڑھوائی۔ 1268ء میں سلطان عبدالحمید نے حجر اسود کو سونے میں مڑھ دیا۔ 1281ء میں سلطان عبدالعزیز نے اسے چاندی سے مڑھوایا۔

حادثات

تاریخ میں کم از کم چھ واقعات ملتے ہیں جب حجر اسود کو چوری کیا گیا یا اس کو توڑنے کی کوشش کی گئی۔ ہوسکتا اس کے حوادث کی تعداد اس بھی زیادہ ہو۔ اسلامی روایات کے مطابق جب حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ تو حضرت جبرائیل نے یہ پتھر جنت سے لا کر دیا جسے حضرت ابراہیم نے اپنے ہاتھوں سے دیوار کعبہ میں نصب کیا۔

1۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے قبیلہ بنی جرہم کے متعلق ملتا ہے کہ ان لوگوں نے حجر اسود کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ تاریخ میں ہے کہ جب بنو بکر بن عبد مناہ نے قبلہ "جرہم" کو مکّہ سے نکلنے پر مجبور کیا تو انہوں نے مکّہ سے بے دخل ہوتے ہوئے کہ میں رکھے دو سونے کے بنے ہرنوں کے ساتھ "حجر اسود" کو کعبہ کی دیوار سے نکال کر زم زم کے کنویں میں دفن کر دیا اور مجبوراً" یمن کی جانب کوچ کر گئے، اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیے کہ یہ پتھر زیادہ عرصے زم زم کے کنویں میں نہیں رہا جس وقت بنو جرہم کے لوگ حجر اسود کو زم زم کے کنویں میں چھپا رہے تھے ایک عورت نے انھیں ایسا کرتے دیکھ لیا تھا اس عورت کی نشان دہی پر حجر اسود کو زم زم کے کنویں سے بازیاب کرا لیا گیا۔

2۔ ابو طاہر نامی شخص کی قیادت میں "قرامطین" نے 317 ہجری میں مکّہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا اور مسجد الحرام جیسے مقدس مقام پر تقریباً" سات سو انسانوں کو قتل کیا اور زم زم کے کنویں کو اور مسجد الحرام کے احاطے کو انسانی لاشوں اور خون سے بھر دیا اس کے بعد اس نے مکّہ کے لوگوں کی قیمتی اشیا کو اور کعبہ مشرفہ میں رکھے جواہرات کو غصب کر لیا اس نے کعبہ کے غلاف کو چیر پھاڑ کر کے اپنے پیروکاروں میں تقسیم کر دیا کعبہ مشرفہ کے دروازے اور اس کے سنہری پرنالے کو اکھاڑ ڈالا اور پھر بات یہیں ختم نہیں ہوئی اور 7 ذوالحجہ 317 ہجری کو ابو طاہر نے حجر اسود کو کعبہ مشرفہ کی دیوار سے الگ کر دیا اور اس کی جگہ کو خالی چھوڑ دیا اور اس کو موجودہ دور میں جو علاقہ "بحرین" کہلاتا ہے وہاں منتقل کر دیا یہ حجر اسود کا ایک نہایت تکلیف دہ دور تھا تقریباً 22 سال حجر اسود کعبہ شریف کی دیوار سے جدا رہا اس دور میں کعبہ مشرفہ کا طواف کرنے والے صرف اس کی خالی جگہ کو چومتے یا اس کا استلام کرتے تھے پھر اللہ سبحان وتعالیٰ کی مشیت دیکھیے کہ 22 سال بعد 10 ذوالحجہ 339 ہجری کو "سبر بن حسن" جس کا تعلق بھی قرامطین قبیلے سے ہی تھا، اس نے حجر اسود کو آزاد کرایا اور واپس حجر اسود کے اصل مقام پر پیوست کروا دیا اس وقت ایک مسلہ یہ ضرور در پیش آیا کہ کیا واقعی یہ اصل حجر اسود ہی ہے یا نہیں تو اس وقت مسلمانوں کے ایک دانشور نے کہا وہ اس کو ٹیسٹ کر کے بتا دیگا کہ یہی اصل حجر اسود ہے یا نہیں کیوں کہ اس نے اس کے بارے میں احادیث کا مطالعہ کر رکھا ہے۔۔اس نے حجر اسود پر آگ لگائی تو حجر اسود کو آگ نہیں لگی اور نہ ہی وہ گرم ہوا پھر اس نے اس کو پانی میں ڈبویا تو یہ پتھر ہونے کے باوجود اپنی خصلت کے برخلاف پانی میں ڈوبا نہیں بلکہ سطح آب پر ہی تیرتا رہا اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ اصل جنت کا پتھر ہی ہے کیوں کہ جنت کا پتھر کا آگ سے اور غرق یابی سے بھلا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

3 سن 363 ہجری میں ایک رومی شخص نے اپنے کلہاڑے سے حجر اسود پر کاری ضرب لگائی جس سے اس پر چٹخنے کا ایک واضح نشان پڑ گیا اس نے دوسری شدید ضرب لگانے کے لیے جیسے ہی اپنے کلہاڑے کو اٹھایا. اللہ سبحان وتعالیٰ کی مدد آن پہنچی اور قریب ہی موجود ایک یمنی شخص نے جو اس کی یہ گھناونی کاروائی دیکھ رہا تھا، چشم زدن میں اس نے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی حجر اسود پر دوسری ضرب لگانے کی خواہش دل ہی میں رہ گئی

4 سن 413 ہجری میں فاطمید نے اپنے 6 پیروکاروں کو مکہ بھیجا جس میں سے ایک "الحاکم العبیدی" تھا جو ایک مضبوط جسم کا مالک سنہرے بالوں والا طویل قدوقامت والا انسان تھا وہ اپنے ساتھ ایک تلوار اور ایک لوہے کی سلاخ لایا تھا اپنے ساتھیوں کے اکسانے پر اسے دیوانگی کے عالم میں تابڑ توڑ تین ضربیں "حجر اسود" پر لگا ڈالیں جس سے اس کی کرچیاں اڑ گئیں وہ ہزیانی کیفیت م

4 سن 413 ہجری میں فاطمید نے اپنے 6 پیروکاروں کو مکہ بھیجا جس میں سے ایک "الحاکم العبیدی" تھا جو ایک مضبوط جسم کا مالک سنہرے بالوں والا طویل قدوقامت والا انسان تھا وہ اپنے ساتھ ایک تلوار اور ایک لوہے کی سلاخ لایا تھا اپنے ساتھیوں کے اکسانے پر اسے دیوانگی کے عالم میں تابڑ توڑ تین ضربیں "حجر اسود" پر لگا ڈالیں جس سے اس کی کرچیاں اڑ گئیں وہ ہزیانی کیفیت میں اول فول بکتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ (معاذ اللہ) جب تک وہ اسے پورا نہ اکھاڑ پھینکے گا جب تک سکوں سے نہ بیٹھے گا بس اس موقع پر ایک مرتبہ پھر اللہ سبحان وتعالیٰ کی مدد آن پہنچی اور گھڑسواروں کے ایک دستے نے ان سب افراد کو گھیر لیا اور ان سب کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا اور بعد میں ان کی لاشوں کو بھی جلا دیا گیا۔

5 اسی طرح کا ایک واقعہ سن 990 ہجری میں بھی ہوا جب ایک غیر عرب باشندہ اپنے ہتھیار کے ساتھ مطاف میں آیا اور اسنے حجر اسود کو ایک ضرب لگا دی اس وقت کا ایک شہزادہ "شہزادہ نصیر" مطاف میں موجود تھا جس نے اسے فوری طور سے موت کے گھاٹ اتار دیا

6 سن 1351 ہجری کے محرم کے مہینے میں میں ایک افغانی باشندہ مطاف میں آیا اور اسنے حجرہ اسود کا ایک ٹکڑا توڑ کر باہر نکال دیا اور کعبہ کے غلاف کا ایک ٹکڑا چوری کر ڈالا۔ اس نے کعبہ کی سیڑھیوں کو بھی نقصان پہنچایا کعبہ مشرفہ کے گرد کھڑے محافظوں نے اسے پکڑ لیا اور پھر اسے مناسب کارروائی کے بعد موت کی سزا دے دی گئی اس کے بعد 28 ربیع الاول سن 1351 ہجری کو شاہ عبد العزیز نے اس پتھر کو دوبارہ کعبہ مشرفہ کی دیوار میں نصب کیا جو اس فاطر العقل افغانی نے نکال باہر کیا تھا حجر اسود اس وقت ایک مکمل پتھر کی صورت میں نہیں ہے جیسا کہ یہ جنت سے اتارا گیا تھا بلکہ حوادث زمانہ نے اس متبرک پتھر کو جس کو بوسہ دینے کے لیے اہل ایمان کے دل ہر وقت بے چین رہتے ہیں آٹھ ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

606ء میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 35 سال تھی، سیلاب نے کعبے کی عمارت کو سخت نقصان پہنچایا اور قریش نے اس کی دوبارہ تعمیر کی لیکن جب حجر اسود رکھنے کا مسئلہ آیا تو قبائل میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ یہ سعادت اسے ہی نصیب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھگڑے کو طے کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا اور تمام سرداران قبائل

سے کہا کہ وہ چادر کے کونے پکڑ کر اٹھائیں۔ چنانچہ سب نے مل کر چادر کو اٹھایا اور جب چادر اس مقام پر پہنچی جہاں اس کو رکھا جاتا تھا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو دیوار کعبہ میں نصب کر دیا۔ سب پہلے عبداللہ بن زبیر نے حجر اسود پر چاندی چڑھوائی۔ 1268ء میں سلطان عبدالحمید نے حجر اسود کو سونے میں مڑھوایا۔ 1281ء میں سلطان عبدالعزیز نے اسے چاندی سے مڑھوایا۔

696ء میں جب حضرت عبداللہ بن زبیر خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہوئے تو حجاج بن یوسف کی فوج نے کعبے پر منجنیقوں سے پتھر برسائے اور پھر آگ لگا دی۔ جس سے حجر اسود کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ عباسی خلیفہ الراضی باللہ کے عہد میں ایک قرامطی سردار ابوطاہر حجر اسود اٹھا کر لے گیا اور کافی عرصے بعد اس واپس کیا۔

حجرِ اسود کو نصب کرنے کا تنازعہ اور آپ کا حاکم مقرر ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ کعبہ صرف قد سے کچھ اونچی چہار دیوار کی شکل میں تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے ہی سے اس کی بلندی ۹ ہاتھ تھی اور اس پر چھت نہ تھی۔ اس کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا۔۔ اس کے علاوہ اس کی تعمیر پر ایک طویل زمانہ گزر چکا تھا۔ عمارت خستگی کا شکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ ادھر اسی سال ایک زوردار سیلاب آیا۔ جس کے بہاؤ کا رخ خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ اس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کسی بھی لمحے ڈھ سکتا تھا، اس لیے قریش مجبور ہو گئے کہ اس کا مرتبہ ومقام برقرار رکھنے کے لیے اسے از سرِ نو تعمیر کریں۔

اس مرحلے پر قریش نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ اس میں رنڈی کی اُجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال استعمال نہیں ہونے دیں گے۔

نئی تعمیر کے لیے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا لیکن کسی کو ڈھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتداء کی اور کدال لے کر یہ کہا کہ اے اللہ! ہم خیر ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں کے اطراف کو کچھ ڈھا دیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی آفت نہیں ٹوٹی تو باقی لوگوں نے بھی دوسرے دن ڈھانا شروع کیا اور جب قواعد ابراہیم تک ڈھا چکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔

تعمیر کے لیے الگ الگ ہر قبیلے کا حصہ مقرر تھا اور ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر کے ڈھیر لگا رکھے تھے، تعمیر شروع ہوئی۔ باقوم نامی ایک رومی معمار نگراں تھا۔ جب عمارت حجر اسود تک بلند ہو چکی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف وامتیاز کسے حاصل ہو، یہ جھگڑا چار پانچ روز تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ معلوم ہوتا تھا سرزمینِ حرم میں سخت خون خرابہ ہو جائے گا، لیکن ابواُمیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو اسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔

اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ ھذا الأمین رضیناہ ھذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ امین ہیں۔ ہم ان راضی ہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ اس مجلس میں داخل ہوئے تو سب نے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے حق میں چاہیں فیصلہ کردیں، ہم آپ کے فیصلہ پر رضا مند ہیں۔

ذرا سوچیے اور غور کریں کہ جس عزت اور شرف کو ہر قبیلہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور خون سے بھرے ہوئے پیالے میں انگلیاں ڈال ڈال کر اُس زمانے کی رسم کے موافق مرنے مارنے پر شدید وغلیظ قسمیں کھا چکے تھے اُس عزت وشرف کے معاملہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرنے میں سب مطمئن ہیں۔

آپ نے معاملہ سے آگاہ ہو کر اُسی وقت ذرا اسی دیر میں جھگڑے کو ختم کر دیا اور تمام بوڑھے اور تجربہ کار سردارانِ قریش آپ کی ذہانت، قوتِ فیصلہ اور منصف مزاجی کو دیکھ حیران رہ گئے اور سب نے بالاتفاق احسنت ومرحبا کی صدائیں بلند کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فیصلہ کیا کہ ایک چادر بچھائی اُس پر حجرِ اسود اپنے ہاتھ سے رکھ دیا پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کے کنارے کو پکڑ لو؛ چنانچہ تمام سردارانِ قریش نے مل کر اُس چادر کے کنارے چاروں طرف سے پکڑ کر پتھر کو اٹھایا، جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کو نصب کرنا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر سے اُٹھا کر وہاں نصب کر دیا کسی کو کوئی شکایت باقی نہ رہی اور سب آپس میں رضامند رہے۔

اس واقعہ میں عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس، اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ، ابو حذیفہ بن مغیرہ بن عمر بن مخزوم، اور قیس بن عدی السہمی چار شخص بہت پیش پیش تھے اور کسی طرح دوسرے کے حق میں معاملہ کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے اس فیصلہ سے یہ چاروں بہت خوش اور مسرور تھے، اگر ملک عرب میں یہ جنگ چھڑ جاتی تو یقیناً یہ تمام اُن لڑائیوں سے زیادہ ہیبت ناک اور تباہ کن جنگ ثابت ہوتی جو اب تک زمانہ جاہلیت میں ہو چکی تھیں، جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حجرِ اسود والے جھگڑے کا فیصلہ کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ (ابن ہشام ۱/ ۱۹۲ تا ۱۹۷، تاریخ طبری ۲/ ۲۸۹، اور اس کے بعد صحیح بخاری باب فضل مکۃ وبنیانہا۔ ۱/ ۲۱۵، تحکیم کی یہ خبر مسند ابی داود طیالسی میں بھی ہے۔ نیز دیکھئے: تاریخ خضری ۱/ ۶۴، ۶۵۔)

احادیث میں ذکر

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

بلاشبہ حجرِ اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے نور اور روشنی کو ختم کر دیا ہے اگر اللہ تعالیٰ اس روشنی کو ختم نہ کرتا تو مشرق ومغرب کا درمیانی خصہ روشن ہو جاتا۔ (سنن ترمذی حدیث نمبر (804)۔ 1۔ حجر اسود اللہ تعالیٰ نے زمین پر جنت سے اتارا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حجر اسود جنت سے نازل ہوا)۔
سنن ترمذی حدیث نمبر (877) سنن نسائی حدیث نمبر (2935) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

2۔ حجر اسود دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا جسے اولاد آدم کے گناہوں نے سیاہ کر دیا ہے: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان

کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(حجر اسود جنت سے آیا تو دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا اور اسے بنو آدم کے گناہوں نے سیاہ کر دیا ہے)۔

سنن ترمذی حدیث نمبر (877) مسند احمد حدیث نمبر (2792) اور ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ (4/219) میں اسے صحیح قرار دیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری (3/462) میں اس کی تقویت بیان کی ہے۔

مرقاۃ میں کہتے ہیں کہ: یعنی بنی آدم کے چھونے کی بنا پر ان کے گناہوں کے سبب سے سیاہ ہو گیا، اور ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا جائے، جبکہ اس میں نہ تو عقل اور نہ ہی نقل مانع ہے۔ دیکھیں تحفۃ الاحوذی (3/525)۔

ب۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے:

اوپر گزری ہوئی حدیث پر بعض ملحدین نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشرکوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کیسے کر دیا اور موحدین کی اطاعات نے اسے سفید کیوں نہیں کیا؟

جواب میں وہ کہا جاتا ہے جو ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس طرح ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اور عادت بنائی ہے کہ سیاہ رنگا ہو جاتا ہے اور اس کے عکس نہیں ہو سکتا۔

ج۔ اور محب الطبری کا کہنا ہے کہ:

سیاہ رنگ میں اہل بصیرت کے لیے عبرت ہے وہ اس طرح کہ اگر گناہ سخت قسم کے پتھر پر اثر انداز ہو کر اسے سیاہ کر سکتے ہیں تو دل پر ان کی اثر ہونا زیادہ سخت اور شدید ہو گا۔ فتح الباری (3/463)۔

3۔ حجر اسود روز قیامت ہر اس شخص کی گواہی دے گا جس نے اس کا حق کے ساتھ استلام کیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا:

اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اسے قیامت کو لائے گا تو اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھے اور زبان ہو گی جس سے بولے اور ہر اس شخص کی گواہی دے گا جس نے اس کا حقیقی استلام کیا۔

سنن ترمذی حدیث نمبر (961) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2944) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (3/462) میں اس کی تقویت بیان کی ہے۔

4۔ حجر اسود کا استلام یا بوسہ یا اس کی طرف اشارہ کرنا:

یہ ایسا کام ہے جو طواف کے ابتداء میں ہی کیا جاتا ہے چاہے وہ طواف حج میں ہو یا عمرہ میں یا پھر نفلی طواف کیا جا رہا ہو۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حجر اسود کا استلام کیا اور پھر اس کے دائیں جانب چل پڑے اور تین چکروں میں رمل کیا اور باقی چار میں آرام سے چلے۔ صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)۔

حجر اسود کا استلام یہ ہے کہ اسے ہاتھ سے چھوا جاؤ۔

5۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کا بوسہ لیا اور امت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اسے چومتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجر اسود کے پاس تشریف لاؤ اور اسے بوسہ دے کر کہنے لگے: مجھے یہ علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع دے سکتا اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے، اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (1250) صحیح مسلم حدیث نمبر (1720)۔

6۔ اگر اس کا بوسہ نہ لیا جا سکے تو اپنے ہاتھ یا کسی اور چیز سے استلام کر کے اسے چوما جا سکتا ہے۔

ا۔ نافع رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حجر اسود کا استلام کیا اور پھر اپنے ہاتھ کو چوما، اور فرمانے لگے میں نے جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے ہوئے دیکھا ہے میں نے اسے نہیں چھوڑا۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (1268)

ب۔ ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور حجر اسود کا چھڑی کے ساتھ استلام کر کے چھڑی کو چومتے تھے۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر (1275)

7۔ اگر استلام سے بھی عاجز ہو تو اشارہ کرے اور اللہ اکبر کہے:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر طواف کیا تو جب بھی حجر اسود کے پاس آتے تو اشارہ کرتے اور اللہ اکبر کہتے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (4987)

8۔ حجر اسود کو چھونا گناہوں کا کفارہ ہے:

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے۔ (سنن ترمذی حدیث نمبر (959) امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے (1 / 664) صحیح قرار دیا اور امام ذھبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

حجر اسود کے بوسے و استلام کا بیان

پھر وہ حج اسود سے شروع کرے تو اس کا بوسہ لے اور تکبیر و تہلیل پڑھے۔ کیونکہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں داخل ہوئے۔ (ابن ابی شیبہ) تو آپ ﷺ نے حجر اسود سے ابتداء کی اور آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور "اللہ اکبر" اور "لا الہ الا اللہ" پڑھا۔ (مسلم)

صاحب قدوری نے کہا ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صرف سات مقامات پر ہاتھوں کو بلند کیا تھا۔ اور ان میں سے ایک استلام حجر ہے۔ جبکہ وہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچائے بغیر ممکن ہو۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو آپ ﷺ نے دونوں مبارک ہونٹ اس پر رکھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عمر! تو طاقتور آدمی ہے کمزوروں کو تکلیف پہنچائے گا۔ لہذا حجر اسود کے پاس لوگوں میں گھس نہ جانا۔ لیکن جب کشادگی پائے تو حجر اسود کا استلام کر لینا۔ ورنہ حجر اسود کے سامنے ہوتے ہوئے تکبیر و تہلیل پڑھ لینا۔ کیونکہ استلام سنت ہے جبکہ

مسلمان کو تکلیف پہنچانے سے بچنا واجب ہے۔

حجر اسود کے بوسے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جب حج یا عمرہ کے لئے) مکہ تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا پھر (طواف کے لئے) داہنے ہاتھ کی طرف چلے، چنانچہ تین مرتبہ تو بازو ہلا کر اور جلدی جلدی چلے (جس طرح پہلوان چلتے ہیں) اور چار مرتبہ اپنی معمولی رفتار سے چلے۔ (مسلم)

حضرت زبیر ابن عربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے۔ (بخاری)

استلام رکن یمانی کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کے صرف دو رکن کا استلام کرتے دیکھا ہے جو یمن کی سمت ہیں۔ (بخاری مسلم)

کعبہ مقدسہ کے چار رکن یعنی چار کونے ہیں، ایک رکن تو وہ ہے جس میں حجر اسود نصب ہے، دوسرا اس کے سامنے ہے اور حقیقت میں یمانی اسی رکن کا نام ہے، مگر اس طرف کے دونوں ہی رکن کو تغلیبا رکن یمانی ہی کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو رکن اور ہیں جن میں سے ایک تو رکن عراقی ہے اور دوسرا رکن شامی مگر ان دونوں کو رکن شامی ہی کہتے ہیں۔

جن میں رکن حجر اسود ہے اس کو دوہری فضیلت حاصل ہے، ایک فضیلت تو اسے اس لئے حاصل ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے، اور دوسری فضیلت یوں حاصل ہے کہ اس میں حجر اسود ہے، جب کہ رکن یمانی کو صرف یہی ایک فضیلت حاصل ہے کہ اسے حضرت ابراہیم نے بنایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان دونوں رکن کو رکن شامی و عراقی پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اسی لئے استلام انہیں دونوں رکن کے ساتھ مختص ہے۔

استلام کے معنی ہیں لمس کرنا یعنی چھونا یہ چھونا خواہ ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ ہو یا بوسہ کے ساتھ اور یا دونوں کے ساتھ لہٰذا جب یہ لفظ رکن اسود کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے حجر اسود کو چومنا مقصود ہے اور جب رکن یمانی کی نسبت استعمال ہوتا ہے تو اس سے رکن یمانی کو صرف چھونا مراد ہوتا ہے۔

چونکہ رکن اسود، رکن یمانی سے افضل ہے اس لئے اس کو بوسہ دیتے ہیں یا ہاتھ وغیرہ لگا کر یا کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کر کے چومتے ہیں، اور رکن یمانی کو صرف چوما جاتا ہے اس کو بوسہ نہیں دیا جاتا، بقیہ دونوں رکن یعنی شامی اور عراقی کو نہ بوسہ دیتے ہیں اور نہ ہاتھ لگاتے ہیں، چنانچہ مسئلہ یہی ہے کہ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی اور پتھر وغیرہ کو نہ چومنا چاہئے اور نہ ہاتھ لگانا چاہئے۔

حجر اسود کے بوسے سے متعلق شعائر اللہ کی تعظیم کا بیان

حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دے کر کہا:

میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔

(اور ایک روایت میں ہے کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ کام ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا ہے پس ہم نہیں چاہتے کہ اسے ترک کر دیں۔ (البخاري، 1520: ،1528، ومسلم 1270 :، وأبوداود 1873 :، والنسائي 2938 :، وابن ماجه: 2943، ومالک في الموطأ 818 :، وأحمد بن حنبل 99 :، والبزار في المسند، 1391 :، وابن حبان:. 2711)

صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم ہمیشہ ہر کام اتباع رسول میں کیا کرتے تھے۔ اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا "(اے پتھر!) اگر تجھے حضور نے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا "اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ بیشک وہ پتھر جنت سے آیا تھا۔ حرم کعبہ میں نصب تھا اور بہت فضیلت رکھتا تھا لیکن سیّدنا فاروق اعظم اُس پتھر کو اس کی فضیلت کی وجہ سے نہیں بلکہ حضور اکرم کے لب مبارک لگ جانے کی وجہ سے چوم رہے تھے۔ شاعر نے شاید اسی کیفیت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا۔۔

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی، مجھے ہوش کب تھی سجود کی تیرے نقش پا کی تلاش تھی؛ جو میں جھک رہا تھا نماز میں

قرآن کو ادب سے چومنے پر علماء مصر کا فتویٰ

قرآن کریم کو چومنا، تکریم اور احترام ہے یہ اللہ رب العزت کی نشانیوں کی تعظیم ہے۔ قرآن کریم کو چومنے سے منع کرنے کا کوئی حکم نہیں آیا چنانچہ یہ مباح ہے۔ اگر چومنے سے مقصود تعظیم و تکریم ہو تو یہ سنت ہے۔

شریعت میں جنہیں چومنے یا جن کو بوسہ دینے کا ذکر آیا ہے ان میں حجر اسود کو بوسہ دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چوما اور یہ سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیوں چوما؟ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسا شخصیتوں اور سرداروں کے ہاتھ چومنے سے مشابہت کے طور پر کیا گیا اور حجر اسود جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ زمین پر اللہ رب العزت کا عہد ہے جس کے ذریعہ اُس کے بندے اُس سے مصافحہ کرتے ہیں چنانچہ اُسے چومنا اللہ رب العزت کی عظمت اور اس کے جلال کو تسلیم کرنا ہے یا اُس کی اطاعت کا اور اُس کے (احکام) کی پابندی کرنے کا اُس کے ساتھ عہد ہے جیسا کہ لوگوں کے درمیان خرید و فروخت، تعلق و دوستی اور باہمی معاہدہ کے لئے ہوتا ہے۔ یا اسے چومنا کعبہ شریف کے احجار کے بقیہ حصوں کی تعظیم و تکریم ہے۔ جس کی تعمیر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایسے بہت سے آثار وارد ہوئے ہیں جن میں انہوں نے عزت و تکریم اور احترام کے طور پر ایک دوسرے کو چوما اور بوسہ دیا ہے۔

انہیں واقعات میں سے یہ ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے (حضرت) جعفر بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی پر اُن کا خیر مقدم کیا انہیں گلے لگایا اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیانی حصہ کو چوما۔

۲۔ (حضرت) زید بن حارثہ جب (اُم المومنین) حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ اُٹھ کر کپڑا کھینچتے ہوئے اُن کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے انہیں گلے لگایا اور انہیں بوسا دیا۔

۳۔ جب غازی (مجاہدین) مؤتہ سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو بوسہ دیا۔

۴۔ جب اللہ رب العزت نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو بوسہ دیا۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد القیس کے وفد کو اپنے دست مبارک بلکہ قدم مبارک کا بوسہ لینے کی اجازت دی۔

۶۔ (حضرت) اسید بن حضیر کو بوسہ لینے کی اجازت دی جب کہ انہوں نے لکڑی کی ضرب کا قصاص لینے کے لئے جسم مبارک کو کھولنے کا مطالبہ کیا۔ اور یہ بوسہ لینا برکت کے طور پر تھا۔

۷۔ دو یہودی سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نو کھلی ہوئی نشانیوں کے بارے یں دریافت کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو یہ ۹ نشانیاں بتادیں تو اُن دونوں نے پیارے آقا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور قدمین شریفین کو بوسہ دیا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۸۔ جب (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) ملک شام تشریف لائے تو (حضرت) ابو عبیدہ نے اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ (حضرت) ابا عبیدہ نے آپ کے ہاتھوں کو چومنے کا یا بوسہ دینے کا ارادہ کیا تو (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ہاتھ کھینچ لیئے۔ سو (حضرت) ابو عبیدہ نے آپ (رضی اللہ عنہ) کے قدموں کا بوسہ لیا۔

۹۔ (حضرت) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے علماء کرام کے احترم کے طور پر (حضرت) عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں کا اُس وقت بوسہ لیا جب کہ وہ سواری پر سوار ہو رہے تھے۔

چنانچہ (حضرت) زید (رضی اللہ عنہ) نے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے طور پر اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

۱۰۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ (حضرت) سلمہ بن الاکواع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر بیعت کی ہے تو انہوں نے (حضرت) سلمہ بن الاکوع کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

قرآن شریف کو چومنا یا اُس کا بوسہ لینا انہیں سابقہ مفہوم کے ضمن میں آتا ہے۔ اور وہ ہے عزت وتکریم، تعظیم وتوقیر، اجلال و احترام، اطاعت وتقویٰ کا عہد اور یہ شعائر اللہ کی عظیم میں سے ہے۔ سورہ حج کی آیت نمبر ۳۲ میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

اور جو کوئی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو بے شک یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ۔ اور یہ اللہ رب العزت کی نعمت کے شکر میں سے ہے۔ سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۷ میں ہے :

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔

اور اُس وقت تمہارے پروردگار نے تم کو خبردار کیا کہ اگر تم میری شکر گزاری کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

اللہ رب العزت کی نعمتیں بے شمار ہیں جنہیں گننا ممکن نہیں ۔ ان نعمتوں پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا ہم پر واجب ہے۔ شکر گزاری سے اِن میں اضافہ ہوتا ہے۔ یا کم سے کم اللہ انہیں محفوظ رکھتا ہے اور ان میں برکت دیتا ہے۔ کفران نعمت سے یہ ضائع ہونے اور ان سے لطف واندوز ہونے سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کو چومنے اور اُس کا بوسہ لینے سے منع کرنے کا کوئی حکم وارد نہیں ہوا چنانچہ یہ مباح ہے اور اگر اس سے قرآن کریم کی تعظیم وتوقیر مقصود ہو تو یہ مباح ہے۔

(ڈاکٹر یاسر عبدالعظیم، فتاویٰ دار الفتاء المصریہ الموضوع (۶۳)، المفتی: فضیلۃ الشیخ مطبوعہ، صفر مئی ۱۹۹۷ء)

آثار وتبرکات کی شرعی حیثیت کا بیان

قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق آثار وتبرکات کا ادب اوران کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ ان کے ادب کے سبب اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید جبکہ ان کی بے ادبی کرنے سے ایمان خارج ہونے کا خدشہ ہے۔ جبکہ بعض دفعہ ان کی بے ادبی کے سبب انسان مسلمان نہیں رہتا۔

قرآن کے مطابق آثار وتبرکات کی تعظیم کا حکم

(۱) بیشک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کو راہ دکھاتا اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔ (البقرہ، ۹۷)

امام فخر الدین رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہم ہے یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا حصہ ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا اور یہ خاص قدرت الہیہ و معجزہ انبیاء ہے پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کردی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا پھر اسے حق سبحنہ نے مدتہا مدت باقی رکھا تو یہ اقسام اقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔ (مفاتیح الغیب، ج ۸، ص ۱۵۵، عامرہ مصر)

(۲) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (البقرہ۔۲۴۸)

اوران سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی

طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زر اندود صندوق تھا جس کا طول تین ہاتھ کا اور عرض دو ہاتھ کا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں ان کے مساکن و مکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضور کی دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی کہ حضور بحالت نماز قیام میں ہیں اور گرد آپ کے آپ کے اصحاب حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصویروں کو دیکھا یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا آپ اس میں توریت بھی رکھتے تھے اور اپنا مخصوص سامان بھی، چنانچہ اس تابوت میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور آپ کے کپڑے اور آپ کی نعلین شریفین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کی عصا اور تھوڑا سا من جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا آیا جب انہیں کوئی مشکل درپیش ہوتی وہ اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی برکت سے فتح پاتے جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور ان کی بدعملی بہت بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط کیا تو وہ ان سے تابوت چھین کر لے گئے اور اس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی اور ان گستاخیوں کی وجہ سے وہ طرح طرح کے امراض و مصائب میں مبتلا ہوئے ان کی پانچ بستیاں ہلاک ہوئیں اور انہیں یقین ہوا کہ تابوت کی اہانت ان کی بربادی کا باعث ہے تو انہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو چھوڑ دیا اور فرشتے اس کو بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لائے اور اس تابوت کا آنا بنی اسرائیل کے لئے طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا تھا بنی اسرائیل یہ دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقر ہوئے اور بے درنگ جہاد کے لئے آمادہ ہوگئے کیونکہ تابوت پا کر انہیں اپنی فتح کا یقین ہوگیا طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار جوان منتخب کئے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ (جلالین وجمل وخازن ومدارک وغیرہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز واحترام لازم ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی اور حاجتیں روا ہوتی ہیں اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے فائدہ تابوت میں انبیاء کی جو تصویریں تھیں وہ کسی آدمی کی بنائی ہوئی نہ تھیں اللہ کی طرف سے آئی تھیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، البقرہ ۲۴۸)

تابوت سکینہ اور جنگ طالوت وجالوت کا بیان

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ کہ نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت برکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا، جس میں وقار وعزت دلجمعی اور جلالت رافت ورحمت ہے جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو، بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ کو ملا تھا اور جس

میں آپ نے توراۃ کی تختیاں رکھی تھیں، کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی، ہاتھ بھی تھا، دوسر تھے، دو پر تھے اور دم بھی تھی، وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی، یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا، اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا، بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا، تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے،

انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا، صبح جو گئے تو دیکھا بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے، تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا، وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی، آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی، اس نے کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی، ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا، شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے، بعض کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم، (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہیں کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے (مترجم) یہ بھی کہا گیا کہ ہے کہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے، اگر تمہیں اللہ عزوجل اور قیامت پر ایمان ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۴۸)

احادیث کے مطابق آثار و تبرکات کی تعظیم کا حکم

(۱) امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا پھر ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر وہ سب بال انھیں عطا فرما دئے پھر بائیں جانب کے بالوں کو حکم فرمایا اور وہ ابو طلحہ کو دئے کہ انھیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔

(صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۲۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲) امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعل مقدس ہے۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے انھوں نے ایک اُونی جبہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ ریشمین تھی اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ ہے ام المومنین صدیقہ کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھودھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴) حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب سے ہے۔ میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی اس پر خضاب کا اثر تھا۔

(صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۷۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اہل سنت و جماعت کی دیگر عمومی تصانیف میں کثیر دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ سے ہو جائے وہ چیز برکت والی ہے اور اس کی تعظیم کی جائے گی۔

منکرین آثار و تبرکات کے دھوکے و فریب

مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں کہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ حضرت سیدہ کا وصال ہو گیا اپنے اسی جھوٹے اعتقاد کے مطابق وہ حضرت سیدہ کو مظلومہ اور شہیدہ بھی کہہ رہا تھا یہ حقیقت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تبرا ہے صرف اسی ایک موقعہ پر نہیں بلکہ میں نے بارہا ایرانی رافضیوں کے منہ سے یہ تبرا سنا ہے۔

یہ ہے بخدی حکومت کی حق پرستی کہ رافضی علانیہ مسلسل تبرا بکیں تو ان سے کوئی پرسش نہیں لیکن اگر کوئی سُنّی وارفتہ شوق ہو کر جالیوں کو بوسہ دیدے یا منبر اقدس کو بوسہ دیدے تو اسے جھڑکتے بھی ہیں دھکے بھی دیتے ہیں اور مار بھی دیتے ہیں۔ میں نے حرمین طیبین جا کر یہ محسوس کیا کہ وہاں مآثر و مزارات کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوا اور کوئی چیز جرم نہیں۔ داڑھی منڈاؤ، فلم دیکھو، گھروں میں ٹیلی ویژن لگاؤ، اس پر عریاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھو، گانے سنو تصویریں کھنچواؤ، تصویریں بیچو، خرید و کوئی چیز جرم نہیں۔ میں نے معلمین کے آفسوں میں دیکھا کہ ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں دن رات فلمیں چلتی رہتی ہیں۔ بازاروں میں علانیہ مصر کی مشہور مغنیہ ام کلثوم اور دنیا کے مشہور گانے والے گانے والیوں کے پاکستانی فلمی گانوں کے کیسٹ بکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ میں مجدی حکومت کے طرفداروں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں؟ قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے وہاں آنکھوں سے دیکھی وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔ حجاج بہترین سے بہترین قرآن مجید خرید کر دونوں حرم میں رکھدیتے ہیں جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو بعد عشاء کوڑا پھینکنے والے ٹرکوں میں دروازوں کے باہر پڑے ہوئے طرح بھرتے ہیں جیسے کوڑا بھرا جاتا ہے، قرآن مجید کی جلدوں کو بوروں میں کس کر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیتے ہیں پھر انھیں قرآن مجید پر ٹرک میں بیٹھتے ہیں اور لے جا کر کہیں پھینک آتے ہیں۔

حجاج میں بھی ایسے ایسے گنواروں کو دیکھا کہ قرآن مجید کا تکیہ لگائے ہوئے سو رہے ہیں مگر کسی مجدی سپاہی یا مطوی کو توفیق نہیں ہوئی کہ ان گنواروں کو ٹوکتا۔ حجاج بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں اور گنوار قرآن کی طرف پاؤں کر کے سو رہے ہیں۔ مگر انھیں کوئی تنبیہ

کرنے والا نہیں۔ میں نے کئی حاجیوں کو اس پرتو کا کچھ تو مان گئے کچھ جھگڑے پر آمادہ ہو گئے، غرض کہ نجدی حکومت میں یہ سب نا کرونیاں ہوتی ہیں مگر نجدیوں کے وظیفہ خوار اس پر چوں تک نہیں کرتے، ہم آثر و مزارات کے ہاتھ لگانے و بوسہ دینے پر نجدیوں کے بیجا تشدد کا خطبہ الیتہ رات دن پڑھتے رہتے ہیں۔ بہر حال ایرانیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں حتیٰ کہ انہیں تبرا کرنے کی بھی اجازت ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جالیوں میں دیکھنا شروع کیا کہ حظیرہ اقدس جالیوں سے کتنے فاصلے پر ہے اور اس کی ساخت کیسی ہے کہ مجھے نجدی سپاہی نے شرک شرک حرام حرام کہہ کے دھکا دیدیا حالانکہ میں نے جالیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اپنے اسلاف کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھوں کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان مقدس جالیوں کو مس کریں۔ مجھے بہت ہی غصہ آیا، میں نے اس بدبخت سے کہا انظر الی داخل الشباک شرک حرام تو اس درندے نے دونوں ہاتھوں سے میرے مونڈھوں کو پوری طاقت سے پکڑا اور اتنے زور سے دھکا دیا کہ اگر وہاں زریں کھڑے نہ ہوتے تو میں گر پڑتا۔ جی میں تو آیا کہ اس ظالم سے دو دو ہاتھ کرلوں اگرچہ جانتا تھا کہ میرا کیا حال ہوگا مگر سرکار اپنے چشمان مبارک سے دیکھ تو لیتے کہ کفار قریش کے جانشین ان کے غلاموں کے ساتھ ان کے دربار عالی جاہ میں ان کے روبرو کتنا ستم ڈھاتے ہیں اور پھر میں جھوم جھوم کر یہ عرض کرتا۔

بحرم عشق تو ام می کشند غوغائیست　تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

بوسہ لینے کے عمل میں عدم مفہوم شرک کا بیان

اہل عقل جہلاء کی اس دیدہ دلیری اور منافقت پر حیران ہیں کہ کیا کسی نبی علیہ السلام یا کسی ولی اللہ کے مزار کو بوسہ دینے سے شرک مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے؟ کیا جو مزارات انبیاء و اولیاء کو بوسہ دینا شرک سمجھتے ہیں تو وہ اس عمل میں اللہ کے ساتھ شریک ہونا کس طرح ثابت کرتے ہیں۔ کیا وہ قیامت تک اپنا یہ دعویٰ ثابت کر سکتے ہیں کہ بوسہ دینا شرک ہے؟۔ اگر وہ یہ عمل شرک کہتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا جسم ثابت کریں گے پھر وہ وصال ثابت کریں گے پھر اس کی قبر ثابت کریں گے اور پھر جا کیں شرک ثابت ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جسم، وصال، قبر اور بوسہ کے اہل ہونے سے پاک ہے۔ اس کی شان تو "لیس کمثلہ شیء" اس کی مثل تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اصل میں یہ لوگ منافق ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ اور ان کا دعویٰ قرآن و سنت کا اسی طرح جنونی دعویٰ جس طرح زمانہ خلافت راشدہ میں خوارج کا دعویٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو انبیاء کرام و اولیاء کرام کے دشمنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اگر حجر اسود کو صرف چھونا ممکن ہو تو بھی اسے چھولے

اور اگر حجر اسود کو اس طرح کی چیز سے مس کرنا ممکن ہو جو اس کے ہاتھ میں ہو جس طرح عرجون وغیرہ ہے۔ تو وہ پھر اسے بوسہ دے تو بھی ویسا ہی کرے۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی سواری پر طواف کیا اور اپنی چھڑی سے ارکان کا استلام کیا۔ اور ان میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہ ہو تو پھر وہ استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔

حجر اسود کی اہمیت وفضلیت میں احادیث کا بیان

(۱) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے نور اور روشنی کو ختم کر دیا ہے اگر اللہ تعالیٰ اس روشنی کو ختم نہ کرتا تو مشرق ومغرب کا درمیانی حصہ روشن ہو جاتا۔(سنن ترمذی حدیث نمبر (804)

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حجر اسود جنت سے نازل ہوا)۔سنن ترمذی حدیث نمبر (877) سنن نسائی حدیث نمبر (2935) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حجر اسود جنت سے آیا تو دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا اور اسے بنو آدم کے گناہوں نے سیاہ کر دیا ہے)۔سنن ترمذی حدیث نمبر (877) مسند احمد حدیث نمبر (2792) اور ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ (4 / 219) میں اسے صحیح قرار دیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری (3 / 462) میں اس کی تقویت بیان کی ہے۔

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ بنی آدم کے چھونے کی بناء پر ان کے گناہوں کے سبب سے سیاہ ہو گیا، اور ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا جائے، جبکہ اس میں نہ تو عقل اور نہ ہی نقل مانع ہے۔(تحفۃ الاحوذی (3 / 525)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے: اوپر گزری ہوئی حدیث پر بعض ملحدین نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشرکوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کیسے کر دیا اور مؤحدین کی اطاعات نے اسے سفید کیوں نہیں کیا؟ جواب میں وہ کہا جاتا ہے جو ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس طرح ہو جاتا، اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ سیاہ رنگا ہو جاتا ہے اور اس کے عکس نہیں ہو سکتا۔

علامہ محب الطبری کا کہنا ہے کہ سیاہ رنگ میں اہل بصیرت کے لیے عبرت ہے وہ اس طرح کہ اگر گناہ سخت قسم کے پتھر پر اثر انداز ہو کر اسے سیاہ کر سکتے ہیں تو دل پر ان کا اثر ہونا زیادہ سخت اور شدید ہو گا۔فتح الباری (3 / 463)

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اسے قیامت کو لائے گا تو اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھے اور زبان ہوگی جس سے بولے اور ہر اس شخص کی گواہی دے گا جس نے اس کا حقیقی استلام کیا۔سنن ترمذی حدیث نمبر (961) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2944) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (3 / 462) میں اس کی تقویت بیان کی ہے۔یہ ایسا کام ہے جو طواف کے ابتدا میں ہی کیا جاتا ہے چاہے وہ طواف حج میں ہو یا عمرہ میں یا پھر نفلی طواف کیا جا رہا ہو۔

(۵) جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حجر اسود کا استلام کیا اور پھر اس کے دائیں جانب چل پڑے اور تین چکروں میں رمل کیا اور باقی چار میں آرام سے چلے۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر(1218)

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے بوسہ دے کر کہنے لگے : مجھے یہ علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع دے سکتا اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے، اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر(1250) صحیح مسلم حدیث نمبر(1720)

(۷) ا۔ نافع رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حجر اسود کا استلام کیا اور پھر اپنے ہاتھ کو چوما، اور فرمانے لگے میں نے جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے ہوئے دیکھا ہے میں نے اسے نہیں چھوڑا۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر(1268)

(۸) ابوطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور حجر اسود کا چھڑی کے ساتھ استلام کر کے چھڑی کو چومتے تھے۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر(1275)

(۹) ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر طواف کیا تو جب بھی حجر اسود کے پاس آتے تو اشارہ کرتے اور اللہ اکبر کہتے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر(4987)

(۱۰) ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے۔ سنن ترمذی حدیث نمبر(959) امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے (1 / 664) صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

بَابُ اسْتِلَامِ الْأَرْكَانِ

باب: ارکان کا استلام کرنا

1874 حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: لَمْ أَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے صرف دو یمانی ارکان کا مسح کرتے دیکھا ہے۔

رکن یمانی کی فضیلت کا بیان

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ابن ہشام، عطاء بن ابی رباح سے رکن یمانی کے بارے میں پوچھا جبکہ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو فرمانے لگے مجھ سے ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکن یمانی پر

1874- اسناده صحيح. ابو الوليد: هو هشام بن عبد الملك الطيالسي، والليث: هو ابن سعد، وابن شهاب: هو محمد بن مسلم الزهري، وسالم: هو ابن عبد الله بن عمر. واخرجه البخاري (1609)، ومسلم (1267)، والنسائي في "الكبرى" (3915) من طريق الليث بن سعد، بهذا الاسناد. واخرجه ابن ماجه (2946)، والنسائي (3919) من طريق يونس بن يزيد، عن ابن شهاب، به. وهو في "مسند احمد" (6017)، و "صحيح ابن حبان" (3827).

ستر فرشتے مقرر ہیں جو بھی یہاں ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ! پڑھے تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جب عطاء حجر اسود پر پہنچے تو ابن ہشام نے کہا ایا ابو محمد آپ کو اس رکن اسود کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟ عطا نے فرمایا کہ ابو ہریرہ نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو حجر اسود کو چھوئے گویا وہ اللہ کا ہاتھ چھو رہا ہے۔ تو ابن ہشام نے عرض کیا ایا ابو محمد طواف کے متعلق بھی فرمایئے۔ عطاء فرمانے لگے کہ ابو ہریرہ نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے اور اس دوران کوئی گفتگو نہ کرے صرف ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ! پڑھتا رہے اس کی دس خطائیں مٹادی جائیں گی اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس طواف کی بدولت اس کے دس درجے بلند کر دیئے جائیں گے اور جس نے طواف کیا اور طواف کرتے ہوئے باتیں بھی کیں تو وہ اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ رحمت میں گھسا جیسے پانی میں آدمی کے پاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

استلام حجر اسود اور طواف کی فضیلت کا بیان

حضرت عبید بن عمیر تابعی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں رکن یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانے میں لوگوں پر جس طرح سبقت حاصل کرتے تھے اس طرح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی صحابی کو ان دونوں رکن میں سے کسی پر سبقت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کروں تو مجھے مت روکو، کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان دونوں رکن کو ہاتھ لگانا گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے اور اس کی محافظت کرے (یعنی طواف کے واجبات وسنن اور آداب بجالائے تو اس کا ثواب غلام آزاد کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔ نیز میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ (طواف کرتے وقت) جب بھی کوئی قدم رکھتا ہے اور پھر اسے اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قدم رکھنے کے عوض تو اس کا گناہ ختم کرتا ہے اور قدم اٹھانے کے عوض اس کے لئے ایک نیکی لکھتا ہے (یعنی طواف کرنے والے کا جب قدم رکھا جاتا ہے تو اس سے گناہ دور کر دیا جاتا ہے اور جب قدم اٹھتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس طرح پورے طواف میں اس کے گناہ ختم ہوتے رہتے ہیں اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے)۔ (ترمذی)

سبقت حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حجر اسود اور رکن یمانی کے استلام کے لئے لوگوں کے ہجوم کو چیر پھاڑ کر آگے بڑھتے اور ان دونوں رکن کو ہاتھ لگاتے، لیکن ان کی یہ سبقت اس طرح ہوتی تھی کہ لوگوں کو کوئی ایذاء نہیں پہنچتی تھی، چنانچہ اگر کوئی شخص استلام کے لئے لوگوں کو دھکیلتا، گراتا ان دونوں رکن تک پہنچے اور لوگ اس کی وجہ سے ایذاء محسوس کریں تو وہ گنہگار ہوگا، لہٰذا ہجوم کی صورت میں ہاتھ کے ذریعہ دور سے اشارہ کر لینے ہی پر اکتفا کر لینا چاہئے۔

سات مرتبہ طواف کرے میں تین احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سات شوط کرے یعنی خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اور یہ معلوم ہی ہے کہ سات شوط (چکر) کا ایک طواف ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ سات طواف کرے اور تیسرے یہ کہ سات روز تک طواف

کرے۔

رکن یمانی کے استلام کا فقہی مفہوم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رکن یمانی پر دو فرشتے ہیں جو وہاں سے گذرنے والے کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور حجر اسود پر تو بے شمار فرشتے ہوتے ہیں۔ (ارزقی، ج۲، ص۳۶۱، باب فضل حجر اسود)

رکن یمانی کا استلام مستحبات طواف میں سے ہے۔ بغیر بوسہ دینے اور پیشانی لگانے کے رکن یمانی کا استلام کرنا (یعنی ہاتھ سے مس کرنا) ہر جگہ میں ایسا کرنا مستحب ہے۔ اور استلام سے مراد یہاں یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے یا صرف دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے رکن یمانی کو مس کرے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے مس نہ کرے اس کو بوسہ بھی نہ دے اور نہ اس پر سجدہ کرے یہ ظاہر الروایۃ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور جب ہجوم کی وجہ سے اس کو مس کرنے سے عاجز نہ ہو تو اشارہ سے اس کا استلام کرنا اس کا قائم مقام نہیں ہے۔ ہجوم نہ ہونے کی صورت میں اور جبکہ وہ مس کرنے سے عاجز نہ ہو اشارہ سے استلام کرنا بدرجہ اولیٰ غیر معتبر ہے پس بعض جاہل و متکبر لوگ جو ایسا کرتے ہیں ان کے فعل سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

رکن یمانی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا (مکروہ ہے) لیکن امام محمد کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی اور جگہ استلام کرنا مکروہ ہے، پس دوسرے رکن یعنی رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام اور ان کی طرف اشارہ کرنا مشروع نہیں ہے بلکہ باتفاق ائمہ اربعہ دونوں امر بدعت مکروہہ ہیں اور یہ کراہت تنزیہی ہے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ رکن حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف اشارہ بھی عجز و ہجوم کے بغیر غیر معتبر ہے یعنی عجز و ہجوم کے وقت حجر اسود کی طرف اشارہ سے استلام کرنا بالاتفاق جائز بلکہ سنت ہے اور رکن یمانی کی طرف امام محمد کی روایت کے مطابق جائز ہے۔ (عمدۃ الفقہ، ج۶، ص۱۸۶) (شرح الوقایہ)

رکن یمانی میں فقہاء احناف کے اختلاف کا بیان

علامہ علی بن سلطان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لفظ "یمانی" یا کی تخفیف کے ساتھ ہے کیونکہ اس کی نسبت یمن کی طرف ہے اور ایک یائے نسبت کا الف سے بدل دیا۔ کیونکہ اگر اس کو مشدد پڑھا جائے تو اس مبدل منہ اور بدل کے درمیان جمع کرنا لازم آئے گا۔

علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحسن یہ ہے کہ رکن یمانی کا بوسہ نہ لیا جائے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ امام ابوداؤد اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: کہ میں ان دو رکنوں کے استلام کو نہیں چھوڑا ہے اور وہ رکن یمانی اور حجر اسود ہے۔ کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں اسی طرح کرنا سنت ہے جس طرح حجر اسود میں سنت ہے۔ اسی طرح شارح بخاری نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ صاحب مواہب نے کہا ہے ظاہر الروایت کے مطابق امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحسن ہے اور صاحبین نے نزدیک سنت ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھتے۔ اس امام دارقطنی علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رکن یمانی کا استلام کیا تو بوسہ لیا۔ اس کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

مذاہب اربعہ کے نزدیک رکن عراقی اور شامی کا استلام نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ امام ترمذی کے سوا ایک جماعت نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں سوائے رکن یمانین کے مس کرتے نہیں دیکھا اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حجر اور رکن یمانی کا استلام کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکن یمانین کے سوا استلام کرتے نہیں دیکھا۔ جبکہ رکن عراقی وشامی یہ حقیقت میں رکن نہیں ہیں۔ اور وہ دونوں بیت اللہ کے درمیان میں ہیں۔ کیونکہ بطور اتفاق حطیم کا بعض بیت اللہ سے ہے۔ (شرح الوقایہ، ۲، ص ۲۷۵، بیروت)

1875 حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّهُ اُخْبِرَ بِقَوْلِ، عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، اِنَّ الْحِجْرَ بَعْضُهُ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَظُنُّ عَائِشَةَ اِنْ كَانَتْ سَمِعَتْ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَظُنُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَتْرُكِ اسْتِلَامَهُمَا اِلَّا اَنَّهُمَا لَيْسَا عَلٰى قَوَاعِدِ الْبَيْتِ وَلَا طَافَ النَّاسُ وَرَاءَ الْحِجْرِ اِلَّا لِذٰلِكَ

✿✿ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے انہیں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے بارے میں بتایا گیا کہ حطیم کا کچھ حصہ بیت اللہ کا حصہ ہے' تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی اور اگر ایسا ہے' تو میرا گمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے ان دو ارکان کا استلام ترک کیا ہوگا کیونکہ وہ بیت اللہ کی بنیادوں پر نہیں ہے اور لوگ اسی وجہ سے حطیم سے باہر رہ کر طواف کرتے ہیں۔

1876 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ اَبِيْ رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَعُ اَنْ يَّسْتَلِمَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ وَالْحَجَرَ فِيْ كُلِّ طَوْفَةٍ. قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ

✿✿ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کے کسی چکر میں رکن یمانی اور حجر اسود کے استلام کو ترک نہیں کرتے تھے۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

حطیم کے باہر سے طواف کرنے کا بیان

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حطیم کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ بیت

اللہ کا حصہ ہے میں نے عرض کیا پھر لوگوں نے اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہ کیا فرمایا ان کے پاس (حلال مال میں سے) خرچہ نہ تھا میں نے عرض کیا کہ پھر بیت اللہ کا دروازہ اتنا اونچا کیوں رکھا کہ سیڑھی کے بغیر چڑھا نہیں جاسکتا۔ فرمایا یہ بھی تمہاری قوم نے اسی لئے کیا تا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور چاہیں اندر جانے سے روک دیں اور اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا (یعنی نومسلم نہ ہوتی) اور یہ ڈر نہ ہوتا کہ ان کے دل دور نہ ہو جائیں تو میں اس بات پر غور کرتا کہ کیا میں تبدیلی لاؤں اس میں پھر میں جو کمی ہے وہ پوری کروں اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

حجر کے باہر سے طواف شروع کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر اس نے صرف حجر کے طواف کو لوٹایا تو بھی کافی ہے۔ کیونکہ وہ چھوڑے ہوئے کو مکمل کرے۔ اور حجر کا طواف یہ ہے۔ کہ وہ حجر کے باہر سے دائیں طرف سے ابتداء کرے حتیٰ کہ آخر تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد حجر میں کشادگی سے داخل ہو کر دوسری جانب نکلے۔ ایسے ہی سات مرتبہ کرے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دیوار کے ساتھ حطیم کے گرد خاص طواف کرے۔ کیونکہ دیوار حطیم میں داخل نہیں ہے۔

فقہاء شوافع میں سے علامہ نووی نے شرح مہذب میں اسی طرح لکھا ہے۔ اور فقہاء حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مغنی میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک اس کا طواف دیوار کے باہر سے ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ جبکہ فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کی رکنیت پر دلالت کرنے والا نہیں ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۲۶۴، حقانیہ ملتان)

بَابُ الطَّوَافِ الْوَاجِبِ

باب: واجب طواف

1877 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی کے ذریعے استلام کیا تھا۔

1878 حَدَّثَنَا مُصَرِّفُ بْنُ عَمْرٍو الْيَامِيُّ، حَدَّثَنَا يُونُسُ يَعْنِي ابْنَ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، قَالَتْ: لَمَّا اطْمَأَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ طَافَ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ

بِمِحْجَنٍ فِي يَدِهِ، قَالَتْ: وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ

❁❁ صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: فتح مکہ کے موقع پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان کی کیفیت حاصل ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں موجود چھڑی کے ذریعے حجر اسود کا استلام کیا۔ وہ خاتون بیان کرتی ہیں: میں اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

1879 حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ مَعْرُوْفٍ يَعْنِي ابْنَ خَرَّبُوْذَ الْمَكِّيَّ، حَدَّثَنَا أَبُو الطُّفَيْلِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عَلَى رَاحِلَتِهِ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنِهِ، ثُمَّ يُقَبِّلُهُ. زَادَ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَطَافَ سَبْعًا عَلَى رَاحِلَتِهِ

❁❁ حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چھڑی کے ذریعے حجر اسود کا استلام کرتے تھے اور پھر اس چھڑی کو بوسہ دے دیتے تھے۔

محمد بن رافع نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کی طرف تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر ان کے سات چکر لگائے۔

1880 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُوْلُ: طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيَرَاهُ النَّاسُ وَلِيُشْرِفَ وَلِيَسْأَلُوْهُ فَإِنَّ النَّاسَ غَشُوْهُ

❁❁ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی سواری پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کا طواف کیا تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (لوگوں سے نمایاں رہیں) تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا۔

1881 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ وَهُوَ يَشْتَكِي فَطَافَ عَلَى رَاحِلَتِهِ كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ أَنَاخَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے قریب آتے تو اپنی چھڑی کے ذریعے اس کا استلام کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کرلیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور دو رکعت نماز ادا کی۔

1882 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: شَكَوْتُ

اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنِّیْ اَشْتَکِیْ فَقَالَ: طُوْفِیْ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاکِبَۃٌ. قَالَتْ: فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَئِذٍ یُصَلِّیْ اِلٰی جَنْبِ الْبَیْتِ وَھُوَ یَقْرَاُ بِالطُّوْرِ وَکِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ

ترجمہ: سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں سے پیچھے سوار ہو کر طواف کرلو۔ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے طواف شروع کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خانہ کعبہ کے ایک پہلو میں نماز پڑھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سورہ طور کی تلاوت کررہے تھے۔

طواف قدوم کے فقہی احکام کا بیان

صاحب قدوری نے کہا ہے کہ یہی طواف قدوم کا طواف ہے۔ اور اس کو تحیہ کا طواف بھی کہتے ہیں اور وہ سنت ہے واجب نہیں ہے حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیت اللہ میں آئے اسے چاہیے کہ وہ طواف کرے۔ (مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد)

جبکہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے طواف کا مطلقاً حکم دیا ہے اور جو امر مطلق ہو وہ تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے۔ جبکہ طواف زیارت بہ اجماع متعین ہو چکا ہے۔ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کی پیش کردہ حدیث میں جس طواف کا ذکر ہے وہ اس کا نام طواف تحیہ ہے۔ اور اس کا تحیہ ہونا مستحب ہونے کی دلیل ہے۔ اور مکہ والوں پر طواف قدوم نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے حق میں قدوم معدوم ہے۔ (ہدایہ، کتاب الحج، لاہور)

طواف قدوم کے سنت وواجب ہونے میں مذاہب اربعہ کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک طواف قدوم جس کو طواف تحیہ بھی کہتے ہیں سنت ہے واجب نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعی وامام احمد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ واجب ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوثور علیہ الرحمہ نے کہا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بیت اللہ میں آئے اس کو چاہیے کہ وہ طواف کرے۔ اور مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا جب طواف واجب ہوا تو ان کے نزدیک اس کے ترک کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ اور حلیہ امام مالک علیہ الرحمہ کا قول بیان کیا گیا ہے کہ جس نے جلدی میں اس کو ترک کیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ اور جب نے ارادے سے ترک کیا اس پر دم واجب ہے اور یہ حدیث بہت غریب ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ'' اور جب امر مطلق ذکر کیا جائے تو وہ تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ لہٰذا اس سے مراد ایک طواف ہوگا۔ لہٰذا طواف کا حکم متعین ہوگیا۔

علامہ ترازی نے کہا ہے کہ استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ جو نے کہا کہ میں نے تسلیم کرلیا کہ امر مطلق تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا اور اس سے طواف زیارت مراد ہے۔ یعنی اللہ کے فرمان ''' سے طواف زیارت مراد ہے۔ لیکن اس دلیل کو ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ

طواف سنت نہیں ہے بلکہ وہ تو دوسری دلیل سے واجب ہے۔اور دلیل کی وجہ سے ہم کہتے ہیں طواف صدر واجب ہے۔
اس کے جواب کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اور دلیل حدیث ہے۔جس میں اس طواف کا نام طواف تحیہ رکھا گیا ہے اور اس سے مراد استحباب ہے۔کیونکہ لغت میں تحیہ عزت کے لئے بولا جاتا ہے۔جس کی ابتداء برکت کے طور پر ہوتی ہے۔لہذا اس کی دلالت وجوب پر نہ ہوگی۔(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۸۱،حقانیہ ملتان)

طواف قدوم کرنے کا سنت طریقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے قریب اپنی سواری بٹھائی اور مسجد میں داخل ہوئے بیت اللہ میں آتے ہیں حجر اسود کو بوسہ دیا اور دائیں طرف چلتے ہوئے کعبے کے گرد سات چکر لگائے اور طواف مکمل فرمایا پہلے تین چکر میں رمل کیا یعنی آہستہ دوڑے اور باقی چار چکروں میں عام رفتار سے چلے ہر چکر میں رکن یمانی کو ہاتھ سے چھوتے اور حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے لیکن شمال کی طرف دوارکان (بیت اللہ کے دونوں کونوں) کو ہاتھ نہ لگایا ہر چکر میں رکن یمانی اور حجر اسود کے دروان یہ دعا پڑھتے تھی

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۃ البقرۃ 201)

"اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں ہر طرح کی بھلائیاں عنایت فرما اور آخرت میں بھی تمام تر خیرات وحسنات سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ" پھر آپ نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی، ان میں ایک فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ سورۃ الاخلاص تلاوت فرمائی۔مقام ابراہیم کی طرف آتے ہوئے آپ بلند آواز سے یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى
(سورۃ البقرۃ 125)

طواف کے مختلف تحقیقی مفاہیم کا بیان

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو چاہئے کہ اس کے قدیم (آزاد) گھر کا طواف کریں۔

حقیقت طواف اس قدر ہے۔نیت وغایت کا اختلاف حقیقت کی تغییر نہیں کرتا کہ نیت وغایت رکن شے نہیں۔آخر نہ دیکھا کہ ائمہ کرام نے نیت کو شرط نماز قرار دیا نہ کہ رکن نماز،اور غایت کا خروج تو غایت ظہور میں ہے۔غرض پھیرے کرنا جہاں اور جس طرح اور جس نیت اور جس غرض سے ہو طواف ہی ہے۔پھر فعل اختیاری کو تصور بروجہ تا وتصدیق بفائدۃ تا سے چارہ نہیں مگر فعل کبھی غایت اصلیہ تک آپ مؤدی ہوتا ہے کبھی دوسرے فعل مؤدی الی الغایۃ کا وسیلہ اول کو مقصود لذاتہ کہتے ہیں جیسے نماز اور دوم کو وسیلہ ومقصود لغیرہ جیسے وضو،طواف میں یہ دونوں صورتیں ہیں مثلاً گلگشت یعنی تفریح نفس وشم وروائح طیبہ وچستی بدن وتنسم ہوا کے لئے چمن کی روشوں میں ٹہلنا پھرنا خواہ وہ خطوط مستقیم پر ہو یا مثلاً کسی حوض کے گرد مستدیر یہاں طواف مقصود لذاتہ ہے یا مثلاً کسی شی ء کی تقسیم کو حلقہ یا صفوں پہ دورہ کرنا یہاں مقصود لغیرہ ہے۔پھر طواف کی غایت مقصودہ تعظیم ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے غیر کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے امثلہ مذکورہ بلکہ توہین بلکہ تعذیب کے لئے جیسے ڈرل کہ یہاں آمد وشد کہ طواف ہے مقصود لذاتہ ہے اور نار سے

حمیم، حمیم سے نار کی طرف کفار کے پھیرے کہ یہ طواف مقصود لغیرہ ہے اور دونوں تعذیب کے لئے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج)

حج قران و مفرد کے طواف قدوم میں رمل کرنے میں فقہ شافعی و حنبلی کا بیان

اضطباع اور رمل صرف حج قران اور حج مفرد کرنے والے کے لئے طواف قدوم اور عمرہ کے طواف میں مشروع ہے اس کے علاوہ کسی طواف میں رمل اور اضطباع مشروع نہیں ہے۔

اس لئے طواف افاضہ میں نہ تو رمل ہے اور نہ ہی اضطباع چاہے آپ نے احرام کی حالت میں طواف کیا ہو یا بغیر احرام کے۔
ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم نے طواف افاضہ کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۲۰۰۱)

دایاں کندھا ننگا رکھنے کو اضطباع کہتے ہیں۔ اور رمل یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے تیز تیز چلا جائے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب المجموع میں لکھتے ہیں: اضطباع رمل کے ساتھ لازم ہے، تو جہاں ہم نے رمل کو مستحب قرار دیا ہے اسی طرح اضطباع بھی ہے، اور جہاں اسے مستحب نہیں کہا وہاں اضطباع بھی لازم نہیں ہے، اور جہاں اختلاف پایا جاتا ہے وہ رمل اور اضطباع دونوں میں پایا جاتا ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (المجموع للنووی ۸/۲۳)
اور ایک جگہ پر امام نووی کہتے ہیں: لیکن رمل اور اضطباع ایک چیز میں مختلف ہے، وہ یہ کہ اضطباع طواف کے ساتوں چکروں میں مسنون ہے، لیکن رمل صرف پہلے تین چکروں میں ہی مسنون ہے اور آخری چار چکروں میں عام حالت میں چلا جائے گا۔ (المجموع للنووی ۸/۲۰)

اور ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طواف قدوم اور عمرہ کے طواف میں رمل اور اضطباع کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ:
جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ رمل اور اضطباع کرنا مسنون نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی میں اضطباع اور رمل کیا ہے۔ (المغنی ابن قدامہ المقدسی ۵/۲۲۱)

مسلمانوں کے رمل کو مشرکین کا مشاہدہ کرنا

حضور ﷺ نے قصویٰ پر سوار ہو کر کعبہ کا طواف شروع کیا، اپنی چادر داہنی بغل سے نکال کر بائیں شانے پر ڈال لی جسے اصطلاح میں "اضطباع" کہتے ہیں، سواری ہی پر سے اپنی لکڑی سے حجر اسود کا استلام (بوسہ) فرمایا۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ عمرہ قضاء کے لئے مکہ آئے تو قریش نے کہا کہ تم لوگوں کے پاس ایک ایسی قوم آ رہی ہے جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، مشرکین حجر اسود کے قریب بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ تین پھیروں میں (یعنی طواف کے) رمل کریں (یعنی دونوں شانے اور بازو ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ دوڑیں) تاکہ مشرکین ان کی قوت دیکھ لیں اور یہ کہ دونوں رکنوں (رکن یمانی و رکن حجر اسود) کے درمیان چلیں، آپ ﷺ کو صرف مسلمانوں کی شفقت میں اس امر سے باز رکھا کہ آپ ﷺ انھیں تمام پھیروں میں رمل کا حکم دیں، جب انھوں نے رمل کیا تو قریش نے کہا کہ وہ کمزور نہیں ہوئے (ابن سعد)، جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کاش کہ آپ ﷺ مقام ابراہیم کو مصلی بنا لیتے۔ اسی وقت وحی نازل ہوئی ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن کی جگہ بنائی، تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ، ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کا طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو" (سورہ بقرہ)

نزول وحی کے بعد حضور ﷺ نے اس مقام پر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر آپ ﷺ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کے لئے تشریف لے گئے، ارکان عمرہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے مروہ پر اونٹ ذبح فرمائے اور سر مبارک منڈوایا، عمرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ ﷺ دوسرے روز بیت اللہ شریف میں تشریف لائے، کعبہ میں بدستور بت موجود تھے، بایں ہمہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت ظہر کی نماز ادا کی، یہی کعبہ ہے جس میں انھیں سات برس تک عبادت کرنے سے روک دیا گیا تھا۔

طواف کے بعد دو رکعت نماز میں پڑھنے میں احادیث

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مطلب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب سات چکروں سے فارغ ہوئے تو حجر اسود کے قریب آئے اور مطاف کے کنارے دو رکعتیں ادا کیں اس وقت آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ بغیر سترہ کے نماز ادا کرنا مکہ کی خصوصیت ہے۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے پھر دو رکعتیں ادا کیں (وکیع کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس دوگانہ ادا کیا) پھر صنعاء کی طرف نکلے۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم میں آئے۔ حضرت عمر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ہمارے والد ابراہیم کا مقام ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى) (کہ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ) حدیث کے راوی ولید کہتے ہیں میں نے اپنے استاذ مالک سے کہا کہ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ! (خاء کے کسرہ کے ساتھ) پڑھا تھا۔ فرمایا جی ہاں۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ میں آنے کے بعد پہلی مرتبہ طواف کرتے تو پہلے تین پھیروں میں دوڑ کر چلتے اور باقی چار پھیروں میں معمولی چال سے چلتے اس کے بعد دو رکعت نماز ادا فرماتے۔

(سنن ابوداؤد)

بَابُ الِاضْطِبَاعِ فِي الطَّوَافِ

باب: طواف کے دوران ''اضطباع'' کے طور پر کپڑا لپیٹنا

1883 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ يَعْلَى، عَنْ يَعْلَى، قَالَ: طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ أَخْضَرَ

❁❁ حضرت یعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز چادروں کو اضطباع کے طور پر لپیٹ کر (یعنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال کر) طواف کیا تھا۔

1884 حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ اعْتَمَرُوا مِنَ الْجِعْرَانَةِ فَرَمَلُوا بِالْبَيْتِ وَجَعَلُوا أَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ قَدْ قَذَفُوهَا عَلَى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرَى

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے جعرانہ سے عمرہ (کا احرام باندھا) ان حضرات نے بیت اللہ (کا طواف کرتے ہوئے) رمل کیا۔ انہوں نے اپنی چادریں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھوں پر ڈالی ہوئی تھیں۔

شرح

اضطباع پورے طواف میں سنت ہے جب کہ رمل یعنی تیز اور اکڑ کر چلنا طواف کے پہلے دو تین پھیروں میں ہوتا ہے اتنی بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اضطباع صرف طواف کے وقت ہی مستحب ہے، طواف کے علاوہ اوقات میں مستحب نہیں ہے، نیز بعض لوگ جو ابتداء احرام ہی سے اضطباع اختیار کر لیتے ہیں اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ نماز کی حالت میں یہ مکروہ ہے۔

بَابٌ فِي الرَّمَلِ

باب: رمل کرنا

1885 حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الْغَنَوِيُّ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: يَزْعُمُ قَوْمُكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَمَلَ بِالْبَيْتِ وَأَنَّ ذَلِكَ سُنَّةٌ، قَالَ: صَدَقُوا وَكَذَبُوا. قُلْتُ: وَمَا صَدَقُوا، وَمَا كَذَبُوا. قَالَ: صَدَقُوا. قَدْ رَمَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَبُوا. لَيْسَ بِسُنَّةٍ إِنَّ قُرَيْشًا قَالَتْ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ دَعُوا مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ حَتَّى يَمُوتُوا مَوْتَ النَّغَفِ فَلَمَّا صَالَحُوهُ عَلَى أَنْ يَجِيئُوا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ. فَيُقِيمُوا بِمَكَّةَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ. فَقَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُشْرِكُونَ مِنْ قِبَلِ قُعَيْقِعَانَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ: ارْمُلُوا بِالْبَيْتِ ثَلَاثًا. وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ. قُلْتُ: يَزْعُمُ قَوْمُكَ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلَى بَعِيرِهِ وَأَنَّ ذَلِكَ سُنَّةٌ. فَقَالَ: صَدَقُوا وَكَذَبُوا. قُلْتُ: مَا صَدَقُوا وَمَا كَذَبُوا؟ قَالَ: صَدَقُوا قَدْ طَافَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلَى بَعِيرِهِ، وَكَذَبُوا لَيْسَ بِسُنَّةٍ، كَانَ النَّاسُ لَا يُدْفَعُونَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُصْرَفُونَ عَنْهُ، فَطَافَ عَلَى بَعِيرٍ لِيَسْمَعُوا كَلَامَهُ وَلِيَرَوْا مَكَانَهُ وَلَا تَنَالُهُ أَيْدِيهِمْ

۞۞ حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کی قوم کے لوگ یہ کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رمل کیا تھا' اور یہ سنت ہے' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہوں نے کچھ بات صحیح بیان کی ہے اور کچھ غلط بیان کی ہے۔ میں نے دریافت کیا: انہوں نے کون سی بات صحیح بیان کی ہے اور کون سی غلط بیان کی ہے' تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے یہ بات صحیح بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا تھا' اور انہوں نے یہ بات غلط بیان کی ہے کہ یہ سنت ہے۔ حدیبیہ کے زمانے میں قریش نے یہ کہا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دو (یعنی انہیں آنے دو) یہ لوگ خود ہی مر جائیں گے جس طرح اونٹ (بیماری کا شکار ہو کر) مر جاتا ہے۔ جب ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ صحابہ کرام اگلے سال (عمرہ کرنے کے لیے) آئیں گے' اور مکہ میں تین دن قیام کریں گے تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اگلے سال) عمرہ کرنے تشریف لائے' تو مشرکین قعیقعان (نامی پہاڑ) کی طرف سے دیکھ رہے تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تین چکروں میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رمل کرو (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:) یہ سنت نہیں ہے۔

میں نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ کی قوم نے کہا ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کا طواف سواری پر بیٹھ کر کیا تھا' اور یہ سنت ہے' تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہوں نے کچھ بات صحیح بیان کی ہے اور کچھ غلط بیان کی ہے۔ میں نے دریافت کیا: انہوں نے کون سی بات صحیح بیان کی ہے اور کون سی غلط بیان کی ہے؟ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے یہ بات صحیح بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بیٹھ کر صفا و مروہ کا طواف کیا تھا' اور انہوں نے یہ بات غلط بیان کی ہے (کہ یہ سنت ہے) یہ سنت نہیں ہے۔ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے اور نہ ہی انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے کیا جا رہا تھا اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا تا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہیں حالانکہ ان کے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔

1886 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، أَنَّهُ حَدَّثَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَقَدْ وَهَنَتْهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: إِنَّهُ يَقْدَمُ عَلَيْكُمْ قَوْمٌ قَدْ وَهَنَتْهُمُ الْحُمَّى وَلَقُوا مِنْهَا شَرًّا فَأَطْلَعَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا قَالُوهُ: فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُلُوا الْأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ، وَأَنْ يَمْشُوا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ

1886- اسناده صحيح. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدي، وايوب: هو ابن ابي تميمة السختياني. واخرجه البخاري (1602) و (4256)، ومسلم (1266)، والنسائي في "الكبرى" (3928) من طرق عن حماد بن زيد بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (2639).

فَلَمَّا رَاَوْهُمْ رَمَلُوا قَالُوا: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ ذَكَرْتُمْ اَنَّ الْحُمّٰى قَدْ وَهَنَتْهُمْ هٰؤُلَاءِ اَجْلَدُ مِنَّا . قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَلَمْ يَاْمُرْهُمْ اَنْ يَرْمُلُوا الْاَشْوَاطَ كُلَّهَا اِلَّا اِبْقَاءٌ عَلَيْهِمْ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے۔ صحابہ کرام یثرب کے بخار کی وجہ سے کمزور تھے۔ مشرکین نے کہا: تمہارے پاس ایسے لوگ آرہے ہیں جنہیں بخار نے کمزور کردیا ہے اور انہیں بخار کی طرف سے بری صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی اس بات کی اطلاع دے دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ حکم دیا کہ وہ تین چکروں میں رمل کریں اور (رمل کرتے ہوئے) دو رکنوں کے درمیان عام رفتار سے چلیں۔ جب وہ مشرکین کے سامنے آئیں تو پھر رمل شروع کردیں تو انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کا تم نے ذکر کیا تھا کہ بخار نے انہیں کمزور کردیا ہے؟ یہ تو ہم سے زیادہ طاقتور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شفقت کرتے ہوئے انہیں تمام چکروں میں رمل کرنے کا حکم نہیں دیا۔

1887 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: فِيمَ الرَّمَلَانُ الْيَوْمَ وَالْكَشْفُ عَنِ الْمَنَاكِبِ وَقَدْ اَطَّاَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ، وَنَفَى الْكُفْرَ وَاَهْلَهُ مَعَ ذٰلِكَ لَا نَدَعُ شَيْئًا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

❁❁ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اب رمل کرنے کی اور کندھے سے کپڑا ہٹانے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو مضبوط کردیا ہے اور کفر اور اہل کفر کو یہاں سے جلاوطن کردیا ہے لیکن ہم ایسی کوئی چیز ترک نہیں کریں گے جو ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں کرتے رہے ہیں۔

1888 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِي زِيَادٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیت اللہ کا طواف کرنا، صفا و مروہ کی سعی کرنا اور جمرات کو کنکریاں مارنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مقرر کیے گئے ہیں"۔

1889 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْاَنْبَارِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اضْطَبَعَ فَاسْتَلَمَ وَكَبَّرَ، ثُمَّ رَمَلَ ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ وَكَانُوا، اِذَا بَلَغُوا الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ وَتَغَيَّبُوا مِنْ قُرَيْشٍ مَشَوْا، ثُمَّ يَطْلُعُونَ عَلَيْهِمْ يَرْمُلُونَ،

تَقُوْلُ قُرَيْشٌ: كَأَنَّهُمُ الْغِزْلَانُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَكَانَتْ سُنَّةً

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اضطباع کے طور پر کپڑا لپیٹ کر (یعنی دائیں بغل سے چادر نکال کر بائیں کندھے میں ڈال کر) طواف کیا، آپ ﷺ نے استلام کیا۔ تکبیر کہی پھر آپ ﷺ نے تین چکروں میں رمل کیا۔ جب صحابہ کرام رکن یمانی پہنچے اور قریش کی نظروں سے اوجھل ہو گئے' تو وہ عام رفتار سے چلنے لگے پھر جب وہ ان کے سامنے آئے' تو پھر رمل کرنے لگے تو قریش کہنے لگے: یہ تو ہرنوں کی طرح ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' تو یہ سنت ہے۔

1890 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ اعْتَمَرُوا مِنَ الْجِعْرَانَةِ فَرَمَلُوا بِالْبَيْتِ ثَلَاثًا، وَمَشَوْا أَرْبَعًا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے ''جعرانہ'' سے عمرہ کیا تھا۔ ان حضرات نے تین چکروں میں رمل کیا تھا' اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلے تھے۔

1891 حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ، وَذَكَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذَلِكَ

نافع بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک رمل کیا تھا' اور یہ بات ذکر کی تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

اضطباع اور رمل کرنے کا بیان

اضطباع اور رمل صرف حج قران اور حج مفرد کرنے والے کے لیے طواف قدوم اور عمرہ کے طواف میں مشروع ہے اس کے علاوہ کسی طواف میں رمل اور اضطباع مشروع نہیں ہے۔

اس لیے طواف افاضہ میں نہ تو رمل ہے اور نہ ہی اضطباع چاہے آپ نے احرام کی حالت میں طواف کیا ہو یا بغیر احرام کے۔

ابوداود رحمہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا۔ سنن ابوداود حدیث نمبر (2001) دایاں کندھا ننگا رکھنے کو اضطباع کہتے ہیں۔ اور رمل یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے تیز تیز چلا جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "المجموع" میں لکھتے ہیں۔

1891- اسناده صحيح. ابو كامل: هو فضيل بن حسين الجحدري. واخرجه مسلم (1262) من طريق ابي كامل، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (1262)، وابن ماجه (2950)، والنسائي في "الكبرى" (3924) من طرق عن عبيد الله بن عمر، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (5760).

اضطباع رمل کے ساتھ لازم ہے، تو جہاں ہم نے رمل کو مستحب قرار دیا ہے اسی طرح اضطباع بھی ہے، اور جہاں اسے مستحب نہیں کہا وہاں اضطباع بھی لازم نہیں ہے، اور جہاں اختلاف پایا جاتا ہے وہ رمل اور اضطباع دونوں میں پایا جاتا ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (المجموع للنووی (8/43)

اور ایک جگہ پر امام نووی کہتے ہیں: لیکن رمل اور اضطباع ایک چیز میں مختلف ہے، وہ یہ کہ اضطباع طواف کے ساتوں چکروں میں مسنون ہے، لیکن رمل صرف پہلے تین چکروں میں ہی مسنون ہے اور آخری چار چکروں میں عام حالت میں چلا جائے گا۔
(المجموع للنووی (8/20)

اور ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالی نے طواف قدوم اور عمرہ کے طواف میں رمل اور اضطباع کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ رمل اور اضطباع کرنا مسنون نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی میں اضطباع اور رمل کیا ہے۔ (المغنی ابن قدامہ المقدسی (5/221)

بَابُ الدُّعَاءِ فِي الطَّوَافِ

باب: طواف کے دوران دعا مانگنا

1892 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (طواف کرتے ہوئے) دو رکنوں کے درمیان یہ (دعا کرتے ہوئے) سنا۔

"اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھنا"۔

1893 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ فَإِنَّهُ يَسْعَى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ، وَيَمْشِي أَرْبَعًا ثُمَّ يُصَلِّي سَجْدَتَيْنِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج اور عمرہ کے موقع پر (مکہ) تشریف لانے کے بعد سب سے پہلا جو طواف کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تین چکروں میں تیز رفتاری سے چلتے تھے اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرتے تھے۔

بَابُ الطَّوَافِ بَعْدَ الْعَصْرِ

باب: عصر کے بعد طواف کرنا

1894 حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، وَالْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ وَهٰذَا لَفْظُهُ قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَابَاهَ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا يَطُوفُ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَيُصَلِّي أَيَّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ. قَالَ الْفَضْلُ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان تک یہ روایت پہنچی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"تم لوگ کسی بھی شخص دن یا رات کے کسی حصے میں اس گھر کا طواف کرنے اور نماز ادا کرنے سے نہ روکنا"۔

فضل نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے بنو عبد مناف! تم کسی کو نہ روکنا"۔

بَابُ طَوَافِ الْقَارِنِ

باب: حج قران کرنے والے کا طواف

1895 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: لَمْ يَطُفِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَصْحَابُهُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ إِلَّا طَوَافًا وَاحِدًا طَوَافَهُ الْأَوَّلَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے صفا و مروہ کی سعی صرف ایک مرتبہ کی تھی جو پہلے طواف میں کی تھی۔

1896 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِينَ كَانُوا مَعَهُ لَمْ يَطُوفُوا حَتّٰى رَمَوُا الْجَمْرَةَ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس وقت تک طواف نہیں کیا جب تک انہوں نے جمرہ کو کنکریاں نہیں مار لیں۔

1897 حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُؤَذِّنُ، أَخْبَرَنِي الشَّافِعِيُّ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا: طَوَافُكِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَكْفِيكِ لِحَجَّتِكِ وَعُمْرَتِكِ. قَالَ الشَّافِعِيُّ: كَانَ سُفْيَانُ رُبَّمَا، قَالَ: عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَرُبَّمَا، قَالَ: عَنْ عَطَاءٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''تمہارا بیت اللہ کا طواف کرنا اور صفا و مروہ کی سعی کرنا تمہارے حج اور عمرے (دونوں کے لیے) کافی ہے''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: سفیان اس کی سند یوں بیان کرتے ہیں: یہ عطاء کے حوالے سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے جبکہ بعض اوقات یوں بیان کرتے ہیں: عطاء نے یہ بات نقل کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

بَابُ الْمُلْتَزَمِ

باب: ملتزم کا بیان

1898 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَفْوَانَ، قَالَ: لَمَّا فَتَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قُلْتُ: لَأَلْبَسَنَّ ثِيَابِي وَكَانَتْ دَارِي عَلَى الطَّرِيقِ، فَلَأَنْظُرَنَّ كَيْفَ يَصْنَعُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقْتُ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدْ خَرَجَ مِنَ الْكَعْبَةِ هُوَ وَأَصْحَابُهُ وَقَدِ اسْتَلَمُوا الْبَيْتَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الْحَطِيمِ وَقَدْ وَضَعُوا خُدُودَهُمْ عَلَى الْبَيْتِ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسْطَهُمْ

حضرت عبدالرحمن بن صفوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تو میں نے سوچا میں (باہر جانے کے) کپڑے پہن کر اس بات کا ضرور جائزہ لوں گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔ میں روانہ ہوا میرا گھر راستے میں تھا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی خانہ کعبہ سے باہر نکلے۔ ان حضرات نے خانہ کعبہ کے دروازے سے لے کر حطیم تک کے حصے کا استلام کیا۔ ان حضرات نے اپنے رخسار خانہ کعبہ کے ساتھ لگائے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تھے۔

1899 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: طُفْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ فَلَمَّا جِئْنَا دُبُرَ الْكَعْبَةِ قُلْتُ: أَلَا تَتَعَوَّذُ؟ قَالَ: نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ، ثُمَّ مَضَى حَتَّى اسْتَلَمَ الْحَجَرَ وَأَقَامَ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ، فَوَضَعَ صَدْرَهُ وَوَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَكَفَّيْهِ هٰكَذَا وَبَسَطَهُمَا بَسْطًا، ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ

عمرو بن شعیب اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کیا جب ہم خانہ کعبہ کے پچھلے حصے کی طرف آئے تو میں نے دریافت کیا: آپ پناہ نہیں مانگیں گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم جہنم سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' پھر آپ چلتے رہے اور حجر اسود کا استلام کیا وہ حجر اسود اور خانہ کعبہ کے دروازے کے درمیان رک گئے۔ انہوں نے اپنا سینہ، اپنا چہرہ، اپنی کلائیاں اور اپنے دونوں ہاتھ اس طرح پھیلا کر خانہ کعبہ کے ساتھ لگائے اور پھر یہ بیان کیا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

1899- اسناده ضعيف، لضعف المثنى بن الصبّاح. مسدّد: هو ابن مسرهد الاسدي، وعيسى بن يونس: هو السبيعي. واخرجه ابن ماجه (2962) من طريق عبدالرزاق، عن المثنى بن الصبّاح، بهذا الاسناد.

طرح کرتے دیکھا ہے۔

1900 حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا السَّائِبُ بْنُ عُمَرَ الْمَخْزُومِيُّ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُودُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَيُقِيمُهُ عِنْدَ الشُّقَّةِ الثَّالِثَةِ مِمَّا يَلِي الرُّكْنَ الَّذِي يَلِي الْحَجَرَ مِمَّا يَلِي الْبَابَ. فَيَقُولُ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: أُنْبِئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي هَاهُنَا؟. فَيَقُولُ: نَعَمْ. فَيَقُومُ فَيُصَلِّي

٭٭ محمد بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے (نابینا ہو جانے کے بعد) انہیں ساتھ لے کر چلتے تھے اور انہیں تیسرے کونے کے قریب کھڑا کر دیتے تھے جو اس رکن کے بعد ہے' جو حجر اسود کے ساتھ خانہ کعبہ کے دروازے کے قریب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات بتائی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں نماز ادا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ تو وہ وہاں کھڑے ہوئے اور انہوں نے نماز ادا کی۔

بَابُ أَمْرِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

باب: صفا و مروہ کا معاملہ

1901 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالَى (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ) (البقرة: 158) فَمَا أَرَى عَلَى أَحَدٍ شَيْئًا أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا. قَالَتْ عَائِشَةُ: كَلَّا لَوْ كَانَ كَمَا تَقُولُ: كَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي الْأَنْصَارِ كَانُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ، وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ) (البقرة: 158)

٭٭ ہشام بن عروہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ ان دنوں میری عمر کم تھی (میں نے یہ کہا) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

''بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں''۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ان کا طواف نہیں کرتا تو اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا' تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر صورت حال وہی ہوتی جو تم کہہ رہے ہو' تو پھر آیت یہ ہونی چاہیے تھی کہ ''اس شخص پر کوئی گناہ نہیں ہوگا' جو ان دونوں کا طواف نہیں کرتا'' (پھر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت کی) یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو منات (نامی بت) کے لیے احرام باندھتے تھے اور منات نامی یہ بت ''قدید'' کے مدمقابل تھا وہ لوگ اس میں گناہ محسوس کرتے تھے کہ صفا و مروہ کی سعی کریں۔ جب اسلام آیا اور ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

''بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں''۔

1902 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَهُ مَنْ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ. فَقِيلَ لِعَبْدِ اللهِ أَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ قَالَ: لَا.

حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرہ کیا' تو بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت ادا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے بچا رہے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے کر گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: جی نہیں۔

1903 حَدَّثَنَا تَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى بِهَذَا الْحَدِيثِ زَادَ ثُمَّ أَتَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فَسَعَى بَيْنَهُمَا سَبْعًا ثُمَّ حَلَقَ رَأْسَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سات مرتبہ سعی کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر منڈوالیا''۔

1904 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ جُمْهَانَ، أَنَّ رَجُلًا، قَالَ: لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنِّي أَرَاكَ تَمْشِي وَالنَّاسُ يَسْعَوْنَ قَالَ: إِنْ أَمْشِ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي وَإِنْ أَسْعَ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعَى وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ

کثیر بن جمہان بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صفا و مروہ کے درمیان یہ کہا۔ اے ابوعبدالرحمن! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ عام رفتار سے چل رہے ہیں جبکہ لوگ یہاں سے دوڑتے ہوئے گزر رہے ہیں' تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں عام رفتار سے چلتا ہوں' تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام رفتار سے چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور اگر میں دوڑتا ہوں' تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوڑتے ہوئے بھی دیکھا ہے لیکن اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں (اس لیے اب

1904-حديث صحيح، وهذا اسناد حسن في المتابعات. كثير بن جمهان مقبول وقد توبع. واخرجه ابن ماجه (2988) من طريق الجراح بن مليح، والترمذي (880) من طريق محمد بن فضيل، والنسائي في "الكبرى" (3957) من طريق سفيان الثوري، ثلاثتهم، عن عطاء بن السائب، بهذا الاسناد. قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح

نہیں دوڑ سکتا)

بَابُ صِفَةِ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب: نبی اکرم ﷺ کے حج کا تذکرہ

1905 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدِّمَشْقِيَّانِ، وَرُبَّمَا زَادَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضِ الْكَلِمَةَ وَالشَّيْءَ قَالُوا: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَيْهِ، سَأَلَ عَنِ الْقَوْمِ حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ، فَقُلْتُ: أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى رَأْسِي فَنَزَعَ زِرِّي الْأَعْلَى، ثُمَّ نَزَعَ زِرِّي الْأَسْفَلَ، ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِكَ، وَأَهْلًا يَا ابْنَ أَخِي سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهُ وَهُوَ أَعْمَى وَجَاءَ وَقْتُ الصَّلَاةِ، فَقَامَ فِي نِسَاجَةٍ مُلْتَحِفًا بِهَا يَعْنِي ثَوْبًا مُلَفَّقًا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلَى مَنْكِبِهِ رَجَعَ طَرَفَاهَا إِلَيْهِ مِنْ صِغَرِهَا، فَصَلَّى بِنَا وَرِدَاؤُهُ إِلَى جَنْبِهِ عَلَى الْمِشْجَبِ، فَقُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ حَجَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: بِيَدِهِ فَعَقَدَ تِسْعًا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ تِسْعَ سِنِينَ لَمْ يَحُجَّ، ثُمَّ أُذِّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ، فَقَدِمَ الْمَدِينَةَ بَشَرٌ كَثِيرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ أَنْ يَأْتَمَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَعْمَلَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ، فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَصْنَعُ؟ فَقَالَ: اغْتَسِلِي وَاسْتَذْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي، فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ، قَالَ: جَابِرٌ نَظَرْتُ إِلَى مَدِّ بَصَرِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَمَاشٍ وَعَنْ يَمِينِهِ مِثْلُ ذَلِكَ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلُ ذَلِكَ وَمِنْ خَلْفِهِ مِثْلُ ذَلِكَ، وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْآنُ، وَهُوَ يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ فَمَا عَمِلَ بِهِ مِنْ شَيْءٍ، عَمِلْنَا بِهِ فَأَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّوْحِيدِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ وَأَهَلَّ النَّاسُ بِهَذَا الَّذِي يُهِلُّونَ بِهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنْهُ، وَلَزِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلْبِيَتَهُ، قَالَ جَابِرٌ: لَسْنَا نَنْوِي إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ، حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلَاثًا، وَمَشَى أَرْبَعًا، ثُمَّ تَقَدَّمَ إِلَى مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ فَقَرَأَ (وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى) (البقرة: 125) فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ

الْبَيْتِ. قَالَ: فَكَانَ أَبِي يَقُولُ قَالَ: ابْنُ نُفَيْلٍ، وَعُثْمَانُ وَلَا أَعْلَمُهُ ذَكَرَهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ سُلَيْمَانُ: وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا. قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْبَيْتِ فَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ، ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا. فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ) (البقرة: 158)

نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهِ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقِيَ عَلَيْهِ حَتَّى رَأَى الْبَيْتَ فَكَبَّرَ اللهَ وَوَحَّدَهُ وَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ. يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذَلِكَ، وَقَالَ: مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. ثُمَّ نَزَلَ إِلَى الْمَرْوَةِ حَتَّى إِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ رَمَلَ فِي بَطْنِ الْوَادِي، حَتَّى إِذَا صَعِدَ مَشَى حَتَّى أَتَى الْمَرْوَةَ. فَصَنَعَ عَلَى الْمَرْوَةِ مِثْلَ مَا صَنَعَ عَلَى الصَّفَا. حَتَّى إِذَا كَانَ آخِرُ الطَّوَافِ عَلَى الْمَرْوَةِ، قَالَ: إِنِّي لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ وَلَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً. فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُحْلِلْ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوا إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ جُعْشُمٍ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ. صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلِعَامِنَا هٰذَا أَمْ لِلْأَبَدِ؟ فَشَبَّكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ فِي الْأُخْرَى، ثُمَّ قَالَ: دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ هٰكَذَا مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ. لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ قَالَ: وَقَدِمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مِمَّنْ حَلَّ، وَلَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَاكْتَحَلَتْ فَأَنْكَرَ عَلِيٌّ ذَلِكَ عَلَيْهَا، وَقَالَ: مَنْ أَمَرَكِ بِهٰذَا. فَقَالَتْ: أَبِي. فَكَانَ عَلِيٌّ يَقُولُ: بِالْعِرَاقِ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَرِّشًا عَلَى فَاطِمَةَ فِي الْأَمْرِ الَّذِي صَنَعَتْهُ مُسْتَفْتِيًا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي ذَكَرَتْ عَنْهُ فَأَخْبَرْتُهُ، أَنِّي أَنْكَرْتُ ذَلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ: إِنَّ أَبِي أَمَرَنِي بِهٰذَا. فَقَالَ: صَدَقَتْ، صَدَقَتْ مَاذَا. قُلْتَ حِينَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ: قُلْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلُّ قَالَ: وَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِي قَدِمَ بِهِ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِي أَتَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ مِائَةً فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ. وَقَصَّرُوا إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ. قَالَ: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ وَوَجَّهُوا إِلَى مِنًى أَهَلُّوا بِالْحَجِّ. فَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِمِنًى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ. ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلًا حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ لَهُ مِنْ شَعْرٍ فَضُرِبَتْ بِنَمِرَةٍ. فَسَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ. كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. فَأَجَازَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ، فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَرَكِبَ حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ الْوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا. اَلَا اِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَاَوَّلُ دَمٍ اَضَعُهُ دِمَاؤُنَا: دَمُ . قَالَ عُثْمَانُ: دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ وَقَالَ سُلَيْمَانُ: دَمُ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وقَالَ: بَعْضُ هٰؤُلَاءِ كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُهُ رِبَانَا: رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ. اتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ، فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوهُنَّ بِاَمَانَةِ اللّٰهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَاِنَّ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ. اَحَدًا تَكْرَهُونَهُ. فَاِنْ فَعَلْنَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَاِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ: كِتَابَ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ مَسْئُولُونَ عَنِّي، فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُونَ قَالُوا: نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ، وَاَدَّيْتَ، وَنَصَحْتَ، ثُمَّ قَالَ: بِاُصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُبُهَا اِلَى النَّاسِ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا، ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ، وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلًا حِينَ غَابَ الْقُرْصُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ خَلْفَهُ، فَدَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ شَنَقَ لِلْقَصْوَاءِ الزِّمَامَ حَتّٰى اِنَّ رَاْسَهَا لَيُصِيبُ مَوْرِكَ رَحْلِهِ، وَهُوَ يَقُولُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى السَّكِينَةَ اَيُّهَا النَّاسُ، السَّكِينَةَ اَيُّهَا النَّاسُ كُلَّمَا اَتٰى حَبْلًا مِنَ الْحِبَالِ اَرْخٰى لَهَا قَلِيلًا حَتّٰى تَصْعَدَ، حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَجَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ، قَالَ عُثْمَانُ: وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا، ثُمَّ اتَّفَقُوا ثُمَّ اضْطَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَصَلَّى الْفَجْرَ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ، قَالَ سُلَيْمَانُ: بِنِدَاءٍ وَاِقَامَةٍ، ثُمَّ اتَّفَقُوا، ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَرَقِيَ عَلَيْهِ، قَالَ عُثْمَانُ وَسُلَيْمَانُ: فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ، زَادَ عُثْمَانُ وَوَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا، ثُمَّ دَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَكَانَ رَجُلًا حَسَنَ الشَّعْرِ اَبْيَضَ وَسِيمًا، فَلَمَّا دَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ الظُّعُنُ يَجْرِينَ، فَطَفِقَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ اِلَيْهِنَّ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلٰى وَجْهِ الْفَضْلِ، وَصَرَفَ الْفَضْلُ وَجْهَهُ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ، وَحَوَّلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ، وَصَرَفَ الْفَضْلُ وَجْهَهُ اِلَى الشِّقِّ الْاٰخَرِ يَنْظُرُ حَتّٰى اَتٰى مُحَسِّرًا،

فَحَرَّكَ قَلِيلًا، ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَى الَّذِي يُخْرِجُكَ إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى، حَتَّى أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ فَرَمَى مِنْ بَطْنِ الْوَادِي، ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ بِيَدِهِ ثَلَاثًا وَسِتِّينَ، وَأَمَرَ عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ يَقُولُ: مَا بَقِيَ، وَأَشْرَكَهُ فِي هَدْيِهِ، ثُمَّ أَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِي قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَأَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا قَالَ سُلَيْمَانُ: ثُمَّ رَكِبَ، ثُمَّ أَفَاضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْبَيْتِ فَصَلَّى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ، ثُمَّ أَتَى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَهُمْ يَسْقُونَ عَلَى زَمْزَمَ فَقَالَ: انْزِعُوا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَلَوْلَا أَنْ يَغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلَى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ، فَنَاوَلُوهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ

❁❁ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہم لوگ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے جب ہم ان کے پاس گئے' تو انہوں نے تمام حاضرین کا تعارف پوچھا جب میری باری آئی تو میں نے کہا: میں امام زین العابدین کا بیٹا محمد ہوں' تو انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سر کی طرف بڑھایا (وہ نابینا ہو چکے تھے) انہوں نے میرا اوپر والا بٹن کھولا پھر نیچے والا بٹن کھولا پھر اپنی ہتھیلی میرے سینے پر رکھی۔ میں ان دنوں نوجوان شخص تھا (اور وہ عمر رسیدہ آدمی تھے) انہوں نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! خوش آمدید۔ تم جو چاہو پوچھو۔ میں نے ان سے سوالات کیے وہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے' جب نماز کا وقت ہو گیا' تو وہ اپنے چھوٹے سے کپڑے کو لپیٹ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ ایک ایسا کپڑا تھا' جسے دوہرا کر کے سیا گیا تھا۔ وہ جب بھی اپنے کندھے پر اسے رکھتے تو اس کا کنارہ نیچے گر جاتا کیونکہ وہ کپڑا چھوٹا تھا۔ انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی حالانکہ اس وقت ان کی بڑی چادر پاس کھونٹی پر موجود تھی۔ (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) میں نے کہا: آپ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بارے میں بتایئے' تو انہوں نے اپنے ہاتھ کے ذریعے 9 کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو برس تک (مدینہ منورہ میں) مقیم رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران حج نہیں کیا۔ پھر دسویں سال لوگوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں' تو مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ آ گئے وہ سب اس بات کے خواہشمند تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مانند عمل کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے ان کے ساتھ ہم بھی روانہ ہوئے جب ہم ذوالحلیفہ پہنچے تو سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابوبکر کو جنم دیا۔ اس خاتون نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھجوایا کہ اب میں کیا کروں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم غسل کر کے کپڑے کا لنگوٹ باندھ لو اور احرام باندھ لو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز ادا کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ میدان میں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑی ہوئی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جہاں تک میری نظر جاتی تھی میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیدل اور سوار لوگ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف بھی اتنے ہی لوگ تھے۔ بائیں طرف بھی اتنے ہی لوگ تھے۔ پیچھے بھی اتنے ہی لوگ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا تھا' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تفسیر کا علم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے جو عمل کیا

ہم نے بھی وہی عمل کیا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے وحدانیت کا اعتراف کرتے ہوئے یہ تلبیہ پڑھا۔

"میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں حاضر ہوں۔ بے شک حمد اور نعمت تیرے لیے مخصوص ہیں اور بادشاہی بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے"۔

لوگوں نے بھی ان کلمات کے ذریعے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی کی تردید نہیں کی۔ نبی اکرم ﷺ مسلسل یہ تلبیہ پڑھتے رہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم صرف حج کرنے کے لیے گئے تھے۔ عمرے کا ہمارے ذہن میں نہیں تھا جب ہم بیت اللہ تک آئے۔ نبی اکرم ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا (اور طواف شروع کیا) آپ ﷺ نے تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلے پھر آپ ﷺ مقام ابراہیم کی طرف تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی:

"تم لوگ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو"۔

نبی اکرم ﷺ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور خانہ کعبہ کے درمیان کیا۔

یہاں راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور خانہ کعبہ کے درمیان کیا۔

یہاں ایک راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ان دو رکعت میں سورہ کافرون اور سورہ اخلاص کی تلاوت کی پھر آپ ﷺ بیت اللہ کی طرف واپس تشریف لائے آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا پھر آپ ﷺ دروازے سے باہر آ کر صفا تشریف لے گئے جب آپ ﷺ صفا کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

"بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں"۔

ہم اس سے آغاز کریں گے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے پہلے کیا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے صفا سے آغاز کیا۔ آپ ﷺ اس پر چڑھے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ (اس مقام پر پہنچے) کہ آپ ﷺ کو بیت اللہ نظر آنے لگا تو آپ ﷺ نے اللہ کی وحدانیت اور اس کی کبریائی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ پڑھا۔

"اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے بادشاہی اسی کے لیے مخصوص ہے۔ حمد اسی کے لیے مخصوص ہے۔ وہ زندگی دیتا ہے وہ موت دیتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی ایک معبود ہے اس نے اپنے وعدے کو پورا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور (دشمن کے) لشکروں کو تنہا اس نے پسپا کر دیا"۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے وہاں دعا مانگی اور یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے پھر آپ ﷺ اتر کر مروہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے قدم نشیبی علاقے پر پہنچے تو آپ ﷺ دوڑنے لگے۔ جب آپ ﷺ اوپر کی طرف چڑھنے لگے تو عام رفتار سے چلنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ مروہ پر آ گئے۔ آپ ﷺ نے مروہ پر بھی وہی عمل کیا جو آپ ﷺ نے صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ مروہ کے آخری چکر پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے بعد میں جس چیز کا خیال آیا۔ اگر پہلے آجاتا' تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لے کر آتا اور میں اسے عمرہ بنالیتا تم میں سے جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں ہے' تو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا لے''۔ تو سب لوگوں نے احرام کھول دیئے اور بال چھوٹے کروالیے۔ نبی اکرم ﷺ اور جن لوگوں کے ساتھ قربانی کا جانور تھا ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ حکم ہمارے اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر کے فرمایا: عمرہ حج میں تبدیل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ ایسا کیا اور پھر فرمایا: نہیں! بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے نبی اکرم ﷺ کے قربانی کے جانور ساتھ لے کر آئے۔ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پایا کہ وہ احرام کھول چکی تھیں اور انہوں نے رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے اور سرمہ لگایا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا اور دریافت کیا: تمہیں اس کا حکم کس نے دیا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے والد نے۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق میں یہ بیان کرتے تھے: میں فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ نبی اکرم ﷺ سے اس چیز کے بارے میں دریافت کروں جو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کیا ہے اور جس کا ذکر انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے کیا ہے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس حوالے سے بتایا کہ میں نے اس حوالے سے ان پر اعتراض کیا' تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے والد نے مجھے اس طرح کرنے کا حکم دیا ہے' تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس نے ٹھیک کہا ہے اس نے ٹھیک کہا ہے۔ جب تم نے حج کی نیت کی تھی' تو تم نے کیا کہا تھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے کہا تھا: اے اللہ! میں نے وہی احرام باندھا ہے' جو نبی اکرم ﷺ نے احرام باندھا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ تو قربانی کے جانور ہیں' تو تم احرام نہ کھولو۔

راوی بیان کرتے ہیں: قربانی کے جانوروں کا ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے تھے اور وہ جانور جو نبی اکرم ﷺ مدینہ سے لے کر آئے تھے وہ مل کر ایک سو ہوتے تھے۔ تمام لوگوں نے احرام کھول دیئے اور بال چھوٹے کروالیے صرف نبی اکرم ﷺ نے اور جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے انہوں نے احرام نہیں کھولے۔ راوی بیان کرتے ہیں: جب تلبیہ کا دن آیا اور لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہونے لگے تو انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا۔ نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے۔ آپ ﷺ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کی۔ پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر ٹھہرے اور پھر جب سورج نکل آیا تو آپ ﷺ کے حکم کے تحت آپ ﷺ کے لیے بالوں سے بنا ہوا خیمہ نمرہ میں لگا دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ روانہ ہوئے۔ قریش کو اس بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ نبی اکرم ﷺ مزدلفہ میں مشعر الحرام کے قریب ہی وقوف کریں گے جس طرح قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے' جبکہ نبی اکرم ﷺ اس سے آگے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ عرفات آ گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے پایا کہ نمرہ میں آپ ﷺ کے لیے خیمہ لگا دیا گیا ہے' تو آپ ﷺ نے وہاں پڑاؤ کیا۔ یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا' تو آپ ﷺ کے حکم کے تحت آپ ﷺ کی اونٹنی قصواء پر پالان رکھ دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ اس پر سوار ہو کر وادی کے نشیبی حصے میں آئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے

ہوئے ارشاد فرمایا:

''بے شک تمہاری جان اور تمہارے مال ایک دوسرے کے لیے اسی طرح قابل احترام ہیں' جس طرح یہ دن اس مہینے میں اور اس شہر میں قابل احترام ہے۔ خبردار زمانہ جاہلیت سے تعلق رکھنے والا ہر معاملہ میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہے۔ زمانہ جاہلیت کے تمام خون کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلے اپنے خاندان (کے خون) کو معاف کرتا ہوں''۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: جو ربیعہ کے صاحبزادے کا خون ہے' جبکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔

بعض راویوں نے یہاں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: وہ صاحبزادے بنوسعد میں دودھ پیتے بچے تھے اور ہذیل کے لوگوں نے انہیں قتل کر دیا تھا' (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) اور زمانہ جاہلیت کا تمام سود کالعدم ہیں سب سے پہلے میں اپنے (خاندان کے) سود کو کالعدم قرار دیتا ہوں جو عباس بن عبدالمطلب نے وصول کرنا تھا وہ مکمل طور پر کالعدم ہے اور عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کیونکہ تم نے اللہ کی امانت کے تحت انہیں حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بچھونے پر ایسے کسی شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کرتی ہیں' تو تم ان کی پٹائی کرو لیکن وہ زیادہ شدید نہ ہو اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو خوراک اور لباس مناسب طور پر فراہم کرو۔ میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب ہے۔ تم لوگوں سے میرے بارے میں دریافت کیا جائے گا' تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے عرض کی: ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کر دی (رسالت کے پیغام) کو ادا کر دیا۔ خیر خواہی کر لی۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھا کر پھر اسے لوگوں کی طرف کر کے یہ ارشاد فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا، اے اللہ تو گواہ ہو جا، اے اللہ تو گواہ ہو جا۔

پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر انہوں نے اقامت کہی تو نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز ادا کی پھر انہوں نے اقامت کہی تو نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی آپ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان کوئی (نفل) نماز ادا نہیں کی۔ پھر آپ ﷺ قصواء پر سوار ہو کر وقوف کی جگہ پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی اونٹنی قصواء کا پیٹ پتھروں کی طرف تھا جبکہ جبل مشاۃ آپ ﷺ کے سامنے کی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کر لیا اور سورج غروب ہونے تک وقوف کیے رہے۔ جب اس کی تھوڑی سی زردی رخصت ہو گئی اور اس کی ٹکیہ غائب ہو گئی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا اور روانہ ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے قصواء کی لگام کو کھینچا ہوا تھا یہاں تک کہ اس اونٹنی کا سر پالان کی لکڑی تک پہنچ رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ اپنے دائیں دست مبارک کے ذریعے (اشارہ کرتے ہوئے) یہ فرما رہے تھے: اے لوگو! آرام سے چلو، اے لوگو! آرام سے چلو۔ جب بھی آپ ﷺ کسی پہاڑی کے پاس تشریف لاتے تھے' تو اس کی لگام کو ڈھیلا کر دیتے تھے تاکہ وہ اس پر چڑھ جائے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ مزدلفہ تشریف لے آئے۔ وہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ہمراہ ادا کیں۔

یہاں سلیمان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: آپ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان کوئی نفل نماز ادا نہیں کی۔ پھر تمام راوی یہ الفاظ نقل کرنے میں متفق ہیں۔

''پھر نبی اکرم ﷺ لیٹ گئے' یہاں تک کہ جب صبح صادق ہوگئی تو آپ ﷺ نے فجر کی نماز صبح صادق ہونے کے فوراً بعد ادا کرلی''۔

یہاں سلیمان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ایک اذان اور ایک اقامت کے ہمراہ ادا کی۔ پھر تمام راوی یہ الفاظ نقل کرنے میں متفق ہیں' پھر آپ ﷺ قصولہ پر سوار ہوکر مشعر حرام آئے اور اس پر چڑھ گئے۔

عثمان اور سلیمان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کیا۔ اس کی حمد بیان کی اور اس کی کبریائی کا اعتراف کیا۔ لاالٰہ الا اللہ پڑھا۔

عثمان نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: اس کی وحدانیت کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ مسلسل وقوف کیے رہے' یہاں تک کہ اچھی طرح روشنی ہوگئی تو نبی اکرم ﷺ سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ وہ ایک وجیہہ شخص تھے' جب نبی اکرم ﷺ روانہ ہوئے' تو آپ ﷺ کا گزر کچھ خواتین کے پاس سے ہوا جو جارہی تھیں' تو حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے ان خواتین کی طرف دیکھنا شروع کردیا' تو نبی اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رکھا' اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری طرف موڑ دیا۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ بھی دوسری طرف دیکھنے لگے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ محسر پہنچے' تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو ذرا سی حرکت دی (یعنی ذرا تیز چلایا) پھر آپ ﷺ درمیانی راستے سے چلتے ہوئے آئے جو بڑے جمرہ تک لے کر جاتا ہے' یہاں تک کہ آپ ﷺ اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے آپ ﷺ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ہمراہ تکبیر کہی۔ آپ ﷺ نے اتنی چھوٹی کنکری ماری جو چٹکی میں آسکتی تھی آپ ﷺ نے وادی کے نشیبی حصے سے کنکریاں ماریں' پھر نبی اکرم ﷺ وادی کے نشیبی حصے سے قربان گاہ کی طرف تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کے ذریعے تریسٹھ اونٹ نحر کیے پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا' تو انہوں نے باقی رہ جانے والے اونٹوں کو نحر کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی قربانی میں انہیں اپنا حصہ دار بنایا تھا پھر نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت ہر قربانی کے جانور کے جسم کا ایک حصہ لے کر اسے ہنڈیا میں ڈال کر اسے پکایا گیا' تو ان دونوں حضرات نے اس کا گوشت کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔

سلیمان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: پھر نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے اور بیت اللہ کی طرف واپس تشریف لائے آپ ﷺ نے مکہ میں ظہر کی نماز ادا کی پھر آپ ﷺ بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لائے' جو لوگوں کو آب زم زم پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبدالمطلب (زم زم کے کنویں) سے پانی نکالتے رہو۔ اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ نکالتا۔ انہوں نے ایک ڈول نکال کر نبی اکرم ﷺ کی طرف بڑھایا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے پی لیا۔

1906 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ، ح وحَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، الْمَعْنٰى وَاحِدٌ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبِيهِ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ بِعَرَفَةَ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَاِقَامَتَيْنِ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ، وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: هٰذَا الْحَدِيثُ اَسْنَدَهُ حَاتِمُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ فِي الْحَدِيثِ الطَّوِيلِ، وَوَافَقَ حَاتِمَ بْنَ اِسْمَاعِيلَ عَلٰى اِسْنَادِهِ، مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ اِلَّا اَنَّهُ قَالَ: فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں ایک اذان کے ہمراہ ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان کوئی نفل نماز ادا نہیں کی اور دو اقامتوں کے ساتھ (یہ نمازیں ادا کی تھیں) جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان کوئی نفل نماز ادا نہ کی۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حاتم بن اسماعیل نے اس روایت کو ایک طویل حدیث میں مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن علی جعفی نامی راوی نے حاتم بن اسماعیل کی موافقت کی ہے۔ انہوں نے یہ روایت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان کے والد (امام باقر رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے' تاہم انہوں نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا کی تھیں''۔

1907 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، حَدَّثَنَا اَبِي، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ نَحَرْتُ هَاهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَالَ: قَدْ وَقَفْتُ هَاهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ فَقَالَ: قَدْ وَقَفْتُ هَاهُنَا وَمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ.

امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (امام باقر صادق رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں یہاں قربانی کروں گا ویسے منیٰ سارے کا سارا قربانی کی جگہ ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں نے یہاں وقوف کیا ہے' لیکن پورا عرفات وقوف کی جگہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں جب وقوف کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہاں وقوف کیا ہے ویسے پورا مزدلفہ وقوف کی

1907- اسناده صحيح. يحيى بن سعيد: هو القطان. واخرجه مفرقًا النسائي في "الكبرى" (3994) و (4037) و (4119) من طريق يعقوب بن ابراهيم، عن يحيى بن سعيد، بهذا الاسناد. واخرجه ابن ماجه (3012) من طريق محمد بن المنكدر، و (3048) من طريق عطاء بن ابي رباح، كلاهما عن جابر، به. وهو في "مسند احمد" (14440).

جگہ ہے۔

1908 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ جَعْفَرٍ، بِإِسْنَادِهِ زَادَ فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ.

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''تم لوگ اپنے پڑاؤ کی جگہ پر قربانی کرلو''۔

1909 حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَابِرٍ، فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ وَأَدْرَجَ فِي الْحَدِيثِ عِنْدَ قَوْلِهِ (وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى) (البقرة: 125)، قَالَ: فَقَرَأَ فِيهِمَا بِالتَّوْحِيدِ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقَالَ فِيهِ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِالْكُوفَةِ، قَالَ أَبِي: هَذَا الْحَرْفُ لَمْ يَذْكُرْهُ جَابِرٌ: فَذَهَبْتُ مُحَرِّشًا، وَذَكَرَ قِصَّةَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا

❁❁ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل کرتے ہیں: روایت کے یہ الفاظ ''تم لوگ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو''۔ یہاں انہوں نے راوی کے یہ الفاظ نقل کر دیئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعت میں وحدانیت سے متعلق سورتوں کی اور سورہ کافرون کی تلاوت کی' اور اس روایت میں انہوں نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں یہ بات بیان کی۔

(اس روایت میں یہ بھی ہے) امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میرے والد (امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ بات بیان کی کہ یہ الفاظ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نقل نہیں کئے ''میں غصے کے عالم میں گیا پھر راوی نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق پورا واقعہ ذکر کیا''۔

مناسک حج کے مکمل وجامع طریقے کا بیان

شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن اشہر حج کہلاتے ہیں، صحیح بخاری شریف، میں روایت ہے:

وقال ابن عمر رضی اللہ عنهما أشهر الحج شوال وذو القعدة وعشر من ذی الحجة۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس ہیں۔

(صحیح بخاری شریف، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ الحج اشہر معلومات)

حج کے اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں: (1) حج قران۔ (2) حج تمتع۔ (3) حج افراد۔

(1) حج قران اس حج کو کہتے ہیں جس میں میقات سے حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج کی نیت کو ایک ہی احرام میں جمع کیا جائے۔

حج قران میں عمرہ کرنے کے بعد بال نہیں نکالے جاتے بلکہ اسی طرح احرام کی حالت میں رہتے ہیں اور جب حج کے دن شروع ہوتے ہیں تو اسی احرام سے حج ادا کرتے ہیں۔

(2) حج تمتع اس حج کو کہتے ہیں جس میں میقات سے اشہر حج میں عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور مناسک عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھل جاتا ہے پھر جب حج کے دن شروع ہوتے ہیں اس وقت دوبارہ حج کا احرام باندھ کر حج ادا کیا جاتا ہے۔
اکثر افراد حج تمتع ہی کیا کرتے ہیں۔

3) حج افراد اس حج کو کہتے ہیں جس میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے۔

مناسک عمرہ

احرام کی شرعی تعریف:

احرام کے معنی حرام کرنے کے ہیں، جب محرم عمرہ یا حج کی نیت سے احرام باندھ کر تلبیہ پڑھ لیتا ہے تو چند جائز وحلال چیزیں احرام کے سبب اس پر حرام ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو احرام کہتے ہیں۔

احرام کی عرفی تعریف:

عرف میں احرام ان دو چادروں کو کہتے ہیں جن کو عمرہ یا حج کرنے والا استعمال کرتا ہے، غسل سے فارغ ہونے کے بعد دو چادریں ایک بطور تہبند استعمال کریں اور دوسری بطور چادر اوڑھیں۔ احرام کی چادریں اگر نئی ہوں تو افضل و بہتر ہے ورنہ استعمال شدہ چادروں کو بھی دھونے کے بعد استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مرد وعورت کے لئے احرام کا فرق:

خواتین کے لئے احرام میں کوئی خاص لباس متعین نہیں بلکہ ان کے لئے روزمرہ کا لباس کافی ہے بشرطیکہ وہ ساتر ہو اور حیا و حجاب کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو، عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔

مرد حضرات کو سر اور چہرہ دونوں ڈھانکنا منع ہے اور خواتین کو صرف چہرہ ڈھانکنا منع ہے، خواتین غیر محرم سے پردہ کرنے کی غرض سے اس طرح کا نقاب استعمال کرسکتی ہیں کہ جس میں کپڑا چہرے سے مس نہ ہوتا ہو۔ جب احرام باندھنے کا ارادہ کریں تو جسم سے زائد بال دور کریں اور اچھی طرح سے غسل کریں، خواتین اگرچہ کہ وہ ناپاکی کی حالت میں ہوں غسل کرلیں۔ پھر سر ڈھانک کر غیر مکروہ وقت میں دو (2) رکعت نفل اس طور پر ادا کریں کہ پہلی رکعت میں "سورۃ الکافرون" اور دوسری رکعت میں "سورۃ الاخلاص" پڑھیں، نماز سے فارغ ہو کر مرد سر سے چادر ہٹائے، (پھر مرد وعورت کے لئے حکم یہ ہے کہ) قبلہ رخ ہو کر عمرہ کی نیت کرلیں، نیت دل کے ارادہ کا نام ہے تاہم زبان سے الفاظ ادا کرنا مستحب ہے۔

عمرہ کی نیت:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي۔

ترجمہ: اے اللہ! میں عمرہ کی نیت کرتا ہوں، تو اسے میرے لئے آسان فرمادے اور اسے قبول فرما۔

عمرہ کی نیت کے ساتھ ہی ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا واجب ہے اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے۔ مرد حضرات بلند آواز سے پڑھیں اور مستورات آہستہ پڑھیں۔ تلبیہ آواز سے کہنا شرط ہے، دل میں کہنا کافی نہیں۔

تلبیہ یہ ہے:

لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیکَ لکَ لَبَّیْکَ، إنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیکَ لکَ۔

تلبیہ پڑھنے کے بعد ذکر و تسبیح، درود و سلام کا اہتمام کریں، اور تضرع وزاری کے ساتھ دعائیں کریں، جس زبان میں دعا و یاد ہو کریں۔

احرام میں داخل ہونے کے بعد چند چیزیں محرم پر حرام ہو جاتی ہیں، ان سے احتراز کریں۔

ممنوعات احرام:

بنیادی طور پر احرام کی حالت میں چھ (6) چیزیں ممنوع ہیں، جن میں سے چار (4) مرد و عورت دونوں سے متعلق ہیں اور دو (2) مرد حضرات سے متعلق ہیں۔

1) صحبت کرنا یا اس کے اسباب و دواعی اختیار کرنا یا اس سے متعلق گفتگو کرنا۔

2) خشکی کے جانوروں کا شکار خود کرنا یا شکار کی جانب رہنمائی کرنا۔

3) بال کاٹنا یا ناخن تراشنا۔

4) خوشبو استعمال کرنا۔

یہ چار ممنوعات مرد و عورت دونوں کے لئے ہیں

اور یہ دو

5) سلا ہوا لباس پہننا۔

6) سر اور چہرے کو ڈھانکنا۔

صرف مرد حضرات کے لئے ممنوع ہیں۔

اگر کسی سے بحالت احرام ان چھ ممنوعات میں سے کوئی ممنوع عمل سرزد ہو جائے تو اس پر حسب ترتیب کفارہ و صدقہ لازم آتا ہے۔

پہلی صورت یعنی بیوی سے مباشرت کرنے یا شہوت سے بوس و کنار کرنے کی صورت میں دم واجب ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

شکار کرنے کی صورت میں دو عادل مسلمان اس شکار کی جو قیمت مقرر کریں اسے صدقہ کرنا، واجب ہے۔

سر کے علاوہ بدن کے کچھ مخصوص حصوں سے یا تمام بدن سے ایک ہی مجلس میں بال نکالنے پر ایک دم واجب ہوگا، اگر مختلف

مجالس میں علحدہ علحدہ مختلف مقامات کے بال نکالیں تو علیحدہ علیحدہ دم واجب ہوگا۔
سر، داڑھی، گردن، بغل اور زیر ناف کے بال نکالے جائیں تو دم واجب ہوگا۔ باقی دیگر اعضاء کے بال نکالنے پر صدقہ واجب ہوگا۔
اگر حالت احرام میں ہاتھ پیر کے تمام ناخن تراش لے یا کسی ایک ہاتھ یا ایک پیر کے پانچ ناخن تراشے تو اس پر دم واجب ہے، اگر پانچ سے کم ناخن تراشے تو ہر ناخن پر آدھا صاع یعنی تقریباً سوا کلو گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے۔
اور اگر ناخن اس طرح ٹوٹ جائے کہ اب اس کی مزید نشو نما نہیں ہوگی تو اس کو توڑ کر علحدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
(عالمگیری، ج 1، ص 244)

اگر خوشبو بدن کے کسی ایک حصہ پر لگائے یا مختلف اعضاء پر اس طرح لگائے کہ اسے جمع کرنے سے ایک بڑے عضو کے بقدر ہو تو ایسی صورت میں دم واجب ہے، اگر اس سے کم ہو تو صدقۂ فطر واجب ہوگا۔
احرام کی حالت میں مرد حضرات کے لئے ایسا جوتا یا چپل پہننا درست نہیں جس سے قدم کی درمیانی ابھری ہوئی ہڈی چھپ جائے، البتہ خواتین کے لئے اور موزے، جوتے پہننا منع نہیں ہے۔

دیگر ممنوعات:

1) فسق و فجور کرنا، لڑنا، جھگڑنا، ساتھیوں اور خادموں پر غصہ ہونا، کسی کو ستانا، تکلیف دینا، یا کوئی بھی برا عمل کرنا۔
2) ایسا لباس پہننا جو زعفران یا کسی خوشبودار چیز میں رنگ دیا گیا ہو، اگر خوشبو جا چکی ہو تو ممنوع نہیں۔
3) دار چینی الائچی لونگ سونٹھ یا کوئی اور خوشبودار چیز تناول کرنا، ایسی کھانا یا پینا جس میں خوشبو ملائی گئی اور خوشبو غالب ہو۔
4) بال یا بدن کو مہندی لگانا اور تیل لگانا۔
5) بدن کو اس طرح کھجانا کہ اس کی وجہ سے بال ٹوٹ جائے یا جوں مر جائے۔
6) ہاتھ یا بدن کی کسی حصہ سے یا لباس سے جوں مارنا یا دور کرنا، جوں کو مارنے کی غرض سے دھوپ میں ڈالنا، جوں مارنے کے لئے کسی سے کہنا۔
7) حدود حرم کے درخت یا گھاس کاٹنا، ہاں اذخر گھاس کاٹنا ممنوع نہیں۔

مکروہات احرام:

جو چیزیں حالت احرام میں مکروہ ہیں اور ان پر جزا نہیں لازم آتی وہ یہ ہیں۔
1) بدن سے میل دور کرنا۔
2) بالوں کو کھولنا۔
3) سر کے بالوں میں یا داڑھی میں کنگھی کرنا۔
4) سر داڑھی یا باقی جسم کو اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹنے یا جوں کے مرنے کا ڈر ہو۔

5) چادر گردن پر باندھنا۔

6) سر یا منہ غلاف کعبہ سے اس طرح چھپانا کہ غلاف سر یا منہ پر لگ جائے۔

7) چادر یا تہبند کے ایک کنارے کو دوسرے کنارہ سے ملا کر باندھنا یا دونوں کناروں کو کانٹے یا سوئی وغیرہ کے ذریعہ جوڑنا۔

8) سیاہ، زرد، نیلا کپڑا پہننا خوشبو سونگھنا یا ہاتھ لگانا بشرطیکہ خوشبو کا جرم (جسامت) ہاتھ کو نہ لگے، بیل بوٹے، پھول اور میوہ جات سے خوشبو سونگھنا۔

9) سر اور منہ کے سوا کسی اور عضو پر بلا عذر پٹی باندھنا اسی طرح ناک یا ٹھوڑی کو کپڑے سے ڈھانکنا، ہاتھ سے ڈھانکنا مکروہ نہیں۔

10) ایسی کھائی جانے والی یا نوش کی جانے والی کچی چیز کا کھانا یا پینا جس میں خوشبو مغلوب ہوتا ہم خوشبو آ رہی ہو۔

11) تکیہ پر پیشانی رکھ کر اوندھا سونا۔

12) پان میں لونگ الائچی اور خوشبو دار تمبا کو ڈال کر کھانا۔ وغیرہ

تلبیہ اور درود شریف کا کثرت سے اہتمام کریں۔ جب مسجد حرام شریف میں داخل ہوں تو مکمل عاجزی وانکساری کے ساتھ پیکر تواضع بن کر باادب، یہ دعاء پڑھتے ہوئے داخل ہوں:

"بِسْمِ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ. اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَ اَدْخِلْنِيْ فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَ اَنْ تَرْحَمَنِيْ وَ تُقِيْلَ عَثَرَاتِيْ وَ تَغْفِرَ ذُنُوْبِيْ وَ تَضَعَ عَنِّيْ وِزْرِيْ۔"

اور پہلے سیدھا پیر داخل کریں۔ چونکہ آمد و رفت کا سلسلہ رہتا لہٰذا کسی جانب کونے کی طرف ہوں اور آگے بڑھیں تا کہ اطمینان سے دعا کر سکیں اور آنے جانے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

پھر جب خانہ کعبہ پر نظر پڑنے، توقف کریں اور دعائیں کریں کیونکہ یہ خصوصی طور پر دعاؤں کی قبولیت کا موقع ہے۔

البحر الرائق میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعاء تعلیم فرمائی کہ رؤیت بیت اللہ کے وقت دعاء کرے کہ اے اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ اس ایک دعاء کے مقبول ہونے سے تمام دعائیں مقبول ہو جائیں گی۔

وَقَدْ ذُكِرَ فِي الْمَنَاقِبِ أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ أَوْصَى رَجُلًا يُرِيدُ السَّفَرَ إِلَى مَكَّةَ بِأَنْ يَدْعُوَ اللَّهَ عِنْدَ مُشَاهَدَةِ الْبَيْتِ بِاسْتِجَابَةِ دُعَائِهِ فَإِنْ اُسْتُجِيبَتْ هَذِهِ الدَّعْوَةُ صَارَ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ۔

بہتر ہے کہ اس دعاء کے ساتھ یہ بھی کہیں: پروردگار مجھے جائز اور نیک دعاؤں کی توفیق عطا فرما!

اگر کوئی وقتیہ نماز کا وقت ہو تو پہلے نماز ادا کر لیں، ورنہ اضطباع کر کے مطاف میں آئیں۔

اضطباع کے معنی یہ ہیں

چادر کے ایک سرے کو داہنی بغل کے نیچے سے نکالے کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ اور رمل کا مطلب یہ ہے کہ دونوں شانوں کو

جنبش دیتے ہوئے سینہ ابھار کر قریب قریب قدم رکھ کر چلنا جیسے پہلوان دنگل میں چلتے ہیں۔
رمل صرف ابتدائی تین چکروں میں مسنون ہے، جس طواف کے بعد سعی ہے اسی طواف میں رمل واضطباع ہے، خواتین کے لئے نہ رمل ہے اور نہ اضطباع۔

یہ دعا پڑھتے ہوئے حجر اسود کی طرف بڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَ اَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَتَعْظِیْمًا وَتَکْرِیْمًا وَبِرًّا وَمَھَابَۃً. وَزِدْ مِنْ شَرَفِہٖ وَکَرَمِہٖ مِمَّنْ حَجَّہٗ اَوْ اعْتَمَرَہٗ تَشْرِیْفًا وَتَعْظِیْمًا وَتَکْرِیْمًا وَبِرًّا۔

احرام کی نیت کے وقت سے جو لبیک پڑھتے آرہے تھے اب طواف کے آغاز سے ہی اسے موقوف کر دیں۔ پھر اپنا سیدھا مونڈھا حجر اسود کے بائیں کونے کے بالمقابل ہو اور تمام حجر اسود داہنی جانب ہو۔

بعد ازاں طواف کی نیت کریں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِکَ الْحَرَامِ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیری رضا و خوشنودی کے لئے تیرے حرمت و تقدس والے گھر کے طواف کی نیت کرتا! کرتی ہوں تو اسے میرے لئے آسان فرما اور اسے اپنے دربار میں قبول فرما۔

پھر حجر اسود کے روبرو آکر "بِسْمِ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم" کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں۔ اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ حجر اسود پر رکھ کر بیچ میں بوسہ دیں مستحب یہ ہے کہ منہ اور پیشانی دونوں کو رکھیں اور تین بار بوسہ دیں۔

حجر اسود چومتے وقت کی دعاء

اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اگر ہجوم اتنا کثیر ہو کہ بوسہ دینا ممکن نہیں تو اس پر ہاتھ لگا کر چومے، اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو لاٹھی وغیرہ لگا کر چومے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو صرف

اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اس کی جانب اٹھائیں اور اس یقین کے ساتھ ہاتھوں کو چومیں کہ گویا دونوں ہاتھوں سے اس کو چھو لیا ہے اس طرح چومیں کہ آواز نہ آئے۔

پھر اضطباع کئے ہوئے رمل کے ساتھ داہنی جانب چلیں۔ دوران طواف جو دعا یاد ہو کرتے رہیں، اور اسی طرح واپس جب حجر اسود کے پاس آئیں گے تو طواف کی ایک چکر مکمل ہو گی، اسی طرح سات چکر لگائیں اور ہر چکر میں حجر اسود کا استلام کریں۔

جب طواف مکمل ہو جائے تو پھر مقام ابراہیم کی طرف یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے چلیں:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔

ترجمہ: اور تم مقام ابراہیم کے پاس نماز کی جگہ بناؤ۔

مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کریں پہلی رکعت میں سورہ کافرون، اور دوسری رکعت میں، سورہ اخلاص پڑھیں۔ یہ دو رکعتیں حنفی مذہب میں واجب ہیں۔ اگر مقام ابراہیم کے پاس ہجوم ہو تو پھر اس سے قریب جس مقام پر سہولت ہو مسجد شریف میں ادا کر لیں۔ اور اگر مکروہ وقت ہو تو یہ دوگانہ نماز، مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد ادا کریں۔

اس کے بعد مُلتَزَم کے پاس آئیں، دونوں ہاتھوں کو دراز کر کے اپنا سینہ پیٹ اور داہنا رخسار دیوار کعبہ سے چمٹادیں، اور دعائیں کرتے رہیں۔

نوٹ: "ملتزم" کعبۃ اللہ شریف کے دروازے اور حجر اسود کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں۔

بعد ازاں قبلہ رو کھڑے ہو کر خوب آب زمزم پئیں، یہ وقت بھی قبولیت دعاء کا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے گا وہ مقصد پورا ہوگا۔ اس وقت یہ دعاء پڑھیں:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَعَمَلًا صَالِحًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ۔

جب سعی کے لئے صفا کو جا رہے ہوں تو اس سے قبل حجر اسود کا استلام کر لیں، اس طرح یہ حجر اسود کا نواں (9) استلام ہوگا۔

یہ نواں استلام صرف اُس طواف کے بعد ہے جس کے بعد سعی کی جارہی ہو۔

مسجد شریف سے نکلتے وقت دعاء پڑھتے ہوئے اپنا بایاں قدم آگے بڑھائیں

اس کے بعد باب صفا سے صفا کی طرف یہ پڑھتے ہوئے جائیں:

أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔

اور صفا پر چڑھ کر کعبۃ اللہ کی طرف رخ کریں، دونوں ہاتھ کاندھوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں اور یہ دعا پڑھیں:

اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا هَدَانَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا أَوْلَانَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا أَلْهَمَنَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، وَصَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ أُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ وَإِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ وَإِنِّي أَسْأَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِي لِلْإِسْلَامِ أَنْ لَا تَنْزِعَهُ

مِنِّی حَقَّ تَوَفَّانِیْ وَ اَنَا مُسْلِمٌ. سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ اَتْبَاعِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِمَشَایِخِیْ وَ لِلْمُسْلِمِیْنَ اَجْمَعِیْنَ وَ السَّلَامُ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

دیگر جودعائیں یاد ہوں وہ پڑھتے رہیں کیونکہ یہ بھی دعا کے مقبول ہونے کا مقام ہے۔

پھر صفا سے مروہ کی جانب درمیانی رفتار سے چلیں

صفا سے اترتے وقت یہ دعاء پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اسْتَعْمِلْنِیْ بِسُنَّةِ نَبِیِّکَ وَتَوَفَّنِیْ عَلٰی مِلَّتِهٖ. وَأَعِذْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ بِرَحْمَتِکَ یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ (فتح القدیر)

اور میلین اخضرین (جس کے درمیان سبز لائٹس نصب ہیں) کے دوران مرد حضرات تیز گام چلیں، خواتین میلین اخضرین کے درمیان بھی اپنے معمول کے مطابق ہی چلیں۔

میلین اخضرین کے دوران پڑھی جانے والی دعاء

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاعْفُ وَتَکَرَّمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ. اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا لَا نَعْلَمُ. اِنَّکَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَکْرَمُ۔

اس طرح صفا سے مروہ پر ایک چکر مکمل ہوگا اور پھر مروہ سے صفا جانے پر دو چکر ہوں گے۔

مروہ پہنچ کر کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کیا سی طرح دعاء کریں جس طرح صفا پر کی تھی، اور پھر مروہ سے صفا کی جانب آئیں اسی طرح سات چکر مکمل کریں اور میلین اخضرین کے دوران تیز گام چلیں، ساتواں چکر مروہ پر مکمل ہوگی۔

حج تمتع ہو تو سعی سے فارغ ہو کر حلق کروالیں، ایام حج تک حلال رہیں۔ کل سر کے بال حلق کروانا بہتر ہے اور بال کتروانے کی صورت میں تمام سر کے بال انگلی کی ایک پور سے زائد مقدار میں کتروانا مسنون ہے، اور سر کے چوتھائی بال کتروانے کی صورت میں واجب تو ادا ہو جاتا ہے تاہم یہ کراہت سے خالی نہیں۔ اور خواتین اپنے تمام سر کے بالوں یا چوتھائی سر کے بالوں سے لمبائی میں انگلی کی ایک پور کے برابر بال کاٹ دیں۔ حلق یا قصر کے ساتھ عمرہ مکمل ہوتا ہے۔

نوٹ 1: خواتین بال کاٹتے وقت اس طرح اپنا سر کھلا نہ رکھیں کہ ان پر غیر کی نظر پڑے۔

نوٹ 2: حلق یا قصر حدود حرم میں کروانا واجب ہے، اگر بیرون حرم حلق یا قصر کروائیں تو دم واجب ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھولتے وقت حلق کروانے والے حضرات کو خصوصی دعاؤں سے سرفراز فرمایا صحیح بخاری شریف میں حدیث پاک ہے:

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ

الْمُحَلِّقِينَ. قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: اللَّهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ. قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ وَالْمُقَصِّرِينَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ حلق کروانے والوں پر رحم فرما! حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور بال کم کروانے والے؟ آپ نے فرمایا: اے اللہ! حلق کروانے والوں پر رحم فرما! صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور بال کم کروانے والے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان پر بھی رحم فرمائے۔ (صحیح بخاری شریف باب الحلق والتقصیر عند الاحلال حدیث نمبر 1612)

حج قران ہو تو اسی احرام میں رہیں کیونکہ انہیں اسی احرام میں حج کرنا ہے۔

حج کے ایام کا بیان

حج کے پانچ (5) دن ہیں:

پانچ یا دن یہ چھ دن! 10 کنکریاں یا 91 کنکریاں؟ 8/9/10/11/ اور 12/ ذی الحجہ۔

حج کے فرائض کا بیان

فرائض حج تین (3) ہیں: 1) احرام۔ 2) وقوف عرفات۔ 3) طواف زیارت۔

1) احرام: اس سے مراد دل سے حج کی نیت کرنا اور زبان سے تلبیہ (لبیک) کہنا ہے۔

2) وقوف عرفات: اس کا وقت 9! ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے 10! ذی الحجہ کی صبح صادق کے درمیان ہے، اس دوران میدان عرفات میں کچھ دیر کے لئے کیوں نہ ہو ٹھیرنا حج کا رکن اعظم ہے۔

زوال کے بعد علی الفور وقوف کا آغاز کرنا مسنون ہے، وقوف عرفات میں نیت شرط نہیں اور ٹھہرنا ضروری نہیں، طاقت ہو تو ٹھہرنا افضل ہے، بصورت دیگر بیٹھ کر یا حسب سہولت دعاؤں میں مصروف رہیں۔

3) طواف زیارت: 10! ذی الحجہ کی صبح سے 12! ذی الحجہ کے دن، سورج غروب ہونے سے پہلے تک کسی بھی وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنا۔

نوٹ: ان فرائض حج کو ترتیب وار ادا کرنا ضروری ہے اور ہر رکن کو اس کے مخصوص مکان اور مخصوص وقت میں ادا کرنا بھی لازم ہے اگر ان تینوں ارکان میں سے کوئی رکن چھوٹ جائے تو حج ادا نہیں ہوگا اور نہ قربانی وغیرہ سے اس کی تلافی کی جاسکتی ہے۔

واجبات حج کا بیان

واجبات حج چھ (6) ہیں:

(1) وقوف مزدلفہ: دس (10) ذی الحجہ کی صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب سے پہلے تک مزدلفہ میں وقوف کرنا۔ (2) صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ (3) رمی جمار: جمرات کو کنکریاں مارنا۔ (4) حج قران اور حج تمتع کرنے والوں کے لئے قربانی

کرنا۔(5) حلق: سر کے بال منڈانا یا قصر: بال کتروانا۔(6) آفاقی (میقات سے باہر رہنے والے) کے لئے مکہ مکرمہ سے واپسی کے موقع پر طواف وداع کرنا۔

نوٹ: ان واجبات میں سے اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو خواہ قصداً یا سہواً ترک کیا ہو ایک دم یعنی ایک بکرا قربانی کرنا واجب ہے۔

حج کا پہلا دن

حج کا پہلا دن (یوم الترویہ)

آٹھ (8) ذی الحجہ کو نماز فجر مکہ مکرمہ میں پڑھکر طلوع آفتاب کے بعد منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔

منیٰ میں قیام:

منیٰ مکہ مکرمہ سے تقریبا: پانچ (5) کیلومیٹر کے فاصلہ پر دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔

منیٰ کی روانگی کے لئے موجودہ دور میں معلم کی جانب سے گاڑی کا نظم ہوتا ہے، حجاج کرام کو ان کی قیامگاہ (ہوٹل) سے گاڑیوں کے ذریعہ منیٰ پہنچایا جاتا ہے، اکثر گاڑیاں سات (7) ذی الحجہ کی رات ہی منیٰ روانہ ہوجاتی ہیں اس لئے بہتر ہے کہ نماز عشاء کے بعد احرام باندھ لیں۔ کیونکہ (7) ذی الحجہ کی رات منیٰ روانہ ہونے میں شرعا کوئی مضائقہ نہیں۔

منیٰ جاتے وقت راستہ بھر تلبیہ درود شریف اور دعاؤں میں مصروف رہیں، 9 ذی الحجہ کی فجر جملہ پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا اور وہیں رات گزارنا سنت ہے۔

مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد سے منیٰ کی روانگی سے پہلے تک اگر پندرہ دن نہ ہوئے ہوں تو حج کی تمام چار رکعت والی فرض نمازوں میں قصر کریں۔ منیٰ میں واقع مسجد خیف کے قریب ٹھہرنا مستحب ہے ورنہ حسب سہولت جہاں موقع ہو ٹھہر سکتے ہیں، حکومت کی جانب سے منیٰ میں حجاج کرام کے لئے خیمے لگائے جاتے ہیں، جس پر معلم کا نمبر ہوتا ہے، وہاں بھی قیام کیا جاسکتا ہے، منیٰ میں حسب سہولت رات بھر تلبیہ استغفار اور دعائیں کرتے رہیں اور درود شریف کثرت سے پڑھیں۔ منیٰ میں اگر کسی وجہ سے خیمہ حدود منیٰ کے باہر ہو تو حدود منیٰ میں داخل ہوکر کسی مناسب مقام پر قیام کریں۔

حج کا دوسرا دن نو (9) ذی الحجہ (یوم عرفہ) آج حج کا اہم ترین دن ہے جس میں حج کا عظیم رکن "وقوف عرفہ" ادا کیا جاتا ہے۔

9 ذی الحجہ کو منیٰ میں نماز فجر پڑھ لیں، نماز کے بعد تکبیر تشریق کہیں۔

تکبیر تشریق یہ ہے:

اَللّٰهُ اَكْبَرْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ وَلِلّٰهِ الْحَمْد۔

9 ذی الحجہ کی فجر سے 13 ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد تین بار تکبیر تشریق کہنا افضل ہے۔

اس کے بعد تلبیہ (لبیک) ذکر اور درود شریف میں مشغول رہیں۔ سورج طلوع ہونے کے بعد جب کچھ دھوپ نکل آئے تو منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہوں۔

وقوف عرفہ

9 ذی الحجہ کی زوال کے بعد سے 10 ذی الحجہ کی صبح صادق کے درمیان ایک لمحہ کے لئے بھی عرفات میں وقوف ہو جائے تو رکنِ حج ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن زوال سے غروبِ آفتاب تک عرفات میں وقوف کرنا واجب ہے، عرفات میں بطنِ عرنہ کے علاوہ جہاں چاہیں ٹھہر سکتے ہیں، البتہ جبلِ رحمت کے پاس وقوف کرنا افضل ہے۔

تلبیہ واذکار دعا واستغفار اور چہارم کلمہ توحید پڑھنے میں مشغول رہیں، زوال سے پہلے کھانے اور دیگر ضروریات سے فارغ ہو کر غسل کریں جو کہ مسنون ہے ورنہ وضو کر لینا کافی ہے، مسجد نمرہ میں امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں تو ظہر و عصر کو ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، مسجد نمرہ کے علاوہ عرفات میں اپنے مقام پر نماز ادا کر رہے ہوں تو ظہر کے وقت ظہر اور عصر کے وقت عصر پڑھیں۔

نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک تضرع وزاری کے ساتھ درود شریف ذکر و دعاء کرتے ہوئے وقوف کریں۔

سورج غروب ہونے کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لئے روانہ ہو جائیں اور راستہ تمام تلبیہ تکبیر درود شریف اور دعاؤں کا اہتمام کرتے رہیں۔

مزدلفہ کے میدان میں آخری حد پر واقع مشعر حرام نامی پہاڑ کے نزدیک ٹھہرنا افضل ہے، وادی محسر میں نہ ٹھہریں اور نہ اس میں سے گذریں۔ مزدلفہ پہنچ کر غسل کرنا مسنون ہے ورنہ وضو کافی ہے اگر مغرب کی نماز کا وقت باقی ہو تب بھی مغرب ہرگز نہ پڑھیں، جب عشاء کا وقت شروع ہو جائے تب مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا کی نیت سے پڑھیں، مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو عشاء کے وقت جمع کر کے پڑھنا واجب ہے، جماعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے، مغرب کی فرض کے ساتھ سنت نہ پڑھیں بلکہ عشاء کی فرض پڑھیں اس کے بعد پہلے مغرب کی سنت پھر عشاء کی سنت و وتر پڑھیں مزدلفہ میں رات گذارنا سنت مؤکدہ ہے، نمازوں کی ادائیگی کے بعد تلبیہ تکبیر درود شریف اور تضرع وزاری کے ساتھ دعاؤں میں مشغول رہیں۔

نوٹ: نماز مغرب عرفات میں یا مزدلفہ کے راستہ میں پڑھنا درست نہیں۔

مزدلفہ میں صبح صادق سے اجالا ہونے کے درمیان وقوف کرنا واجب ہے خواہ تھوڑی دیر ہی کیوں نہ ہو، طلوع آفتاب تک وقوف کرنا سنت ہے، اور فجر کی نماز اول وقت ادا کرنا مستحب ہے۔

منیٰ میں تین دن رمی جمار کرنے کے لئے ستر (70) کنکریاں جو کھجور کی گٹھلی سے بڑی نہ ہوں اور چنے کے دانے سے چھوٹی نہ ہوں، چن کر ساتھ رکھ لیں۔

حج کا تیسرا دن 10 ذی الحجہ

10 ذی الحجہ کی صبح، جب طلوع آفتاب کا یقین ہو جائے تو مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں اور راستہ میں بدستور ذکر ودعا، استغفار و تلبیہ جاری رکھیں اور درود شریف کی کثرت کریں۔

10 ذی الحجہ کا دن حجاج کرام کے لئے نہایت مصروف دن ہے، لہٰذا حاجیوں کے لئے نماز عید نہیں رکھی گئی ہے، منیٰ پہنچتے ہی

پہلا عمل رمی کرنا ہے صرف جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کریں، احرام باندھنے کے بعد سے لبیک پڑھنے کا جو سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے، اب جمرۂ عقبہ پر پہلی کنکری مارنے سے پہلے ہی اُسے روک دیں۔

آج رمی کرنے کا مسنون و مستحب وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے، مباح وقت زوال سے غروب تک ہے، اور غروب سے صبح صادق تک مکروہ وقت ہے۔ یعنی زوال سے پہلے رمی کرنا مستحب ہے، زوال کے بعد سے غروب تک کرنا' جائز ہے، اور غروب کے بعد سے صبح صادق تک کرنا' مکروہ ہے۔

دوسرا کام قربانی ہے:

حج افراد کرنے والوں پر حج کی قربانی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

حج قران اور حج تمتع کرنے والے افراد پر قربانی کرنا' واجب ہے۔

تیسرا کام حلق یا قصر:

قصر (بال کتروانے) کے بالمقابل حلق (سر منڈانا) افضل ہے، اس کا وقت 10!11!12!۔ ذی الحجہ ہے لیکن دسویں ذی الحجہ کو کروانا افضل ہے۔ حجامت کے وقت قبلہ رو بیٹھنا اور دائیں جانب سے شروع کرنا سنت ہے، حلق کروانے کے بعد احرام کھول دیں۔ نوٹ: رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب ضروری ہے، اگر پہلے حلق کروا کر بعد میں قربانی کی جائے تو دم واجب ہوگا۔

رمی قربانی اور حلق کے بعد طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو جائیں اور طواف زیارت اپنے معمول کے لباس میں کریں، اگر پہلے سعی نہ کی ہو تو اس طواف کے بعد سعی کر لیں اس طواف میں رمل بھی کریں اور اگر سعی پہلے کر چکے تھے تو پھر اس طواف میں رمل نہ کریں، طواف زیارت کا وقت 10!ذی الحجہ کی صبح صادق سے 12!ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، لیکن 10!ذی الحجہ کو طواف کرنا افضل ہے۔ حرم شریف سے واپس ہو کر رات منیٰ میں گذاریں کیونکہ رات منیٰ میں گذارنا مسنون ہے۔

حج کا چوتھا دن 11!ذی الحجہ

11!ذی الحجہ کے دن تینوں جمرات کی رمی واجب ہے، پہلے سات کنکریاں چھوٹے شیطان کو ماریں، رمی کے بعد کچھ آگے بڑھ جائیں اور قبلہ رو ہاتھ اٹھا دعاء کریں، حضور قلبی کے ساتھ حمد و صلوٰۃ اور استغفار و دعاء میں اگر موقع ہو تو (کم سے کم بیس قرآنی آیتیں پڑھنے کے وقت تک، ورنہ حسب سہولت) مشغول رہیں اس کے بعد درمیانی شیطان کو سات کنکریاں ماریں اور تحمید تہلیل تکبیر درود شریف اور دعاء میں اتنی ہی دیر مشغول رہیں، پھر جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کریں اس کے بعد رمی کرنا نہیں ہے اس لئے رمی کے بعد نہ ٹھہریں اور نہ دعاء کریں بلکہ آگے بڑھ جائیں۔

رمی کا وقت مسنون زوال سے غروب تک ہے اور غروب تا صبح صادق بلا عذر کریں تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اور کوئی عذر کی وجہ رات میں ہی کریں تو مکروہ نہیں ہے۔

10!ذی الحجہ کو اگر طواف نہیں کیا گیا تھا تو گیارہ کو طواف کے لئے مکہ مکرمہ چلے جائیں اور طواف کر کے، منیٰ واپس ہو جائیں اور رات منیٰ میں ہی گذاریں۔

حج کا پانچواں دن 12ذی الحجہ

12ذی الحجہ کے دن گیارھویں کی طرح زوال کے بعد اسی ترتیب سے تینوں جمرات کی رمی کریں، جمرہ اولی کو سات کنکریاں اور جمرہ وسطی کو سات اور پھر جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں، اسکے بعد غروب آفتاب سے پہلے مکہ معظمہ چلے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں تاہم مسنون یہ ہے کہ 13 تاریخ کو رمی کر کے جائیں اور آفتاب غروب ہوجائے تو پھر 13 کی رمی کئے بغیر جانا مکروہ ہے، اور 13ذی الحجہ کی صبح منیٰ میں ہوجائے تو پھر تیرہویں کی رمی کرنا واجب ہے، رمی کئے بغیر جانا جائز نہیں، اس صورت میں تیرہویں کے دن بھی اسی ترتیب اور اسی طریقہ سے تینوں جمرات کی رمی کریں، (جمرہ اولی پر سات کنکریاں اور جمرہ وسطی پر سات اور پھر جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں ماریں) اس رمی کا وقت صبح سے مغرب تک ہے البتہ زوال کے بعد وقت مسنون ہے۔

طواف وداع

طواف وداع آفاقی (میقات کے باہر سے آنے والے) کے لئے واجب ہے، افضل یہ ہے کہ بوقت واپسی طواف وداع کی نیت کے ساتھ طواف کیا جائے اس طواف میں نہ اضطباع ہے اور نہ رمل، اسی طرح اس کے بعد سعی کرنا بھی نہیں، طواف کے بعد حسب قاعدہ دوگانہ ادا کریں، ملتزم سے چمٹ کر خوب دعا کریں، باب کعبہ پر غلاف کعبہ کو پکڑ کر تضرع وزاری کے ساتھ دعا کریں مقام ابراہیم اور زمزم کے پاس آکر درود شریف کی کثرت کریں، پھر جو چاہیں دارین کی سعادت کے لئے گڑگڑا کر دعائیں کریں۔
طواف وداع کے موقع پر بیت اللہ شریف سے جدائی پر دل میں رنج وغم حزن وملال کی کیفیت پیدا کریں، اشک آور آنکھوں سے خانۂ کعبہ کی طرف نہایت حسرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے دوبارہ حاضری کی تمنا کے ساتھ تعظیماً اُلٹے پیر چل کر حرم شریف سے باہر نکلیں۔

روضۂ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مقدسہ قبولیت حج کی سند اور شفاعت کی ضمانت ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من زار قبری وجبت لہ شفاعتی جس نے میرے روضہ پاک پر حاضری دی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ من حج ولم یزرنی فقد جفانی جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی یقیناً اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔
اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق مناسک حج وعمرہ ادا کرنے اور آداب زیارت مقدسہ بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

بَابُ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ

باب: عرفہ میں وقوف کرنا

1910 حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ وَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ

قَالَتْ: فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ أَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفَ بِهَا، ثُمَّ يُفِيضُ مِنْهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى (ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ) (البقرۃ: ۱۹۹)

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: قریش اور ان کے پیروکار لوگ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے وہ خود کو حمس (نمایاں مذہبی حیثیت کے مالک) قرار دیتے تھے اور باقی تمام عرب عرفات میں وقوف کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب اسلام آیا تو اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات تشریف لائیں وہاں پر وقوف کریں اور وہاں سے روانہ ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے:

"پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں"۔

عرفہ کا وقوف

خیال کرو جب شرع کو یہ وقت دعا کے لئے فارغ کرنے کا اس قدر اہتمام ہے کہ عصر کو ظہر کی ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم دیا تو اس وقت اور کام میں مشغولی کس قدر بیہودہ ہے بعض احمقوں کو دیکھا ہے کہ امام تو نماز میں ہے یا نماز پڑھ کر موقف کو گیا اور وہ کھانے' پینے' حقے' چائے اڑانے میں ہیں خبردار ایسا نہ کرو۔ امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہی فوراً موقف۔ (یعنی وہ جگہ کہ نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک وہاں کھڑے ہو کر ذکر و دعا کا حکم ہے اس جگہ کو روانہ ہو جاؤ اور ممکن ہو تو اونٹ پر کہ سنت بھی ہے اور ہجوم میں دبنے کچلنے سے محافظت بھی، بعض مطوف اس مجمع میں جانے سے منع کرتے اور طرح طرح ڈراتے ہیں ان کی نہ سنو کہ وہ خاص نزول رحمت عام کی جگہ ہے ہاں عورتیں اور کمزور مرد یہیں سے کھڑے ہوئے دعا میں شامل ہوں۔ کہ بطن عرنہ کے سوا یہ سارا میدان موقف ہے اور یہ لوگ بھی یہی تصور کریں کہ ہم اس مجمع میں حاضر ہیں اپنی ڈیڑھ اینٹ الگ نہ سمجھیں اس مجمع میں یقیناً بکثرت اولیاء بلکہ الیاس و خضر علیہما السلام دو نبی موجود ہیں یہ تصور کریں کہ انوار و برکات جو اس مجمع میں ان پر اتر رہے ہیں ان کا صدقہ ہم بھکاریوں کو بھی پہنچتا ہے۔ یوں الگ ہو کر بھی شامل رہیں گے اور جس سے ہو سکے تو وہاں کی حاضری چھوڑنے کی چیز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ امام سے نزدیک جبل رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے رو بقبلہ امام کے پیچھے کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقت یا کسی کو اذیت نہ ہو ورنہ جہاں اور جس طرح ہو سکے وقوف کرے امام کی دہنی جانب اور بائیں رو برو سے افضل ہے یہ وقوف ہی حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے وقوف کے لئے کھڑا رہنا افضل ہے شرط یا واجب نہیں۔ بیٹھا رہا جب بھی وقوف ہو گیا وقوف میں نیت اور رو بقبلہ ہونا افضل ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، مناسک حج، بیروت)

وقوف عرفہ کی سنتوں کا بیان

وقوف میں یہ امور سنت ہیں۔ غسل' دونوں خطبوں کی حاضری' دونوں نمازیں ملا کر پڑھنا' بے روزہ ہونا' باوضو ہونا' نمازوں کے بعد فوراً وقوف کرنا۔ بعض جاہل یہ کرتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر رومال ہلاتے رہتے ہیں اس سے بچو اور ان کی طرف بھی برا خیال نہ کرو یہ وقت اوروں کے عیب دیکھنے کا نہیں اپنے عیبوں پر شرمساری اور گریہ وزاری کا ہے۔

وقوف عرفہ کے آداب کا بیان

اب وہ کہ یہاں ہیں اور وہ کہ ڈیروں میں ہیں سب ہمہ تن صدق دل سے اپنے کریم مہربان ربّ کی طرف متوجہ ہو جائیں میدان قیامت میں حساب اعمال کے لئے اس کے حضور حاضری کا تصور کریں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتے کانپتے ڈرتے امید کرتے آنکھیں بند کئے گردن جھکائے دست دعا آسمان کی طرف سر سے اونچا پھیلائے تکبیر وتہلیل وتسبیح ولبیک وحمد وذکر ودعاء وتوبہ استغفار میں ڈوب جائے کوشش کرے کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیل اجابت وسعادت ہے ورنہ رونے کا سا منہ بنائے کہ اچھوں کی صورت بھی اچھی۔ اثناء دعاوذکر میں لبیک کی بار بار تکرار کرے آج کے دن دعائیں بہت منقول ہیں اور دعائے جامع کہ اوپر گزری کافی ہے چند بار اسے کہہ لو اور سب سے بہتر یہ کہ سارا وقت درود وذکر وتلاوت قرآن میں گزارو کہ بوعدہ حدیث دعا والوں سے زیادہ پاؤ گے نبی ﷺ کا دامن پکڑو۔ غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل کرو اپنے گناہ اور اس کی قہاری یاد کر کے بید کی طرح لرزو اور یقین جانو کہ اس کی مار سے اسی کے پاس پناہ ہے اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے اس کے در کے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں لہٰذا ان شفیعوں کا دامن پکڑے اس کے عذاب سے اسی کی پناہ مانگو اور اسی حالت میں رہو کہ کبھی اس کے غضب کی یاد سے جی کانپا جاتا ہے اور کبھی اس کی رحمت عام کی امید سے مرجھایا دل نہال ہو جاتا ہے۔ یونہی تضرع وزاری میں رہو یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جائے اور رات کا ایک لطیف جز آجائے اس سے پہلے کوچ منع ہے بعض جلد باز دن ہی سے چل دیتے ہیں ان کا ساتھ نہ دو غروب تک ٹھہرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو عصر کو ظہر سے ملا کر کیوں پڑھنے کا حکم ہوتا اور کیا معلوم کہ رحمت الٰہی کس وقت توجہ فرمائے اگر تمہارے چل دینے کے بعد اتری معاذ اللہ کیسا خسارہ ہے اور اگر غروب سے پہلے حدود عرفات سے نکل گئے جب تو پورا جرم ہے بعض مطوف یہاں یوں ڈراتے ہیں کہ رات میں خطرہ ہے یہ دو ایک کے لئے ٹھیک ہے اور جب سارا قافلہ ٹھہرے گا تو ان شاء اللہ کچھ اندیشہ نہیں۔ اس مقام پر پڑھنے کے لئے بعض دعائیں لکھی جاتی ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ تین بار پھر کلمہ توحید اس کے بعد:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ بِالْهُدٰی وَنَقِّنِیْ وَاعْصِمْنِیْ بِالتَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی

تین بار۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّ ذَنْبًا مَّغْفُوْرًا اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَ لَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصَّدُوْرِ وَ شِتَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَجِیْئُ بِهِ الرِّیْحُ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْئُ بِهِ الرِّیْحُ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا بِالْهُدٰی وَزَیِّنَا بِالتَّقْوٰی وَاغْفِرْلَنَا فِی الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُکَ رِزْقًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ اَمَرْتَ بِالدُّعَآءِ وَ قَضَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ بِالْاِجَابَةِ وَ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ وَلَا تَنْکُثُ عَهْدَکَ اَللّٰهُمَّ مَا اَحْبَبْتَ مِنْ خَیْرٍ فَحَبِّبْهُ اِلَیْنَا وَ یَسِّرْهُ لَنَا وَ مَا کَرِهْتَ مِنْ شَرٍّ فَکَرِّهْهُ اِلَیْنَا وَ جَنِّبْنَاهُ وَلَا تَنْزِعْ مِنَّا الْاِسْلَامَ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَرٰی مَکَانِیْ

تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِي أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهِ أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَأَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الْمُضْطَرِّ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ وَفَاضَتْ لَكَ عَيْنَاهُ وَنَحِلَ لَكَ جَسَدُهُ وَرَغِمَ أَنْفُهُ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ رَبِّي شَقِيًّا وَكُنْ بِي رَءُوْفًا رَحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَخَيْرَ الْمُعْطِيْنَ۔

اور بیہقی کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے اوپر مذکور ہو چکی اس میں جو دعائیں ہیں انہیں بھی پڑھیں یعنی:

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سو بار ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' سو بار

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ سو بار

ابن ابی شیبہ وغیرہ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور انبیاء کی دعا عرفہ کے دن یہ ہے۔

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا

اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ وَتَشْتِيْتِ الْأَمْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِي اللَّيْلِ وَشَرِّ مَا يَلِجُ فِي النَّهَارِ وَشَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيَاحُ وَشَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ۔

اس مقام پر پڑھنے کی بہت دعائیں کتابوں میں مذکور ہیں مگر اتنی ہی میں کفایت ہے اور درود شریف و تلاوت قرآن مجید سب دعاؤں سے زیادہ مفید، ایک ادب واجب الحفظ اس روز کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں پر بھروسا کر کے یقین کرے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اب کوشش کروں کہ آئندہ گناہ نہ ہوں اور جو داغ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے۔

وقوف کے مکروہات کا بیان

یہاں یہ باتیں مکروہ ہیں۔ غروب آفتاب سے پہلے وقوف چھوڑ کر روانگی جبکہ غروب تک حدود عرفات سے باہر نہ ہو جائے ورنہ حرام ہے۔ نماز عصر و ظہر ملانے کے بعد موقف کو جانے میں دیر اس وقت سے غروب تک کھانے پینے یا توجہ بخدا کے سوا کسی اور کام میں مشغول ہونا' کوئی دنیوی بات کرنا' غروب پر یقین ہو جانے کے بعد روانگی میں دیر کرنا مغرب یا عشاء عرفات میں پڑھنا۔

وقوف کے مسائل و احکام کا بیان

وقوف کا وقت نویں ذی الحجہ کے آفتاب ڈھلنے سے دسویں کی طلوع فجر تک ہے اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت وقوف کیا

توحج نہ ملا مگر ایک صورت میں وہ یہ کہ ذی الحجہ کا ہلال دکھائی نہ دیا ذی قعدہ کے تیس دن پورے کر کے ذی الحجہ کا مہینہ شروع کیا اور اس حساب سے آج نویں ہے بعد کو ثابت ہوا کہ انتیس کا چاند ہوا تو اس حساب سے دسویں ہوگی اور وقوف دسویں تاریخ کو ہوا مگر ضرورۃً یہ جائز مانا جائے گا اور اگر دھوکا ہوا کہ آٹھویں کو نویں سمجھ کر وقوف کیا پھر معلوم ہوا تو یہ وقوف صحیح نہ ہوا۔

(عالمگیری، جوہرہ، منسک)

اگر گواہوں نے رات کے وقت گواہی دی کہ نویں تاریخ آج تھی اور یہ دسویں رات ہے تو اگر اس رات میں سب لوگوں یا اکثر کے ساتھ امام وقوف کر سکتا ہے تو وقوف لازم ہے وقوف نہ کریں تو حج فوت ہو جائے گا اور اگر اتنا وقت باقی نہ ہو کہ اکثر لوگوں کے ساتھ امام وقوف کرے اگر چہ خود امام اور جو تھوڑے لوگ جلدی کر کے جائیں تو صبح سے پیشتر وہاں پہنچ جائیں گے مگر جو لوگ پیدل ہیں اور جن کے ساتھ بال بچے ہیں اور جن کے پاس اسباب زیادہ ہے ان کو وقوف نہ ملے گا تو اس شہادت کے موافق عمل نہ کرے بلکہ دوسرے دن بعد زوال تمام حجاج کے ساتھ وقوف کرے۔ (منسک)

جن لوگوں نے ذی الحجہ کے چاند کی گواہی دی اور ان کی گواہی قبول نہ ہوئی وہ لوگ اگر امام سے ایک دن پہلے وقوف کریں گے تو ان کا حج نہ ہوگا بلکہ ان پر بھی ضروری ہے کہ اسی دن وقوف کریں جس دن امام وقوف کرے اگر چہ ان کے حساب سے اب دسویں تاریخ ہے۔

تھوڑی دیر ٹھہرنے سے بھی وقوف ہو جاتا ہے خواہ اسے معلوم ہو کہ یہ عرفات ہے یا معلوم نہ ہو باوضو ہو یا بے وضو جنب ہو یا حیض و نفاس والی عورت، سوتا ہو یا بیدار ہو، ہوش میں ہو یا جنون و بے ہوشی میں، یہاں تک کہ عرفات سے ہو کر جو گزر گیا اسے حج مل گیا یعنی اب حج اس کا فاسد نہ ہوگا جبکہ یہ سب احرام سے ہوں۔ بے ہوشی میں احرام کی صورت یہ ہے کہ پہلے ہوش میں تھا اور اسی وقت احرام باندھا دیا اگر چہ اس نے احرام باندھنے سے پہلے بے ہوش ہو گیا اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے یا کسی اور نے اس کی طرف سے احرام باندھ لیا تھا اور اگر احرام باندھنے والے نے خود اپنی طرف سے بھی احرام باندھا ہو کہ اس کا احرام اس کے احرام کے منافی نہیں تو اس صورت میں بھی وہ محرم ہو گیا دوسرے کے احرام باندھنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے کپڑے اتار کر تہبند باندھ دے بلکہ یہ کہ اس کی طرف سے نیت کرنے اور لبیک کہے۔ جس کا حج فوت ہو گیا یعنی اسے وقوف نہ ملا تو اب حج کے باقی افعال ساقط ہو گئے اور اس کا احرام عمرہ کی طرف منتقل ہو گیا لہٰذا عمرہ کر کے احرام کھول ڈالے اور آئندہ سال قضا کرے۔

(عالمگیری، درمختار، بحر، تبیین)

آفتاب ڈوبنے سے پہلے اژدھام کے خوف سے حدود عرفات سے باہر ہو گیا اس پر دم واجب ہے پھر اگر آفتاب ڈوبنے سے پہلے واپس آیا اور ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا تو دم معاف ہو گیا اور اگر ڈوبنے کے بعد واپس آیا تو ساقط نہ ہوا اور اگر سواری پر تھا اور جانور اسے لے کر بھاگ گیا جب بھی دم واجب ہے یونہی اگر اس کا اونٹ بھاگ گیا یہ اس کے پیچھے چل دیا۔ محرم نے نماز عشاء نہیں پڑھی ہے اور وقت صرف اتنا باقی ہے کہ چار رکعت پڑھے مگر پڑھتا ہے تو وقوف عرفہ جاتا رہے گا تو نماز چھوڑے اور عرفات کو جائے۔ (جوہرہ) اور بہتر یہ کہ چلتے میں پڑھ لے بعد کو اعادہ کرے۔ (منسک، فتاویٰ عالمگیری، مناسک حج، بیروت)

بَابُ الْخُرُوجِ اِلٰى مِنًى

باب: منیٰ کی طرف روانہ ہونا

1911 حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا الْاَحْوَصُ بْنُ جَوَّابٍ الضَّبِّيُّ، حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْاَعْمَشِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَالْفَجْرَ يَوْمَ عَرَفَةَ بِمِنًى

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترویہ کے دن ظہر کی نماز اور عرفہ کے دن فجر کی نماز منیٰ میں ادا کی تھی۔

1912 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ الْاَزْرَقُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، قَالَ: سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قُلْتُ: اَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ، فَقَالَ: بِمِنًى قُلْتُ: فَاَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ؟، قَالَ: بِالْاَبْطَحِ، ثُمَّ قَالَ: افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ اُمَرَاؤُكَ

عبدالعزیز بن رفیع بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ میں نے کہا: آپ مجھے اس چیز کے بارے میں بتائیے جو آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یاد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترویہ کے دن ظہر کی نماز کہاں ادا کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: منیٰ میں۔ میں نے دریافت کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت عصر کی نماز کہاں ادا کی تھی' تو انہوں نے کہا: ابطح میں۔ پھر انہوں نے فرمایا: تم لوگ اسی طرح کرو جس طرح تمہارے حکمران کرتے ہیں۔

بَابُ الْخُرُوجِ اِلٰى عَرَفَةَ

باب: عرفہ کی طرف روانہ ہونا

1913 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، حَدَّثَنَا اَبِي، عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: غَدَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِنًى حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ صَبِيحَةَ يَوْمِ عَرَفَةَ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِنَمِرَةَ، وَهِيَ مَنْزِلُ الْاِمَامِ الَّذِي يَنْزِلُ بِهِ بِعَرَفَةَ حَتّٰى اِذَا كَانَ عِنْدَ صَلَاةِ الظُّهْرِ رَاحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهَجِّرًا فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ، ثُمَّ رَاحَ

1911- حديث صحيح، وهذا اسناد قوى. الاحوص بن جَوَّاب صدوق لاباس به، وقد توبع. سليمان الاعمش: هو سليمان بن مهران الاسدى مولاهم، والحكم: هو ابن عتيبة الكندى مولاهم، ومقسم: هو ابن بجرة الهاشمى مولاهم. واخرجه الترمذى (895) من طريق عبد الله بن الاجلح، عن الاعمش، بهذا الاسناد. واخرجه ابن ماجه (3004)، والترمذى (894) من طريق عطاء بن ابى رباح، عن ابن عباس: ان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- صلى بمنى يوم التروية الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر ثم غدا الى عرفة. وقال الترمذى: هذا حديث حسن غريب.

فَوَقَفَ عَلَى الْمَوْقِفِ مِنْ عَرَفَةَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن کی صبح فجر کی نماز ادا کر لینے کے بعد منیٰ سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی نمرہ میں پڑاؤ کیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں (ہمارے دور میں) حکمران پڑاؤ کرتا ہے' یہاں تک کہ جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت وہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں وقوف کی جگہ پر وقوف کیا۔

بَابُ الرَّوَاحِ إِلَى عَرَفَةَ

باب: عرفہ کی طرف جانا

1914 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: لَمَّا أَنْ قَتَلَ الْحَجَّاجُ ابْنَ الزُّبَيْرِ، أَرْسَلَ إِلَى ابْنِ عُمَرَ أَيَّةُ سَاعَةٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُوحُ فِي هَذَا الْيَوْمِ قَالَ: إِذَا كَانَ ذَلِكَ رُحْنَا فَلَمَّا أَرَادَ ابْنُ عُمَرَ أَنْ يَرُوحَ، قَالُوا: لَمْ تَزِغِ الشَّمْسُ، قَالَ: أَزَاغَتْ، قَالُوا: لَمْ تَزِغْ أَوْ زَاغَتْ، قَالَ: فَلَمَّا قَالُوا: قَدْ زَاغَتْ ارْتَحَلَ

سعید بن حسان بیان کرتے ہیں: جب حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا' تو اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھجوایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آج کے دن کس وقت روانہ ہوتے تھے' تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب وہ وقت ہوگا' تو ہم روانہ ہو جائیں گے۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روانہ ہونے کا ارادہ کیا' تو لوگوں نے کہا: ابھی تو سورج ڈھلا نہیں ہے۔ انہوں نے دریافت کیا: کیا وہ ڈھل گیا ہے' تو لوگوں نے کہا: جی نہیں! ابھی وہ نہیں ڈھلا ہے۔ جب لوگوں نے بتایا: وہ ڈھل گیا ہے' تو وہ روانہ ہو گئے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِعَرَفَةَ

باب: عرفہ میں منبر پر خطبہ دینا

1915 حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ بَنِي ضَمْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَوْ عَمِّهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ بِعَرَفَةَ

زید بن اسلم' بنو ضمرہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کے حوالے سے ان کے والد یا ان کے چچا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عرفہ میں منبر پر موجود تھے۔

1916 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ نُبَيْطٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنَ الْحَيِّ، عَنْ

أَبِيهِ نُبَيْطٍ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا بِعَرَفَةَ عَلَى بَعِيرٍ أَحْمَرَ يَخْطُبُ

حضرت نبیط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سرخ اونٹ پر عرفہ میں وقوف کے دوران خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔

1917 حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ: هَنَّادٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ أَبِي عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ الْعَدَّاءِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلَى بَعِيرٍ قَائِمٌ فِي الرِّكَابَيْنِ،

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ الْعَلَاءِ، عَنْ وَكِيعٍ كَمَا قَالَ: هَنَّادٌ.

حضرت خالد بن عداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن اونٹ پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دو رکابوں میں پاؤں رکھے ہوئے تھے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

1918 حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ أَبُو عَمْرٍو، عَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ بِمَعْنَاهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

بَابُ مَوْضِعِ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ

باب: عرفہ میں وقوف کا مقام

1919 حَدَّثَنَا ابْنُ نُفَيْلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو يَعْنِي ابْنَ دِينَارٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَفْوَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ شَيْبَانَ، قَالَ: أَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ وَنَحْنُ بِعَرَفَةَ فِي مَكَانٍ يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو عَنِ الْإِمَامِ فَقَالَ: أَمَا إِنِّي رَسُولُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُولُ لَكُمْ: قِفُوا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ، فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ

حضرت یزید بن شیبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابن مربع انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے ہم اس وقت عرفہ میں ایسی جگہ پر موجود تھے جو امام کے وقوف کی جگہ سے دور تھی۔ حضرت ابن مربع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں جو تمہاری طرف آیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ تم مخصوص مقامات پر وقوف کرو' تم اپنے جد امجد

1916- صحيح لغيره، وهذا اسناد قد اضطرب فيه سلمة بن نبيط فرواه مرة كما عند المصنف هنا، ورواه مرة اخرى عن ابيه مباشرة باسقاط الرجل المبهم، وانظر تمام الكلام على اسناده فيما علقناه على "مسند احمد" (18721). واخرجه ابن ماجه (1286)، والنسائي في "الكبرى" (3985) و (3986) من طرق عن سلمة بن نبيط، عن ابيه، به. باسقاط الرجل المبهم، ورواية ابن ماجه دون قوله: احمر. وهو في "مسند احمد" (18721).

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر عمل پیرا ہو۔

بَابُ الدَّفْعَةِ مِنْ عَرَفَةَ

باب: عرفہ سے واپس آنا

1920 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، ح وحَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَيَانٍ، حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ الْمَعْنَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَفَاضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ وَعَلَيْهِ السَّكِينَةُ وَرَدِيفُهُ أُسَامَةُ، وَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ قَالَ: فَمَا رَأَيْتُهَا رَافِعَةً يَدَيْهَا عَادِيَةً حَتَّى أَتَى جَمْعًا، زَادَ وَهْبٌ ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ الْعَبَّاسِ، وَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِإِيجَافِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ قَالَ: فَمَا رَأَيْتُهَا رَافِعَةً يَدَيْهَا حَتَّى أَتَى مِنًى

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عرفات سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! آرام سے چلو کیونکہ گھوڑوں اور اونٹوں کو تیز چلانا نیکی نہیں ہے۔

راوی کہتے ہیں: میں نے کسی سواری کو نہیں دیکھا کہ وہ تیز رفتاری سے چل رہی ہو یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ تشریف لے آئے یہاں وہب نامی راوی نے زائد الفاظ نقل کیے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! گھوڑوں اور اونٹوں کو تیز چلانا نیکی نہیں ہے تم لوگ آرام سے چلو۔

راوی کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے کسی سواری کو نہیں دیکھا کہ وہ تیز چل رہی ہو۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ تشریف لے آئے۔

1921 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، وَهَذَا لَفْظُ حَدِيثِ زُهَيْرٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُقْبَةَ، أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ، أَنَّهُ سَأَلَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، قُلْتُ: أَخْبِرْنِي كَيْفَ فَعَلْتُمْ أَوْ صَنَعْتُمْ عَشِيَّةَ رَدِفْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: جِئْنَا الشِّعْبَ الَّذِي يُنِيخُ النَّاسُ فِيهِ لِلْمُعَرَّسِ فَأَنَاخَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ، ثُمَّ

1920- اسناده صحيح. سفيان: هو ابن سعيد بن مسروق الثوري، وعبيدة: هو ابن حميد بن صهيب الكوفي، وسليمان الاعمش: هو ابن مهران، والحكم: هو ابن عتيبة الكندي مولاهم، ومقسم: هو ابن بجرة الهاشمي. واخرجه بنحوه البخاري (1671) من طريق سعيد بن جبير، ومسلم (1282)، والنسائي في "الكبرى" (4050) من طريق ابي معبد، والنسائي (4000) و (4001) من طريق عطاء بن ابي رباح، ثلاثتهم عن ابن عباس. ورواية مسلم عن ابن عباس عن اخيه الفضل بن عباس، والنسائي عن ابن عباس عن اسامة بن زيد. وهو في "مسند احمد" (2427).

بَالَ، وَمَا قَالَ: زُهَيْرٌ أَهْرَاقَ الْمَاءَ، ثُمَّ دَعَا بِالْوَضُوءِ فَتَوَضَّأَ وُضُوءًا لَيْسَ بِالْبَالِغِ جِدًّا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، الصَّلَاةُ، قَالَ: الصَّلَاةُ أَمَامَكَ قَالَ: فَرَكِبَ حَتّٰى قَدِمْنَا الْمُزْدَلِفَةَ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ النَّاسُ فِي مَنَازِلِهِمْ وَلَمْ يَحِلُّوا، حَتّٰى أَقَامَ الْعِشَاءَ، وَصَلّٰى، ثُمَّ حَلَّ النَّاسُ، زَادَ مُحَمَّدٌ فِي حَدِيثِهِ قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ فَعَلْتُمْ حِينَ أَصْبَحْتُمْ؟ قَالَ: رَدِفَهُ الْفَضْلُ وَانْطَلَقْتُ أَنَا فِي سُبَّاقِ قُرَيْشٍ عَلٰى رِجْلَيَّ.

❀❀ کریب بیان کرتے ہیں: انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ یہ بتائیے کہ شام کے وقت جب آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے تو آپ لوگوں نے کیا: کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا: ہم اس گھاٹی میں آئے جہاں لوگ اپنی سواریاں بٹھاتے ہیں اس جگہ کو معرس کہا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا۔ یہاں راوی نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی بہایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا پانی منگوایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' جس میں مبالغہ نہیں تھا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کریں گے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز آگے جا کر ہو گی۔ راوی کہتے ہیں: پھر ہم سوار ہوئے' یہاں تک کہ ہم مزدلفہ آگئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر لوگوں نے اپنی سواریوں کو پڑاؤ کی جگہ پر بٹھا دیا۔ ابھی انہوں نے پالان نہیں کھولے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی پھر لوگوں نے پالان اتارے۔

محمد نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: کریب بیان کرتے ہیں: پھر اگلے دن صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا۔ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور میں قریش کے ان افراد کے ساتھ پیدل روانہ ہو گیا جو پہلے چلے گئے تھے۔

1922 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: ثُمَّ أَرْدَفَ أُسَامَةَ فَجَعَلَ يُعْنِقُ عَلٰى نَاقَتِهِ وَالنَّاسُ يَضْرِبُونَ الْإِبِلَ يَمِينًا، وَشِمَالًا، لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِمْ وَيَقُولُ: السَّكِينَةَ أَيُّهَا النَّاسُ وَدَفَعَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ

❀❀ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی درمیانی رفتار سے چلتی رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں لوگ اونٹوں کو تیز چلانے کی کوشش کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف رخ کیے بغیر ارشاد فرمایا: اے لوگو! آرام سے چلو جب سورج غروب ہو گیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔

1923 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَأَنَا جَالِسٌ، كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيرُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِينَ دَفَعَ؟، قَالَ:

1923- اسناده صحيح. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة. وهو عند مالك في "الموطا" 1/392، ومن طريقه اخرجه البخاري (1666)، والنسائي في "الكبرى" (4043). واخرجه البخاري (2999) و (4413)، ومسلم (1286)، وابن ماجه (3017)، والنسائي في "الكبرى" (4005) من طرق عن هشام بن عروة، به. وهو في "مسند احمد" (21760).

كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ. قَالَ هِشَامٌ: النَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ

ہشام بن عروہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا میں اس وقت وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی اکرم ﷺ روانہ ہوئے' تو کس رفتار سے چلے تھے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا: نبی اکرم ﷺ درمیانی رفتار سے چلے تھے آپ ﷺ رش کم پاتے تھے' تو رفتار ذرا تیز کر دیتے تھے۔

ہشام نامی راوی کہتے ہیں: لفظ ''نص'' اس رفتار کے لیے استعمال ہوتا ہے' جو لفظ ''عنق'' والی رفتار سے زیادہ ہو۔

1924 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ، قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا وَقَعَتِ الشَّمْسُ دَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سواری پر موجود تھا جب سورج غروب ہو گیا' تو نبی اکرم ﷺ (عرفات سے) روانہ ہو گئے۔

1925 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: دَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ، نَزَلَ فَبَالَ فَتَوَضَّأَ، وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ، قُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةُ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّاهَا، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ عرفہ سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ گھاٹی میں پہنچے آپ ﷺ سواری سے اترے آپ ﷺ نے پیشاب کیا آپ ﷺ نے وضو کیا لیکن اس میں مبالغہ نہیں کیا۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی آپ ﷺ نماز ادا کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز آگے ہوگی۔ پھر آپ ﷺ سوار ہوئے اور مزدلفہ تشریف لے آئے وہاں آپ ﷺ سواری سے اترے آپ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے مبالغہ کے ساتھ وضو کیا۔ پھر نماز قائم کی گئی پھر آپ ﷺ نے مغرب کی نماز ادا کی پھر ہر شخص نے اپنے پڑاؤ کی جگہ پر اپنے اونٹ کو بٹھا لیا۔ پھر عشاء کی نماز کے لیے اقامت کہی گئی نبی اکرم ﷺ نے پھر وہ نماز ادا کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان (کوئی نفل) نماز ادا نہیں کی۔

لوگ میدان عرفات میں امام کے پاس کھڑے ہوں

لوگوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ امام کے قریب کھڑے ہوں اس لئے امام دعا کرے گا اور انہیں احکام سکھائے گا۔ لہٰذا لوگ توجہ کے ساتھ ان کی سماعت کریں اور یاد کریں۔ اور ان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں تا کہ وہ قبلہ رخ ہو جائے۔ اور یہ فضیلت کے لئے بیان ہے۔ کیونکہ عرفات سارے کا سارا وقوف ہے اسی دلیل کی وجہ سے جسے ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ عرفات میں (مقام) وادی نمرہ میں اترتے تھے جب حجاج نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا تو ابن عمر سے پوچھنے بھیجا کہ نبی کریم ﷺ آج کے دن کون سے وقت پر نکلتے تھے؟ ابن عمر نے کہا جب یہ وقت آئے گا تو ہم خود چلیں گے۔ حجاج نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ دیکھتا رہے کہ ابن عمر کب نکلتے ہیں۔ جب حضرت ابن عمر نے کوچ کا ارادہ کیا تو پوچھا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ابھی نہیں ڈھلا وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا کیا سورج ڈھل گیا کیا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا نہیں ڈھلا۔ (یہ سن کر) وہ بیٹھ گئے پھر پوچھا سورج ڈھل گیا؟ لوگوں نے کہا ہاں ! یہ سنا تو وہ چل پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں ٹھہرے اور یہ موقف ہے بلکہ عرفہ تمام کا تمام موقف ہے۔

یزید بن شیبان سے ایک روایت ہے کہ ہم عرفات میں ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے لیکن ہم اس کو دور سمجھتے تھے۔ ٹھہرنے کی جگہ سے اتنے میں مربع کے بیٹے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے۔ میں نبی کریم ﷺ کا پیغام لایا ہوں تمہاری طرف تم لوگ اپنے اپنے مقاموں میں رہو۔ آج تم وارث ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ (سنن ابن ماجہ)

امام کو کس طرح وقوف کرنا چاہیے؟

وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے۔ اور دعاؤں میں بڑی محنت کرے۔ البتہ غسل کرنا سنت ہے جبکہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس نے صرف وضو کیا تو تب بھی جائز ہے۔ جس طرح جمعہ، عیدین اور احرام کے وقت کا غسل ہے۔ اور خوب محنت سے دعا کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح وقوف کیا جس میں اپنی امت کے لئے دعا فرمائی۔ پس وہ دعا خون اور مظالم کے سوا میں قبول ہوتی ہے۔

شرح

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے پہلے قول کے مطابق غسل کو مستحب کہا ہے اور اس کے بعد سنت کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے امام قدوری کے کلام کی شرح کی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ غسل مستحب ہے لہٰذا مصنف نے اسی طرح نقل کر دیا ہے اور پھر کہا کہ سنت ہے کیونکہ ہر سنت مستحب ہوتی ہے لیکن ہر مستحب سنت نہیں ہوتا۔ اور عدم وجوب کی قید سے یہ بیان کر دیا ہے کہ یہاں سنت سے مراد سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ کیونکہ سنت مؤکدہ قوت میں واجب کی طرح ہوتی ہے۔ اور میں نے شارحین میں کسی کو بھی یہ نکتہ بیان کرتے نہیں دیکھا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۱۰۹، حقانیہ ملتان)

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ عباس بن مرداس سلمی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعائے مغفرت کی تیسرے پہر کو تو آپ کو جواب ملا کہ میں نے بخش دیا تیری امت کو مگر جو ان میں ظالم ہو اس سے تو میں مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا۔ آپ نے فرمایا اے مالک! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے اور ظالم کو بخش کر اس کو راضی کر دے لیکن اس شام کو اس کا جواب نہیں ملا جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آپ نے پھر دعا فرمائی۔ اللہ عزوجل نے آپ کی درخواست قبول کی تو

آپ مسکرائے یا آپ نے تبسم فرمایا تو ابوبکر وعمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اس وقت کبھی نہیں ہنستے تھے تو آج کیوں ہنسے؟ اللہ عزوجل آپ کو ہنستا ہی رکھے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے دشمن ابلیس نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کی اور میری امت کو بخش دیا تو اس نے مٹی اٹھائی اور اپنے سر پر ڈالنے لگا اور پکارنے لگا ہائے خرابی! ہائے تباہی تو مجھے ہنسی آ گئی۔ جب میں نے اس کا تڑپنا دیکھا۔ (سنن ابن ماجہ)

دوران وقوف تلبیہ کہنے کا حکم

اور وہ کچھ کچھ دیر کے بعد تلبیہ پڑھتا رہے۔ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: عرفہ میں وقوف کرتے ہی تلبیہ ختم کردے۔ کیونکہ زبان سے جواب دینا ارکان میں مصروف ہونے پر مقدم ہے۔

ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت تک تلبیہ کہا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے جمرہ عقبہ تشریف لائے۔ (بخاری مسلم) اور تلبیہ حج میں اسی طرح ہے جس طرح نماز میں تکبیر ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اس کو احرام کے آخری حصے تک پڑھتا رہے گا۔

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف جانے کا حکم

اور جب سورج غروب ہو گیا تو امام واپس آئے اور لوگ بھی وقار کے ساتھ اس کے ساتھ ہوں۔ حتیٰ کہ مزدلفہ میں آجائیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ غروب کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ مخالفت کا اظہار ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنی اونٹنی پر راستے میں آرام کے ساتھ چلتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، ابن ابی شیبہ)

اگر اس کو بھیڑ کا خوف ہوا اور وہ امام سے پہلے چل دیا اور عرفہ کی حدود سے باہر نہیں گیا تو جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ عرفہ سے گیا نہیں ہے۔ اور فضیلت یہ ہے کہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے تا کہ وہ وقت سے پہلے ادائیگی شروع کرنے والا نہ ہو۔ اور اگر حاجی سورج غروب ہونے اور امام کے روانہ ہونے کے بعد بھیڑ کی وجہ سے کچھ دیر ٹھہر گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روایت ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے امام کے روانہ ہونے کے بعد پانی طلب کیا۔ اس کے بعد روزہ افطار کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہوئیں۔

عرفات سے لوٹنے اور مزدلفہ میں نماز کا بیان

امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے دین پر تھے، مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور اپنے کو حُمس کہتے تھے (ابوالہیثم نے کہا ہے کہ یہ نام قریش کا ہے اور ان کی اولاد کا اور کنانہ اور جدیلہ قیس کا اس لئے کہ وہ اپنے دین میں حمس رکھتے تھے یعنی تشدد اور سختی کرتے تھے) اور باقی عرب کے لوگ عرفہ میں وقوف کرتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ عرفات میں آئیں اور وہاں وقوف فرمائیں اور وہیں سے لوٹیں۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہیں سے لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج)

حضرت سیّدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا ایک اونٹ کھو گیا، میں عرفہ کے دن اس کی تلاش میں نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ عرفات میں کھڑے ہیں تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ تو حمس کے لوگ ہیں یہ یہاں تک کیسے آ گئے؟ (یعنی قریش تو مزدلفہ سے آگے نہیں آتے تھے) اور قریش حمس میں شمار کئے جاتے تھے (جو لوگ مزدلفہ سے باہر نہ جاتے تھے)۔

مسلم، کریب سے روایت ہے کہ انہوں نے سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب تم عرفہ کی شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے تو تم نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس گھاٹی تک آئے جہاں لوگ نمازِ مغرب کے لئے اونٹوں کو بٹھاتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو بٹھایا اترے اور پیشاب کیا۔ اور پانی بہانے کا ذکر سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا۔ پھر وضو کا پانی مانگا اور ہلکا سا وضو کیا، پورا نہیں (یعنی ایک ایک بار اعضاء دھوئے) اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز تمہارے آگے ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے یہاں تک کہ ہم مزدلفہ آئے اور مغرب کی نماز کی تکبیر ہوئی اور لوگوں نے اونٹ بٹھائے اور کھولے نہیں یہاں تک کہ عشاء کی تکبیر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء پڑھائی پھر اونٹ کھول دیئے۔ میں نے کہا کہ پھر تم نے صبح کو کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ پھر سیّدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے سوار ہوئے اور میں قریش کے پہلے چلنے والوں کے ساتھ پیدل چلا۔ (صحیح مسلم)

عرفات سے واپسی تیز چلنے کا بیان

ہشام بن عروہ سے خبر دی، ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا (میں بھی وہیں موجود تھا) کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس ہونے کی چال کیا تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں اٹھا کر چلتے تھے ذرا تیز، لیکن جب جگہ پاتے (ہجوم نہ ہوتا) تو تیز چلتے تھے، ہشام نے کہا کہ عنق تیز چلنا اور نص عنق سے زیادہ تیز چلنے کو کہتے ہیں۔ فجوہ کے معنی کشادہ جگہ، اس کی جمع فجوات اور فجاء ہے جیسے زکوۃ مفرد زکاء اس کی جمع اور سورہ ص میں مناص کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی بھاگنا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۶۶۶)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ۔۔۔اس سے نص مشتق نہیں جو حدیث میں مذکور ہے، یہ تو ایک ادنی بھی جس کی عربیت سے ذرا سی استعداد ہو سمجھ سکتا ہے کہ مناص کو نص سے کیا علاقہ، نص مضاعف ہے اور مناص معتل ہے۔ اب یہ خیال کرنا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مناص کو نص سے مشتق سمجھا ہے اس لیے یہاں اس کے معنی بیان کر دیئے جسے عینی نے نقل کیا ہے یہ بالکل کم فہمی ہے، اصل یہ ہے کہ اکثر نسخوں میں یہ عبارت ہی نہیں ہے اور جن نسخوں میں موجود ہے ان کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ بعض لوگوں کو کم استعدادی سے یہ وہم ہوا ہوگا کہ مناص اور نص کا مادہ ایک ہی ہے امام بخاری نے مناص کی تفسیر کر کے اس وہم کا رد کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عرفہ کے دن (میدان عرفات سے) وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سخت شور (اونٹ ہانکنے کا) اور اونٹوں کی مار دھاڑ کی آواز سنی تو آپ نے ان

کی طرف اپنے کوڑے سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ لوگو! آہستگی و وقار اپنے اوپر لازم کرلو، (اونٹوں کو) تیز دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔امام بخاری فرماتے ہیں کہ(سورۃ بقرہ میں) اوضعوا کے معنی : ریشہ دوانیاں کریں، خلالکم کا معنی تمہارے بیچ میں، اسی سے (سورہ کہف) میں آیا ہے فجونا خلالھا یعنی ان کے بیچ میں۔ (صحیح بخاری، رقم، ۱۶۷۱)

چونکہ حدیث میں ایضاع کا لفظ آیا ہے تو امام بخاری نے اپنی عادت کے موافق قرآن کی اس آیت کی تفسیر کردی جس میں ولااوضعوا خلالکم آیا ہے۔اور اس کے ساتھ ہی خلالکم کے بھی معنی بیان کردیئے پھر سورۃ کہف میں بھی خلالکم کا لفظ آیا تھا اس کی بھی تفسیر کردی۔

بَابُ الصَّلَاۃِ بِجَمْعٍ

باب: مزدلفہ میں نماز ادا کرنا

حدود مزدلفہ علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں

حدود مزدلفہ کے بیان میں علماء وفقہا کے بہت سارے اقوال ہیں، جو اس مقصود پر دلالت کرتے ہیں، اس بحث میں چند علماء و فقہاء کے اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) امام مفسر ابوجعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ کا قول: امام طبری نے فرمایا: جہاں تک مشعر کا معاملہ ہے وہ تمام جگہ ہے جو مزدلفہ کے دونوں پہاڑوں کے مابین واقع ہے، عرفہ کے تنگ راستہ سے شروع ہوکر وادی محسر تک۔ البتہ عرفہ کا تنگ راستہ مشعر کا حصہ نہیں ہے۔ مأزمین عرفہ کا معنی ومراد اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے۔

(۲) امام فقیہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کا قول: امام ابن قدامہ المقدسی نے فرمایا: مزدلفہ کے تین نام ہیں: مزدلفہ، مشعر اور جمع۔ اس کی حد عرفہ کے تنگ راستہ سے لیکر قرن محسر تک ہے اس کے دائیں بائیں جو گھاٹیاں ہیں ان میں سے کسی جگہ پر حاجی وقوف کرلے اس کے لئے کافی ہوگا۔ اس کا وقوف درست ہوگا۔ البتہ یادرہے وادی محسر مزدلفہ کا حصہ نہیں ہے۔ (المغنی)۔

چنانچہ عرفہ کے تنگ رستہ سے وادی مسر تک طول وعرض تمام گھاٹیاں نشیب وفراز مقامات اور پہاڑیاں سبھی مزدلفہ ہیں جہاں مزدلفہ کا وقوف درست ہے۔

اور امام ابومحمد ابن قدامہ المقدسی کی رائے میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جس کا استثناء کیا جائے سوائے بطن وادی محسر کے۔ اور محسر انتہائی چھوٹی اور حد درجہ تنگ وادی ہے۔

اگر عرفہ سے حدود مزدلفہ تک پھیلی ہوئی وہ مسافت جو آج یوں ہی رکھ چھوڑی گئی ہے مزدلفہ کا حصہ نہیں ہے تو حد درجہ تنگ وادی محسر کے مقابلہ میں اس پر متنبہ کرنا زیادہ بہتر تھا۔

(۳) امام محی الدین یحییٰ بن اشرف النووی الشافعی رحمہ اللہ کا قول: امام نووی نے فرمایا: معلوم ہونا چاہئے کہ پورا مزدلفہ حرم

ہے امام ازرقی نے تاریخ مکہ میں، امام مندنجی اور ماوردی صاحب الحاوی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ اور ہمارے شوافع میں ان دونوں کے علاوہ دیگر ائمہ نے فرمایا:

مزدلفہ کی حد وادی محسر اور عرفہ کے تنگ راستے کے مابین ہے اور دونوں حد۔ یعنی مازمی عرفہ اور بطن محسر مزدلفہ میں شامل و داخل نہیں ہے۔ آمنے سامنے آگے پیچھے کی ساری گھاٹیاں اور مذکورہ حد میں داخل تمام پہاڑیاں مزدلفہ میں داخل شمار ہوں گی۔ ہاں وادی محسر ایک ایسی جگہ ہے جو منیٰ اور مزدلفہ کے مابین حد فاصل ہے وہ دونوں میں سے کسی کا حصہ نہیں ہے۔ (المجموع شرح المہذب)

امام نووی کا یہ قول مزدلفہ پورا حرم ہے قابل غور و تدبر ہے ہیں یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ حرم عرفات کے بعد فوراً شروع ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ قول بھی قابل تامل ہے کہ انہوں نے تمام شعاب (گھاٹیوں) اور اس سے متصل پہاڑیوں کو مزدلفہ کا حصہ بتایا ہے اور سوائے وادی محسر کے کسی بھی جگہ کا استثناء نہیں کیا، محسر نہ تو مشعر ہے نہ مزدلفہ کا حصہ ہے اور نہ منیٰ کا۔

(۴) ابن تیمیہ نے فرمایا: پورے مزدلفہ کو مشعر حرام کہا جاتا ہے اور وہ مأزمان عرفہ سے بطن محسر تک دراز ہے، ہر دو مشعر کے درمیان ایک ایسی حد ہے جو دونوں ہی مشعر کا حصہ نہیں ہے، عرفہ اور مزدلفہ کے مابین بطن عرنہ اور مزدلفہ اور منیٰ کے بطن محسر حد فاصل ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عرفه كلها موقف وارفعوا عن بطن عرنه و مزدلفة كلها موقف وارفعوا عن بطن محسر، و منى كلها منحر و فجاج مكة كلها طريق (مجموع الفتاوی)

اور اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے، اس نص میں ابن تیمیہ نے مزدلفہ مشعر حرام کی حد کو جیسا پہلے بھی اوروں سے منقول ہو چکا ہے۔ عرفہ کے تنگ راستے سے لے کر وادی محسر تک بیان کیا ہے۔ اور شیخ الاسلام نے تشریح کرتے مأزمان عرفہ کے معنی و مراد کو بیان کیا اور یہ بھی ذکر کیا ہے وہ کہاں ہے؟ اور کہاں شروع ہوتا ہے؟

آپ نے وضاحت کر کے بتلایا کہ مشعر عرفہ اور مشعر مزدلفہ کے درمیان ایک فاصل ہے جو نہ اس کا حصہ ہے نہ اس کا۔ وہ حد فاصل کیا ہے؟ ابن تیمیہ نے واضح طور پر فرمایا: کہ وہ صرف بطن عرنہ کی وادی ہے نہ کہ کوئی چیز آپ نے اس پر دلالت کرنے والی حدیث سے استدلال کیا یہ امر آپ کے کلام سے بالکل واضح ہے اور اس رائے کے بالکل موافق ہے جس کو پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ والحمد للہ۔

(۵) حافظ امام ابن قیم الجوزیہ کا قول: آپ نے فرمایا: وادی محسر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک قدرتی حد فاصل ہے جو اس میں شامل ہے نہ اس میں۔ اور وادی عرنہ عرفہ اور مشعر حرام کے درمیان ایک قدرتی حد فاصل ہے۔ اس طور پر ہر دو مشعر کے درمیان ایک ایسا قدرتی حد فاصل جو دونوں کا حصہ نہیں ہے۔ منیٰ: حرم کا حصہ ہے اور مشعر بھی، وادی محسر حرم کا خطہ ہے اور یہ مشعر نہیں ہے۔ اور مزدلفہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی۔ وادی عرنہ: نہ ہی مشعر ہے اور نہ حرم بلکہ حصہ حل ہے، عرفہ حل ہے اور یہ مشعر ہے (زاد المعاد)

حافظ ابن القیم کے کلام میں بڑی وضاحت اور صراحت ہے اس میں پانچ جگہوں کا بیان ہے۔

(۱) عرفہ: یہ وہ مشعر ہے جہاں پر حجاج نویں ذوالحجہ کو وقوف کرتے ہیں یہ ارض حرم نہیں ہے بلکہ حل ہے۔ (۲) عرنہ: یہ عرفہ کے مغرب ٹھیک اس کے سامنے اسی سے ملی ہوئی تنگ وادی ہے یہ مشعر نہیں ہے، وہاں پر وقوف جائز نہیں ہے، نبی ﷺ کا فرمان

وارفعوا عن بطن عرنہ وقوف عرفہ کے وقت عرنہ کی وادی سے دور رہو۔ (مقدم تخرج الحدیث) یہ عرنہ حل ہے۔ (۳) مزدلفہ: یہ مشعر بھی ہے اور حرم بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام (البقرۃ) اس کو عرفات سے صرف وادی عرنہ الگ کرتی ہے۔ (۴) وادی محسر: یہ حرم ہے لیکن مشعر بالکل نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وارفعوا عن بطن محسر (تقدم تخریجہ) (۵) منیٰ: یہ حرم ہے اور مشعر بھی اور اسے مزدلفہ سے صرف وادی محسر جدا کرتی ہے۔

صحابہ تابعین علماء اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول آثار واقوال کی روشنی میں یہ امر یوں بخوبی واضح ہو جاتا ہے جس میں کسی چوں وچرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

درحقیقت مشعر حرام مزدلفہ خوب کشادہ ہے اور وہ بلاشبہ مشرق میں وادی عرنہ سے شروع ہوتا ہے اور یہ وادی وہ طبعی وقدرتی حد ہے جو مزدلفہ کو عرفات سے جدا کرتی ہے اور اسی طرح مزدلفہ مغرب کی جانب وادی محسر تک دراز ہے اور یہ وادی قدرتی حد ہے جو اسے منیٰ سے جدا کرتی ہے۔ الحمدللہ یہ کافی بڑی مسافت ہے اور بڑا رقبہ ہے جس میں اللہ کی جانب سے حجاج کے لئے کافی کشادگی ہے۔

مزدلفہ سے روانگی کا وقت طلوع شمس سے پہلے ہے

حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایام جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) لوگ عرفات سے اس وقت واپس ہوتے جب آفتاب غروب ہونے سے پہلے مردوں کے چہروں پر پگڑیوں کی طرح نظر آتا (یعنی عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے چلتے) اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد اس وقت روانہ ہوتے جب آفتاب مردوں کے چہروں پر پگڑیوں کی طرح نظر آتا، مگر ہم عرفات سے اس وقت تک نہیں چلیں گے جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو جائے اور مزدلفہ سے ہم سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوں گے کیونکہ ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکین سے مختلف ہے۔ (مشکوۃ المصابیح)

مطلب یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں لوگ عرفات سے ایسے وقت چلتے تھے جب آفتاب آدھا تو غروب ہو چکا ہوتا اور اس کا آدھا حصہ باہر ہوتا آفتاب کی اسی صورت کو پگڑی سے مشابہت دی گئی ہے کہ آفتاب کا آدھا گروہ پگڑی کی شکل کا ہوتا ہے، اسی طرح مزدلفہ سے ایسے وقت روانہ ہوتے جب آفتاب کا آدھا حصہ طلوع ہو چکا ہوتا اور آدھا حصہ اندر رہتا۔

صاحب مشکوۃ کو اس کی تحقیق نہیں ہو سکی تھی کہ یہ روایت کس نے نقل کی ہے، چنانچہ مشکوۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے البتہ ایک دوسرے صحیح نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے کہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال خطبنا وساقہ نحوہ۔ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو اور خدا سے بخشش مانگو بیشک خدا بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ "ثم" یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے، گویا کہ عرفات میں

ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے، اور یہ بھی فرمادیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے، جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے، اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہی سے لوٹا کرو،

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عطاء، حضرت قتادہ، حضرت سدی رضی اللہ عنہم وغیرہ یہی فرماتے ہیں، امام ابن جریر بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں، مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا کہنے لگا یہ کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آکر ٹھہرے ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منیٰ کو جانا ہے، واللہ اعلم، اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں، بعض کہتے ہیں مراد امام ہے، ابن جریر فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول راجح رہتا۔ پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

1926 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيعًا.

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا کیں۔

دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنے کا حکم

نماز کی وقت پر ادائیگی سے متعلق آیات قرآنیہ اور متواتر احادیث کی روشنی میں مفسرین، محدثین، فقہاء و علماء کرام کا اتفاق ہے کہ فرض نماز کو اس کے متعین اور مقرر وقت پر پڑھنا فرض ہے اور بلا عذر شرعی مقرر وقت سے مقدم و مؤخر کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

1926- اسناده صحيح. ابن شهاب: هو محمد بن مسلم بن عبيد الله القرشي الزهري. وهو عند مالك في "الموطا" 400/1، ومن طريقه اخرجه مسلم باثر (1217)، والنسائي في "المجتبى" (607). واخرجه البخاري (1092) من طريق يونس بن يزيد، عن ابن شهاب، به. واخرجه ابن ماجه (3021) من طريق عبيد الله، عن سالم، عن ابيه: ان النبي - صلّى الله عليه وسلم - صلّى المغرب بالمزدلفة فلما انخنا قال: "الصلاة باقامة." واخرجه البخاري (1668) من طريق نافع، ومسلم (1288) والنسائي (4017) من طريق عبيد الله بن عبد الله بن عمر، والنسائي في "الكبرى" (1591) من طريق عبد الرحمن بن يزيد، ثلاثتهم عن عبد الله بن عمر. وهو في "مسند احمد" (5287)، و"صحيح ابن حبان" (3859).

نماز کو وقت پر پڑھنے سے متعلق چند آیات

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (سورۃ النساء ۱۰۳)

بے شک نماز اہلِ ایمان پر مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ (سورۃ البقرۃ ۲۳۸)
نمازوں کی حفاظت کرو۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وقت پر نمازوں کو ادا کرنے کی حفاظت کا حکم فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (سورۃ المعارج ۳۴)

اور وہ لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ نماز کے اوقات، ارکان، واجبات اور مستحبات کی حفاظت کرتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (سورۃ الماعون ۴و۵)

سوان نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز میں کاہلی کرتے ہیں۔ مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ وقت پر نماز کی ادائیگی نہ کرنا اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔

قرآن کریم (سورۃ النساء آیت ۱۰۲) میں نمازِ خوف کی کیفیت اور اس کے اصول وآداب بیان کیے گئے ہیں۔ متعدد احادیث میں نمازِ خوف کی کیفیت بیان کی گئی ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں اور عین جنگ کے وقت صرف نماز کی کیفیت میں تخفیف کی گنجائش ہے؛ لیکن وقت کو نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ امکانی حد تک وقت کی پابندی ضروری ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کفار سے جنگ ہورہی ہو اور اس وقت ذرا سی کاہلی بھی شکست کا سبب بن سکتی ہے تو اس موقع پر بھی دو نمازوں کو جمع کرکے یعنی ایک کا وقت ختم ہونے کے بعد یا دوسرے کا وقت داخل ہونے سے قبل پڑھنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ نماز کو وقت پر ادا کیا جائے گا، ورنہ وقت کے نکلنے کے بعد اس کی قضا کرنی ہوگی، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقع پر وقت پر ادائیگی نہ کرنے پر نماز کی قضا کی تھی۔

نماز کو وقت پر پڑھنے سے متعلق چند احادیث نبویہ

نماز کے اوقات سے متعلق متعدد احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا۔ انھوں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی خدمت کرنا۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اسی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت والی حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے جس میں مذکور ہے کہ ۲ روز حضرت جبرئیل علیہ السلام نے امامت فرماکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی۔ پہلے دن ہر نماز اول وقت میں پڑھائی اور دوسرے دن

آخری وقت میں پڑھائی، پھر فرمایا کہ ہر نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔ (ابوداود، ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز کو وقت پر ادا فرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب میں ایک روز شدتِ جنگ کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر فوت ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے بعد اس کی قضا پڑھی اور کفار کے خلاف سخت الفاظ میں بددعا فرمائی کہ ان لوگوں نے ہمیں نماز عصر سے مشغول رکھا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ (صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق، صحیح مسلم)

غور فرمائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے سفر میں جب کہ آپ کو لہولہان کر دیا گیا تھا، فرشتہ نے آپ کے سامنے حاضر ہوکر ان کو کچلنے کی پیش کش بھی کی مگر رحمۃ للعالمین نے ان کے لیے ہدایت کی ہی دعا فرمائی؛ مگر غزوۂ احزاب میں کفار کی مزاحمت کی وجہ سے نماز کے قضا ہوجانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ ان کے خلاف سخت سے سخت الفاظ میں بددعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ (ترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین)

اس حدیث کے ایک راوی کو امام ترمذی نے ضعیف کہا ہے؛ تاہم قرآن وحدیث کے دیگر نصوص سے اس حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ نیز امام حاکم نے ان کو قوی تسلیم کیا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ نماز میں کوتاہی یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسرے نماز کے وقت تک موخر کر دیا جائے۔ (صحیح مسلم باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ)

جمع بین الصلاتین

قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ہی ادا کرنا چاہیے۔ یہی شریعت اسلامیہ میں مطلوب ہے، پوری زندگی اسی پر عمل کرنا چاہیے اور اسی کی دعوت دوسروں کو دینی چاہیے؛ لیکن اگر کوئی شخص سفر یا کسی شرعی عذر کی وجہ سے دو نمازوں کو اکٹھا کرنا چاہے تو اس سلسلہ میں فقہاء وعلماء کرام کا اختلاف ہے۔ فقہاء وعلماء کرام کی ایک جماعت نے سفر یا موسلا دھار بارش کی وجہ سے ظہر وعصر میں جمع تقدیم وجمع تاخیر اسی طرح مغرب وعشاء میں جمع تقدیم وجمع تاخیر کی اجازت دی ہے؛ لیکن فقہاء وعلماء کرام کی دوسری جماعت نے احادیث نبویہ کی روشنی میں حقیقی جمع کی اجازت نہیں دی ہے۔ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے مشہور تابعی وفقیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ہندو پاک کے علماء کا بھی یہی موقف ہے۔ فقہاء وعلماء کی یہ جماعت، اُن احادیث کو جن میں جمع بین الصلاتین کا ذکر آیا ہے، ظاہری جمع پر محمول کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز آخری وقت میں اور عصر کی نماز اوّل وقت میں ادا کی جائے، مثلاً ظہر کا وقت ایک بجے سے چار بجے تک ہے اور عصر کا وقت چار بجے سے غروب آفتاب تک تو ظہر کو چار بجے سے کچھ قبل اور عصر کو چار بجے پڑھا جائے۔ اس صورت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت کے اندر ادا ہوگی؛ لیکن صورت وعمل کے لحاظ سے دونوں نمازیں اکٹھی ادا ہوں گی، اسی طرح مغرب کی نماز آخری وقت میں اور عشاء کی نماز اوّل وقت میں پڑھی جائے، اس

کو جمع ظاہری یا جمع صوری یا جمع عملی کہا جاتا ہے۔ اس طرح تمام احادیث پر عمل بھی ہو جائے گا اور قرآن وحدیث کا اصل مطلوب ومقصود (یعنی نماز کی وقت پر ادائیگی) بھی ادا ہو جائے گا۔ مؤخر الذکر قول چند اسباب کی وجہ سے زیادہ راجح ہے۔

(۱) نماز کے اوقات کی تحدید قطعی فرض ہے جو قرآن کریم کی بعض آیات ومتعدد متواتر احادیث سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے۔ جمع بین الصلاتین دو نمازوں کو اکٹھی پڑھنے سے متعلق احادیث اخبار آحاد ہیں۔ قرآنی آیات اور متواتر احادیث کا اگر بظاہر تعارض خبر آحاد سے ہو تو خبر آحاد میں تاویل کرنی چاہیے، لہٰذا ان اخبار آحاد کو جمع ظاہری (یعنی نماز ظہر کو آخر وقت میں اور نماز عصر کو اوّل وقت میں ادا کیا جائے) پر محمول کیا جانا چاہیے؛ تاکہ کسی طرح کا تعارض بھی نہ رہے اور تمام احادیث پر عمل بھی ہو جائے۔

(۲) بعض احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں حقیقی جمع بین الصلاتین صرف دو بار حج کے موقع پر کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وقت پر نماز پڑھتے تھے)؛ مگر (حجۃ الوداع میں) مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں اکٹھے پڑھا (یعنی عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء اکٹھی پڑھیں)۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج، من یصلی الفجر بجمع ۔۔۔ صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز وقت پر پڑھتے تھے؛ لیکن (حجۃ الوداع میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے پڑھا اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھا۔ (نسائی)

حجاج کرام کے لیے عرفات (مسجد نمرہ) میں ظہر وعصر کی حقیقی جمع اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی حقیقی جمع متواتر احادیث سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے؛ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ کبھی بھی حقیقی جمع کی صورت میں دو نمازوں کو اکٹھا کر کے نہیں پڑھا، جیسا کہ احادیث بالا میں مذکور ہے۔

(۳) بعض احادیث کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے سے متعلق احادیث کا تعلق جمع ظاہری سے ہے، مثلاً:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کرتے تھے، مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کرتے تھے۔ (مسند امام احمد، طحاوی، مستدرک حاکم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (ایک سفر میں) غروب شفق سے قبل سواری سے اترے، مغرب کی نماز پڑھی پھر انتظار کیا، غروب شفق کے بعد عشاء کی نماز ادا کی پھر فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب (سفر میں) جلدی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح عمل فرماتے جیسے میں نے کیا ہے۔ (ابوداؤد، باب الجمع بین الصلاتین ۔ دار قطنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک کے سفر میں نکلے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر وعصر کو اس طرح جمع کرتے، ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھتے۔ (طبرانی اوسط)

حضرت ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں کہ وہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ سے مکہ مکرمہ سفر حج پر جارہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کو اس طرح جمع کرتے کہ ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم کرتے پھر دونوں کو اکٹھا ادا کرتے، مغرب کو مؤخر کرتے اور عشاء کو مقدم کرتے، پھر دونوں کو اکٹھا ادا کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ باب من قال یجمع المسافر بین الصلاتین)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا؛ حالانکہ یہ کسی خطرہ یا سفر کی حالت نہ تھی۔ حضرت ابوالزبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سعید نے جواب دیا کہ میں نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھی تھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا کہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔ (صحیح مسلم، الجمع بین الصلاتین فی الحضر)

اس حدیث میں جمع بین الصلاتین سے مراد ظاہری جمع ہے یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا۔ محدثین کرام حتی کہ علامہ شوکانی نے بھی اس حدیث سے جمع صوری ہی مراد لیا ہے۔

ان تمام احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا ہے کہ ظاہری جمع جائز ہے؛ لیکن حقیقی جمع صرف دو جگہوں پر ہے۔

(۴) حدیث کے پورے ذخیرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے صرف انھیں دو نمازوں کے جمع کرنے کا ثبوت ملتا ہے جن کے اوقات آپس میں ملتے ہیں اور درمیان میں مکروہ وقت بھی نہیں ہے، جن کی وجہ سے ظاہری جمع پر عمل ہوسکتا ہے اور وہ صرف ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کی نمازیں ہیں۔ باقی جن نمازوں کے اوقات باہم متصل نہیں ہیں، جیسے فجر وظہر یا اوقات تو متصل ہیں؛ لیکن درمیان میں مکروہ وقت ہے، جیسے عصر ومغرب یا عشاء وفجر کہ نصف شب کے بعد عشاء کا مکروہ وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اگر حقیقی جمع جائز ہوتی تو پھر ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کے ساتھ ہی خاص نہ ہوتی؛ بلکہ عشاء وفجر یا فجر وظہر میں حقیقی جمع جائز ہوتی، اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ جن احادیث میں سفر وغیرہ کی وجہ سے دو نمازوں کے اکٹھے پڑھنے کا ذکر ہے اس سے مراد ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرنا ہے۔

(۵) بعض احادیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ سفر یا خوف یا بارش کے عذر کے بغیر بھی دو نمازوں کو اکٹھا کرکے پڑھا۔ اگر دو نمازوں کی حقیقی جمع جائز ہوتی تو ان احادیث کی وجہ سے بغیر کسی عذر کے بھی دو نمازوں کو حقیقی جمع کرکے پڑھنا جائز ہوتا؛ حالانکہ اہل السنۃ والجماعۃ میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس طرح کی احادیث سے مراد ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرنا ہے۔ غزوہ تبوک کے طویل سفر میں یہی صورت عمل تھی کہ سفر بہت طویل تھا، موسم سخت گرم تھا، طہارت ووضو کے لیے پانی کی قلت تھی، اسلامی فوج کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی اتنے بڑے لشکر کا ان مذکورہ حالات میں بار بار اترنا اور سوار ہونا انتہائی مشکل تھا؛ اس لیے ظاہری جمع پر عمل کیا گیا یعنی ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کیا گیا۔

غرضے کہ نماز کو وقت پر ہی ادا کرنا چاہیے سوائے ۹ ذی الحجہ کو مسجد نمرہ (عرفات) میں ظہر وعصر کی ادائیگی ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی ادائیگی عشاء کے وقت میں؛ لیکن اگر کوئی عذر شرعی ہے، مثلاً سفر میں ہیں اور بار بار رکنا دشواری کا سبب ہے تو

دونمازیں ظاہری جمع کر کے ادا کر لی جائیں یعنی ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کر لیا جائے۔

1927 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِاِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ وَقَالَ: بِاِقَامَةٍ اِقَامَةٍ جَمَعَ بَيْنَهُمَا، قَالَ اَحْمَدُ، قَالَ وَكِيعٌ صَلَّى كُلَّ صَلَاةٍ بِاِقَامَةٍ.

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: آپ ﷺ نے الگ' الگ اقامت کے ذریعے ایک ساتھ دونوں نمازوں کو ادا کیا تھا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہر نماز الگ اقامت کے ہمراہ ادا کی تھی۔

1928 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، ح، وحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ الْمَعْنَى، اَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِاِسْنَادِ ابْنِ حَنْبَلٍ، عَنْ حَمَّادٍ، وَمَعْنَاهُ قَالَ: بِاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَلَمْ يُنَادِ فِي الْاُولَى، وَلَمْ يُسَبِّحْ عَلَى اِثْرِ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا، قَالَ مَخْلَدٌ: لَمْ يُنَادِ فِیْ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: ہر نماز کے لیے الگ اقامت کہی تھی۔

اور پہلی نماز میں اذان نہیں دی تھی اور ان میں کسی نماز کے بعد کوئی نفل نماز ادا نہیں کی تھی۔

مخلد نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: آپ ﷺ نے ان میں سے کسی بھی نماز کے لیے اذان نہیں دلوائی۔

1929 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا، وَالْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ: مَالِكُ بْنُ الْحَارِثِ مَا هٰذِهِ الصَّلَاةُ؟ قَالَ: صَلَّيْتُهُمَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذَا الْمَكَانِ، بِاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ.

❁❁ عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں مغرب کی نماز میں تین اور عشاء کی نماز میں دو رکعت ادا کیں' تو مالک بن حارث نے ان سے کہا: یہ کون سی نماز ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے اس جگہ پر ایک اقامت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں یہ دونوں نمازیں (اس طرح) ادا کی ہیں۔

1930 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْاَنْبَارِيُّ، حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ يَعْنِي ابْنَ يُوسُفَ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَا: صَلَّيْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ، بِالْمُزْدَلِفَةِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ، فَذَكَرَ مَعْنَى حَدِيثِ ابْنِ كَثِيرٍ

❁❁ سعید بن جبیر اور عبداللہ بن مالک بیان کرتے ہیں: ہم نے مزدلفہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ ادا کیں۔ اس کے بعد راوی نے ابن کثیر کی روایت کی مانند روایت نقل کی ہے۔

1931 حَدَّثَنَا ابْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: أَفَضْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمَّا بَلَغْنَا جَمْعًا صَلَّى بِنَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ ثَلَاثًا، وَاثْنَتَيْنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ لَنَا ابْنُ عُمَرَ: هٰكَذَا صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْمَكَانِ

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں: ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ روانہ ہوئے ہم مزدلفہ پہنچے تو انہوں نے ایک اقامت کے ساتھ ہمیں مغرب اور عشاء کی نمازوں میں پہلے تین رکعت اور پھر دو رکعت پڑھائیں جب انہوں نے نماز مکمل کرلی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ہم سے فرمایا: اس جگہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح نماز پڑھائی تھی۔

1932 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ شُعْبَةَ، حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، قَالَ: رَأَيْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، أَقَامَ بِجَمْعٍ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: شَهِدْتُ ابْنَ عُمَرَ صَنَعَ فِي هٰذَا الْمَكَانِ مِثْلَ هٰذَا، وَقَالَ: شَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا فِي هٰذَا الْمَكَانِ

سلمہ بن کہیل بیان کرتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر کو دیکھا کہ انہوں نے مزدلفہ میں اقامت کہلوا کر مغرب کی نماز میں تین رکعت ادا کیں اور عشاء کی دو رکعت ادا کیں پھر انہوں نے یہ بات بتائی میں اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ موجود تھا۔ انہوں نے اس جگہ پر اس طرح کیا تھا پھر یہ بات بیان کی تھی میں اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر اس طرح کیا تھا۔

1933 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَقْبَلْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ عَرَفَاتٍ إِلَى الْمُزْدَلِفَةِ فَلَمْ يَكُنْ يَفْتُرُ، مِنَ التَّكْبِيرِ وَالتَّهْلِيلِ، حَتّٰى أَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، أَوْ أَمَرَ إِنْسَانًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ فَصَلّٰى بِنَا الْمَغْرِبَ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيْنَا، فَقَالَ: الصَّلَاةُ فَصَلّٰى بِنَا الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهِ. قَالَ: وَأَخْبَرَنِي عِلَاجُ بْنُ عَمْرٍو بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: فَقِيلَ لِابْنِ عُمَرَ فِي ذٰلِكَ، فَقَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا

اشعث بن سلیم اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ عرفات سے مزدلفہ آیا وہ اس دوران اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ مسلسل کہتے رہے یہاں تک کہ ہم مزدلفہ پہنچ گئے پھر اذان اور اقامت کہی گئی یا پھر کسی کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان یا اقامت کہے پھر انہوں نے مغرب کی نماز میں ہمیں تین رکعت پڑھائیں پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور بولے: ابھی ایک اور نماز ادا کرنی ہے انہوں نے عشاء کی نماز میں دو رکعت پڑھائیں پھر انہوں نے رات کا کھانا منگوایا۔

1932- اسناده صحیح. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدی، ویحیی: هو ابن سعید القطان، وشعبة: هو ابن الحجاج الازدی. واخرجه مسلم (1288)، والنسائی فی "الکبری" (4012) و (4014) من طریقین عن شعبة، بهذا الاسناد. وقرن بسلمة الحکم بن عتیبة. واخرجه مسلم (1288)، والنسائی (4013) من طریق سفیان الثوری، عن سلمة ابن کهیل، به. وهو فی "صحیح ابن حبان" (3859).

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے منقول ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: جب اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا: انہوں نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اس طرح نماز ادا کی ہے۔

1934 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، اَنَّ عَبْدَ الْوَاحِدِ بْنَ زِيَادٍ، وَاَبَا عَوَانَةَ، وَاَبَا مُعَاوِيَةَ، حَدَّثُوهُمْ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ عِمَارَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً اِلَّا لِوَقْتِهَا اِلَّا بِجَمْعٍ، فَاِنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ، وَصَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِهَا

❁❁ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ مزدلفہ کا معاملہ مختلف ہے۔ مزدلفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی تھیں؛ اور اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اس کے عام وقت سے پہلے ادا کی تھی۔

عرفات کی دو نمازوں میں ایک تکبیر و دو اقامتوں میں مذاہب اربعہ

جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں ظہر وعصر کی نماز ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ پڑھی تھی چنانچہ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں مزدلفہ میں یہ دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک ہی تکبیر کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں کیونکہ اس موقع پر عشاء کی نماز چونکہ اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لئے زیادتی اعلام کے لئے علیحدہ سے تکبیر کی ضرورت نہیں برخلاف عرفات میں عصر کی نماز کے کہ وہاں عصر کی نماز چونکہ اپنے وقت میں نہیں ہوتی بلکہ ظہر کے وقت ہوتی ہے اس لئے وہاں زیادتی اعلام کے لیے علیحدہ تکبیر کی ضرورت ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی روایت منقول ہے اور ترمذی نے بھی اس کی تحسین وتصحیح کی ہے۔ عرفات ومزدلفہ کے علاوہ نمازوں کو جمع کرنے رد میں فقہ حنفی کے دلائل:

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ سیدنا حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی کہ امیر المؤمنین امام العادلین ناطق بالحق والصواب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام آفاق میں فرمان واجب الاذعان نافذ فرمائے۔ کہ کوئی شخص ایک وقت میں دو نمازیں نہ جمع کرنے پائے اور ان میں ارشاد فرمایا: ایک وقت میں دو نمازیں ملانا گناہ کبیرہ ہے۔

(المؤطا لمحمد، الجمع بین الصلوتین)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

الحمدللہ، امام عادل فارق الحق والباطل نے حق واضح فرمایا۔ اور ان کے فرمانوں پر کہیں سے انکار نہ آنے نے گویا مسئلہ درجہ اجماع تک مترقی کیا۔ اقول: یہ حدیث بھی ہمارے اصول پر حسن جید حجت ہے۔ علاء بن الحارث تابعی صدوق فقیہ رجال صحیح مسلم وسنن اربعہ سے ہیں۔ نیز علاء کا مختلط ہونا ہمارے نزدیک مضر نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ روایت اس اختلاط سے بعد کی

گئی ہے۔ کیونکہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الشہید میں احمد کی روایت ذکر کی ہے جس کا ایک راوی عطاء بن سائب ہے اور عطاء بن سائب کا مختلط ہونا سب کو معلوم ہے۔ مگر ابن ہمام نے کہا مجھے امید ہے کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت عطاء کے اختلاط میں مبتلاء ہونے سے پہلے اس سے اخذ کی ہوگی۔ پھر اس کی دلیل بیان کی کہ اگر ابہام پایا بھی جائے تو حسن کے درجے سے کم نہیں۔

اور امام مکحول ثقہ فقیہ حافظ جلیل القدر بھی رجال مسلم واربعہ سے ہیں۔

نیز مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ رہا امام محمد کے اساتذہ کا مبہم ہونا، تو مبہم کی توثیق ہمارے نزدیک مقبول ہے۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ہے۔ خصوصا جب توثیق کرنے والی امام محمد جیسی ہستی ہو۔

اور اس سے قطع نظر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ متعدد اسنادوں سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کی یہ خامی دور ہوگئی ہے۔ فتح المغیث میں مقلوب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مشائخ بخاری میں احمد بن عدی سے مروی ہے کہ میں نے متعدد مشائخ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے ابن عدی کے واسطے سے یہ بات خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے اور دیگر علماء نے بھی اور ابن عدی کے اساتذہ کا مبہم ہونا مضر نہیں کیونکہ ان کی تعداد اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ مجہول نہیں رہے۔

حضرت ابوقتادہ عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا شقہ فرمان سنا کہ تین باتیں کبیرہ گناہوں سے ہیں۔ دو نمازیں جمع کرنا۔ جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنا۔ اور کسی کا مال لوٹ لینا۔ (کنز العمال للبیہقی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے۔ اس کے سب رجال اسماعیل بن ابراہیم ابن علیہ سے آخر تک ائمہ ثقات عدول رجال صحیح مسلم سے ہیں۔ وللہ الحمد

لطیفہ: حدیث مؤطا کے جواب میں تو ملاجی کو وہی ان کا عذر معمولی عارض ہوا کہ منع کرنا عمر کا حالت اقامت میں بلا عذر تھا۔

اقول: اگر ہر جگہ ایسی ہی تخصیص تراش لینے کا دروازہ کھلے تو تمام احکام شرعیہ سے بے قیدوں کو سہل چھٹی ملے۔ جہاں چاہیں کہدیں یہ حکم خاص فلاں لوگوں کے لئے ہے۔ حدیث صحیحین کو تین طرح رد کرنا چاہا۔

اول: انکار جمع اس سے بطور مفہوم نکلتا ہے اور حنفیہ قائل مفہوم نہیں۔ اس جواب کی حکایت خود اس کے رد میں کفایت ہے۔ اس سے اگر بطور مفہوم نکلتی ہے تو مزدلفہ کی جمع۔ کہ مابعد الا ہمارے نزدیک مسکوت عنہ ہے۔ ان کا رجع تو اس کا صریح منطوق ومدلول مطابقی ومنصوص عبارۃ النص ہے

اقول: اولاً۔ اس کی نسبت اگر بعض اجلہ شافعیہ کے قلم سے براہ بشریت لفظ مفہوم نکل گیا۔ ملا مدعی اجتہاد وحرمت تقلید ابوحنیفہ وشافعی کو کیا لائق تھا کہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم رد کرنے کے لئے ایسی بدیہی غلطی میں ایک متاخر مقلد کی تقلید جامد کرتے۔ شاید رد احادیث صحیحہ میں یہ شرک صریح جائز وصحیح ہوگا۔ اب نہ اس میں شائبہ نصرانیت ہے نہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا

من دون اللہ کی آفت۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔

ثانیاً: بفرض غلط مفہوم ہی سہی اب یہ نا مسلم کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ صرف عبارات شارع غیر متعلقہ بعقوبات میں اس کی نفی کرتے ہیں۔ کلام صحابہ و من بعدھم من العلماء میں مفہوم مخالف بے خلاف مرعی ومعتبر۔ کمانص علیه فی تحریر الاصول والنہر الفائق والدر المختار وغیرھا من الاسفار، قد ذکر نا نصوصها، فی رسالتنا القطوف الدانیة لمن احسن الجماعة الثانیه۔

دوم: ایک رامپوری ملا سے نقل کیا کہ ابن مسعود سے مسند ابی یعلی میں روایت یہ بھی ہے کہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین الصلوتین فی السفر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو نمازیں جمع کرتے تھے۔ تو موجود ہے کہ حدیث صحیحین کو حالت نزول منزل اور روایت ابی یعلی کو حالت سیر پر عمل کریں۔ یہ مذہب امام مالک کی طرف عود کر جائے گا۔

اقول: اولاً۔ ملا جی خود ہی اسی بحث میں کہہ چکے ہو کہ شاہ صاحب نے مسند ابی یعلی کو طبقہ ثالثہ میں جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح، حسن، غریب، معروف، منکر، شاذ، مقلوب موجود ہیں ٹھہرایا ہے۔ پھر خود ہی اس طبقے کی کتاب کو کہا کہ اس کتاب کی حدیث بدوں تصحیح کسی محدث کے یا پیش کرنے سند کے کیونکر تسلیم کی جاوے۔ یہ کتاب اس طبقے کی ہے جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح اور سقیم مختلط ہیں۔ یہ کیا دھرم ہے کہ اوروں پر منہ آؤ اور اپنے لئے ایک رامپوری ملا کی تقلید سے حلال بتاؤ۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم

ثانیاً: ملا جی، کسی ذی علم سے التجا کرو تو وہ تمہیں صریح ومجمل اور متعین ومحتمل کا فرق سکھائے۔ حدیث صحیحین انکار جمع حقیقی میں نص صریح ہے اور روایت ابی یعلی حقیقی جمع کا اصلاً پتہ نہیں دیتی۔ بلکہ احادیث جمع صوری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثیں صاف صاف جمع صوری بتا رہی ہیں۔ تمہاری ذی ہوشی کہ نص ومحتمل کو لاکر اختلاف محامل سے راہ توفیق ڈھونڈتے ہو۔

لطیفہ اقول: ملا جی کا اضطراب قابل تماشہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کہیں راوی جمع ٹھہرا کر عدد رواۃ پندرہ بتاتے ہیں۔ کہیں نافی سمجھ کر چودہ۔ صدر کلام میں جہاں راویان جمع گنائے صاف صاف کہا ابن مسعود فی احدی الروایتین، اب رامپوری ملا کی تقلید سے وہ احدی وایتین بھی گئی۔ ابن مسعود خاصے مثبتان جمع ٹھہر گئے۔

سوم: جسے ملا جی بہت ہی علق نفیس سمجھے ہوئے ہیں۔ ان دو کو عربی میں بولے تھے۔ یہاں چمک چمک کر اردو میں چہک رہے ہیں کہ۔

اگر کہو جس جمع کو ابن مسعود نے نہیں دیکھا وہ درست نہیں تو تم پر یہ پہاڑ مصیبت کا ٹوٹیگا کہ جمع بین الظھر اور عصر کو عرفات میں کیوں درست کہتے ہو باوجودیکہ اس قول ابن مسعود سے تو نفی جمع فی العرفات کی بھی مفہوم ہوتی ہے۔ پس جو تم جواب رکھتے ہو اسی کو ہماری طرف سے سمجھو یعنی اگر کہو نہ ذکر کرنا ابن مسعود کا جمع فی العرفات کو بنا بر شہرت عرفات کے تھا تو ہم کہیں گے کہ جمع فی السفر بھی قرن صحابہ میں مشہور تھی۔ کیونکہ چودہ صحابی سو بن مسعود کے اس کے ناقل ہیں۔ تو اسی واسطے ابن مسعود نے اس کا استثناء نہ کیا۔ اور اب محتمل نفی کا جمع بلا عذر رہوگی۔ اور اگر کہو کہ جمع فی العرفات بالمقائسہ معلوم ہوتی ہے تو ہم کو کون مانع ہے مقائسہ

ہے۔وعلی ہذاالقیاس جوجواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے۔

معیار الحق مصنفہ میاں نذیر حسین ملاجی اس جواب کو ملاجی گل سر سبز بنا کر سب سے اول ذکر کیا۔ان دو کی تو امام نووی و سلام اللہ رامپوری کی طرف نسبت کی۔مگر اسے بہت پسند کر کے بلا نقل ونسبت اپنے نامہ اعمال میں ثبت رکھا حالانکہ یہ بھی کلام امام نووی میں مذکوراور فتح الباری وغیرہ میں ماثور تھا۔شہرت جمع عرفات سے جو جواب امام محقق علی الاطلاق محمد بن الہمام وغیرہ علماء اعلام حنفیہ کرام نے افادہ فرمایا۔اس کا نفیس وجلیل مطلب ملاجی کی فہم تنگ میں اصلا نہ دھنسا۔اجتہاد کے نشہ میں ادعائے باطل شہرت جمع سفر کا آوازہ کسا،اب فقیر غفرلہ القدیر سے تحقیق حق سنئے۔

اولا: فاقول وبحول ربی اصول۔ملاجی جواب علماء کا یہ مطلب سمجھئے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھیں تو تین نمازیں غیر وقت میں۔مگر ذکر دو کیں۔مغرب وصبح مزدلفہ،اور تیسری یعنی عصر عرفہ کو بوجہ شہرت ذکر نہ فرمایا: جس پر آپ نے یہ کہنے کی گنجائش سمجھی کہ یونہی جمع سفر بھی بوجہ شہرت ترک کی۔اس ادعائے باطل کا لفافہ تو بحمد اللہ اوپر کھل چکا کہ شہرت درکنار نفس ثبوت کے لالے پڑے ہیں۔حضرت نے چودہ صحابہ کرام کا نام لیا پھر آپ ہی دس سے دست بردار ہوئے۔چار باقی ماندہ میں دو کی روایتیں نری بے علاقہ اتر گئیں۔رہے دو،وہاں بعونہ تعالیٰ وہ قاہر جواب پائے کہ جی ہی جانتا ہوگا۔

اگر بالفرض دو سے ثبوت ہو بھی جاتا تو کیا صرف دو کی روایت قرن صحابہ میں شہرت ہے۔مگر یہاں تو کلام علماء کا وہ مطلب ہی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف انہیں دو نمازوں عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا غیر وقت میں پڑھنا ثابت۔انہیں دو کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔انہیں دو کو صلاتین کہہ کر یہاں ارشاد فرمایا۔اگرچہ تفصیل میں بوجہ شہرت عامہ تامہ ایک کا نام لیا۔صرف ذکر مغرب پر اقتصار فرمایا۔ایسا اکتفا کلام صحیح میں شائع۔

قال عزوجل۔وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر۔اور تمہارے لئے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔

خود انہیں نمازوں کے بارے میں امام سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا ارشاد دیکھئے۔کہ پوچھا گیا۔کیا عبداللہ رضی اللہ عنہ سفر میں کوئی نماز جمع کرتے تھے۔

فرمایا :لاالابجمع، نہ مگر مزدلفہ میں، کماقدمناعن سنن النسائی، یہاں بھی کہہ دیجیو کہ جمع سفر کو شہرۃ چھوڑ دیا ہے۔اور سنئے،امام ترمذی اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

العمل علی ھذاعنداھل العلم ان لایجمع بین الصلاتین الافی السفراوبعرفۃ۔

اہل علم کے یہاں عمل اسی پر ہے کہ بغیر سفر اور یوم عرفہ دو نمازیں جمع نہ کریں۔امام ترمذی نے صرف نماز عرفہ کا استثناء کیا نماز مزدلفہ کو چھوڑ دیا۔تو ہے یہ کہ دونوں جمعین متلازم ہیں اور ایک کا ذکر دوسری کا یقیناً مذکر۔خصوصاً نماز عرفہ کہ اظہر واشہر۔تو مزدلفہ کا ذکر دونوں کا ذکر ہے،غرض ان صلاتین کی دوسری نماز ظہر عرفہ ہے نہ فجر نحر۔وہ مسئلہ جداگانہ کا افادہ ہے۔کہ دو نمازیں تو غیر وقت میں پڑھیں اور فجر وقت معمول سے پیشتر تاریکی میں،اور بلاشبہ اجماع امت ہے کہ فجر حقیقۃً وقت سے پہلے نہ تھی،نہ ہرگز کہیں بھی اس کا جواز اور خود اسی حدیث ابو مسعود کے الفاظ مسلم کے یہاں بروایت جریر عن الاعمش، قال قبل وقتھا بغلس اس پر شاہد،

اگر رات میں پڑھی جاتی تو ذکر غلس کے کیا معنی تھے۔ صحیح بخاری میں تو تصریح صریح ہے کہ فجر بعد طلوع فجر پڑھی۔

حضرت عبدالرحمن بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ گیا۔ پھر ہم مزدلفہ آئے تو آپ نے دو نمازیں جمع کیں ایک ہی اذان و اقامت سے۔ درمیان میں رات کا کھانا کھایا۔ پھر طلوع فجر کے بعد صبح کی نماز پڑھی۔

حضرت عبدالرحمن بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حج ادا فرمایا پھر ہم مزدلفہ آئے جب عشا کی اذان کا وقت ہو چکا تھا یا قریب تھا۔ ایک شخص کو اذان و اقامت کا حکم دیا اور نماز مغرب ادا کی اور بعد کی دو رکعتیں بھی۔ پھر شام کا کھانا منگا کر تناول فرمایا: پھر عشا کی دو رکعتیں پڑھیں جب صبح صادق ہوئی تو فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز فجر کے علاوہ اس دن اور اس مقام کے سوا کبھی نماز فجر اتنے اول وقت میں نہیں پڑھتے تھے۔

(الجامع للبخاری المناسک، الجامع الصحیح للبخاری، المناسک)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی اجماع موافق و مخالف ہے کہ عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ حقیقۃً غیر وقت میں پڑھیں۔ تو فجر نحر و مغرب مزدلفہ کا حکم یقیناً مختلف ہے۔ ہاں عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ متحد الحکم اور غیر وقت میں پڑھنے کے حقیقی معنی انہیں کے ساتھ خاص۔ اور جب تک حقیقت بنتی ہو مجاز کی طرف عدول جائز نہیں۔ نہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز ممکن۔ خصوصاً ملا جی کے نزدیک تو جب تک مانع قطعی موجود نہ ہو ظاہر پر حمل واجب۔

اور شک نہیں کہ بے وقت پڑھنے سے ظاہر متبادر وہی معنی ہیں جو ان عصر و مغرب میں حاصل نہ وہ کہ فجر میں واقع۔ تو واجب ہوا کہ جملہ صلی الفجر ان صلوتین کا بیان نہ ہو بلکہ یہ جملہ مستقلہ ہے اور صلوتین سے وہی عصر و مغرب مراد۔ تو ان میں اصلاً ہرگز کسی کا ذکر متروک نہیں۔ ہاں تفصیل میں پتے کے لئے ایک ہی کا نام لیا بوجہ کمال اشتہار۔ دوسری کا ذکر مطوی کیا۔

بحمد اللہ یہ معنی ہیں جواب علماء کے جس سے ملا جی کی فہم بے مس اور ناحق آنچہ انساں می کند کی ہوس۔ ملا جی! اب اس برابری کے بڑے بول کی خبریں کہئے کہ جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا سمجھئے۔ خدا کی شان۔

ع، اوگماں بردہ کہ من کردم چو او فرق را کے بیند آں استیزہ جو

فائدہ: یہ معنی نفیس فیض فتاح علیم جل مجدہ سے قلب فقیر پر القا ہوئے۔ پھر ارکان اربعہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرہ مطالعہ میں آئی دیکھا تو بعینہٖ یہی معنی افادہ فرمائے ہیں۔ والحمد للہ

ثانیاً: اقول و باللہ التوفیق۔ اگر نظر تتبع کو جولاں دیجئے تو بعونہ تعالیٰ واضح ہو کہ یہ جواب علماء محض تنزلی تھا۔ ورنہ اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمع عرفات بھی ذکر فرما چکے۔ یہ حدیث سنن نسائی کتاب المناسک باب الجمع بین الظہر و العصر بعرفہ میں یوں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت ہی میں پڑھتے تھے مگر مزدلفہ اور عرفات میں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

ملاجی! اب کہیے: مصیبت کا پہاڑ کس پر ٹوٹا؟ ملاجی! ابھی آپکی نازک چھاتی پر دلی کی پہاڑی آتی ہے۔ سخت جانی کے آسرے پر سانس باقی ہو تو سر بچائیے کہ عنقریب مکہ کا پہاڑ ابوقبیس آتا ہے۔ ملاجی! دعوی اجتہاد پر ادھار کھائے پھرتے ہو اور علم حدیث کی ہوا نہ لگی احادیث مرویہ بالمعنی صحیحین وغرہما صحاح وسنن، مسانید ومعاجیم، جوامع واجزاء وغیرہا میں دیکھیے صدہا مثالیں اس کی پائیے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں۔ کوئی ایک ٹکڑا کوئی دوسرا کوئی کسی طرح، کوئی کسی طرح۔ جمع طرق سے پوری بات کا پتہ چلتا ہے۔

ولہذا امام الشان ابوحاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی حقیقت نہ پہچانتے۔

یہاں بھی مخرج اعمش بن عمارۃ عن عبدالرحمن عن عبداللہ ہے۔ اعمش کے بعد حدیث منتشر ہوئی۔ ان سے حفص بن غیاث، ابومعاویۃ، ابوعوانۃ، عبدالواحد بن زیاد، جریر سفین، داؤد، شعبہ وغیرہم اجلہ نے روایت کی۔

یہ روایتیں الفاظ واطوار، بسط واختصار، اور ذکر واقتصار میں طرق شتی پر آئیں۔ کسی میں مغرب وفجر کا ذکر ہے۔ ظہر عرفہ مذکور نہیں۔ کروایۃ الصحیحین، کسی میں ظہر عرفہ ومغرب کا بیان ہے فجر مزدلفہ ماثور نہیں۔ کروایۃ النسائی۔ کسی میں صرف مغرب کا تذکرہ ہے ظہر فجر وصیغہ ما رأیت وغیرہ کچھ مسطور نہیں کحدیث النسائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا۔

(فتاوی رضویہ)

1935 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: فَلَمَّا أَصْبَحَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَقَفَ عَلَى قُزَحَ فَقَالَ: هٰذَا قُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ، وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَنَحَرْتُ هَاهُنَا، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ، فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ

⊛ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اگلے دن صبح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قزح پہاڑ پر ٹھہرے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ قزح (پہاڑ) ہے یہ وقوف کی جگہ ہے ویسے مزدلفہ سارا وقوف کی جگہ ہے۔ میں نے یہاں قربانی کرنی ہے اور منیٰ سارا قربان گاہ ہے تو تم لوگ اپنی رہائشی جگہ پر ہی قربانی کرلو۔

1936 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَقَفْتُ هَاهُنَا بِعَرَفَةَ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَوَقَفْتُ هَاهُنَا بِجَمْعٍ وَجَمْعٌ

1935- صحیح لغیرہ، وہذا اسناد حسن. عبدالرحمٰن بن عیاش - وھو عبدالرحمٰن ابن الحارث بن عبداللہ بن عیاش - مختلف فیہ وھو حسن الحدیث. سفیان: ھو ابن سعید بن مسروق الثوری. واخرجہ ابن ماجہ (3010) من طریق یحیی بن آدم، بھذا الاسناد. واخرجہ مطولاً الترمذی (900) من طریق ابی احمد الزبیری، عن سفیان الثوری، بہ. وھو فی "مسند احمد" (1348).

كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَنَحَرْتُ هَاهُنَا، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے یہاں عرفہ میں وقوف کیا ہے عرفہ سارا کا سارا وقوف کی جگہ ہے میں نے یہاں مزدلفہ میں وقوف کیا ہے اور مزدلفہ سارا کا سارا وقوف کی جگہ ہے میں نے یہاں قربانی کی ہے منیٰ سارا قربانی کی جگہ ہے' تو تم لوگ اپنے پڑاؤ کی جگہ پر قربانی کرلو''۔

1937 حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ، عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ، وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ، وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ، وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عرفہ سارا وقوف کی جگہ ہے منیٰ سارا قربان گاہ ہے اور مزدلفہ سارا وقوف کی جگہ ہے' مکہ کا ہر راستہ گزرگاہ اور قربانی کی جگہ ہے''۔

1938 حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيْرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُفِيضُونَ حَتّٰى يَرَوُا الشَّمْسَ عَلٰى ثَبِيرٍ، فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زمانہ جاہلیت کے لوگ اس وقت تک روانہ نہیں ہوتے تھے' جب تک سورج کو ''ثبیر'' (پہاڑ) پر نہیں دیکھ لیتے تھے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے برخلاف کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہو گئے۔

بَابُ التَّعْجِيلِ مِنْ جَمْعٍ

باب: مزدلفہ سے جلدی روانہ ہو جانا

1939 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ يَزِيْدَ، اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُوْلُ اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعَفَةِ اَهْلِهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں ان لوگوں میں شامل تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ میں سے کمزور افراد تھے جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات پہلے روانہ کر دیا تھا۔

وقوف مزدلفہ کے وجوب میں فقہی اختلاف کا بیان

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مزدلفہ کا وقوف واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم

ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے یہ وقوف مزدلفہ کیا تو اس کا حج مکمل ہو گیا ہے اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور امام طحاوی علیہ الرحمہ عروہ بن مضرس سے روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ حج کی تکمیل کو معلق کیا ہے۔ لہٰذا اس سے وجوب ثابت ہوگا رکنیت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل وکمزوروں کو رات کو روانہ کر دیا۔ لہٰذا اگر وقوف مزدلفہ رکن ہوتا تو اہل وضعفاء وغیرہ کو رات کو ہی روانہ نہ کیا جاتا۔ لہٰذا اس سے لیث بن سعد کا قول بھی دور ہو گیا کیونکہ وہ کہتے ہیں رکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ'' اس میں مامور بہ اللہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا بہ اجماع وقوف مزدلفہ رکن نہ ہوا۔ کیونکہ اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے وقوف سنت ہے۔ اور مزدلفہ میں رات گزارنے کے بارے امام شافعی کے دو اقوال ہیں۔ ایک وجوب کا ہے اور ایک سنت کا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور علامہ عینی نے ''شرح تحفۃ الملوک'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ رکن ہونے کا قول جس کی اتباع صاحب ہدایہ نے کی ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ صراحت کے ساتھ وہم ہے۔ (شرح الوقایہ، ج ۲، ص ۳۰، بیروت)

مزدلفہ کے راستے میں نماز پڑھنے سے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جس نے مغرب راستے میں پڑھی تو وہ کافی نہیں ہے۔ اور طلوع فجر سے پہلے تک اس پر اعادہ واجب ہے۔ امام زفر اور حسن بن زیاد علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہی نماز کافی ہو گی البتہ اس نے مخالفت سنت کی وجہ سے برا کیا ہے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ البتہ یہ اختلاف فقہاء احناف کے نزدیک مابین طرفین وامام ابو یوسف علیہ الرحمہ ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۱۱۹، حقانیہ ملتان)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شارح کلام مبین بھی ہیں اور شارع قوانین بھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تشریعی اختیار سے نویں ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کے بعد نماز مغرب مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ اکٹھی ادا فرمائی ہے اس لئے نماز مغرب کا وقت حجاج کے حق میں سورج غروب ہونے کے بعد شروع نہیں ہوتا بلکہ مزدلفہ میں نماز عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، اب حکم شریعت یہی کہ حجاج کرام مزدلفہ پہنچ کر عشاء کا وقت شروع ہونے کے بعد مغرب وعشاء ایک اذان، ایک اقامت کے ساتھ ادا کی نیت سے پڑھیں، تاہم ازدحام یا کسی عذر کی بناء پر اگر یہ اندیشہ ہو کہ مزدلفہ پہنچے تک عشاء کا وقت فوت ہو جائے گا اور صبح صادق نمودار ہو جائے گی تو راستہ میں یا جہاں کہیں ہوں مغرب وعشاء ادا کر لی جائے،

فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ جب مغرب وعشاء کو جمع کرنے کا وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز اصل وقت میں ادا کرنی ضروری ہے۔

جیسا کہ مناسک ملا علی قاری مع حاشیۂ ارشاد الساری باب احکام المزدلفۃ ص میں ہے:(ولا یصلی)ای احداهما (خارج المزدلفة)ای مطلقا (الااذا خاف طلوع الفجر فیصلی)ای فیه کما فی نسخه (حیث هو) ای لضرورة ادراك وقت اصل الصلوٰة وفوت وقت الواجب للجمع ولوكان فی الطريق اوبعرفات اومنی ونحوها۔

اگر عشاء کا وقت ختم ہونے سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائیں تو ضروری ہے کہ مغرب وعشاء پھر سے دہرالی جائے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری ج، کتاب المناسک، الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج، ہے:ولو صلی المغرب بعد غروب الشمس قبل ان یاتی المزدلفة فعلیه ان یعیدها اذا اتی بمزدلفة فی قول ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وكذلك لو صلی العشاء فی الطريق بعد دخول وقتها۔

حجاج کرام اس بات کا لازمی طور پر اہتمام کریں کہ جلد از جلد وقوف واجب کے لئے مزدلفہ پہنچیں، وقوف مزدلفہ صبح صادق سے طلوع آفتاب سے پہلے تک ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو واجب ہے اگر اس کو ترک کر دیا جائے تو دم دینا لازم ہے، جو حاجی صاحبان وقوف عرفہ کے بعد راہ بھٹکنے کی وجہ یا ٹریفک کی مجبوری کے باعث طلوع آفتاب سے پہلے تک مزدلفہ نہ پہنچ سکیں ان پر ترک واجب کے سبب دم دینا لازم ہے۔

1940 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، عَنِ الْحَسَنِ الْعُرَنِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ أُغَيْلِمَةَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، عَلَى حُمُرَاتٍ فَجَعَلَ يَلْطَخُ أَفْخَاذَنَا، وَيَقُولُ: أُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: اللَّطْخُ: الضَّرْبُ اللَّيِّنُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات ہمیں یعنی عبدالمطلب کے بچوں کو گدھوں پر سوار کر کے پہلے بھجوا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے زانوؤں پر آہستہ سے مار کر فرمایا: اے میرے بچو! تم جمرہ کو اس وقت تک کنکریاں نہ مارنا جب تک سورج نکل نہیں آتا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لفظ "لطخ" والے سے مراد نرمی سے مارنا ہے۔

1941 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ، حَدَّثَنَا حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَدِّمُ ضُعَفَاءَ أَهْلِهِ بِغَلَسٍ، وَيَأْمُرُهُمْ يَعْنِي لَا يَرْمُونَ الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمزور اہل خانہ کو اندھیرے میں پہلے روانہ کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ ہدایت کی تھی یعنی یہ کہ وہ اس وقت تک جمرہ کو کنکریاں نہ ماریں جب تک سورج نکل نہیں آتا۔

1942 حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ الضَّحَّاكِ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ، ثُمَّ مَضَتْ فَأَفَاضَتْ، وَكَانَ ذَلِكَ الْيَوْمُ الْيَوْمَ، الَّذِي يَكُونُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِي عِنْدَهَا

❁❁ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: قربانی کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھجوا دیا انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ کو کنکریاں ماریں، پھر وہ چلی گئیں اور انہوں نے طواف افاضہ کر لیا اور یہ ان کی باری کا مخصوص دن تھا۔ یعنی وہ دن تھا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں رہنا تھا۔

1943 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَخْبَرَنِي مُخْبِرٌ، عَنْ أَسْمَاءَ، أَنَّهَا رَمَتِ الْجَمْرَةَ، قُلْتُ: إِنَّا رَمَيْنَا الْجَمْرَةَ بِلَيْلٍ، قَالَتْ: إِنَّا كُنَّا نَصْنَعُ هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

❁❁ مخبر سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے بارے میں نقل کرتے ہیں: انہوں نے جمرہ کو کنکریاں ماریں، تو میں نے کہا: ہم نے جمرہ کو رات کے وقت کنکریاں ماری ہیں (یعنی صبح صادق ہونے سے پہلے ماری ہیں) تو انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہم (خواتین) ایسا ہی کرتی تھیں۔

1944 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَفَاضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ السَّكِينَةُ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُوا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ، وَأَوْضَعَ فِي وَادِي مُحَسِّرٍ

❁❁ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، تو آرام سے چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ ہدایت کی کہ وہ چٹکی میں آجانے والی کنکریاں ماریں۔ وادی محسر سے گزرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رفتار کو تیز کر لیا۔

بَابُ يَوْمِ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ

باب: حج اکبر کا دن

1945 حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ يَعْنِي ابْنَ الْغَازِ، حَدَّثَنَا نَافِعٌ،

1944- حديث صحيح، وهذا اسناد ضعيف لابهام الراوي عن اسماء، لكن روى الحديث من طريق آخر صحيح ذكرناه عند الحديث السالف قبله. وهو في "صحيح البخاري" (1679)، و "صحيح مسلم" (1291) من طريق عبد الله ابن كيسان عن اسماء، وبنحوه عند النسائي (4027) من طريق مولى لاسماء، عنها، وهو في "المسند" (26941).

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَفَ يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الْجَمَرَاتِ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي حَجَّ. فَقَالَ: اَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قَالُوْا: يَوْمُ النَّحْرِ. قَالَ: هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے جو حج کیا تھا۔ اس حج کے موقع پر قربانی کی رات آپ ﷺ جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے دریافت کیا: یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کی: یہ قربانی کا دن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔

1946 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى بْنِ فَارِسٍ، اَنَّ الْحَكَمَ بْنَ نَافِعٍ، حَدَّثَهُمْ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَنِيْ اَبُوْ بَكْرٍ فِيْمَنْ يُؤَذِّنُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى اَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَيَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ، يَوْمُ النَّحْرِ وَالْحَجُّ الْاَكْبَرُ الْحَجُّ

⊛⊛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ان لوگوں میں بھجوایا جنہوں نے قربانی کے دن یہ اعلان کرنا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا' اور کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکے گا' اور حج اکبر کا دن قربانی کا دن ہے اور حج اکبر سے مراد حج ہے۔

حج اکبر کے مصداق کے متعلق احادیث کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی، پس اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو عذاب کی خوش خبری دے دیجئے۔ (التوبہ: ۳-۱)

حج اکبر کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ: حسن اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا اس میں مسلمان اور مشرکین جمع تھے اور اسی دن یہود اور نصاریٰ کی عید بھی تھی اس لیے اس کو حج اکبر فرمایا۔

حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور معمر زہری سے روایت کرتے ہیں کہ یوم النحر (قربانی کا دن) حج اکبر ہے۔ ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے حج اکبر اور حج اصغر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: حج اکبر یوم النحر ہے اور حج اصغر عمرہ ہے۔

عطا نے کہا حج اکبر یوم عرفہ ہے۔ ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا وہ یوم عرفہ ہے۔ میں نے پوچھا یہ آپ کی رائے ہے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی؟ انہوں نے کہا سب کی، پھر میں نے حضرت عبداللہ بن شداد سے سوال کیا تو انہوں نے کہا حج اکبر یوم النحر ہے اور حج اصغر عمرہ

(تفسیر امام عبدالرزاق ج۱ ص۲۴۱، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۱۱ھ)

ب۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج ادا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کو جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۴۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۴۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵۵، الطبقات الکبریٰ ج۲ ص۱۴۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، المستدرک ج۲ ص۲۳۱)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے عبداللہ بن ابی اوفی اور سعید بن جبیر سے، عبداللہ بن شداد سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، عامر سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حج اکبر یوم النحر ہے۔ (المصنف ج۳ ص۳۶۰، رقم الحدیث: ۱۵۱۱۱-۱۵۱۰۲)

حج اکبر کے مصداق کے متعلق مذاہب فقہاء کا بیان

حافظ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں: امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حمید بن عبدالرحمن کہتے تھے کہ یوم النحر، یوم الحج الاکبر ہے۔ (البخاری: ۳۶۹، مسلم: ۱۳۴۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۴۶، سنن النسائی: ۲۳۴، مسند احمد ج۲ ص۲۹۹) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حج اکبر کا دن یوم النحر ہے، جیسا کہ حمید نے کہا ہے، اور یہ سعید بن جبیر اور امام مالک کا قول ہے، اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ حج اکبر یوم عرفہ ہے اور یہی حضرت عمر کا قول ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، مجاہد نے کہا حج اکبر قران ہے اور حج اصغر افراد ہے، اور شعبی نے کہا حج اکبر، حج ہے اور حج اصغر عمرہ ہے، اور پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں حج اکبر کا اعلان کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اکبر یوم النحر ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۹۴۵) (المفہم ج۳ ص۱۶۰-۴۵۹، مطبوعہ دارابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حج اکبر کے مختلف اقوال میں تطبیق کا بیان

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ یوم حج اکبر کے متعلق چار قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ حج اکبر یوم عرفہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ یوم نحر ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ حج اکبر طواف زیارت کا دن ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ حج کے تمام ایام یوم حج اکبر ہیں، اور درحقیقت ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں، ہے، کیونکہ اکبر اور اصغر امر اضافی ہیں، لہٰذا جمعہ کے دن کا حج دوسرے ایام کی بہ نسبت اکبر ہے اور حج قران حج افراد سے اکبر ہے اور مطلقاً حج، عمرے سے اکبر ہے اور جمیع ایام حج بھی اکبر ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے نورانی مقام کے اعتبار سے مختلف ہے، اسی طرح ایام میں یوم عرفہ، حج اکبر کی تحصیل کا دن ہے جو مطلقاً حج ہے، اور یوم نحر حج اکبر کے افعال کے مکمل ہونے اور ان سے حلال ہونے کا دن ہے۔

(الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص۴۸۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۷ھ)

جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کے حج اکبر ہونے کی تحقیق

احادیث اور آثار صحابہ میں مختلف ایام پر حج اکبر کا اطلاق آیا ہے اور کسی دن کے حج اکبر ہونے پر اتفاق نہیں ہے، اور عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جب جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہر چند کہ کوئی صریح حدیث نہیں ہے تاہم

بکثرت دلائل شرعیہ سے اس دن کا حج اکبر ہونا ثابت ہے، اس لیے اس کو حج اکبر کہنا صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جس سال جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو اس سال کے حج کا ثواب ۷۰ حج سے زیادہ ہوتا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے جب یوم عرفہ جمع کے دن ہو تو اس کے حج اکبر ہونے کے ثبوت میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں: جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس پر حج اکبر کا اطلاق کرنا بہت مشہور ہے اور زبان زد خلائق ہے، اور خلق خدا کی زبانیں، حق کا قلم ہوتی ہیں اور (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) جس چیز کو مسلمان حسن (اچھا اور نیک) سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے اور جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ (مسند احمد ج۱ ص ۳۷، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۳۶۰۰، مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام احمد، امام بزار اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج۱ ص ۱۷۸۔۱۷۷، ج ۸ ص ۲۵۲، حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے، المستدرک، ج ۳ ص ۷۹۔۷۸، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۶۵، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۶۳) اس رسالہ میں ہمارا مقصود اس مسئلہ کی تحقیق کرنا ہے۔ امام رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الایام، یوم عرفہ ہے اور جب یہ جمعہ کے دن ہو تو یہ بغیر جمعہ کے ستر حج سے افضل ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۷۴، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگر بالفرض یہ واقع میں ضعیف ہو بھی تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے اور بعض جاہلوں کا یہ کہنا کہ یہ حدیث موضوع ہے، باطل اور مردود ہے (علامہ مناوی اور حافظ ابن قیم نے اس حدیث کو باطل کہا ہے) کیونکہ رزین بن معاویہ عبدری کبراء نے اس کو صحاح ستہ کی تجرید میں بیان کیا ہے، اس لیے یہ سند اگر صحیح نہیں ہے تو ضعیف سے کسی حال میں کم نہیں ہے اور اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن عبادات کا ثواب ستر یا سو گناہ بڑھ جاتا ہے۔

اور علامہ نووی نے اپنے مناسک میں بیان کیا ہے کہ جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کردی جاتی ہے، علامہ ابو طالب مکی نے اس حدیث کو قوت القلوب میں بیان کیا ہے۔ ابن جماعہ نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مند کر کے بیان کیا ہے، اور علامہ سیوطی نے اس کو ابن جماعہ سے نقل کر کے مقرر رکھا ہے اور یہ چیز قواعد میں سے ہے کہ جب کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں تو وہ قوی ہو جاتی ہے اور اس پر دلیل ہوتی ہے کہ اس حدیث کو اصل ہے۔ (الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص ۴۸۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

جمعہ کے دن مغفرت اور نیکیوں میں اضافہ کے متعلق احادیث: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فضائل جمعہ میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن کو ہم تخریج کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **والیوم الموعود وشاھد ومشھود** (البروج: ۳۔۲)

ترجمہ: وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم اور حاضر ہونے والے کی اور حاضر کیے ہوئے کی قسم۔

اس کی تفسیر اس حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم

موعود قیامت کا دن ہے، اور یوم مشہود یوم عرفہ ہے اور شاہد یوم الجمعہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج کسی ایسے دن پر طلوع ہوا، نہ غروب ہوا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ بندہ اس میں جس خیر کی بھی دعا کرے اللہ اس کو قبول فرماتا ہے اور جس چیز سے بھی پناہ طلب کرے اس کو اس سے پناہ میں رکھتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸، سنن کبریٰ ج ٤ ص ۱۷۰، شرح السنہ للبغوی ج ۷ ص ۲۲٦، کامل ابن عدی ج ۲ ص ٤۷٦، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹، المشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۳٦۲، شعب الایمان ج ۳ ص ۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰٦۵)۔

ملا علی قاری اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ تنہا جمعہ یوم عرفہ سے افضل ہے، پس ثابت ہوا کہ جمعہ سید الایام ہے جیسا کہ زبان زد خلائق ہے۔ (الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص ٤۸۳) میں کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بھی احادیث وارد ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کا دن سید الایام ہے، اس میں حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن وہ جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت صرف جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۵۰۷، شعب الایمان ج ۳ ص ۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۰ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان سید الشہور (مہینوں کا سردار) ہے اور جمعہ سید الایام ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۹ ص ٤۰۵، رقم الحدیث: ۹۰۰۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱٤۰، کنز العمال ج ۷ رقم الحدیث: ۲۱۰٦۷، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۵۰۸) اس کے بعد ملا علی قاری نے جمعہ کے دن مغفرت کے متعلق یہ احادیث ذکر کی ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جمعہ کے دن ہر مسلمان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ (المعجم الاوسط، ج ۵ ص ٤۱۲، رقم الحدیث: ٤۸۱٤، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳٤۰٤، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۵۳، اس کا ایک راوی محمد بن بحر الجہنی بہت ضعیف ہے)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن اور اس کی رات کے چوبیس گھنٹوں کی ہر ساعت میں چھ سو گنہ گار دوزخ کی آگ سے آزاد ہوتے ہیں، ان میں سے ہر گنہ گار پر دوزخ واجب ہوتی ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ٦ ص ۲۰۱-۲۰۲ رقم الحدیث: ۳٤۸٤، اس کی سند میں عبد الواحد بصری ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱٦۵، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۸۵۲، کنز العمال ج ۷ ص ۷۱۹، رقم الحدیث: ۲۱۰۸۰)

امام محمد بن سعد نے طبقات کبریٰ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یوم عرفہ کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کی وجہ سے فخر فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ میری رحمت کی طلب میں آئے ہیں، میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کے نیکوں کو بخش دیا اور ان کے نیکوں کو ان کے بروں کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دیا اور جمعہ کے دن بھی اسی طرح فرماتا ہے (مجھ کو طبقات یا کسی اور کتاب میں یہ حدیث نہیں ملی)۔

ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد ملا علی قاری فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جمعہ اور عرفہ کا اجتماع زیادہ مغفرت کا موجب ہے، اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے، وہ جاہل ہے اور منقول اور معقول پر مطلع نہیں ہے۔ اس کے بعد

ملا علی قاری جمعہ کے دن اجر میں زیادتی کے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن نیکیوں کو دگنا کر دیا جاتا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۸ ص ۴۲۰، رقم الحدیث: ۷۸۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ رقم الحدیث: ۵۵۱۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۵۷)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: بعض احادیث میں ستر گنا اضافہ کا بھی ذکر ہے اور امام احمد بن زنجویہ نے فضائل اعمال میں مسیب بن رافع سے روایت کیا ہے کہ اس کو باقی ایام کی بہ نسبت دس گنا زائد اجر دیا جائے گا، میں کہتا ہوں کہ یہ ستر گنا اضافہ بلکہ سو گنا اضافہ کو بھی شامل ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو شامل ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کا اجر ستر گنا زائد ہوتا ہے۔ (الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص ۴۸۴)

میں کہتا ہوں کہ جمعہ کے دن اجر و ثواب میں زیادتی کے متعلق یہ حدیث بہت واضح ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عیدوں میں جمعہ کی عید سے بڑھ کر کوئی عید نہیں ہے، جمعہ کے دن ایک رکعت نماز پڑھنا باقی دنوں میں ہزار رکعات سے افضل ہے اور جمعہ کے دن ایک تسبیح پڑھنا باقی دنوں میں ہزار تسبیحات پڑھنے سے افضل ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۳ ص ۳۸۲، رقم الحدیث: ۵۱۶۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ)

جس جمعہ کو یوم عرفہ ہو اس دن حج اکبر ہونے پر ایک حدیث سے استدلال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن حج کیا وہ جمعہ کا دن تھا۔ علامہ حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں: الیوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدۃ:۳) یہ آیت جمعہ کے دن یوم عرفہ کو عصر کے بعد حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں اپنی اونٹنی عضباء پر تشریف فرما تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی: الیوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدۃ:۳) اس یہودی نے کہا اگر ہم میں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت یہ عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے، جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵، ۴۴۰۷، ۴۶۰۶، ۷۲۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۱۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۰۲، ۵۰۲۷، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۱۱۳۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۵ ص ۱۱۸، صحیح ابن حبان، ج ۱ ص ۱۸۵)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن حج کیا اور جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اسی دن حج کرنا حج اکبر ہے۔ امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں: شہاب بن عباد العصری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: حضرت عمر نے فرمایا یوم عرفہ حج اکبر ہے میں نے اس بات کا سعید بن مسیب سے ذکر کیا، انہوں نے کہا مجھ سے عون بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن سیرین سے حج اکبر کے متعلق سوال کیا تھا، انہوں نے کہا جس دن حج اس دن کے موافق ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہل ملل نے حج کیا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۰، رقم الحدیث: ۱۵۱۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)۔ اور اس حدیث سے محدث رزین کی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس حج کا ثواب ستر حج سے افضل ہے۔

جمعہ کے حج کے متعلق مفسرین کے اقوال کا بیان

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حج اکبر کے متعلق ایک یہ قول ذکر کیا ہے: ابن عون بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے حج اکبر کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا جو حج اس دن کے موافق ہو جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام دیہاتیوں نے حج کیا تھا۔ (وہ حج اکبر ہے)۔ (جامع البیان، جز ۱۰، ص ۹۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۰ھ)

امام ابن شیبہ کی روایت میں اہل ملل کے الفاظ ہیں اور امام ابن جریر کی روایت میں اہل وبر (دیہاتیوں) کے الفاظ ہیں اور امام ابن جریر کی روایت ہی صحیح ہے کیونکہ تمام اہل ملل نے سال حج کیا تھا جس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا اور جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا اس سال صرف مسلمانوں نے حج کیا تھا جن میں اہل وبر بھی تھے۔ بہرحال اس روایت کا ذکر حسب ذیل علماء نے کیا ہے: امام بغوی شافعی، متوفی ۵۱۶ھ۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۶، مطبوعہ بیروت)

علامہ قرطبی مالکی، متوفی ۶۶۸ھ (الجامع الاحکام القرآن جز ۸، ص ۱۱) علامہ ابوالحیان اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ۔ (البحر المحیط ج ۵ ص ۳۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت) حافظ ابن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۳، مطبوعہ ارلاندلس بیروت) حافظ جلال الدین شافعی، متوفی ۹۱۱ھ۔ (الدر المنثور ج ٤ ص ۱۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت) نواب صدیق حسن خان بھوپالی (غیر مقلد)، متوفی ۱۳۰۴ھ۔ (فتح البیان ج ۵ ص ۲۳۳، مطبوعہ المکتبہ العصریہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں: جو حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موافق ہو اس کو حج اکبر کہا گیا ہے اور یہ دن جمعہ کا دن تھا۔ (لباب التاویل ج ۲ ص ۲۱۷، مطبوعہ مکتبہ دار الکتب العربیہ پشاور)۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں: حدیث میں وارد ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کا اجر ستر حج کے برابر ہے اور یہی حج اکبر ہے۔ (روح البیان، ج ۳ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)۔ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: اور ایک قول یہ ہے کہ اس حج کو حج اکبر اس لیے کہا گیا کہ اس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا تھا اور چونکہ یہ جمعہ کو واقع ہوا تھا اس لیے مسلمان اس حج کو جو روز جمعہ ہو حج وداع کا مذکر (یاد دلانے والا) جان کر حج اکبر کہتے ہیں۔

(خزائن العرفان ص ۳۰۱، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں: اس سے اشارتاً معلوم ہوا کہ اگر حج جمعہ کا ہو تو حج اکبر ہے کیونکہ جمعہ کے ایک حج کا ثواب ستر حج کے برابر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع جمعہ ہی کو ہوا تھا۔

(نور العرفان ص ۲۹۷، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

جمعہ کے حج کے متعلق فقہاء کے اقوال کا بیان

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام ایام میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں ذکر کیا ہے اور علامہ نووی نے اپنے مناسک میں ذکر کیا ہے۔ جب یوم عرفہ یوم

جمعہ کو ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

(تبیین الحقائق ج ۲ ص ۲۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ایضاً حاشیۃ الشلبی ج ۲ ص ۲۶، مطبوعہ ملتان)

علامہ زین الدین بن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی نسبت ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن کے حج کی باقی دنوں پر فضیلت ہے؟ انہوں نے کہا جمعہ کے حج کو باقی دنوں کے حج پر پانچ وجہ سے فضیلت ہے: پہلی اور دوسری وجہ تو مذکور الصدر حدیثوں سے واضح ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح جگہ کی فضیلت سے بھی عمل کی فضیلت ہوتی ہے اور جمعہ کے دن ہفتہ کے باقی دنوں سے افضل ہے (بلکہ سید الایام ہے) پس واجب ہوا کہ جمعہ کے دن کا عمل باقی دنوں کے عمل سے افضل ہو، اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے جس میں مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے جو سوال بھی کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرماتا ہے اور یہ فضیلت باقی دنوں میں نہیں ہے اور پانچویں فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے موافقت ہے کیونکہ حجۃ الوداع جمعہ کے دن تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے افضل عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ بعض طلبہ نے میرے والد سے سوال کیا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمام اہل موقف کی مغفرت فرما دیتا ہے، پھر اس میں جمعہ کے دن کی کیا خصوصیت ہے جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں ہے تو میرے والد نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ بلاواسطہ مغفرت فرمائے اور باقی ایام کے حج میں بعض لوگوں کے واسطہ سے مغفرت فرمائے۔ شیخ نور الدین الزیاری الشافعی کے حاشیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

(منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ج ۲ ص ۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے، اس حدیث کو معراج الدرایہ نے اپنے اس قول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح مروی ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ ستر حج سے افضل ہے۔ یہ حدیث تجرید الصحاح میں علامتہ الموطا کے ساتھ مذکور ہے (الموطا کے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اگر اس حدیث کی کوئی اصل ہے تو ہو سکتا ہے ستر سے مراد ستر درجے ہوں یا مبالغہ مراد ہو اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۱)...... (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص ۴۴۰، مطبوعہ مصر، ۱۳۰۶ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو ستر حج کا ثواب ہے اور (میدان عرفات میں) ہر فرد کے لیے بلاواسطہ مغفرت کر دی جاتی ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس کے حاشیہ پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: الشرنبلالیہ نے زیلعی سے نقل کیا ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس دن حج کرنا باقی دنوں کے ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں روایت کیا ہے۔

علامہ مناوی نے بعض حفاظ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۱۷۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ) البتہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل عرفہ کی مغفرت کردی جاتی ہے اور یہ دن دُنیا کے تمام دنوں سے افضل ہے، اسی دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا جو حجۃ الوداع تھا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقوف فرمارہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: الیوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدۃ: ۳) اہل کتاب نے کہا اگر ہم میں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے: یوم عرفہ اور یوم جمعہ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں وقوف فرمارہے تھے۔ (علامہ شامی نے معراج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۷۸)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں: علامہ سندی نے المنسک الکبیر میں لکھا ہے کہ تمام اہل موقف کی مطلقاً مغفرت کردی جاتی ہے پھر جمعہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جمعہ کے دن بلاواسطہ مغفرت کی جاتی ہے اور باقی ایام میں بعض لوگوں کی بعض کے واسطے سے مغفرت کی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے دنوں میں صرف حجاج کی مغفرت کی جاتی ہے اور جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو حجاج اور غیر حجاج سب کی مغفرت کی جاتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ میدان عرفات میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوتا تو سب کی مغفرت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مغفرت تو ہو جائے گی لیکن ان کو حج مبرور کا ثواب نہیں ملے گا اور مغفرت حج کے مقبول ہونے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ ان احادیث میں تمام اہل موقف کی مغفرت کا ذکر ہے، اس لیے اس قید کا اعتبار کرنا واجب ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس دن حج کرنا دوسرے ایام کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۰۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۵ھ)۔

امام محمد بن محمد غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں: بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جب جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو تو تمام میدان عرفات والوں کی مغفرت کردی جاتی ہے اور یہ دن دُنیا کے تمام دنوں سے افضل ہے اور اسی دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا تھا۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۳۲۰، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اس کی شرح میں علامہ سید محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: رزین بن معاویہ العبدری نے تجرید الصحاح میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جس دن عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث پر موطا کی علامت ہے لیکن یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ کی موطا میں نہیں ہے، شاید یہ کسی اور موطا میں ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں: اور بے شک یہ کہا گیا ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل موقف (میدان عرفات کے تمام لوگوں) کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

(شرح المہذب ج ۸ ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ ص ۲۸۶، مطبوعہ المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

مناسک نووی کی یہی وہ عبارت ہے جس کا اکثر علماء نے حوالہ دیا ہے اور اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔ علامہ عبدالفتاح مکی مناسک الحج والعمرۃ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے، اگر اس میں وقف جمعہ کے دن ہو تو وہ دوسرے دنوں کی بہ نسبت ستر دنوں سے افضل ہے۔

(الافصاح علی مسائل الایضاح ص ۲۸۷، مطبوعہ المکتبہ الامدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابن حجر الہیتمی المکی الافعی المتوفی ۹۷٤ھ لکھتے ہیں: جمعہ کے دن کے فضائل میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے، اگر وقوف عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ غیر جمعہ کے ستر حج سے افضل ہے۔

(حاشیہ ابن حجر الہیتمی علی شرح الایضاح فی مناسک الحج للامام النووی ص ۳۲۸، مطبوعہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ، ۱۴۱۹ھ)

حج اکبر سے متعلق بعض جدت پسند لوگوں کی آراء

عام طور پر مشہور ہے کہ جس حج کا "یوم عرفہ" جمعہ کے دن پڑے، وہ حج "حج اکبر" کہلاتا ہے۔ اور اس ایک "حج اکبر" کا ثواب ستر عام حج سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حج میں شرکت کے بہت بڑی سعادت وخوش نصیبی تصور کیا جاتا ہے۔ ماہ ذوالحجہ کے ہلال کی رویت کے اعلان کے مطابق اگر یوم عرفہ بروز جمعہ پڑتا ہے تو سعودی عرب میں مقیم تارکین وطن کی اکثریت اس میں شرکت کے لیے کوشاں و بے قرار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیرون ملک سے تشریف لانے والے حجاج کی تعداد میں بھی خاصہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

وہ روایت جس میں "حج اکبر" کی مزعومہ فضیلت کا ذکر ہے، ان شاء اللہ آگے پیش کی جائے گی۔ فی الحال اس بات کی تعین کرنا مقصود ہے کہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حج اکبر کس چیز کو کہا گیا ہے؟ کس حج کا اجر مقام افضل وارفع بتایا گیا ہے؟ نیز وہ حج جس کا "یوم عرفہ" ہفتہ کے عام دنوں میں پڑے اور وہ حج جس کا "یوم عرفہ" جمعہ کے دن پڑے۔ ان کے فضائل میں کیا اور کس درجہ فرق ہے؟

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ہر مشہور مجموعہ (مثلاً صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ، صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ، جامع ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، سنن ابوداود رحمۃ اللہ علیہ، اور مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) میں "حج اکبر" کا ذکر موجود ہے۔ لیکن جہاں جہاں بھی اس کا ذکر وارد ہوا ہے، وہاں اس سے مراد "یوم نحر" ہے نہ کہ وہ جو عام طور پر مشہور اور زیر مطالعہ مضمون میں ہمارا ہدف تنقید ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں صریح طور پر مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم الحج الأکبر یوم النحر یعنی: حج اکبر کا دن یوم نحر ہے:

اب یہ سوال درپیش ہے کہ حدیث میں کس حج کا اجر و مقام افضل وارفع بتایا گیا ہے تو اس سلسلے میں اکثر کتب احادیث ہماری جس طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ "حج مبرور" کا اجر اور مقام و مرتبہ سب سے افضل و برتر ہے۔ مشہور شارحین حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ، کی شرح میں بیان کرتے ہیں:

"ابن خالویہ کا قول ہے کہ "حج مبرور" سے مراد "حج مقبول" ہے۔ یعنی وہ حج جس میں اثم کی قبیل سے کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رائے کو ترجیح دی ہے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کے ہم معنی اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ وہ حج جس کے تمام احکام موقع ومحل کے اعتبار سے بروقت اور احسن واکمل طریقہ پر ادا کئے جائیں، وہی حج مبرور ہے۔

"حج مبرور" کے متعلق صحیح احادیث میں مروی ہے:

"الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة"

یعنی حج مبرور کا اجر جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے" اس حدیث کی تخریج امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (3) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (4) اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (5) نے اپنی اپنی صحیح میں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع (6) میں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، (7) اور دارمی رحمۃ اللہ علیہ، (8) نے اپنی اپنی سنن میں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا (19) میں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (10) اور طیالسی (11) نے اپنی اپنی مسند میں، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجم (12) میں، عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے الضعفاء الکبیر (13) میں، ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے الحلیۃ الاولیاء (14) بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ (15) میں اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (16) میں کی ہے۔ خطیب طبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ المصابیح (17) میں، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الخفاء (18) میں اس کو وارد کیا ہے۔

بعض دوسری روایات میں "حج مبرور" کو افضل الاعمال میں ایمان باللہ ورسولہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے بعد تیسرا درجہ دیا گیا ہے۔ (21) پس معلوم ہوا کہ وہ "حج مبرور" ومقبول جس کا اجر سراپا جنت ہو اور ایمان وجہاد کے بعد جسے افضل الاعمال قرار دیا گیا ہو۔ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا حج کیوں کر ممکن ہے۔ اب اس سلسلہ کا تیسرا اور آخری معاملہ پیش نظر ہے یعنی وہ حج جس کا یوم عرفہ ہفتہ کے عام دنوں میں پڑے اور وہ حج جس کا یوم عرفہ جمعہ کے دن پڑے، ان کے فضائل وخصائص میں کیا اور کس درجہ فرق ہے؟ اس فرق کو جاننے کے لئے پہلے یوم جمعہ کی فضیلت کا جاننا ضروری ہے۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ ہفتہ کے تمام دنوں میں جمعہ کا دن نہایت افضل اور خیر وبرکت والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اکثر کتب احادیث میں وارد ہے:

"افضل الايام عند الله يوم الجمعة"

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے" اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایات کیا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الصغیر" میں اور علامہ اسماعیل عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الخفاء" (22) میں اس کو وارد کیا ہے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ "فیض القدیر" میں فرماتے ہیں کہ "یہ حسن الاسناد ہے" یوم الجمعہ کی فضیلت میں وارد ہونے والی بعض دوسری احادیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

أفضل الأيام عند الله يوم الجمعة (24)

سيد الأيام عند الله يوم الجمعة (25)

وان من افضل ایامکم یو الجمعة (26)

خیر یوم طلعت فیه الشمس یوم عرفة وافق یوم الجمعة (27)

ماتطلع الشمس بیوم ولا تغرب بأفضل واعظم من یوم الجمعة (28) اور

"الیوم الموعود یوم القیامة والمشهود یوم عرفة والشاهد یوم الجمعة" وما طلعت الشمس ولا غربت یوم افضل منه فیه ساعة" وغیرہ

مندرجہ بالا احادیث سے یوم الجمعۃ کی فضیلت تو ثابت ہوگئی لیکن اب یہ طے کرنا ہے کہ یوم الجمعہ اور یوم عرفہ میں کون سا دن زیادہ افضل ہے۔ بعض لوگ یوم الجمعہ کی فضیلت میں وارد ہونے والی مذکورہ بالا احادیث کو دلیل بناتے ہوئے یوم عرفہ پر یوم الجمعہ کو فوقیت دیتے ہیں لیکن حافظ ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم رحمۃ اللہ علیہ الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ (م 752ھ) نے اس سلسلہ میں نہایت عمدہ بات فرمائی ہے:

"سچ بات یہ ہے کہ یوم الجمعہ ہفتہ کے تمام دنوں میں افضل ہے اور یوم عرفہ ویوم النحر سال کے ایام میں افضل ہیں" (29)

پس اگر سال کا سب سے افضل دن (یوم عرفہ) اور ہفتہ کا سب سے افضل دن (یوم الجمعہ) ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ وہ یوم عرفہ ہر دو افضل ایام کے فضائل باہم اکٹھا ہو جانے کے باعث دوسرے غیر جمعہ والے یوم عرفہ کی نسبت بدرجہا افضل و بابرکت ہو جاتا ہے۔

ابن القیم نے یوم الجمعہ کے یوم عرفہ ہونے سے جو اضافی فضائل ومزایا ایک ہی دن میں جمع ہو جاتے ہیں، اس کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"1۔ دو افضل دنوں کا باہم اجتماع

2۔ یوم الجمعہ وہ دن ہے جس میں محقق طور پر مقبولیت واجابت کی ایک گھڑی (30) ضرور ہوتی ہے، اور اکثر اقوال کے مطابق مقبولیت کی وہ مبارک ساعت عصر اور مغرب کے درمیان (31) ہوتی ہے۔ دعاء کی مقبولیت کے اس وقفہ کے دوران اہل موقف (حجاج) چونکہ وادی عرفہ میں مصروف دعاء وتضرع ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لئے اس گھڑی کو پانا عین ممکن ہوتا ہے۔

3۔ اس دن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف عرفہ کے دن کے ساتھ موافقت ومماثلت ہونا۔

4۔ یوم الجمعہ کو تمام کرہ ارض پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق مساجد میں خطبہ اور نماز جمعہ کے لیے جمع ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے ضیوف الرحمان وادی عرفہ میں یوم عرفہ کو جمع ہوتے ہیں۔ یوم عرفہ، جمعہ کے دن ہونے سے مساجد اور موقف عرفہ میں مسلمانان عالم کا ایک ہی دن اور ایک ہی ساتھ دعاء وتضرع میں مشغول ہونا جس طرح وجود میں آتا ہے، اس اجتماعیت کی مثال اس دن کے علاوہ اور کبھی نظر نہیں آتی۔

5۔ یوم جمعہ تمام مسلمانوں کے عید اور خوشی کا دن ہوتا ہے اسی طرح یوم عرفہ اہل عرفہ کے لئے عید کا دن ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرفہ کے لیے یوم عرفہ کو روزہ رکھنا مکروہ بتایا گیا ہے۔

"یوم عرفہ اہل عرفہ کے لئے عید کا دن ہے پس ان کے لئے اس دن کا روزہ رکھنا غیر مستحب ہے۔اس کی دلیل سنن میں وارد وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

یوم عرفة ویوم النحر وأیام التشریق عیدنا أهل الاسلام وهی أیام أكل وشرب(32)

"یعنی" بے شک یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق ہم اہل اسلام (حجاج) کی عید اور کھانے پینے کے دن ہیں"

بہر حال یہ تو بیشتر احادیث صحیحہ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفہ کو حالت صوم سے نہ تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے شکوک دور کرنے کے لئے دودھ کو طلب فرمایا اور اونٹ کے اوپر اسے نوش فرمایا تھا(33) مقصود یہ کہ اگر یوم الجمعہ اور یوم عرفہ دونوں ایک ہی دن جمع ہوں تو اس سے دو عیدیں باہم جمع ہو جاتی ہیں۔

6۔یوم الجمعہ اور یوم عرفہ کا باہم اجتماع اس تاریخی دن سے موافقت رکھتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے اپنے دین کو مکمل فرمایا اور ان پر اپنی نعمتوں کا اتمام فرمایا تھا۔چنانچہ صحیح بخاری میں طارق بن شہاب کی حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی شخص کو آیت:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ... ۳﴾...المائدة

کے شان نزول سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ آیت یوم عرفہ کو جمعہ کے دن نازل ہوئی تھی۔(35)

7۔جمعہ کا دن یوم الجمع الاکبر اور موقف الاعظم یعنی روز قیامت سے بھی موافقت رکھتا ہے۔کیونکہ قیامت بروز جمعہ برپا ہوگی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔(36) اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جمعہ کے دن مبدا ومعاد اور جنت وجہنم کا ذکر کرنا مشروع فرمایا ہے، پس یہ دن اس امت کے لئے اس یوم الجمعہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب یوم الجمع الاکبر اور موقف اعظم ہوگا۔اسی طرح دنیا کے اس عظیم موقف یعنی عرفہ سے بھی اللہ تعالیٰ کے اس موقف اعظم کی تذکیر ویاددہانی ہوتی ہے۔اگر دونوں تذکیر ویاددھانی کے دن ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو روز قیامت کی یاد دوگنا بڑھ جاتی ہے۔

8۔جمعہ کے دن تمام مسلمان اطاعت الٰہی اور اس کی رضاجوئی میں مصروف رہتے ہیں حتیٰ کہ اکثر فاسق وفاجر بھی یوم الجمعہ کی عظمت وشرف کا احترام کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بھی اس دن کو تمام دنوں میں مبارک وبافضیلت منتخب فرمایا ہے چنانچہ اگر یہ وقوف عرفہ کے دن سے موافقت کرے تو اس کی شان اور اس کے فضائل کو بلاشبہ بڑھا دیتا ہے۔

9۔یہ دن جنت کے "یوم مزید" سے بھی موافقت رکھتا ہے جب کہ تمام جنتی وادی فسیح میں جمع ہو کر اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کا بچشم خود نظارہ کریں گے۔پس اگر جمعہ کا دن یوم عرفہ سے موافقت کرے تو یہ اس کے لئے مزید اختصاص اور فضل کی بات ہے۔

10۔عرفہ کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اہل موقف کی مغفرت پر فرشتوں کو گواہ بنا کر فرماتا ہے:

ما اراد هؤلاء؟ أشهدكم أني قد غفرت لهم

اگر اس عرفہ کے دن جمعہ بھی جمع ہو جائے تو اہل عرفہ کو دو طرح کا قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے: اول: قبولیت کی گھڑی میں

تقرب اجابت، دوم: اہل عرفہ کے لئے خصوصی قربت (37)

اس بحث کے اختتام پر علامہ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: "ان تمام وجوہ کی بناء پر میں یوم عرفہ کو دوسرے دنوں کی بہ نسبت یوم الجمعہ کے ساتھ جمع ہونے کو افضل قرار دیتا ہوں" (38)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "فتح الباری" میں یوم الجمعہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد ان تمام احادیث سے یوم عرفہ کو یوم الجمعہ ہونے کے باعث اضافی فضائل، امتیاز اور مزایا کا اثبات ان الفاظ میں فرمایا ہے:

"وعلي كل منهما فثبتت المزية بذلك والله اعلم "(39)

اب وہ حدیث پیش خدمت ہے جسے مزعومہ "حج اکبر" کی فضیلت کے طور پر عموماً بیان کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس حدیث پر کبار علماء و محدثین کی نقد و جرح بھی حاضر ہے تاکہ اس کا مقام و مرتبہ بیک نظر معلوم ہو جائے۔ حدیث اس طرح ہے:

أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة في غير جمعة

"دنوں میں سب سے افضل عرفہ کا دن ہے، اگر (یوم عرفہ) یوم الجمعہ کی موافقت کرے تو وہ جمعہ کے علاوہ پڑے ہوئے ستر حج سے (زیادہ) افضل ہے۔"

علامہ حافظ جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف (الزیلعی الحنفی) (م762ھ) فرماتے ہیں:

"اس حدیث کو رزین بن معاویہ نے "تجرید الصحاح" میں روایت کیا ہے" (40)

لیکن حق یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک زیر بحث حدیث قطعی طور پر "باطل" اور "بے بنیاد" ہے چنانچہ محدث شہیر علامہ عبدالرحمان مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (م1353ھ) "حج اکبر" کے اس غلط تصور پر متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"عوام میں یہ بات شہرت پا گئی ہے کہ اگر یوم عرفہ بروز جمعہ پڑے تو وہ حج، حج اکبر" ہوتا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ رزین نے طلحہ بن عبید اللہ بن کرز (کریز) سے مرسلاً اس کی روایت کی ہے:

أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة في غير جمعة

ایسا "جمع الفوائد" میں درج ہے۔

یہ حدیث مرسل ہے، لیکن میں اس کی اسناد سے واقف نہیں ہوں" (41)

علامہ حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م852ھ) نے اس روایت کو تھوڑے مختلف الفاظ کے ساتھ اس طرح نقل فرمایا ہے:

خير يوم طلعت فيه الشمس يوم عرفة وافق يوم الجمعة وهو أفضل من سبعين حجة في غيرها (42)

اس روایت کے متعلق وہ فرماتے ہیں: رزین نے اسے اپنی "جامع" میں مرفوعاً ذکر کیا ہے" پھر آگے چل کر اس حدیث کے احوال سے اپنی لاعلمی کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

لا أعرف حاله لأنه لم يذكر صحابيه ولا من خرّجه بل أدرجه في حديث الموطأ هذا. وليست هذه الزيادة في شيء من الموطآت.(43)

علامہ ابوالحسنات عبدالحئی بن عبدالحلیم حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1304ھ) علامہ شیخ نورالدین علی بن محمد بن سلطان الحنفی المعروف بالملاعلی القاری رحمۃ اللہ علیہ (م 1014ھ) سے نقل فرماتے ہیں کہ:

" آں رحمۃ اللہ نے حدیث: أفضل الأيام يوم عرفة ......الخ (رواہ رزین) کے متعلق بیان کیا کہ بعض محدثین نے اس حدیث کی اسناد کے ضعیف ہونے کو جوذکر کیا ہے تو اس تضعیف سے علی تقدیر صحت مقصود پر کوئی زدنہیں پڑتی، کیونکہ ضعیف حدیث بھی فضائل اعمال میں معتبر ہوتی ہے" (44)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی رائے سے اپنا اتفاق ظاہر کیا ہے۔اگرچہ ان حضرات کا "علی تقدیر صحت" لکھنا اور ضعیف احادیث کا فضائل اعمال میں معتبر بنانا قابل گرفت امور ہیں لیکن پھر بھی اس عبارت سے کم از کم یہ ثابت تو ہوتا ہے کہ" محدثین نے اس اس حدیث کی اسناد کے ضعیف ہونے کا ذکر کیا ہے"

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ الجوزیہ نے یوم عرفہ کا دوسرے ایام کی بہ نسبت جمعہ کو ہونا دس وجوہ کی بناپر افضل قرار دیا ہے۔لیکن ان تمام مزایا وفضائل بیان کرنے کے بعد آں رحمۃ اللہ انتہائی فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں:

" اور جہاں تک عوام میں مشہور اس بات سے مستفاض ہوتا ہے کہ یہ یوم عرفہ (بروز جمعہ) بہتر (72) حج کے مساوی ہے تو یہ (قطعاً) باطل ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔اور نہ ہی صحابہ وتابعین میں سے کسی سے (اس کی کوئی اصل ہے) واللہ اعلم (45)

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کہ" اس کو رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں روایت کیا ہے" پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" معلوم ہونا چاہیے کہ رزین کی اس کتاب میں اصول ستہ یعنی صحیحین موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سنن ابوداود رحمۃ اللہ علیہ، سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ، اور جامع الترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب" جامع الاصول من احادیث الرسول" کے انداز پر احادیث منتخب کر کے جمع کی گئی ہیں مگر ان دونوں کتابوں میں فرق یہ ہے کہ رزی کی کتاب" التجرید" میں ایسی احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں جن کی ان اصول ستہ میں سے کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی حدیث کی دوسری کسی معروف کتب میں سے، بلکہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے تو" زادالمعاد" میں اس کے بطلان کی صراحت بھی فرمائی ہے (پھر علامہ موصوف کا مذکورہ بالا قول نقل فرمایا ہے) علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی" فیض القدیر" میں ان کی توقیر فرمائی ہے" (47)

پس ثابت ہوا کہ" حج اکبر" کا جو مفہوم عام طور پر شہرت پایا گیا ہے وہ احادیث صحیحہ ثابتہ کے قطعی خلاف ہے نیز اس کی فضیلت میں بیان کی جانے والی روایت کے ضعیف، بے بنیاد، غیر اصل بلکہ" باطل" ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔واللہ اعلم بالصواب

1۔صحیح بخاری مع فتح الباری ج6 ص279,صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 435,سن ابو داود مع عون المعبود ج2 ص139,جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج2 ص122۔وغیرہ2۔فتح الباری لابن حجر ج3 س382,تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج2 ص78,تعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی وغیرہ۔3۔صحیح بخاری مع فتح البخاری ج3 ص597۔4۔صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 437۔5۔صحیح ابن حبان حدیث 967۔6۔جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج2 ص78۔7۔سنن نسائی مع تعلیقات السلفیہ ج2ص 1,2۔8۔سنن الدارمی کتاب الاطعمہ باب۔7۔9۔موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحج حدیث 65۔10۔مسند احمد ج1 ص378,ج2 ص 246,258,وغیرہ۔11۔مسند الطیالسی حدیث 1423,2425۔12۔معجم الطبرانی ج3 ص76۔13۔ضعفاء الکبیر العقیلی ج1ص141,وج4ص411۔14۔الحلیۃ الاولیاء لابو نعم ج4ص110۔15۔شرح السنۃ للبغوی ج2 ص112۔16۔تفسیر الطبری ج4,3956۔17۔مشکوٰۃ المصابیح مع تنقیح الرواۃ ج2 ص110۔18۔کشف الخفاء للعجلونی ج1 ص420۔19۔ارواء الغلیل للالبانی حدیث 769۔20۔سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ج3 ص197۔21۔صحیح بخاری مع فتح الباری ج3 ص381۔22۔کشف الخفاء للعجلونی ج1 ص177۔23۔صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ للبانی ج1ص247,وسلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی ج4ص4۔24۔معجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیشیمی ج2ص165وج8ص198وقال:ولکن اسنادھا ضعیفان۔25۔معجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد للہیشیمی ج2 ص164 وقال؛وفیہ ابراہیم بن یزید الجوذی وھو ضعیف۔26۔سنن ابو داود مع عون المعبود ج1 ص405۔27۔فتح الباری ج8ص 271۔صحیح مسلم کتاب الجمعہ حدیث 18,17,سنن ابوداود مع عون المعبود ج1ص 404,جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج1ص 355,354,سنن نسائی مع تعلیقات سلفیہ ج1س162,168,سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب 64, مسند احمد ج2ص272,ج4ص8 مسند الطیالسی حدیث 233۔وغیرہ۔28۔مسنداحمد ج2 ص457 باسناد صحیح علی شرط مسلم,صحیح بمسلم ج3 ص6,مستدرک علی الصحیحین للحاکم ج2ص544 وقال:صحیح علی شرط مسلم وقد اخرجاہ,مجمع الزوائد للہیشیمی ج2ص64 اوقال رجالہ رجال الصحیح۔29۔زاد لمعاد لابن قیم ج1ص 20۔30۔صحیح البخاری مع فتح الباری ج2 ص415,ج9 ص436, ج11 ص199,صحیح مسلم کتاب الجمعہ حدیث 14,3,سنن ابو داود مع عون المعبود ج1 ص405۔وغیرہ۔31۔مسند احمد ج5ص453,جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج1ص 354,355,سن ابوداود مع عون المعبود ج1 ص406 فتح الباری ج2 ص 416۔وغیرہ32۔سنن نسائی مع تعلیقات السلفیہ ج2 ص3833۔صحیح بخاری مع فتح الباری ج3 ص510,512,ج4 ص236۔صحیح مسلم کتاب الصیام حدیث 110,112,سنن ابوداود عون المعبود ج2ص 301 وغیرہ۔34۔سورۃ المائدہ۔آیت۔3۔35۔صحیح بخاری مع فتح الباری ج8ص 270,ج13ص245۔36۔صحیح مسلم کتاب الجمعہ حدیث 18,سنن ابوداود مع عون المعبود ج1 ص04,جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج1 ص354,سنن نسائی مع تعلیقات السلفیہ ج1 ص168وغیرہ37۔زاد المعاد فی ھدی خیر العباد لابن القیم ج1 ص20,23(مختصرا)۔38۔زاد المعاد لابن قیم ج1 ص23۔39۔فتح الباری لابن حجر ج8 ص271۔40۔حاشیہ ابن عابدین ج2ص348۔41۔تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی للمبارکفوری ج2 ص122۔42۔فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر ج8 ص271۔43۔ایضاً44۔الا جوبتہ الفاضلہ للشیخ عبدالحئی الکھنوی ص37وکذافی مقدمۃ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ ج1 ص54۔45۔زاد المعاد فی ھدی خیر العباد لابن قیم ج1 ص23۔46۔فیض القدیر ج2ص28۔47۔سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ ج1 ص245۔

حج اکبر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔پس بعض نے کہا ہے:اس سے مراد یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ کا دن) ہے یہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، حضرت طاؤس اور حضرت مجاہد سے مروی ہے۔اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا موقف ہے اور اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔اور حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن ابی اوفی اور حضرت بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حج اکبر یوم نحر (دسویں ذی الحجہ کا دن) ہے۔اور اسے ہی علامہ طبری

نے پسند فرمایا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورۂ توبہ ۳۶، بیروت)

بَابُ الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ

باب: حرمت والے مہینے

1947 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ فِي حَجَّتِهِ، فَقَالَ: إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقِعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''بے شک زمانہ اس دن سے مسلسل ایک ہی طرح سے گزر رہا ہے' جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا تھا۔ سال 12 مہینوں کا ہوتا ہے جن میں سے 4 حرمت کے مہینے ہیں۔ ان میں سے تین مہینے آگے پیچھے آتے ہیں ذیقعد، ذوالحج اور محرم اور (چوتھا مہینہ) مضر کے رجب کا مہینہ ہے' جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے''۔

حرمت والے مہینوں کی وجہ تسمیہ

شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب المشہور فی اسماء الایام والمشہور میں لکھا ہے۔

محرم کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس نام کی وجہ سے اس کی حرمت کی تاکید ہے اس لئے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے کبھی حلال کر ڈالتے کبھی حرام کر ڈالتے۔ اس کی جمع محرمات حارم محاریم۔

صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے۔ جب مکان خالی ہو جائے تو عرب کہتے ہیں صفر المکان اس کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔

ربیع الاول کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کی اقامت ہو جاتی ہے ارتباع کہتے ہیں اقامت کو اس کی جمع اربعاء ہے جیسے نصیب کی جمع انصباء اور جمع اس کی اربعہ ہے جیسے رغیف کی جمع ارغفہ ہے۔

ربیع الآخر کے مہینے کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔ گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔ جمادی الاولیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں پانی جم جاتا تھا ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا لیکن یہ بات کچھ جچتی نہیں اسلئے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالت ہر ماہ میں ہر سال یکساں نہیں رہے گی ہاں یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کا نام جس سال رکھا گیا ہو اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہو گیا ہو۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادی کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے اس کی جمع جمادیات ہے۔ جیسے

جباری جباریات۔ یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔

جمادی الاول اور جمادی الاخر بھی کہا جاتا ہے۔ جمادی الاخری کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے گویا یہ پانی کے جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے۔

رجب یہ ماخوذ ہے ترجیب سے، ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو چونکہ یہ مہینہ عظمت وعزت والا ہے اس لئے اسے رجب کہتے ہیں اس کی جمع ارجاب رجاب اور رجبات ہے۔

شعبان کا نام شعبان اس لئے ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جاتے تھے۔ شعب کے معنی ہیں جدا جدا ہونا پس اس مہینے کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا اس کی جمع شعابین شعبانات آتی ہے۔

رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں رمضت الفصال اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں اس کی جمع رمضانات اور رماضین اور رامضہ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہ محض غلط اور ناقابل التفات قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔

شوال ماخوذ ہے شالت الابل سے یہ مہینہ اونٹوں کے مستیوں کا مہینہ تھا یہ دم میں اٹھا دیا کرتے تھے اس لئے اس مہینہ کا یہی نام ہو گیا اس کی جمع شواویل شواول شوالات آتی ہے۔

ذوالقعدہ یا ذوالقعدہ کا نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے نہ لڑائی کے لئے نکلتے نہ کسی اور سفر کے لئے۔ اس کی جمع ذوات القعدہ ہے۔

ذوالحجہ کو ذوالحجہ بھی کہہ سکتے ہیں چونکہ اسی ماہ میں حج ہوتا تھا اس لئے اس کا یہ نام مقرر ہو گیا ہے۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔ یہ تو ان مہینوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ تھی۔ اب ہفتے کے سات دنوں کے نام اور ان ناموں کی جمع سنئے۔

اتوار کے دن کو یوم الاحد کہتے ہیں اس کی جمع احاد اوحاد اور وحود آتی ہے۔ پیر کے دن کو اثنین کہتے ہیں اس کی جمع اثانین آتی ہے۔ منگل کو ثلاثا کہتے ہیں یہ مذکر بھی بولا جاتا ہے اور مونث بھی اس کی جمع ثلاثات اور اثالث آتی ہے۔

بدھ کے دن کو اربعاء کہتے ہیں جمع اربعاوات اور ارابیع آتی ہے۔ جمعرات کو خمیس کہتے ہیں جمع اخمسہ اخامس آتی ہے۔ جمعہ کو جمعہ اور جمعہ اور جمعہ کہتے ہیں اس کی جمع جمع اور جماعات آتی ہے۔ سنیچر یعنی ہفتے کے دن کو سبت کہتے ہیں سبت کے معنی ہیں قطع کے چونکہ ہفتے کی دنوں کی گنتی یہیں پر ختم ہو جاتی ہے اس لئے اسے سبت کہتے ہیں۔

قدیم عربوں میں ہفتے کے دن کے نام یہ تھے اول، رھون، جبار، دبار، مونت، عروبہ، شبار۔ قدیم خالص عربوں کے اشعار کے عربوں میں دنوں کے نام پائے جاتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان بارہ ماہ میں چار حرمت والے ہیں۔ جاہلیت کے عرب بھی انہیں حرمت والے مانتے تھے لیکن بسل نامی ایک گروہ اپنے تشدد کی بنا پر آٹھ مہینوں کو حرمت والا خیال کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں رجب کو قبیلہ مضر کی طرف اضافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس مہینے کو وہ رجب مہینہ شمار کرتے تھے دراصل

وہی رجب کا مہینہ عند اللہ بھی تھا۔ جو جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک رجب شعبان اور شوال کے درمیان کے مہینے کا یعنی رمضان کا نام تھا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول دیا کہ حرمت والا رجب مضر کا ہے نہ کہ ربیعہ کا۔ ان چار ذی حرمت مہینوں میں سے تین پے در پے اس مصلحت سے ہیں کہ حاجی ذوالقعدہ کے مہینے میں نکلے تو اس وقت لڑائیاں مار پیٹ جنگ وجدال قتل وقتال بند ہو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں پھر ذی الحجہ میں احکام حج کی ادائیگی امن وامان عمدگی اور شان سے ہو جائے پھر وہ ماہ محرم کی حرمت میں واپس گھر پہنچ جائے درمیانہ سال میں رجب کو حرمت والا بنانے کی غرض یہ ہے کہ زائرین اپنے طواف بیت اللہ کے شوق کو عمرے کی صورت میں ادا کرلیں گو دور دراز علاقوں والے ہوں وہ بھی مہینہ بھر میں آمد ورفت کریں یہی اللہ کا سیدھا اور سچا دین ہے۔ پس اللہ کے فرمان کے مطابق تم ان پاک مہینوں کی حرمت کرو۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ گناہوں سے بچو۔

اس لئے کہا اس میں گناہوں کی برائی اور بڑھ جاتی ہے جیسے کہ حرم شریف کا گناہ اور جگہ کے گناہ سے بڑھ جاتا ہے۔ فرمان ربانی ہے کہ جو حرم میں الحاد کا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب دیں گے اسی طرح سے ان محترم مہینوں میں کیا ہوا گناہ اور دنوں میں کئے ہوئے گناہوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت امام شافعی اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک ان مہینوں کے قتل کی دیت بھی سخت ہے اسی طرح حرم کے اندر قتل کی اور ذی محرم رشتے دار کے قتل کی بھی دیت سخت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فیھن سے مراد سال بھر کے کل مہینے ہیں۔ پس ان کل مہینوں میں گناہوں سے بچو خصوصاً ان چار مہینوں میں کہ یہ حرمت والے ہیں ان کی بڑی عزت ہے ان میں گناہ سزا کے اعتبار سے اور نیکیاں اجر وثواب کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ان حرمت والے مہینوں کی سزا اور بوجھ بڑھ جاتا ہے گو ظلم ہر حال میں بری چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس امر کو چاہے بڑھا دے دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بھی پسند فرمالیا فرشتوں میں انسانوں میں اپنے رسول چن لئے اسی طرح کلام میں سے اپنے ذکر کو پسند فرمالیا اور زمین میں سے مسجدوں کو پسند فرمالیا اور مہینوں میں سے رمضان شریف کو اور ان چاروں مہینوں کو پسند فرمالیا اور دنوں میں سے جمعہ کے دن اور راتوں میں لیلۃ القدر کو پس تمہیں ان چیزوں کی عظمت کا لحاظ رکھنا چاہئے جنہیں اللہ نے عظمت دی ہے۔

امور کی تعظیم عقل مند اور فہیم لوگوں کے نزدیک اتنی ضروری ہے جتنی ان کی تعظیم اللہ تعالیٰ سبحانہ نے بتائی ہے۔ ان کی حرمت کا ادب نہ کرنا حرام ہے ان میں جو کام حرام ہیں انہیں حلال نہ کرلو جو حلال ہیں انہیں حرام نہ بنالو جیسے کہ اہل شرک کرتے تھے یہ ان کے کفر میں زیادتی کی بات تھی۔ پھر فرمایا کہ تم سب کے سب کافروں سے جہاد کرتے رہو جیسے کہ وہ سب کے سب تم میں سے برسر جنگ ہیں۔ حرمت والے ان چار مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنا منسوخ یا محکم ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں پہلا تو یہ کہ یہ منسوخ ہے یہ قول زیادہ مشہور ہے اس آیت کے الفاظ پر غور کیجئے کہ پہلے تو فرمان ہوا کہ ان مہینوں میں ظلم نہ کرو پھر مشرکوں سے جنگ کرنے کا ذکر فرمایا۔ ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے حرمت کے مہینے بھی اس میں آگئے اگر یہ مہینے اس سے الگ ہوتے تو ان کے گذر جانے کی قید ساتھ ہی بیان ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ ماہ ذوالقعدہ میں کیا تھا جو

حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ ہوازن قبیلے کی طرف ماہ شوال میں چلے جب ان کو ہزیمت ہوئی اور ان میں سے بچے ہوئے افراد بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہوئے تو آپ وہاں گئے اور چالیس دن تک محاصرہ رکھا پھر بغیر فتح کئے ہوئے وہاں سے واپس لوٹ آئے۔

پس ثابت ہے کہ آپ نے حرمت والے مہینے میں محاصرہ کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنا حرام ہے اور ان مہینوں کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ شعائر الٰہیہ کو اور حرمت والے مہینوں کو حلال نہ کیا کرو اور فرمان ہے حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں قصاص ہیں پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی ان سے ویسی ہی زیادتی کا بدلہ لو اور فرمان ہے

﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ التوبہ:5)

حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کے بعد مشرکوں سے جہاد کرو۔ یہ پہلے بیان گذر چکا ہے کہ یہ ہر سال میں چار مہینے ہیں۔ نہ کہ تیسرے مہینے جو کہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ پھر فرمایا کہ تم سب مسلمان ان سے اسی طرح لڑو جیسے کہ وہ تم سے سب کے سب لڑتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے پہلے سے جداگانہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بالکل نیا اور الگ ہو مسلمانوں کو رغبت دلانے اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے تو فرماتا ہے کہ جیسے تم سے جنگ کرنے کے لئے وہ مڈ بھیڑ آپس میں مل کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں تم بھی اپنے سب کلمہ گو اشخاص کو لے کر ان سے مقابلہ کرو یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے میں مسلمانوں کو حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی رخصت دی ہو جبکہ حملہ ان کی طرف سے ہو۔ جیسے

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۱۹۴۔)2-البقرة:194) میں ہے اور جیسے) وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۱۹۱۔)2-البقرة:191)

میں بیان ہے کہ ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہاں لڑائی نہ کریں ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔ یہی جواب حرمت والے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف کے محاصرے کا ہے کہ دراصل ہوازن اور ثقیف کے ساتھ جنگ کا یہ لڑائی تتمہ تھی انہوں نے ہی جنگ کی ابتداء کی تھی ادھر ادھر سے آپ کے مخالفین کو جمع کر کے لڑائی کی دعوت دی تھی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیش قدمی کی یہ پیش قدمی بھی حرمت والے مہینے میں نہ تھی یہاں شکست کھا کر یہ لوگ طائف میں جا چھپے اور وہاں قلعہ بند ہو گئے آپ اس مرکز کو خالی کرانے کے لئے۔

اور آگے بڑھے انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا یا مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا ادھر محاصرہ جاری رہا منجنیق

وغیرہ سے چالیس دن تک ان کو گھیرے رہے الغرض اس جنگ کی ابتداء حرمت والے مہینے میں نہیں ہوئی تھی لیکن جنگ نے طول کھینچا حرمت والا مہینہ بھی آ گیا جب چند دن گذر گئے آپ نے محاصرہ ہٹا لیا پس جنگ کا جاری رکھنا اور چیز ہے اور جنگ کی ابتداء اور چیز ہے اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ توبہ، بیروت)

1948 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَيَّاضٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ، قَالَ: أَبُو دَاوُدَ سَمَّاهُ ابْنُ عَوْنٍ، فَقَالَ: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، فِي هٰذَا الْحَدِيثِ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابن عون نامی راوی نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا نام عبدالرحمن ذکر کیا ہے جس کے حوالے سے یہ روایت حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

حج کے مقرر مہینوں سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

جس طرح نماز اور روزہ کا وقت مقرر ہے اسی طرح حج کے مہینے بھی مقرر ہیں اکثر اور تابعین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ حج کے مہینے شروع شوال سے ذوالحجہ کی دسویں کی صبح صادق تک ہیں یہاں تک کہ مقام عرفات میں داخل ہونے سے پہلے اگر کسی کو صبح صادق ہو جائے گی تو اس کا اس سال کا حج فوت ہو جائے گا۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ آخر ذوالحجہ تک حج کے مہینوں کی مدت ہے۔ مگر اس سے ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذوالحجہ کی دسویں کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ ناجائز ہے اور اس ناجائز ہونے کی مدت آخر ذوالحجہ تک ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار عمرے جو ذیقعدہ میں ہوئے ہیں ان کو وہ مخصوصات نبی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں سنت یہی ہے کہ حج کا احرام بغیر حج کے مہینوں کے جائز نہیں ہے۔ ۱۔ اور یہ ایک اصول حدیث کی مسلم بات ہے کہ صحابی جس روایت کو طریقہ مسنونہ بیان کریں وہ روایت مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن بعض علماء نے برس روز تک احرام حج کو جائز رکھا ہے مگر بالاتفاق اولیٰ سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی ہونا چاہیے۔ احرام باندھنے کے بعد مباشرت اور خلاف شریعت باتوں سے بموجب حکم اس آیت کے جو شخص بچے گا اسی کا حج مقبول ہونے کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے ۲۔ کچھ لوگ بغیر خرچ کے حج کو چلے جاتے تھے اور پھر لوگوں سے سوال کر کے ان کو تنگ کرتے تھے۔ ان کی تنبیہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ آئندہ ایسا کرنے سے پرہیز کرو اور اللہ سے ڈرو' اے عقل مندو فرمایا'' اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا عقل مندوں کا کام ہے جو خدا سے نڈر ہو کر کچھ کام کرتے ہیں ان کی عقل میں فتور ہے۔ احرام یہ ہے کہ حج یا عمرہ کے شروع کرنے کی نیت کرے اور زبان سے لبیک کہے احرام کے بعد مباشرت' سر کا ڈھانکنا، خوشبو کا ملنا، ناخن کتروانا، شکار کھیلنا، آپس کا لڑائی جھگڑا، بال منڈانے یا کترانے، مرد کو سلا ہوا کپڑا پہننا، عورت کو منہ پر کپڑا ڈالنا یہ سب باتیں منع ہیں۔

عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں، پس حج کے مہینوں

میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے، گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحٰق، امام ابراہیم نخعی، امام ثوری، امام لیث، اللہ تعالیٰ ان پر سب رحمتیں نازل فرمائے فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے ان بزرگوں کی دلیل آیت (يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ) (البقرة:189) ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں حضرت ابن عباس حضرت جابر، حضرت عطا مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل آیت (اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرة:197) ہے عربی دان حضرات کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے میں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی انہوں نے ابن جریج سے سنا اور انہیں عمرو بن عطاء نے کہا ان سے عکرمہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آیت (اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرة:197) اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے، صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے، اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے پس یہ حکم رسول ہوگیا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں، علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوا حج کے مہینوں کے لائق نہیں، اس کی اسناد بھی اچھی ہیں، لیکن شافعی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں، یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتویٰ کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباس کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے۔

اشہر معلومات سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں شوال ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری) یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے، مستدرک حکم میں بھی ہے اور امام حاکم اسے صحیح بتلاتے ہیں، حضرت عمر، حضرت عطا، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت شعبی، حضرت حسن، حضرت ابن سیرین، حضرت مکحول، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک بن مزاحم، حضرت ربیع بن انس، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں، حضرت امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، ابویوسف اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں اشہر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہوسکتا ہے، جیسے عربی میں کہا جاتا ہے کہ میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن

تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریباً) ایسا بول دیا کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی اغلباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے قرآن میں بھی ہے آیت (فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرة:203) حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے، امام مالک، امام شافعی کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے، ابن عمر سے بھی یہی مروی ہے، ابن شہاب، عطاء، جابر بن عبداللہ سے بھی یہی مروی ہے طاؤس، مجاہد، عروہ ربیع اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے، کیونکہ اس کا راوی حسین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے، بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔

امام مالک کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہوسکتا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں، امام ابن جریر بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گزرتے ہی جاتا رہا، محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے شک کرتا ہو، قاسم بن محمد سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں چار عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے پس حج کے مہینوں میں عمرہ ادا فرماتے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے، فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے، ابن عباس فرماتے ہیں حج اور عمرے کا احرام باندھنے والے سے مراد ہے۔ عطاء فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے، ابراہیم اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے، ابن عباس فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکار لینے کے بعد کہیں ٹھہر رہنا ٹھیک نہیں اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ بقرہ، بیروت)

بَابُ مَنْ لَمْ يُدْرِكْ عَرَفَةَ

باب: جو شخص عرفہ کو نہیں پاتا

1949 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنِي بُكَيْرُ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْمَرَ الدِّيلِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِعَرَفَةَ فَجَاءَ نَاسٌ أَوْ نَفَرٌ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ فَأَمَرُوا رَجُلًا فَنَادَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ الْحَجُّ؟ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

1949- اسناده صحيح. محمد بن كثير: هو العبدي، وسفيان: هو ابن سعيد الثوري. واخرجه ابن ماجه (3015) و (3015م)، والترمذي (954) و (905)، والنسائي في "الكبرى" (3997) و (3998) و (4036) من طرق عن سفيان الثوري، والنسائي (4166) من طريق شعبة، كلاهما عن بكير بن عطاء، به. وهو في "مسند احمد" (18774)، و "صحيح ابن حبان" (3892).

وَسَلَّمَ رَجُلًا فَنَادَى الْحَجُّ. الْحَجُّ. يَوْمُ عَرَفَةَ. مَنْ جَاءَ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ لَيْلَةِ جَمْعٍ فَتَمَّ حَجُّهُ أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ. فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ. فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ. قَالَ: ثُمَّ أَرْدَفَ رَجُلًا خَلْفَهُ فَجَعَلَ يُنَادِي بِذَلِكَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ رَوَاهُ مِهْرَانُ، عَنْ سُفْيَانَ. قَالَ: الْحَجُّ. الْحَجُّ مَرَّتَيْنِ وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: الْحَجُّ مَرَّةً

❁❁ حضرت عبدالرحمن بن یعمر دیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عرفہ میں موجود تھے۔ کچھ لوگ جو نجد سے تعلق رکھتے تھے وہ آئے انہوں نے ایک شخص کو ہدایت کی تو اس نے بلند آواز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا: حج کیسے ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا اس نے بلند آواز میں کہا حج عرفہ کے دن میں ہوتا ہے' جو شخص مزدلفہ کی رات سے صبح کی نماز سے پہلے یہاں آجائے اس کا حج مکمل ہو جاتا ہے اس میں منیٰ میں تین دن کا قیام ہوتا ہے' جو شخص دو دن کے بعد پہلے چلا جائے' تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا' جو (تیسرے دن کے لیے) ٹھہرا رہے اس کو بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

راوی بیان کرتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنے پیچھے بٹھایا اور وہ یہ اعلان کرتا رہا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت اس طرح ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' جس میں یہ الفاظ ہیں: حج یہ ہے حج یہ ہے۔ یعنی یہ لفظ دو بار استعمال ہوا ہے۔ یحییٰ بن سعید نے سفیان کے حوالے سے لفظ حج ایک مرتبہ روایت کیا ہے۔

1950 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ. حَدَّثَنَا عَامِرٌ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ مُضَرِّسٍ الطَّائِيُّ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَوْقِفِ يَعْنِي بِجَمْعٍ قُلْتُ: جِئْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ جَبَلِ طَيِّئٍ أَكْلَلْتُ مَطِيَّتِي وَأَتْعَبْتُ نَفْسِي وَاللَّهِ مَا تَرَكْتُ مِنْ حَبْلٍ إِلَّا وَقَفْتُ عَلَيْهِ فَهَلْ لِي مِنْ حَجٍّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَدْرَكَ مَعَنَا هَذِهِ الصَّلَاةَ، وَأَتَى عَرَفَاتَ. قَبْلَ ذَلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا. فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ، وَقَضَى تَفَثَهُ

❁❁ حضرت عروہ بن مضرس طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں مزدلفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں طے کے دو پہاڑوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں میں نے اپنی سواری کو تھکا دیا ہے اور میں نے اپنے آپ کو بھی مشقت کا شکار کیا ہے اللہ کی قسم! میں نے ہر ٹیلے پر وقوف کیا۔ تو کیا میرا حج ہو گیا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہمارے ساتھ اس نماز کو پالیا اور وہ اس سے پہلے رات یا دن میں عرفات آچکا ہو اس کا حج ہو گیا اور اس نے اپنے میل کچیل (کا وقت) پورا کرلیا۔

عرفات کو عرفات کہنے وجہ اور وقوف عرفات کا بیان

عرفہ ایک مخصوص جگہ کا نام ہے اور یہ زمان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے بایں طور کہ نویں ذی الحجہ کو عرفہ کا دن کہتے ہیں۔

لیکن عرفات جمع کے لفظ کے ساتھ صرف اس مخصوص جگہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ جمع اطراف و جوانب کے اعتبار سے ہے۔

عرفات مکہ مکرمہ سے تقریباً ساڑھے پندرہ میل (پچیس کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع ہے یہ ایک وسیع وادی یا میدان ہے جو اپنے تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، درمیان میں اس کے شمالی جانب جبل الرحمۃ ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت اقوال ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا جب جنت سے اتر کر اس دنیا میں آئے تو وہ دونوں سب سے پہلے اسی جگہ ملے۔ اس تعارف کی مناسبت سے اس کا نام عرفہ پڑ گیا ہے اور یہ جگہ عرفات کہلائی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت جرائیل علیہ السلام جب اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو افعال حج کی تعلیم دے رہے تھے تو وہ اس دوران ان سے پوچھتے کہ عرفت (یعنی جو تعلیم میں نے دی ہے) تم نے اسے جان لیا؟ حضرت ابراہیم جواب میں کہتے عرفت (ہاں میں جان لیا) اور آخر کار دونوں کے سوال و جواب میں اس کلمہ کا استعمال اس جگہ کی وجہ تسمیہ بن گیا۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

وقوف عرفات یعنی نویں ذی الحجہ کو ہر حاجی کا میدان عرفات میں پہنچنا اس کی ادائیگی حج کے سلسلہ میں ایک سب سے بڑا رکن ہے جس کے بغیر حج نہیں ہوتا، چنانچہ حج کے دو رکنوں یعنی طواف الافاضہ اور وقوف عرفات میں وقوف عرفات چونکہ حج کا سب سے بڑا رکن ہے اس لئے اگر یہ ترک ہو گیا تو حج ہی نہیں ہوگا۔

مقام عرفہ یا عرفات، مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں جبل رحمت کے دامن میں واقع ہے۔ جہاں وقوف عرفات جیسا حج کا بنیادی رکن ادا کیا جاتا ہے۔ یہ میدان مکے سے تقریباً 16 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

عرفات سال کے 354 دن غیر آباد رہتا ہے اور صرف ایک دن کے 8 سے 10 گھنٹوں کے لیے (9 ذی الحج) ایک عظیم الشان شہر بنتا ہے۔ یہ 9 ذی الحج کی صبح آباد ہوتا ہے اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی اس کی تمام آبادی رخصت ہو جاتی ہے اور حجاج ایک رات کیلیے مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں۔ دور جاہلیت میں قریش نے حرم سے متعلق دیگر بدعات کے علاوہ مناسک حج سے وقوف عرفات کو بھی خارج کر دیا تھا۔ قبل از اسلام دیگر لوگ تو عرفات تک جاتے تھے لیکن قریش مزدلفہ سے آگے نہ بڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں اس لیے حرم کی حدود سے باہر نہیں نکلیں گے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع)) کے موقع پر ارشاد خداوندی کے تحت عام لوگوں کے ساتھ خود بھی عرفات تک گئے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عرفات کو پالینے والے کا حج ہو گیا

حضرت امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے، اس نے حج پالیا، حضرت امام احمد، فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ! میں طی کی پہاڑیوں سے آرہا ہوں اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک

ٹھہرا ہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا۔ (مسند احمد و سنن) امام ترمذی اسے صحیح کہتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ (عرفت) کیا تم نے پہچان لیا؟

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جواب دیا (عرفت) میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آ چکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا، حضرت عطاء، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو مجلز سے بھی یہی مروی ہے واللہ اعلم۔

"مشعر الحرام" "مشعر الاقصی" "اور" الال " بھی ہے، اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمۃ ہے، ابو طالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے، اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا، پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت میں رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہو گئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد امابعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ اتنی وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم) امام حاکم نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں، حضرت معرور بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے، آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم واضح روشنی میں لوٹے صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو نرمی اطمینان و سکون اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آئی تو نکیل قدرے ڈھیلی کرتے تا کہ جانور بہ

آسانی او پر چڑھ جائے، مزدلفہ میں آ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں مغرب کے فرضوں اور عشا کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے پھر لیٹ گئے، صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان واقامت ہوئی پھر قصوی نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا، سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپ یہاں سے روانہ ہو گئے،

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں سے چلے تو کیسی چال چلتے تھے فرمایا اور درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے۔ (بخاری ومسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں، عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے یہ مشعر الحرام، آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے، پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ، آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے، اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے،

حضرت عطاء سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا وادی محسر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے، مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے، سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی کا مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرس سے اس معنی کی مروی ہے، بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی، امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں، پس یہ تین قول ہوئے۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے، عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے ہاں وادی محسر نہیں۔

بَابُ النُّزُولِ بِمِنًى

باب: منیٰ میں پڑاؤ کرنا

1951 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ بِمِنًى وَنَزَّلَهُمْ مَنَازِلَهُمْ فَقَالَ: لِيَنْزِلِ الْمُهَاجِرُونَ هَاهُنَا وَأَشَارَ إِلَى مَيْمَنَةِ الْقِبْلَةِ وَالْأَنْصَارُ هَاهُنَا وَأَشَارَ إِلَى مَيْسَرَةِ الْقِبْلَةِ ثُمَّ لِيَنْزِلِ النَّاسُ حَوْلَهُمْ

❀❀ عبدالرحمن بن معاذ ایک صحابی کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے منیٰ میں لوگوں کو خطبہ دیا آپ ﷺ نے ان کی پڑاؤ کی جگہیں مقرر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مہاجرین یہاں پڑاؤ کریں آپ ﷺ نے قبلہ کی دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اور انصار یہاں پڑاؤ کریں۔ آپ ﷺ نے قبلہ کی بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اور باقی لوگ ان کے اردگرد پڑاؤ کریں۔

بَابُ أَيِّ يَوْمٍ يَخْطُبُ بِمِنًى

باب: منیٰ میں کون سے دن خطبہ دیا جائے

1952 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَجُلَيْنِ، مِنْ بَنِي بَكْرٍ، قَالَا: رَأَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بَيْنَ أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، وَنَحْنُ عِنْدَ رَاحِلَتِهِ وَهِيَ خُطْبَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي خَطَبَ بِمِنًى

❀❀ ابن ابو نجیح اپنے والد کے حوالے سے بنو بکر سے تعلق رکھنے والے دو افراد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کو ایام تشریق کے درمیانے دن میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کی سواری کے پاس ہم موجود تھے۔ یہ آپ ﷺ کا وہ خطبہ تھا جو آپ ﷺ نے منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔

1953 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا رَبِيعَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حُصَيْنٍ، حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي سَرَّاءُ بِنْتُ نَبْهَانَ، وَكَانَتْ رَبَّةَ بَيْتٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَتْ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الرُّءُوسِ، فَقَالَ: أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟، قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: أَلَيْسَ أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ؟.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذٰلِكَ قَالَ: عَمُّ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ، إِنَّهُ خَطَبَ أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

❀❀ سیدہ سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: یہ خاتون زمانہ جاہلیت میں ایک گھر کی نگران تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں: رؤس والے دن نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے دریافت کیا: یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا یہ ایام تشریق کا درمیانی دن نہیں ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابوحرہ رقاشی کے چچا نے بھی اسی طرح روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایام تشریق کے

درمیانی دن میں خطبہ دیا تھا۔

بَابُ مَنْ قَالَ: خَطَبَ يَوْمَ النَّحْرِ

باب: جو اس بات کا قائل ہے کہ قربانی کے دن خطبہ دیا جائے

1954 حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، حَدَّثَنِي الْهِرْمَاسُ بْنُ زِيَادٍ الْبَاهِلِيُّ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ عَلَى نَاقَتِهِ الْعَضْبَاءِ يَوْمَ الْأَضْحَى بِمِنًى

❁❁ حضرت ہرماس بن زیاد باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیدالاضحیٰ کے دن منیٰ میں اپنی اونٹنی عضباء پر سوار ہو کر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔

1955 حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ يَعْنِي ابْنَ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيَّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ عَامِرٍ الْكَلَاعِيُّ، سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ خُطْبَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ

❁❁ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کے دن منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

بَابُ أَيِّ وَقْتٍ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ

باب: قربانی کے دن کون سے وقت میں خطبہ دیا جائے

1956 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ الْمُزَنِيِّ، حَدَّثَنِي رَافِعُ بْنُ عَمْرٍو الْمُزَنِيُّ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِينَ ارْتَفَعَ الضُّحَى عَلَى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ، وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَاعِدٍ وَقَائِمٍ

❁❁ حضرت رافع بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اس وقت جب دن چڑھ چکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آگے پہنچا رہے تھے اور کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے اور کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

بَابُ مَا يَذْكُرُ الْإِمَامُ فِي خُطْبَتِهِ بِمِنًى

باب: منیٰ میں امام اپنے خطبے کے دوران کس چیز کا ذکر کرے

1957 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُعَاذٍ التَّيْمِيِّ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ

بِمِنًى فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا. حَتّٰى كُنَّا نَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ: وَنَحْنُ فِيْ مَنَازِلِنَا فَطَفِقَ يُعَلِّمُهُمْ مَنَاسِكَهُمْ حَتّٰى بَلَغَ الْجِمَارَ فَوَضَعَ اُصْبُعَيْهِ السَّبَّابَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: بِحَصَى الْخَذْفِ ثُمَّ اَمَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَنَزَلُوْا فِيْ مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ، وَاَمَرَ الْاَنْصَارَ فَنَزَلُوْا مِنْ وَّرَاءِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ نَزَلَ النَّاسُ بَعْدَ ذٰلِكَ

حضرت عبدالرحمن بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہم اس وقت منیٰ میں موجود تھے' تو ہماری سماعت کو کشادہ کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ہم وہ سن رہے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے' حالانکہ ہم اپنی پڑاؤ کی جگہ پر موجود تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دینا شروع کی یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمرات کے تذکرے تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلیاں (کانوں میں) رکھیں اور فرمایا: چٹکی میں آنے والی کنکریاں مارنا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو حکم دیا' تو انہوں نے مسجد کے آگے کی طرف پڑاؤ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حکم دیا' تو انہوں نے مسجد کے پیچھے کی طرف پڑاؤ کیا۔ پھر اس کے بعد لوگوں نے (آس پاس کی جگہوں پر) پڑاؤ کیا۔

بَابُ يَبِيتُ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى

باب: منیٰ کی مخصوص راتیں مکہ میں بسر کرنا

1958 حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنِيْ حَرِيْزٌ اَوْ اَبُوْ حَرِيْزٍ الشَّكُّ مِنْ يَحْيٰى، اَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ فَرُّوْخٍ يَسْاَلُ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: اِنَّا نَتَبَايَعُ بِاَمْوَالِ النَّاسِ فَيَاْتِيْ اَحَدُنَا مَكَّةَ فَيَبِيتُ عَلَى الْمَالِ، فَقَالَ: اَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاتَ بِمِنًى وَظَلَّ

حریز بیان کرتے ہیں: انہوں نے عبدالرحمن بن فروخ کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرتے ہوئے سنا کہ ہم لوگوں کے اموال کی خرید و فروخت کرتے ہیں' جب کوئی شخص مکہ آتا ہے' تو اپنے مال کے ساتھ رات وہاں بسر کر سکتا ہے' تو انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں رات بسر کی تھی' اور دن بھی۔

1959 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، وَاَبُوْ اُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: اسْتَاْذَنَ الْعَبَّاسُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَبِيتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ اَجْلِ سِقَايَتِهِ فَاَذِنَ لَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ وہ منیٰ کی راتیں مکہ میں بسر کریں کیونکہ انہوں نے پانی پلانا ہوتا ہے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

1958- اسناده ضعيف، لجهالة حريز او ابی حريز. يحيی: هو ابن سعيد القطان، و ابن جريج: هو عبد الملک بن عبد العزيز. و اخرجه البيهقی 1535/ من طريق ابی داود.

بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

باب: منیٰ میں نماز ادا کرنا

1960 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، اَنَّ اَبَا مُعَاوِيَةَ، وَحَفْصَ بْنَ غِيَاثٍ، حَدَّثَاهُ وَحَدِيثُ اَبِي مُعَاوِيَةَ اَتَمُّ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: صَلَّى عُثْمَانُ بِمِنًى اَرْبَعًا، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَ اَبِي بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ، زَادَ، عَنْ حَفْصٍ، وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ اِمَارَتِهِ، ثُمَّ اَتَمَّهَا زَادَ مِنْ هَاهُنَا عَنْ اَبِي مُعَاوِيَةَ، ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمُ الطُّرُقُ فَلَوَدِدْتُ اَنْ لِي مِنْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ مُتَقَبَّلَتَيْنِ. قَالَ: الْاَعْمَشُ، فَحَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ، عَنْ اَشْيَاخِهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ صَلَّى اَرْبَعًا، قَالَ: فَقِيلَ لَهُ: عِبْتَ عَلَى عُثْمَانَ ثُمَّ صَلَّيْتَ اَرْبَعًا، قَالَ: الْخِلَافُ شَرٌّ.

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے (اپنے عہد خلافت میں) منیٰ میں چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے (یہاں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں دو رکعت ادا کی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں دو رکعت ادا کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں دو رکعت ادا کی ہیں۔

یہاں حفص نامی راوی نے یہ زائد الفاظ نقل کیے ہیں: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کے ابتدائی سالوں میں ان کی اقتداء میں (دو رکعت ادا کی ہیں) پھر وہ مکمل نماز ادا کرنے لگے یہاں سے راوی نے ابومعاویہ کے حوالے سے یہ زائد الفاظ نقل کیے ہیں: پھر راستے مختلف ہو گئے مجھے یہ بات پسند ہے کہ ان چار رکعت کی بجائے میری دو ایسی رکعت ہوں جو قبول ہوں۔

اعمش کہتے ہیں: معاویہ بن قرہ نے اپنے مشائخ کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود جب چار رکعت ادا کی تھیں تو ان سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے تو اس بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کی تھی۔ اب آپ نے بھی چار رکعت ادا کی ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا: (حاکم وقت) سے اختلاف کرنا خرابی ہے۔

1961 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، اَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، اَنَّ عُثْمَانَ اِنَّمَا صَلَّى بِمِنًى اَرْبَعًا لِاَنَّهُ اَجْمَعَ عَلَى الْاِقَامَةِ بَعْدَ الْحَجِّ.

زہری کہتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت اس لیے ادا کی تھیں کیونکہ انہوں نے حج کے بعد (مکہ میں) مقیم رہنے کا پختہ ارادہ کیا تھا۔

1962 حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ اِبْرَاهِيمَ، قَالَ: اِنَّ

1960- اسناده صحيح. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدى، وابو معاوية: هو محمد ابن خازم الضرير، والاعمش: هو سليمان بن مهران الاسدى، وابراهيم: هو ابن يزيد النخعى. واخرجه البخارى (1084) و (1657)، ومسلم (695)، والنسائى فى "الكبرى" (1919) و (1920) من طرق عن الاعمش، بهذا الاسناد. وبعضهم يختصره، وجميعهم دون حديث معاوية بن قرة. وهو فى "مسند احمد" (3593).

عُثْمَانَ. صَلَّى اَرْبَعًا لِاَنَّهُ اتَّخَذَهَا وَطَنًا.

ابراہیم بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چار رکعت اس لیے ادا کی تھیں' کیونکہ انہوں نے اسے (مکہ کو) وطن بنالیا تھا۔

1963 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: اَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: لَمَّا اتَّخَذَ عُثْمَانُ الْاَمْوَالَ بِالطَّائِفِ وَاَرَادَ اَنْ يُقِيمَ بِهَا صَلَّى اَرْبَعًا. قَالَ: ثُمَّ اَخَذَ بِهِ الْاَئِمَّةُ بَعْدَهُ.

زہری بیان کرتے ہیں: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے طائف میں جائیداد خرید لی اور انہوں نے یہاں مقیم رہنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو وہ چار رکعت ادا کرنے لگے۔

راوی کہتے ہیں: اس کے بعد حکمرانوں نے اسی طرز عمل کو اختیار کرلیا۔

1964 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ. حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ اَيُّوبَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، اَتَمَّ الصَّلَاةَ بِمِنًى مِنْ اَجْلِ الْاَعْرَابِ لِاَنَّهُمْ كَثُرُوا عَامَئِذٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ اَرْبَعًا لِيُعَلِّمَهُمْ اَنَّ الصَّلَاةَ اَرْبَعٌ

زہری بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکمل نماز دیہاتیوں کی وجہ سے ادا کی تھی' کیونکہ وہ اس سال بہت زیادہ تعداد میں آئے تھے۔ تو انہوں نے لوگوں کو چار رکعت اس لیے پڑھائی تھیں' تاکہ انہیں یہ تعلیم دیں کہ نماز میں چار رکعت ہوتی ہیں۔

بَابُ الْقَصْرِ لِاَهْلِ مَكَّةَ

باب: اہل مکہ کا نماز قصر کرنا

1965 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا اَبُو اِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي حَارِثَةُ بْنُ وَهْبٍ الْخُزَاعِيُّ، وَكَانَتْ اُمُّهُ تَحْتَ عُمَرَ فَوَلَدَتْ لَهُ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى وَالنَّاسُ اَكْثَرُ مَا كَانُوا. فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: حَارِثَةُ بْنُ خُزَاعَةَ: وَدَارُهُمْ بِمَكَّةَ

حارثہ بن وہب خزاعی' جن کی والدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبیداللہ بن عمر کو جنم دیا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں منیٰ میں نماز ادا کی لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں یہ حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے۔

1965- اسناده صحيح. النفيلي: هو عبد الله بن محمد بن علي بن نفيل، وزهير: هو ابن معاوية الجعفي، وابو اسحاق، هو عمرو بن عبد الله السبيعي. واخرجه البخاري (1083) و (1656)، ومسلم (696)، والترمذي (897)، والنسائي في "الكبرى" (1916) و (1917) من طرق عن ابي اسحاق. قال الترمذي: حديث حسن صحيح.

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کا تعلق خزاعہ قبیلے سے ہے اور ان کی رہائش گاہ مکہ میں تھی۔

بَابٌ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ

باب: جمرات کو کنکریاں مارنا

1966 حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ، عَنْ أُمِّهِ، قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي، وَهُوَ رَاكِبٌ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَرَجُلٌ مِنْ خَلْفِهِ يَسْتُرُهُ، فَسَأَلْتُ عَنِ الرَّجُلِ، فَقَالُوا: الْفَضْلُ بْنُ الْعَبَّاسِ، وَازْدَحَمَ النَّاسُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، لَا يَقْتُلْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَإِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ فَارْمُوا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ

❁❁ سلیمان بن عمرو اپنی والدہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو وادی کے نشیبی حصے سے جمرہ کو کنکریاں مارتے دیکھا۔ آپ ﷺ اس وقت سوار تھے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہہ رہے تھے۔ ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے موجود تھا' اور وہ آپ ﷺ کو آڑ میں لیے ہوئے تھا۔ میں نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا' تو لوگوں نے بتایا: یہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کیونکہ لوگوں کا ہجوم زیادہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو' جب تم جمرہ کو کنکریاں مارو' تو اتنی کنکریاں مارنا جو چٹکی میں آتی ہوں۔

1967 حَدَّثَنَا أَبُو ثَوْرٍ إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ، وَوَهْبُ بْنُ بَيَانٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ، عَنْ أُمِّهِ، قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ رَاكِبًا وَرَأَيْتُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ حَجَرًا فَرَمَى، وَرَمَى النَّاسُ.

❁❁ سلیمان بن عمرو اپنی والدہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو جمرہ عقبہ کے قریب پہاڑی پر دیکھا میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں میں کنکریاں دیکھیں آپ ﷺ نے وہ ماریں اور لوگوں نے بھی کنکریاں ماریں۔

1968 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، بِإِسْنَادِهِ فِي مِثْلِ هٰذَا الْحَدِيثِ زَادَ، وَلَمْ يَقُمْ عِنْدَهَا

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

"آپ ﷺ اس جمرہ کے پاس رکے نہیں"۔

1969 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي الْجِمَارَ فِي الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ مَاشِيًا ذَاهِبًا وَرَاجِعًا، وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ

نافع بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قربانی کے دن تینوں دنوں میں جاتے ہوئے بھی اور واپس آتے ہوئے بھی پیدل جمرات تک آتے تھے اور یہ بات بتاتے تھے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کرتے تھے۔

1970 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، اَخْبَرَنِي اَبُو الزُّبَيْرِ، سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: رَاَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلَى رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ يَقُولُ: لِتَاْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ، فَاِنِّي لَا اَدْرِي لَعَلِّي لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کے دن اپنی سواری پر سوار رہتے ہوئے کنکریاں مارتے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم حج کے اعمال سیکھ لو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ میں اس حج کے بعد حج کر بھی سکوں گا یا نہیں۔

1971 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: اَخْبَرَنِي اَبُو الزُّبَيْرِ، اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُولُ: رَاَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلَى رَاحِلَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى، فَاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَبَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن چاشت کے وقت اپنی سواری پر بیٹھ کر کنکریاں ماریں البتہ بعد کے دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈھلنے کے بعد کنکریاں ماریں۔

1972 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ وَبَرَةَ، قَالَ: سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ، مَتَى اَرْمِي الْجِمَارَ، قَالَ: اِذَا رَمَى اِمَامُكَ فَارْمِ، فَاَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْاَلَةَ، فَقَالَ: كُنَّا نَتَحَيَّنُ زَوَالَ الشَّمْسِ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا

وبرہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: میں جمرات کو کنکریاں کب ماروں؟ انہوں نے فرمایا: جب تمہارا امام (حاکم وقت) کنکریاں مارے تو تم بھی کنکریاں مارو۔ میں نے ان سے دوبارہ یہی سوال کیا' تو انہوں نے فرمایا: ہم اس کے لیے زوال کے وقت کا انتظار کیا کرتے تھے۔ جب سورج ڈھل جایا کرتا تھا تو ہم کنکریاں مارا کرتے تھے۔

1973 حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ الْمَعْنَى قَالَا: حَدَّثَنَا اَبُو خَالِدٍ الْاَحْمَرُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اَفَاضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ حِينَ صَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ رَجَعَ اِلَى مِنًى، فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ اَيَّامِ

1973- اسناده حسن. ابو خالد الاحمر- وهو سليمان بن حيان الازدي- قوي الحديث، ثم هو متابع، ومحمد بن اسحاق حسن الحديث، وقد صرح بالسماع عند ابن حبان (3868) فانتفت شبهة تدليسه. علي بن بحر: هو القطان، وعبد الله بن سعيد: هو الكندي الاشج. واخرجه احمد في "مسنده" (24592)، وابن الجارود في "المنتقى" (492)، وابو يعلى في "مسنده" (4744)، وابن خزيمة في "صحيحه" (2956) و (2971)، والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" (3514)، وفي "شرح معاني الآثار" 2202/، والدارقطني في "سننه" (2680)، والبيهقي في "دلائل النبوة" 4435/

التَّشْرِيقِ يَرْمِي الْجَمْرَةَ، إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ، وَيَقِفُ عِنْدَ الْأُولَى، وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيلُ الْقِيَامَ، وَيَتَضَرَّعُ، وَيَرْمِي الثَّالِثَةَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: آخری دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کر لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق کی راتیں وہاں بسر کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ کو اس وقت کنکریاں ماریں جب سورج ڈھل چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جمرہ کو سات کنکریاں ماریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کنکری کے ہمراہ تکبیر کہتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے جمرہ کے قریب ٹھہرے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قیام کیا' اور گریہ وزاری کی' جبکہ تیسرے جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس نہیں ٹھہرے۔

1974 حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: لَمَّا انْتَهَى إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى، جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ، وَمِنًى عَنْ يَمِينِهِ، وَرَمَى الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، وَقَالَ: هٰكَذَا رَمَى الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

❁❁ عبدالرحمٰن بن یزید' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں: وہ جمرہ کبریٰ کے پاس آئے' تو انہوں نے بیت اللہ کو اپنے بائیں طرف رکھا۔ منیٰ کو اپنے دائیں طرف رکھا اور جمرہ کو سات کنکریاں ماریں۔ انہوں نے فرمایا: اس طرح کنکریاں اس ہستی نے ماری تھیں جن پر سورۃ البقرہ نازل ہوئی تھی۔

1975 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح وحَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ يَرْمُونَ الْغَدَ، وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ بِيَوْمَيْنِ وَيَرْمُونَ، يَوْمَ النَّفْرِ

❁❁ ابوبداح اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے چرواہوں کو رات بسر کرنے کی اجازت دی تھی' یوں کہ وہ قربانی کے دن رمی کریں گے اگلے دن اور اس سے اگلے دن کی' دونوں کی رمی ایک ساتھ کر لیں گے' اور پھر روانگی کے دن رمی کریں گے۔

1976 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، وَمُحَمَّدٌ ابْنَيْ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِمَا، عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا، وَيَدَعُوا

1976- اسناده صحيح. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدی، وسفيان: هو ابن عيينة، وعبدالله ومحمد: هما ابن ابی بكر بن محمد الانصاری، وابو البداح بن عدی: هو ابو البداح بن عاصم بن عدی، نسب الی جده هنا. واخرجه ابن ماجه (3036)، والترمذی (975)، والنسائی فی "الكبرى" (4060) من طرق عن سفيان، عن عبدالله وحده، عن ابيه، بهذا الاسناد. وهو فی "مسند احمد" (23774)، و "صحيح ابن حبان" (3888).

يَوْمًا

ابوبداح اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے چرواہوں کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن ترک کردیں۔

1977 حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ، يَقُوْلُ: سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ: عَنْ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجِمَارِ، قَالَ: مَا اَدْرِيْ اَرَمَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسِتٍّ اَوْ بِسَبْعٍ

ابومجلز نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جمرہ کی رمی کے بارے میں دریافت کیا' تو انہوں نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ نبی اکرم ﷺ نے چھ کنکریاں ماری تھیں' یا سات کنکریاں ماری تھیں۔

1978 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا رَمٰى اَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ.

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: هٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ الْحَجَّاجُ لَمْ يَرَ الزُّهْرِيَّ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارے تو وہ ہر چیز کے لیے حلال ہو جاتا ہے' البتہ عورتوں (یعنی بیوی) کا معاملہ مختلف ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہ حدیث ضعیف ہے' کیونکہ حجاج نامی راوی نے نہ تو زہری کو دیکھا ہے اور نہ ہی ان سے کسی حدیث کا سماع کیا ہے۔

رمی جمرات کا مفہوم

جمار دراصل سنگریزوں اور کنکریوں کو کہتے ہیں اور جمار حج ان سنگریزوں اور کنکریوں کا نام ہے جو مناروں پر مارے جاتے ہیں اور جن مناروں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں انہیں جمار کی مناسبت سے جمرات کہتے ہیں۔

جمرات یعنی وہ منارے جن پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں تین ہیں۔(۱) جمرہ اولیٰ۔(۲) جمرہ وسطیٰ۔(۳) مرہ عقبہ۔ یہ تینوں جمرات منیٰ میں واقع ہیں اور بقرعید کے روز یعنی دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، پھر گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں کو تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔

رمی جمار کرنے کے وقت میں مذاہب فقہاء کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن کو چاشت کے وقت (یعنی زوال سے پہلے) منارے پر کنکریاں پھینکیں اور بعد کے دنوں میں دوپہر ڈھلنے کے بعد کنکریاں پھینکیں۔(بخاری ومسلم)

ضحیٰ دن کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب سے پہلے تک ہوتا ہے، بعد کے دنوں سے مراد ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخیں ہیں۔ ان دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال آفتاب کے بعد رمی کی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوسرے دن یعنی گیارہویں تاریخ کو رمی جمار کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اسی طرح تیسرے دن یعنی بارہویں تاریخ کو بھی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر کوئی شخص مکہ جانا چاہے تو وہ تیرہویں تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے جا سکتا ہے اور اگر طلوع فجر کے بعد مکہ جانا چاہے گا تو پھر اس پر اس دن کی رمی جمار واجب ہو جائے گی اب اس کے لئے رمی جمار کئے بغیر مکہ جانا درست نہیں ہوگا ہاں اس دن یعنی تیرہویں تاریخ کو زوال آفتاب سے پہلے بھی رمی جمار جائز ہو جائے گی۔

اس موقع پر ایک یہ مسئلہ بھی جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص کنکریاں مناروں پر پھینکے نہیں بلکہ ان پر ڈال دے تو یہ کافی ہو جائے گا مگر یہ چیز غیر پسندیدہ ہوگی بخلاف مناروں پر کنکریاں رکھ دینے کے کہ یہ اس طرح کافی بھی نہیں ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو پہلے سے روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ رمی جمرہ عقبہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہی کرنا، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے کہ رمی جمرہ عقبہ کا وقت دسویں ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن بعض روایت میں یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ جاؤ اور رمی جمرہ عقبہ کرو، اس روایت میں طلوع آفتاب کی قید نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد نے اسی روایت پر عمل کیا کہ ان کے ہاں رمی جمرہ عقبہ کا وقت نصف شب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ یا راستہ سے لے لی جائیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو (مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، بیان کیا کہ جب عرفہ کی شام کو (عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے) اور مزدلفہ کی صبح کو (مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے) لوگوں نے سواریوں کو تیزی سے ہانکنا اور مارنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اطمینان و آہستگی کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے اور اس وقت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے بڑھا رہے تھے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی محسر میں جو منیٰ (کے قریب مزدلفہ کے آخری حصہ) میں ہے پہنچے تو فرمایا کہ تمہیں (اس میدان سے) خذف کی کنکریاں اٹھا لینی چاہئیں جو جمرہ (یعنی مناروں) پر ماری جائیں گی۔ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ تک برابر لبیک کہتے رہے تھے (یعنی جمرہ عقبہ پر پہلی کنکری ماری تو لبیک کہنا موقوف کر دیا)۔ (مسلم)

عرفہ کے دن شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان عرفات سے مزدلفہ کو چلے تو اس وقت حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

خذف اصل میں تو چھوٹی کنکری یا کھجور کی گٹھلی دونوں شہادت کی انگلیوں میں رکھ کر پھینکنے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں خذف کی مانند کنکریوں سے مراد یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جو چنے کے برابر ہوتی ہیں یہاں سے اٹھالو جو رمی جمار کے کام آئیں گی۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ سے روانگی کے وقت وہیں سے یا راستہ میں سے اور یا جہاں سے جی چاہے لے لی جائیں ہاں جمرہ کے پاس سے وہ کنکریاں نہ لی جائیں جو جمرہ پر ماری جا چکی ہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے ویسے اگر کوئی شخص جمرہ کے پاس ہی سے پہلے پھینکی گئی کنکریاں اٹھا کر مارے تو یہ جائز تو ہو جائے گا مگر خلاف اولیٰ ہوگا۔ چنانچہ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ان کنکریوں سے رمی کافی ہو جائے گی مگر ایسا کرنا برا ہے۔

اس بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ کنکریاں کتنی اٹھائی جائیں؟ آیا صرف اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے لئے سات کنکریاں اٹھائی جائیں یا ستر کنکریاں اٹھائی جائیں جن میں سات تو اسی دن رمی جمرہ عقبہ کے کام آئیں اور تریسٹھ بعد کے تینوں دنوں میں تینوں جمرات پر پھینکی جائیں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (منیٰ کے لئے) مزدلفہ سے چلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار میں سکون ووقار تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو بھی سکون واطمینان کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ ہاں میدان محسر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو تیز رفتاری کے ساتھ گزارا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ خذف کی کنکریوں جیسی (یعنی چنے کی برابر) سات کنکریوں سے رمی کریں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) یہ بھی فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہیں دیکھوں گا۔ (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث بخاری ومسلم میں تو پائی نہیں۔ ہاں ترمذی میں یہ حدیث کچھ تقدیم وتاخیر کے ساتھ مذکور ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سال میری دنیاوی زندگی کا آخری سال ہے، آئندہ سال میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، اس لئے تم لوگ مجھ سے دین کے احکام اور حج کے مسائل سیکھ لو۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے کہ اسی حج کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے احکام پورے طور پر لوگوں تک پہنچا دیئے اور اپنے صحابہ کو رخصت وو داع کیا، پھر اگلے سال یعنی بارہ ہجری کے ماہ ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

رمی جمار کے وقت تکبیر کہنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (رمی کے لئے) جمرہ کبریٰ (یعنی جمرہ عقبہ) پر پہنچے تو (اس طرح کھڑے ہوئے کہ) انہوں نے خانہ کعبہ کو اپنی بائیں طرف کیا اور منیٰ کو دائیں طرف اور پھر انہوں نے سات کنکریاں (اس طرح) پھینکیں کہ ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہتے تھے، پھر انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح اس ذات گرامی (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھینکی ہیں جس پر سورہ بقرہ نازل ہوئی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمرہ عقبہ پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ خانہ کعبہ تو ان کی بائیں سمت میں تھا اور منیٰ دائیں سمت لیکن دوسرے جمرات پر اس طرح کھڑا ہونا مستحب ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہو۔

رمی جمرہ میں سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہی جاتی ہے چنانچہ بیہقی کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کنکری کے ساتھ اس طرح تکبیر کہتے تھے۔اللہ اکبر اللہ اکبر دعا (اللھم اجعله حجا مبرورا وذنبا مغفورا وعملا مشکورا)۔

یوں تو پورا قرآن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے لیکن اس موقع پر خاص طور پر سورہ بقرہ کا ذکر اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ اس سورت میں حج کے احکام وافعال مذکور ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مناروں پر کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کے درمیان پھرنا ذکر اللہ کے قیام کے لئے ہے۔ (ترمذی، دارمی) امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ظاہری طور پر یہ فعل ایسے ہیں کہ ان کا عبادت ہونا معلوم نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ یہ دونوں فعل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے مقرر ہوئے ہیں، چنانچہ یہ معلوم ہی ہے کہ ہر کنکری مارتے وقت تکبیر سنت اور سعی کے دوران وہ دعائیں پڑھنا بھی سنت ہے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

رمی کی کنکریوں میں کمی یا زیادتی کرنے کا بیان

رمی جمار حج کے واجبات سے ہے، جن جمرات کی رمی کی جاتی ہے ان میں سے ہر ایک کی رمی کے وقت سات کا عدد پورا کرنا رمی کا رکن ہے، تاہم چار یا اس سے زیادہ کنکریاں مارنے سے بھی یہ رکن ادا ہو جاتا ہے، تین یا اس سے کم کنکریاں ماری جائیں تو رمی کا رکن ادا نہیں ہوتا، اسی لئے اگر کسی حاجی صاحب نے تین یا اس سے کم کنکریاں ماری ہوں تو ان پر دم واجب ہوگا جس طرح مطلقا رمی نہ کرنے والے پر واجب ہوتا ہے، اگر وہ دوبارہ سات کنکریاں مارلیں تو دم واجب نہ ہوگا، اس طرح چار یا اس سے زائد کنکریاں ماری جائیں تو رمی کا رکن ادا ہو جائے گا اور دم واجب نہ ہوگا، تاہم جتنی کنکریاں کم ہوں گی ہر ایک کے بدلہ صدقہ واجب ہوگا۔

صدقہ کی مقدار گیہوں دینے کی صورت میں آدھا صاع یعنی سوا کلو اور جو یا کھجور دینا چاہیں تو ایک صاع یعنی ڈھائی کلو ہے، ایک صاع 2 کلو 212 گرام کے برابر ہوتا ہے اور آدھا صاع ایک کلو 104 گرام کے معادل ہوتا ہے، بطور احتیاط آدھے صاع کے لئے سوا کلو اور ایک صاع کے لئے ڈھائی کلو صدقہ کرنا چاہیے۔ شمالی ہند کے علماء کے پاس آدھا صاع ایک کلو 590 گرام اور ایک صاع تین کلو 180 گرام ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص کو اس امر میں شک ہو کہ اس نے چھ کنکریاں ماری ہیں یا سات، اور شک دور کرنے کے لئے اس نے ایک اور کنکری ماری جبکہ وہ سات کنکریاں مار چکا تھا تو کوئی حرج نہیں بالارادہ سات سے زائد کنکریاں مارنا مکروہ تنزیہی ہے۔

جیسا کہ مناسک ملا علی قاری مع حاشیہ ارشاد الساری، فصل فی احکام الرمی وشرائطہ وواجباتہ، ص 275، میں ہے: **(التاسع اتمام العدد او اتیان اکثرہ) وفیه ان هذا رکن الرمی لا شرطه (فلو نقص الاقل منها) ای من السبعة بان رمی اربعة وترک ثلاثة او اقل (لزمه جزاؤه) ای کما سیاتی (مع الصحة) ای مع صحة رمیه لحصول رکنه (ولو ترک**

الاکثر) ای بان رمی ثلاثة او اقل (فکانه لم یرم) ای حیث انه یجب علیه دم کما لو ترک الکل

نیز اس کے ص 277، میں ہے :(ولو رمی اکثر من سبعة یکره) ای اذا رماه عن قصد واما اذا شک فی السابع ورماه وتبین انه ثامن فانه لایضره هذا۔ صدقہ کے متعلق ص 436، میں ہے :(فالمراد نصف صاع من بر او صاع من غیره) کالتمر والشعیر۔

بَابُ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ

باب: سر منڈوانا اور بال چھوٹے کروانا

1979 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَالْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَالْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: وَالْمُقَصِّرِينَ

❀❀ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم کر۔ تو لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے (بھی دعا کیجئے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم کر۔ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے (دعا کیجئے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! بال چھوٹے کروانے والوں پر بھی (رحم کر)۔

1980 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ يَعْنِي الْإِسْكَنْدَرَانِيَّ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَاْسَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ

❀❀ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنا سر منڈوالیا تھا۔

1981 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ رَجَعَ اِلَى مَنْزِلِهِ بِمِنًى فَدَعَا بِذِبْحٍ، فَذُبِحَ، ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ، فَاَخَذَ بِشِقِّ رَاْسِهِ الْاَيْمَنِ فَحَلَقَهُ فَجَعَلَ يَقْسِمُ بَيْنَ مَنْ يَلِيهِ الشَّعْرَةَ وَالشَّعْرَتَيْنِ، ثُمَّ اَخَذَ بِشِقِّ رَاْسِهِ الْاَيْسَرِ فَحَلَقَهُ، ثُمَّ قَالَ: هَاهُنَا اَبُو طَلْحَةَ فَدَفَعَهُ اِلَى اَبِي طَلْحَةَ.

❀❀ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں اپنے پڑاؤ کی جگہ پر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور کو طلب کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ذبح کیا

1979- اسناده صحیح. القعنبی: هو عبدالله بن مسلمة. ونافع: هو مولی ابن عمر. وهو عند مالک فی "الموطا" 1/395، ومن طریقه اخرجه البخاری (1727)، ومسلم (1301). واخرجه مسلم (1301)، وابن ماجه (3044)، والترمذی (930)، والنسائی فی "الکبری" (4099) و (4101) من طریقین عن نافع، به. وهو فی "مسند احمد" (4657) و (5507)، و "صحیح ابن حبان" (3880).

اور پھر آپ ﷺ نے حجام کو بلوایا۔ اس نے آپ ﷺ کے سر کے دائیں حصے کو مونڈ دیا۔ تو آپ ﷺ نے اپنے آس پاس موجود افراد کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کرنے شروع کیے۔ پھر اس نے آپ ﷺ کے سر کے بائیں حصے کو مونڈ دیا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہاں ابوطلحہ ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے وہ بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیے۔

1982 حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ هِشَامٍ اَبُو نُعَيْمٍ الْحَلَبِيُّ، وَعَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، الْمَعْنٰى قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، بِاِسْنَادِهِ بِهٰذَا قَالَ فِيهِ: قَالَ لِلْحَالِقِ: ابْدَاْ بِشِقِّي الْاَيْمَنِ فَاحْلِقْهُ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: دائیں طرف سے آغاز کرو اور اسے مونڈ دو۔

1983 حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، اَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسْاَلُ يَوْمَ مِنًى فَيَقُوْلُ: لَا حَرَجَ فَسَاَلَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: اِنِّيْ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ، قَالَ: اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ قَالَ: اِنِّيْ اَمْسَيْتُ وَلَمْ اَرْمِ، قَالَ: ارْمِ وَلَا حَرَجَ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: منیٰ میں نبی اکرم ﷺ سے سوال کیے جاتے تو آپ ﷺ یہی فرماتے: کوئی حرج نہیں ہے ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر مونڈ لیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اب سر مونڈ لو' کوئی حرج نہیں ہے ایک شخص نے کہا: شام ہوگئی لیکن میں نے رمی نہیں کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔

عورتوں کے لیے صرف بال کاٹنے کا بیان

1984 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَتَكِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: بَلَغَنِيْ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ، قَالَتْ: اَخْبَرَتْنِيْ اُمُّ عُثْمَانَ بِنْتُ اَبِيْ سُفْيَانَ، اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ، اِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيْرُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''سر منڈوانے کا حکم عورتوں کے لیے نہیں ہے ان کے لیے صرف بال (تھوڑے سے) کاٹنے کا حکم ہے''۔

1985 حَدَّثَنَا اَبُوْ يَعْقُوْبَ الْبَغْدَادِيُّ، ثِقَةٌ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، قَالَتْ: اَخْبَرَتْنِيْ اُمُّ عُثْمَانَ بِنْتُ اَبِيْ سُفْيَانَ، اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ الْحَلْقُ، اِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيْرُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''عورتوں کے لیے سر منڈوانے کا حکم نہیں ہے خواتین کے لیے بال کترنے کا حکم ہے''۔

ذبح، حلق اور قصر کروانے کا بیان

اس کے بعد اگر حج کرنے والا چاہے تو وہ ذبح کرے اور پھر وہ حلق کرائے یا قصر کرے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن ہمارا پہلا کام قربانی کرنا ہے کہ ہم رمی کریں پھر قربانی کریں پھر حلق کریں۔ اور اسی وجہ سے حلق کروانا احرام سے نکلنے کے اسباب میں سے ہے۔ اور اسی طرح قربانی کرنا بھی ہے کیونکہ جو بندہ ادائے احرام سے روکا گیا تھا وہ قربانی کرنے سے حلال ہو گیا ہے۔ لہٰذا رمی کو ان دونوں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور حق کروانا احرام کے ممنوعات میں سے ہے۔ لہٰذا حلق کو قربانی پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور یہاں (مصنف کی عبارت میں) قربانی کو چاہنے کے ساتھ اس لئے معلق کیا گیا ہے۔ کیونکہ قربانی جو اکیلا حاجی کرتا ہے وہ نفلی ہے جبکہ کلام مفرد حج کے بارے میں ہے۔

رمی، ذبح اور حلق کی ترتیب میں وجوب وعدم وجوب کا بیان

رمی ذبح اور حلق میں ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے اور باقی تمام حضرات کے نزدیک سنت لہٰذا تمام حجاج کے لئے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اس ترتیب کا پورا لحاظ رکھیں بالخصوص ذبح سے پہلے حلق نہ کریں کیونکہ نص قرآنی:

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محله

اس کو بالکل ناجائز قرار دیتی ہے اور اس غرض کے لئے حج کے گروپس کو تاکید کی جائے کہ وہ اپنے گروپ کے لوگوں کے لئے قربانی کا انتظام کریں، تاکہ قربانی یقینی طور پر حلق سے پہلے ہو تاہم اگر کسی شخص سے ناواقفیت یا کسی شدید عذر کے تحت مذکورہ بالا ترتیب کی مخالفت (ہو) تو وہ توبہ واستغفار کرے اور صاحب وسعت ہو تو دم بھی دے البتہ جو غریب حاجی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے صاحبین اور جمہور کے مذہب پر عمل کی گنجائش ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اور بال کترانے والوں کو بھی آپ نے فرمایا اے اللہ حلق کرانے والوں کو بخش دیجئے تین بار یہی فرمایا صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بال کترانے والوں کو بھی۔ آپ نے فرمایا اور بال کترانے والوں کو بھی۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

حلق وتقصیر کے نسک ہونے میں مذاہب اربعہ

والحلق والتقصیر نسک فی الحج والعمرة فی ظاہر مذہب أحمد وقول الخرقی وہو قول مالک و أبی حنیفة و الشافعی وعن أحمد أنه لیس بنسک وإنما ہو إطلاق من محظور کان محرما علیه بالاحرام فأطلق فیه عند الحل کاللباس والطیب وسائر محظورات الاحرام فعلی ہذہ روایة لا شیء علی تارکه ویحصل الحل بدونه ووجہها أن النبی صلی اللہ علیه وسلم أمر بالحل من العمرة

قبله ف (روی أبو موسیٰ قال: قدمت علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم فقال لی: بم أهللت؟ قلت: لبیک باهلال کاهلال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم قال: أحسنت فأمرنی فطفت بالبیت بین الصفا والمروة ثم قال لی: أحل) متفق علیہ (المغنی، ج۳، ص۴۶۵، بیروت)

حلق کروانے کی فضیلت کا بیان

اور حلق افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے حلق کروانے والوں پر رحم فرمایا۔ اس حدیث میں ان پر رحم ظاہر ہے۔ کیونکہ حلق کروانا میل کچیل نکالنا ہے اور مقصود بھی یہی ہے۔ اور بال کتروانے میں کچھ کمی ہے لہٰذا یہ غسل بمع وضو کے مشابہ ہو گیا۔ سر کے مسح پر قیاس کرتے ہوئے سر منڈانے میں چوتھائی حصہ پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے مکمل سر منڈوانا افضل ہے۔ اور کتروانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سروں سے ایک انگلی کی مقدار کے برابر تراشے۔

سر منڈانے کی فضیلت کے بیان میں احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈایا اور صحابہ میں سے کچھ نے تو اپنے سر منڈائے اور کچھ نے اپنے بال کتروائے۔ (بخاری ومسلم)

جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے سر منڈائے انہوں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے جذبے اور حصول افضلیت کو پیش نظر رکھا اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بال کتروانے پر اکتفاء کیا (انہوں نے گویا جواز پر عمل کیا کہ بال کتروانا بھی جائز ہے)۔ صحیحین وغیرہم میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء میں سر منڈانے کی بجائے بال کتروائے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں لیکن افضل سر منڈانا ہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال مروہ کے قریب تیر کی پیکان سے کترے۔ (بخاری ومسلم)

مشقص کے معنی ہیں تیر کی پیکان لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ مشقص بڑی قینچی کو کہتے ہیں اور یہ معنی زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہیں۔

احادیث سے چونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں سر کے بال کتروائے نہیں بلکہ منڈوائے تھے اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا تعلق حج سے نہیں بلکہ عمرے سے ہے، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ عند المروۃ (مروہ کے قریب) بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال حج میں کترتے تو مروہ کے قریب نہ کہتے بلکہ یہ کہتے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال منیٰ میں کترے۔

سر منڈانے والوں کے لئے نبی کریم ﷺ کی دعائے رحمت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا۔ اے اللہ! سر منڈانے والوں

پر رحم فرما! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے دعاء رحمت کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ نے جب پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعاء رحمت کیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے اللہ) اور بال کتروانے والوں پر بھی رحم فرما۔ (بخاری ومسلم)

اس بات سے سر منڈانے کی افضلیت ثابت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تو کئی بار دعاء رحمت کی اور بال کتروانے والوں کے لئے کئی بار کے بعد ایک ہی مرتبہ دعاء رحمت کی۔

حضرت یحییٰ بن حصین (تابعی) اپنی دادی محترمہ سے (کہ جن کی کنیت ام الحصین ہے) نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سر منڈانے والوں کے لئے تین مرتبہ اور بال کتروانے والوں کے لئے آخر میں ایک مرتبہ دعا کرتے سنا۔ (مسلم)

اس حدیث سے پہلے بخاری ومسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تو دو مرتبہ دعا کی اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو بھی شامل فرمایا، نیز بخاری ومسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو شامل فرمایا، جب کہ مسلم کی یہ روایت بتارہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تو تین مرتبہ دعا کی اور بال کتروانے والوں کے لئے ایک مرتبہ، اب چاہے توان کو تو تیسری ہی مرتبہ میں شامل کیا ہو، چاہے چوتھی مرتبہ ان کے لئے علیحدہ سے دعا کی۔

بہر کیف ان تمام روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے علماء لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کئی مجلسوں میں کی ہوگی، چنانچہ کسی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے دو مرتبہ اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی اور کسی مجلس میں تین مرتبہ سر منڈانے والوں کے لئے اور چوتھی مرتبہ بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی ہوگی، یا پھر یہ کہ جس راوی نے جو سنا اور اس پر جو حقیقت ظاہر ہوئی اس نے اسی کو ذکر کیا۔

سر منڈانے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں آنے کے بعد جمرہ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور وہاں کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کیا، اس کے بعد سر مونڈنے والے کو (جس کا نام معمر بن عبداللہ تھا) بلایا اور اپنے سر کا دایاں حصہ اس کے سامنے کیا، چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر (کے اس داہنے حصہ) کو مونڈا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو اپنے وہ مونڈے ہوئے بال دیئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا بایاں حصہ مونڈنے والے کی طرف کر کے فرمایا کہ اب اسے مونڈو، چنانچہ اس نے مونڈ دیا، یہ بال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دے دیئے اور فرمایا کہ یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سر منڈانے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے، نیز اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ

دائیں طرف میں منڈوانے والے کا اعتبار ہے کہ وہ اپنے سر کو دائیں طرف سے منڈوانا شروع کرے، جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مونڈنے والے کی دائیں طرف کا اعتبار ہے یعنی مونڈنے والا اپنی دائیں طرف سے سر مونڈنا شروع کرے۔

سوائے عورت کے تمام ممنوعات کی حلت کا بیان

اور اس کے لئے سوائے عورت کے ہر چیز حلال ہوگئی۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے سوائے خوشبو کے کیونکہ وہ جماع کی طرف بلانے والی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لئے سوائے عورت کے ہر چیز حلال ہوئی اور یہی دلیل قیاس پر مقدم ہے۔ اور ہمارے نزدیک فرج کے سوا میں جماع حلال نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ یہ عورتوں کے ساتھ شہوت کو پورا کرنا ہے لہٰذا اس کو پورے حلال ہونے تک مؤخر کیا جائے گا۔ (ہدایہ، کتاب الحج، لاہور)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی رمی جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاتا ہے اور سر منڈوالیتا ہے یا بال کتروالیتا ہے تو اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے یعنی بیوی کے ساتھ جماع ان چیزوں کے بعد بھی حلال نہیں ہوتا، بلکہ یہ طواف زیارت سے فراغت کے بعد ہی حلال ہوتا ہے اس روایت کو صاحب مصابیح نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اور احمد ونسائی نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے رمی جمرہ عقبہ کر لی تو سر منڈوانے یا بال کتروانے کے بعد اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہو جاتی ہے۔

دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ ہی میں ہدی ذبح کی جاتی ہے اس کے بعد سر منڈا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دیا جاتا ہے اس طرح رفث (عورت سے جماع وغیرہ) کے علاوہ ہر وہ چیز جو احرام کی حالت میں ممنوع تھی، جائز ہو جاتی ہے۔

بَابُ الْعُمْرَةِ

باب: عمرہ کرنا

1986 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ، وَيَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: اعْتَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ

❀❀ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے سے پہلے عمرہ کیا تھا۔

1986- اسناده صحيح. ابن جريج - وهو عبد الملك بن عبد العزيز - صرح بالاخبار عند البخاری. يحيى بن زكريا: هو ابن ابی زائدة الهمدانی. واخرجه البخاری (1774) من طريق عبد الله بن المبارك، عن ابن جريج، به. وهو فی "مسند احمد" (5069). واخرج احمد 6475)

عمرہ کی شرعی حیثیت کا بیان

اور عمرہ سنت ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ فرض ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرہ فرض ہے۔ جس طرح حج فرض ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج فرض ہے جبکہ عمرہ تطوع (نفل) ہے۔ لہٰذا عمرے کو کسی وقت کے مقید نہیں کیا گیا۔ اور وہ غیر کی نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے جس طرح فائت الحج میں ہے اور یہ نفل کی علامت ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ روایت کی تاویل یہ ہے کہ عمرہ اعمال کے ساتھ اسی طرح مقرر ہے جس طرح حج مقرر ہے۔ لہٰذا تعارض آثار کے ساتھ فرضیت ثابت نہ ہوگی۔ اور فرمایا: عمرہ صرف طواف وسعی ہے اور اسے ہم نے باب التمتع میں ذکر کر دیا ہے اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (ہدایہ اولین، کتاب الحج، لاہور)

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہر سال (حج کرنا فرض ہوا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ میں اس حج کے (ہر سال فرض ہونے کے سوال) کے بارے میں ہاں کہہ دیتا تو یقینا (ہر سال حج کرنا) واجب (یعنی فرض) ہو جاتا تو نہ تم اس حکم پر عمل کر پاتے اور نہ تم اس کی استطاعت ہی رکھتے، حج پوری زندگی میں بشرط قدرت ایک ہی مرتبہ فرض ہے ہاں جو شخص ایک بار سے زیادہ کرے وہ نفل ہوگا (جس پر اسے بہت زیادہ ثواب ملے گا)۔ (احمد، نسائی، دارمی)

عمرہ واجب نہیں ہے بلکہ عمر بھر میں ایک مرتبہ سنت مؤکدہ ہے عمرہ کے لئے کسی خاص زمانہ کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ حج کے لئے ہے بلکہ جس وقت چاہے کر سکتا ہے اسی طرح ایک سال میں کئی مرتبہ بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، البتہ غیر قارن کو ایام حج میں عمرہ کرنا مکروہ ہے ایام حج کا اطلاق یوم عرفہ یوم نحر اور ایام تشریق پر ہوتا ہے۔ عمرہ کا رکن طواف ہے اور اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو صفا و مروہ کے درمیان سعی اور دوسرے سر منڈوانے یا بال کتروانا۔ جو شرائط اور سنن وآداب حج کے ہیں وہی عمرہ کے بھی ہیں۔

عمرے وجوب یا عدم وجوب میں فقہی مذاہب کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جس بندے پر حج فرض ہے دونوں میں روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر عمرہ بھی واجب ہے۔ اور یہ ایک روایت حضرت عمر، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، سعید بن مسیب، طاؤس، ثوری، اسحاق، مجاہد، حسن، ابن سیرین، شعبی رضی اللہ عنہم اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے حضرت امام مالک، ابو ثور اور اصحاب رائے نے اسی طرح کہا ہے۔ اور یہ حدیث پیش کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ عمرہ کرنا افضل ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ کیونکہ عمرہ غیر موقت نسک ہے لہٰذا یہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سال میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے نزدیک (فقہاء مالکیہ) عمرہ واجب ہے کیونکہ دلیل یہ ہے""" یہاں عمرے کا عطف حج پر ڈالا گیا ہے۔ اور امر وجوب کا تقاضہ کرتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف حکم میں برابری کا تقاضہ کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمرہ قرینہ کتاب اللہ میں قرینہ حج میں سے ہے۔ حضرت رزین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد گرامی بوڑھے ہیں جو حج اور عمرے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے حج اور عمرہ کرو۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بہرحال امام ترمذی کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور اس قسم کی حدیث سے عمرے کا نفل ثابت نہیں ہوتا۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس کی اسانید صحیح نہیں ہے۔

(المغنی، ج ۳، ص ۱۶۸، بیروت)

عمرے کے عدم وجوب میں فقہ حنفی کے دلائل کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا تو ہمارے پاس ایک اونٹ تھا مگر ابو معقل نے اس کو راہ خدا میں دے دیا تھا ہم بیمار ہوئے اور ابو معقل اسی بیماری میں فوت ہوگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے فارغ ہوکر آئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ام معقل تم ہمارے ساتھ حج کے لیے کیوں نہ گئیں میں نے عرض کیا میں نے تیاری کر لی تھی لیکن ابو معقل انتقال کر گئے نیز ہمارے صرف ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کرتے مگر ابو معقل نے (مرتے وقت) وصیت کردی کہ اس اونٹ کو راہ خدا میں دے دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تو اسی اونٹ پر حج کے لیے کیوں نہ نکلی کیونکہ حج بھی تو فی سبیل اللہ ہے خیر اب تو ہمارے ساتھ تیرا حج جاتا رہا پس تو رمضان میں عمرہ کرلے کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا (ثواب میں) حج کے برابر ہے ام معقل کہا کرتی تھیں کہ حج پھر حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں یہ فرمایا تھا (کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے) پتہ نہیں یہ حکم میرے لیے ہی خاص تھا یا عام تھا۔ (سنن ابوداؤد)

تخصیص اوقات سے فضیلت عمرہ سے عدم وجوب کا بیان

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔

حضرت عبداللہ بن اوفی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب عمرہ کیا ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے طواف کیا تو ہم نے آپ کے ساتھ ہی طواف کیا آپ نے نماز ادا کی تو ہم نے آپ کے ساتھ ہی نماز ادا کی اور ہم (آڑ بن کر)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ سے پوشیدہ رکھتے تھے کہ کوئی آپ کو ایذاء نہ پہنچا سکے۔

حضرت وہب بن خنبش فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ہرم بن خنبش بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔

حضرت ابو معقل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ذی قعدہ میں عمرہ کیا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الحج)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر عمرہ فرض یا واجب ہوتا تو اس کی فضیلت تخصیص رمضان کے ساتھ حج کی طرح ثواب میں نہ ہوتی۔ ان احادیث سے تخصیص اوقات کی بناء پر اس کے ثواب کو حج کی طرح دیا جانا خود امر کی دلیل ہے کہ عمرہ فرض نہیں ہے اور اس کی فرضیت نہ تو علی الاطلاق ہے اور نہ ہی حج کی طرح فرضیت ہے۔ لہٰذا ہم فقہ حنفی کی پاسبانی کرتے ہیں یہ ضرور کہیں گے۔ دیگر فقہی مذاہب سے فقہ حنفی دلائل قوی ہیں اور شریعت اسلامیہ کے فقہی مسائل میں زیادہ قریب الی الشرع ترجمانی کرنے والے مسائل اسی فقہی مذہب میں ہے۔

(۱) عدم توقیت عدم فرضیت کی دلیل

فقہاء احناف کی یہ دلیل نہایت قوی ہے کہ اگر عمرے کا شریعت میں حکم وجوبی ہوتا تو اس میں توقیت کی شرط ضرور ہوتی جبکہ عمرہ تمام سال میں جائز ہے۔ اور اس کے لئے توقیت کا نہ پایا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حرم شریف میں فرض ہونے والے حج اور اس عمرے میں ضرور افتراق ہے۔ اور یہی افتراق ہی اس کے عدم وجوب کی دلیل ہے۔

(۲) تعارض آثار سقوط فرضیت کی دلیل

ہم فقہاء احناف کی یہ دلیل بھی قرائن فقہیہ کے سب سے زیادہ قریب ہے کہ دیگر مذاہب نے جس قدر عمرے کی فرضیت یا وجوب میں آثار ذکر کیے ہیں ان میں کثیر تعارض ہے جو عمرے کی فضیلت کو بیان کرنے والا ہے اس کے وجوب کو ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا عمرہ فرض نہیں ہے بلکہ عمرہ سنت ہے۔

(۳) اہل مکہ پر عدم وجوب عدم فرضیت کی دلیل

وليس على أہل مكة عمرة نص عليه أحمد وقال :كان ابن عباس يرى العمرة واجبة ويقول :يا أهل مكة ليس عليكم عمرة إنما عمرتكم طوافكم بالبيت بهذا قال عطاء وطاوس :قال عطاء :ليس أحد من خلق الله إلا عليه حج وعمرة واجبان لا بد منهما لمن استطاع إليهما سبيلا إلا أہل مكة فإن عليهم حجة وليس عليهم عمرة من أجل طوافهم بالبيت ووجه ذلك أن ركن العمرة ومعظمها الطواف بالبيت وہم يفعلونه فاجزأ عنهم وحمل القاضي كلام أحمد على أنه لا عمرة عليهم مع الحجة لأنه يتقدم منهم فعلها في غير وقت

الحج والأمر علی ما قلناه۔ (المغنی، ج ۳، ص ۱۲۸، بیروت)

عمرہ فرض نہیں لہٰذا وہ قرض بھی نہیں

جو علت میت کی طرف سے حج کے جائز ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے وہ علت عمرہ میں نہیں پائی جاتی لہٰذا فوت شدہ کی طرف سے عمرہ کو فوت شدہ کی طرف سے حج پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق یا قیاس باطل یا غلط ہے! البتہ حج بدل کی طرح عمرہ بدل کیا جاسکتا ہے اس پر نص موجود ہے۔

اس پر حج فرض ہو گیا ہو لیکن وہ زندگی بھر حج نہ کر سکے تو اس کے اولیاء اس کے ترکہ میں سے جس طرح باقی قرض ادا کریں گے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا قرض حج بھی ادا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت کو قرض سے تشبیہ دی ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً اقْضُوا اللَّهَ فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ (صحیح بخاری کتاب الحج باب الحج والنذور عن المیت)

عمرہ متعدد بار کرنے میں شوافع وحنابلہ کے دلائل کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عمرہ کے تکرار میں کوئی حرج نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے پر ابھارا اور ان دونوں عمروں کے مابین وقت کی کوئی تحدید نہیں کی۔

ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں کہتے ہیں: سال میں کئی ایک بار عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، علی ابن عمر، ابن عباس، انس، اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور عکرمہ، امام شافعی، سے یہ روایت کیا گیا ہے، اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ایک ماہ میں دو بار عمرہ کیا اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے مابین گناہوں کا کفارہ ہے۔ (متفق علیہ)

فقہاء شوافع حنابلہ کے اس مؤقف پر یہ نقض وارد ہوتا ہے کہ اگر عمرہ فرض یا واجب نہیں ہے تو پھر اس کے تعدد کی اباحت کی دلیل کیا ہے۔ اور اگر وہ حج پر قیاس کریں تو پھر حج و عمرے کا فرق کیا رہ جائے گا۔ لہٰذا عمرہ وہ عبادت ہوئی جس کے وقت میں کوئی تعین نہ ہوا۔ تعداد میں کوئی تعین نہ ہوا۔ وجوب میں کس طرح تعین کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا فقہاء احناف کے مطابق یہ سنت ہی ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمروں کا بیان

حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ عمرہ کیا، صرف وہ عمرہ جو آپ نے حج کے ساتھ کیا ہے اس کے علاوہ باقی سب عمرے ذی القعدہ میں تھے۔

ایک عمرہ تو حدیبیہ سے، یا حدیبیہ کے زمانے میں ذی القعدہ کے مہینہ میں، اور ایک عمرہ آئندہ برس ذی القعدہ میں، اور ایک عمرہ جعرانہ سے یہ بھی ذی القعدہ میں تھا جب کہ آپ نے مال غنیمت بھی تقسیم فرمایا۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر الحج (1654) صحیح مسلم حدیث نمبر (الحج 1253)

حافظ ابن قیم کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار عمرے کیے جو سب کے سب ذی القعدہ کے مہینہ میں تھے۔ پہلا: عمرہ حدیبیہ: یہ سب سے پہلا عمرہ ہے جو کہ چھ ھجری میں کیا تو مشرکین مکہ میں انہیں روک دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے اونٹ وہیں ذبح کر دیے اور خود اور صحابہ کرام نے اپنے سر منڈوا کر اپنے احرام سے حلال ہو گئے اور اس سال مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ دوسرا: عمرہ قضاء: حدیبیہ کے بعد والے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور وہاں تین دن قیام فرمایا اور عمرہ مکمل کرنے کے بعد وہاں سے واپس تشریف لائے۔ تیسرا: وہ عمرہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ساتھ کیا تھا۔ چوتھا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی جانب نکلے اور مکہ واپسی پر جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ داخل ہوئے۔ حافظ ابن قیم کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے چار سے زائد نہیں ہیں۔ (زاد المعاد (2/90-93)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: علماء کرام کا کہنا ہے کہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرے ذی القعدہ کی فضیلت اور دور جاہلیت کی مخالفت کی بنا پر اس مہینہ میں کیئے، اس لیے کہ اہل جاہلیت کا یہ خیال تھا کہ ذی القعدہ میں عمرہ کرنا بہت بڑے فجور کا کام ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کئی بار اس لیے کیا تا کہ لوگوں کے لیے اچھی طرح بیان ہو جائے کہ اس مہینہ میں عمرہ کرنا جائز ہے، اور جو کچھ اہل جاہلیت کرتے تھے وہ باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(شرح مسلم (8/235)

1987 حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، عَنِ ابْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاؤسٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وَاللّٰهِ مَا اَعْمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ فِيْ ذِي الْحِجَّةِ اِلَّا لِيَقْطَعَ بِذٰلِكَ اَمْرَ اَهْلِ الشِّرْكِ، فَاِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنْ قُرَيْشٍ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: اِذَا عَفَا الْوَبَرْ وَبَرَاَ الدَّبَرْ وَدَخَلَ صَفَرْ فَقَدْ، حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرْ فَكَانُوْا يُحَرِّمُوْنَ الْعُمْرَةَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ ذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذی الحج کے مہینے میں صرف اس لیے عمرہ کروایا تھا۔ تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اس رسم کو ختم کر دیں کیونکہ قریش اور ان کے دین پر عمل پیرا لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ جب اونٹوں کے بال بڑھ جائیں ان کے زخم ٹھیک ہو جائیں اور صفر کا مہینہ شروع ہو جائے، تو عمرہ کرنے والے کے لیے عمرہ کرنا حلال ہوتا ہے یہ لوگ ذی الحج اور محرم گزر جانے سے پہلے عمرہ کرنے کو حرام قرار دیتے تھے۔

1988 حَدَّثَنَا اَبُوْ كَامِلٍ، حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ مَرْوَانَ، الَّذِيْ اُرْسِلَ اِلٰى اُمِّ مَعْقِلٍ، قَالَتْ: كَانَ اَبُوْ مَعْقِلٍ حَاجًّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمَ، قَالَتْ اُمُّ مَعْقِلٍ: قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ عَلَيَّ حَجَّةً فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ حَتّٰى دَخَلَا عَلَيْهِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ عَلَيَّ حَجَّةً وَاِنَّ لِاَبِيْ مَعْقِلٍ بَكْرًا، قَالَ اَبُوْ مَعْقِلٍ: صَدَقَتْ،

جَعَلْتُهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَعْطِهَا فَلْتَحُجَّ عَلَيْهِ. فَاِنَّهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَاَعْطَاهَا الْبَكْرَ. فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اِنِّي امْرَاَةٌ قَدْ كَبِرْتُ وَسَقِمْتُ فَهَلْ مِنْ عَمَلٍ يُجْزِئُ عَنِّي مِنْ حَجَّتِي. قَالَ: عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تُجْزِئُ حَجَّةً

ابوبکر بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں: مجھے مروان کے اس قاصد نے بتایا جس نے اسے سیدہ اُمّ معقل رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیجا تھا۔ سیدہ اُمّ معقل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کرنے کے لیے روانہ ہوئے جب وہ آئے' تو سیدہ اُمّ معقل رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ یہ بات جانتے ہیں کہ مجھ پر بھی حج لازم تھا پھر یہ دونوں روانہ ہوئے' یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس خاتون نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھ پر بھی حج لازم تھا' اور حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جوان اونٹ ہے' تو حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ٹھیک کہہ رہی ہے میں نے اسے اللہ کی کے لیے مخصوص کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تم اسے دے دو تا کہ یہ اس پر حج کر لے' کیونکہ یہ (حج بھی) اللہ کی راہ میں ہے' تو حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹ اسے دے دیا۔ اس خاتون نے عرض کی: یارسول اللہ! میں ایک ایسی عورت ہوں جو بوڑھی اور بیمار ہو چکی ہے' تو کیا کوئی ایسا عمل ہے جو میرے لیے حج کی جگہ کفایت کر جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان میں عمرہ کرنا حج سے کفایت کر جاتا ہے۔

1989 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِيُّ، حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ الْوَهْبِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ، عَنْ عِيسَى بْنِ مَعْقِلِ بْنِ اُمِّ مَعْقِلٍ الْاَسَدِيِّ اَسَدِ خُزَيْمَةَ، حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، عَنْ جَدَّتِهِ اُمِّ مَعْقِلٍ، قَالَتْ: لَمَّا حَجَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ وَكَانَ لَنَا جَمَلٌ، فَجَعَلَهُ اَبُو مَعْقِلٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَاَصَابَنَا مَرَضٌ وَهَلَكَ اَبُو مَعْقِلٍ وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ حَجِّهِ جِئْتُهُ، فَقَالَ: يَا اُمَّ مَعْقِلٍ مَا مَنَعَكِ اَنْ تَخْرُجِي مَعَنَا؟. قَالَتْ: لَقَدْ تَهَيَّاْنَا فَهَلَكَ اَبُو مَعْقِلٍ وَكَانَ لَنَا جَمَلٌ هُوَ الَّذِي نَحُجُّ عَلَيْهِ فَاَوْصَى بِهِ اَبُو مَعْقِلٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. قَالَ: فَهَلَّا خَرَجْتِ عَلَيْهِ، فَاِنَّ الْحَجَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. فَاَمَّا اِذْ فَاتَتْكِ هٰذِهِ الْحَجَّةُ مَعَنَا فَاعْتَمِرِي فِي رَمَضَانَ فَاِنَّهَا كَحَجَّةٍ فَكَانَتْ تَقُولُ: الْحَجُّ حَجَّةٌ، وَالْعُمْرَةُ عُمْرَةٌ، وَقَدْ قَالَ: هٰذَا لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَدْرِي اَلِي خَاصَّةً

سیدہ اُمّ معقل رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کرنے کا ارادہ کیا' تو ہمارے پاس صرف ایک اونٹ تھا' جسے حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے وقف کیا تھا۔ پھر انہیں بیماری لاحق ہوئی جس کے نتیجے میں حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کر کے تشریف لائے' تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُمّ معقل تم ہمارے ساتھ (حج کے لیے) کیوں نہیں گئیں تو اس خاتون نے عرض کی: ہم تیاری کر چکے تھے' لیکن حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ہمارے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا' جس پر ہم نے حج کے لیے جانا تھا۔ حضرت ابومعقل رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے یہ وصیت کر دی یہ اللہ کی راہ کے لیے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: تم اس اونٹ پر سوار ہو کر کیوں روانہ نہیں ہوئی' کیونکہ حج بھی اللہ کی راہ میں ہوتا ہے' جب تمہارا ہمارے ساتھ یہ حج رہ گیا' تو اب تم رمضان میں عمرہ کر لینا' کیونکہ یہ حج کی مانند ہوتا ہے۔

وہ خاتون یہ کہا کرتی تھیں حج' حج ہوتا ہے۔ عمرہ' عمرہ ہوتا ہے' لیکن نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ بات ارشاد فرمائی کہ مجھے نہیں معلوم کہ کیا یہ بطور خاص میرے لیے ہے؟

1990 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَامِرٍ الْاَحْوَلِ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجَّ فَقَالَتْ: امْرَاَةٌ لِزَوْجِهَا اَحِجَّنِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَمَلِكَ، فَقَالَ: مَا عِنْدِيْ مَا اُحِجُّكِ عَلَيْهِ، قَالَتْ: اَحِجَّنِيْ عَلٰى جَمَلِكَ فُلَانٍ، قَالَ: ذَاكَ حَبِيسٌ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ. فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّ امْرَاَتِيْ تَقْرَاُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللّٰهِ، وَاِنَّهَا سَاَلَتْنِي الْحَجَّ مَعَكَ، قَالَتْ: اَحِجَّنِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ: مَا عِنْدِيْ مَا اُحِجُّكِ عَلَيْهِ، فَقَالَتْ اَحِجَّنِيْ عَلٰى جَمَلِكَ فُلَانٍ، فَقُلْتُ: ذَاكَ حَبِيسٌ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ، فَقَالَ: اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَحْجَجْتَهَا عَلَيْهِ كَانَ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَاِنَّهَا اَمَرَتْنِيْ اَنْ اَسْاَلَكَ مَا يَعْدِلُ حَجَّةً مَعَكَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَقْرِئْهَا السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللّٰهِ وَبَرَكَاتِهِ، وَاَخْبِرْهَا اَنَّهَا تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِيْ يَعْنِيْ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا' تو ایک خاتون نے اپنے شوہر سے کہا: تم اپنے اونٹ پر مجھے بھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج پر لے جاؤ تو اس نے کہا: میرے پاس ایسا کوئی جانور نہیں ہے' جس پر سوار کروا کر میں تمہیں حج کرواؤں۔ تو اس عورت نے کہا: تم اپنے فلاں اونٹ پر مجھے حج کرادو۔ تو اس شخص نے کہا: وہ تو اللہ کی راہ کے لیے وقف ہے۔ وہ شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: میری بیوی نے آپ ﷺ کو سلام بھیجا ہے اور اس نے مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں اسے آپ ﷺ کے ساتھ حج کرواؤں اس نے مجھے یہ کہا ہے کہ تم مجھے اللہ کے رسول کے ساتھ حج کراؤ۔ میں نے کہا: میرے پاس ایسا کوئی جانور نہیں ہے' جس پر میں تمہیں سوار کروا کے لے کر جاؤں' تو اس نے کہا: تم مجھے اپنے فلاں اونٹ پر حج کے لیے لے جاؤ۔ میں نے کہا: وہ تو اللہ کی راہ کے لیے وقف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس عورت کو اس اونٹ پر حج کروا دیتے ہو' تو یہ بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔ اس شخص نے عرض کی: اس عورت نے مجھے یہ کہا تھا کہ میں آپ ﷺ سے یہ سوال کروں کہ کون سی چیز آپ ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے برابر ہو سکتی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس عورت کو میری طرف سے سلام کہنا اور اسے یہ بتانا: یہ چیز میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے' نبی اکرم ﷺ کی مراد رمضان میں عمرہ کرنا تھی۔

1991 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ عُمْرَتَيْنِ عُمْرَةً فِيْ ذِي الْقِعْدَةِ، وَعُمْرَةً

فِي شَوَّالٍ

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمرے کیے تھے۔ ایک عمرہ ذی القعدہ میں کیا تھا' اور ایک عمرہ شوال میں کیا تھا۔

1992 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا اَبُو اِسْحَاقَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ كَمِ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَرَّتَيْنِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَقَدْ عَلِمَ ابْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِ اعْتَمَرَ ثَلَاثًا سِوَى الَّتِي قَرَنَهَا بِحَجَّةِ الْوَدَاعِ

❁❁ مجاہد بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے کیے؟ انہوں نے جواب دیا: دو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ بات جانتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے کے علاوہ تین عمرے کیے تھے جو عمرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے ساتھ کیا تھا۔

1993 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، وَقُتَيْبَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَطَّارُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اعْتَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ: عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَالثَّانِيَةَ حِينَ تَوَاطَئُوا عَلَى عُمْرَةٍ مِنْ قَابِلٍ، وَالثَّالِثَةَ مِنَ الْجِعْرَانَةِ، وَالرَّابِعَةَ الَّتِي قَرَنَ مَعَ حَجَّتِهِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے تھے۔ عمرہ حدیبیہ، دوسرا وہ عمرہ جو اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، تیسرا وہ عمرہ جو جعرانہ سے کیا۔ چوتھا وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے ساتھ کیا تھا۔

1994 حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، وَهُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسٍ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِي ذِي الْقَعْدَةِ اِلَّا الَّتِي مَعَ حَجَّتِهِ.

1991- رجاله ثقات، وقد اختلف في وصله وارساله، فقد رواه مالک في "موطئه" 3421/ عن هشام بن عروة، عن ابيه مرسلاً، ورجح ابن عبد البر في "التمهيد" 28922/ المرسل، وكذلک ابن القيم في "زاد المعاد" 1252/، فانه رجح المرسل، وقال: وهو غلط ايضاً، اما من هشام، واما من عروة، اصابه فيه ما اصاب ابن عمر، وقد رواه ابو داود مرفوعاً عن عائشة، وهو غلط ايضاً لا يصح رفعه. قال: ويدل على بطلانه عن عائشة: ان عائشة وابن عباس وانس بن مالک، قالوا: لم يعتمر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - الا في ذي القعدة. وهذا هو الصواب. فان عمرة الحديبية وعمرة القضية كانتا في ذي القعدة، وعمرة القران انما كانت في ذي القعدة، وعمرة الجعرانة ايضاً كانت في اول ذي القعدة، وانما وقع الاشتباه انه خرج من مكة في شوال للقاء العدو، وفرغ من عدوه، وقسم الغنائم، ودخل مكة معتمراً من الجعرانة، ودخل مكة ليلاً معتمراً من الجعرانة، وخرج منها ليلاً، فخفيت عمرته هذه على كثير من الناس، وكذلک قال محرّش الكعبي. والله اعلم. وقال الذهبي في "مهذب السنن الكبرى" للبيهقي 1624/: هذا منكر

1993- اسناده صحيح. النفيلي: عبد الله بن محمد بن علي بن نفيل، وقتيبة: هو ابن سعيد، وعكرمة: هو مولى ابن عباس. واخرجه ابن ماجه (3003)، والترمذي (828) من طريق داود بن عبد الرحمن ابن داود العطار، بهذا الاسناد. وقال الترمذي: حديث حسن غريب. واخرجه الترمذي (829) من طريق سفيان بن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن عكرمة. مرسلاً. وهو في "مسند احمد" (2211)، و"صحيح ابن حبان" (3946).

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: اَتْقَنْتُ مِنْ هَاهُنَا مِنْ هُدْبَةَ وَسَمِعْتُهُ مِنْ اَبِي الْوَلِيدِ، وَلَمْ اَضْبِطْهُ عُمْرَةً زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ اَوْ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَعُمْرَةَ الْقَضَاءِ فِي ذِي الْقِعْدَةِ، وَعُمْرَةً مِنَ الْجِعْرَانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِي ذِي الْقِعْدَةِ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے چار عمرے کیے تھے۔ وہ سب آپ ﷺ نے ذی القعد کے مہینے میں کیے تھے۔ سوائے اس کے' جو آپ ﷺ نے حج کے ساتھ کیا تھا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) روایت کے یہ الفاظ: میں نے ہدبہ سے سن کر یاد رکھے اور میں نے یہ ابوولید سے سنے تھے' لیکن مجھے یہ الفاظ پوری طرح سے یاد نہیں رہے کہ کیا الفاظ ہیں وہ عمرہ جو آپ ﷺ نے حدیبیہ کے زمانے میں کیا تھا یا یہ الفاظ ہیں: وہ عمرہ جو آپ ﷺ نے حدیبیہ سے کیا تھا' اور وہ عمرہ قضاء جو آپ ﷺ نے ذی القعد کے مہینے میں کیا تھا' اور ایک عمرہ جو آپ ﷺ نے جعرانہ سے کیا تھا۔ جہاں آپ ﷺ نے ذی القعدہ کے مہینے میں حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا تھا' اور ایک عمرہ آپ ﷺ نے اپنے حج کے ساتھ کیا تھا۔

حج وعمرے کی فضیلت میں احادیث کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حج مقبول۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فریضۂ حج ادا کرنے میں جلدی کرو کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اسے کیا عذر پیش آجائے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہے (یعنی جس پر حج فرض ہو گیا ہے) اس کو جلدی کرنی چاہئے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ یا مرض شدید نے حج سے نہیں روکا، اور اس نے حج نہیں کیا اور مر گیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (الدارمی) (یعنی یہ شخص یہود ونصاریٰ کے مشابہ ہے)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ کچھ آدمیوں کو شہر بھیج کر تحقیق کراؤں کہ جن لوگوں کو حج کی طاقت ہے اور انھوں نے حج نہیں کیا، تا کہ ان پر جزیہ مقرر کر دیا جائے۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں، ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں۔

1994- اسناده صحيح. همام: هو ابن يحيى العوذي، وقتادة: هو ابن دِعامة السَّدوسي، وابو الوليد الطيالسي: هو هشام بن عبد الملك. واخرجه البخاري (1780) و (4148) ومختصرا (3066)، ومسلم (1253) من طريق هُدبة بن خالد، بهذا الاسناد. واخرجه البخاري (1778) و (1779)، ومسلم (1253)، والترمذي (827) من طريق عن همام بن يحيى، به. وهو في "مسند احمد" (12372)، و"صحيح ابن حبان" (3764).

(سعید نے اپنی سنن میں روایت کیا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جس نے قدرت کے باوجود حج نہیں کیا، اس کے لئے برابر ہے کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا عیسائی ہوکر۔ (سعید نے اپنی سنن میں روایت کیا) غور فرمائیں کہ کس قدر سخت وعیدیں ہیں ان لوگوں کے لئے جن پر حج فرض ہوگیا ہے، لیکن دنیاوی اغراض یا سستی کی وجہ سے بلا شرعی مجبوری کے حج ادا نہیں کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کے لئے حج کیا اور اس دوران کوئی بیہودہ بات یا گناہ نہیں کیا تو وہ (پاک ہوکر) ایسا لوٹتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے روز (پاک تھا)۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو دونوں عمروں کے درمیان سرزد ہوں۔ اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پے در پے حج اور عمرے کیا کرو۔ بے شک یہ دونوں (حج اور عمرہ) فقر یعنی Mina غریبی اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔ (ابن ماجہ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمیں معلوم ہے کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے، کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں (عورتوں کے لئے) عمدہ ترین جہاد حج مبرور ہے۔ (بخاری)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا عورتوں پر بھی جہاد (فرض) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں خوں ریزی نہیں ہے اور وہ حج مبرور ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اپنا دایاں ہاتھ آگے کیجئے تاکہ میں آپ ﷺ سے بیعت کروں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے کیا، تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا، عمرو کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کیا شرط رکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا (گزشتہ) گناہوں کی مغفرت کی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام (میں داخل ہونا) گزشتہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ہجرت گزشتہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اور حج گزشتہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ قبول فرمائے، اگر وہ اس سے مغفرت طلب کریں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اُس کے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے اپنی مغفرت کی دعا کے لئے کہو

کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو چکی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جو حاجی سوار ہو کر حج کرتا ہے اس کی سواری کے ہر قدم پر ستر hajj-pedal نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو حج پیدل کرتا ہے اس کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے لکھی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حرم کی نیکیاں کتنی ہوتی ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ (بزاز، کبیر، اوسط)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حج میں خرچ کرنا جہاد میں خرچ کرنے کی طرح ہے یعنی حج میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے عمرے کا ثواب تیرے خرچ کے بقدر ہے یعنی جتنا زیادہ اس پر خرچ کیا جائے گا اتنا ہی ثواب ہوگا۔ (الحاکم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حج کی نیکی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: حج کی نیکی لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا ہے۔ (رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط وابن خزیمۃ فی صحیحہ)۔ مسند احمد اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: حج کی نیکی، کھانا کھلانا اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرنا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حاجی لبیک کہتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جانب جو پتھر، درخت اور ڈھیلے وغیرہ ہوتے ہیں وہ بھی لبیک کہتے ہیں اور اسی طرح زمین کی انتہا تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے (یعنی ہر چیز ساتھ میں لبیک کہتی ہے)۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کی ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں روزانہ اس گھر (خانہ کعبہ) پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر، چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس خانہ کعبہ کو دیکھنے والوں پر۔ (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت ادا کیں گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔ (ابن ماجہ)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حجر اسود اور مقام ابراہیم قیمتی پتھروں میں سے دو پتھر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پتھروں کی روشنی ختم کر دی ہے، اگر اللہ تعالیٰ حجر اسود کو ایسا نہ کرتا تو یہ دونوں پتھر مشرق اور مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دیتے۔ (ابن خزیمہ)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حجر اسود جنت سے اترا ہوا پتھر ہے جو کہ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حجر اسود کو اللہ جل شانہ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جن سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا اُس شخص کے حق میں جس نے اُس کا حق کے ساتھ بوسہ لیا ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ان دونوں پتھروں (حجر اسود اور رکن یمانی) کو چھونا گناہوں کو مٹاتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں جا کر یہ دعا پڑھے: (اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) تو وہ سب فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (یعنی یا اللہ! اس شخص کی دعا قبول فرما) (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کعبہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھنا چاہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں لے گئے اور فرمایا: جب تم بیت اللہ (کعبہ) کے اندر نماز پڑھنا چاہو تو یہاں (حطیم میں) کھڑے ہو کر نماز پڑھ لو۔ یہ بھی بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔ تیری قوم نے بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کے وقت (حلال کمائی میسر نہ ہونے کی وجہ سے) اسے (چھت کے بغیر) تھوڑا سا تعمیر کرا دیا تھا۔ (نسائی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر سب سے بہتر پانی زمزم ہے جو بھوکے کے لئے کھانا اور بیمار کے لئے شفا ہے۔ (طبرانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمزم کا پانی (مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ) لے جایا کرتی تھیں اور فرماتیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کثرت سے بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں، اس دن اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کے) بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے اُن (حاجیوں) کی وجہ سے فخر کرتے ہیں اور فرشتوں سے Arafah پوچھتے ہیں (ذرا بتاؤ تو) یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ (مسلم)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: غزوۂ بدر کا دن تو مستثنیٰ ہے اس کو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو، بہت راندہ پھر رہا ہو، بہت حقیر ہو رہا ہو، بہت زیادہ غصہ میں پھر رہا ہو، یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ وہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا اور بندوں کے بڑے بڑے

گناہوں کا معاف ہونا دیکھتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج کو جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے، اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا۔ اور جو شخص عمرہ کے لئے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے، تو اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا۔ اور جو شخص جہاد کے لئے نکلے اور راستہ میں انتقال کر جائے، تو اس کے لئے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

بَابُ الْمُهِلَّةِ بِالْعُمْرَةِ تَحِيضُ فَيُدْرِكُهَا الْحَجُّ فَتَنْقُضُ عُمْرَتَهَا وَتُهِلُّ بِالْحَجِّ هَلْ تَقْضِي عُمْرَتَهَا؟

باب: عمرہ کا احرام باندھنے والی عورت کو اگر حیض آجائے اور حج کا وقت بھی آجائے، تو وہ اپنے عمرے کو ختم کر دے گی اور حج کا احرام باندھ لے گی، تو کیا وہ عمرے کی قضاء کرے گی

1995 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ اَبِيهَا، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ: يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ اَرْدِفْ اُخْتَكَ عَائِشَةَ فَاَعْمِرْهَا مِنَ التَّنْعِيمِ فَاِذَا هَبَطْتَ بِهَا مِنَ الْاَكَمَةِ فَلْتُحْرِمْ فَاِنَّهَا عُمْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ

❁❁ سیدہ حفصہ بنت عبدالرحمن رضی اللہ عنہا اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عبدالرحمن! اپنی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھالو اور اسے تنعیم سے عمرہ کروا دو۔ جب تم ٹیلے سے نیچے اترو تو عائشہ کو احرام باندھ لینا چاہئے اس طرح یہ عمرہ مقبول ہوگا۔

1996 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُزَاحِمِ بْنِ اَبِيْ مُزَاحِمٍ، حَدَّثَنِيْ اَبِيْ مُزَاحِمٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَسِيدٍ، عَنْ مُحَرِّشٍ الْكَعْبِيِّ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجِعْرَانَةَ فَجَاءَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَرَكَعَ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ اَحْرَمَ، ثُمَّ اسْتَوٰى عَلٰى رَاحِلَتِهِ فَاسْتَقْبَلَ بَطْنَ سَرِفَ حَتّٰى لَقِيَ طَرِيقَ الْمَدِينَةِ فَاَصْبَحَ بِمَكَّةَ كَبَائِتٍ

❁❁ حضرت محرش کعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جعرانہ تشریف لائے۔ آپ ﷺ مسجد میں آئے۔ پھر جتنا اللہ کو منظور تھا اتنی نماز ادا کی۔ پھر آپ ﷺ نے احرام باندھا اپنی سواری پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے سرف کے نشیبی حصے کا رخ کیا، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ کے راستے پر آئے، تو آپ ﷺ نے مکہ میں یوں صبح کی جیسے رات یہیں گزاری تھی۔

بَابُ الْمَقَامِ فِي الْعُمْرَةِ

باب: عمرہ میں مقیم رہنے کا حکم

1997 حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، وَعَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ ثَلَاثًا

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: عمرہ قضاء کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ میں) تین دن ٹھہرے تھے۔

بَابُ الْإِفَاضَةِ فِي الْحَجِّ

باب: حج میں طواف افاضہ کرنا

1998 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى يَعْنِي رَاجِعًا

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن طواف افاضہ کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی یعنی واپس آ کر ادا کی۔

شرح

حج میں یہ طواف فرض ہے۔ اور یہی اس میں رکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ''

اس میں اسی طواف کا ذکر ہے۔ اور اس کا نام طواف افاضہ بھی رکھا گیا ہے اور یوم نحر کا یہی طواف ہے۔ اور اس طواف کو ان دنوں سے مؤخر کرنا مکروہ ہے اسی دلیل کی بنیاد پر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ یہ طواف انہی دنوں کے ساتھ موقت ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر اس نے اس کو مؤخر کیا تو اس پر دم لازم ہے۔ (ہدایہ، کتاب الحج لاہور)

1999 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَيَحْيَى بْنُ مَعِينٍ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، وَعَنْ أُمِّهِ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، يُحَدِّثَانِهِ جَمِيعًا ذَاكَ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَتْ لَيْلَتِي الَّتِي يَصِيرُ إِلَيَّ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَاءَ يَوْمِ النَّحْرِ فَصَارَ إِلَيَّ وَدَخَلَ عَلَيَّ وَهْبُ بْنُ زَمْعَةَ وَمَعَهُ رَجُلٌ مِنْ آلِ أَبِي أُمَيَّةَ مُتَقَمِّصَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَهْبٍ: هَلْ أَفَضْتَ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ؟ قَالَ: لَا وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْزِعْ عَنْكَ الْقَمِيصَ قَالَ: فَنَزَعَهُ مِنْ رَأْسِهِ وَنَزَعَ صَاحِبُهُ قَمِيصَهُ مِنْ رَأْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: وَلِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: إِنَّ هَذَا يَوْمٌ رُخِّصَ لَكُمْ إِذَا أَنْتُمْ رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ أَنْ تَحِلُّوا يَعْنِي مِنْ كُلِّ مَا حُرِمْتُمْ مِنْهُ إِلَّا النِّسَاءَ، فَإِذَا أَمْسَيْتُمْ قَبْلَ أَنْ تَطُوفُوا

هٰذَا الْبَيْتَ صِرْتُمْ حُرُمًا كَهَيْئَتِكُمْ قَبْلَ أَنْ تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطُوفُوا بِهِ

❁❁ سیّدہ زینت بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتی ہیں: جب میری باری کی رات تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت میرے پاس تشریف لائے۔ یہ قربانی کے دن کی بات ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس موجود تھے کہ وہب بن زمعہ میرے ہاں آئے۔ ان کے ساتھ ابوامیہ کی آل سے تعلق رکھنے والا ایک شخص بھی تھا۔ ان دونوں نے قمیصیں پہنی ہوئی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہب سے دریافت کیا: اے ابوعبداللہ! کیا تم نے طواف افاضہ کر لیا ہے؟ تو اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! یارسول اللہ! جی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم یہ قمیص اتاردو۔ راوی کہتے ہیں: انہوں نے اپنے سر کی طرف سے اسے اتار دیا۔ ان کے ساتھی نے بھی اپنے سر کی طرف سے قمیص کو اتار دیا۔ پھر انہوں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ کیوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس دن کے بارے میں تمہیں یہ اجازت دی گئی ہے کہ جب تم جمرہ کی رمی کر چکے ہو تو تم احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتے ہو البتہ خواتین کا معاملہ مختلف ہے اور جب تم اس گھر کا طواف کرنے سے پہلے شام کر دیتے ہو تو تم پھر دوبارہ پہلے کی طرح احرام کی حالت میں آجاتے ہو جو جمرہ کو کنکریاں مارنے سے پہلے تھی یہ اس وقت تک رہے گا' جب تک تم طواف نہیں کر لیتے۔

2000 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَّرَ طَوَافَ يَوْمِ النَّحْرِ إِلَى اللَّيْلِ

❁❁ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن کے طواف کو رات تک مؤخر کیا تھا۔

طواف کا طریقہ اور دعائیں

(۱) جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(۲) شروع طواف سے پہلے مرد اضطباع کرے یعنی چادر کو دہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ دہنا مونڈھا کھلا رہے اور دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال دے۔

(۳) اب کعبہ کی طرف منہ کر کے حجر اسود کی دہنی طرف رکن یمانی کی جانب سنگ اسود کے قریب یوں کھڑا ہو کہ تمام پتھر اپنے دہنے ہاتھ کو رہے پھر طواف کی نیت کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ طَوَافَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ

(۴) اس نیت کے بعد کعبہ کو منہ کئے اپنی دہنی جانب چلو جب سنگ اسود کے مقابل ہو۔ (اور یہ بات ادنیٰ حرکت میں حاصل ہو جائے گی) کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف رہیں اور کہو:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ط

اور نیت کے وقت ہاتھ نہ اٹھاؤ جیسے بعض مطوف کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔(۵) میسر ہو سکے تو حجر اسود پر دونوں ہتھلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ دو کہ آواز نہ پیدا ہو تین بار ایسا ہی کرو یہ نصیب ہو تو کمال سعادت ہے یقیناً تمہارے محبوب و مولیٰ محمد رسول ﷺ نے اسے بوسہ دیا اور روئے اقدس اس پر رکھا ہے خوش نصیبی کہ تمہارا منہ وہاں تک پہنچے اور ہجوم کے سبب نہ ہو سکے تو نہ اوروں کو ایذا دو نہ آپ دبو کچلو بلکہ اس کے عوض ہاتھ سے چھو کر اسے چوم لو اور ہاتھ نہ پہنچے تو لکڑی سے اسے چھو کر چوم لو اور یہ بھی نہ ہو سکے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے انہیں بوسہ دے لو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے منہ رکھنے کی جگہ پر نگاہیں پڑ رہی ہیں یہی کیا کم ہے اور حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ یا لکڑی سے چھو کر چوم لینے یا اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کو استلام کہتے ہیں۔

استلام کے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ طَھِّرْلِیْ قَلْبِیْ وَاشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْت

حدیث میں ہے روز قیامت یہ پتھر اٹھایا جائے گا اس کی آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا زبان ہوگی جس سے کلام کرے گا جس نے حق کے ساتھ اس کا بوسہ دیا اور استلام کیا اس کے لئے گواہی دے گا:

اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا ۢ بِکَ وَ تَصْدِیْقًا ۢ بِکِتَابِکَ وَ وَفَاءً ۢ بِعَھْدِکَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَکَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ۔

کہتے ہوئے دروازہ کعبہ کی طرف بڑھو جب حجر مبارک کے سامنے سے گزر جاؤ سیدھے ہو لو۔ خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر یوں چلو کہ کسی کو ایذا نہ دو۔(۷) پہلے تین پھیروں میں مرد رمل کرتا چلے یعنی جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانے ہلاتا جیسے قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں نہ کودنا نہ دوڑنا جہاں زیادہ ہجوم ہو جائے اور رمل میں اپنی یا دوسرے کی ایذا ہو تو اتنی دیر رمل ترک کرے مگر رمل کی خاطر رکے نہیں بلکہ طواف میں مشغول رہے پھر جب موقع مل جائے تو جتنی دیر تک کے لئے ملے رمل کے ساتھ طواف کرے۔ (۸) طواف میں جس قدر خانہ کعبہ سے نزدیک ہو بہتر ہے مگر نہ اتنا کہ پشتہ دیوار پر جسم لگے یا کپڑا اور نزدیکی میں کثرت ہجوم کے سبب رمل نہ ہو سکے تو دوری بہتر ہے۔(۹) جب ملتزم کے سامنے آئے یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا الْبَیْتُ بَیْتُکَ وَالْحَرَمُ حَرَمُکَ وَالْاَمْنُ اَمْنُکَ وَھٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ النَّارِ فَاَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاخْلُفْ عَلٰی کُلِّ غَائِبَةٍ بِخَیْرٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

اور جب رکن یمانی کے سامنے آئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّکِّ وَالشِّرْکِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَ سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ۔

اور جب میزاب رحمت کے سامنے آئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّکَ وَلَا بَاقِیَ اِلَّا وَجْھُکَ وَاسْقِنِیْ مِنْ حَوْضِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرْبَۃً ھَنِیْئَۃً لَا اَظْمَاُ بَعْدَھَا اَبَدًا ط

اور جب رکن شامی کے سامنے آئے یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّ سَعْیًا مَّشْکُوْرًا وَّ ذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّتِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ یَا عَالِمَ مَا فِی الصُّدُوْرِ اَخْرِجْنِیْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔

جب رکن یمانی کے پاس آؤ تو اسے دونوں ہاتھ یا دہنے ہاتھ سے تبرکاً چھوؤ نہ صرف بائیں سے اور چاہو تو اسے بوسہ بھی دو اور نہ ہو سکے تو یہاں لکڑی سے چھونا یا اشارہ کر کے ہاتھ چومنا نہیں اور یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط

اور رکن شامی یا عراقی کو چھونا یا بوسہ دینا کچھ نہیں۔

جب اس سے بڑھو تو یہ مستحاب ہے جہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہیں گے۔ وہی دعا جامع پڑھو:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (۲۰۱:۲)

یا اپنے اور سب احباب و مسلمین اور اس حقیر ذلیل کی نیت سے صرف درود شریف پڑھے کہ یہ کافی ووافی ہے۔ دعائیں یاد نہ ہوں تو وہ اختیار کرے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے وعدہ سے تمام دعاؤں سے بہتر وافضل ہے۔ یعنی یہاں اور تمام مواقع میں اپنے لئے دعا کے بدلے حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا کرے گا تو اللہ تیرے سب کام بنا دے گا اور تیرے گناہ معاف فرما دے گا۔

طواف میں دعا یا درود شریف پڑھنے کے لئے رکو نہیں بلکہ چلتے میں پڑھو۔

دعا اور درود چلا چلا کر نہ پڑھو جیسے مطوف پڑھا کرتے ہیں بلکہ آہستہ پڑھو اس قدر کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

اب جو چاروں طرف گھوم کر حجر اسود کے پاس پہنچا یہ ایک پھیرا ہوا اور اس وقت بھی حجر اسود کو بوسہ دے یا وہی طریقے برتے بلکہ ہر پھیرے کے ختم پر یہ کرے۔ یونہی سات پھیرے کرے مگر باقی پھیروں میں نیت کرنا نہیں کہ نیت کرنا تو شروع میں ہو چکی اور رمل صرف اگلے تین پھیروں میں ہے باقی چار میں آہستہ بغیر شانہ ہلائے معمولی چال چلے۔

جب ساتوں پھیرے پورے ہو جائیں تو آخر میں پھر حجر اسود کو بوسہ دے یا وہی طریقے ہاتھ یا لکڑی کے برتے۔ اس طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں یعنی حاضری دربار کا مجرا۔ یہ باہر والوں کے لئے مسنون ہے۔ یعنی ان کے لئے جو میقات کے باہر سے آئے ہیں مکہ والوں یا میقات کے اندر کے رہنے والوں کے لئے یہ طواف نہیں ہاں اگر مکہ والا میقات سے باہر گیا تو اسے بھی طواف قدوم مسنون ہے۔ (بہار شریعت، کتاب الحج، لاہور)

2001 حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، اَخْبَرَنَا ابْنُ وَھْبٍ، حَدَّثَنِی ابْنُ جُرَیْجٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَرْمُلْ فِی السَّبْعِ الَّذِیْ اَفَاضَ فِیْہِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے طواف افاضہ کے دوران رمل نہیں کیا تھا۔

طواف کی تین اقسام کا بیان

طواف کی تین قسمیں ہیں طواف قدوم، طواف زیارت اور اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اور طواف وداع اس کو طواف صدر بھی کہتے ہیں، جو حج کرنے والا مسافر ہو اس کے لئے طواف قدوم سنت ہے اور طواف زیارت ہر حج کرنے والے پر فرض ہے اور طواف وداع، حج کرنے والے مسافر پر واجب ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی 1088ھ طواف قدوم کے متعلق لکھتے ہیں:

اور بیت اللہ کا طواف قدوم کرے اور یہ باہر سے آ کر حج کرنے والے کے لئے سنت ہے کیونکہ وہ بیت اللہ میں قدم رکھنے والا ہے، اس طواف کی ابتداء طواف کرنے سے پہلے کعبہ کے دروازہ کے قریب اپنی دائیں جانب سے کرے اس طرح بیت اللہ اس کی بائیں جانب ہو جائے گا۔ طواف شروع کرنے سے پہلے اپنے احرام کی چادر اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال لے اور حطیم کے پیچھے سے طواف کرے اور سات بار کعبہ کے گرد چکر لگائے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرے یعنی تیز تیز چلے اور ہر چکر میں طواف حجر اسود سے شروع کر کے حجر اسود پر ختم کرے اور جب بھی حجر اسود کے سامنے سے گزرے تو تعظیم کرے اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دے یا چھوئے یا اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح اشارہ کرے گویا اس کو پکڑ رہا ہے اور رکن یمانی کی بھی تعظیم کرے اور یہ مستحب ہے لیکن بوسہ دینے کے بغیر امام محمد نے کہا یہ سنت ہے اور رکن یمانی کو بھی بوسہ دے اور دلائل اس کے سنت ہونے اور اس کو بوسہ دینے کی تائید کرتے ہیں۔ (علامہ شامی نے کہا میں مذکور ہے کہ رکن یمانی کو بوسہ نہ دے اور امام محمد کی طرف جو قول منسوب ہے، وہ ضعیف ہے) اور حجر اسود اور رکن یمانی کے ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص 448-454 مختصراً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1420ھ)

طواف زیارت یہ ہے کہ ایام نحر (دس، گیارہ، بارہ ذوالحج) میں سے کسی دن کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اور اس میں رمل نہ کرے اور نہ اس کے بعد سعی کرے اگر اس سے پہلے سعی کر چکا ہے ورنہ رمل بھی کرے اور سعی بھی کرے۔ اس کا افضل وقت دس ذوالحج کو نماز فجر کے بعد ہے اور اس کا وقت آخر عمر تک رہتا ہے۔ (علامہ شامی نے کہا ہے اگر اس نے بغیر عذر کے ۱۲ ذوالحج کے بعد طواف زیارت کیا تو وہ گناہ گار ہوگا) طواف زیارت سے قبل جب اس نے حلق کرا لیا (سر منڈا لیا یا بال کٹوا لئے) تو اس کی بیوی اس پر حلال ہو جائے گی اور ایام نحر کے بعد اگر طواف زیارت کیا تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اس پر دم واجب ہوگا (ایک بکری ذبح کرنا ہوگی) اور یہ بہ قدر امکان ہے اگر عورت کو حیض آیا ہوا ہو یا کوئی اور عذر ہو تو طواف زیارت کو بغیر کراہت اور وجوب دم کے مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص 476-478 ملخصاً بیروت)

جب حج کرنے والا مکہ مکرمہ سے سفر کرنے کا ارادہ کرے تو پھر کعبہ کا الوداعی طواف کرے، اس کو طواف وداع اور طواف صدر کہتے ہیں۔ اس میں کعبہ کے گرد سات بار چکر لگائے نہ رمل کرے اور نہ سعی کرے۔ یہ اہل مکہ کے علاوہ ہر حج کرنے والے پر واجب ہے اور اہل مکہ کے لئے مستحب ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص 482-483 مختصراً بیروت)

بَابُ الْوَدَاعِ

باب: طوافِ رخصت

2002 حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ فِي كُلِّ وَجْهٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: پہلے لوگ کسی بھی طرف سے واپس چلے جاتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کوئی شخص اس وقت تک ہرگز روانہ نہ ہو۔ جب تک وہ سب سے آخر میں بیت اللہ کا طواف نہ کر لے۔

طواف کے بعض مسائل واحکام کا بیان

طواف میں نیت فرض ہے بغیر نیت طواف نہیں مگر یہ شرط نہیں کسی معین طواف کی نیت کرے بلکہ ہر طواف، مطلق نیت طواف سے ادا ہو جاتا ہے بلکہ جس طواف کو کسی وقت میں معین کر دیا گیا ہے اگر اس وقت کسی دوسرے طواف کی نیت سے کیا تو یہ یہ دوسرا نہ ہوگا بلکہ وہ ہوگا جو معین ہے مثلاً عمرہ کا احرام باندھ کر باہر سے آیا اور طواف کیا تو یہ عمرہ کا طواف ہے اگرچہ نیت میں یہ نہ ہو۔ یونہی حج کا احرام باندھ کر باہر والا آیا اور طواف کیا تو طواف قدوم ہے یا قران کا احرام باندھ کر آیا اور دو طواف کیے تو پہلا عمرہ کا ہے۔ دوسرا طواف قدوم یا دسویں تاریخ کو طواف کیا تو طواف زیارت ہے اگرچہ ان سب میں نیت کسی اور کی ہو۔

(منسک، فتاویٰ ہندیہ، کتاب المناسک، بیروت)

یہ طریقہ طواف کا جو مذکورہ ہوا اگر کسی نے اس کے خلاف طواف کیا مثلاً بائیں طرف سے شروع کیا کہ کعبہ معظمہ طواف کرنے میں سیدھے ہاتھ کو رہا یا کعبہ معظمہ کو منہ یا پیٹھ کر کے آڑا آڑا طواف کیا یا حجر اسود سے شروع نہ کیا تو جب تک مکہ معظمہ میں ہے اس طواف کا اعادہ کرے اور اگر اعادہ نہ کیا اور وہاں سے چلا آیا تو دم واجب ہے یونہی حطیم کے اندر سے طواف کرنا ناجائز ہے لہٰذا اس کا بھی اعادہ کرے چاہیے تو یہ کہ پورے ہی طواف کا اعادہ کرے اور اگر صرف حطیم کا سات بار طواف کر لیا کہ رکن عراقی سے رکن شامی تک حطیم کے باہر گیا اور واپس آیا یونہی سات بار کر لیا تو بھی کافی ہے۔ اور اس صورت میں افضل یہ ہے کہ حطیم کے باہر واپس آئے اور اندر سے واپس ہوا جب بھی جائز ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، منسک، بحر، تبیین، منسک، فتاویٰ ہندیہ، کتاب المناسک، بیروت)

طواف سات پھیروں پر ختم ہو گیا اب اگر آٹھواں پھیرا جان بوجھ کر قصداً شروع کر دیا تو یہ ایک جدید طواف شروع ہوا اسے بھی اب سات پھیرے کر کے ختم کرے۔ یونہی اگر محض وہم و وسوسہ کی بنا پر آٹھواں پھیرا شروع کیا کہ شاید ابھی چھ ہی ہوئے ہیں

2002- اسناده صحيح. نصر بن علي: هو ابن صهبان الازدي، وسفيان: هو ابن عيينة، وسليمان الاحول: هو ابن ابي مسلم المكي، وطاوس: هو ابن كيسان. واخرجه مسلم (1327)، وابن ماجه (3070)، والنسائي في "الكبرى" (4170) من طرق عن سفيان، بهذا الاسناد. واخرجه البخاري (1755)، ومسلم (1328)، والنسائي في "الكبرى" (4185)

جب بھی اسے سات پھیرے کر کے ختم کرے۔ ہاں اگر اس آٹھویں کو ساتواں گمان کیا بعد میں معلوم ہوا کہ سات ہو چکے ہیں تو اسی پر ختم کر دے سات پورے کرنے کی ضرورت نہیں۔ طواف کے پھیروں میں شک واقع ہوا کہ کتنے ہوئے تو اگر طواف فرض یا واجب ہے تو اب سے سات پھیرے کرے اور اگر کسی ایک عادل شخص نے بتادیا کہ اتنے پھیرے ہوئے تو اس کے قول پر عمل کر لینا بہتر ہے اور دو عادل نے بتایا تو ان کے کہے پر ضرور عمل کرے اور اگر طواف فرض یا واجب نہیں ہے تو گمان غالب پر عمل کرے۔ طواف کعبہ معظمہ مسجد الحرام شریف کے اندر ہوگا اگر مسجد کے باہر سے طواف کیا نہ ہوا۔

جو ایسا بیمار ہے کہ خود طواف نہیں کر سکتا اور سو رہا ہے اس کے ہمراہیوں نے طواف کرایا اگر سونے سے پہلے حکم دیا تھا تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔ مریض نے اپنے ساتھیوں سے کہا مزدور لا کر مجھے طواف کرادو پھر سو گیا اگر فوراً مزدور لا کر طواف کرادیا تو ہو گیا اور اگر دوسرے کام میں لگ گئے دیر میں مزدور لائے اور سوتے میں طواف کرایا تو نہ ہوا مگر مزدوری بہر حال لازم ہے۔ مریض کو طواف کرایا اور اپنے طواف کی بھی نیت ہے تو دونوں کے طواف ہو گئے۔ اگر چہ دونوں کے دو قسم کے طواف ہوں۔

(منسک، فتاویٰ ہندیہ، کتاب المناسک، بیروت)

طواف کرتے کرتے نماز جنازہ یا نماز فرض یا نیا وضو کرنے کے لئے چلا گیا تو واپس آ کر اسی پہلے طواف پر بنا کرے یعنی جتنے پھیرے رہ گئے ہوں انہیں کر لے طواف پورا ہو جائے گا سرے سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں اور سرے سے کیا جب بھی حرج نہیں اور اس صورت میں اس پہلے کو پورا کرنا ضروری نہیں اور بنا کی صورت میں جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے شروع کرے حجر اسود سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب اس وقت ہے جبکہ پہلے چار پھیرے سے کم کئے تھے اور اگر چار پھیرے یا زیادہ کئے تھے تو بنا ہی کرے۔

طواف کر رہا تھا کہ جماعت قائم ہوئی اور جانتا ہے کہ پھیرا پورا کرے گا تو رکعت جاتی رہے گی یا جنازہ آ گیا ہے انتظار نہ ہوگا تو وہیں سے چھوڑ کر نماز میں شریک ہو جائے اور بلا ضرورت چلا جانا مکروہ ہے مگر طواف باطل نہ ہوگا یعنی آ کر پورا کر لے۔ معذور طواف کر رہا ہے چار پھیروں کے بعد وقت نماز جاتا رہا تو اب اسے حکم ہے کہ وضو کر کے طواف کرے کیونکہ وقت نماز خارج ہونے سے معذور کا وضو جاتا رہتا ہے اور بغیر وضو طواف حرام اب وضو کرنے کے بعد جو باقی ہے پورا کرے اور چار پھیروں سے پہلے وقت ختم ہو گیا جب بھی وضو کر کے باقی کو پورا کرے اور اس صورت میں افضل یہ ہے کہ سرے سے کرے۔ (منسک) رَمل صرف پہلے تین پھیروں میں سنت ہے ساتوں میں کرنا مکروہ لہٰذا اگر پہلے میں نہ کیا تو صرف دوسرے اور تیسرے میں کرے اور پہلے تین میں نہ کیا تو باقی چار میں نہ کرے اگر بھیڑ کی وجہ سے رمل کا موقع نہ ملے تو رمل کی خاطر نہ رکے بلا رمل طواف کر لے اور جہاں جہاں موقع ہاتھ آئے اتنی دور رمل کر لے اور اگر ابھی شروع نہیں کیا ہے اور جانتا ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے رمل نہ کر سکے گا اور یہ بھی معلوم ہے کہ ٹھہرنے سے موقع مل جائے گا تو انتظار کرے۔ (درمختار، ردالمحتار، عالمگیری، بحر، تبیین)

رمل اس طواف میں سنت ہے جس کے بعد سعی ہو لہٰذا اگر طواف قدوم کے بعد کی سعی طواف زیارت تک موخر کرے تو طواف قدوم میں رمل نہیں۔ (عالمگیری، ردالمحتار، بحر) طواف کے ساتوں پھیروں میں اِضطِباع سنت ہے اور طواف کے بعد اضطباع نہ کرے

یہاں تک کہ طواف کے بعد کی نماز میں اگر اضطباع کیا تو مکروہ ہے اور اضطباع صرف اسی طواف میں ہے جس کے بعد سعی ہو اور اگر طواف کے بعد سعی نہ ہو تو اضطباع بھی نہیں (منسک بحر تحیین) میں نے بعض مطوف کو دیکھا کہ حجاج کو وقت احرام سے ہدایت کرتے ہیں کہ اضطباع کئے رہیں۔ یہاں تک کہ نماز احرام میں اضطباع کئے ہوئے تھے حالانکہ نماز میں مونڈھا کھلا رہنا مکروہ ہے۔

طواف کی حالت میں خصوصیت کے ساتھ ایسی باتوں سے پرہیز رکھے۔ جنہیں شرع مطہر پسند نہیں کرتی مرد اور عورتوں کی طرف بری نگاہ نہ کرے کسی میں اگر کچھ عیب ہو یا وہ خراب حالت میں ہو تو نظر حقارت سے اسے نہ دیکھے بلکہ اسے بھی نظر حقارت سے نہ دیکھے جو اپنی نادانی کے سبب ارکان ٹھیک ادا نہیں کرتا بلکہ ایسے کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھا دے۔

(منسک، فتاویٰ ہندیہ، کتاب المناسک، بیروت)

بَابُ الْحَائِضِ تَخْرُجُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ

باب: حیض والی عورت طواف افاضہ کے بعد روانہ ہوگی

2003 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ، فَقِيلَ: إِنَّهَا قَدْ حَاضَتْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَلَّهَا حَابِسَتُنَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ، فَقَالَ: فَلَا إِذًا

٭٭ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا۔ تو عرض کی گئی: انہیں حیض آ گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شاید اس کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑے گا۔ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

2004 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: أَتَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْمَرْأَةِ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ تَحِيضُ، قَالَ: لِيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهَا بِالْبَيْتِ قَالَ: فَقَالَ الْحَارِثُ: كَذَلِكَ أَفْتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: أَرِبْتَ عَنْ يَدَيْكَ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ

2003- اسناده صحيح. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة، ومالك: هو ابن انس. وهو عند مالك في "الموطا" 413/1. واخرجه البخاري (4401)، ومسلم بالر (1328)، وابن ماجه (3072) من طريق ابن شهاب الزهري، عن ابي سلمة وعروة، عن عائشة، به. واخرجه البخاري (328)، ومسلم بالر (1328)، والنسائي في "الكبرى" (4181) من طريق عمرة بنت عبد الرحمن، والبخاري (1561)، و (1762) و (1771) و (1772) و (5329) و (6157)، ومسلم (1211) بالر (1328)، وابن ماجه (3073) من طريق الاسود بن يزيد، والبخاري (1733)، ومسلم بالر (1328) من طريق ابي سلمة بن عبد الرحمن، والبخاري (1757)، ومسلم بالر (1328)، والترمذي (963) من طريق القاسم بن محمد، اربعتهم عن عائشة، به. وهو في "مسند احمد" (24101) و (25662)، و "صحيح ابن حبان" (3902) و (3903) و (3904).

سَأَلْتَ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِكَيْ مَا أُخَالِفَ

❀❀ حضرت حارث بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان سے ایسی عورت کے بارے میں دریافت کیا: جو قربانی کے دن بیت اللہ کا طواف کر لیتی ہے اور پھر اسے حیض آ جاتا ہے' تو انہوں نے فرمایا: اس عورت کو سب سے آخر میں بیت اللہ کا طواف کرنا چاہئے۔ راوی بیان کرتے ہیں: حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی طرح فتویٰ دیا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے ہاتھ برباد ہو جائیں تم نے مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں دریافت کیا' جس کے بارے میں تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر چکے ہو' تاکہ میں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم) کے برخلاف فیصلہ دوں۔

بَابُ طَوَافِ الْوَدَاعِ

باب: طواف رخصت

2005 حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَفْلَحَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: أَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِي وَانْتَظَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ، وَأَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيلِ، قَالَتْ: وَأَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهِ ثُمَّ خَرَجَ

❀❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے تنعیم سے عمرے کا احرام باندھا میں (حرم میں) داخل ہوئی۔ میں نے اپنا عمرہ ادا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی ابطح میں میرا انتظار کر رہے تھے' جب میں فارغ ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کا حکم دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا طواف کیا اور روانہ ہو گئے۔

2006 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ يَعْنِي الْحَنَفِيَّ، حَدَّثَنَا أَفْلَحُ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْتُ مَعَهُ تَعْنِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّفْرِ الْآخِرِ فَنَزَلَ الْمُحَصَّبَ،

قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ: وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ بَشَّارٍ قِصَّةَ بَعْثِهَا إِلَى التَّنْعِيمِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ، قَالَتْ: ثُمَّ جِئْتُهُ بِسَحَرٍ فَأَذَّنَ فِي أَصْحَابِهِ بِالرَّحِيلِ فَارْتَحَلَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَطَافَ بِهِ حِينَ خَرَجَ، ثُمَّ انْصَرَفَ مُتَوَجِّهًا إِلَى الْمَدِينَةِ

❀❀ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں ان کے ساتھ روانہ ہوئی۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ' جو آخری روانگی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی محصب میں پڑاؤ کیا۔

2005- اسناده صحيح. خالد: هو ابن عبد الله المزني مولاهم الطحان، وافلح: هو ابن حميد الانصاري، والقاسم: هو ابن محمد التيمي. وقد ثبت احرام عائشة من التنعيم لقضاء العمرة بعد الحج من غير طريق افلح كما سلف عند المصنف بالارقام (1778) و (1781) و (1782). واما قصة طوافه - صلى الله عليه وسلم - بعد ذلك طواف الوداع فسياتي بعده.

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابن بشار نامی راوی نے اپنی روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم بھجوانے کا ذکر نہیں کیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں صبح صادق کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو روانگی کا حکم دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس سے صبح کی نماز سے پہلے گزرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلنے کے وقت اس کا طواف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

2007 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ طَارِقٍ، أَخْبَرَهُ عَنْ أُمِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَازَ مَكَانًا مِنْ دَارِ يَعْلَى نَسِيَهُ عُبَيْدُ اللَّهِ اسْتَقْبَلَ الْبَيْتَ فَدَعَا

❁❁ عبدالرحمن بن طارق اپنی والدہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دار یعلی میں موجود جگہ کے آگے سے گزرے یہاں عبیداللہ نامی راوی اس جگہ کو بھول گئے ہیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگی:

بَابُ التَّحْصِيبِ

باب: وادی محصب میں پڑاؤ کرنا

2008 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنَّمَا نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَصَّبَ لِيَكُونَ أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ، وَلَيْسَ بِسُنَّةٍ فَمَنْ شَاءَ نَزَلَهُ، وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَنْزِلْهُ

❁❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی محصب میں اس لیے پڑاؤ کیا تھا کیونکہ وہاں سے نکلنا آسان ہے۔ یہ سنت نہیں ہے' جو شخص چاہے وہ وہاں پڑاؤ کر لے اور جو شخص چاہے وہ وہاں پڑاؤ نہ کرے۔

مقام محصب میں ٹھہرنے کا بیان

اور جب وہ مکہ روانہ ہو تو محصب میں اترے اور وہی ابطح ہے اور یہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترے تھے اور محصب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اترنا بطور ارادہ تھا۔ اور صحیح روایت یہی ہے۔ لہٰذا محصب میں اترنا سنت ہو گیا اور اس دلیل کی بنیاد پر جو روایت کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ہم کل کے دن خیف میں اتریں گے خیف بنو کنانہ میں ہے جہاں مشرکین نے اپنے شرک پر قسمیں اٹھائیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ مشرکوں نے بنو ہاشم کو چھوڑنے میں بڑی کوشش کی تھی تو ہم نے سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں محصب میں اترے۔ تاکہ مشرکین دیکھائیں کہ اللہ تعالیٰ کی

2007- اسناده ضعيف لجهالة حال عبد الرحمن بن طارق. وقد اضطرب في اسناده هذا، فقد رواه مرة عن ابيه، وقال مرة: عن عمه. قال البخاري في "التاريخ الكبير" 2985/: ولا يصح، وقال مرة اخرى: عن امه، كما عند المصنف هنا، وهو الاشبه فيما ذكره الحافظ في ترجمة طارق بن علقمة من "الاصابة". "هشام بن يوسف: هو الصنعاني، وابن جريج: هو عبد الملك بن عبد العزيز. واخرجه النسائي في "الكبرى" (3865) من طريق ابي عاصم النبيل، عن ابن جريج، بهذا الاسناد.

قدرت لطیفہ آپ کے ساتھ ہے لہٰذا طواف میں رمل کی طرح یہ سنت ہو گیا۔ (ہدایہ اولین، کتاب الحج، لاہور)

مقام محصب میں اترنے کے سنت ہونے کا بیان

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابطح میں اترنا یعنی ٹھہرنا سنت نہیں ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں صرف اس لئے اترے تھے کہ مکہ سے چلنے میں آسانی ہو جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس ہوئے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ سے لوٹے تو ابطح یعنی محصب میں صرف اس غرض سے ٹھہر گئے تھے تا کہ وہاں اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر مکہ جائیں اور وہاں طواف الوداع کریں اور جب مکہ سے مدینہ واپس ہوں تو اس وقت سامان وغیرہ ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے آسانی ہو۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ تحصب یعنی محصب میں ٹھہرنا سنت ہے اور افعال حج کا ایک تمہ ہے۔ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے، ان کے نزدیک قیام محصب کے مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا تھا کہ کل ہم انشاء اللہ خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں ٹھہریں گے، اور اس کا سبب یہ تھا کہ خیف بنی کنانہ ہی وہ جگہ ہے جہاں مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں باہم یہ عہد و پیان کیا تھا اور یہ قسم کھائی تھی کہ ہم بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب یعنی ان دونوں خاندانوں کے لوگوں سے میل جول، نکاح بیاہ، خرید و فروخت اور ان میں اٹھنا بیٹھنا اس وقت تک چھوڑے رہیں گے جب تک یہ لوگ محمد کو ہمارے سپرد نہ کر دیں گے گویا اس مقام پر انہوں نے ان خاندانوں سے مکمل مقاطعہ اور بائیکاٹ کا اعلان کر کے شعائر کفر کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی قوت کو غالب فرمایا اور کفر و شرک کا پھیلاؤ دور ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ سے مکہ کو واپس ہوتے ہوئے یہ چاہا کہ اس جگہ یعنی خیف بنی کنانہ (محصب) میں ٹھہر کر شعائر اسلام کو ظاہر کریں جہاں کچھ ہی سال پیشتر کفار نے شعائر کفر کو ظاہر کیا تھا اور اس طرح وہاں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کیا جو اس نے اسلام کو غلبہ اور عظمت دے کر عطا فرمائی تھیں۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت عمر فاروق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یوم النفر کی رات میں ابطح میں ٹھہرنا منجملہ سنت ہے، نیز یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس رات میں ابطح میں ٹھہرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابطح میں اس مقصد سے قیام فرماتے تھے کہ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی قدرت دکھائیں کہ کل جس جگہ انہوں نے مکمل مقاطعہ کا عہد و پیان کر کے اپنی برتری کا اظہار کیا تھا آج وہی جگہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے زیر تسلط ہے، چنانچہ اس جگہ رات میں قیام سنت ہے۔ اس کے برخلاف، بعض حضرات کہتے ہیں کہ محصب میں قیام سنت نہیں ہے کہ کیونکہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام محض اتفاقی طور پر ہو گیا تھا جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان سفر کے نگران تھے اپنی رائے سے اور اتفاقی طور پر وہاں رک گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب کر دیا، اس بارے میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم نہیں تھا۔

قیام محصب کو سنت نہ کہنے والوں میں حضرت ابن عباس کے علاوہ حضرت عائشہ بھی ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا۔ بہرکیف اس بارہ میں بہتر بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محصب میں ٹھہرنا منقول ہے چاہے وہ ٹھہرنا اتفاقی طور پر ہی کیوں نہ رہا ہو تو اچھا یہی ہے کہ وہاں قیام کرلیا جائے جیسا کہ دیگر صحابہ اور خلفاء راشدین بھی اس پر عمل کرتے تھے اور اگر کوئی شخص وہاں نہ ٹھہرے تو اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ محصب میں اترنا کوئی عبادت نہیں ہے وہ تو صرف ایک منزل ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یونہی) ٹھہرا کرتے تھے۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے (مقام) ذی طوئی میں جو کہ مکہ کے ساتھ متصل ہے اور مکہ سے مدینہ لوٹتے وقت اس کنکر یلے میدان (بطحاء) میں ٹھہرنا جوذوالحلیفہ میں ہی حدیث نمبر 862۔

محصب میں ٹھہرنا کوئی حج کا رکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آرام کے لیے اس خیال سے کہ مدینہ کی روانگی وہاں سے آسان ہوگی ٹھہر گئے تھے، چنانچہ عصرین ومغربین آپ نے وہیں ادا کیں، اس پر بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہرے تو یہ ٹھہرنا مستحب ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں ٹھہرا کرتے تھے۔

2009 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمَعْنَى، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو رَافِعٍ: لَمْ يَأْمُرْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُنْزِلَهُ وَلَكِنْ ضَرَبْتُ قُبَّتَهُ، فَنَزَلَهُ. قَالَ مُسَدَّدٌ: وَكَانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَقَالَ عُثْمَانُ: يَعْنِي فِي الْأَبْطَحِ

❁❁ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت نہیں کی تھی کہ میں یہاں پڑاؤ کا انتظام کروں لیکن میں نے یہاں خیمہ لگالیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پڑاؤ کیا۔

مسدد کہتے ہیں: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کے نگران تھے۔ عثمان نامی راوی کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خیمہ وادی ابطح میں لگایا تھا۔

2010 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيْنَ تَنْزِلُ غَدًا؟ فِي حَجَّتِهِ، قَالَ: هَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مَنْزِلًا، ثُمَّ قَالَ: نَحْنُ نَازِلُونَ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ قَاسَمَتْ قُرَيْشٌ عَلَى الْكُفْرِ يَعْنِي الْمُحَصَّبَ، وَذَلِكَ أَنَّ بَنِي كِنَانَةَ حَالَفَتْ قُرَيْشًا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ أَنْ لَا يُنَاكِحُوهُمْ، وَلَا يُبَايِعُوهُمْ، وَلَا يُؤْوُوهُمْ. قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَالْخَيْفُ: الْوَادِي.

❁❁ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں پڑاؤ کریں گے؟ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موقع کی بات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی رہنے کی جگہ چھوڑی ہے؟ پھر

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم خیف بنو کنانہ میں پڑاؤ کریں گے جہاں قریش نے کفر پر ثابت قدم رہنے کا معاہدہ کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی مراد وادی محصب تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو کنانہ نے قریش کے ساتھ بنو ہاشم کے خلاف یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ شادی و بیاہ نہیں کریں گے۔ انہیں پناہ نہیں دیں گے اور ان کے ساتھ خرید و فروخت نہیں کریں گے۔

زہری کہتے ہیں: لفظ خیف سے مراد وادی ہے۔

2011 حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا عُمَرُ حَدَّثَنَا اَبُو عَمْرٍو يَعْنِي الْاَوْزَاعِيَّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: حِينَ اَرَادَ اَنْ يَنْفِرَ مِنْ مِنًى نَحْنُ نَازِلُونَ غَدًا فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ اَوَّلَهُ وَلَا ذَكَرَ الْخَيْفَ الْوَادِي

❁❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے جب منیٰ سے روانگی کا ارادہ کیا' تو ارشاد فرمایا: کل ہم پڑاؤ کریں گے۔ اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث ذکر کی ہے' تاہم انہوں نے اس کا ابتدائی حصہ ذکر نہیں کیا اور یہ بات بھی ذکر نہیں کی ہے لفظ خیف سے مراد وادی ہے۔

2012 حَدَّثَنَا مُوسَى اَبُو سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَاَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ يَهْجَعُ هَجْعَةً بِالْبَطْحَاءِ، ثُمَّ يَدْخُلُ مَكَّةَ وَيَزْعُمُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے: وہ وادی ابطح میں تھوڑی سی دیر سوتے تھے' پھر مکہ میں داخل ہوتے تھے اور یہ بات بیان کرتے تھے نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

2013 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، اَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَاَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْبَطْحَاءِ، ثُمَّ هَجَعَ بِهَا هَجْعَةً، ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بطحاء میں ادا کیں اور تھوڑی دیر کے لیے سو گئے اور پھر آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے۔

(راوی بیان کرتے ہیں:) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی کیا کرتے تھے۔

بَابٌ فِيمَنْ قَدَّمَ شَيْئًا قَبْلَ شَيْءٍ فِي حَجِّهِ

باب: جو شخص حج میں کوئی عمل کسی دوسرے سے پہلے کر دے (اس کا حکم)

2014 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: وَقَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى يَسْأَلُونَهُ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ. قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ: فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ أَوْ أُخِّرَ إِلَّا. قَالَ: اصْنَعْ وَلَا حَرَجَ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ منیٰ میں ٹھہر گئے تاکہ لوگ آپ ﷺ سے سوال کریں۔ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے پتہ نہیں تھا۔ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اب قربانی کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک شخص آیا اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے پتہ نہیں تھا میں نے رمی کرنے سے پہلے ہی قربانی کرلی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے اس دن جس بھی کام کے پہلے یا بعد میں کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا: آپ ﷺ نے یہی فرمایا: تم اب کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔

2015 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُونَهُ، فَمَنْ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوفَ أَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا أَوْ أَخَّرْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُولُ: لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ، إِلَّا عَلَى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ، فَذٰلِكَ الَّذِي حَرِجَ وَهَلَكَ

⊛⊛ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوا لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے کوئی شخص یہ کہتا: یارسول اللہ! میں نے طواف کرنے سے پہلے سعی کرلی ہے یا میں نے فلاں چیز کو پہلے کر لیا ہے یا مؤخر کر دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ یہی فرماتے: کوئی حرج نہیں ہے کوئی حرج نہیں ہے البتہ کوئی شخص اگر کسی مسلمان کی عزت کو نقصان پہنچائے اور وہ ظلم کے طور پر ایسا کرے تو ایسا شخص گناہ کا مرتکب ہوگا اور ہلاکت کا شکار ہوگا۔

افعال حج میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے وجوب دم میں مذاہب اربعہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر جب منیٰ میں ٹھہرے تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کریں تو ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ناواقفیت کی وجہ سے میں نے ذبح کرنے سے پہلے اپنا سر منڈا لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب ذبح کرلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ایک اور شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے ناواقفیت کی بناء پر کنکریاں مارنے سے پہلے جانور ذبح کرلیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس فعل کی بھی تقدیم یا تاخیر کے بارے میں سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اب کرلو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(بخاری ومسلم)

مسلم کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے سر منڈا لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب کنکریاں مار لو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خانہ کعبہ کا فرض طواف کنکریاں مارنے سے پہلے کر لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب کنکریاں مار لو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس روایت میں ان افعال حج کی تقدیم و تاخیر کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے اور سائلین کے جواب دیئے گئے ہیں جو قربانی کے دن یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں، چنانچہ اس دن چار چیزیں ہوتی ہیں جن کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے منیٰ میں پہنچ کر جمرہ عقبہ پر جو ایک مینار ہے سات کنکریاں ماری جائیں، پھر جانور کہ جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے ذبح کئے جائیں اس کے بعد سر منڈایا جائے یا بال کتروائے جائیں اور پھر مکہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا جائے، اس ترتیب کے ساتھ ان افعال کی ادائیگی اکثر علماء کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں سنت ہے۔

چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بھی انہیں میں شامل ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک اگر ان افعال کی ادائیگی میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو بطور جزاء (اس کے بدلہ میں) دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب نہیں ہوتا۔ علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب واجب ہے۔

حضرت امام اعظم اور حضرت امام مالک بھی اس جماعت کے ساتھ ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ارشاد گرامی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر چونکہ ناواقفیت یا نسیان کی وجہ سے ہوئی ہے اس لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن جزاء کے طور پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔ لہٰذا ان حضرات کے مسلک کے مطابق ان چاروں چیزوں میں سے کوئی چیز اگر مقدم یا مؤخر ہو گئی تو بطور جزاء ایک بکری یا اس کے مانند کوئی جانور ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسی ہی ایک حدیث روایت کی ہے جب کہ خود انہوں نے مذکورہ افعال کی تقدیم و تاخیر کے سلسلہ میں دم واجب کیا ہے اگر وہ حدیث کے وہ معنی نہ سمجھتے جو حضرت امام اعظم اور ان کے ہمنواء علماء نے سمجھے ہیں تو وہ خود دم واجب کیوں کرتے؟

یوم نحر میں افعال اربعہ کی ترتیب کے وجوب میں مذاہب اربعہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یوم نحر میں چار چیزیں کا عمل کیا جاتا ہے جن کی ترتیب کے وجوب و عدم وجوب میں اختلاف ہے۔ اور وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ (۱) رمی (۲) نحر (۳) حلق (۴) طواف۔

حضرت امام مالک و امام شافعی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں کہ ترتیب واجب ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ترتیب مستحب ہے۔ اور اگر اس نے حلق نحر سے مقدم کیا تو جائز ہے۔ اور ان کے اس ایک قول کے مطابق اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

اور ان کے ایک قول کے مطابق اگر اس نے رمی کو مقدم کیا تو اس پر دم واجب ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح

روایت ہے۔ جبکہ امام احمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ان تمام میں سے کسی ایک بھی بطور جہالت یا بھول کر مقدم کرنے کی صورت میں کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس نے بطور ارادہ مقدم کیا تو وجوب دم میں دو روایات ہیں۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تقدیم وتاخیر کی صورت دم دیگا خواہ وہ جہالت کی بناء پر ہو یا بھول کر ہو۔ حضرت امام مالک، امام زفر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

بَابٌ فِي مَكَّةَ

باب: مکہ میں (بعض مخصوص احکام)

2016 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ كَثِيرِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ، عَنْ بَعْضِ أَهْلِهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِمَّا يَلِي بَابَ بَنِي سَهْمٍ وَالنَّاسُ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ. قَالَ سُفْيَانُ: لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ سُتْرَةٌ. قَالَ سُفْيَانُ: كَانَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنَا عَنْهُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا كَثِيرٌ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: فَسَأَلْتُهُ. فَقَالَ: لَيْسَ مِنْ أَبِي سَمِعْتُهُ وَلَكِنْ مِنْ بَعْضِ أَهْلِي عَنْ جَدِّي

❁❁ کثیر بن کثیر اپنے اہل خانہ کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو بنو سہم کی طرف والے دروازے کے قریب نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا لوگ نبی اکرم ﷺ کے آگے سے گزر رہے تھے حالانکہ نبی اکرم ﷺ کے اور خانہ کعبہ کے درمیان کوئی سترہ نہیں تھا۔

سفیان نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم ﷺ اور خانہ کعبہ کے درمیان کوئی سترہ نہیں تھا۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے، جس میں کثیر نامی راوی کے یہ الفاظ ہیں: یہ روایت میں نے اپنے والد سے نہیں سنی ہے بلکہ اپنے خاندان کے ایک فرد کے حوالے سے اپنے دادا سے سنی ہے۔

شرح

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی مکہ آتے، تو ذی طوی میں رات گزارتے اور جب صبح ہوتی تو غسل کرتے اور نماز پڑھتے پھر دن کو مکہ میں داخل ہوتے اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو اس وقت بھی ذی طوی سے گزرتے اور صبح تک وہیں رات بسر کرتے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1106)

2016- اسناده ضعيف لابهام الواسطة بين كثير بن كثير وجده. واخرجه ابن ماجه (2958) من طريق ابي اسامة، والنسائي في "الكبرى" (836) من طريق عيسى بن يونس، و (3939) من طريق يحيى بن سعيد القطان، ثلاثتهم عن ابن جريج، عن كثير بن كثير، عن ابيه، عن جده. فغيّن الواسطة، والصحيح ان كثيرا لم يسمعه من ابيه، وانما سمعه من بعض اهله، كما نص هو على ذلك في رواية المصنف وغيره، وهو الذي صوبه الدارقطني في "العلل" /5 ورقة 10. وهو في "مسند احمد" (27241)، و "صحيح ابن حبان" (2363).

ذی طوی ایک جگہ کا نام ہے جو حدود حرم میں مقام تنعیم کی طرف واقع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو استراحت کے لئے رات ذی طوی گزارتے پھر صبح غسل فرماتے اور نماز پڑھ کر اس شہر مقدس میں داخل ہوتے۔ نماز سے بظاہر نماز نفل مراد ہے جو وہاں جانے کے لئے پڑھتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے واپس ہوتے تو اس وقت بھی ذی طوی میں قیام فرماتے تا کہ رفقاء وہاں جمع ہو جائیں اور سب لوگوں کا سامان وغیرہ اکٹھا ہو جائے۔ حضرت ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مکہ میں دن کے وقت داخل ہونا مستحب ہے تا کہ شہر میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ شریف نظر آئے اور دعا کی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع کے موقع پر) جب مکہ تشریف لائے تو شہر میں اس کے بلند حصہ کی طرف سے داخل ہوئے اور (واپسی کے وقت) نشیبی حصے کی طرف سے نکلے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1107)

مکہ کے جس طرف ذی طوی ہے وہی شہر کا بلند حصہ ہے، جنت المعلی یعنی مکہ کا مشہور قبرستان بھی اسی جانب ہے۔ شہر کی دوسری جانب نشیبی حصہ ہے۔

مکہ مکرمہ کی قدیم تاریخ

کعبۃ المشرفہ پوری دنیا کے مسلمانون کا قبلہ ہے اور یہ گھر مکہ مکرمہ جیسی عظیم الشان سرزمین میں واقع ہے، اس لئے مسلمانوں کا سرزمین مقدس سے دلی وجذباتی لگاؤ ہے، اسلام کی تاریخ یہیں سے شروع ہوتی ہے، اور توحید کی دعوت کا آغاز یہیں سے ہوا، دین کے لئے جس جذبہ وقربانی وخود سپردگی کی ضرورت ہے اس کی جھلک اسی جگہ کے واقعات میں پوشیدہ ہے، دینی حیثیت کے ساتھ ساتھ اقتصادی، معاشرتی، ادبی، تاریخی اعتبار سے بھی مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر کو مبعوث فرما کر اور ان پر قرآن کریم نازل فرما کر نیز ان کی دعوت کو عالمی اور دائمی دعوت کا امتیاز عطا فرما کر اس سرزمین اور اس کی تاریخ کو ایسی معنویت عطا فرمادی ہے جس کا بیان الفاظ کے ذریعہ ممکن نہیں، بتوفیق اللہ اس مقدس سرزمین کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے

لفظ مکہ ایک تعارف

لفظ مکہ یا مک یا مکلک سے مشتق ہے اور مک دھکیلنے اور جذب کرنے کو کہا جاتا ہے اس لئے کہ لوگ اس مقدس شہر میں چلنے اور طواف کرنے میں ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں اور یہ ارض مقدس گناہ گار انسانوں کے گناہ کو جذب کر لیتا ہے

(تاریخ العروس 6/462، شفاء الغرام 1/54 وغیرہ)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شہر کرہ ارض کے وسط میں واقع ہے اور دنیا بھر کے دریاؤں اور چشموں کے پانی کا منبع بھی ہے، اس طرح تمام روئے زمین مکہ مکرمہ کے پانی سے سیراب اور فیض یاب ہو رہی ہے۔ (لسان العرب 6/360)

مکہ مکرمہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

قرآن مجید میں اس سرزمینِ پاک کو مکہ، بکہ، ام القریٰ، وادی غیر ذی ذرع جیسے ذی شان ناموں سے یاد گیا گیا ہے، مکہ اور بکہ حقیقت میں ایک ہی لفظ ہے لیکن بکہ کی باء میم بدل کر مکہ بن گیا ہے، جس طرح لفظ لازم اصل میں لازب تھا مگر باء میم کے ساتھ تبدیل ہوگئی اور لازم استعمال ہونے لگا۔ (تفسیر کبیر 3/301، تفسیر قرطبی 4/138، تفسیر البغوی 1/385)

امام لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مکہ کو مکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں ہر ظالم وجابر جب وہ ملحدانہ فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ (تاریخ مکہ دکرمہ وبیت الحرام لدکتور وصی اللہ عباس ص:40)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مکہ کو مکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ راستہ میں چلتے ہوئے بھیڑ کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکیلتے اور چیر پھاڑ کر نکلتے ہیں کان الناس یبك بعضهم بعضا فی الطریق بھیڑ کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکیلتے اور چیر پھاڑ کر نکلتے ہیں۔ (تاج العروس 6/436)

ولادت مکہ مکرمہ

پانی کی سطح پر ابھرنے والا وہ مقدس مقام جسے زمین کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا وہ مکہ مکرمہ ہی کی زمین تھی، پھر اس کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین بچھادی۔ (تاریخ کعبہ ص34)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ دنیا کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پانی کے چار ستونوں پر کھڑا کر کے مکہ مکرمہ بنایا گیا جن کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں پھر زمین اس کے نیچے سے پھیلادی گئی۔

(مصنف عبدالرزاق 5/92، تفسیر طبری 1/547)

عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے پیدائش سے ایک ہزار سال قبل پیدا فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا، پھر عرش کے نیچے زمین کو بچھادیا گیا۔ (تفسیر طبری 4/13)

مجاہد یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کعبہ کو بنایا پھر اس کے نیچے زمین کو بچھادیا گیا۔ (تفسیر طبری 4/13)

تفسیر کبیر میں ایک روایت آئی ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین کے اوسط میں واقع ہے اور یہ زمین کی ناف ہے اس لئے اسے ام القریٰ بھی کہا جاتا ہے اور یہ بیت المعمور کا سایہ ہے۔ (معجم البلدان 7/256، تفسیر کبیر 3/9)

یہ تمام اقوال اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین دنیا کی تمام زمین سے پیدائش کے اعتبار سے قدیم ہے

مکہ اور بکہ کے درمیان فرق

علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ماسوا پورا شہر مکہ ہے اور بکہ ہی وہ مقام ہے جہاں طواف کیا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ طواف صرف حرم کے اندر ہی جائز ہے باہر نہیں کیونکہ باہر کا حصہ مکہ میں شمار ہوتا ہے یہی قول امام مالک، امام ابراہیم نخعی، امام عطیہ اور امام مقاتل کا ہے۔ (معجم البلدان 8/134، ابن کثیر 1/383، تفسیر طبری 4/6)

امام ابی جعفر فرماتے ہیں کہ ایک عورت طواف کرتے ہوئے ایک نمازی کے سامنے سے گزر گئی اس آدمی نے اس عورت کو دھکا دیا تو وہ عورت رونے لگی اس لئے بکہ طواف کرنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔(تفسیر طبری 4/8)

قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں لوگ مخلوط مرد وعورت ایک دوسرے کے آمنے سامنے نماز پڑھتے ہیں جب کہ دوسری جگہ ایسا کرنا درست نہیں، اس لئے اس کو بکہ کہا جاتا ہے۔(تفسیر طبری 4/8)

ان تمام اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ بکہ طواف کرنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور مکہ پورے حدود حرم کو کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ کے حدود اربعہ کا بیان

محمد بن حوقل التوفی 367ھ نے 331ھ میں لکھا تھا کہ مکہ مکرمہ کی حد شمالاً وجنوباً طول معلا سے مسفلہ تک 3/میل اور اجیاد کے نیچے سے قعیقعان کی پشت تک عرض 2/میل ہے۔(صورت الارض ص 28)

امام المؤرخین علامہ تقی الدین فاسی رحمہ اللہ التوفی 833ھ میں حدود اربعہ اس طرح بیان فرمایا تھا: باب معلاء سے باب ماجن تک 4472 ذراع اور باب معلاء سے شبیکہ تک 4492 ذراع (شفاء الغرام ج2/69 تقی الدین فاسی التوفی 832ھ)

مولانا عبد السلام ندوی نے 1342ھ میں حدود کی تفصیلات اس طرح بیان فرمائی تھی: مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کا شمالی سلسلہ مغربی جانب میں جبل فلج، جبل قعیقعان، جبل ہندی، جبل لعلع، اور جبل کداء پر مشتمل ہے یہ تمام پہاڑی سلسلہ شہر کے بالائی حصہ میں واقع ہے، جنوبی حصہ کی مغربی جانب جبل ابی حدیدہ اور جبل کداء جو جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے، واقع ہیں، پھر جبل ابی قبیس جو ان دونوں کے مشرق جانب ہے، سے گھیرا ہے اس کے بعد جبل خندمہ ہے ان تمام پہاڑوں کی چوٹیوں اور ہموار جگہوں میں بنے ہوئے چھوٹے بڑے مکانات کی مجموعی تعداد تقریباً سات ہزار ہے جن میں کم وبیش دو لاکھ نفوس ایام حج میں قیام پذیر ہوتے ہیں۔
(تاریخ حرمین شریفین لندوی، ص:27)

علامہ محمد لبیب البتونی نے 1329ھ میں حسب ذیل حدود بیان فرمائی ہیں: شمالاً وجنوباً 3 کلومیٹر لمبا اور شرقاً وغرباً جبل ابی قبیس سے جبل قعیقعان تک 1/1-2 کلومیٹر چوڑا ہے۔(الرحلۃ الحجازیہ ص:160 لمحمد لبیب بتونی مصری رحمہ اللہ)

دخول وخروج مکہ مکرمہ کے راستے:

اس شہر میں داخل اور خارج ہونے کے لئے قدیم زمانے میں صرف تین راستے تھے، یہ راستے بقول علامہ ازرقی رحمہ اللہ درج ذیل ہیں۔

1-طریق کداء: یہ سڑک عراق اور عرفات کی طرف جاتا ہے۔

2-طریق یمن: یہ راستہ یمن کی سمت جاتا ہے۔

3-طریق جدہ: یہ سڑک مدینہ منورہ، جدہ، شام، مصر وغیرہ کی طرف جاتی ہے۔(اخبار مکہ ص:30)

علامہ تقی الدین فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دور میں دروازے وغیرہ تو قطعاً ختم ہو چکے ہیں بلکہ ان سے کہیں دور دور تک آبادی پھیل گئی ہے اور اب تین کے بجائے چار راستے بن گئے ہیں۔

1-مشرق میں دو سڑکیں، ایک باب الشرائع اور دوسرا طریقہ منیٰ 2-شمال میں تین سڑکیں، باب اللصوص، باب ربع، اذاخر 3-مغرب میں چار سڑکیں باب جدہ، ربع ابی لہب، ربع الکحل اور درب الہنداویہ 4-جنوب میں تین سڑکیں ہیں طریق المجر، ربع کدی، طریق مسفلہ (تاریخ القدیم 69/2)

مکہ مکرمہ کی ابتدائی آبادی

اس لق ودق صحرا کو گل گلزار اور چمن زار د بنانے والا پہلا شخص اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ علیہا السلام ہیں، جنہیں ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی سے اس بے آب وگیاہ ریگستان اور سنگلاخ ونا ہموار ٹیلہ میں تھوڑا سا پانی اور مشکیزہ بھر کر پانی دیکر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر آئے تھے اس سے قبل یہ ایک ہولناک اور وحشت انگیز بیابان ٹیلہ تھا اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ کہ اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ شریف میں ہے جو تمام دنیا کے لئے بابرکت وہدایت والا ہے۔ (سورۃ آل عمران، 96 جونا گڑھی)

اس آیت سے پتہ چلا کہ سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام نے اس شہر مقدس کو آباد کیا تھا البتہ اطراف واکناف میں قبیلہ جرہم آباد تھا جو بعد میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ازدواجی سلسلے میں منسلک گیا۔ (ماخوذ تاریخ مکہ مکرمہ محمد عبدالمعبود ص:71)

مکہ مکرمہ میں سیلابوں کی ایک جھلک

اس شہر خوباں میں نہ تو کوئی دریا ہے اور نہ ہی ندی نالہ، مگر اس کے باوجود نہ صرف شہر بلکہ اللہ کے مقدس گھر کو بھی متعدد بار سیلاب سے ناقابل تلافی نقصان پہنچتا رہا چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ایک تباہ کن سیلاب آیا تھا جس سے کعبہ شریف منہدم ہو گیا تھا، اسی وجہ سے قبیلہ جرہم کو نئے سرے سے کعبہ شریف تعمیر کرنا پڑا، ظہور اسلام کے بعد پہلا تباہ کن سیلاب 17 ھجری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آیا تھا، جوام نہشلکے نام سے مشہور ہوا۔ (تاریخ القویم 201/2)

اس کے بعد آخر میں 22/جنوری 1969ء میں مطابق 1389 کو بدھ کے دن صبح کے وقت موسلا دھار بارش ہوئی اور حرم شریف جل تھل ہو گیا اور مطاف میں قرآن مجید کی الماریاں کشتی کی طرح پانی پر تیر رہی تھیں، بنا بریں شہر مکہ اور کعبۃ اللہ بیسیوں مرتبہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا نشانہ بنا۔ (اعلام الاعلام ص:76، شفا الغرام بعنوان سیلا مکہ تقی الدین فاسی المتوفی 832ہجری)

بَابُ تَحْرِيمِ حَرَمِ مَكَّةَ

باب: مکہ کا حرم قرار دیا جانا

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے احکام کا بیان

جب حرم مکہ کے متصل پہنچے سر جھکائے' آنکھیں شرم گناہ سے نیچی کئے' خشوع وخضوع سے داخل ہو اور ہو سکے تو پیادہ ننگے پاؤں اور لبیک ودعا کی کثرت رکھے اور بہتر یہ کہ دن میں نہا کر داخل ہو حیض ونفاس والی عورت کو بھی نہانا مستحب ہے۔

مکہ معظمہ کے گرداگرد کئی کوس تک حرم کا جنگل ہے ہر طرف اس کی حدیں بنی ہوئی ہیں ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھیڑنا' خود

روپڑ کاٹنا وہاں کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر سخت دھوپ ہو اور ایک ہی پیڑ ہے اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جائز نہیں کہ اپنے بیٹھنے کے لئے اسے اٹھائے اور اگر وحشی جانور بیرون حرم کا اس کے ہاتھ میں تھا اُسے لئے ہوئے حرم میں داخل ہوا اب وہ جانور حرم کا ہو گیا فرض ہے کہ فوراً چھوڑ دے۔

مکہ معظمہ میں جنگلی کبوتر بکثرت ہیں ہر مکان میں رہتے ہیں خبردار ہرگز ہرگز نہ اڑائے نہ ڈرائے نہ کوئی ایذا پہنچائے بعض ادھر ادھر کے لوگ جو مکہ میں بسے کبوتروں کا ادب نہیں کرتے ان کی ریس نہ کرے مگر برا انہیں بھی نہ کہے کہ جب وہاں کے جانور کا ادب ہے تو مسلمان انسان کا کیا کہنا یہ باتیں جو حرم کے متعلق بیان کی گئیں احرام کے ساتھ خاص نہیں احرام ہو یا نہ ہو بہرحال یہ باتیں حرام ہیں۔ جب مکہ معظمہ نظر پڑے ٹھہر کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ بِهَا قَرَارًا وَّارْزُقْنِيْ فِيْهَا رِزْقًا حَلَالًا

اور درود شریف کی کثرت کرے اور افضل یہ ہے کہ نہا کر داخل ہو اور مدفونین جنۃ المعلٰی کے لئے فاتحہ پڑھے اور مکہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَالْبَلَدُ بَلَدُكَ جِئْتُكَ هَارِبًا مِّنْكَ اِلَيْكَ لِاُؤَدِّيَ فَرَائِضَكَ وَاَطْلُبَ رَحْمَتَكَ وَاَلْتَمِسَ رِضْوَانَكَ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمُضْطَرِّيْنَ اِلَيْكَ وَالْخَائِفِيْنَ عُقُوْبَتَكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تَقْبَلَنِيَ الْيَوْمَ بِعَفْوِكَ وَتُدْخِلَنِيْ فِيْ رَحْمَتِكَ وَتَتَجَاوَزَ عَنِّيْ بِمَغْفِرَتِكَ وَتُعِيْنَنِيْ عَلٰى اَدَاءِ فَرَائِضِكَ اَللّٰهُمَّ نَجِّنِيْ مِنْ عَذَابِكَ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاَدْخِلْنِيْ فِيْهَا وَاَعِذْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

جب مدعٰی میں پہنچے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے کعبہ معظمہ نظر آتا تھا جبکہ درمیان میں عمارتیں حائل نہ تھیں۔ یہ عظیم اجابت و قبول کا وقت ہے یہاں ٹھہرے اور صدق دل سے اپنے اور تمام عزیزوں، دوستوں، مسلمانوں کے لئے مغفرت و عافیت مانگے اور جنت بلا حساب کی دعا کرے اور درود شریف کی کثرت اس موقع پر نہایت اہم ہے۔ اس مقام پر تین بار ''اللہ اکبر'' اور تین مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کہے اور یہ پڑھے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط

اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا م بِكَ وَتَصْدِيْقًا م بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً م بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هٰذَا تَعْظِيْمًا وَّتَشْرِيْفًا وَّمَهَابَةً وَّزِدْ مِنْ تَعْظِيْمِهٖ وَتَشْرِيْفِهٖ مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَ تَعْظِيْمًا وَّتَشْرِيْفًا وَّمَهَابَةً

اور یہ دعائے جامع کم از کم تین بار اس جگہ پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا بَيْتُكَ وَاَنَا عَبْدُكَ اَسْئَالُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلِعُبَيْدِكَ اَمْجَدُ عَلِيُّ اَللّٰهُمَّ انْصُرْهُ نَصْرًا عَزِيْزًا اٰمِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ (آل عمران: ۹۶)

کعبہ کے اول بیت ہونے کے سلسلہ میں روایات اور راجح روایت کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام میں نے کہا پھر کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا چالیس سال۔ (صحیح بخاری ج۱ ص ۴۷۷)

اس حدیث کو امام مسلم (ج۱ ص ۱۹۹) امام نسائی (سنن نسائی ج۱ ص ۱۱۲) امام ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ ص ۵۵) امام احمد (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۷، ۱۶۶) اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۳۱، مطبوعہ ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دونوں مسجدوں کے ابتداء بنانے اور ان کی بنیادیں رکھنے کا ذکر ہے' اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ابتداء کعبہ کو بنایا تھا اور نہ حضرت سلیمان نے ابتداء مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا' کیونکہ پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا تھا' پھر ان کی اولاد زمین میں پھیل گئی تو ہوسکتا ہے کہ اس کے چالیس سال بعد ان کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کو بنایا ہو' اور اس کے بعد حضرت ابراہیم نے انہی بنیادوں پر کعبہ کو اٹھایا ہو' جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے' علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اس پر دلالت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے ان مسجدوں کو ابتداء بنایا بلکہ انہوں نے ان کی بنیادوں پر کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تجدید کی علامہ خطابی نے کہا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو بعض اولیاء اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے پہلے بنایا تھا پھر انہوں نے اس کی عمارت میں زیادتی اور توسیع کی' بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ کو حضرت آدم (علیہ السلام) نے بنایا تھا' ایک قول ہے کہ فرشتوں نے بنایا تھا' ایک قول ہے کہ سام بن نوح (علیہ السلام) نے بنایا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنایا تھا' جن کا یہ قول ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) نے مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا ان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن ہشام نے کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) نے جب کعبہ کو بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں' اور حضرت آدم (علیہ السلام) کا بیت اللہ کو بنانا بہت مشہور ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طوفان نوح کے زمانہ میں بیت اللہ کو اٹھالیا گیا حتیٰ کہ اللہ

تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے اس کو مہیا کیا' اور امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم (علیہ السلام) کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''اے آدم! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے' آپ اس بیت کی طرف چلے جائیں۔'' حضرت آدم کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر وہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا اور ایک قول یہ ہے کہ جب انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تاکہ آپ کی بعض اولاد کے لیے وہ قبلہ ہو جائے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ٤٠٩۔٤٠٨ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ١٤٠١ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

ابن عرعرہ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا لوگوں کے لیے زمین پر سب سے پہلے جو گھر بنایا گیا وہ مکہ میں تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں' پھر نوح (علیہ السلام) کی قوم کہاں رہتی تھی؟ اور ہود (علیہ السلام) کی قوم کہاں رہتی تھی؟ لیکن جو گھر لوگوں کے لیے برکت کے لیے سب سے پہلے بنایا گیا وہ مکہ میں تھا۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے عبادت کے لیے نہیں بنایا گیا' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی رہائش کے لیے تو پہلے بہت سے مکان بنائے گئے تھے لیکن لوگوں کی عبادت کے لیے جو سب سے پہلے گھر بنایا گیا وہ مکہ میں کعبہ تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام ابن جریر نے اس کے بعد ذکر کیا ہے:

مطر سے روایت ہے کہ بیت اللہ سے پہلے بھی گھر تھے لیکن یہ پہلا گھر تھا جس کو عبادت کے لیے بنایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنانے سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کو بنایا اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں' اس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے' پھر اس کے گرد حضرت آدم نے طواف کیا اور آپ کے بعد مومنین نے طواف کیا پھر جب طوفان نوح کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت کو اوپر اٹھا لیا اور اس کو زمین والوں کے عذاب سے محفوظ رکھا' پھر بیت اللہ آسمان میں معمور رہا' اس کے بعد جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کعبہ کے آثار تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اس کو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ (جامع البیان ج ٤ ص ٧۔٦ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ١٤٠٩ھ)

امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ زمین پر لوگوں کے رہنے کے لیے پہلے اور بھی گھر بنے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو گھر سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا'

امام بخاری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ہشام سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے کعبہ بنایا اور اس کے چالیس سال بعد انہوں نے ہی بیت المقدس کو بنایا' اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے' باقی جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے زمین پر کعبہ بنایا' یا کعبہ کو حضرت آدم کے ساتھ زمین پر اتارا یہ روایات ہمارے نزدیک مرجوح ہیں ہم نے ان روایات کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو بنانے کے سلسلہ میں تمام کلیدی روایات کا استیعاب ہو جائے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا' اور انہوں نے امام ابن ہشام کی کتاب التیجان سے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) نے پہلے مکہ میں بیت اللہ کو بنایا پھر اس کے بعد بیت المقدس کو بنایا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۶۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

تعمیر کعبہ کی تاریخ کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کعبہ کو بنایا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اپنی چادر اپنی گردن کے نیچے رکھ لیں (تا کہ آپ کی گردن میں پتھر نہ چبھیں) آپ زمین پر گر گئے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف لگ گئیں' آپ نے فرمایا میری چادر مجھے دو' پھر آپ کی چادر آپ پر باندھ دی۔

یہ حدیث درایۃً صحیح نہیں ہے کیونکہ جس وقت قریش نے کعبہ کی تعمیر کی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال تھی اور اس وقت حضرت عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر اتارنے کے لیے نہیں کہہ سکتے تھے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ! اگر تمہاری قوم زمانہ جاہلیت سے نئی نئی نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو منہدم کرنے کا حکم دیتا' اور اس میں اس حصہ (حطیم) کو داخل کر دیتا جو اس سے خارج کر دیا گیا ہے اور اس کو زمین سے ملا دیتا' اور اس میں دو دروازے بناتا ایک شرقی دروازہ' ایک غربی دروازہ' اور اس کو میں اساس ابراہیم کے مطابق کر دیتا' یہی وہ حدیث تھی جس نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو کعبہ کے منہدم کرنے پر برانگیختہ کیا' یزید بن رومان کہتے ہیں میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کو منہدم کیا اور اس کو دوبارہ بنایا اور اس میں حطیم کو داخل کر لیا اور میں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی رکھی ہوئی بنیاد کے پتھر دیکھے جو اونٹ کے کوہان کے برابر تھے' جریر کہتے کہ میں نے اندازہ کیا اس بنیاد سے حطیم تک چھ ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

کعبہ کی تعمیر اور اس کی تجدید اور اصلاح کئی مرتبہ کی گئی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) پہلی بار کعبہ کو حضرت آدم (علیہ السلام) نے تعمیر فرمایا' علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے جبرائیل (علیہ السلام) کو حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایا کہ میرے لیے ایک بیت بناؤ' جبرائیل (علیہ السلام) نے ان کے لیے نشان ڈالے' حضرت آدم زمین کھودتے تھے اور حضرت حوا مٹی نکالتی تھیں' انہوں نے اس قدر گہری بنیاد کھودی کہ زمین کے نیچے سے پانی نکل آیا' پھر یہ ندا کی گئی کہ اے آدم یہ کافی ہے' جب حضرت آدم (علیہ السلام) نے یہ بیت بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کے گرد طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا بیت ہے' پھر صدیاں گزرتی گئیں حتیٰ کہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے اس کا حج کیا۔

(۲) کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم گمراہ ہوگئی اور انہوں نے کعبہ کو منہدم کردیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم ان کی ہلاکت کا انتظار کرو حتیٰ کہ تنور جوش مارنے لگے۔ ازرقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کعبہ کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول نو ہاتھ تھا' زمین میں اس کا طول تیس ہاتھ اور عرض بائیس ہاتھ تھا' اور اس پر چھت نہیں تھی اور جب قریش نے اس کو بنایا تو بلند میں اس کا طول اٹھارہ ہاتھ رکھا' اور زمین میں اس کے طول کو چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کردیا اور حطیم کو چھوڑ دیا' اور جب حضرت ابن الزبیر نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول بیس ہاتھ رکھا اور جب حجاج نے اس کو منہدم کرکے بنایا تو اس میں تغیر نہیں کیا اور یہ اب تک اسی طرح بنا ہوا ہے۔

(۳) جرہم کے ایام میں کعبہ کو ایک یا دو مرتبہ بنایا گیا کیونکہ سیلاب سے کعبہ کی ایک دیوار منہدم ہوگئی تھی' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو بنایا نہیں گیا تھا صرف اس کی مرمت کی گئی تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کعبہ بنایا اور کافی زمانہ گزر گیا تو یہ بوسیدہ ہوکر منہدم ہوگیا پھر اس کو جرہم نے بنایا اور کافی زمانہ کے بعد یہ پھر منہدم ہوگیا تو اس کو قریش نے بنایا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان تھے امام حاکم نے اس حدیث کی اصل کو صحیح قرار دیا ہے۔ (حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور قریش کے درمیان دو ہزار سات سو پچھتر سال کا عرصہ ہے)

(۴) امام محمد بن اسحاق نے السیرۃ میں بیان کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال کی تھی تو قریش کعبہ کو بنانے کے لیے جمع ہوئے وہ اس کی چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے اور اس کو منہدم کرنے سے خوف کھاتے تھے' پھر قریش کے تمام قبائل جمع ہوئے اور انہوں نے پتھر جمع کیے اور اس کی بنیاد میں ہر قبیلہ نے پتھر ڈالے حتیٰ کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ آگئی اور اس کو نصب کرنے میں اختلاف ہوا ہر قبیلہ والا اس کو نصب کرنا چاہتا تھا' حتیٰ کہ قریش کے سب سے بوڑھے شخص ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمران بن مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ کل جو شخص اس مسجد کے دروازہ میں سب سے پہلے داخل ہوگا وہی تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کرے گا اور اس دن سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے لوگوں نے کہا یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں یہ محمد ہیں۔ جب آپ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ایک چادر لاؤ' پھر آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اس چادر میں رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا ہر قبیلہ والا اس چادر کو پکڑ کر اوپر اٹھائے جب انہوں نے اس چادر کو حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ تک اوپر اٹھا لیا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو نصب کردیا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱۷، ۲۱۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

(۵) اس کے بعد ۶۴ھ یا ۶۵ھ ہجری میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کو منہدم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بناء ابراہیم پر کعبہ کو بنا دیا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیا۔

(۶) پھر تہتر (۷۳ھ) میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی بناء کو منہدم کر دیا اور دوبارہ قریش کی بناء پر کعبہ کو بنا دیا اور آج تک کعبہ اسی بناء قریش پر قائم ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر اور قاضی عیاض وغیرہ نے لکھا ہے کہ رشید یا مہدی یا منصور نے دوبارہ کعبہ کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کے مطابق بنانے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں امام مالک سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا مجھے ڈر ہے کہیں کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے' تو پھر اس نے بنانے کا ارادہ ترک کر دیا' فاکہی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر کعبہ کو بنانے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو اس وقت منع فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے بعد کوئی اور امیر آئے گا تو پھر اس میں تغیر کرے گا اس کو اسی طرح رہنے دو۔ (فتح الباری ج ۳ ص مطبوعہ ۴۴۸ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ سیوطی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ کعبہ کو دس بار بنایا گیا' پہلی بار فرشتوں نے بنایا' دوسری بار حضرت آدم (علیہ السلام) نے' تیسری بار ان کی اولاد نے' چوتھی بار حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے' پانچویں بار عمالقہ نے' چھٹی بار جرہم نے' ساتویں بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد قصی بن کلاب نے' آٹھویں بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قریش نے' نویں بار حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اور دسویں بار حجاج بن یوسف نے' لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح قول وہی ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے مدلل اور باحوالہ بیان کیا ہے۔

کعبہ کے فضائل کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: اس شہر کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے' اس کے کانٹوں کو (بھی) نہیں کاٹا جائے گا' نہ اس کے جانوروں کو بھگایا جائے گا اور نہ اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی شخص اس کی گری ہوئی چیز اٹھائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۶' مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں ہے نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی نہ اس کے درخت کاٹے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ہر چند کہ اس حدیث میں مکہ مکرمہ کی فضیلت ہے لیکن مکہ مکرمہ کی یہ فضیلت کعبہ کی وجہ سے ہے اور کعبہ ہی کی وجہ سے مکہ کو حرم بنایا گیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے بیت اللہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور سوائے

نیکی کے اور کوئی بات نہ کی تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگ ایک سال تک اس بیت کی زیارت نہ کریں تو وہ بارش سے محروم ہو جائیں گے۔
سلیمان بن یسار بیان کرتے ہیں کہ کعب سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی فضیلت کے متعلق احادیث بیان کیں' شام کے ایک آدمی نے ان سے کہا: اے ابو عباس! آپ بیت المقدس کا بہت ذکر کرتے ہیں اور بیت اللہ کا اتنا ذکر نہیں کرتے؟ کعب نے ان سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں کعب کی جان ہے! اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر اس بیت سے افضل کوئی بیت پیدا نہیں کیا' اس بیت کی ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں' اور وہ ان سے کلام کرتا ہے' اور اس کا ایک دل ہے جس سے وہ تعقل کرتا ہے یہ سن کر ابوحفص نام کے ایک شخص نے کہا کیا پتھر کلام کرتا ہے' کعب نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! کعبہ نے اپنے رب سے یہ شکایت کی کہ میری زیارت کرنے والے اور میری طرف آنے والے کم ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف یہ وحی کی کہ میں تمہاری طرف ایک نئی تورات نازل کروں گا' اور ایسے بندے بھیجوں گا جو رات کو جاگ کر سجدے کریں گے' اور تمہارے فراق میں روئیں گے اور تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے' اور جس نے تمہارے گرد سات طواف کیے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا اور جو اس بیت کے گرد سر منڈائے گا قیامت کے دن اس کو ہر بال کے بدلہ میں ایک نور حاصل ہوگا۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۴۔۱۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر روز کعبہ کے گرد ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ساٹھ رحمتیں کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لیے' چالیس اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں کے لیے۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۰۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مسجد میں نماز پڑھنا ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے ماسوا مسجد حرام (کعبہ) کے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے' اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔
(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی ج ۱ ص ۴۵۳' مطبوعہ بیروت)

حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

عام محدثین یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے سو گنا افضل ہے اور باقی مساجد سے ایک لاکھ گنا افضل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنا باقی مساجد سے ایک ہزار گنا افضل ہے۔
(الاستذکار ج ۷ ص ۲۲۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے گا مسجد حرام مسجد رسول اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:
شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے سامنے طور پر جا کر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی سفر کرنے والے کے لیے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے ماسوا مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے الحدیث (مسند احمد ج ۳ ص ۶۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)
حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدرالدین عینی نے لکھا کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور حافظ بدرالدین عینی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین مسجدوں کے علاوہ مطلقاً سفر کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ کسی اور مسجد کی خصوصیت کی وجہ سے اس میں نماز پڑھنے کے قصد سے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے روزگار علم دین کے حصول اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:
لہٰذا ان لوگوں کا قول باطل ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور دیگر صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے نیز لکھا ہے کہ ابن تیمیہ سے جو مسائل منقول ہیں یہ ان میں سب سے قبیح مسئلہ ہے۔
(فتح الباری ج ۳ ص ۶۶ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
طلب علم تجارت نیک لوگوں اور متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۵۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)
ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے تو جس چیز کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بطریق اولیٰ کفر ہوگا۔ (شرح الشفاء ج ۲ ص ۱۶۱-۱۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نیکی کرتا ہوا بیت اللہ میں داخل ہو وہ اپنے گناہوں سے بخشا ہوا بیت اللہ سے نکلے گا۔ (المعجم الکبیر ج۱۱ ص۱۴۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوا وہ بخشا ہوا نکلے گا۔

علامہ عزالدین بن جماعۃ الکنانی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابوسعید جندی فضائل مکہ میں اور امام واحدی اپنی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بیت اللہ کے گرد سات طواف کیے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی اور زمزم کا پانی پیا اس کے گناہ جتنے بھی ہوں معاف کر دیے جائیں گے۔

امام ازرقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص بیت اللہ میں طواف کے ارادہ سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے' اور جب وہ بیت اللہ میں داخل ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے' اور اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ پانچ سو نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے پانچ سو گناہ مٹا دیتا ہے' اور اس کے لیے پانچ سو درجات بلند کر دیتا ہے اور جب وہ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتا ہے' تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا جیسے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے لیے اولاد اسماعیل سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور حجر اسود کے قریب ایک فرشتہ اس کا استقبال کر کے کہتا ہے تم اپنے پچھلے عملوں سے فارغ ہو گئے' اب از سر نو عمل شروع کرو اور اس کو اس کے خاندان کے ستر نفوس کے حق میں شفاعت.......

امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بیت اللہ کے سات طواف کیے' اور اس نے ان کلمات کے سوا اور کوئی کلام نہیں کیا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس نے یہ کلمات پڑھتے ہوئے طواف کیا وہ اللہ کی رحمت میں ڈوبا ہوا طواف کرے گا۔

امام فاکہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ستر ہزار فرشتوں نے کعبہ کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ طواف کرنے والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

قاضی عیاض نے شفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور قیامت کے دن اس کا امن والوں میں حشر کیا جائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بیت اللہ کے گرد پچاس طواف کیے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

اس حدیث سے مراد پچاس مرتب سات طواف کرنا ہے' کیونکہ صرف ایک طواف کے ساتھ عبادت نہیں کی جاتی' امام

عبدالرزاق اورامام فاکہی نے یہ روایت کیا ہے کہ جس نے پچاس مرتبہ سات طواف کیے تو وہ اس دن کی طرح ہو جائے گا جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو' اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ پچاس مرتبہ سات طواف ایک ہی وقت میں کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے صحیفہ اعمال میں پچاس بار سات طواف کرنے کا عمل ہونا چاہیے۔

امام سعید بن منصور نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور پچاس مرتبہ سات طواف کیے وہ اس طرح پاک ہو کر لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

امام سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ میں آیا اور وہ اسی بیت کا ارادہ کر کے آیا تھا پھر اس نے طواف کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک آسمان پر اس کے سب سے معزز فرشتے وہ ہیں جو اس کے عرش کے گرد طواف کرتے ہیں اور زمین پر اس کے نزدیک سب سے معزز وہ انسان ہیں جو اس کے بیت کے گرد طواف کرتے ہیں۔ (ہدایۃ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۵۵ 'مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت)

نیز علامہ عزالدین بن جماعۃ الکنانی لکھتے ہیں:

بیت اللہ کی آیات میں سے یہ ہیں کہ دلوں میں اس کی ہیبت واقع ہوتی ہے اس کے پاس دل جھک جاتے ہیں' اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں' پرندے اس کے اوپر نہیں اڑتے اور اس پر بیٹھتے نہیں ہیں' البتہ اگر کوئی پرندہ بیمار ہو تو طلب شفاء کے لیے اس کے اوپر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منیٰ پر تعجب ہوتا ہے یہ بہت تنگ جگہ ہے لیکن جب لوگ یہاں آتے ہیں تو یہ وسیع ہو جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منیٰ رحم کی طرح ہے' جب عورت کو حمل ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ اس کو وسیع کر دیتا ہے۔ (ہدایۃ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۹-۳۷ مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت)

مکہ مکرمہ کو بکہ اور مکہ کہنے کی مناسبت کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے "لوگوں کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے" بکہ اور مکہ ایک شہر کے دو نام ہیں' اور چونکہ باء اور میم دونوں قریب المخرج ہیں اس لیے بکہ اور مکہ دونوں کہنا صحیح ہیں' مکہ مکرمہ کو بکہ کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) بک کا معنی ہے ایک دوسرے کو دھکا دینا' اور مکہ میں بہت رش اور ازدحام ہوتا ہے اس لیے لوگ ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہیں۔

(۲) چونکہ مکہ مکرمہ بڑے جابر حکمرانوں کی گردنیں جھکا دیتا ہے اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ بکاء سے بنا ہو اور چونکہ یہاں آ کر لوگ یاد خدا میں اور خوف خدا سے بہت روتے ہیں، اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں اور مکہ کہنے کی یہ وجوہ ہیں۔

(۱) تمک الذنوب کا معنی ہے گناہوں کو زائل کرنا' چونکہ اس شہر میں عبادت کرنے اور حج اور عمرہ کرنے سے گناہ زائل

ہو جاتے ہیں اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

(۲) تمک العظم کا معنی ہے ہڈی کے اندر جو کچھ ہو اس کو کھینچ لینا' اور یہ شہر دوسرے شہروں کے لوگوں کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

(۳) اس شہر میں پانی کم ہے گویا اس کا پانی کھینچ لیا گیا اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں:

بعض علماء نے کہا کہ مکہ پورے شہر کا نام ہے اور بکہ خاص مسجد حرام کا نام ہے کیونکہ بک کا معنی ازدحام ہے اور ازدحام اور ایک دوسرے کو دھکا دینا مسجد حرام میں طواف کے وقت ہوتا ہے' اور بعض علماء نے اس کے برعکس کہا کیونکہ قرآن مجید میں ہے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے اس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہاں بکہ شہر کو فرمایا ہے۔

بیت اللہ کے اسماء کا بیان

بیت اللہ کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) بیت اللہ کا مشہور نام کعبہ ہے قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "جعل اللّٰه الكعبة البيت الحرام قياما للناس"۔ (المائدہ:۹۷)

ترجمہ اللہ نے معزز بیت کعبہ کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا:

کعبہ کا معنی شرف اور بلندی ہے' اور بیت اللہ بھی مشرف اور بلند ہے اس لیے اس کو کعبہ کہتے ہیں:

(۲) بیت اللہ البیت العتیق بھی کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "وليطوفوا بالبيت العتيق"۔ (الحج:۲۹)

ترجمہ: اور وہ البیت العتیق کا طواف کریں۔

اس بیت کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے قدیم بیت ہے' اور عتیق کا معنی قدیم ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک آسمان اور زمین سے پہلے اس بیت کو بنایا گیا' عتیق کا دوسرا معنی ہے آزاد اور بعض روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو طوفان نوح میں غرق ہونے سے آزاد رکھا' اور طوفان کے وقت اس کو اوپر اٹھالیا گیا' عتیق کا معنی قوی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو اتنا قوی بنایا ہے کہ جو شخص اس کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو خود تباہ کر دیا جاتا ہے اور جو شخص اس بیت کی زیارت کے قصد سے آئے اللہ اس کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

(۳) بیت اللہ کو مسجد الحرام بھی کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "سبحان الذى اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام"۔ (بنی اسرائیل:۱)

ترجمہ: سبحان ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے لے گیا۔

بیت اللہ کو مسجد حرام اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے اس شہر میں قتال کو حرام کر دیا ہے اور یہ دائمی حرمت ہے' نیز اس شہر میں شکار کو حرام کر دیا ہے' اس شہر کے درختوں کو اور اس کی گھاس کاٹنے کو حرام کر دیا ہے' اس شہر کے

جانوروں کو ستانا اور پریشان کرنا حرام ہے۔ اس میں حدود کو جاری کرنا حرام ہے اور اس شہر کے یہ تمام احکام اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: برکت والا اور تمام جہان والوں کی ہدایت کا سبب ہے۔ (آل عمران: ۹۶)

کعبہ کی برکت اور ہدایت کا معنی

برکت کا ایک معنی ہے کسی چیز کا بڑھنا اور زائد ہونا' اس لحاظ سے کعبہ اس لیے برکت والا ہے کہ کعبہ میں ایک نماز کا اجر دوسری مساجد کی نسبت ایک لاکھ درجہ زیادہ ہے' جیسا کہ پہلے سنن ابن ماجہ اور الاستذکار کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں' اور کعبہ میں حج کرنے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے'

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں جماع کیا نہ جماع کے متعلق کوئی بات کی اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک) لوٹے گا جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور حج مبرور کی جزاء صرف جنت ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حج مبرور کی صحیح اور زیادہ مشہور تعریف یہ ہے کہ اس حج کے دوران کوئی گناہ نہ کیا ہو' ایک قول یہ ہے کہ حج کرنے کے بعد انسان پہلے سے زیادہ نیک ہو جائے اور دوبارہ گناہوں کو نہ کرے' دوسرا قول یہ ہے کہ جو حج ریا کاری کے لیے نہ کیا جائے' تیسرا قول یہ ہے کہ جس حج کے بعد انسان گناہ نہ کرے۔

علامہ سید امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ ھ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے جس نے حج کیا اور جماع یا اس سے متعلق باتیں نہیں کیں اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح اس دن تھا جس دن اپنی ماں کے بطن پیدا ہوا تھا' اس سے مراد ہے کہ حج کے احرام سے لے کر حج مکمل ہونے تک۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

برکت کا دوسرا معنی دوام اور بقاء ہے' اور چونکہ روئے زمین پر ہر وقت کسی نہ کسی جگہ نماز کا وقت ہوتا ہے اس لیے ہر وقت کعبہ کی طرف توجہ کر کے عبادت کی جاتی ہے اور خود کعبہ میں بھی ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لیے کعبہ کی طرف منہ کر کے اور خود کعبہ میں دائماً عبادت کی جاتی ہے۔

کعبہ تمام "العلمین" کے لیے ہدایت ہے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کعبہ تمام روئے زمین کے نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ہے اور وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس لیے کعبہ تمام جہان والوں کے لیے سمت قبلہ کی ہدایت ہے۔

(۲) کعبہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اوراس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے اور کعبہ میں جو عجائب اور غرائب ہیں وہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اس اعتبار سے کعبہ تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہے۔

(۳) کعبہ تمام جہان والوں کو جنت کی ہدایت دیتا ہے جو خلوص نیت سے کعبہ کی زیارت کرے' کعبہ کا طواف کرے اور اس میں نمازیں پڑھے کعبہ ان کو جنت کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس میں واضح نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے۔

کعبہ اور مقام ابراہیم کی نشانیاں

ان نشانیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) اس بیت کے بیت اللہ ہونے کی واضح نشانی یہ ہے کہ یہ بیت غیر آباد بیابان میں بنایا گیا جس کے اطراف میں پھلوں کھیتوں کا نام ونشان بھی نہیں تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رہنے والوں کے لیے رزق پہنچانے کا بہترین انتظام کر دیا' حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اس شہر والوں کے لیے پھلوں کے حصول کی دعا کی تھی' سو تمام دنیا کے پھل یہاں لائے جاتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی استجابت دعا کا ثمر ہے۔

(۲) اس بیت میں اس بات کی واضح نشانیاں موجود ہیں کہ یہی وہ بیت ہے جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا بنایا ہوا تھا اسی مقام کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ہجرت کے بعد اپنی رہائش کے لیے منتخب فرمایا' اسی کے پاس صفا اور مروہ کی وہ پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ بے قراری سے دوڑ رہی تھیں' یہیں پر زمزم نام کا وہ کنواں ہے جو حضرت جبرائیل کے پر مارنے سے جاری ہوا تھا' حضرت ہاجرہ نے اس بہتے ہوئے چشمہ کو روکنے کے لیے زمزم کہا تھا اسی نام سے یہ کنواں آج تک موسوم ہے' اسی کے پاس منیٰ ہے جہاں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے لے گئے تھے' یہیں پر وہ جمرات ہیں جہاں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

(۳) اسی بیت کے شہر کے لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا کی تھی۔

(آیت) ''واذ قال ابراهيم رب اجعل هذا البلد امنا''۔ (ابراہیم:۳۵)

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بعد پونے تین ہزار سال تک جاہلیت کے سبب تمام ملک عرب بدامنی کا شکار رہا اور اس شورش زدہ ملک میں صرف کعبہ کی سرزمین ہی ایسا حصہ تھی جس میں ہمیشہ امن رہا' بلکہ اسی کعبہ کی بدولت باقی ملک عرب میں بھی چار ماہ کے لیے امن ہو جاتا تھا۔

(٤) یہ کعبہ کی ہی فیض آفرینی ہے کہ حدود حرم میں وہ جانور بھی امن سے رہتے ہیں جن کا دوسری جگہوں پر شکار کر لیا جاتا ہے' بلکہ سرزمین کعبہ میں لگنے والے درخت کٹنے سے محفوظ رہتے ہیں اور حدود حرم میں مجرموں پر حد نہیں لگائی جاتی۔

(۵) جب سے بیت اللہ قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کی سرزمین کو مخالفین کے حملوں سے محفوظ رکھا سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت سے پہلے ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعہ ہاتھیوں کی اس فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔

(٦) مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس میں ٹخنوں تک حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قدموں کے نشان ثبت ہیں اور یہود ونصاریٰ کی عداوت اور بغض کے باوجود اس پتھر کا پونے تین ہزار سال سے محفوظ چلا آنا زبردست نشانی ہے۔

(٧) یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کعبہ کی تعمیر کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے حضرت ہاجرہ سے اپنا سر دھلوایا تھا' دوسرا قول یہ ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے حج کا اعلان کیا تھا۔ (تفسیر تبیان القرآن، سورہ آل عمران، لاہور)

ان اول بیت وضع للناس سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے قائم کیا گیا یعنی اللہ نے لوگوں کے لیے قبلہ بنایا بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے حج کرنے کے لیے سب سے پہلا مکان جو اللہ نے قائم کیا۔ حسن اور کلبی نے کہا کہ اوّل ترین مسجد اور عبادت خانہ مراد ہے؟ جو اللہ کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا (گویا بیت سے مراد ہے مسجد) جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے: فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ. اس جگہ بھی بیوت سے مراد ہے مسجدیں۔

للذی ببکۃ یقیناً وہی مکان ہے جو مکہ میں ہے بکہ اور مکہ دونوں ہم معنی ہیں اہل عرب میم کو باء سے بدل لیتے ہیں جیسے نمیط و نبیط لازم ولازب۔ راتب وراتم۔ بعض علماء نے کہا مکہ شہر کا نام ہے اور بکہ صرف وہ جگہ جہاں کعبہ ہے یا مقام طواف۔ بَکٌّ کا معنی ہے اژدحام مکہ میں (ایام حج میں) لوگوں کا اژدحام ہوتا ہے اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر نے فرمایا: مکہ بڑے بڑے جابروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے جس جابر نے اصحاب فیل کی طرح کعبہ (کو ڈھانے) کا ارادہ کیا اللہ نے اس کی گردن توڑ دی۔ مکہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ (مکٌّ کا معنی ہے پانی کی قلت) مکہ میں پانی کم ہے۔

آیت میں اوّلیت بیت سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد، قتادہ اور سدی نے فرمایا: آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانہ میں پانی کی سطح سے سب سے اوّل کعبہ کا مقام نمودار ہوا شروع میں یہ سفید جھاگ تھے (جو منجمد ہو گئے تھے) زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کی تخلیق ہوئی تھی پھر اسی کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی۔ حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدین) نے فرمایا: کہ اللہ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام بیت المعمور ہے اور (آسمان کے) فرشتوں کو اس کے طواف کرنے کے حکم دیا پھر زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بنائیں فرشتوں نے حسب الحکم کعبہ کی تعمیر کی اور اس کا نام صراح رکھا پھر اللہ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ جس طرح آسمان والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین والے صراح کا طواف کریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے فرشتوں نے کعبہ کی عمارت بنائی تھی اور اس کا حج کیا کرتے تھے آدم نے حج کیا تو فرشتوں نے کہا آپ کا حج مبرور ہے ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس کا حج کیا تھا۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ حضرت آدم نے سب سے اوّل زمین پر کعبہ کی عمارت بنائی تھی یہ روایت ازرقی نے تاریخ مکہ میں نقل کی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوذر کی روایت آئی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ زمین پر کونسی مسجد سب سے پہلے قائم کی گئی؟ فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے عرض کیا پھر کونسی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ میں نے عرض کیا دونوں میں کتنا فصل تھا؟ فرمایا: چالیس سال پھر جہاں بھی تم کو نماز کا وقت آجائے پڑھ لو اس میں فضیلت ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ کعبہ کی عمارت سب سے اوّل حضرت آدم نے بنائی تھی اور طوفان نوح کے وقت اس کو اٹھالیا گیا تھا۔ بعض نے کہا کہ طوفان سے مٹ گئی تھی پھر حضرت ابراہیم نے اس کی تعمیر کی۔ پھر مٹ گئی تو قبیلہ جرہم نے بنائی پھر عمالقہ نے بنائی پھر قریش نے تعمیر کی۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی کا بیان ہے کہ طوفان کے زمانہ میں کعبہ کی عمارت اٹھالی گئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم نے اس کو بنانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کی جگہ آپ کو بتادی اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے تجوج نام کی ہوا بھیجی ہوا نے کعبہ کے گرداگرد کی مٹی اڑا کر بنیاد نمودار کردی اور آپ نے قدیم بنیاد پر تعمیر کی۔ تجوج ایک جانور ہوتا ہے جس کے دو باز پرندوں کی طرح اور صورت سانپ کی طرح ہوتی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کعبہ کی اوّلیت زمانہ کے لحاظ سے مراد نہیں ہے بلکہ فضیلت کے اعتبار سے ہے یعنی کعبہ افضل ترین عمارت ہے اس قول کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف کی گئی ہے ضحاک نے کہا کعبہ سب سے اوّل مکان ہے جس کو برکت عطا کی گئی کیونکہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا۔

مبارکا یعنی کعبہ برکت والا ہے اور اس کا اجر وثواب بہت ہے بعض عبادتیں تو کعبہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں (کسی دوسری جگہ نہیں ہوسکتیں) جیسے حج، حج کی قربانی کا جانور بھیجنا، عمرہ اور بعض عبادتیں اس جگہ ادا کرنے کا ثواب اتنا زائد ہے کہ کسی اور جگہ اس کی برابر نہیں جیسے نماز، روزہ اور اعتکاف، اسی لیے امام ابو یوسف نے فرمایا: کہ جس نے مسجد حرام میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو اور دوسری جگہ پڑھ لے تو کافی نہ ہوگا کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: اپنے گھر کے اندر آدمی کی نماز ایک نماز کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نماز کے برابر ہے اور جامع مسجد میں پانچسو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ) طحاوی نے حضرت عطاء بن زبیر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز (میری) اس مسجد میں سو نمازوں سے بہتر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے مگر غیر مرفوع (یعنی رسول اللہ کا ارشاد ہونا ظاہر نہیں کیا) اور حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔ ابن جوزی نے حضرت جابر کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو مرفوع ذکر کیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز سو ہزار

نمازوں سے افضل ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نمازوں کی یہ ترتیبی فضیلت صرف فرض نمازوں کے متعلق ہے نوافل میں یہ فضیلت نہیں ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابت کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: فرض کے علاوہ باقی نمازیں آدمی کی اپنے گھر میں افضل ہیں۔ (صحیح بخاری ومسلم)

میں کہتا ہوں اعتکاف کا حکم فرض نمازوں کی طرح ہے کیونکہ بصورت اعتکاف آدمی مسجد کے اندر رہ کر فرض نمازوں کا انتظار کرتا رہتا ہے گویا وہ نماز میں مشغول رہتا ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل مکہ میں حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمراء کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ مکہ کے بازار میں حرورہ مقام پر کھڑے فرمار ہے تھے کہ خدا کی قسم تو بلا شبہ اللہ کی زمین میں سب سے اچھی اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے تیرے اندر سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا۔ یہی حدیث ابن جوزی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی مرفوعاً بیان کی ہے۔

وھدی للعالمین اور باعث ہدایت سب لوگوں کے لیے کیونکہ کعبہ سب کے لیے قبلہ ہے۔ اس میں ایسی عجیب نشانیاں موجود ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں۔

2017 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى يَعْنِي ابْنَ اَبِيْ كَثِيرٍ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، وَاِنَّمَا اُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ، ثُمَّ هِيَ حَرَامٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ: لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ، فَقَالَ عَبَّاسٌ: اَوْ قَالَ: قَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّهُ لِقُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِلَّا الْاِذْخِرَ.

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: وَزَادَنَا فِيهِ ابْنُ الْمُصَفّٰى، عَنِ الْوَلِيدِ فَقَامَ اَبُوْ شَاهٍ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اكْتُبُوْا لِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اكْتُبُوْا لِاَبِيْ شَاهٍ. قُلْتُ لِلْاَوْزَاعِيِّ مَا قَوْلُهُ: اكْتُبُوْا لِاَبِيْ شَاهٍ؟ قَالَ: هٰذِهِ الْخُطْبَةُ الَّتِيْ سَمِعَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

❁❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ کو فتح کر دیا' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

2017- اسناده صحيح. الاوزاعي: هو عبد الرحمٰن بن عمرو، وابن المصفى: هو محمد بن المصفى الحمصي. واخرجه البخاري (2434)، ومسلم (1355) (447) من طرق عن الوليد بن مسلم، والنسائي في "الكبرى" (5824) من طريق اسماعيل بن سماعة، كلاهما عن الاوزاعي، بهذا الاسناد. وزادوا فيها الزيادة التي اشار المصنف الى ان محمد بن المصفى قد زادها. واخرجه البخاري (112) و (6880)، ومسلم (1355) من طريقين عن يحيى بن ابي كثير به. وزاد الزيادة التي اشار اليها المصنف. وهو في "مسند احمد" (7242)، و"صحيح ابن حبان" (3715)

لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ میں ہاتھیوں کو داخل ہونے نہیں دیا' لیکن اس شہر پر اپنے رسول اور اہل ایمان کو تسلط عطا کیا اور اسے میرے لیے بھی دن کے ایک مخصوص حصے کے لیے حلال قرار دیا گیا۔ پھر اس کی حرمت قیامت کے دن تک برقرار رہے گی یہاں کے درخت کو کاٹا نہیں جائے گا' یہاں کے شکار کو بھگایا نہیں جائے گا' یہاں کی گری ہوئی ملنے والی چیز کو اٹھایا نہیں جائے گا' البتہ اعلان کرنے کے لیے اٹھایا جا سکتا ہے' تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں:) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اذخر (نامی گھاس) کی اجازت دیجئے وہ ہمارے قبرستان اور گھروں میں استعمال ہوتی ہے' تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اذخر کا حکم مختلف ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ایک راوی نے اس روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: یمن سے تعلق رکھنے والے حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ نامی ایک صاحب کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ احکام آپ ﷺ میرے لیے تحریر کروا دیں' تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ابوشاہ کے لیے تحریر کردو۔

راوی کہتے ہیں: میں نے امام اوزاعی سے دریافت کیا: نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے کیا مراد ہے؟ ابوشاہ کے لیے تحریر کردو انہوں نے فرمایا: اس سے مراد وہ خطبہ ہے' جو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی سنا تھا۔

2018 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ، قَالَ: وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس واقعے میں یہ الفاظ نقل کرتے ہیں: "اس کی گھاس کو کاٹا نہیں جائے گا"۔

2019 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا اِسْرَائِيلُ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ اُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلَا نَبْنِيْ لَكَ بِمِنًى بَيْتًا اَوْ بِنَاءً يُظِلُّكَ مِنَ الشَّمْسِ؟ فَقَالَ: لَا، اِنَّمَا هُوَ مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ اِلَيْهِ

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم آپ ﷺ کے لیے منیٰ میں کوئی گھر یا عمارت نہ بنا دیں جس کے ذریعے آپ ﷺ دھوپ سے بچتے رہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جی نہیں! یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے' جو شخص پہلے یہاں پہنچ جائے گا (وہ اپنی سواری کو بٹھا کر ٹھہر جائے گا)

2020 حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ يَحْيٰى بْنِ ثَوْبَانَ، اَخْبَرَنِيْ

2018- اسناده صحيح. جرير: هو ابن عبد الحميد الضبي، ومنصور: هو ابن المعتمر السُّلمي، ومجاهد بن جبر المخزومي مولاهم، وطاووس: هو ابن كيسان اليماني. واخرجه البخاري (1834) و (3189)، ومسلم (1353)، والنسائي في "الكبرى" (3843) و (3844) من طريقين عن منصور، بهذا الاسناد. واخرجه البخاري (1349) و (1833) و (2090) و (2433)، والنسائي في "الكبرى" (3861) من طريق عكرمة، عن ابن عباس، به. وهو في "مسند احمد" (2279) و (2353)، و "صحيح ابن حبان" (3720).

عِمَارَةُ بْنُ ثَوْبَانَ، حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ بَاذَانَ، قَالَ: أَتَيْتُ يَعْلَى بْنَ أُمَيَّةَ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: احْتِكَارُ الطَّعَامِ فِي الْحَرَمِ إِلْحَادٌ فِيهِ

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''حرم میں غلے کا ذخیرہ کرنا بے دینی ہے''۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

معیشت کے عمل کو صاف و شفاف رکھنے اور اجارہ داریوں سے حفاظت کے پیش نظر اسلام نے ذخیرہ اندوزی کو اس کی تمام انواع و اقسام کے ساتھ ممنوع قرار دیا ہے، اور اسلامی حکومت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اس ملعون عمل کو روکنے کے لیے دخل اندازی کرے۔

جو تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کرے اور پھر مارکیٹ میں اپنا مال اپنی مرضی کی قیمت پر فروخت کرے، اسے خطا کار اور ملعون قرار دیا گیا ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''مَنِ احْتَكَرَ يُرِيدُ أَنْ يَتَعَالَى بِهَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ خَاطِئٌ''

ترجمہ: ''جس نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس چیز کی قیمت چڑھائے وہ خطا کار ہے''۔

دوسری روایت میں ہے:

''اَلْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ''

ترجمہ: ''تاجر کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے''۔

اسلام کے قانونِ تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو بھی مردود قرار دیا ہے، دورِ حاضر میں سرمایہ دار بسا اوقات کسی جنس کو ممکن طور پر مارکیٹ سے خریدتے ہیں، یا پھر وہ جنس صرف ان کے کارخانے اور مل میں بنتی ہے، اسے ذخیرہ کر لیتے ہیں، پھر بعد ازاں اپنی مرضی سے رسد و طلب میں عدمِ توازن قائم کر کے من مانی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔

کشف الغمہ میں منقول ھے: آنحضرت (ص) نے اپنی ایک بیوی سے فرمایا: کیا میں نے تم کو منع نھیں کیا تھا کہ کل کے لئے کچھ ذخیرہ نہ کرنا کیونکہ خدا ھر آنے والے کل کا رزق، عطا کرنے والا ھے۔

بَابٌ فِي نَبِيذِ السِّقَايَةِ

باب: حاجیوں کو نبیذ پلانا

2021 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا بَالُ أَهْلِ هٰذَا الْبَيْتِ يَسْقُونَ النَّبِيذَ، وَبَنُو عَمِّهِمْ يَسْقُونَ اللَّبَنَ وَالْعَسَلَ وَالسَّوِيقَ أَبُخْلٌ بِهِمْ أَمْ حَاجَةٌ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا بِنَا مِنْ بُخْلٍ وَلَا بِنَا مِنْ حَاجَةٍ، وَلٰكِنْ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَخَلْفَهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ، فَأُتِيَ بِنَبِيذٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ وَدَفَعَ فَضْلَهُ إِلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَحْسَنْتُمْ وَأَجْمَلْتُمْ، كَذَلِكَ فَافْعَلُوا فَنَحْنُ هَكَذَا لَا نُرِيدُ أَنْ نُغَيِّرَ مَا قَالَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

⊛⊛ بکر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: اس گھر کے خادموں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ لوگوں کو نبیذ پلاتے ہیں' جبکہ ان کے چچا زاد دودھ، شہد اور ستو پلاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ کنجوس ہیں' یا محتاج ہیں' تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: نہ تو کنجوس ہیں نہ ہی محتاج ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کے لیے کوئی چیز طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نبیذ پیش کی گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے پیا اور باقی مشروب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے پی لیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے عمدہ کیا' ہے اچھا کیا ہے اس طرح کیا کرو۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا ہے ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتے۔

بَابُ الْإِقَامَةِ بِمَكَّةَ

باب: مکہ میں مقیم ہونا

2022 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حُمَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، يَسْأَلُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ، هَلْ سَمِعْتَ فِي الْإِقَامَةِ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِلْمُهَاجِرِينَ: إِقَامَةٌ بَعْدَ الصَّدَرِ ثَلَاثًا

⊛⊛ عبدالرحمن بن حمید بیان کرتے ہیں: انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کو سائب بن یزید سے سوال کرتے سنا۔ کیا آپ نے مکہ میں اقامت اختیار کرنے کے بارے میں کوئی روایت سنی ہے' تو انہوں نے جواب دیا: حضرت ابن حضرمی رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ بات بتائی ہے: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مہاجرین سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"طواف صدر کرنے کے بعد تین دن تک (مکہ میں) ٹھہر سکتے ہیں"۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

باب: خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا کرنا

2023 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ، وَبِلَالٌ. فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ

فَمَكَثَ فِيهَا. قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ. فَسَأَلْتُ بِلَالًا. حِينَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: جَعَلَ عَمُودًا عَنْ يَسَارِهِ، وَعَمُودَيْنِ عَنْ يَمِينِهِ، وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ، وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ، ثُمَّ صَلَّى.

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید ﷠، حضرت عثمان بن طلحہ حجبی ﷜ اور حضرت بلال ﷜ بھی تھے۔ ان حضرات نے دروازہ بند کر دیا۔ یہ حضرات کچھ دیر اس کے اندر رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ بیان کرتے ہیں: بعد میں' میں نے حضرت بلال ﷜ سے دریافت کیا: جب وہ باہر آگئے۔ نبی اکرم ﷺ نے (اندر) کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا: نبی اکرم ﷺ نے ایک ستون کو اپنے بائیں طرف کیا' اور دو ستونوں کو اپنے دائیں طرف کیا' اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کی طرف کیا (راوی کہتے ہیں:) ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون ہوتے تھے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا کی۔

2024 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ الْأَذْرَمِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ مَالِكٍ، بِهٰذَا الْحَدِيثِ لَمْ يَذْكُرِ السَّوَارِيَ قَالَ: ثُمَّ صَلَّى وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ثَلَاثَةُ أَذْرُعٍ.

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں ستونوں کا ذکر نہیں ہے' اور یہ الفاظ ہیں: پھر آپ ﷺ نے نماز ادا کی' جبکہ آپ ﷺ کے اور قبلہ (کی دیوار) کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

2025 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ الْقَعْنَبِيِّ، قَالَ: وَنَسِيتُ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى؟

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے اس کی مانند روایت نقل کرتے ہیں' جس میں یہ الفاظ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ نے فرمایا: میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے کتنی رکعت ادا کی تھیں؟

2026 حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَفْوَانَ، قَالَ: قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: كَيْفَ صَنَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ؟ قَالَ: صَلَّى رَكْعَتَيْنِ

2023- اسناده صحيح. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة، ومالك: هو ابن انس، ونافع: هو مولى ابن عمر. وهو عند مالك في "الموطا" 1/ 398، ومن طريقه اخرجه البخاری (505)، ومسلم (1329). واخرجه البخاری (504) و (4400)، وابن ماجه (3063)، والنسائی فی "الکبزی" (3875) و (3877) من طرق عن نافع، بهذا الاسناد. واخرجه البخاری (397) و (1167) من طريق مجاهد بن جبر، والبخاری (1598)، ومسلم (1329)، والنسائی فی "الکبزی" (773) من طريق سالم، والترمذی (889) من طريق عمرو بن دينار، والنسائی فی "الکبزی" (3876) من طريق ابن ابی مليكة، اربعتهم عن ابن عمر، به. وبعضهم يختصره. وجاء فی رواية مجاهد وابن ابی مليكة تعيين عدد الركعات التی صلاها رسول الله - صلَّى الله عليه وسلم - بانها ركعتان. وهو فی "مسند احمد" (4464)، و"صحيح ابن حبان" (3204).

2024- اسناده صحيح. واخرجه النسائی فی "الکبزی" (827). واخرجه البخاری (506) و (1599) من طريق موسى بن عقبة، عن نافع، به. وهو فی "مسند احمد" (5927)، و"صحيح ابن حبان" (3206). وانظر ما قبله وما بعده.

⊛⊛ عبدالرحمن بن صفوان بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت ادا کی تھیں۔

2027 حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَبَى أَنْ يَدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيهِ الْآلِهَةُ، فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ، قَالَ: فَأُخْرِجَ صُورَةُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَفِي أَيْدِيهِمَا الْأَزْلَامُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَاتَلَهُمُ اللهُ وَاللهِ، لَقَدْ عَلِمُوا مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ. قَالَ: ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ فَكَبَّرَ فِي نَوَاحِيهِ وَفِي زَوَايَاهُ، ثُمَّ خَرَجَ وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے جانے سے انکار کر دیا' کیونکہ اس کے اندر بت رکھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت انہیں باہر نکال دیا گیا۔ ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی تھیں اور ان کے ہاتھ میں پانسے کے تیر تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے (جنہوں نے یہ تصویریں بنائی ہیں) اللہ کی قسم! وہ یہ بات جانتے تھے کہ ان حضرات نے کبھی پانسہ نہیں کھیلا ہے۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اطراف اور کناروں پر تکبیر کہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر نماز ادا نہیں کی۔

فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں نماز پڑھنے کا بیان

امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ ابن زید، عثمان ابن طلحہ حجبی اور بلال ابن رباح رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلال یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اندر سے دروازہ بند کر لیا (تا کہ لوگ ہجوم نہ کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے جب کہ وہ یا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خانہ کعبہ سے باہر آئے تو پوچھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ایک ستون آپ کے بائیں طرف تھا، دو داہنی طرف تھے تین پیچھے تھے ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی مگر اس سے پہلے اس مضمون کی حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ جو حدیث گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تھی۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ یہ حضرات خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر حضرت اسامہ بھی کسی دوسرے کونہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کونہ میں کھڑے تھے وہاں سے حضرت اسامہ تو دور تھے مگر حضرت بلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تھے اس لیے حضرت بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ حضرت اسامہ اول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فاصلہ پر تھے دوسرے وہ خود بھی نماز میں مشغول تھے، پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز بھی جلد ہی پڑھ لی تھی۔ اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو پانی لانے کے لیے باہر بھیج دیا تھا اس لیے ہوسکتا ہے کہ جس وقت وہ باہر گئے ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصے میں نماز پڑھ لی ہو۔ بہر حال حضرت اسامہ اور حضرت بلال دونوں نے اپنے علم و مشاہدہ کے مطابق خبر دی ہے اور بہر صورت ادائیگی نماز کو ثابت کرنا ہی مختار ہے اس کی نفی نہیں۔

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، انھوں نے (کعبہ کا) دروازہ کھول دیا، پھر نبی ﷺ اور بلال اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اندر گئے، اس کے بعد دروازہ بند کرلیا گیا، پھر آپ ﷺ اس میں تھوڑی دیر رہے، اس کے بعد سب لوگ نکلے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں کعبہ کی طرف جلدی سے بھاگا اور بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ میں نے کہا کس مقام میں؟ انھوں نے کہا دونوں ستونوں کے درمیان۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مجھ سے یہ بات رہ گئی کہ ان سے پوچھتا کہ آپ ﷺ نے کس قدر نماز پڑھی۔ (بخاری، رقم، ۲۹۶)

کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا بیان

البتہ اس بارے میں علماء کا یہاں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ میں رات و دن کے کسی بھی حصہ میں خواہ اوقات مکروہہ کیوں نہ ہوں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر خانہ کعبہ میں ہر وقت کوئی بھی نماز خواہ وہ طواف کی دو رکعتیں ہوں یا دوسری نماز ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں صرف طواف کی دو رکعتیں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر اوقات مکروہ میں کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے اوقات کی حرمت اور کراہت کے سلسلے میں مکہ کا حکم بھی دیگر شہروں کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقات کی حرمت و کراہت کا حکم اور ان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی جگہ اور کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں جگہ تو ان اوقات میں نماز پڑھنی جائز ہے اور فلاں جگہ ناجائز ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جس وقت چاہے نماز پڑھی جاسکتی البتہ اوقات مکروہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس تاویل سے تمام احادیث میں موافقت اور مطابقت بھی ہو جاتی ہے جو ایک ضروری چیز ہے۔

کعبہ میں نماز پڑھنے سے متعلق فقہی اختلاف کا بیان

علامہ یحیٰ بن شرف نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن جب وہ کعبہ کی کسی دیوار کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھے۔ لہٰذا سیدنا امام اعظم، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا صحیح ہے۔ چاہے وہ فرض نماز ہو یا وہ نفل نماز ہو۔ جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک کعبہ میں صرف نفل نماز صحیح ہے۔ جبکہ فرض وواجب اور فجر کی سنتیں پڑھنا صحیح نہیں۔ اور اسی طرح طواف کی دو رکعتیں بھی صحیح نہیں۔

بعض غیر مقلدین کا مؤقف یہ ہے کہ کعبہ میں کوئی فرض ونفل صحیح نہیں۔ جبکہ جمہور کے نزدیک حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی روایت دلیل ہے کہ جب اس میں نفل پڑھنا صحیح ہے تو فرض پڑھنا بھی صحیح ہوگا۔ کیونکہ حالت سواری میں فرض ونفل کے جائز ہونے یا نہ ہونے میں فرق ہے۔ لیکن جب نماز زمین پر پڑھی جائے تو اس کے فرض ونفل میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

(شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۴۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْحِجْرِ

باب: حطیم میں نماز ادا کرنا

2028 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ فَأُصَلِّيَ فِيهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَأَدْخَلَنِي فِي الْحِجْرِ فَقَالَ: صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِذَا أَرَدْتِ دُخُولَ الْبَيْتِ، فَإِنَّمَا هُوَ قَطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ، فَإِنَّ قَوْمَكِ اقْتَصَرُوا حِينَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوهُ مِنَ الْبَيْتِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میری یہ خواہش ہے کہ میں خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز ادا کروں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حطیم میں داخل کیا اور فرمایا: جب بھی تمہاری خانہ کعبہ کے اندر جانے کی خواہش ہو، تو تم حطیم میں نماز ادا کر لو کیونکہ یہ خانہ کعبہ کا ایک حصہ ہے۔ تمہاری قوم کے لوگوں نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ تو اس حصے کو بیت اللہ سے باہر نکال دیا تھا (یعنی بیت اللہ میں شامل نہیں کیا تھا)

2028- حديث صحيح دون قوله: "صلي في الحجر اذا اردت دخول البيت" فانما هو قطعة من البيت" فحسن لغيره، وهذا اسناد محتمل للتحسين، ام علقمة بن ابي علقمة - وهي مرجانة المدنية - تفرد بالرواية عنها ابنها، ولم يؤثر توثيقها عن غير ابن حبان، وقد ذكرها الذهبي في المجهولات من "الميزان"، وقال الحافظ في "التقريب": مقبولة. وبقية رجاله ثقات. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة. واخرجه الترمذي (891)، والنسائي في "الكبرى" (3881) من طريق عبد العزيز، بهذا الاسناد. وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. واخرجه بنحوه البخاري (1583) و (3368) و (4484)، ومسلم (1333) من طريق عبد الله بن عمر، والبخاري (1584) و (7243)، وابن ماجه (2955) من طريق الاسود بن يزيد، والبخاري (1585) و (1586)، ومسلم (1333) من طريق عروة، والنسائي في "الكبرى" (3880) و (9190) من طريق صفية بنت شيبة، اربعتهم عن عائشة. واقتصر جميعهم دون صفية على قطعة اخراج الحجر من البيت، واما صفية فاقتصرت في روايتها على ان الحجر من البيت. وهو في "مسند احمد" (24616)، و"صحيح ابن حبان" (3815) و (3816).

حطیم کعبہ کے باہر سے طواف شروع کرے

اور وہ اپنے طواف کو حطیم کے باہر کرے۔ اور حطیم اس جگہ کا نام ہے جس میں میزاب رحمت واقع ہے۔ اور اس کا نام حطیم اس وجہ سے ہے کہ حطم (کا معنی توڑنا ہوتا ہے) یہ بیت اللہ سے توڑا گیا ہے۔ اور اس کا نام حجر بھی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بیت اللہ محجور یعنی روک دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں آپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ حطیم بیت (بیت اللہ) سے ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے طواف حطیم سے باہر کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ طواف کرنے والا اگر اس جگہ وسیع جگہ داخل ہوا جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان ہے جو جائز نہیں۔ اگر نمازی نے حطیم کو قبلہ بنایا تو اس کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ بیت اللہ کے قبلہ ہونے کی فرضیت نص سے ثابت ہے۔ لہٰذا بطور احتیاط اس سے ادائیگی نہ ہوگی۔ جس کا ثبوت ہی خبر واحد ہے اور طواف میں احتیاط یہ ہے کہ وہ حطیم سے باہر ہونا چاہیے۔ (ہدایہ اولین، کتاب الحج، لاہور)

طواف کو حطیم کے باہر سے شروع کرے

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حطیم کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے میں نے عرض کیا پھر لوگوں نے اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہ کیا فرمایا ان کے پاس (حلال مال میں سے) خرچ نہ تھا میں نے عرض کیا کہ پھر بیت اللہ کا دروازہ اتنا اونچا کیوں رکھا کہ سیڑھی کے بغیر چڑھا نہیں جا سکتا۔ فرمایا یہ بھی تمہاری قوم نے اسی لئے کیا تا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور چاہیں اندر جانے سے روک دیں اور اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا (یعنی نومسلم نہ ہوتی) اور یہ ڈر نہ ہوتا کہ ان کے دل دور نہ ہو جائیں تو میں اس بات پر غور کرتا کہ کیا میں تبدیلی لاؤں اس میں پھر میں جو کمی ہے وہ پوری کروں اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا۔ (سنن ابن ماجہ، حج، قدیمی کتب خانہ کراچی)

طواف کرنے کے طریقے کا بیان

جب طواف شروع کریں تو حجرہ اسود سے ذرا پہلے احرام کی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالے، اسے اضطباع کہتے ہے طواف کی نیت کریں، لبیک کہنا بند کر دے اور حجرہ اسود کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کے رخ کعبہ کی طرف ہو پھر جیسے نماز میں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہے اس طرح ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھے پھر دونوں ہاتھوں کو سینے تک اٹھائیں اور حجرہ اسود کی طرف پھیلا دیں اور ہتھیلیوں کو بوسہ دیں اور داہنی طرف سے بیت اللہ کا طواف شروع کریں، طواف کا ایک چکر پورا کر کے جب حجرہ اسود پر آئے تو پھر بوسہ دیں اس طرح سات چکر پورا کریں تو سات چکر اور آٹھ بوسے ہوں گے اسے استلام کہتے ہے، طواف کے دوران جو دعا یاد ہو وہ پڑھے اور تیسرا کلمہ پڑھے کچھ یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں جو اللہ سے دعائے کریں، اس کے بعد دو رکعت نماز واجب طواف کی پڑھلیں، مقام ابراہیم کے پیچھے، اگر مشکل ہو تو کہی بھی پڑھ سکتے ہے؛ ہر طواف کے بعد دو رکعت پڑھلے اگر مکروہ وقت ہو تو ایک دو طواف کر کے نماز ساتھ میں پڑھ سکتے ہیں. پھر آب زم زم خوب پیے۔

طواف یہ ہے جس میں سات چکر مکمل کیے جائیں اور حجر اسود سے شروع ہو اور حجرِ اسود پر ہی ختم کیا جائے، کیونکہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی طواف کیا اور فرمایا " : مجھ سے اپنے اعمال لے لو۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: طواف کی شرط ہے کہ سات چکر لگائے جائیں اور ہر چکر حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود پر ہی ختم ہو، اور اگر ایک قدم بھی باقی رہے تو اس کا طواف شمار نہیں ہوگا، چاہے وہ مکہ میں رہے یا مکہ سے نکل کر اپنے وطن چلا جائے، اور اسے دم وغیرہ بھی پورا نہیں کر سکتا۔ (المجموع للنووی (8 / 21)

بَابٌ فِي دُخُولِ الْكَعْبَةِ

باب: خانہ کعبہ کے اندر جانا

2029 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا وَهُوَ مَسْرُورٌ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيَّ وَهُوَ كَئِيبٌ، فَقَالَ: إِنِّي دَخَلْتُ الْكَعْبَةَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي، مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا دَخَلْتُهَا إِنِّي أَخَافُ أَنْ أَكُونَ قَدْ شَقَقْتُ عَلَى أُمَّتِي

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں سے تشریف لے گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے' تو بہت رنجیدہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں خانہ کعبہ کے اندر چلا گیا بعد میں مجھے جس بات کا خیال آیا اگر اس کا خیال پہلے آجاتا' تو میں اس کے اندر نہ جاتا۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ میں نے اس کے حوالے سے اپنی امت کو مشقت کا شکار کیا ہے۔

2030 حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ، وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَمُسَدَّدٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ الْحَجَبِيِّ، حَدَّثَنِي خَالِي، عَنْ أُمِّي صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ الْأَسْلَمِيَّةَ، تَقُولُ: قُلْتُ لِعُثْمَانَ: مَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ دَعَاكَ؟ قَالَ: قَالَ: إِنِّي نَسِيتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَ الْقَرْنَيْنِ فَإِنَّهُ لَيْسَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ الْمُصَلِّيَ. قَالَ ابْنُ السَّرْحِ: خَالِي مُسَافِعُ بْنُ شَيْبَةَ

❁❁ صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں: میں نے اسلمیہ نامی خاتون کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے' وہ کہتی ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو بلایا تو کیا فرمایا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا: (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھا) میں یہ بھول گیا تھا کہ میں تمہیں یہ حکم دوں تم دو سینگوں کو ڈھانپ دو' کیونکہ بیت اللہ کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کی توجہ کو منتشر کر دے۔

2029- اسناده ضعيف؛ لضعف اسماعيل بن عبد الملك. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدى، وابن ابى مليكة: هو عبد الله بن عبيد الله. واخرجه ابن ماجه (3064)، والترمذى (888) من طريق وكيع بن الجراح، عن اسماعيل بن عبد الملك، بهذا الاسناد. وقال الترمذى: حديث حسن صحيح او هو فى "مسند احمد" (25056). واخرجه احمد (25197) من طريق جابر الجعفى،

ابن سرح نامی راوی کہتے ہیں: راوی کے یہ الفاظ میرے ماموں سے مراد مسافع بن شیبہ ہیں۔

بَابٌ فِيْ مَالِ الْكَعْبَةِ

باب: خانہ کعبہ کے مال کا حکم

2031 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُحَارِبِيُّ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ شَيْبَةَ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ، قَالَ: قَعَدَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ مَقْعَدِكَ الَّذِيْ أَنْتَ فِيْهِ، فَقَالَ: لَا أَخْرُجُ حَتّٰى أَقْسِمَ مَالَ الْكَعْبَةِ قَالَ: قُلْتُ: مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ، قَالَ: بَلٰى، لَأَفْعَلَنَّ قَالَ: قُلْتُ: مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ، قَالَ: لِمَ؟، قُلْتُ: لِأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَأٰى مَكَانَهُ وَأَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَهُمَا أَحْوَجُ مِنْكَ إِلَى الْمَالِ فَلَمْ يُخْرِجَاهُ فَقَامَ فَخَرَجَ

❁❁ شیبہ بن عثمان بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس جگہ بیٹھے تھے جہاں تم اس وقت بیٹھے ہوئے ہو انہوں نے فرمایا: میں یہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھوں گا' جب تک خانہ کعبہ کے مال کو (لوگوں میں) تقسیم نہیں کر دیتا۔ راوی کہتے ہیں: میں نے کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے انہوں نے کہا: میں ایسا ضرور کروں گا۔ میں نے کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے' انہوں نے دریافت کیا: وہ کیوں؟ میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس چیز کو دیکھا تھا' اور وہ اس مال کے آپ سے زیادہ ضرورت مند تھے' لیکن ان دونوں حضرات نے اسے حرکت نہیں دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے اور تشریف لے گئے۔

2032 حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ إِنْسَانٍ الطَّائِفِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: لَمَّا أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ لِيَّةَ حَتّٰى إِذَا كُنَّا عِنْدَ السِّدْرَةِ وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طَرَفِ الْقَرْنِ الْأَسْوَدِ حَذْوَهَا، فَاسْتَقْبَلَ نَخِبًا بِبَصَرِهِ، وَقَالَ: مَرَّةً وَادِيَهُ، وَوَقَفَ حَتّٰى اتَّقَفَ النَّاسُ كُلُّهُمْ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهُ حَرَامٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ وَذٰلِكَ قَبْلَ نُزُوْلِهِ الطَّائِفَ وَحِصَارِهِ لِثَقِيْفٍ

❁❁ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لیہ سے واپس آئے اور سدرہ کے قریب پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ کنارے کے پاس ٹھہر گئے۔ یعنی وہ پہاڑ جو اس (بیری کے درخت) کے مدمقابل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی

2032- اسنادہ ضعیف، محمد بن عبد اللہ بن انسان سئل عنہ ابو حاتم الرازی فقال: لیس بالقوی، وفی حدیثہ نظر، وذکرہ البخاری فی "تاریخہ" 1/140 وذکر لہ ھذا الحدیث، وقال: لم یتابع علیہ، وذکر اباہ 455/5 واشار الی ھذا الحدیث وقال: لم یصح حدیثہ. واخرجہ الحمیدی فی "مسندہ" (63)، واحمد فی "مسندہ" (1416)، والعقیلی فی "الضعفاء" 934/، والشاشی فی "مسندہ" (48)، والدارقطنی فی "العلل" 2394/، والبیہقی فی "الکبری" 2005/ من طریق عبد اللہ بن الحارث، بھذا الاسناد.

کی طرف رخ کیا۔ ایک مرتبہ راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: اس کی وادی کی طرف رخ کیا اور آپ ﷺ ٹھہر گئے یہاں تک کہ سب لوگ ٹھہر گئے پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک "وج" (نامی جگہ) کا شکار اور وہاں کے درخت حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر قابل احترام قرار دیے گئے ہیں۔

یہ نبی اکرم ﷺ کے طائف کے قریب پڑاؤ کرنے اور آپ ﷺ کے ثقیف قبیلے کا محاصرہ کرنے سے پہلے کی بات ہے۔

شرح

بنوثقیف

عرب کا مشہور قبیلہ جو بہت جنگجو تھا اور طائف اور اس کے گردنواح میں آباد تھا۔ اخر تک کفر کا ساتھ دیتا رہا۔ فتح مکہ کے بعد اس نے بنو ہوازن کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ جس میں ایک دفعہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اس جنگ میں اس کے ایک فرقے نے جو بنو مالک کہلاتا تھا۔ بڑی پامردی کا ثبوت دیا۔ لیکن جب شکست ہوئی تو بھاگ کر طائف چلا گیا۔ اور قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اس پر محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ چند روز بعد 9ھ 631ء میں ان کا سردار مالک بن عوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مشرف با اسلام ہوا۔ اس کے ساتھ ہی عروہ بن مسعود نے بھی اسلام قبول کر لیا اور پھر سارا قبیلہ اسلام لے آیا۔ اموی دور میں بصرے کا مشہور عامل حجاج بن یوسف اسی قبیلے سے تھا۔

بَابٌ فِي إِتْيَانِ الْمَدِينَةِ

باب: مدینہ منورہ آنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدنی جلوس

دوعالم کے مالک ومختار، مکی مدنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم جب غار ثور سے تشریف لائے تھے تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف تین افراد تھے، حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، آپ کے غلام حضرت سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور راستے کی راہنمائی کرنے والا عبد اللہ بن اریقط لیثی۔ لیکن حضرت سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہا اور ان کے قبیلے کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کا ایک جم غفیر تھا جو مدنی جلوس کی شکل اختیار کر گیا۔ حضرت سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے اس جلوس کی مدنی قیادت کے لیے بارگاہ رسالت میں یوں عرض کیا: "یا رسول اللہ! مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جھنڈا ہونا چاہیے۔" نیز انہوں نے اپنا عمامہ شریف سر سے اتارا، اپنے نیزے پر باندھ کر اسے جھنڈا بنا دیا اور اس جھنڈے کو لہراتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلنے لگے۔ اور یوں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہانہ مدنی جلوس مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ (مدارج النبوۃ، ج۱، ص ۶۲)

آمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرحبا۔ مرحبا

حضرت سیدنا عبدالرحمن بن عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری قوم کے کئی لوگوں نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے یہی روایت کیا ہے کہ "جب ہم نے سنا کہ نبی مکرم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ رہے ہیں تو ہم آپ کی آمد کی امید پر روزانہ نمازِ فجر کے بعد شہرِ مدینہ سے باہر مقامِ حرۃ میں آکر آپ کے انتظار میں بیٹھ جاتے، خدا کی قسم! جب دھوپ سے بچنے اور سر چھپانے کو کوئی جگہ نہ رہتی تو ہم گھروں میں آجاتے، اُن دنوں گرمی بھی زوروں پر تھی۔

نکل کر شہر سے خلقت قبا تک چل کے آئی تھی — تمنا رنگ حسرت بن کے آنکھوں میں سمائی تھی
ہوا کرتی تھیں فرشِ راہ اٹھ کر بار بار آنکھیں — ہمہ تن انتظار آنکھیں، ہمہ تن انتظار آنکھیں

جس دن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچنا تھا، ہم حسبِ معمول کڑکتی دوپہر تک انتظار میں بیٹھے رہے، اور اس کے بعد جب ہم گھروں میں چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے سب سے پہلے آپ کو ایک یہودی نے دیکھا جو ہمیں روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے دیکھا کرتا تھا، وہ بلند آواز سے پکارنے لگا: "اے بنو قیلہ (اوس و خزرج)! تمہارا مقصد آپہنچا۔"

اٹھا غل لیجئے ذروں کے گھر میں آفتاب آیا — زمین و آسماں کا نور جس کے ہم رکاب آیا
اکھٹے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے — شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے

حضرت سیدنا عبدالرحمن بن عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے دوڑے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، ہم میں سے اکثر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے زیارت نہیں کی تھی، لیکن شوقِ محبت میں لوگ امڈتے چلے آرہے تھے اور کسی کو یہ معلوم نہ تھا درخت کے نیچے بیٹھی دونوں ہستیوں میں سے خادم کون ہے اور آقا کون؟ یہاں تک کہ جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے سایہ ختم ہوا تو اسی وقت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور اپنی چادر سے آپ کو سایہ کرنے لگے، تب ہمیں صحیح پتا چلا کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کون سے ہیں اور جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کون سی ہے۔

(الریاض النضرہ، ج ا، ص ۱۲۰)

مدینہ منورہ کے نام

1۔ مدینہ منورہ

اللہ تعالیٰ کا قول: "اگر ہم اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔

2۔ طابہ

حضرت جابر بن سمرۃ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا" کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کا نام طابہ رکھا ہے"۔ [یہ مسلم کی روایت ہے]

3۔طیبہ
زید بن ثابت سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ مدینہ پاک ہے یہ گناہوں کو اس طرح پاک کرتی ہے جس طرح آگ چاندی کی گندگی کو صاف کرتا ہے۔" [یہ حدیث متفق علیہ ہے]

مدینہ منورہ کی فضیلت

1۔حضرت سعد بن ابی قاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مدینہ منورہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے کوئی بھی شخص مدینہ منورہ سے اعراض کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص اس میں داخل کر دے گا، جو بھی شخص اس کی سختیوں پر صبر کرے تو قیامت کے دن میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔" [یہ مسلم کی روایت ہے]

2۔حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے ایسی بستی کی طرف ہجرت کا حکم ملا ہے جو تمام بستیوں پر غالب ہے اور لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے جو کہ لوگوں کو صاف کرتی" یعنی شر پسند لوگوں کو جدا کرتی ہے" جیسے کہ لوہار کی پھونکنی لوہے کو گندگی سے صاف کرتی ہے۔" [یہ حدیث متفق علیہ ہے]

مدینہ منورہ کی خصوصیات

1۔مدینہ منورہ پر امن حرم ہے دو پہاڑ عیر اور ثور کے درمیان واقع ہے جس کے درخت نہیں کاٹے جاتے اور نہ ہی اس میں شکار کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "مدینہ عیر پہاڑ سے لیکر ثور پہاڑ تک حرم ہے جس شخص نے مدینہ میں بدعت یا گناہ کے کام کیے یا گناہ کرنے والے کو ٹھکانہ دیا اس پر اللہ کی، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے نہ نفلی عمل قبول کریں گے نہ ہی فرض عمل۔" [یہ حدیث متفق علیہ ہے]

اور آپ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا، عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" کہ میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں نے اسکے لیے اسکے مد اور صاع میں برکت کی دعا کی ہے" یعنی ہر چیز میں برکت کی دعا کی ہے"۔ جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔" یہ بخاری کی حدیث ہے۔

مکہ کے حرم ہونے اور مدینہ کے حرم ہونے میں فرق۔ یہ ہے کہ مکہ کا حرم ہونا نص اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ مدینہ بھی حرم ہے۔

مدینہ منورہ کی فضیلت و برکات کا بیان

مدینہ منورہ کائنات ارض وسماوات کا وہ نگینہ ہے، جہاں ہر لحہ آسمان سے رحمت کی رم جھم برستی رہتی ہے، ساکنانِ مدینہ سائبان کرم میں رہتے ہیں اہل مدینہ کو مدینہ کا شہری ہونے کے باعث بے پناہ فضیلت حاصل ہے۔ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کے

شب و روز کا ہر لمحہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر رحمت کے سائے میں گزرتا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا حصار انہیں اپنے دامنِ عطاء و بخشش میں چھپالیتا ہے۔ اہل مدینہ کو بتقاضائے بشریت اگر کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حرف شکوہ زبان پر نہیں آنے دیتے تو ایسے اہل مدینہ کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص مدینہ منورہ کی سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا قیامت کے روز میں اس شخص کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔''

(مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینۃ والصبر علی لاوائہا، 2:1004، رقم:1377)

اہل مدینہ سے برائی کرنا تو درکنار برائی کا ارادہ کرنے والے کو بھی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اس شہر والوں (یعنی اہل مدینہ) کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے (دوزخ میں) اس طرح پگھلائے گا جیسا کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔''

(مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب من أراد أہل المدینۃ بسوء أذابہ اللہ، 2:1007، رقم:1386)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر دلنواز مدینہ منورہ کے رہنے والوں کا ادب و احترام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت و تعلق کی وجہ سے لازم ہے جو ایسا نہیں کرے گا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان سمٹ کر مدینہ طیبہ میں اس طرح داخل ہو جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں داخل ہوتا ہے۔

(ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسک، باب فضل المدینۃ، 3:524، رقم:3111)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم میں سے مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہو وہ ایسا کرے کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اللہ کے سامنے اس کی شہادت دوں گا۔

(ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسک، باب فضل المدینۃ، 3:524، رقم:3112)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قیام فرمانے کے بعد سب سے پہلا کام جو فرمایا وہ اس مقدس مسجد نبوی کی تعمیر ہے۔ زمین کا یہ قطعہ جہاں اب یہ مسجد موجود ہے دو یتیم بچوں حضرت سہل اور حضرت سہیل کی ملکیت تھا۔ یہ دونوں بچے سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت تھے۔ اس جگہ کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں سے فرمایا یہ زمین مسجد کی تعمیر کے لئے ہمیں فروخت کر دو۔ بچوں نے بصد ادب و نیاز عرض کی: آقا یہ اراضی ہماری طرف سے بطور نذرانہ قبول فرمائیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو بلا معاوضہ قبول نہ فرمایا۔ بالآخر قیمت ادا کر کے یہ زمین خرید لی گئی جس کے لئے دس ہزار دینار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کیے۔

ربیع الاول یکم ہجری بمطابق اکتوبر 622ء مسجد نبوی کا سنگ بنیاد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے رکھا۔ مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی تو اس تعمیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کام کیا خود اینٹیں اٹھا

اٹھا کر لاتے اور اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ بھی فرماتے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَةِ. فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ، 3:1422-1423، رقم:3694)

اے اللہ! آخرت کا بدلہ ہی بہتر ہے تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔

یہ مسجد انتہائی سادگی سے تعمیر کی گئی۔ تعمیر میں کچی اینٹیں، کھجور کی شاخیں اور تنے استعمال کیے گئے۔ جب کبھی بارش ہوتی تو چھت ٹپکنے لگتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم اسی گیلی زمین پر اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو جاتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال تک اس مسجد میں نمازیں ادا فرمائیں۔ یہ مسجد اسلام کا مرکز قرار پائی۔

مسجد نبوی کی فضیلت متعدد احادیث مبارکہ میں بیان فرمائی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ. إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.

(بخاری، الصحیح، کتاب التطوع، باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، 1:398، رقم:21133 مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجد مکۃ والمدینۃ، 2:1012، رقم:1394)

''میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ اَلْفِ صَلَاةٍ.

(ابن ماجہ، السنن، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب ماجاء فی الصلاۃ فی المسجد الجامع، 2:191، رقم:1413)

''جس نے میری مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز پڑھی اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِنِّي آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَإِنَّ مَسْجِدِي آخِرُ الْمَسَاجِدِ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ، 2:1012، رقم:1394)

''بیشک میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد۔''

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِي خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِيَاءِ. (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، 1:45، رقم:112)

''میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد انبیاء کرام کی مساجد کی خاتم ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى فِي مَسْجِدِي اَرْبَعِينَ صَلٰوةً. لَا يَفُوتُهُ صَلٰوةٌ كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ. وَنَجَاةٌ مِنَ الْعَذَابِ وَبَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ. (احمد بن حنبل، المسند، 3:12590 سمہودی، وفاء الوفا، 1:77)

''جس نے مسجد نبوی میں چالیس نمازیں متواتر ادا کیں اس کے لئے جہنم، عذاب اور نفاق سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔''

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر سن 7 ہجری کے بعد مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر فرمائی اور اسے مزید کشادہ کیا۔ اس کے بعد مسجد نبوی کی توسیع کی تواریخ درج ذیل ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے عہد میں، 17 ہجری۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے عہد میں، 29۔30 ہجری۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں، 88۔91 ہجری۔ مہدی العباسی کے عہد میں، 161۔165 ہجری۔ سلطان اشرف قائتبائی کے عہد میں، 888 ہجری۔ سلطان عبدالمجید عثمانی کے عہد میں، 1265۔1277 ہجری۔ الملک سعود کے عہد میں، 1372 ہجری۔

اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ توسیع خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے عہد (1405۔1412ھ) میں مکمل ہوئی۔

مسجد کا موجودہ توسیع شدہ رقبہ 98 ہزار 500 مربع میٹر ہے۔ اس کے علاوہ چھت پر بھی نماز پڑھنے کے لئے 67 ہزار مربع میٹر کی جگہ موجود ہے۔

اس وقت مسجد میں عام دنوں میں 6 لاکھ 50 ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں البتہ حج کے زمانے میں اور رمضان المبارک کے دنوں میں یہ تعداد 10 لاکھ تک بھی ہو سکتی ہے۔

جنوبی سمت چھوڑ کر مسجد نبوی کے تین اطراف میں پر شکوہ، دیدہ زیب دروازے موجود ہیں۔ چند تاریخی دروازے جن سے متعارف ہونا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔ مشرقی جانب باب جبریل ں، باب النساء اور باب البقیع، باب جنازہ، مغربی جانب باب السلام، باب ابوبکر ص، باب الرحمۃ اور باب سعود، شمالی جانب باب عثمان ص، باب مجیدی اور باب عمر رضی اللہ عنہ۔

مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت درود شریف کا ورد جاری رکھیں اور یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اَلْیَوْمَ مِنْ اَوْجَہِ مَنْ تَوَجَّہَ اِلَیْکَ وَاَقْرَبِ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیْکَ وَاَنْجَحِ مَنْ دَعَاکَ وَابْتَغٰی مَرْضَاتِکَ.

''اے اللہ! ہمارے آقا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر درود بھیج اور برکتیں اور سلامتی نازل فرما۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اے اللہ! آج کے دن مجھے اپنی طرف متوجہ ہونے والوں میں سب سے زیادہ قریب بنا لے اور زیادہ نواز ان میں سے جنہوں نے تجھ سے دعا کی اور اپنی مرادیں مانگیں۔''

بیت اللہ شریف کی زیارت اور حج کے مقدس فریضہ کی بجا آوری کے بعد عشاق اپنے اگلے سفر یعنی مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں، اور اس دربار کی حاضری کے لئے مچلتے جذبات، دھڑکتے دلوں اور برستی آنکھوں کے ساتھ کشاں کشاں اپنے آقا و مولا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں بصد ادب و احترام حاضر ہوتے ہیں۔ یہی عشاق کے دلوں کا حج

ہوتا ہے۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

بارگاہِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی فضیلت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں درج ذیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِی، وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ. (دارقطنی، السنن، 2:447، رقم: 2669)

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے خلوصِ نیت سے مدینہ منورہ حاضر ہو کر میری زیارت کا شرف حاصل کیا میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔''

(بیہقی، شعب الایمان، 3:490، رقم: 4157)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے میری قبر (یا راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) میری زیارت کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا، اور کوئی دو حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت ایمان والوں کے ساتھ اٹھائے گا۔'' (طیالسی، المسند، 12:13، رقم: 65)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔'' (دارقطنی، السنن، 447، رقم: 2667)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کے آداب یہ ہیں:

جب شہرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخلہ کا وقت آئے تو زائر مدینہ غسل اور وضو کرے، اچھی سے اچھی پوشاک پہنے، نوافل ادا کرے، توبہ کی تجدید کرے اور پیدل چلتا ہوا اندر داخل ہو کر تصویرِ عجز بن جائے کہ وہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں حاضری کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اپنے شہرہ آفاق 'القصیدۃ النونیۃ' میں زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب بیان کیے ہیں، وہ کہتے ہیں:

☆ جب ہم مسجد نبوی میں حاضر ہوں تو سب سے پہلے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کریں۔

☆ پھر باطناً و ظاہراً انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ حضوری کی تمام تر کیفیتوں میں ڈوب کر قبر انور کے پاس کھڑے ہوں۔

☆ یہ احساس دل میں جاگزیں رہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں سماعت بھی فرماتے ہیں اور کلام بھی فرماتے ہیں، پس وہاں کھڑے ہونے والوں کا سر ادباً و تعظیماً جھکا رہے۔

☆ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں کھڑے ہوں کہ رعبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پاؤں تھر تھر کانپ رہے ہوں

اور آنکھیں بارگاہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں گریہ مسلسل کا نذرانہ پیش کرتی رہیں اور وہ طویل زمانوں کی مسافت طے کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھو جائیں۔

☆ پھر مسلمان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وقار وادب کے ساتھ ہدیہ سلام پیش کرتے ہوئے آئے جیسا کہ صاحبانِ ایمان وصاحبان علم کا شیوہ ہے۔

☆ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے قریب آواز بھی بلند نہ کرے، خبردار! اور نہ ہی سجدہ ریز ہو۔☆ یہی زیارت افضل اعمال میں سے ہے اور روزِ حشر اسے میزانِ حسنات میں رکھا جائے گا۔ (ابن قیم، القصیدۃ النونیۃ:181)

اس کے بعد زائر یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ قَدْ سَمِعْنَا قَوْلَكَ وَأَطَعْنَا أَمْرَكَ وَقَصَدْنَا نَبِيَّكَ مُسْتَشْفِعِيْنَ به إِلَيْكَ مِنْ ذُنُوْبِنَا. اَللّٰهُمَّ! فَتُبْ عَلَيْنَا وَاسْعِدْنَا بِزِيَارَتِه وَادْخِلْنَا فِي شَفَاعَتِه. وَقَدْ جِئْنَاكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ظَالِمِيْنَ أَنْفُسَنَا مُسْتَغْفِرِيْنَ لِذُنُوْبِنَا. وَقَدْ سَمَّاكَ اللهُ تَعَالٰى بِالرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ. فَاشْفَعْ لِمَنْ جَاءَكَ ظَالِمًا لِنَفْسِه مُعْتَرِفًا بِذَنْبِه تَائِبًا إِلٰى رَبِّه.

''اے اللہ ہم نے تیرا فرمان سنا اور تیرے احکام کی تعمیل میں تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہیں، جو تیری بارگاہ میں ہمارے گناہوں کی شفاعت کریں گے، اے اللہ ہم پر رحم و کرم فرما اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی برکت سے ہمیں خوش بخت بنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمیں نصیب فرما۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! ہم آپ کی بارگاہ میں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'روف ورحیم' بنایا ہے۔ پس وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنا گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی مانگتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا اس کی شفاعت فرمائیے۔''

اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے، اپنے ماں باپ، شیخ، اساتذہ، اولاد، اعزا واقرباء، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لئے شفاعت مانگیں، اور بار بار عرض کریں:

أَسْئَلُ الشُّفَاعَةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليك و آلك وسلم.

پھر اگر کسی نے بارگاہ رسالت مآب میں سلام عرض کرنے کے لئے کہا ہو تو شرعاً اس کی طرف سے سلام پہنچانا لازم ہے اور یوں عرض کرے: السلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فلاں بن/ بنت فلاں (نام وولدیت)

مدینہ منورہ فضائل کے آئینہ میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات رنگ وبو میں بعض انسان کو دوسرے بعض سے افضل وبرتر بنایا ہے: چناں چہ انبیاء علیہم السلام کو ...سرے تمام انسانوں پر فضیلت بخشی اور پھر انسانوں میں سے علماء، صلحاء، اتقیاء، عابدین اور زاہدین کو بقیہ تمام لوگوں پر پھر بقیہ ...گوں میں سے عام مومنین کو کفار ومشرکین پر؛ لیکن فضیلت وبرتری ایک ایسی چیز ہے جس کا دائرہ صرف انسان تک محدود نہیں ہے؛

بلکہ نوع انسان سے متجاوز ہو کر حیوانات، نباتات امکنہ ومقامات تک پہنچتا ہے؛ چناں چہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے مقامات وامکنہ میں سے بھی بعض مخصوص ومقدس مقامات کو دوسرے بعض پر فوقیت بخشی ہے، ان ہی مخصوص ومقدس مقامات میں سے دار ہجرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے؛ کیوں کہ اس مقدس سرزمین کے ساتھ بہت سے امتیازات جڑے ہوئے ہیں اور یہ مبارک زمین بہت سے فضائل ومناقب کی حامل ہے، یہ وہ سرزمین ہے جس کی طرف (کفار مکہ اور اہل طائف کے ایمان سے مایوس ہو کر) خاتم الرسل آقائے دو جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اپنی زندگی کے آخری دس سال یہیں گذارے، یہی وہ سرزمین ہے جس کی طرف اپنی جان اور اسلام کی حفاظت کی خاطر کفار مکہ کے ظلم وستم سے پریشان وتنگ آکر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہجرت کی اور امن واطمینان کے ساتھ زندگی گذاری یہی وہ سرزمین ہے، جہاں سے اسلام دنیا میں پھیلا اور قوت وشوکت حاصل ہوئی، یہی وہ سرزمین ہے جہاں کے باشندوں نے قدم قدم پر اللہ کے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا حتی کہ اپنی جانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے سے گریز نہیں کیا، اسی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کو انصار کا لقب ملا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا ان کی تعریف کی؛ چناں چہ قرآن کریم میں ہے: وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر:۹) ترجمہ: اور یہ مالِ فَیٔ ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ کے) گھروں میں ٹھکانہ بنایا اور ایمان لائے، وہ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی اور اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے ہیں، اس مال غنیمت سے جو ان کو دیا جائے اور وہ (ان کو) خود پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو فاقہ کرنا پڑے اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

قرآن کریم نے اس آیت میں انصار کے چند اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں:

(۱) ان کے دلوں میں مہاجرین کی محبت ہے۔

(۲) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کو ان کے فقر وغربت کی وجہ سے مالِ غنیمت میں سے کچھ زیادہ دے دیں تو وہ تنگ دل اور پریشان نہیں ہوتے۔

(۳) کھانے پینے، رہنے سہنے کی چیزوں میں یہ لوگ مہاجرین کو خود پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو فاقہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بخل اور مال ودولت کی حرص نہیں ہوتی تو وہ لوگ کامیاب وکامران ہوتے ہیں، اس سے صحابہ کرام کے کامیاب وبامراد ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے؛ اس لیے کہ صحابہ کرام کے دل بھی بخل اور مال ودولت کی حرص سے محفوظ ہیں، اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے أشیروا علیّ أیہا الناس کہہ کر انصار کی رائے معلوم کی تو انصار کے سردار سعد بن معاذ نے جواب دیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے، اگر آپ ہم کو دریا میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم دریا میں کودنے سے بھی دریغ نہیں

کریں گے۔

الغرض قرآن واحادیث اور کتب تواریخ میں انصار کے بے شمار فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں، جو خود ایک مستقل موضوع ہے، جس کے لیے سیکڑوں صفحات کی ضرورت ہے، یہاں احقر نے ضمناً ان کے چند فضائل کا اس لیے تذکرہ کردیا ہے کہ مکان ومکین کی فضیلت ایک دوسرے کو مستلزم ہے، اب احادیث کی روشنی میں مدینہ منورہ کے فضائل ملاحظہ فرمائیں۔

مدینہ منورہ کے لیے برکت کی دعاء

مدینہ منورہ کی سرزمین، اس کے پھل، پیمانے اور مد کے لیے برکت کی دعاء فرمائی ہے؛ چناں چہ مسلم شریف کی حدیث ہے: ابوہریرہ سے روایت ہے کہ لوگ باغ کا سب سے پہلا پھل دیکھتے تو اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لیتے اور یہ دعاء فرماتے کہ اے اللہ ہمارے پھل میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر میں برکت فرما، ہمارے صاع میں برکت فرما اور ہمارے مد میں برکت فرما، اے اللہ بیشک ابراہیم تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی ہیں اور بیشک انھوں نے تجھ سے مکہ کے لیے دعاء کی اور میں بھی مدینہ کے لیے اس طرح کی دعاء کرتا ہوں، جیسا کہ ابراہیم نے مکہ کے لیے دعاء کی اور ایک گنا زیادہ وہ حدیث درج ذیل ہے:

وعنه (أبي هريرة رضي الله عنه) قال كان الناس إذا رأوا أول الثمرة جاء وا به إلى النبي صلى الله عليه وسلم فإذا أخذه قال اللهم بارك لنا في ثمرنا وبارك لنا في مدينتنا وبارك لنا في صاعنا وبارك لنا في مدنا. اللهم إن إبراهيم عبدك وخليلك ونبيك وإني عبدك ونبيك وإنه دعاك لمكة وأنا أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك لمكة ومثله معه.

(مسلم ۱/۴۴۲ باب فضل المدینہ، موطأ مالک کتاب جامع الدعا باب فضل المدینہ ۳۵۸)

آب وہوا کی درستگی اور وبائی مرض کے لیے دعاء

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے قیام کے زمانہ میں حضرت ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما بخار میں مبتلا ہو گئے یہ ایک سخت قسم کا بخار تھا جو وباء کی شکل میں اہل مدینہ کو آتا تھا اور جس کو آتا تھا کمزور کردیا کرتا تھا، جس سے صحابہ کرام کے مدینہ منورہ سے بددل ہونے کا بھی اندیشہ تھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی: اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت پیدا فرمادیجیے جیسا کہ ہمارے دلوں میں مکہ کی محبت ہے یا اس سے بھی زیادہ، مدینہ کی آب وہوا کو درست کردیجیے اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردیجیے۔ (جحفہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی تھی جہاں کے باشندے یہودی تھی) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء قبول فرمائی اور بخار کو ان لوگوں کی طرف منتقل کردیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے اس کے متعلق ایک خواب بھی نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک کالی عورت دیکھی جس کے سر کے بال پراگندہ تھے، مدینہ سے نکلی اور مہیعہ میں جاکر اتر گئی تو میں نے اس کی تعبیر لی کہ مدینہ کی وباء مہیعہ کی طرف منتقل کردی گئی (مہیعہ جحفہ کا ہی نام تھا) جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(الف) عن عائشة رضي الله عنها قالت لما قدم المدينة وعك أبو بكر وبلال فجئت رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبرته فقال: اللهم حبب إلينا المدينة كحبنا مكة أو أشد وصححها وبارك لنا في صاعها ومدها وانقل حماها فاجعلها بالجحفة.

(بخاری ۲۵۳ باب بلاعنوان اختصارا، مؤطا مالک ص۳۶۰ باب ماجاء فی وباء المدینۃ مختصر من حدیث طویل)

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ابوبکر اور بلال بخار میں مبتلا ہوگئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء فرمائی: اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت پیدا فرما جیسا کہ ہمارے دلوں میں مکہ کی محبت ہے یا اس سے بھی زیادہ، اس کی آب وہوا کو درست کردیجیے اور ہمارے لیے برکت پیدا فرما اس کے صاع میں اور اس کے مد میں اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردیجیے۔

(ب) عن عبد الله بن عمرو في رؤيا النبي صلى الله عليه وسلم فيالمدينة رأيت امرأة سوداء ثائرة الرأس خرجت من المدينة حتى نزلت مهيعة فتأولتها أن وباء المدينة نقل إلى مهيعة وهي الجحفة (مختصر صحیح البخاری باب من کذب فی حلمہ ۴/۲۶۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کے بارے میں مدینہ کے قیام کے زمانہ میں: میں نے ایک کالی عورت کو خواب میں دیکھا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے جو مدینہ سے نکلی اور مہیعہ میں اتر گئی میں نے اس کی تعبیر لی کہ مدینہ کی وباء مہیعہ یعنی جحفہ کی طرف منتقل کردی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے محبت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ بہت عزیز اور محبوب تھا: چناں چہ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے اور مدینہ کی دیواروں پر نظر پڑتی تو اپنی اونٹنی تیز کردیتے اور اگر اونٹنی کے علاوہ کوئی دوسری سواری ہوتی تو اس کو تیز کردیتے، انھیں سے ایک دوسری حدیث میں منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اُحد پہاڑ کے بارے میں فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، جیسا کہ احادیث ذیل میں اس کی تصریح ہے:

عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا قدم من سفر فنظر إلى جدرات المدينة أوضع راحلته وإن كان على دابة حركها من حبها (بخاری ۱/ ۲۵۳ باب بلاعنوان)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے واپس آتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کو تیز کردیتے اور اگر دوسری سواری پر ہوتے اس کو تیز کردیتے اور یہ سب مدینہ سے محبت کی وجہ سے تھا۔

وعنه أن النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم طلع له أحد فقال هذا جبل يحبنا ونحبه (مؤطا مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی أمر المدینۃ ۳۱۱)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب احد پہاڑ دکھائی دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں "هذا جبل يحبنا ونحبه" کی شرح میں محدثین کی دو رائیں ہیں:

(۱) یہ حدیث مجاز پر محمول ہے اور پہاڑ کے محبت کرنے کا مطلب ہے کہ اس پہاڑ کے قریب رہنے والے لوگ یعنی اہل مدینہ جو صاحب ایمان وتوحید ہیں ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔

(۲) یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ جمادات میں بھی علم ودانائی، محبت وعداوت پیدا فرمادیتے ہیں، جیسا کہ وہ ستون جس پر ٹیک لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر تیار ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دینے لگے اور ستون پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا ترک فرمادیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کے غم میں رونے لگا۔

الغرض خواہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہو یا مجاز پر دونوں صورتوں میں مدینہ کی حرمت وعظمت کی طرف مشیر ہے، اگر ظاہر پر محمول ہو تو اس لیے کہ اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مدینہ کے پہاڑ احد سے محبت کرنا اور پہاڑ کا آپ اور آپ کے صحابہ سے محبت کرنا ثابت ہوتا ہے اور مجاز پر محمول ہو تو: اس لیے کہ اس حدیث سے اہل مدینہ کا آپ اور آپ کے صحابہ کرام سے محبت کرنا ثابت ہوتا ہے اور آپ اور آپ کے صحابہ کرام کا اہل مدینہ سے، گویا اہل مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے نزدیک محبوب ہیں تو اہل مدینہ کی فضیلت ثابت ہوئی اور مکین کی فضیلت مکان کی فضیلت کو مستلزم ہوتی ہے، لہٰذا مدینہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔

مدینہ منورہ کی حرمت وعظمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو مکرم ومحترم قرار دیا ہے؛ حتیٰ کہ بعض احادیث میں اس کے خاردار درختوں کے کاٹنے اور شکار کرنے سے منع کیا ہے، اور بعض احادیث میں فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کسی کو حرم نبوی میں شکار کرتا ہوا دیکھے تو اس کا سامان چھین لے؛ چناں چہ اسی حدیث کے پیش نظر ایک صحابی سعد بن ابی وقاص نے ایک غلام کو حرم نبوی میں شکار کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے کپڑے چھین لیے اس غلام کے مالکان آئے اور کپڑے مانگے تو سعد بن ابی وقاص نے کپڑے نہیں دیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا من أخذ أحدا يصيد فيه فليسلبه، وہ احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) عن علي رضى الله عنه قال ما كتبنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا القرآن ومافي هذه الصحيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة حرام ما بين عير إلى ثور فمن أحدث فيها حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لا يقبل منه صرف ولا عدل (بخاری ۱/۲۵۱، ۲۵۲ باب حرم المدینۃ۔ ابوداؤد ۱/۲۷۸ باب تحریم المدینۃ)

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن اور جو کچھ اس صحیفے میں کچھ نہیں لکھا، انھوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، مدینہ محترم ومکرم ہے عیر اور ثور (مدینہ کی دو پہاڑیاں) کے

درمیان سو جو شخص اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کی کوئی فرض اور نفل نماز قبول نہیں ہوگی۔

(ب) عن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إني أحرم ما بين لابتي المدينة أن يقطع عضاها أو يقتل صيدها (مصنف ابن ابی شیبہ باب مساحۃ حرم المدینۃ ۷/۲۹۵)

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میں حرام قرار دیتا ہوں اس علاقے کو جو مدینہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، یعنی اس بات کو کہ اس کے خاردار درختوں کو کاٹا جائے یا اس کے شکار کو قتل کیا جائے۔

(ج) عن سليمان بن أبي عبد الله قال رأيت سعد بن أبي وقاص أخذ رجلا يصيد في حرم المدينة الذي حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلبه ثيابه فجاء مواليه فكلموه فيه فقال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حرم هذا الحرم وقال من أخذ أحدا يصيد فيه فليسلبه فلا أرد عليكم طعمة أطعمنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن إن شئتم دفعتُ إليكم ثمنه
(ابوداؤد باب تحریم المدینۃ ۱/۲۷۸)

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابو عبد اللہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: میں نے سعد بن ابی وقاص کو دیکھا کہ انھوں نے ایک آدمی کو پکڑا جو حرم مدینہ میں جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے شکار کر رہا تھا تو انھوں نے اس کے کپڑے چھین لیے تو اس کے مالکان آئے اور اس کو چھوڑنے کے بارے میں گفتگو کی تو سعد نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مدینہ کو محترم قرار دیا ہے اور فرمایا کہ جو کسی کو حرم مدینہ میں شکار کرتا ہوا پکڑے تو چاہیے کہ وہ اس کا سامان چھین لے؛ لہٰذا میں تمہیں وہ رزق نہیں لوٹاؤں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عنایت کیا ہے؛ البتہ اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت لوٹادوں۔

نوٹ: احادیث مذکورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم نبوی کو حرام قرار دیا ہے جس طرح کہ حرم مکی کو حرام قرار دیا ہے؛ لیکن ان احادیث میں حرام سے حرام شرعی مراد نہیں ہے؛ بلکہ حرام بمعنیٰ معظم و محترم ہے؛ اس لیے فقہاء احناف کے یہاں حرم نبوی کی خاردار گھاس اور اس کے شکار کو قتل کرنا شرعی اعتبار سے حرام نہیں ہے؛ البتہ مکروہ ہے، جب کہ حرم مکی کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اس سے حرام شرعی مراد ہے؛ لہٰذا حرم مکی کی گھاس کو کاٹنا اور اس میں شکار کرنا شرعاً حرام ہوگا؛ لیکن خواہ احادیث مذکورہ میں حرام بمعنیٰ معظم و محترم ہو یا حرام بمعنیٰ شرعی ہو دونوں صورتوں میں حرم نبوی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

كما في حاشية المشكاة: قال التوربشتي قوله صلى الله عيله وسلم حرمت المدينة أراد بذلك التحريم التعظيم دون ما عداه من الأحكام المتعلقة بالحرم قال الطيبي: المشهور من مذهب مالك والشافعي أنه لا ضمان في صيد المدينة وقطع شجرها بل ذلك حرام بلا ضمان فقال بعض العلماء يجب الجزاء كحرم مكة وقال بعضهم لا يحرم أيضا وهو مذهبنا أنه يكره۔

حاشیہ مشکوۃ میں ہے: علامہ توربشتی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "حرمت المدینۃ" اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

مراد تعظیم ہے نہ کہ وہ دوسرے احکام جو حرم کی سے متعلق ہیں صلی اللہ علیہ وسلم علامہ طیبی نے کہا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی رحمہا اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مدینہ کے شکار اور اس کے درختوں کو کاٹنے میں کوئی ضمان نہیں ہے؛ بلکہ وہ حرام ہے بغیر ضمان کے لازم ہوئے، بعض علماء نے کہا کہ جزاء (بدلہ) واجب ہے، حرم کی کی طرح اور بعض نے کہا کہ حرام نہیں ہے اور یہ ہی ہمارا مذہب ہے کہ (درختوں کو کاٹنا اور شکار کرنا) حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مقدس بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا؛ چناں چہ حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرت بقرية تأكل القرى يقولون يثرب وهي المدينة

(بخاری باب فضل المدینۃ وانہا تنفی الناس ۱/ ۲۵۲۔ مسلم باب المدینۃ تنفی خبثہا وتسمی طابۃ وطیبۃ ۱/ ۴۴۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے ایسی بستی کی طرف (ہجرت کا) حکم دیا گیا جو دوسری بستیوں کو کھا جائے گی اور وہ مدینہ ہے۔

مدینہ منورہ اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب

مدینہ منورہ میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک حج اور عمرہ کے برابر ہے، جیسا کہ حضرت عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا دراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اس مبارک وادی (مدینہ منورہ میں نماز پڑھو اس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک حج اور عمرہ کے برابر ہے، وہ حدیث مندرجہ ذیل ہے:

عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال عمر ابن الخطاب رضى الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بوادي العقيق يقول أتاني الليلة آت من ربي فقال صل في هذا الوادي المبارك وقل عمرة في حجة وفي رواية قل عمرة وحجة (بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العقیق ۲/ ۱۳۵)

علاوہ ازیں اسی مقدس زمین میں مسجد نبوی واقع ہے، جس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور بعض روایات میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

"صلاة في مسجدي هذا تعدل ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام"

(مسلم ۱/ ۴۴۷، صحیح ابن خزیمہ ط ۳ باب اختیار صلاۃ المرءۃ فی مخدعہا ۲/ ۸۱۵)

ترجمہ: میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے جو اس کے علاوہ دوسری جگہوں میں پڑھی جائیں سوائے مسجد حرام کے۔ (شامی ۲/ ۶۲۲)

علامہ شامی نے یہ حدیث افضل المساجد (سب سے افضل مسجد) کی بحث میں ذکر کی ہے؛ چنانچہ کہا ہے کہ سب سے افضل مسجد مسجد حرام ہے اس کے بعد مسجد نبوی ہے جیسا کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے اس لیے کہ اس میں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر بتایا گیا ہے؛ مگر مسجد حرام مستثنیٰ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔

روضۂ مبارک کی زیارت کا ثواب

اس مبارک سرزمین میں روضۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری زیارت کے لیے سفر کیا اور سفر سے اس کا مقصد میری زیارت ہی تھا تو وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے جس شخص نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ زندگی میں اس نے میری زیارت کی؛ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن رجل من آل الخطاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من زارني متعمدا كان في جواري يوم القيامة (شعب الایمان باب فضل الحج والعمرۃ ۶/ ۴۸، المعجم الاوسط باب من اسمہ جعفر ۳/ ۳۵۱)

ترجمہ: خطاب کی اولاد میں سے ایک شخص سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بقصد وارادہ میری زیارت کی تو وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا۔

عن ابن عمر مرفوعا من حج فزار قبري بعد موتي كمن زارني في حياتي

(شعب الایمان باب فضل الحج والعمرۃ ۶/ ۴۸)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مرفوعا روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حج کیا اور مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ میری زندگی میں اس نے میری زیارت کی۔

مدینہ کی پریشانیوں پر صبر کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا ہے جس شخص نے مدینہ کی مشکلوں، اس کی پریشانیوں اور مشقتوں (گرمی، بخار وغیرہ) کو برداشت کیا تو میں اس کے لیے گواہ ہوں گا اور قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن رجل من آل الخطاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ...... من سكن المدينة وصبر على بلائها كنت له شهيدا ومشفعا يوم القيامة (مسلم شریف باب الترغیب فی سکن المدینۃ والصبر ۲/ ۱۰۴)

ترجمہ: آل خطاب میں سے ایک شخص سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مدینہ میں رہائش اختیار کرے اور اس کی مشقتوں پر صبر کرے تو میں اس کے لیے گواہ ہوں گا اور قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا کوئی فرد

مدینہ کی سختی اور پریشانی پر صبر نہیں کرے گا مگر یہ کہ قیامت کے دن میں اس کے لیے سفارشی ہوں گا۔ (مسلم شریف ۱/ ۴۴۴)

اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ مضمون مذکور ہے: جو شخص مدینہ کی پریشانیوں اور اس کی مشقتوں کو برداشت کرے گا میں قیامت کے دن اس کے لیے سفارشی یا گواہ ہوں گا (نسائی ۴/۲۵۹) یعنی اگر وہ شخص گنہگار ہے تو سفارشی ہوں گا اور اگر گناہوں سے محفوظ ہوگا تو میں گواہ ہوں گا کہ اس نے مدینہ کی مشقتوں کو برداشت کیا، اس کی پریشانیوں کو جھیلا ہے؛ لہٰذا اس کے اجر وثواب میں اضافہ کیا جائے گا۔

بدکرداروں سے مدینہ منورہ کا تحفظ

مدینہ کے فضائل ومناقب میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ فضیلت ہے کہ مدینہ میں فاسق، فاجر اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے؛ چنانچہ مدینہ منورہ وقتاً فوقتاً اس طرح کے لوگوں کو باہر پھینکتا رہتا ہے، اس طرح کا ایک واقعہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی رونما ہوا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دیہاتی نے مدینہ میں آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اتفاق سے اس دیہاتی کو بخار آ گیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد میری بیعت توڑ دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا پھر دوبارہ آیا اور کہا کہ اے محمد میری بیعت توڑ دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا پھر سہ بارہ آیا اور یہی جملہ دہرایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انکار کیا اس کے بعد وہ دیہاتی مدینہ سے چلا گیا تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مدینہ کی مثال بھٹی کی طرح ہے کہ جس طرح بھٹی میں لوہا رکھا جائے تو میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہو جاتا ہے، اسی طرح مدینہ بھی بدکار، بدعقیدہ، فاسق، فاجر، کافر، منافق لوگوں کو وقتاً فوقتاً باہر پھینکتا رہتا ہے اور صالح، متقی، عابد، زاہد اور خدا سے لو لگانے والوں کو پناہ دیتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قرب قیامت میں مسیح دجال کا ظہور ہوگا جو دنیا کے چپے چپے کو چھان مارے گا، کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی جہاں اس کے منحوس اور ناپاک قدم نہ پہنچے ہوں گے؛ لیکن یہ ملعون مدینہ کی سرزمین میں قدم نہیں رکھ سکے گا؛ کیوں کہ مدینہ کے ہر راستے پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہوں گے جو حفاظت کے لیے صف بستہ کھڑے ہوں گے؛ اس لیے مدینہ کے قریب سنگلاخ زمین میں اترے گا اس وقت مدینہ منورہ تین مرتبہ لرزے گا اور مدینہ میں جتنے کفار ومشرکین، فساق وفجار ہوں گے سب کو باہر پھینک دے گا جو سب دجال کے پاس آ کر جمع ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

(الف) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقوم الساعة حتى تنفي المدينة شرارها كما ينفي الكير خبث الحديد

(مسلم ۱/ ۴۴۴ باب صیانۃ المدینۃ من دخول الطاعون والدجال الیہا)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت قائم نہیں ہوگی تا آنکہ مدینہ بدکار لوگوں کو دور کر دے جس طرح بھٹی فولاد (لوہے) کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

(ب) وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم على أنقاب المدينة ملائكة لا يدخلها

الطاعون ولا الدجال (بخاری ۱/ ۲۵۲ باب لا یدخل الدجال المدینۃ، مسلم ۱/ ۴۴۴ باب صیانۃ المدینۃ من دخول الطاعون والدجال)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے ہی روایت ہے انھوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں؛ اس لیے طاعون اور دجال اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔

وعن أنس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس من بلد إلا سيطأه الدجال إلا مكة والمدينة ليس نقب من أنقابها إلا عليه الملائكة صافيين يحرسونها فينزل السبخة فترتجف المدينة بأهلها ثلث رجفات فيخرج إليه كل كافر ومنافق

(بخاری ۱/ ۲۵۳ باب لا یدخل الدجال المدینۃ)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے انھوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کوئی شہر نہیں ہوگا جہاں دجال کے قدم نہ پہنچے ہوں گے سوائے مکہ اور مدینہ کے؛ اس لیے کہ مدینہ کے ہر راستے پر فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے جو اس کی حفاظت کریں گے تو وہ مدینہ کے قریب سنگلاخ زمین میں اترے گا اور مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ تین مرتبہ لرزے گا تو سب کافر ومنافق نکل کر اس کی طرف چلے جائیں گے۔

مدینہ منورہ میں انتقال کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو مدینہ منورہ میں انتقال کرنے کی ترغیب دی ہے؛ چنانچہ عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے بس میں ہو کہ وہ مدینہ میں انتقال کرے اس کو چاہیے کہ مدینہ ہی میں انتقال کرے اس لیے کہ جو شخص مدینہ میں انتقال کرے تو میں اس کے لیے سفارشی ہوں گا۔

یحییٰ ابن سعید کی حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص کا انتقال ہو گیا تھا، اس کی قبر کودی جارہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک آدمی نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "مومن کی خوابگاہ کیا ہی بری ہے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تو نے کیا ہی بری بات کہی اس شخص نے کہا کہ میرا مقصد مدینہ کی برائی کرنا نہیں ہے؛ بلکہ میرا مقصد ہے کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ مدینہ میں انتقال کر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے اور ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی مقام نہیں ہے جہاں پر مرنا مجھے مدینہ کے مقابلے زیادہ محبوب ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث کا مضمون ہے۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عيله وسلم من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بها فإني أشفع لمن يموت بها. (سنن ابن ماجہ لا رنؤوط باب فضل المدینۃ ۴/ ۲۹۲، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حسین اسد باب فضل مدینہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۳/ ۳۵۸)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے بس میں ہو کہ مدینہ

میں انتقال کرے تو چاہیے کہ وہ مدینہ ہی میں انتقال کرے؛ اس لیے کہ میں اس شخص کا سفارشی ہوں گا جو مدینہ میں انتقال کرے۔

عن يحي بن سعيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان جالسا وقبر يحفر بالمدينة فاطلع رجل في القبر فقال: بئس مضجع المؤمن. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بئسما قلت. قال الرجل لم أرد هذا وإنما أردت القتل في سبيل الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا مثل القتل في سبيل الله ما على الأرض بقعة أحب إلي أن يكون قبري بها منها ثلث مرات

(موطأ مالک، الأعظمی باب الشہداء فی سبیل اللہ، ترمذی شاکر ۵/ ۱۹۷، باب فضل المدینۃ)

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور مدینہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی اچانک ایک آدمی نے جھانک کر دیکھا تو اس کی زبان سے نکلا "مومن کی خوابگاہ کیا ہی بری ہے" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے بری بات کہی تو اس نے کہا کہ میرا یہ مقصد نہیں ہے بلکہ میرا مقصد ہے جہاد میں شہید ہونا اس سے بڑھ کر ہے تو آپ نے فرمایا کہ (مدینہ میں انتقال کر جانا) جہاد فی سبیل اللہ کی طرح نہیں ہے (بلکہ اس سے بڑھ کر ہے) روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں مرنا مدینہ کے مقابلے مجھے زیادہ محبوب ہو، یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

قرب قیامت مدینہ کی تا دیر بقاء

اس مقدس سرزمین کی ایک اہم خصوصیت وفضیلت یہ ہے کہ جب قیامت کا وقوع ہوگا تو مدینہ کی بستی سب سے آخر میں فناء ہوگی، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم آخر قرية من قرى الاسلام خرابا المدينة هذا حديث حسن غريب (سنن ترمذی ت شاکر باب ما جاء فی فضل المدینۃ ۵/ ۷۲۰)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اسلام کی بستیوں میں سب سے آخر میں فناء ہونے والی بستی مدینہ ہے۔

قرب قیامت اہل ایمان کا مدینہ میں اجتماع

قیامت کے قریب تمام اہل ایمان دنیا کے گوشے گوشے سے سمٹ کر مدینہ آجائیں گے، جیسا کہ بخاری کی یہ حدیث شاہد وعادل ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الايمان ليأزر إلى المدينة كما تأزر الحية إلى جحرها (بخاری، باب الایمان یأرز إلی المدینۃ ۱/ ۲۵۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (اہل) ایمان سمٹ کر اس طرح مدینہ آجائیں گے جس طرح سے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں چلا جاتا ہے۔

عجوہ کھجور کی فضیلت کا بیان

عجوہ کھجور حضور ﷺ کو محبوب ترین کھجوروں میں تھی، یہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً کی عمدہ ترین، انتہائی لذیذ، مفید سے مفید تر، قیمتاً بہت ہی عالی اور اعلیٰ قسم کی کھجور ہے۔

حدیث میں اس کے متعلق آیا ہے کہ یہ جنت کی کھجور ہے، اس میں دوران سر سے، قلب مرض سے شفا کا ہونا وارد ہے، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ: "نہار منہ اس کے سات عدد کھانے میں زہر اور سحر سے حفاظت ہوگی۔"

علماء نے لکھا ہے کہ اس کھجور کا درخت آپ ﷺ نے اپنے دست بابرکت سے لگایا، اس مضمون میں اسی بابرکت کھجور کے متعلق چند باتیں جمع کی گئیں ہیں، حق تعالیٰ اس حقیر کاوش کو مفید ونافع بنائے اور راقم کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔

عجوہ کھجور کی تاثیر سحر وزہر سے حفاظت

"عن سعد قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من تصبح بسبع تمرات عجوۃ لم یضرہ ذلک الیوم سم ولا سحر"۔ (۱)

"حضرت سعد بن ابی وقاص سے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص صبح کے وقت کوئی اور چیز کھانے سے پہلے سات عجوہ کھجوریں کھائے گا، اس کو اس دن کوئی زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا"۔

عجوۃ مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سے ایک قسم ہے، جو صیحانی (۳) سے بڑی اور مائل بہ سیاہی ہوتی ہے، یہ قسم مدینہ منورہ کی کھجوروں میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ ہے۔

"زہر" سے مراد وہی زہر ہے جو مشہور ہے (یعنی وہ چیز جس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے) یا سانپ، بچھو اور ان جیسے دوسرے زہریلے جانوروں کا زہر بھی مراد ہوسکتا ہے۔

مذکورہ خاصیت (یعنی دافع سحر وزہر ہونا) اس کھجور میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی گئی ہے، جیسا کہ قدرت نے از قسم نباتات دوسری چیزوں (جڑی بوٹیوں وغیرہ) میں مختلف اقسام کی خاصیتیں رکھی ہیں، یہ بات آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہوگی کہ (عجوہ) کھجور میں یہ خاصیت ہے، یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس کھجور میں یہ خاصیت ہے (۴) عجوہ کا درخت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگایا۔

علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ عجوہ صیمانی سے بڑی ہے، اس کا درخت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اطہر سے لگایا تھا:

"ضرب من التمر اکبر من الصیمانی وھو مما غرسہ المصطفیٰ بیدہ فی المدینۃ" (۵)

سات کے عدد میں حکمت

جہاں تک سات کے عدد کی تخصیص کا سوال ہے تو اس کی وجہ شارع کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، بلکہ اس کا علم توقیفی ہے یعنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت پر موقوف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہی کا عدد فرمایا اور سننے والوں نے اسی کو نقل کیا' نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تخصیص کی وجہ بیان فرمائی اور نہ سننے والوں نے دریافت کیا' جیسا کہ رکعات وغیرہ کے اعداد کا مسئلہ ہے۔(۶)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سات ہی کا عدد بہتر اور مناسب ہے' اس کی حکمت اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں (۷)

امام نووی فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھجور کی تمام اقسام میں سے عجوہ کو خصوصیت دینا اور پھر سات کے عدد کے ساتھ مخصوص فرمانا یہ امور اسرار سے ہیں جن کی حکمت ہم تو نہیں سمجھ سکتے' لیکن جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے' اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور یہی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ عجوہ ہی کو برتری وفضیلت ہے اور اس میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے۔(۸)

سات کے عدد میں عجیب نقطہ

بعض اہل علم نے نماز میں سات فرائض کی حکمت یہ لکھی ہے کہ انسان کا جسم سات چیزوں سے بنا ہے ۱: مغز یعنی بھیجا' ۲: رگیں' ۳: گوشت' ۴: پٹھے' ۵: ہڈیاں' ۶: خون' ۷: جلد یعنی کھال' یہ سب سات ہوئے' ان ساتوں اجزاء کے شکریہ میں سات فرض رکھے گئے' ہر ایک چیز کا شکریہ ایک فرض۔(۹)

کیا بعید ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کھجور کھانے کی تاثیر یہ بیان فرمائی کہ انسان کا جسم سات اشیاء سے بنا ہے' ہر شئی کے بدلہ میں ایک کھجور۔

سات عدد کے متعلق علامہ ابن قیم کی تحریر

حافظ ابن قیم جوزی سات کے عدد کی حکمت بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: "رہ گئی سات عدد کی بات تو اس کو حساب اور شریعت دونوں میں خاص مقام حاصل ہے' خدا تعالیٰ نے سات آسمان بنائے' سات زمین پیدا کیں' ہفتے کے سات دن مقرر فرمائے' انسان کی اپنی تخلیق سات مرحلوں میں ہوئی' خدا تعالیٰ نے اپنے گھر کا طواف اپنے بندوں کے ذمہ سات چکروں سے شروع کیا' سعی بین الصفا والمروۃ کے چکر بھی سات مرتبہ شروع کئے' عیدین کی تکبیریں سات ہیں' سات برس کی عمر میں بچوں کو نماز پڑھنے کی ترغیب دلانے کا حکم ہوا' حدیث میں ہے:

"مروهم بالصلاة وهم سبع سنين"۔

یعنی اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں سات مشکیزہ پانی سے غسل کرانے کے لئے فرمایا: خدا نے قوم عاد پر طوفان سات رات تک جاری رکھا۔

رسول اللہ نے دعا فرمائی کہ: خدائے پاک! میری مدد فرما ایسے سات سے جیسے سات حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ خدا کی طرف سے صدقہ کا ثواب جو صدقہ دینے والوں کو ملے گا سات بالیوں سے (جو ایک دانہ سے اگتی ہیں جن میں سو سو

دانے ہوں) تشبیہ دی' اور وہ خواب جو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا اس میں سات بالیاں ہی نظر آئی تھیں اور جن سالوں میں کاشت نہایت عمدہ ہوئی' وہ سات سال تھے اور صدقہ کا اجر سات سو گنا تک اور اس سے بھی زائد۔ سات کے ضرب کے ساتھ ملے گا۔

اس سے اندازہ ہوا کہ سات کے عدد میں ایسی خاصیت ہے جو دوسرے عدد کو حاصل نہیں' اس میں عدد کی ساری خصوصیات مجتمع ہیں' اور اطباء کو سات کے عدد سے خاص ربط ہے۔ خصوصیت سے ایام بحران میں بقراط کا مقولہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز سات اجزاء پر مشتمل ہے۔ ستارے سات' ایام سات' بچہ کی طفولیت کی عمر سات' پھر صبی چودہ سال' پھر مراہق' پھر جوان' پھر کہولت' پھر شیخ پھر ہرم اور خدائے پاک ہی کو اس عدد کے مقرر کرنے کی حکمت معلوم ہے' اس کا وہی مطلب ہے جو ہم نے سمجھایا، اس کے علاوہ کوئی معنی ہے اور اس عدد کا نفع خاص اسی چھوہارے کے سلسلے میں جو اس ارض مقدس کا ہو اور اس علاقے کا جو جادو اور زہر سے دفاع کرتا ہے' اس کے اثرات اس کے کھانے کے بعد روک دیئے جاتے ہیں' کھجور کے اس خواص کو اگر بقراط و جالینوس وغیرہ اطباء بیان کرتے تو اطباء کی جماعت آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیتی اور اس پر اس طرح یقین کرتی جیسے نکلتے آفتاب پر یقین رکھتی ہے' حالانکہ یہ اطباء خواہ کسی درجہ کے عاقل ہوں وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ ان کی رسا عقل اور انکل یا گمان ہوتا ہے۔ ہمارا پیغمبر جس کی ہر بات یقینی اور قطعی اور کھلی دلیل وحی الہی ہو' اس کا قبول و تسلیم کرنا تو بہر حال ان اطباء سے زیادہ حسن قبولیت کا مستحق ہے' نہ کہ اعتراض کا مقام ہے اور زہر کی دافع دوائیں کبھی بالکیفیت اثر انداز ہوتی ہیں' بعض بالخاصیہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ (۱۰)

عجوہ میں شفاء ہے

"عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال ان فی العجوة شفاء وانها تریاق اول البکرة"۔ (۱۱)

"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عالیہ کی عجوہ کھجوروں میں شفاء ہے اور وہ زہر وغیرہ کے لئے تریاق کی خاصیت رکھتی ہیں' جب کہ اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں (یعنی نہار منہ کھایا جائے)۔"

مدینہ منورہ کے اطراف قبا کی جانب جو علاقہ بلندی پر واقع ہے، وہ عالیہ یا عوالی کہلاتا ہے، اسی مناسبت سے ان اطراف میں جتنے گاؤں اور دیہات ہیں' ان سب کو عالیہ یا عوالی کہتے ہیں' اسی سمت میں نجد کا علاقہ ہے' اور اس کے مقابل سمت میں جو علاقہ ہے' وہ نشیبی ہے' اور اس کو سافلہ کہا جاتا ہے، اس سمت میں "تہامہ" کا علاقہ ہے' اس زمانہ میں عالیہ یا عوالی کا سب سے نزدیک والا گاؤں مدینہ سے تین یا چار میل اور سب سے دور والا گاؤں سات یا آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا

"عالیہ کی عجوہ میں شفا ہے" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دوسری جگہوں کی عجوہ کھجوروں کی بہ نسبت عالیہ کی عجوہ کھجوروں میں زیادہ شفا ہے' یا اس سے حدیث سابق کے مطلق مفہوم کی تقیید مراد ہے یعنی پچھلی حدیث میں مطلق عجوہ کھجور کی جو تاثیر و خاصیت بیان کی گئی ہے' اس کو اس حدیث کے ذریعہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ مذکورہ تاثیر و خاصیت عالیہ کی عجوہ کھجوروں میں ہوتی ہے۔

تریاق "ت" کے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ آتا ہے' وہ مشہور دوا ہے جو دافع زہر وغیرہ ہوتی ہے۔ (۱۲)

عجوہ میں دوران سر سے شفا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ عجوہ کھجوروں کو دوران سر (جو بہت مشہور مرض ہے) کے لئے استعمال کرنے کا حکم فرمایا کرتی تھیں (۱۳)

عجوہ کی یہ خصوصیت دائمی ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ عجوہ کی یہ خصوصیات صرف زمانہ مبارک نبویہ کے ساتھ ہی مقید نہیں بلکہ عمومی اور دوامی ہیں (۱۴)

قلب کے مرض کی شفا عجوہ کے ذریعہ

"عن سعد قال مرضت مرضاً اتانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی فوضع یدہ بین ثدیی حتی وجدت بردہا فی فؤادی وقال انک رجل مفئود ائت الحارث بن کلدۃ اخا ثقیف فانہ رجل یتطبب فلیأخذ سبع تمرات من عجوۃ المدینۃ فلیجأہن بنواہن ثم لیلدک بھن"۔ (۱۵)

"حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں شدید بیمار ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری چھاتیوں کے درمیان رکھا اور اتنی دیر تک رکھا کہ میں نے اپنے قلب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی خنکی (ٹھنڈک) محسوس کی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو قلب کی شکایت ہے جاؤ حارث بن کلدہ کے پاس جا کر اپنا علاج کراؤ جو بنو ثقیف کا بھائی ہے اور وہ طبیب ہے پس اسے چاہئے کہ مدینہ طیبہ کی سات کھجوریں لے کر اور انہیں ان کی گٹھلیوں سمیت پی لے اور ان کا مالیدہ سا بنا کر تمہارے منہ میں ڈالے"۔

عجوہ میں جنون سے شفا ہے

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العجوۃ من الجنۃ وھی شفاء من الجنۃ"۔ (۱۶)

"آپ نے فرمایا: عجوہ جنت سے ہے اور اس میں جنون سے شفا ہے"۔

عجوہ جنت کی کھجور ہے

"عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ العجوۃ من الجنۃ وما فیھا شفاء من السم والکمأۃ من المن وماء ہا شفاء للعین"۔ (۱۷)

"حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: عجوہ جنت کی کھجور ہے اور اس میں زہر سے شفاء ہے اور کمأۃ (کھنبی) (۱۸) من (کی ایک قسم) اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے"۔

"عجوہ جنت کی کھجور ہے" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ عجوہ کی اصل جنت سے آئی ہے یا یہ کہ جنت میں جو کھجور ہوگی وہ عجوہ ہے اور یا یہ کہ عجوہ ایسی سودمند اور راحت بخش کھجور ہے گویا وہ جنت کا میوہ ہے زیادہ صحیح مطلب پہلا ہی ہے۔

عجوہ جنت کا میوہ ہے

ایک روایت میں ہے کہ "العجوة من فاکهة الجنة" یعنی عجوہ جنت کا میوہ ہے ان روایات میں عجوہ کی برکت اور اس کی منفعت میں مبالغہ مقصود ہے کہ عجوہ جنت کا میوہ ہے اور جنت کا کھانا تعب وتکلیف کو دور کرتا ہے۔(۲۰)

علامہ ابن قیم جوزی اسی حدیث کو نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس عجوہ سے مراد مدینہ منورہ کی عجوہ کھجوریں ہیں جو وہاں کی کھجور کی ایک عمدہ قسم ہے حجازی کھجوروں میں سب سے عمدہ اور مفید ترین کھجور ہے یہ کھجور کی اعلیٰ قسم ہے انتہائی لذیذ اور مزیدار ہوتی ہے جسم اور قوت کے لئے موزوں ہے تمام کھجوروں سے زیادہ رس دار لذیذ اور عمدہ ہوتی ہے۔(۲۱)

زمین پر تین چیزیں جنت کی ہیں

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے:

"لیس من الجنة فی الارض شئی الا ثلاثة اشیاء: غرس العجوة والحجر واواق تنزل فی الفرات کل یوم برکة من الجنة"۔(۲۲)

"زمین پر جنت کی چیزوں میں سے تین چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں: ۱ عجوہ کھجور کا پودا (درخت) ۲: حجر اسود ۳: اور وہ برکت کی مقدار کثیر جو روزانہ جنت سے دریائے فرات پر اترتی ہے"۔

عجوہ جنت کا میوہ ہے اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں ایک روایت میں "العجوة من فاکهة الجنة" (۲۳) عجوہ جنت کا میوہ ہے ایک روایت میں ہے: "العجوة والصخرة والشجرة من الجنة اور (بیت المقدس کا) پتھر (چٹان) (۲۴) اور (بیعت رضوان والا) درخت جنت سے ہیں۔

علامہ عبدالرؤف مناوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یہ عجوہ شکل وصورت ونام میں جنت کے عجوہ کے مشابہ ہے لذت اور مزہ میں مشابہ نہیں اس لئے کہ جنت کا کھانا دنیوی طعام کے مشابہ نہیں۔"(۲۵)

عجوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھی

"عن ابن عباس رضی الله عنهما کان احب التمر الی رسول الله صلی الله علیه وسلم العجوة"۔(۲۶)

"حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ تمر کی تمام قسموں میں محبوب ترین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عجوہ تھی"۔

حوالہ جات

۱- بخاری 'کتاب الطب باب الدواء بالعجوة للسحر' ۲- مرقاة ج:۸' ص:۱۴۲۳- کھجوروں کے اقسام میں سے صیحانی بھی ہے' کہا جاتا ہے کہ ایک باغ میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو اس کھجور کے ایک درخت نے آپ کی رسالت ونبوت کی گواہی دی' اس کا پھل صیحانی کہلاتا ہے (تاریخ المدینة المنورة ص:۷۸)- ۴- مظاہر حق جدید ج:۴' ص:۹۵ -۵- فیض القدیر ج:۴' ص:۴۹۵ تحت رقم الحدیث

۵۷۶۸-۲ مظاہر حق ج:۴' ص:۹۵-۷ فتح الباری ج:۱۰' ص:۱۹۷-۸ مسلم' کتاب الاشربۃ' باب فضل تمر المدینۃ-۱۰ معراج المؤمنین ص:۲۲-۱۰ طب نبوی ص:۱۹۹ (اردو)-۱۱ مسلم' کتاب الاشربۃ' باب فضل تمر المدینۃ-۱۲ مظاہر حق' ج:۴' ص:۹۲' مرقاۃ' ج:۸' ص:۱۷۵-۱۳ جذب القلوب ص:۲۹ بحوالہ تاریخ المدینۃ المنورۃ ص:۷۷-۱۴ فتح الباری ج:۱۰' ص:۱۹۷-۱۵ ترجمان السنۃ ج:۴' ص:۱۳۵ ابوداؤد کتاب الطب باب فی تمر العجوۃ-۱۶ ابن ماجۃ' ابواب الطب' باب الکمأۃ والعجوۃ-۱۷ مشکوٰۃ' کتاب الاطعمۃ' فصل ثانی کی آخری حدیث' ترمذی' کتاب الطب' باب ما جاء فی الکمأۃ والعجوۃ-۱۸ مظاہر حق ج:۴' ص:۱۱۲-۱۹ مرقاۃ ج:۸' ص:۱۹۲۲۰-۲۰ طب نبوی (اردو) ص:۱۲۵۲۱-۲۱ کنز العمال ج:۱۲' ص:۲۱۲ رقم الحدیث ۳۴۷۴۳۲' فیض القدیر ج:۵' ص:۲۸۵ رقم الحدیث ۶۶۸۲۲-۲۲ فیض القدیر ج:۴' ص:۴۹۵ رقم الحدیث ۵۷۶۸-۲۳ ایضا رقم الحدیث-۵۷۶۹۲۴-۲۴ بعض حضرات نے صخرہ کا ترجمہ صخرہ کھجور سے کیا ہے یعنی عجوہ اور صخرہ دونوں جنت کی کھجوروں میں سے ہیں (تاریخ مدینۃ المنورۃ ص:۷۷)-۲۵ فیض القدیر ج:۴' ص:۴۹۵-۲۶ فیض القدیر ج:۵' ص:۱۰۵ رقم الحدیث ۲۵۰۲

2033 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هٰذَا، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے' مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ''۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى۔

''مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رختِ سفر نہ باندھا جائے''

1۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعۃ، باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، 1:398، رقم:1132

2۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، 2:1014، رقم:1397

3۔ نسائی، السنن، کتاب المساجد، باب ما تشد الرحال الیہ من المساجد، 2:29، 30، رقم:700

2۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

2033- اسناده صحيح. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدي، وسفيان: هو ابن عيينة، والزهري: هو محمد بن مسلم. واخرجه البخاري (1189)، ومسلم (1397)، وابن ماجه (1409)، والنسائي في "الكبرى" (781) من طريقين عن الزهري، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (1397) من طريق سلمان الاغر عن ابي هريرة: ان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: "انما يسافر الى ثلاثة مساجد: مسجد الكعبة، ومسجدي، ومسجد ايلياء." وهو في "مسند احمد" (7249) و"صحيح ابن حبان" (1619).

لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي، وَمَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ.

’’(زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) تین مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے: مسجدِ حرام، میری مسجد اور مسجد بیت المقدس۔‘‘

بعض کتب میں مسجد بیت المقدس کی جگہ مسجد ایلیاء کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

1. نسائی، السنن، کتاب الجمعۃ، باب ذکر الساعۃ التی یستجاب فیہا الدعاء یوم الجمعۃ، 3:79، رقم: 1430

2. نسائی، السنن الکبریٰ، 1:540، رقم: 1754

3. مالک، الموطأ، 1:109، رقم: 241

3. طبرانی نے ’’المعجم الاوسط (6:51، 52، رقم: 5106)‘‘ میں یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْخَيْفِ، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ، مَسْجِدِي هَذَا.

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مسجدوں یعنی مسجدِ خیف، مسجدِ حرام اور میری اِس مسجد کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔‘‘

طبرانی کہتے ہیں کہ کلثوم بن جبر سے یہ حدیث حماد بن سلمہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی اور اِس حدیث کے سوا کسی اور حدیثِ شَدُّ الرِّحال میں مسجدِ خیف کا ذکر بھی نہیں ہے۔

4. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَي، وَمَسْجِدِي.

’’تین مسجدوں یعنی مسجدِ خیف، مسجدِ حرام اور میری مسجد کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔‘‘

1. بخاری، الصحیح، کتاب الجمعۃ، باب مسجد بیت المقدس، 1:400، رقم: 1139

2. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم إلی حج وغیرہ، 2:976، رقم: 1338

3. ترمذی، السنن، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی أی المساجد أفضل، 1:358، رقم: 326

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادات کو بنیاد بنا کر بعض لوگ انبیاء وصالحین کے قبور کی زیارت حتیٰ کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اَطہر کی بہ غرضِ زیارت حاضری کو بھی ناجائز اور (معاذ اللہ) شرک گردانتے ہیں۔ جبکہ اکابر علمائے ربانیین اور محدثین ومفسرینِ کرام نے اِس اِستدلال کو غلط اور کج فہمی قرار دیا ہے۔ اُنہوں نے اپنی معتبر کتب میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس حدیث کا صحیح مطلب بیان کیا ہے۔ اِس کی روشنی میں دین کا معمولی سا فہم رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو لوگ اس حدیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے اَنبیاء وصالحین کے مزارات کی زیارت کے سفر سے منع کرتے ہیں اور اِسے

سفرِ معصیت و گناہ کہتے ہیں وہ بلاشبہ صریح غلطی پر ہیں اور اُن کا اِستدلال کسی بھی طرح لائقِ التفات نہیں۔

مذکورہ احادیث کی تشریح وتوضیح کا بیان

1۔ان احادیثِ مبارکہ میں اِستثناء کے حوالے سے دو اقوال ہیں:

ایک یہ کہ اِستثناء مطلق یعنی عمومیت پر مبنی ہو۔جس سے ہر قسم کا سفر ناجائز قرار پائے گا اور یہ بات خلافِ عقل وخلافِ شرع ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اِستثناء مقید ہو یعنی محض مساجد سے مختص ہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے سوائے اِن تین مساجد کے کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے اور یہی قول صحیح ہے۔

2.حدیثِ مبارکہ میں لاتُشدُّ الرِّحال کے فوراً بعد الا الی ثلاثۃ مساجد مذکور ہے۔اہلِ لغت کے معروف اُسلوب کے مطابق جس جملہ میں مستثنیٰ (جسے اِستثناء حاصل ہو) اور مستثنیٰ منہ (جس سے اِستثناء کیا گیا ہو) دونوں پائے جاتے ہوں تو نحوی قاعدہ یہ ہے کہ مستثنیٰ حرفِ اِستثناء کے بعد اور مستثنیٰ منہ حرفِ اِستثناء سے پہلے ہوگا اور وجوداً یا تقدیراً مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

مذکورہ حدیث میں 'اِلّا' حرفِ اِستثناء ہے، 'ثلاثۃ مساجد' مستثنیٰ ہے۔قاعدہ کی رُو سے 'اِلّا' کے بعد ثلاثۃ مساجد تو مذکور ہے لیکن مستثنیٰ منہ مذکور نہیں، جو 'اِلّا' سے پہلے پایا جانا تھا لہٰذا جہاں ایسی صورت ہو کہ مستثنیٰ مذکور ہو مگر مستثنیٰ منہ کا لفظی ذکر نہ ہو تو وہاں مستثنیٰ منہ مقدر مانا جائے گا۔اِس صورت میں مقدر مستثنیٰ منہ کے تعین کے تین اِحتمالات ہو سکتے ہیں:

پہلا اِحتمال...اگر مستثنیٰ منہ 'قبر' کو مانا جائے

اِس حدیث سے سفرِ زیارت کی ممانعت کا اِستدلال کرنے والوں کے مسلک کے مطابق اگر مستثنیٰ منہ لفظ 'قبر' کو فرض کریں تو حدیث کی عبارت تقدیری اِس طرح ہوگی:'لاتُشدُّ الرِّحال الی قبر الا الی ثلاثۃ مساجد''سوائے تین مساجد کے کسی قبر کی طرف رَختِ سفر نہ باندھا جائے۔'' یہاں لفظ 'قبر' ایسی بے بنیاد تعبیر ہے جو نہ سیاقِ کلام کے مطابق ہے اور نہ ہی اُسلوبِ بیان وزباں کے لائق۔ عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی یہ غیر معتبر اور غیر معقول اُسلوب قبول نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اِس کی نسبت اَفصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے لہٰذا ضابطہ کے خلاف لفظ 'قبر' کو مستثنیٰ منہ بنانا ہرگز درست نہیں۔

دوسرا اِحتمال...اگر مستثنیٰ منہ 'مکان' کو مانا جائے

اگر 'مکان' کو مستثنیٰ منہ فرض کیا جائے تو حدیث کی عبارت تقدیری یوں ہوگی:

لاتُشدُّ الرِّحال الی مکان الا الی ثلاثۃ مساجد (سوائے تین مساجد کے کسی اور مقام کی طرف رَختِ سفر نہ باندھا جائے)۔ ا س کا مطلب یہ ہوگا کہ تعلیم، تجارت اور کسی بھی کارِ خیر کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے، حالانکہ اِن اُمورِ خیر کے لئے سفر کی ممانعت باطل اور غیر معقول ہے۔مطلق سفر کی کہیں بھی ممانعت نہیں اور نہ ہی ایسا کوئی مفہوم حدیث مذکور کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔یہ مفہوم نہ صرف غیر شرعی ہوگا بلکہ بے شمار احکامِ اسلامی اور مصالحِ دینی سے متصادم ہوگا۔سو یہ صورت تقدیری بھی قبول نہیں کی جا سکتی، اگر

لئے کہ
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تجارت کے لئے سفر کیا اور متعدد اسفار کے ذریعے غزوات میں شرکت فرمائی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق دین سیکھنے اور سکھانے کے لئے ہمیشہ محوِ سفر رہے اور اُنہوں نے دور دراز علاقوں تک دین پہنچایا۔
ائمہ و بزرگانِ دین تحصیلِ علم اور بیعت و ارادت کے لئے سفر کرتے رہے۔ آج بھی لوگ حصولِ علم، تجارت اور دیگر اُمور کی بجا آوری کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کرتے ہیں۔
درج ذیل مقاصد کے لئے آج بھی سفر کیا جاتا ہے:
دعوت و تبلیغ دین کے لیے۔ جہاد میں شرکت کے لئے۔ والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی زیارت کے لئے۔ اَعزاء و اَقارب اور اَحباب سے ملاقات کے لئے۔ کانفرنسز، سیمینارز اور دیگر خصوصی پروگراموں میں شرکت کے لئے۔ شادی و غمی میں شرکت کے لئے۔ کاروباری مقاصد کے لئے۔ سیر و تفریح کے لئے۔ علاج معالجہ کے لئے۔
اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتنے ہی سفر ہیں جو ہم روزانہ کرتے ہیں۔ اگر ہر سفر ممنوع قرار دیا جائے تو زندگی کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا، جو کہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ تیسرا اِحتمال... اگر مستثنیٰ منہ بھی 'مسجد' ہی کو مانا جائے
یہ اِستثناء مفرغ ہے۔ اس میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا جنسِ واحد سے ہونا ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ کلامِ عرب میں ہے:
ماجاءنی الا زید (میرے پاس سوائے زید کے کوئی نہیں آیا)۔
اِس کا مطلب یہ ہے کہ میرے پاس سوائے زید کے کوئی شخص یا انسان نہیں آیا۔ اگر پرندہ یا کوئی جانور آیا ہو تو کلام غلط نہ ہوگا کیونکہ مستثنیٰ منہ پرندہ یا جانور نہیں بلکہ انسان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زید بھی انسان ہے، اس لئے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے مفہوم واضح اور درست ہو جائے گا لہٰذا درست بات یہی ہے کہ اِس حدیث میں بھی عربی کے اُسلوب اور قاعدہ کی رُو سے تقدیر لفظ 'مسجد' ہی ہو، یعنی جسے مستثنیٰ ٹھہرایا جا رہا ہے مستثنیٰ منہ بھی وہی جنس ہو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جواز کے لئے اِستثناء مساجد کا کیا جا رہا ہے تو ممانعت بھی بقیہ مساجد ہی کی طرف منسوب ہوگی، نہ کہ دیگر اُمور اور مقاصد کی طرف۔ پس اب حدیث کی تقدیرِ عبارت یوں ہوگی:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلٰی مسجد إِلَّا إِلٰی ثلاثة مساجد.
''سوائے تین مساجد کے کسی اور مسجد کی طرف (ثواب کی زیادتی کی نیت سے) رختِ سفر نہ باندھا جائے۔''
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت چونکہ زیادہ ہے اور باقی مساجد نماز پڑھنے کی فضیلت اور ثواب میں برابر ہیں اس لئے ان تینوں مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد میں ثواب کی زیادتی کی نیت سے سفر کی زحمت برداشت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس جگہ زیادتی ثواب پر کوئی شرعی دلیل مذکور نہیں۔

2. مذکورہ احادیث پر ائمہ حدیث کی تحقیقات

متذکرہ بالا احادیث کا صحیح مطلب اجل ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے اور اس پر اپنی تحقیق کی ہے۔

1. قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مدینہ طیبہ مخلص مؤمنین کا مرجع رہا ہے اور تا قیامت رہے گا۔ اس حوالے سے قاضی عیاض (544ھ) نے اس حدیثِ مبارکہ کی بڑی ایمان افروز تشریح کی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان مدینہ کی طرف لوٹے گا۔ امام نووی اور دیگر شارحین حدیث نے ان کا قول نقل کیا ہے۔ شرح نووی میں ہے:

قال القاضي: وقوله صلي الله عليه وآله وسلم: وهو يأرز إلي المدينة، معناه: أن الايمان أولاً وآخراً هذه الصفة، لأنه في أول الاسلام كان كل من خلص إيمانه وصحّ إسلامه أتي المدينة، إمّا مهاجراً مستوطناً، وإما متشوقاً إلي رؤية رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم، ومتعلماً منه، ومتقربا. ثم بعده هكذا في زمن الخلفاء كذلك، ولأخذ سيرة العدل منهم والاقتداء بجمهور الصحابة رضوان الله عليهم فيها. ثم من بعدهم من العلماء الذين كانوا سرج الوقت وأئمة الهدي، لأخذ السنن المنتشرة بها عنهم. فكان كل ثابت الايمان منشرح الصدر به يرحل إليها. ثم بعد ذلك في كل وقت إلي زماننا لزيارة قبر النبي صلي الله عليه وآله وسلم والتبرك بمشاهده، وآثاره، وآثار أصحابه الكرام. فلا يأتيها إلا مؤمن. هذا كلام القاضي. والله أعلم بالصواب.

’’قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کے ایمان مدینہ طیبہ کی طرف لوٹے گا، کا معنی ہے کہ ایمان کی ابتداء میں یہ صفت تھی اور آخر زمانہ میں بھی یہی صفت رہے گی کیونکہ ابتدائے اسلام میں ہر وہ شخص جس کا ایمان خالص ہوتا اور اسلام صحیح ہوتا، وہ مدینہ طیبہ آتا یا تو مہاجر بن کر مدینہ طیبہ کو اپنا وطن بناتا اور یا دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کے حصول کے لیے۔ بعد ازاں خلفاء راشدین کے دور میں بھی اہلِ ایمان کا یہی معمول رہا تا کہ وہ ان سے عدل کا درس لیں اور جمہور صحابہ کا اقتداء بھی یہیں پر ہوتا تھا۔ پھر دور خلافت کے بعد وہ علماء جو اپنے وقت کے چراغ اور ہدایت کے امام تھے ان سے بکھری ہوئی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اخذ کرنے کے لئے اہلِ ایمان آتے رہے۔ پس ہر مومن جو ایمان پر ثابت قدم تھا اور جسے شرح صدر نصیب تھا وہ مدینہ طیبہ کی طرف سفر کرتا۔ پھر ان علماء کے دور کے بعد آج تک ہر دور میں لوگ قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہد آثار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے لئے آتے رہے، پس مدینہ طیبہ وہی شخص آتا ہے جو سچا مومن ہوتا ہے۔‘‘

(نووی، شرح النووی، 2:177)

2. امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

شارحِ صحیح مسلم امام نووی (م 676ھ) نے بھی اس حدیث کی تفصیلی شرح لکھی ہے۔ لاتشدّ الرِّحال کا درست معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فيه بيان عظيم فضيلة هذه المساجد الثلاثة ومزيتها علي غيرها لكونها مساجد الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم: ولفضل الصلاة فيها.

''اس حدیثِ مبارکہ میں ان تین مساجد کی فضیلت اور دنیا کی دیگر مساجد پر درجہ میں ان کی برتری کا بیان ہے کیونکہ یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مساجد ہیں اور اس وجہ سے کہ ان میں نماز پڑھنے کا ثواب اور فضیلت زیادہ ہے۔'' نووی، شرح صحیح مسلم، 106:9

انہوں نے مزید لکھا ہے کہ بعض علماء نے ان مساجد کے علاوہ قبورِ صالحین پر جانے میں الگ الگ آراء کا اظہار کیا ہے:

والصحيح عند أصحابنا، وهو الذي اختاره إمام الحرمين والمحققون أنه لا يحرم ولا يكره. قالوا: والمراد، أن الفضيلة التامة إنما هي في شدّ الرحال إلي هذه الثلاثة خاصة. والله أعلم.

''ہمارے اصحاب (یعنی شوافع) کے نزدیک صحیح موقف یہ ہے جسے امام الحرمین (ابو المعالی عبدالملک الجوینی) اور دیگر محققین ائمہ نے اختیار کیا وہ یہ کہ زیارتِ قبور حرام ہے نہ مکروہ، انہوں نے کہا اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ثواب کے لیے سفر اختیار کرنے میں مکمل فضیلت ان تین مساجد کے ساتھ خاص ہے۔'' نووی، شرح صحیح مسلم، 106:9

ایک اور جگہ انہوں نے لکھا ہے:

وفي هذا الحديث فضيلة هذه المساجد الثلاثة وفضيلة شدّ الرحال إليها لأن معناه عند جمهور العلماء لا فضيلة في شدّ الرحال إلي مسجد غيرها.

''اس حدیث میں ان مساجد کی فضیلت اور اس کی طرف سفر کی فضیلت کا بیان ہے اسی لیے جمہور ائمہ کے نزدیک ان مساجد کے علاوہ دوسری مساجد کی طرف رختِ سفر باندھنے میں کوئی فضیلت نہیں۔'' نووی، شرح صحیح مسلم، 168:9

3۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

حافظ ابنِ حجر [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے امام سبکی (756ھ) رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

وقال السبكي الكبير: ليس في الأرض بقعة لها فضل لذاتها حتي تشدّ الرحال إليها غير البلاد الثلاثة، ومرادي بالفضل: ما شهد الشرع باعتباره ورتّب عليه حكمًا شرعيا وأما غيرها من البلاد فلا تشد إليها لذاتها بل لزيارة، أو جهاد، أو علم، أو نحو ذلک من المندوبات، أو المباحات. قال: وقد التبس ذلک علي بعضهم، فزعم أن شد الرحال إلي الزيارة لمن في غير الثلاثة داخل في المنع وهو خطأ لأن الاستثناء إنما يكون من جنس المستثني منه فمعني

الحديث لا تشدّ الرحال إلي مسجد من المساجد أو إلي مكان من الأمكنة لأجل ذلك المكان إلا إلي الثلاثة المذكورة وشدّ الرحال إلي زيارة، أو طلب علم. ليس إلي المكان، بل إلي من في ذلك المكان. والله أعلم.

"عالمِ اجل علامہ کبیر سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: روئے زمین پر کوئی ایسا خطہ نہیں جسے ایسی ذاتی فضیلت حاصل ہو جس کی وجہ سے اس کی طرف سفر کیا جائے، سوائے ان تین جگہوں کے۔ فضیلت وشرف سے میری مراد وہ فضیلت ہے جسے شریعت نے مقرر کیا ہے اور جس پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے اور جہاں تک ان تین جگہوں کے علاوہ دیگر مقامات کی بات ہے تو ان کے لیے فضیلت کے باعث سفر نہیں کیا جائے گا، بلکہ سفر کی وجہ ملاقات یا جہاد یا حصولِ علم یا اس طرح دیگر مستحب ومباح امور کا سرانجام دیا جانا ہوگا۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بعض لوگوں کو اس حدیثِ مبارکہ سے مغالطہ ہوا پس انہوں نے سمجھا کہ شاید ان تین مقامات کے علاوہ کہیں اور سفر کے لئے جانا حکمِ ممانعت میں داخل ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ قاعدہ کی رو سے استثناء یا تو جنس مستثنیٰ منہ سے ہوتا ہے پس اس صورت میں حدیثِ مبارکہ کا معنی ہوگا مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے یا مقامات میں سے کسی مقام کی طرف ذاتی فضیلت کی وجہ سے سفر نہ کیا جائے سوائے مذکورہ تین مقامات کے۔ پس زیارت وملاقات یا طلبِ علم کے لیے کسی جگہ کا سفر اس جگہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس جگہ میں رہنے والے کی وجہ سے ہوتا ہے۔" (عسقلانی، فتح الباری، 66:3)

4۔ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م852ھ) فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

أن المراد حكم المساجد فقط. وأنه لا تشدّ الرحال إلي مسجد من المساجد فيه غير هذه الثلاثة وأما قصد غير المساجد لزيارة صالح أو قريب أو صاحب أو طلب علم أو تجارة أو نزهة فلا يدخل في النهي، ويؤيده ماروي أحمد من طريق شهر بن حوشب قال سمعت أبا سعيد وذكرت عنده الصلاة في الطور فقال: قال رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم لا ينبغي للمصلي أن يشد رحاله إلي مسجد تبتغي فيه الصلاة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصي و مسجدي.

"لا تشد الرحال سے فقط مساجد مراد ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز (کا زیادہ ثواب حاصل کرنے) کے لیے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے اور جہاں تک کسی صالح بزرگ یا عزیز رشتہ دار یا دوست کی زیارت وملاقات کا تعلق ہے یا حصولِ علم، تجارت اور تفریح کے لیے سفر اختیار کرنا یہ حکمِ نہی میں داخل نہیں۔ اس بات کی تائید مسند احمد بن حنبل میں شہر بن حوشب کے طریق پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ مبارکہ ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوسعید خدری سے سنا جبکہ میں نے ان کے سامنے کوہِ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے بیان کیا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نمازی کو زیادہ حصولِ ثواب کی نیت سے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا نہ چاہیے سوائے مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد (مسجد نبوی) کے۔" عسقلانی، فتح الباری، 65:3

بعض لوگ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کو ممانعتِ سفرِ زیارت پر بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی حاضری کے لئے زیارت کے لفظ کو ناپسند کیا۔ ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حد درجہ ادب واحترام کرتے تھے، محبت اور تعظیم وتوقیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا درجہ دیگر ائمہ کرام سے بڑھ کر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو نسبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا ومافیہا سے بڑھ کر عزیز تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں قربِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موت کی آرزو تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ساری زندگی فرض حج کے علاوہ کبھی مدینہ طیبہ سے باہر سفر نہ کیا، اس اندیشہ کے تحت کہ کہیں مسکنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دورِ حیاتِ مستعار چھن نہ جائے جبکہ مدینہ طیبہ کے ادب واحترام کا یہ عالم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کبھی بھی شہرِ مدینہ میں سواری نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابنِ ہمام حنفی لکھتے ہیں:

كان مالك رحمه الله و رضي عنه لا يركب في طرق المدينة، وكان يقول : أستحي من الله تعالي أن أطأ تربة فيها رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم.

''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے راستوں پر سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے اور (اس کی وجہ یہ بیان) فرماتے تھے مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس مقدس مٹی پر سوار ہو کر چلوں جس کے اندر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ہے۔'' (ابن ہمام، شرح فتح القدیر، 3:180)

پس آپ جیسے صاحب محبت امام سے اس بات کی توقع بعید ہے کہ انہوں نے زیارت کو ناپسند فرمایا ہو۔ دراصل ان کے نزدیک دررسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری پر لفظِ زیارت کا اطلاق خلاف ادب ہے۔ کیونکہ عام قبروں کے لیے لفظِ زیارت استعمال ہوتا ہے جس میں مسلمان مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے اور اس میں زائر کو اختیار ہوتا ہے چاہے زیارت کرے چاہے نہ کرے جبکہ مالکیہ کے نزدیک دررسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری واجب ہے۔ اس لیے وہ اس کو عام زیارت کی طرح امرِ مباح نہیں گردانتے۔ لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کے قول میں ممانعتِ زیارت کا شائبہ نہیں کیونکہ ان کا عقیدہ وعمل ہمارے سامنے ہے اور وہی قابلِ ترجیح ہے۔

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں:

ما نقل عن مالك : أنه كره أن يقول زرت قبر النبي صلي الله عليه وآله وسلم. وقد أجاب عنه المحققون من أصحابه : بأنه كره اللفظ أدباً. لا أصل الزيارة. فإنها من أفضل الأعمال. وأجل القربات الموصلة إلي ذي الجلال. وأن مشروعيتها محل إجماع بلانزاع. والله الهادي إلي الصواب.

''یہ جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔ اس قول کا جواب امام مالک کے مقلدین محقق ائمہ کرام نے یہ دیا ہے کہ وہ ادباً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لیے لفظِ ''زیارت'' کا اطلاق ناپسند فرماتے تھے نہ کہ سرے سے زیارت کا انکار کرتے تھے۔

کیونکہ زیارت روضۂ اطہران افضل اعمال اور بلند درجہ عبادات میں سے ہے جس کے ذریعہ رب ذوالجلال تک رسائی ہوتی ہے جبکہ زیارت روضۂ اقدس کی مشروعیت اجماع سے ثابت ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات کی طرف ہدایت فرمانے والا ہے۔'' عسقلانی، فتح الباری، 66:3

وہ مزید لکھتے ہیں:

قال بعض المحققين : قوله. إلا إلي ثلاثة مساجد. المستثني منه محذوف. فأما أن يقدر عاماً. فيصير. لا تشد الرحال إلي مكان في أي أمر كان إلا إلي الثلاثة. أو أخص. من ذلك لا سبيل إلي الأوّل. لإفضائه إلي سد باب السفر. للتجارة وصلة الرحم. وطلب العلم. وغيرها. فتعين الثاني. والأولي أن يقدر ماهو أكثر مناسبة. وهو : لا تشد الرحال إلي مسجد للصّلاة فيه إلا إلي الثلاثة. فيبطل بذلك قول من منع شدّ الرحال إلي زيارة القبر الشريف وغيره من قبور الصّالحين. والله أعلم.

''بعض محققین نے جو یہ کہا: اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ میں 'مستثنیٰ منہ' محذوف ہے۔ پس یہاں یا تو مقدر عام مانیں گے اس صورت میں عبارت یوں ہوگی ''لاتشد الرحال الی مکان فی ای امر کان الا الی ثلاثۃ'' کسی بھی مقصد کے لیے ان تین مساجد کے علاوہ کہیں اور سفر کے لیے رختِ سفر نہ باندھا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہاں 'مستثنیٰ منہ' مقدر خاص مانیں گے۔ پہلی صورت تو ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ اس سے تجارت، صلہ رحمی اور طلب علم وغیرہ کے لیے تمام اسفار کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پس لازماً دوسری صورت کا تعین کرنا پڑے گا اور بہتر یہ ہے کہ اس 'مستثنیٰ منہ' کو مقدر مانا جائے جس کی 'مستثنیٰ' کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مناسبت ہو اور وہ اس طرح ہے کہ ''لاتشد الرحال الی مسجد للصلاۃ فیہ الا الی الثلاثہ'' (یعنی کسی بھی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کی غرض سے رختِ سفر نہ باندھا جائے سوائے ان تینوں کے) اور اس سے اس شخص کا قول باطل ہو گیا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور اس کے علاوہ صالحین کی قبور کی طرف سفر کرنے سے منع کرتا ہے۔'' عسقلانی، فتح الباری، 66:3

5. علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

علامہ بدرالدین عینی (م 855ھ) نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے:

فإن قيل فعلي هذا يلزم أن لا يجوز السفر إلي مكان غير المستثني، حتي لا يجوز السفر لزيارة إبراهيم الخليل صلوات الله تعالي وسلامه عليه ونحوه. لأن المستثني منه في المفرغ لا بد أن يقدر أعم العام. وأجيب بأن المراد بأعم العام ما يناسب المستثني نوعًا ووصفًا. كما إذا قلت : ما رأيت إلا زيدًا. كان تقديره : ما رأيت رجلًا أو أحدًا إلا زيدًا. لا : ما رأيت شيئًا أو حيوانًا إلا زيدا. فههنا تقديره : لا تشدّ إلي مسجد إلّا إلي ثلاثة.

''اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس حدیثِ مبارکہ سے یہ لازم آرہا ہے کہ مستثنیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف سفر جائز ہی نہیں حتیٰ

کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے مقابر کی طرف کیونکہ مستثنیٰ منہ مفرغ کے لیے لازم ہے کہ اس کا مقدر عام ہو۔ میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عام سے مراد وہ عام ہے جو از روئے نوع اور صفت مستثنیٰ کے مناسب ہے جیسے مَارَاَيتُ اِلَّا زِيدًا کی تقدیر عبارت یوں ہوگی مَارَاَيتُ رَجُلاً اَو احدًا اِلَّا زِيدًا یہ عبارت نہیں ہوگی کہ مَارَایتُ شَيئًا او حيوانًا الا زيدًا پس اس حدیث مبارکہ میں تقدیر عبارت یوں ہوگی لَا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثة۔"

عینی، عمدۃ القاری، 7:253

وہ مزید لکھتے ہیں:

وأوّل بعضهم معني الحديث علي وجه آخر. وهو أن لا يرحل في الاعتكاف إلا إلي هذه الثلاثة. فقد ذهب بعض السلف إلي أن الاعتكاف لا يصحّ إلا فيها. دون سائر المساجد. وقال شيخنا زين الدين من أحسن محامل هذا الحديث: أن المراد منه حكم المساجد فقط. وأنه لا يشد الرحل إلي مسجد من المساجد غير هذه الثلاثة. فأمّا قصد غير المساجد من الرحلة في طلب العلم. وفي التجارة، والتنزه، وزيارة الصالحين، والمشاهد، وزيارة الاخوان، ونحو ذلك فليس داخلاً في النهي. وقد ورد ذلك مصرحاً به في بعض طرق الحديث.

"بعض علماء نے اس حدیث کی تاویل ایک اور طریقے سے کی ہے وہ اس طرح کہ کوئی شخص اعتکاف کے لیے مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف بطور نذر سفر نہ کرے۔ بعض سلف کا قول ہے اعتکاف کی نذر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی اور مسجد میں جائز نہیں۔ ہمارے شیخ حضرت زین الدین فرماتے ہیں اس حدیث کا صحیح ترین مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد صرف مساجد کا حکم ہے یعنی ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کی طرف (زیادہ ثواب کی نیت سے) سفر نہ کیا جائے اور جہاں تک ان مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ حصول علم، تجارت، سیر و سیاحت صالحین اور مقابر کی زیارت اور دوستوں کی ملاقات کی نیت سے سفر کرنا اور اس طرح کے دوسرے اسفار اس نہی میں داخل نہیں اور بعض روایتوں میں تو یہ چیز صراحت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔" عینی، عمدۃ القاری، 7: 254

علامہ عینی نے مزید لکھا ہے:

فإن قلت: ما الجمع بين قوله في الحديث الصحيح لا تشدّ الرحال إلا إلي ثلاثة مساجد و بين كونه كان يأتي مسجد قباء راكباً؟ قلت: قباء ليس مما تشدّ إليه الرِّحال فلا يتناوله الحديث المذكور.

"اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی، تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد کہ رخت سفر نہ باندھا جائے سوائے ان تین مساجد کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء سواری پر تشریف لے جاتے تھے" دونوں میں تطبیق کیسی ہوگی تو اس کے جواب میں، میں کہتا ہوں کہ مسجد قبا ان مساجد میں سے نہیں جن کی

طرف سفر کیا جاتا ہے پس یہ حدیث مذکور میں شامل ہی نہیں۔" (عینی، عمدۃ القاری، 7: 260)

6. امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

امام سیوطی (متوفی 911ھ) لکھتے ہیں:

والصحيح عند إمام الحرمين وغيره من الشافعية : أنه لا يحرم. وأجابوا عن الحديث بأجوبة، منها : أن المراد أن الفضيلة التامة في شد الرحال إلي هذه المساجد بخلاف غيره فإنه جائز. ومنها أن المراد أنه لا تشد الرحال إلي مسجد من المساجد للصلاة فيه غير هذه. وأما قصد زيارة قبر صالح و نحوها فلا يدخل تحت النهي، ويؤيده ما في مسند أحمد قال رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم : لا ينبغي للمصلي أن يشد رحاله إلي مسجد غير المسجد الحرام، والمسجد الأقصي، ومسجدي. انتهي.

"شوافع میں سے امام الحرمین (ابو المعالی عبد الملک الجوینی النیشاپوری) وغیرہ کے نزدیک صحیح مؤقف یہ ہے کہ قبور صالحین کی طرف سفر کرنا حرام نہیں اور ان ائمہ نے اس حدیث کے کئی جواب دیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں فضیلت سے مراد ان مساجد ثلاثہ کی طرف شدِ رحال کی فضیلت تامہ ہے جبکہ کسی دوسری جگہ کی طرف محض سفر جائز ہے، دوسرا جواب یہ کہ اس سے مراد ہے ان تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف زیادہ حصول ثواب کی خاطر، نماز پڑھنے کے لیے سفر نہ کیا جائے۔ لیکن کسی بزرگ صالح کی قبر اور اس طرح دیگر کام کے لیے اسفار نہی میں داخل نہیں، اس کی تائید مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسجد میں (زیادہ حصول ثواب کی خاطر) نماز ادا کرنے کی غرض سے سواری تیار نہ کی جائے سوائے مسجدِ حرام مسجد اقصی اور میری اس مسجد کے۔" (سیوطی، شرح سنن ابن ماجہ، 1: 102)

7. ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

اس حدیث کی مزید وضاحت میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (1014ھ) فرماتے ہیں:

الرّحال، جمع رحلة، وهو كور البعير. والمراد نفي فضيلة شدّها ومربطها إلا ثلاثة مساجد، قيل : نفي معناه نهي. أي لا تشدّ الرّحال إلي غيرها، لأن ما سوي الثلاثة متساو في الرتبة غير متفاوت في الفضيلة، وكان الترحّل إليه ضائعاً عيشاً وفي شرح مسلم للنووي، قال أبو محمد : يحرم شدّ الرّحال إلي غير الثلاثة وهو غلط. وفي الاحياء ذهب بعض العلماء إلي الاستدلال به علي المنع من الرحلة لزيارة المشاهد، وقبور العلماء، والصالحين وما تبين إلي أن الأمر كذلك بل الزيارة مأمور بها بخبر : كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها. والحديث إنما ورد نهياً عن الشدّ بغير المساجد لتماثلها بل لا بلد إلا وفيها مسجد. فلا معني للرحلة إلي مسجد آخر. وأما المشاهد فلا تساوي بل بركة زيارتها علي قدر درجاتهم عند الله. ثم ليت شعري هل يمنع ذلك

القائل شد الرحال لقبور الأنبياء كإبراهيم وموسىٰ ويحيىٰ والمنع من ذلک في غاية الاحالة. وإذا جوّز ذلک لقبور الأنبياء والأولياء في معناهم فلا يبعد أن يكون ذلک من أغراض الرحلة كما أن زيارة العلماء في الحياة من المقاصد.

''اس حدیث مبارکہ میں رحال، رحلة کی جمع ہے جس کا معنی اونٹ پر سامان باندھنا ہے، اور اس سے مراد مساجد ثلاثہ کے علاوہ دوسری مساجد کی طرف سفر کی فضیلت کی نفی ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں نفی بمعنی نہی ہے یعنی (زیادہ حصول ثواب کے لیے) ان مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر اختیار نہ کیا جائے کیونکہ ان مساجد کے علاوہ تمام مساجد درجۂ ثواب میں برابر ہیں۔ باعتبار فضیلت کسی میں کوئی کمی بیشی نہیں، اس لئے ان کی طرف (زیادہ ثواب کے لیے نماز کی غرض سے) سفر بے فائدہ ہے۔ شرح مسلم نووی میں لکھا ہے کہ ابو محمد جوینی نے جو یہ کہا کہ ان تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف سفر حرام ہے یہ غلط ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مشاہد اور علماء صلحاء کے مقابر کی زیارت سے منع کیا ہے لیکن میں اس حدیث کا مفہوم یہ سمجھا ہوں کہ اس میں مقابر ومشاہد کی زیارت کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''میں تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا اب تمہیں اس کی اجازت ہے، اور حدیث شد رحال میں دیگر مساجد کی طرف زیادہ ثواب کے حصول کے لئے سفر کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ ان تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد ثواب میں برابر ہیں، بلکہ دنیا میں کوئی آبادی ایسی نہیں جہاں مسجد نہ ہو لہٰذا کوئی شخص دوسری مسجد کی طرف محض ادائیگی نماز کے لئے کیوں جائے گا۔ تاہم زیادہ ثواب کے لئے کسی اور مسجد کی طرف سفر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مشاہد اور مقابر درجہ میں برابر نہیں بلکہ ان کی زیارت کی فضیلت و برکت ان کے اندر مدفون حضرات کے ان درجات پر موقوف ہے جو بارگاہِ الٰہی میں انہیں حاصل ہیں۔ افسوس کہ بعض لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف شد رحال سے بھی منع کرتے ہیں۔ قبور کی طرف سفر سے روکنا بڑے تعجب کی بات ہے اور جب اولیاء علماء اور صلحاء کرام کے مقابر کی طرف سفر کرنا جائز ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ سفر کے اغراض میں یہ (بھی علماء کرام کے مقابر) شامل ہوں جیسا کہ علماء کرام کی زیارت ان کی زندگی میں باعث ثواب ہے۔'' علی القاری، مرقاۃ المفاتیح، 2:190

8۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (1052ھ) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وگفت بندۂ مسکین کاتبِ حروف عبدالحق بن سیف الدین عفا اللہ عنہ انا کہ مقصودِ بیان اہتمامِ شانِ این سہ بقعہ و سفر کردن بجانب آنہاست کہ متبرک مقامات است یعنی اگر سفر کنند بایں سہ مسجد کنند و بغیر آن گرانی مشقت کشیدن نمی کنند نہ آنکہ سفر بجز این موضع درست نباشد مصرع۔ دل اگر بار کشد باز بکاری باری

''بندۂ مسکین راقمِ حروف عبدالحق بن سیف الدین عفا اللہ عنہ کہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں ارشادِ نبوی سے مقصود ان تین مقاماتِ مقدسہ کی شان کی عظمت اور ان کی جانب سفر کرنا ہو کیونکہ یہ تین مقامات سب سے بڑھ کر بابرکت ہیں یعنی اگر سفر مطلوب ہو تو ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے اور لوگ ان مقامات کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف سفر کی مشقت برداشت نہ کرتے۔ حدیثِ مبارکہ کا یہ مطلب نہیں کہ ان تین مقامات کے علاوہ کسی اور طرف سفر کرنا جائز ہی نہیں مصرع۔

دل اگر بوجھ اٹھانا چاہے تو کسی صحیح مقصد و کام کے لئے اٹھانا چاہیے۔'' (عبدالحق، اشعۃ اللمعات، 1:324)

9۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

امام زرقانی (م 1122ھ) نے مؤطاء کی شرح میں لکھا ہے:

استثناء مفرغ أي إلى موضع للصلاة فيه إلا هذه الثلاثة. وليس المراد أنه لا يسافر أصلاً إلا لها.

''اس حدیث میں استثناء مفرغ ہے یعنی کسی بھی جگہ ادائیگی نماز کے لیے سوائے ان تین مساجد کے رختِ سفر نہ باندھا جائے حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل سفر ہی نہ کیا جائے سوائے ان تین مقامات کے۔'' (زرقانی، شرح الموطا، 1:320)

اجل ائمہ و شارحینِ حدیث کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ حدیث کا لاتشد الرحال صرف ثواب کی نیت سے دیگر مساجد کی طرف سفر کرنے کو مستلزم ہے۔ رہا دیگر مقاصد کے لیے سفر تو وہ جائز ہے کیونکہ اگر ممانعتِ سفر کے قائلین کا قول مان لیا جائے کہ ان تین مساجد کے علاوہ دنیا میں کسی بھی جگہ حتی کہ اولیاء کرام کے مزارات اور دیگر نیک مقاصد کے لیے سفر حرام ہے تو اس صورت میں انسانی زندگی اجیرن ہو جائے گی اور انسان عضوِ معطل بن کر رہ جائے گا وہ اپنی آبادی سے باہر کبھی بھی نہ جا سکے گا نہ حصولِ علم، نہ تجارت، نہ عیادت و ملاقات اور نہ اشاعتِ دین کے لیے حتی کہ ان تین مساجد کی فضیلت عامہ کے تعین کے بغیر کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنا بھی اس قول کے مطابق ممنوع ٹھہر جائے گا۔ حالانکہ محسنِ انسانیت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سفر فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اشاعتِ دین کے لئے دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصولِ علم کے لئے دور دراز مقامات تک سفر کی ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ حدیث کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ دنیا میں کہیں بھی سفر نہ کیا جائے بلکہ اس حدیث کا صحیح معنی و مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں جتنی مسجدیں ہیں ان میں سے صرف یہ تین مساجد ایسی ہیں کہ جنہیں فضیلت تامہ حاصل ہے۔ ان میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت اور ثواب ہے مثلاً

مسجد الحرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

مسجدِ اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پچیس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

دنیا کی دیگر مساجد کو یہ فضیلت حاصل نہیں تو حدیثِ مبارکہ کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص کو اپنے محلہ اور آبادی کی مسجد میں وہی ثواب ملے گا جو دنیا کی دیگر مساجد میں ملتا ہے تو اس تصور کے ساتھ کہ شاید فلاں مسجد میں اس مسجد سے زیادہ ثواب ملے گا

سفر کرنا بے فائدہ ہے۔ اگر ادائیگی نماز کا زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو پھر حدیث میں مذکورہ مقامات کی طرف ہی سفر کرے اور جہاں تک مطلقاً سفر کی بات ہے تو گزشتہ صفحات میں ائمہ حدیث اور فقہاء کے صحیح اقوال اور تشریحات سے ثابت ہوا کہ جائز ہے عام سفر کی کہیں بھی ممانعت اور حرمت نہیں۔

3۔ دیگر احادیثِ مبارکہ سے صحیح مؤقف کی تائید

درج بالا مؤقف کی تصریح و تائید خود ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے:

1. لَا يَنْبَغِي لِلْمَطِي أَنْ تَشَدَّ رِحَالُهُ إِلَي مَسْجِدٍ يَنْبَغِي فِيهِ الصَّلَاةُ. غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصَي، وَ مَسْجِدِي هَذَا.

"کسی مسجد میں (زیادہ ثواب کے حصول کے لئے) نماز ادا کرنے کی غرض سے سفر کے لئے سواری تیار نہ کی جائے، سوائے مسجد حرام، مسجدِ اقصیٰ اور میری اِس مسجد کے۔"

1. احمد بن حنبل، المسند، 3:34، 64.

2. ابویعلی، المسند، 2:489، رقم:1326

3. طحاوی، مشکل الآثار، 1:243

4۔ امام ہیثمی نے "مجمع الزوائد (3:4)" میں اس حدیث کے نفسِ مضمون کو حسن قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ 'الصحیح' میں اسی طرح ہے۔

اِس حدیث میں مستثنیٰ منہ صریحاً مذکور ہے جو کہ 'مسجد' ہے لہٰذا شرح الحدیث بالحدیث کے بعد اب کوئی جواز باقی نہیں رہتا کہ کوئی شخص خواہ مخواہ اپنی طرف سے کسی ایسے لفظ کو مستثنیٰ منہ قرار دے جو نہ تو عربی لغت کے اُسلوب کے مطابق درست ہے اور نہ فصاحت و بلاغتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے، بلکہ خود توضیحِ نبوت کے بھی خلاف ہے۔

ثانیاً حدیثِ مذکور میں واضح الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ نماز ادا کرنے کی غرض سے سفر نہ کیا جائے، جس کا مطلب لامحالہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی اور مقصد کے لئے سفر کیا جا سکتا ہے۔

2۔ اِس کی مزید وضاحت اِس حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہو جاتی ہے:

لَا تُشَدُّ رِحَالُ الْمَطِيِّ إِلَي مَسْجِدٍ يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ إِلَّا إِلَي ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْمَدِينَةِ، وَبَيْتِ الْمَقْدِسِ.

"اللہ کا ذکر کرنے کی نیت سے کسی مسجد کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے، سوائے اِن تین مساجد کے: مسجدِ حرام، مسجد مدینہ اور بیت المقدس۔" (ابویعلی، المسند، 2:489، رقم:1326)

اِس حدیثِ مبارکہ میں واضح الفاظ میں تین مسجدوں کے علاوہ اس نیت سے کسی اور مسجد کی طرف اس نیت کے تحت سفر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کہ اُس میں اللہ کا ذکر کر کے زیادہ ثواب حاصل کیا جائے۔

3۔ اِس کی تصریح و تائید اِس حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا يُسَافَرُ إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، وَمَسْجِدِي، وَمَسْجِدِ إِيْلِيَاءَ.

’’(زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) صرف اِن تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے: مسجدِ کعبہ، میری مسجد اور مسجدِ ایلیاء (بیت المقدس)۔‘‘

1. مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب لا تشد الرحال إلا إلی ثلاثۃ مساجد، 2:1015، رقم: 1397

2. بیہقی، السنن الکبریٰ، 5:244، رقم: 10044

3. أیضاً، دلائل النبوۃ، 2:545

اس حدیثِ مبارکہ میں اُسلوبِ اِستثناء بیان نہیں کیا گیا بلکہ اُسلوبِ حصر اِختیار کیا گیا ہے۔ پچھلی احادیث میں چونکہ اُسلوبِ استثناء تھا اِس لئے یہ اَمرِ زیرِ بحث تھا کہ مستثنیٰ منہ کیا ہے، جبکہ اِس حدیثِ مبارکہ میں اِستثناء کا اُسلوب ہی نہیں۔ لہٰذا یہ بیانِ حصر ہماری پوری بحث کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ اِس میں حصر صرف مساجد کا ہے اور باقی مساجد کی طرف سفر کرنے سے منع نہیں فرمایا گیا۔

4. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے طریقِ حصر پر مشتمل ایک اور حدیث اِن الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

إنما تُضْرَبُ أكْبَادُ الْمَطِيِّ إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هٰذَا، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى.

’’صرف تین مساجد کی طرف سفر کے لئے سواری تیار کی جائے: مسجدِ حرام، میری یہ مسجد اور مسجدِ اقصیٰ۔‘‘

1. طبرانی، المعجم الکبیر، 2:276، 277، رقم: 2159

2. ابو یعلی، المسند، 11:435، رقم: 6558

3. طبرانی، المعجم الأوسط، 3:378، رقم: 2811

طبرانی کی بیان کردہ روایت کی اِسناد صحیح ہے اور ابو یعلی کی بیان کردہ روایت کے رِجال ثقہ ہیں۔

اِن احادیثِ مبارکہ سے صراحت ہوگئی کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد، مقام، شہر یا جگہ کی طرف اجر و ثواب کی نیت کے بغیر سفر کرنا ہرگز ممنوع نہیں اور نہ ہی شَدُّ الرِّحال والی حدیث کا موضوع ہے۔

اِن مساجد میں ادا کی جانے والی نمازوں پر ملنے والے غیر معمولی اَجر و ثواب کے حوالے سے بھی متعدد احادیث وارد ہیں۔

5۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ.

’’میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنا دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازیں (ادا کرنے) سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور

مسجد حرام میں (ادا کی ہوئی) ایک نماز (دوسری مساجد میں ادا کردہ) ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے۔"

(ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الحرام والمسجد النبوي صلى الله عليه وآله وسلم، 2:186، رقم: 1406)

یہ حدیث صحیح ہے، اس کی إسناد صحیح اور رجال ثقہ ہیں۔

6۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةُ الرَّجُلِ . . . فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰي بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ.

"جو شخص مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد میں نماز پڑھے اُسے پچاس ہزار نمازوں کا اور جو مسجد حرام میں نماز پڑھے اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔"

(1. ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الحرام ومسجد النبي صلى الله عليه وآله وسلم، 2:190، 191، رقم: 1413)
2. طبراني، المعجم الأوسط، 7:7، رقم: 7004

اس فصل کو خلاصۃً دو اہم نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

1۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج بالا تائیدی ارشادات عالیہ سے ثابت ہوا کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَال والی احادیث کا مطلب تضاعفِ ثواب ہے یعنی زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے سفر کرنا صرف اِن ہی تین مساجد کی طرف جائز ہے جبکہ اِس غرض سے اُن کے علاوہ روئے زمین کی کسی اور مسجد کی طرف اس نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔

2۔ اس حدیثِ مبارکہ کا صحیح معنی و مفہوم اُن اجل ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کیے رکھی اور تحصیلِ حدیث میں اتنی محنت کی کہ درجۂ حفاظ میں شامل ہوگئے۔ ایسے تمام ائمہ کرام کی رائے مفہوم حدیث کی وضاحت میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کی مستند رائے کی موجودگی میں کسی اور کی ذاتی اور غیر مناسب رائے کی طرف التفات کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَال میں صرف اسی سفر کی ممانعت ہے جو اِن تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز کے زیادہ ثواب کی نیت سے ہو، اگر کوئی شخص کسی اور جائز نیت سے یا فقط زیارت کے لئے کسی متبرک مقام یا ہستی کی زیارت کو جائے تو وہ ہرگز اس حدیث میں شامل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قبرِ انور کی طرف زیارت کی خصوصی توجہ دلائی نیز اولیاء و صالحین کی قبور پر جا کر امت کے لئے اپنی سنت مقرر فرما دی۔

شارح صحیح بخاری، صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پاک کا "زیارت مقدسہ کے ارادہ سے سفر کرنا جائز نہیں" مراد لینے کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

حدیث پاک سے زیارت مقدسہ نا جائز ہونے کا معنی لینا درست نہیں کیونکہ ایسی صورت میں تجارت، صلہ رحمی، طلب علم اور دوسرے اغراض کے لئے 'سفر کرنا' جائز نہ ہوگا، بہتر معنی یہی ہیں کہ کسی مسجد کا سفر اس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے 'کرنا' جائز نہیں

سوائے تین مساجد کے، اس سے ان لوگوں کا کہنا غلط قرار پاتا ہے جو روضۂ اطہر کی زیارت مقدسہ اور صالحین کے مزارات کی زیارت کو ممنوع کہتے ہیں۔ شارحین حدیث اور ائمہ امت نے صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث پاک کا یہ مفہوم بیان نہیں کیا کہ زیارت مقدسہ کے ارادہ سے سفر کرنا' جائز نہیں بلکہ زیارت مقدسہ کی ترغیب والی احادیث شریفہ کی وجہ اسے بلا اختلاف محبوب و پسندیدہ قرار دیا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: فانہا من افضل الاعمال و اجل القربات الموصلة الی ذی الجلال وان مشروعیتہا محل اجماع بلا نزاع واللہ الهادی الی الصواب۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت مقدسہ نہایت فضیلت والا عمل اور قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زیارت مقدسہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (فتح الباری، کتاب الجمعۃ، باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ)

فضائلِ مسجد اقصیٰ کا بیان

آہ مسجد اقصیٰ! تو آج کس حال میں ہے؟ تجھے اپنوں کی لاپرواہی نے کیسا لاچار بنا دیا ہے؟ تیرے چاہنے والوں کی کمزوری اور تیرے دشمنوں کی مکاری نے تجھے کیسی تکلیف اور غم میں ڈال رکھا ہے؟ تیرے مبارک در و دیوار جہاں فرشتے بھی اپنے پر آہستہ مارتے تھے مگر اب بدبخت یہودیوں کے اسلحے کی ٹھوکریں تجھے کتنا رنج دیتی ہوں گی؟ تیری وہ سجدہ گاہیں جہاں کبھی مقدس ترین ہستیاں، نبوت کے پیکر پیغمبرانِ الٰہی سجدہ ریز ہوتے تھے اب وہاں مجرم یہودیوں کے ناپاک بوٹوں کی دھمک سنائی دیتی ہے۔ جہاں کبھی تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید کے زمزمے گونجتے تھے مگر اب دھتکاری ہوئی یہودی قوم کے منحوس فوجیوں کے غلیظ اور بدبودار نعرے وہاں تعفن پھیلاتے ہیں تو تجھے ان سے کتنی گھن آتی ہوگی؟

ہاں! ان دلخراش حالات سے مسلمانوں کے سینے زخمی ہیں، اہل دل اس پر تڑپتے ہیں، تجھ سے محبت رکھنے والے یہ حالت دیکھ کر روتے اور آہیں بھرتے ہیں، کوئی تجھ پر قربان ہونا چاہتا ہے مگر رکاوٹوں کے اتنے پہاڑ ہیں کہ اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے، کوئی تجھے ستانے والے یہودیوں پر آگ بن کر برسنا چاہتا ہے مگر وہ تجھ سے بہت دور بیٹھ کر تیرے غم میں تیرا شریک ہو کر بے چین رہتا ہے..... تو سعادتوں کا مرکز مگر آج تجھے شقاوت کے مارے یہودیوں نے گھیر رکھا ہے، تو برکتوں کا گھر مگر آج تجھے غضب کی ماری قوم نے اجاڑ رکھا ہے..... لیکن یاد رکھنا! بہت جلد تیرے چاہنے والے، تیری عزت اور تقدس کو پہچاننے والے تجھے ان ظالموں سے [illegible] آزاد کروائیں گے، عنقریب پھر وہ [illegible] آئیں گے جب تکبیر کے پاکیزہ نعرے تجھ میں گونجیں گے، عنقریب سعادت مند لوگ کی [illegible] نیاز تیری زمین کے بوسے لے لیں..... بہت جلد..... ان شاء اللہ

[illegible] مسجد اقصیٰ [illegible] بلند اور اونچی شان رکھتی ہے [illegible] میں [illegible] بہا برکتیں اور سعادتیں رکھ دی گئی ہیں، اہل ایمان کے دلوں میں اس مسجد کی بڑی وقعت اور محبت رچی بسی ہوئی ہے، قرآن و سنت میں [illegible] کی فضیلت پر کئی دلائل اور ارشادات موجود ہیں جنہیں پڑھ کر ایک مخلص مومن کے دل میں اس مسجد کی خاص عقیدت اور محبت دل میں اتر جاتی ہے۔ آیئے آج کی مجلس میں اسی عظیم البرکت مسجد کے کچھ فضائل پڑھتے ہیں جو قرآن و سنت میں ہمیں بتلائے گئے ہیں۔

(۱) تین اہم مساجد میں سے ایک

اس مسجد کی ایک فضیلت اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ مسجد اُن تین مساجد میں شامل ہے جن کی طرف سفر کرنے کی بطور خاص اجازت دی گئی ہے اور اس کی طرف سفر کرنے کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، و مسجد الرسول ﷺ، و مسجد الاقصیٰ" (بخاری:۱۱۸۹)

ترجمہ: "تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے (اور وہ تین مساجد یہ ہیں): مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ"

یعنی: اگر کوئی انسان عبادت اور تقرب الی اللہ کی نیت سے کسی مسجد کی طرف سفر کر کے جانا چاہتا ہے تو باقی مساجد ثواب کے اعتبار سے برابر ہیں اس لیے ان مساجد میں کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں لیکن یہ تین مساجد اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اس لیے ان کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔

(۲) یہ مسلمانوں کا قبلہ اول تھا

جب تک مسلمانوں کے لیے کعبہ شریف کا قبلہ مقرر نہیں کیا گیا تھا اُس وقت تک مسلمانوں کے لیے قبلہ یہی "مسجد اقصیٰ" تھی، اس طرح یہ مسلمانوں کا پہلا قبلہ تھی، اس بنیاد پر اس کی جو فضیلت اور مسلمانوں کے دل میں اس کا جو مقام ہونا چاہیے وہ بالکل واضح ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے تقریباً سولہ یا سترہ مہینوں تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں پھر ہمارا قبلہ کعبہ کو مقرر کر دیا گیا (بخاری: ۳۳۹۲)

(۳) زمین پر قائم ہونے والی دوسری مسجد

مسجد اقصیٰ کی فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس زمین پر بیت اللہ کے بعد جو مسجد قائم ہوئی وہ یہی مسجد اقصیٰ ہے۔

چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: مسجد حرام...... میں نے پھر پوچھا: اس کے بعد؟ (یعنی مسجد حرام کے بعد کون سی مسجد بنائی گئی؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسجد اقصیٰ"...... (بخاری: ۳۳۶۶)

(۴) مبارک سرزمین سے نسبت

مسجد اقصیٰ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ مسجد جس سرزمین پر واقع ہے اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو مبارک قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ (الاسراء:۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصی تک سیر کرائی جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں: اگر اس مسجد کے لیے اس قرآنی فضیلت کے علاوہ اور کوئی فضیلت نہ ہوتی تب بھی یہی ایک فضیلت اس کی عظمت و بزرگی اور شان کے لیے کافی تھی۔

''جس ملک میں 'مسجدِ اقصیٰ' واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری اور باطنی برکات رکھی ہیں، مادّی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی اِفراط اور رُوحانی اِعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رُسل (علیہم السلام) کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔

شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اِشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیائے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے، آپ کی ذات مقدسہ میں وہ سب جمع کر دیئے گئے، جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، اُن پر اب بنی اِسماعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے، ''کعبہ'' اور ''بیت المقدس'' دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

(۵) سرزمین محشر

مسجد اقصی کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ جس سرزمین پر واقع ہے وہ سرزمین حشر و نشر کی جگہ ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں بتلایئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سرزمین حشر و نشر کی جگہ ہے۔ (ابن ماجہ: ۱۴۰۷)

(۶) معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منزل

مسجد اقصیٰ کی ایک یہ فضیلت بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم اعزاز معراج کی صورت میں عطاء فرمایا، جو ایک عظیم معجزہ بھی ہے، تو سفر میں ایک اہم منزل وہ پڑاؤ تھا جو آپ نے مسجد اقصیٰ میں فرمایا، پھر یہی وہ جگہ ہے جہاں سے آپ کو آسمان کی بلندیوں کی طرف لے جایا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''میرے پاس براق لایا گیا، یہ ایک سفید رنگت کی لمبی سواری تھی، گدھے سے کچھ بڑی اور خچر سے کچھ چھوٹی، اس کا ایک قدم انتہائے نظر کی مسافت پر پڑتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں اُس پر سوار ہوا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا، وہاں پہنچ کر اس سواری کو اس حلقے سے باندھ دیا جس حلقے سے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام (اپنی سواریاں) باندھتے ہیں، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اس میں دو رکعات اداء کیں، پھر باہر نکل آیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام دودھ اور شراب کا ایک الگ الگ برتن میرے پاس لائے، میں نے ان میں سے دودھ والا برتن لے لیا، اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے فطرت (کے عین مطابق چیز کو) پسند فرمایا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیں آسمان کی طرف لے کر چل پڑے'' (مسلم:162)

(۷)نماز میں کئی گنا اضافہ

اس مسجد کی ایک اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ اسلام کے اہم ترین رکن نماز کا اجر وثواب اس مسجد میں کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مسجد کا مقام ومرتبہ دیگر مساجد کے مقابلے میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی فضیلت زیادہ ہے یا بیت المقدس والی مسجد (یعنی مسجد اقصیٰ) کی؟ چنانچہ یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری مسجد میں پڑھی جانے والی ایک نماز اُس مسجد (مسجد اقصیٰ) کی چار نمازوں سے افضل ہے۔ اور وہ نماز کی جگہ تو بہت ہی خوب ہے! عن قریب ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کو اگر گھوڑے کی ایک لگام کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ مل جائے کہ جس سے وہ مسجد اقصیٰ کی زیارت کرسکیں تو ان کے نزدیک یہ زیارت پوری دنیا سے بہتر ہوگی''۔ (حاکم:4/509)

اللہ اکبر! یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے اور پیشین گوئیوں میں سے ہے، اس میں آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ایک وہ وقت آئے گا جب مسلمانوں کے دلوں میں اس مسجد کی قدر وقیمت بہت بڑھ جائے گی اور اس مسجد کے بارے میں دشمنان اسلام کی عداوتیں بہت بڑھ جائیں گی، ان کی عداوتوں کی وجہ سے مسلمان اس مسجد کے لیے ترسیں گے حتیٰ کہ انسان یہ سوچے گا کہ کاش اگر مجھے گھوڑے کی لگام جتنی کوئی ایسی جگہ بھی مل جاتی جہاں سے میں مسجد اقصیٰ کی دیکھ لیتا تو وہ اس خوشی کو دنیا بھر کی خوشیوں سے بہتر سمجھے گا!!

(۸)تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی اجتماع گاہ

ایک طویل حدیث میں، جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی مسجد میں سب انبیاء علیہم السلام کی ایک نماز میں امامت کرائی، حدیث کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں: ''فحانت الصلاۃ فاممتھم''...... (صحیح مسلم: حدیث نمبر (172) نماز کا وقت آیا تو میں نے ان کی امامت کرائی۔

(۹)دجال سے محفوظ جگہ

مسجد اقصیٰ ایک ایسی پاکیزہ سرزمین میں واقع ہے، جہاں ''کانا دجال'' بھی داخل نہیں ہوسکے گا، جیسا کہ حدیث میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''وہ دجال ساری زمین گھومے گا مگر حرم اور بیت المقدس میں داخل نہیں ہوسکے گا۔

(مسند احمد۔ حدیث نمبر:19665)

ایک طرف اس عظیم مسجد اور اس علاقے کے یہ فضائل اور مراتب ہیں، جس کا حق یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری اور افضل امت کا اعزاز پانے والی امت اس مسجد کی قدر کرتی، اس مسجد کو دینی شعائر سے آباد رکھتی اور ہر قسم کے کفر اور کفریہ تسلط سے پاک رکھتی لیکن...... آہ!!! آج اسی ارضِ مقدس کے مسلمان سخت آزمائشوں کا شکار ہیں، انہیں وہاں قسما قسم کے تکلیف دِہ حالات کا سامنا ہے، یہودی ظالم انہیں بلڈوزروں سے روندرہے ہیں، بچوں کو قتل کررہے ہیں، عورتوں کو جیلوں میں بند کرتے ہیں، بوڑھوں کی

تذلیل کرتے ہیں، نوجوانوں کو گولیوں سے اُڑا دیتے ہیں، اُن کے گھروں کو مسمار کردیتے ہیں، مسجد اقصیٰ کی حرمت پامال کی جاتی ہے، یہ سب حالات ہم مسلمانوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم ان کے غم اور ان کے درد کو محسوس کریں، ہم ان کے لیے دعاء کو اپنے معمولات کا حصہ بنالیں اور جہاد کا پختہ عزم کریں، جہادی قافلے میں شامل ہوجائیں، تاکہ ان کفار کی جارحیت کا منہ موڑا جائے۔

اے اللہ! مسجد اقصیٰ کو ظالموں، سرکشوں اور غاصبوں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک فرما، فلسطینی مسلمانوں کے ضعف اور کمزوری کو ختم فرما، انہیں قوت عطاء فرما، ان کے دشمنوں کی تدبیروں کو ناکام فرما، کافروں کی جنگ کو واپس انہی پر پلٹ دے۔ اے اللہ! بلاشبہ آپ ہی سب سے بہتر انتقام لینے والے اور مجرموں کو سزا دینے والے ہیں۔

بَابٌ فِي تَحْرِيمِ الْمَدِينَةِ

باب: مدینہ منورہ کا حرم ہونا

2034 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ، وَمَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ.

❁❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صرف قرآن کو تحریر کیا' یا اس صحیفے میں جو احکام ہیں وہ تحریر کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مدینہ منورہ عائر سے لے کر ثور تک کے درمیان کا حصہ قابل احترام ہے' جو شخص یہاں بدعت پیدا کرتا ہے یا کسی بدعتی کو پناہ دیتا ہے' تو اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت ہوگی ایسے شخص کا کوئی فرض یا نفل عمل قبول نہیں ہوگا' اور مسلمانوں کی دی ہوئی پناہ ایک جیسی حیثیت رکھتی ہے' جسے پورا کرنے کی ان کا سب سے کم تر فرد کوشش کرے گا' اور جو شخص کسی مسلمان کی دی گئی پناہ کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہوگی۔ اس کا کوئی فرض یا نفل عمل قبول نہیں ہوگا' جو شخص اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنی ولاء کی نسبت کسی اور کی طرف کرے اس پر اللہ تعالیٰ' تمام فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہوگی۔ ایسے شخص کا کوئی فرض یا نفل عمل قبول نہیں ہوگا"۔

2035 حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَبِي حَسَّانَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فِي هَذِهِ الْقِصَّةِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا، وَلَا

يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمَنْ اَشَادَ بِهَا، وَلَا يَصْلُحُ لِرَجُلٍ اَنْ يَحْمِلَ فِيهَا السِّلَاحَ لِقِتَالٍ، وَلَا يَصْلُحُ اَنْ يُقْطَعَ مِنْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا اَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں:

''یہاں (یعنی مدینہ منورہ) کے گھاس کو کاٹا نہیں جائے گا' یہاں کے شکار کو بھگایا نہیں جائے گا' اور یہاں گری ہوئی ملنے والی چیز کو اٹھایا نہیں جائے گا' البتہ جو شخص اس کا اعلان کرنا چاہتا ہو وہ (اس کو اٹھا سکتا ہے) کسی بھی شخص کے لیے اس شہر میں لڑائی کے لیے ہتھیار اٹھانا منع ہے اور کسی بھی شخص کے لیے یہ روا نہیں ہے وہ یہاں کے درخت کو کاٹے' البتہ آدمی اپنے اونٹ کو چارہ کھلانا چاہتا ہو (تو وہ کھلا سکتا ہے)''

2036 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، اَنَّ زَيْدَ بْنَ الْحُبَابِ، حَدَّثَهُمْ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ كِنَانَةَ، مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: حَمَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ نَاحِيَةٍ مِنَ الْمَدِينَةِ بَرِيدًا بَرِيدًا: لَا يُخْبَطُ شَجَرُهُ، وَلَا يُعْضَدُ، اِلَّا مَا يُسَاقُ بِهِ الْجَمَلُ

حضرت عدی بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی ہر طرف کے ایک ایک برید کے علاقے کو محفوظ علاقہ قرار دے دیا تھا کہ وہاں کے درخت کو کاٹا نہیں جائے گا وہاں کے پتے کو توڑا نہیں جائے گا' البتہ اونٹ کو چارہ کھلایا جا سکتا ہے۔

2037 حَدَّثَنَا اَبُو سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ، حَدَّثَنِي يَعْلَى بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: رَاَيْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِي وَقَّاصٍ، اَخَذَ رَجُلًا يَصِيدُ فِي حَرَمِ الْمَدِينَةِ الَّذِي حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلَبَهُ ثِيَابَهُ، فَجَاءَ مَوَالِيهِ فَكَلَّمُوهُ فِيهِ، فَقَالَ: اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ، وَقَالَ: مَنْ اَخَذَ اَحَدًا يَصِيدُ فِيهِ فَلْيَسْلُبْهُ ثِيَابَهُ فَلَا اَرُدُّ عَلَيْكُمْ طُعْمَةً اَطْعَمَنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلٰكِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَيْكُمْ ثَمَنَهُ

سلیمان بن ابوعبداللہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو پکڑا ہوا تھا' جو مدینہ منورہ کے حرم میں شکار کر رہا تھا۔ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے کپڑے اس سے چھین لیے اس کے مالک آئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات چیت کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے

2035- صحیح لغیرہ، رجالہ ثقات غیر ابی حسان - وھو مسلم بن عبد اللہ الاعرج - صدوق، وروایتہ عن علی مرسلۃ، ومع ذلک فقد حسن سندہ الحافظ فی "الفتح" 12/261 وھو فی "مسند احمد" (959) و (991). ویشھد لہ حدیث عدی بن زید الآتی بعدہ. وحدیث سعد بن ابی وقاص عند مسلم (1363. وانظر ما سیاتی برقم (2037) و (2038).

2036- صحیح لغیرہ، وھذا اسناد ضعیف. سلیمان بن کنانۃ مجھول الحال. واخرجہ الطبرانی فی "الکبیر" 17/ (272) من طریق زید بن الحباب، بھذا الاسناد.

فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے اسے حرم قرار دیا ہے' یہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص یہاں کسی کو شکار کرتا پائے' تو وہ اس کے کپڑے ضبط کر لے''۔

تو میں تم کو وہ چیز واپس نہیں کروں گا' جو نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت مجھے ملی ہے' البتہ اگر تم چاہو' تو میں تم کو اس کی قیمت دے دیتا ہوں۔

2038 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ صَالِحٍ، مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، عَنْ مَوْلًى، لِسَعْدٍ، أَنَّ سَعْدًا، وَجَدَ عَبِيدًا مِنْ عَبِيدِ الْمَدِينَةِ يَقْطَعُونَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِينَةِ فَأَخَذَ مَتَاعَهُمْ، وَقَالَ: يَعْنِي لِمَوَالِيهِمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى أَنْ يُقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِينَةِ شَيْءٌ، وَقَالَ: مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ أَخَذَهُ سَلَبُهُ

❁❁ صالح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں کسی کے غلام کو مدینہ منورہ کے درخت کو کاٹتے ہوئے پایا۔ آپ نے اس کا سامان چھین لیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے آقاؤں سے یہ کہا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو مدینہ منورہ کے درخت کو کاٹنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''جو شخص یہاں کی کسی چیز کو کاٹے تو جو شخص اسے پکڑے گا اس (کاٹنے والے) کا سامان کو ملے گا۔

2039 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَفْصٍ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَطَّانُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ، أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ الْحَارِثِ الْجُهَنِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُخْبَطُ وَلَا يُعْضَدُ حِمَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنْ يُهَشُّ هَشًّا رَفِيقًا

❁❁ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اللہ کے رسول کی مقرر کردہ چراگاہ کے درخت کو کاٹا نہیں جائے گا' اور پتوں کو توڑا نہیں جائے گا' البتہ معمولی سے پتے جھاڑے جاسکتے ہیں''۔

2040 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، ح حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، عَنِ ابْنِ نُمَيْرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبَاءَ مَاشِيًا وَرَاكِبًا. زَادَ

2038- حديث صحيح، وهذا اسناد رجاله ثقات رجال الشيخين غير صالح مولى التوامة- وهو ابن نبهان- وقد وقع في روايته هذه اضطراب في تسمية الراوي عن سعد فقال في هذه الرواية: مولى لسعد، وفي رواية: عن بعض ولد سعد كما هو عند الطيالسي في "مسنده" (218)، والشاشي (139)، والبيهقي 199.5/ والمحفوظ ان الذي رواه عن سعد بعض ولده، فقد رواه اسماعيل بن محمد بن سعد، عن عامر بن سعد كما سياتي عند احمد ومسلم. واخرجه بنحوه مسلم (1364) من طريق عامر بن سعد، عن سعد بن ابي وقاص، به. وهو في "مسند احمد" (1443).

2040- اسناده صحيح. مسدّد: هو ابن مسرهد الاسدي، ويحيى: هو ابن سعيد القطان، وابن نمير: هو عبد الله الخارفي، وعبيد الله: هو ابن عمر، ونافع: هو مولى ابن عمر. واخرجه البخاري (1191) و (1194)، ومسلم (1399) من طرق عن نافع، به. وفي رواية البخاري (1191):

ابنُ نُمَيرٍ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) پیدل (کبھی) سوار ہو کر قباء تشریف لاتے تھے۔

ابن نمیر نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں دو رکعت ادا کرتے تھے۔

روضہ اطہر کی زیارت کے احکام و آداب:

جو کوئی حج کرنے جائے اس کو چاہئے کہ اگر حج فرض ہو تو پہلے اپنے حج سے فارغ ہو جائے پھر روضہ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ جائے اور اگر حج نفل ہو تو اختیار ہے کہ چاہے تو پہلے زیارت کرے اور اس کے بعد حج کرے چاہے پہلے حج کر لے بعد میں زیارت کرے بشرطیکہ حج کے لئے مکہ جانے والا راستہ مدینہ کی طرف سے نہ ہو۔ جب زیارت کے لئے چلے تو یہ نیت کرے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد انور کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہوں۔ راستہ میں جتنی مسجدیں ملیں سب میں نماز پڑھے، راستہ میں درود پڑھتا رہے، جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو اس شہر مقدس کی عظمت کو دل میں جاگزیں کرے، جب مدینہ منورہ بالکل سامنے آجائے تو بہ خیال ادب اور بہ مقتضائے شوق اپنی سواری سے اتر پڑے اور اگر ممکن ہو تو وہاں سے مسجد شریف تک پاپیادہ جائے۔ حدود شہر میں داخل ہونے سے پہلے اگر ممکن ہو تو غسل کر لے ورنہ وضو کر کے عمدہ اور خاص طور پر سفید کپڑے پہن لے اور خوشبو لگائے، شہر کے اندر پہنچ کر سب سے پہلے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جائے، مسجد نبوی میں داخلہ سے پہلے غسل کر لے تو بہتر ہے ورنہ وضو کرے اور خوشبو لگائے، مسجد نبوی پہنچ کر تحیۃ المسجد اور نماز شکر پڑھے، اس کے بعد اس تصور و یقین کے ساتھ بصد ادب و احترام قبر اقدس کی زیارت کی طرف متوجہ ہو کہ میں اس باعظمت درگارہ میں حاضر ہو رہا ہوں جس کے سامنے تمام دنیا کے پر جلال بادشاہوں کی بھی کوئی وقعت نہیں، پھر مرقد اطہر کے پاس آ کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کی طرح داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر اس طرح کھڑا ہو کہ حضرت سید بشر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ اور اس بات کا یقین کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری حاضری سے واقف ہیں، میرے سلام کا جواب دیتے ہیں اور میری دعا پر آمین کہتے ہیں اور پھر انتہائی شوق و ذوق کے ساتھ معتدل آواز میں سلام و صلوٰۃ پیش کرے اور عرض و معروض کرے، جب اپنی عرض و نیاز سے فارغ ہو جائے تو اپنے اعزاء و احباب میں سے جس نے عرض سلام کی درخواست کی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی طرف سے اس طرح سلام عرض کر دے کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں بن فلاں نے آپ کو سلام عرض کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے پروردگار سے شفاعت کریں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے سر مبارک کے سامنے کھڑا ہو اور ان کی خدمت میں سلام عرض کرے، اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے سامنے پہلے کی طرح دست بستہ کھڑا ہو اور بہت ذوق و شوق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرے اور جو جو خواہش رکھتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں حق تعالیٰ سے مانگے، وہاں سے ہٹ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے ستون کے پاس جس قدر ممکن ہو نوافل پڑھے اور توبہ و استغفار کرے اس کے بعد آثار نبویہ کی زیارت کرے جو معلمین بتا دیتے ہیں، اور جنت البقیع جائے وہاں صحابہ کرام اور اہل بیعت کے مزارات مقدسہ کی زیارت کرے پھر شہدائے احد

خصوصاً سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرے اور ان تمام مشاہد ومزارات پر فاتحہ پڑھے اور شنبہ کے دن یا جس دن ممکن ہو مسجد قبا کی زیارت کرے اور دو رکعت نماز بہ نیت تحیۃ المسجد پڑھے۔

مدینہ منورہ اور روضہ اطہر کی زیارت کے آداب یہ ہیں کہ جتنے دنوں مدینہ منورہ میں قیام ہو سکے اس کو غنیمت سمجھے حتی الامکان اپنا اکثر وقت مسجد شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف کرے وہاں اعتکاف کرے اور ہر قسم کی عبادت یعنی نماز، روزہ، تلاوت، درود اور صدقہ وخیرات سے اپنے اوقات کو آباد رکھے، جب تک مسجد میں رہے حجرہ شریف کی طرف نہایت شوق کی نگاہوں سے نظر کرتا رہے اور اگر مسجد سے باہر ہو تو بنظر احترام وتعظیم اور انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ قبہ شریف کو دیکھتا رہے کیونکہ روضہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالنا استحباباً حکم نظر کرنے کعبہ شریف کا ہے نیز شہر سے باہر قبہ شریف پر نظر کرنے سے اہل شوق کو جو نورانیت اور سرور وذوق حاصل ہوتا ہے اس کا ادراک اسی حالت پر موقوف ہے جس کو الفاظ کے ذریعہ ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ ع ذوق ایں مے نشناسی واللہ تانہ چشی۔

مسجد نبوی میں جس قدر بھی شب بیداری کی سعادت حاصل ہو سکے خواہ ایک ہی شب کے لئے ہو اسے ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ شب قدر ومنزلت کے اعتبار سے شب قدر سے کم نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اس لئے اس ایک رات کو اپنی تمام عمر کا ماحصل اور خلاصہ سمجھ کر عبادت میں کاٹ دے بہتر یہی ہے کہ اس رات میں اور کوئی عبادت نہ کرے بلکہ صرف درود شریف پڑھتا رہے، اور اگر نیند آنے لگے تو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کا سرور آمیز تصور کر کے نیند کو دفع کرے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کمال کا تصور اس کے دل ودماغ کو کیف حضوری کا سرور بخشے گا تو کہاں نیند رہے گی اور کہاں غفلت قرار چیست صبوری کدام وخواب کجا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جب تک رہے اپنے دل، اپنی زبان اور تمام اعضاء کو برے کلمات وخیالات اور ہر خلاف اولیٰ فعل سے محفوظ رکھے اور محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کے تصور کے سوا اور کسی طرف متوجہ نہ ہو اگر کوئی اس کی مشغولیت میں مخل ہو تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرے ہاں کسی سے نہایت ضروری گفتگو کرنی ہو تو مختصر کلام کر کے اسی جناب مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو جائے، مسجد شریف کے آداب کے بطور خاص خیال رکھے تھوک وغیرہ وہاں نہ گرنے پائے مسجد میں آنے سے قبل روضہ اطہر اور منبر کے درمیان اپنا مصلے پہلے سے نہ بچھوائے رکھے بلکہ اس اگر اس مقدس مقام پر ادائیگی نماز کی فضیلت کے حصول کا شوق ہو تو سب سے پہلے مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرے اور وہاں بیٹھ جائے اس مقدس مسجد میں جو نزول قرآن وجبرائیل کی جگہ ہے قرآن پاک ختم کرنے میں کوتاہی نہ کرے کم از کم ایک قرآن مجید کا ختم اس مسجد پاک میں ضرور کرے اگر ممکن ہو تو ایسی کتابیں پڑھے یا سنے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات وخصائل اور فضائل ہوں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور عبادت کا شوق فزوں ہو۔

قبر شریف کے سامنے سے جتنی مرتبہ بھی گزرنا ہو وہاں تمام آداب زیارت کو ملحوظ رکھ کر کھڑا ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں سلام وصلوٰۃ پیش کرے، مدینہ منورہ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے والوں اور خدمت گاروں کی محبت وتعظیم کو ہمہ وقت ملحوظ رکھے چاہے ان میں کوئی بات خلاف شریعت وسنت ہی کیوں نہ دیکھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کا شرف ہی ان کی سب سے بڑی فضیلت ہے جو کسی گناہ وبدعت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا اور انہیں حسن خاتمہ ومغفرت کی سعادت سے محروم نہیں ہونے دیتا۔

دیار مقدس سے وطن کو واپسی

جب مدینہ منورہ میں قیام کی مدت ختم ہو جائے اور اس مقام مقدس سے جدا ہو کر وطن کو روانہ ہونے کا ارادہ ہو جائے تو مصلی نبوی یا اس کے قریب نماز پڑھ کر اور دعا مانگ کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کی زیارت کرے اور اللہ تعالیٰ سے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے اعزاء واحباب کے لئے کونین کی سعادتوں کے حصول کی دعا مانگے نیز دیار مقدس میں اپنی تمام عبادات کی قبولیت اور اپنے اہل وعیال کے پاس امن و سلامتی کے ساتھ پہنچنے کی درخواست کرے اور یہ دعا پڑھے (اللھم انا نسئلک فی سفرنا ہذا البر والتقویٰ ومن العمل ماتحب وترضی اللھم لا تجعل ہذا آخر العہد بنبیک ومسجدہ وحرمہ ویسر لی العود الیہ والعکوف لدیہ وارزقنی العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرۃ ورددنا الی اھلنا سالمین غانمین آمنین۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مقبولیت دعا اور حصول مقصد کی علامت یہ ہے کہ اس وقت بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور دل دیار محبوب کی جدائی کی حسرت ویاس سے معمور ہو بلکہ درحقیقت تمام اوقات دعا میں گریہ وزاری حصول رزق کا باعث اور امیدواری رحمت کی علامت ہے ایں دلم باغست وچشم ابروش ابر گرید باغ خندد شاد وخوش!۔

اس وقت اگر خدانخواستہ کسی شخص پر حالت گریہ وزاری طاری نہ ہو تو وہ بہ تکلف اپنے اوپر یہ حالت طاری کرے اور ان باتوں کا تصور کرے جو ذوق اور گریہ ورقت کی حالت پیدا کریں کیونکہ اس وقت حالت گریہ ہی بہر صورت قبولیت کی علامت ہے، اور پھر وہاں کی جدائی سے بہ چشم نم اور بہ حسرت ویاس رخصت ہو اور رخصت ہوتے وقت پچھلے پیروں نہ لوٹے کیونکہ یہ صرف خانہ کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے اور وقت وداع جس قدر ہو سکے صدقہ وخیرات کرے اور ان تمام آداب کو ملحوظ رکھے جو سفر سے واپسی کے وقت کے سلسلہ میں منقول ہیں اور پھر جب اپنے شہر کے قریب پہنچ جائے تو یہ دعا پڑھے۔ (اللھم انی اسئلک خیرہا وخیر اھلہا وخیر ما فیہا واعوذ بک من شرہا وشر اھلہا وشر ما فیہا اللھم اجعل لنا بہا قرارا ورزقا حسنا)۔ اور جب شہر میں پہنچ جائے تو یہ دعا پڑھے۔ (لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیء قدیر ایبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ واعز جندہ فلا شیء بعدہ)۔ اور چاہئے کہ اپنے شہر ومکان تک پہنچنے سے پہلے اپنے اعزہ کو خبر کر دے کہ میں فلاں دن فلاں وقت پہنچ رہا ہوں بغیر اطلاع کے ایک دم نہ پہنچ جائے نیز اپنے شہر میں پہنچنے کا بہترین وقت چاشت ہے یا شام۔ رات کے وقت نہ پہنچے پھر جب اپنے مکان پہنچ جائے۔ تو مکان کے اندر جانے سے پہلے اگر وقت مکروہ نہ ہو تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے دعا مانگے اور بخیر وعافیت وطن واپس پہنچ جانے پر باری تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور یہ کہے الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات۔

علماء نے لکھا ہے کہ حکیم مطلق اللہ جل شانہ نے اس شہر پاک کی خاک پاک اور وہاں کے میوہ جات میں تاثیر شفا ودیعت فرمائی ہے۔ اکثر احادیث میں منقول ہے کہ "مدینہ کے غبار میں ہر قسم کے مرض کی شفا ہے" بعض دوسرے طرق سے منقول احادیث میں ہے کہ "مدینہ کے غبار میں جذام اور برص کی شفا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا تھا کہ وہ بخار کا علاج اس کی خاک پاک سے کریں۔ چنانچہ نہ صرف مدینہ ہی میں اس حکم پر عمل ہوتا رہا ہے بلکہ اس خاک پاک کو بطور دوا لے جانے کے سلسلہ میں بھی کتنے ہی آثار منقول ہیں اور بعض علماء نے تو اس معالجہ کا تجربہ بھی کیا ہے، حضرت شیخ مجدالدین فیروز آبادی کا بیان ہے کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ میرا ایک خدمت گار مسلسل ایک سال سے بخار کے مرض میں مبتلا تھا میں نے مدینہ کی وہ تھوڑی سی خاک پاک پانی میں گھول کر اس خدمت گار کو پلادی اور وہ اسی دن صحت یاب ہو گیا۔

حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ مدینہ کی خاک پاک سے معالجہ کا تجربہ مجھے بھی ہوا ہے وہ اس طرح کہ جن دنوں میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا میرے پاؤں میں ایک سخت مرض پیدا ہو گیا جس کے بارہ میں تمام اطباء کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ اس کا آخری درجہ موت ہے اور اب صحت دشوار ہے۔ میں نے اسی خاک پاک سے اپنا علاج کیا، تھوڑے ہی دنوں میں، بہت آسانی سے صحت حاصل ہو گئی۔ اسی قسم کی خاصیتیں وہاں کی کھجور کے بارہ میں بھی منقول ہیں چنانچہ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص سات عجوہ کھجوریں (عجوہ مدینہ کی کھجور کی ایک قسم ہے) نہار منہ کھالیا کرے تو کوئی زہر اور کوئی سحر اس پر اثر نہیں کرے گا۔

فضائل مدینہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی بطور خاص قابل لحاظ ہے کہ اس مقدس شہر کی عظمت و بزرگی ہی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس شہر کے رہنے والوں کی تعظیم و تکریم کی یہ وصیت کی تھی کہ میری امت کے لوگوں کو چاہئے کہ وہ میرے ہمسایوں یعنی اہل مدینہ کے احترام کو ہمیشہ پیش ملحوظ رکھیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، ان سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ کریں اور اس وقت تک ان کی خطاؤں سے درگزر کریں جب تک کہ وہ کبائر سے اجتناب کریں (یعنی اگر وہ کبائر کے مرتکب ہوں تو پھر رعایت اور درگزر کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ اللہ اور بندوں کے حقوق کے سلسلے میں شریعت کا جو حکم ہو اسے جاری کرے) یاد رکھو، جو شخص ان کے احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھے گا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا اور جو شخص اہل مدینہ کے احترام و حرمت کو ملحوظ نہیں رکھے گا اسے طینۃ الخبال کا سیال پلایا جائے گا (واضح رہے کہ "طینۃ الخبال" دوزخ کے ایک حوض کا نام ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ اور لہو جمع ہوتا ہے)

بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُورِ

باب: قبروں کی زیارت کرنا

زیارت کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

عربی لغت میں ہر لفظ کا مادہ کم از کم سہ حرفی ہوتا ہے جس سے باقی الفاظ مشتق اور اخذ ہوتے ہیں۔ عربی لغت کے اعتبار سے زیارت کا معنی دیکھیں تو یہ لفظ زَارَ، یَزُوْرُ، زَوْرًا سے بنا ہے۔ جس کے اندر ملنے، دیکھنے، نمایاں ہونے، رغبت اور جھکاؤ کے معانی

پائے جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ کسی کی ملاقات کے لئے جائے تو اس میں اس شخص یا مقام کی طرف رغبت، رجحان اور جھکاؤ بھی پایا جاتا ہے اور بوقت ملاقات رؤیت بھی ہوتی ہے اس لئے اس عمل کو زیارت بھی کہا جاتا ہے۔

ائمہ لغت نے زَور کے درج ذیل معانی بیان کئے ہیں زَارَ یزُوْرُ زَوْرًا کا معنی ہے ,اس نے فلاں شخص سے ملاقات کی یا فلاں کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ (زبیدی، تاج العروس، 477 , 6)

زیارت کا معنی ہے کسی سے ملنے کے لئے آنا۔ یہ لفظ زَور سے نکلا ہے جس کا معنی ہے سینہ کی ہڈیوں کی ملنے کی جگہ یا میلان، رجحان اور رغبت۔ (بطرس بستانی، محیط المحیط 384)

محیط المحیط (ص 384) میں زیارت کا معنی یوں بھی لکھا ہے,لفظ زیارۃ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ جس کا معنی کسی جگہ ابالیان سے ملنے کے لئے جانا جیسے دوست احباب کی ملاقات یا دوسرا معنی کسی جگہ موجود آثار سے حصول برکت کے لئے جانا جیسے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لئے جانا۔

لغت کی معروف کتاب المصباح المنیر میں لکھا ہے,عرف عام میں زیارت سے مراد کسی شخص کے ادب واحترام اور اس سے محبت کی بناء پر اس کی ملاقات کے لئے جانا۔ (فیومی، المصباح المنیر فی غریب شرح الکبیر للرافعی، 1,260)

اسی سے مَزَار ہے۔ جس کا معنی ہے وہ جگہ جس کی زیارت کی جائے۔ ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں,مزار سے مراد زیارت کرنے کا مقام ہے۔ (ابن منظور افریقی، لسان العرب، 333 , 4)

اسی سے زَائر بھی ہے جس کا معنی ہے ,زیارت کے لئے جانے والا شخص یا ملاقاتی۔

زیارت کے شرعی معنی ومفہوم کا بیان

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ذواتِ عالیہ اور مقاماتِ مطہرہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نعمت ورحمت سے نوازا ہے اور اِن کو دیگر مخلوق پر ترجیح دی ہے۔ ان بابرکت ذوات اور اماکنِ مقدسہ پر حاضری کے لئے جانا مشروع، مسنون، مندوب اور مستحب عمل ہے,عرف عام میں اسی کو زیارت کہا جاتا ہے۔

زیارت کی اَقسام کا بیان

دینِ اسلام میں زیارت کا اس قدر جامع تصور ہے کہ ہر واجب الاحترام شخصیت، متبرک چیز اور مقام کو صرف اور صرف دیکھنا ہی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر إلى الوالد عبادة. والنظر إلى الكعبة عبادة. والنظر فی المصحف عبادة. والنظر إلى أخيك حباً له فی الله عبادة.

والد کی طرف دیکھنا عبادت ہے، کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے، قرآن حکیم کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور اپنے بھائی کی طرف رضائے الٰہی کے لئے محبت کی نگاہ سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔ (بیہقی، شعب الایمان، 187,7، رقم 8760)

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی طرف دیکھنے کو عبادت فرمایا یہ دراصل زیارت کی مختلف اقسام ہیں۔ ذیل میں ہم اس حدیث سمیت دیگر نصوص کی روشنی میں زیارت کی اقسام کا ذکر کر رہے ہیں جن میں سرِ فہرست زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بحالتِ ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا افضل ترین عمل تھا۔ ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے خوش نصیب لوگوں کو ہی مرتبہ صحابیت پر فائز ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ یہ اتنا عظیم شرف اور امتیاز ہے جس پر قیامت تک کوئی اور شخص فائز نہیں ہو سکتا بے شک وہ پوری زندگی عبادت و ریاضت میں کیوں نہ صرف کر دے۔

ایسے خوش نصیب شخص کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابی) یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا (یعنی تابعی)۔

(ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ، 694,5، رقم 3858)

اسی طرح بعد از وصال زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت پر بھی اُمتِ مسلمہ کا اِجماع ہے۔ بعض ائمہ احناف اور مالکیہ کے علاوہ دیگر اہلِ سنت و جماعت کے مکاتب و مذاہب بھی اسے بعض حالات میں واجب قرار دیتے ہیں۔

قرآن مجید سے زیارت کے متعلق حکم کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پاتے۔ (النساء: ٦٤)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو سرزنش کی ہے جو دعویٰ یہ کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ پر نازل والی کتاب پر ایمان لائے ہیں اپنے مقدمہ کا فیصلہ یہودی عالم کے پاس لے جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کیلئے جب انہیں بلایا جاتا تو وہ منہ موڑ کر کترا کر نکل جاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے' مجاہد نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ نعمت مقدر کر دی ہے۔

پھر فرمایا جب ان منافقوں نے کعب بن اشرف کے پاس اپنا مقدمہ پیش کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر ہی لیا تھا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ آپ کے پاس آ کر معذرت کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی چاہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت بخشنے والا اور مہربان پاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا جواز

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گنہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آ کر استغفار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے ان میں الشیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے۔ (آیت) "ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤك"۔ الآیہ، اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں پھر اس نے دو شعر پڑھے:

اے وہ جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے۔

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں اس میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے۔

پھر وہ اعرابی چلا گیا عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۹۔۳۲۸، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵، البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۴، مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

چند لفظوں میں ایک طویل بحث کو سمو کر رکھ دیا۔ اللہ کی اطاعت ہر مومن پر فرض ہے۔ اور اللہ کی اطاعت یہ بھی ہے کہ اس کا یہ حکم بھی مانا جائے کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اطاعت کرو۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار کرتا ہے اس نے گویا اللہ کے حکم سے سرتابی کی۔ تو رسول کی نافرمانی کر کے اس نے صرف رسول کی ہی نافرمانی نہیں کی بلکہ اللہ کی بھی نافرمانی کی ہے جس کا یہ حکم اس نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ میرے رسول کی اطاعت کرو۔ وہ فرقہ جو حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو غیر ضروری بلکہ امت کے لئے مضر اور نقصان دہ سمجھتا ہے وہ اس آیت کو کیوں نہیں پڑھتا اور اگر پڑھتا ہے تو اسے کیوں واجب الاتباع یقین نہیں کرتا۔

اے رحمت مجسم! اگر یہ دنیا بھر کے قصور کر کے اور اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کے بعد بھی نادم و تائب ہو کر تیرے حضور میں حاضر ہوں تو ان پر اپنا در کرم باز رکھ۔ جب ان کی شفاعت و بخشش و رستگاری کے لئے تیرا ہاتھ میری بارگاہ جود و عطا میں اٹھے گا تو خواہ وہ کتنے گنہگار روسیاہ اور بدکار کیوں نہ ہوں تیرے رب کی رحمت ان کو مایوس نہیں کرے گی بلکہ ان کی توبہ قبول کر لی جائے اور ان بیگانوں کو اپنا بنا لیا جائے گا۔ حضور اکرم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ برکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔ اہل دل اور اہل نظر ہر لحہ اور ہر آن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم

سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور (فرط رنج وغم سے) مزار پر انوار پر گر پڑا اور خاک پاک کو اپنے سر پر ڈالا۔ اور عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا، جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی تھی ولوانہم اذظلموا الخ میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کئے ہیں۔ اب تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا شفقت ورحمت! میری مغفرت کے لئے دعا فرمایئے۔ فنودی من القبر انہ قد غفر لک (القرطبی) تو مرقد منور سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے' اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰-۴۵۹ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علماء کرام نے قدیما وحدیثا اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بہ سند امام ابومنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے

(آیت) "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤك فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما"۔ اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے۔ اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے' غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں' پس حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص ۲۵۴)

اور نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: "کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں' اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں: پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے' بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۲۸)

اور خیر القرون میں یہ کاروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔
(تسکین الصدور ص ۳۶۶۔۳۶۵ ملخصا مطبوعہ ادارہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

گنبد خضراء کی زیارت کے لیے سفر کا جواز کا بیان

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے لیے سفر کرنا مستحسن اور مستحب ہے' شیخ ابن تیمیہ نے اس سفر کو سفر معصیت اور سفر حرام کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفر میں قصر کرنا جائز نہیں ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں (سفر نہ کیا جائے) مسجد حرام' مسجد الرسول' اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۹' صحیح مسلم الحج: ۵۱۱' (۱۳۹۷) ۳۳۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۴' ۲۳۸' ۲۷۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۸۹۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے اس حدیث کے جواب میں فرمایا ہے: اس حدیث میں ان تین مساجد کے علاوہ مطلقاً سفر سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کے لیے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس سے ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۵' مطبوعہ لاہور)

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے کسی سواری کا کجاوہ نہ کسا جائے سوائے مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۴' طبع قدیم دار الفکر' مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۱۵۰۲' طبع دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ ھ)

شیخ عبدالرحمان مبارک پوری متوفی ۱۳۵۲ ھ نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث شہر بن حوشب سے مروی ہے اور وہ کثیر الاوہام ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التقریب میں لکھا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷۱' طبع ملتان)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التقریب میں لکھا ہے کہ شہر بن حوشب' بہت صادق ہے اور یہ بہت ارسال کرتا ہے اور اس کے بہت وہم ہیں۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۴۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شہر بن حوشب کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

امام احمد نے اس کے متعلق کہا اس کی حدیث کتنی حسین ہے اور اس کی توثیق کی' اور کہا کہ عبدالحمید بن بھرام کی وہ احادیث صحت کے قریب ہیں جو شہر بن حوشب سے مروی ہیں' دارمی نے کہا احمد شہر بن حوشب کی تعریف کرتے تھے امام ترمذی نے کہا امام بخاری نے فرمایا شہر حسن الحدیث ہے اور اس کا امر قوی ہے' ابن معین نے کہا یہ ثقہ ہے' ان کے علاوہ اور بہت ناقدین فن نے شہر کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ جمال الدین مزنی متوفی ۷۴۲ ھ' اور علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ نے بھی شہر بن حوشب کی تعدیل میں یہ اور

بہت ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۸ ص ۴۰۹ 'میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۹۰ طبع بیروت)

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے خصوصیت سے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے' (فتح الباری ج ۲ ص ۶۶) اور شیخ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے بھی اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے' کیونکہ امام احمد اور امام ابن معین نے شہر بن حوشب کی توثیق کی ہے۔ (مسند احمد ج ۱۰ ص ۲۰۱ 'طبع قاہرہ)

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں مستثنیٰ منہ مسجد کو نہ مانا جائے' بلکہ عام مانا جائے اور یہ معنی کیا جائے کہ ان تین مساجد کے سوا کسی جگہ کا بھی سفر کا قصد نہ کیا جائے تو پھر نیک لوگوں کی زیارت' رشتہ داروں سے ملنے' دوستوں سے ملنے' علوم مروجہ کو حاصل کرنے' تلاش معاش' حصول ملازمت' سیر و تفریح' سیاحت اور سفارت کے لیے سفر کرنا بھی ناجائز' حرام اور سفر معصیت ہوگا۔

شیخ مبارک پوری نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے رہا تجارت یا طلب علم یا کسی اور غرض صحیح کے لیے سفر کرنا تو ان کا جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہے (اس لیے یہ ممانعت عموم پر محمول ہے) (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷۱ 'مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے جو سفر کی انواع ذکر کی ہیں وہ سب غرض صحیح پر مبنی ہیں اور ان کے جواز پر کون سے دلائل ہیں جو صحاح ستہ کی اس حدیث کی ممانعت کے عموم کے مقابلہ میں راجح ہوں؟ خصوصاً نیک لوگوں' رشتہ داروں' دوستوں کی زیارت اور ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنے' اسی طرح سائنسی علوم کے حصول' تلاش معاش' حصول ملازمت اور سیر و تفریح کے لئے سفر کرنے کے جواز پر اور بھی بہت دلائل ہیں اور ممانعت کی اس حدیث کی ممانعت پر راجح یا اس کے لیے ناسخ ہوں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنیکے جواز پر اور بھی بہت دلائل ہیں اور مانعت کی اس حدیث کی ہم نے ان مذکور توجیہات کے علاوہ اور بھی کئی توجیہات ذکر کی ہیں اس کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۶۴ - ۷۶۳ ملاحظہ فرمائیں' شیخ ابن تیمیہ نے جو اس سفر کو حرام کہا ہے' حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ ان کا انتہائی مکروہ قول ہے۔

اور ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تفریط کی ہے' کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے' اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں افراط کیا ہے اور اس سفر کے منکر کو کافر کہا ہے اور یہ دوسرا قول صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار دینا بہ طریق اولیٰ کفر ہوگا۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۴ 'مطبوعہ بیروت)

احادیث کے مطابق زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل کا بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے اَز رہ شان و فضیلت کہیں اپنے روضۂ اقدس، کہیں اپنے مسکن مبارک اور کہیں اپنے منبرِ اقدس کی زیارت کی ترغیب دی ہے۔ اس شان و فضیلت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُمت میں اِن مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا شوق اور رغبت پیدا ہو۔ ذیل میں قبرِ انور کی فضیلت بزبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کریں۔

روضۂ اَطہر کی فضیلت کا بیان

1. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي.

میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور (روزِ قیامت) میرا منبر میرے حوض (کوثر) پر ہوگا۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب فضل ما بین القبر والمنبر، 399,1، رقم 11382، مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب ما بین القبر والمنبر، 1011,2، رقم 1391)

2۔ ابوصالح ذکوان سمان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث اِن الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

مِنْبَرِي هٰذَا عَلَى تُرْعَةٍ مِنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ، وَمَا بَيْنَ حُجْرَتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.

میرا یہ منبر جنت کی نہروں میں سے ایک نہر (کوثر کے کنارے) پر (نصب) ہوگا اور میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (احمد بن حنبل، المسند، 534,2)

3. محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو روضۂ اَطہر کے پاس روتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے ، یہی وہ جگہ ہے جہاں (محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں) آنسو بہائے جاتے ہیں۔ میں نے خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

مَا بَيْنَ قَبْرِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.

میری قبر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (بیہقی، شعب الایمان، 491,3، رقم 4163)

4۔ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَوَائِمُ مِنْبَرِي رَوَاتِبُ فِي الْجَنَّةِ.

میرے اس منبر کے پائے جنت میں پیوست ہیں۔

(نسائی، السنن الکبری، 257,1، رقم 7752، احمد بن حنبل، المسند، 2893,6، عبدالرزاق، المصنف، 182,3، رقم 5242)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اِمام بخاری اور اِمام مسلم جیسے اَجل ائمہِ حدیث نے اپنی کتب میں روضۂ اَطہر اور منبر مبارک کی درمیانی جگہ کی فضیلت سے متعلق اَحادیث بیان کرتے ہوئے اُس کا عنوان اِس طرح قائم کیا ہے۔ اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الصحیح (399,1) میں کتاب التطوع کے باب نمبر 18 کا عنوان فَضْلُ مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رکھا ہے۔

اِمام مسلم نے الصحیح (1010,2) میں کتاب الحج کے باب نمبر 92 کا عنوان مَا بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ رکھا ہے۔

اِن اَحادیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبرِ انور کی نشاندہی کرتے ہوئے خود فرما دیا کہ میری قبرِ انور میری اَزواجِ مطہرات کے گھروں میں ہے، لہٰذا مَا بَيْنَ بَيْتِي کے الفاظ میں معناً قبرِ انور مراد ہے، جبکہ قبرِ انور کا ذکر لفظاً (مَا بَيْنَ قَبْرِي)

بھی آیا ہے، اور اُن کی زیارت کے لئے جانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جنت میں جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک زیارتِ قبر انور کی نیت سے سفر کرنا اُمتِ مسلمہ کا پسندیدہ اور محبوب عمل رہا ہے۔ ایسا محبوب عمل جس کی ادائیگی تو کجا اس کی محض یاد بھی موجبِ برکت وسعادت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زیارتِ روضۂ اَطہر کی ترغیب

خود سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاداتِ گرامی میں روضۂ اقدس کی زیارت کی ترغیب دی اور زائر کے لئے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔

1۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روضۂ اَطہر کی زیارت کے حوالے سے اِرشاد فرمایا، جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِي، وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي.

جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(دار قطنی، السنن، 2782,2، حکیم ترمذی، نوادر الاصول، 673,2، بیہقی، شعب الایمان، 490,3، رقم 4159، 4160)

4۔ ذہبی نے میزان الاعتدال (567 , 6) میں کہا ہے کہ اسے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابنِ خزیمہ نے مختصر المختصر میں نقل کیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں حلّت لہ شفاعتی کے الفاظ بھی ہیں۔ امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق (ص 77 ,) میں لکھتے ہیں کہ ائمۂ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی چند اِسناد بیان کرنے اور جرح وتعدیل کے بعد فرماتے ہیں۔ مذکورہ حدیث حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ جن احادیث میں زیارتِ قبرِ انور کی ترغیب دی گئی ہے ان کی تعداد دس سے بھی زیادہ ہے، اِن احادیث سے مذکورہ حدیث کو تقویت ملتی ہے اور اِسے حسن سے صحیح کا درجہ مل جاتا ہے۔ (شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام 3 ,11)

عبدالحق اِشبیلی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام سیوطی نے مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفا (ص 71,) میں اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ محمود سعید ممدوح رفع المنارہ (ص 318,) میں اس حدیث پر بڑی مفصل تحقیق کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور قواعدِ حدیث بھی اِسی رائے پر دلالت کرتے ہیں۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے زائر پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت محقق اور لازم ہوگئی یعنی اللہ تعالیٰ سے زائر کی معافی ودرگزر کی سفارش کرنا لازم ہوگیا۔

2۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

جس شخص نے خلوصِ نیت سے مدینہ منورہ حاضر ہو کر میری زیارت کا شرف حاصل کیا، میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

(بیہقی، شعب الایمان، 3,490، رقم 41572، سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، 283، مقریزی، امتاع الاسماع، 614,14، عسقلانی نے تلخیص الحبیر (267,2) میں اسے مرفوع کہا ہے۔)

3. حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ جَاءَ نِي زَائِرًا لَا يَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي، كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

جو بغیر کسی حاجت کے صرف میری زیارت کے لیے آیا اُس کا مجھ پر حق ہے کہ میں روزِ قیامت اُس کی شفاعت کروں۔

(طبرانی، المعجم الکبیر، 225,12، رقم 131492، طبرانی، المعجم الاوسط، 275,5، 276، رقم 45433، ہیثمی، مجمع الزوائد، 4,2,4۔ ذہبی نے میزان الاعتدال (415,6) میں اسے مرفوع کہا ہے۔)

ابن السکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب السنن الصحاح ماثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں اس کتاب میں نقل کردہ روایات کو بالاجماع ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح قرار دیا ہے۔ اِس حدیثِ مبارکہ کو اُنہوں نے کتاب الحج میں باب ثواب من زار قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نقل کیا ہے۔

4. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِي، أَوْ قَالَ مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا أَوْ شَهِيْدًا، وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الْآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

جس نے میری قبر (یا راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،) میری زیارت کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا اور جو کوئی دو حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا اللہ تعالیٰ اُسے روزِ قیامت ایمان والوں کے ساتھ اٹھائے گا۔

(طیالسی، المسند، 12، 13، رقم 652، دار قطنی، السنن، 2783,2، بیہقی، السنن الکبریٰ، 245,5، رقم 10053)

5. حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے،

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي، فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي۔

جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(دار قطنی، السنن، 2782,2، طبرانی، المعجم الکبیر، 310,12، رقم 134973، طبرانی، المعجم الاوسط، 223,4، رقم 3400، 4، خطیب تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح (128,2، کتاب المناسک، رقم 2756) میں اُسے مرفوع حدیث قرار دیا ہے۔)

جو لوگ اپنے باطل عقیدے کی بناء پر حدیث لا تشد الرحال سے غلط استدلال کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کی نیت سے جانے کے ساتھ ساتھ انبیاء و صالحین کے مزارات کی زیارت سے منع کرتے ہیں اور اسے (معاذ اللہ) سفرِ معصیت و گناہ اور شرک قرار دیتے ہیں وہ بلاشبہ صریح غلطی پر ہیں۔ صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی حاضری بلند درجہ باعث ثواب اعمال میں سے ہے۔ نیز قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک اہلِ اسلام کا یہ معمول ہے کہ وہ ذوق و شوق سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لئے جاتے ہیں اور اسے دنیا و مافیہا سے بڑھ کر عظیم سعادت و خوش بختی

لکھتے ہیں۔

استطاعت کے باوجود زیارت نہ کرنے پر وعید

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے۔

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری (قبرِ انور کی) زیارت نہ کی تو اس نے میرے ساتھ جفا کی۔

(سبکی بشفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام,212, ابن حجر مکی، الجوہر المنظم,3،28, بنہانی، شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق,82)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بڑا واضح ہے۔ اس میں اُمتِ مسلمہ کے لئے کڑی تنبیہ بھی ہے کہ جس مسلمان نے حج کی سعادت حاصل کی مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری نہ دی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جفا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم سے محروم ہوا جبکہ زائرِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا منفرد اعزاز نصیب ہوگا۔ اس حوالے سے امام سبکی شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام (ص 11) میں لکھتے ہیں۔

روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے عشاق کو وہ شفاعت نصیب ہوگی جو دوسروں کے حصہ میں نہیں آئے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زائرینِ قبرِ انور ایک خاص شفاعت کے مستحق قرار دیئے جائیں گے اور انہیں بالخصوص یہ منفرد اعزاز حاصل ہوگا۔ اس سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کی برکت کے باعث شفاعت کے حقدار ٹھہرنے والے عمومی افراد میں زائر کا شامل ہونا واجب ہوجاتا ہے۔ بشارت کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر حالتِ ایمان پر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگا۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ فرشتے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرب بندے بھی شفاعت کرنے کا اعزاز رکھتے ہیں، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے شرف سے مشرف ہونے والوں کا اعزاز یہ ہے کہ خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔

حیاتِ مبارکہ میں صحابہ کرام کے معمول زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اول تا آخر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتے تھے اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ نہ انہیں اپنی جان کی پرواتھی، نہ مال و اولاد کی۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز جانتے تھے۔ ان کی اسی طاقت نے انہیں ہر طوفان سے ٹکرانے اور ہر مشکل سے سرخرو ہونے کا ہنر سکھایا۔ انہوں نے جس والہانہ عشق و محبت کا مظاہرہ کیا انسانی تاریخ آج تک اس کی نظیر پیش کرسکی اور نہ قیامت تک اس بے مثال محبت کے مظاہر دیکھنے ممکن ہوں گے۔ اُن کی محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ہی اپنی بھوک پیاس کو بجھالیتے تھے اور حالتِ نماز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکتے رہتے تھے۔

کتب احادیث و سیر میں متعدد واقعات کا ذکر ہے جو انفرادی و اجتماعی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آئے۔ یہ واقعات اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے زندگی کی حرارت

پاتے تھے۔ انہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ ان مشتاقانِ دید کے دل میں ہر لحظہ یہ تمنا دھڑکتی رہتی تھی کہ ان کا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ان سے جدا نہ ہو اور وہ صبح وشام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اپنے قلوب و اذہان کو راحت وسکون بہم پہنچاتے رہیں۔ ذیل میں اسی لازوال محبت کے چند مستند واقعات کا ذکر کیا جائے گا۔

صحابہ کی نماز اور زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین منظر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرضِ وصال میں جب تین دن تک حجرہ مبارک سے باہر تشریف نہ لائے تو وہ نگاہیں جو روزانہ زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس گئیں۔ جان نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا انتظار تھے کہ کب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ بالآخر وہ مبارک و مسعود لمحہ ایک دن حالتِ نماز میں انہیں نصیب ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایامِ وصال میں جب نماز کی امامت کے فرائض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے۔ پیر کے روز تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں حسبِ معمول باجماعت نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرے افاقہ محسوس کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک سے مسجدِ نبوی میں جھانک کر گویا اپنے غلاموں کو صدیق کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر اظہارِ اطمینان فرما رہے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر کھڑے کھڑے ہمیں دیکھنا شروع فرمایا۔ (ہم نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو یوں لگا) جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور کھلا ہوا قرآن ہو، پھر مسکرائے۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أہل العلم والفضل أحق بالامامۃ، 1،240، رقم 648،2۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب استخلاف الامام إذا عرض لہ عذر من مرض وسفر، 1،315، رقم 419،3۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الجنائز، باب فی ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، 1،519، رقم 1624،4۔ احمد بن حنبل، المسند، 3،163)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خوشی میں قریب تھا کہ ہم لوگ نماز چھوڑ بیٹھتے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے پلٹے تاکہ صف میں شامل ہو جائیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لانے والے ہیں۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أہل العلم والفضل أحق بالامامۃ، 1،240، رقم 648،2۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، 3،75، رقم 4825،3۔ عبدالرزاق، المصنف، 5،433)

ان پرکیف لمحات کی منظر کشی روایت میں یوں کی گئی ہے۔ جب (پردہ ہٹا اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سامنے آیا تو یہ اتنا حسین اور دلکش منظر تھا کہ ہم نے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أہل العلم والفضل أحق بالامامۃ، 1،241، رقم 6492۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب استخلاف الامام إذا عرض لہ عذر من مرض وسفر، 1،315، رقم 419،3۔ ابن خزیمہ، الصحیح، 2،372، رقم 1488)

زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کا مداوا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت صحابہ کرام کے لئے اتنی بڑی قوت اور سعادت تھی کہ یہ بھوکوں کی بھوک رفع کرنے کا ذریعہ بھی بنتی تھی۔ چہرۂ اقدس کے دیدار کے بعد قلب ونظر میں اترنے والے کیف کے سامنے بھوک و پیاس کے احساس کی کیا حیثیت تھی؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کبھی اس وقت باہر تشریف نہ لاتے تھے اور نہ ہی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا۔

دراصل ہوا یوں تھا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بھوک سے مغلوب باہر تشریف لے آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیقِ سفر اور یارِ غار سے پوچھا، اے ابوبکر! تم اس وقت کیسے آئے ہو؟ اس وفا شعار پیکرِ عجز و نیاز نے ازراہِ مروّت عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف آپ کی ملاقات، چہرۂ انور کی زیارت اور سلام عرض کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی اسی راستے پر چلتے ہوئے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گئے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے عمر! تمہیں کون سی ضرورت اس وقت یہاں لائی؟ شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے نے حسب معمول لگی لپٹی کے بغیر عرض کی، یارسول اللہ! بھوک کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔

(ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الزہد، باب فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، 583,4، رقم ,23692 ترمذی، الشمائل المحمدیۃ، 312,1، رقم ,373،3 حاکم، المستدرک، 145,4، رقم ,7178)

شمائل ترمذی کے حاشیہ پر مذکورہ حدیث کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لئے تشریف لائے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے اپنی بھوک مٹانا چاہتے تھے، جس طرح مصر والے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے اپنی بھوک کو مٹالیا کرتے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل میں بھی یہی راز مضمر تھا۔ مگر مزاج شناسِ نبوت نے اپنا مدعا نہایت ہی لطیف انداز میں بیان کیا اور یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نورِ نبوت کی وجہ سے ان کا مدعا بھی آشکار ہو چکا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیوں طالبِ ملاقات ہیں اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نورِ ولایت کی وجہ سے واضح ہو چکا تھا کہ اس گھڑی آقائے مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار انہیں ضرور نصیب ہوگا۔

(شمائل الترمذی، 27، حاشیہ 3)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں جاں نثاروں کی حالت سے باخبر ہونے پر اپنی زیارت کے طفیل ان کی بھوک ختم فرمادی۔ یہ واقعہ باہمی محبت میں اخلاص اور معراج کا منفرد انداز لیے ہوئے ہے۔

ٹکٹکی باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

کائنات کا سارا حسن و جمال نبیِ آخر الزماں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور میں سمٹ آیا تھا۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے مشرف ہونے والا ہر شخص جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح کھو جاتا کہ کسی کو آنکھ جھپکنے کا یارا بھی نہ ہوتا اور نگاہیں اٹھی کی اٹھی رہ جاتیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے چہرۂ انور) کو (اس طرح ٹکٹکی باندھ کر) دیکھتا رہتا کہ وہ اپنی آنکھ تک نہ جھپکتا۔

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس جاں نثار صحابی کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا، اس (طرح دیکھنے) کا سبب کیا ہے؟ اس عاشقِ رسول صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ (قاضی عیاض، الشفاء، 5662,2، قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، 94,2)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود سپردگی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال میں اس طرح کھو جاتے کہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو جاتے۔

سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خواہشِ زیارت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح چہرۂ نبوت کے دیدارِ فرحت آثار سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک پسند و دلبستگی کا کیا معیار تھا؟ اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار سے متعلق درج ذیل روایت سے بخوبی ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں، خوشبو، نیک خاتون اور نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے بھی تین ہی چیزیں پسند ہیں، آپ صلی اللہ علیک وسلم کے چہرۂ اقدس کو تکتے رہنا، اللہ کا عطا کردہ مال آپ صلی اللہ علیک وسلم کے قدموں پر نچھاور کرنا اور میری بیٹی کا آپ صلی اللہ علیک وسلم کے عقد میں آنا۔ (ابن حجر، منبہات، 21-22،5.)

شیخین رضی اللہ عنہما کا منفرد اعزاز کا بیان

صدیقِ باوقار رضی اللہ عنہ کو سفرِ ہجرت میں رفاقتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز حاصل ہوا، جبکہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مرادِ رسول ہونے کے شرفِ لازوال سے مشرف ہوئے۔ ان جلیل القدر شخصیات کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں کئی دیگر حوالوں سے بھی خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہوتے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ان میں ہوتے تو کوئی صحابی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کرتا، البتہ ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو مسلسل دیکھتے رہتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو دیکھتے، یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسکراتے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔

(ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فی مناقب أبی بکر و عمر کلیھما، 612,5، رقم 36682، أحمد بن حنبل، المسند، 150,3، 3، طیالسی، المسند، 1، 275، رقم 2064، 6، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کیفیت اضطراب)

یوں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی آرزو اور تمنا ہر صحابی رسول کے دل میں اس طرح بسی ہوئی تھی کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکون کی دولت نصیب ہوتی اور معرفتِ الٰہی کے دریچے ان پر روشن ہو جاتے۔ اُن کے دل کی دھڑکن میں زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اس درجہ سما گئی تھی کہ اگر کچھ عرصہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار میسر نہ آتا تو وہ بے قرار ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر جو کیفیت گزرتی تھی اس کے بارے میں وہ خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گزاری کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں (تو تمام غم بھول جاتا ہوں اور) دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، پس مجھے تمام اشیاء (کائنات کی تخلیق) کے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق پانی سے کی ہے۔ (احمد بن حنبل، المسند، 323,2، 2، حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 176,4، رقم 7278)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر کوئی فنا فی الرسول کے مقام پر فائز تھا اُن کا جینا مرنا، عبادت ریاضت، جہاد تبلیغ سب کچھ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب تھا۔ اس لئے وہ اپنے آقا و مولا سے ایک لمحہ کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے اور ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میں مست و بے خود رہتے۔

بعد از وصال صحابہ کرام کے معمول زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

گزشتہ دلائل میں مذکور واقعات سے ثابت ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح و شام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دیدار سے اپنے مضطرب قلوب و اذہان کو راحت و سکون بہم پہنچاتے رہے اُن کے دل میں ہر لمحہ یہ تمنا رہتی تھی کہ اُن کا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اُن سے جدا نہ ہو پس جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیاتِ محبت کا والہانہ اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں ہوا، اسی طرح بعد از وصال بھی وہ دیوانہ وار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دیتے اور اس حاضری میں بھی ان کی کیفیات دیدنی ہوتیں۔ یعنی ادبِ بارگاہِ رسالت کے ساتھ ساتھ محبت اور عشق کی تمام تر بے قراریاں، جذب و شوق اور کیفیتِ فراق اور غمِ ہجر کی لذتیں ان کے ایمان کو جلا بخشتی تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کے حوالہ سے صحابہ کرام کے ان ہی کیفیاتِ شوق پر مبنی معمولات درج ذیل ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت کعب الاحبار کے قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کیا آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت اور فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے میرے ساتھ مدینہ منورہ چلیں گے؟ تو انہوں نے کہا، جی! امیر المؤمنین۔ پھر جب حضرت کعب الاحبار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو سب سے پہلے بارگاہِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی اور سلام عرض کیا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مدفن مبارک پر کھڑے ہو کر اُن کی خدمت میں

سلام عرض کیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ (واقدی، فتوح الشام، 1، 244، 2، سبکی، الجوہر المنظم، 28، 27،)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ آپ اکثر روضہ مبارک پر حاضر ہوا کرتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں، میں اس مکان میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد گرامی مدفون ہیں جب داخل ہوتی تو یہ خیال کر کے اپنی چادر (جسے بطور برقع اوڑھتی وہ) اتار دیتی کہ یہ میرے شوہر نامدار اور والدِ گرامی ہی تو ہیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا تو اللہ کی قسم میں عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے بغیر کپڑا لپیٹے کبھی داخل نہ ہوئی۔

(أحمد بن حنبل، المسند، 6، 202، 2، حاکم، المستدرک، 3، 61، رقم 4402، 3، مقریزی، إمتاع الاسماع، 14، 607)

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روضۂ اقدس پر حاضری کا ہمیشہ معمول تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہلِ مدینہ کو قحط سالی کے خاتمے کے لئے قبرِ انور پر حاضر ہو کر توسل کرنے کی تلقین فرمائی۔ امام دارمی صحیح إسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ایک مرتبہ مدینہ کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اپنی دگرگوں حالت کی) شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس جاؤ اور اس سے ایک روشندان آسمان کی طرف کھولو تا کہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ایسا کرنے کی دیر تھی کہ اتنی زوردار بارش ہوئی جس کی وجہ سے خوب سبزہ اُگ آیا اور اُونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے۔ پس اُس سال کا نام ہی عام الفتق (سبزہ و کشادگی کا سال) رکھ دیا گیا۔

(دارمی، السنن، 1، 56، رقم 92، 2، ابن جوزی، الوفا باحوال المصطفی، 817، 818، رقم 1534، 3، سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام، 128)

ثابت ہوا کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہلِ مدینہ کو رحمتیں اور برکتیں حاصل کرنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کو وسیلہ بنانے کی ہدایت فرمائی، جس سے اُن پر طاری شدید قحط ختم ہو گیا، اور موسلا دھار بارش نے ہر طرف بہار کا سماں پیدا کر دیا۔ جہاں انسانوں کو غذا ملی وہاں جانوروں کو چارا ملا، اِس بارش نے اہلِ مدینہ کو اتنا پر بہار اور خوشحال بنا دیا کہ انہوں نے اس پورے سال کو عام الفتق (سبزہ اور کشادگی کا سال) کے نام سے یاد کیا۔

بعض لوگوں نے اس روایت پر اعتراضات کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی سند کمزور ہے لہٰذا یہ روایت بطورِ دلیل پیش نہیں کی جاسکتی لیکن مستند علماء نے اِسے قبول کیا ہے اور بہت سی ایسی اسناد سے استشہاد کیا ہے جو اس جیسی ہیں یا اس سے کم مضبوط ہیں۔ لہٰذا اس روایت کو بطورِ دلیل لیا جائے گا کیونکہ امام نسائی کا مسلک یہ ہے کہ جب تک تمام محدثین ایک راوی کی حدیث کے ترک پر متفق نہ ہوں، اس کی حدیث ترک نہ کی جائے۔ (عسقلانی، شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الأثر)

ایک اور اعتراض اس روایت پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی صرف صحابیہ تک پہنچتی ہے، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے۔ اس لئے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک اس کی اسناد صحیح بھی ہوں تو یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ ذاتی رائے پر مبنی ہے اور بعض اوقات صحابہ کی ذاتی رائے صحیح ہوتی ہے اور بعض اوقات اس میں صحت کا

معیار کمزور بھی ہوتا ہے، لہٰذا ہم اس پر عمل کرنے کے پابند نہیں۔

اس بے بنیاد اعتراض کا سادہ لفظوں میں جواب یہ ہے کہ نہ صرف اس روایت کی اسناد صحیح اور مستند ہیں بلکہ کسی بھی صحابی نے نہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تجویز کردہ عمل پر اعتراض کیا اور نہ ہی ایسا کوئی اعتراض مروی ہے جس طرح حضرت مالک دار رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں اس آدمی پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا جو قبرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر بارش کے لیے دعا کرتا ہے۔ یہ روایتیں صحابہ کا اجماع ظاہر کرتی ہیں اور ایسا اجماع بہر طور مقبول ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس عمل کو ناجائز یا بدعت نہیں کہہ سکتا کہ جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سکوت نے جائز یا مستحب قرار دیا ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کے لزوم کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں، ہمارے لیے ان کی رائے ہمارے بارے میں ہماری اپنی رائے سے بہتر ہے۔ (ابن قیم، أعلام الموقعین عن رب العالمین، 186,2)

ابنِ تیمیہ نے اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی میں روضۂ اقدس کی چھت میں اس طرح کا کوئی سوراخ موجود نہیں تھا۔ یہ اعتراض کمزور ہے کیونکہ امام دارمی اور ان کے بعد آنے والے أئمہ وعلماء اس طرح کی تفصیل متاخرین سے زیادہ بہتر جانتے تھے۔ مثال کے طور پر مدنی محدّث ومؤرخ امام علی بن احمد سمہودی نے علامہ ابنِ تیمیہ کے اعتراض کا ردّ اور امام دارمی کی تصدیق کرتے ہوئے وفاء الوفاء (560,2) میں لکھا ہے۔

زین المراغی نے کہا، جان لیجئے کہ مدینہ کے لوگوں کی آج کے دن تک یہ سنت ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں روضۂ رسول کے گنبد کی تہہ میں قبلہ رُخ ایک کھڑکی کھولتے اگرچہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان چھت حائل رہتی۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے دور میں بھی مقصورہ شریف، جس نے روضہ مبارک کو گھیر رکھا ہے، کا باب المواجہ یعنی چہرۂ اقدس کی جانب کھلنے والا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور لوگ وہاں (دعا کے لیے) جمع ہوتے ہیں۔ (سمہودی، وفاء الوفاء، 560,2)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے دعا کرنے کا معمول عثمانی ترکوں کے زمانے یعنی بیسویں صدی کے اوائل دور تک رائج رہا، وہ یوں کہ کہ جب قحط ہوتا اور بارش نہ ہوتی تو اہلِ مدینہ کسی کم عمر سید زادہ کو وضو کروا کر اوپر چڑھاتے اور وہ بچہ اس رسی کو کھینچتا جو قبرِ انور کے اوپر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق سوراخ کے ڈھکنے کو بند کرنے کے لئے لٹکائی ہوئی تھی۔ اس طرح جب قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہتا تو بارانِ رحمت کا نزول ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس لوٹتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری دیتے اور عرض کرتے۔

السّلام علیك یا رسول اللہ! السّلام علیك یا أبا بکر! السّلام علیك یا أبتاہ!

اے اللہ کے (پیارے) رسول! آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلامتی ہو، اے ابا جان! آپ پر سلامتی ہو۔

(عبدالرزاق، المصنف، 576,3، رقم 6724,2، ابن أبي شيبة، المصنف، 28,3، رقم 11793,3، بيهقي، السنن الكبرى، 245,5، رقم 10051)

قاضی عیاض نے الشفاء (671,2) میں جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سو (100) سے زائد مرتبہ قبرِ انور پر حاضری دیتے ہوئے دیکھا، اور مقریزی نے بھی إمتاع الاسماع (14, 618) میں یہی نقل کیا ہے۔ ابن الحاج مالکی نے المدخل (261,1) میں اس کی تائید کی ہے۔ علاوہ ازیں ابنِ حجر مکی نے الجوہر المنظم (ص 28) اور زرقانی نے شرح المواہب اللدنیۃ (198,12) میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جب سفر سے واپس لوٹتے تو مسجدِ (نبوی) میں داخل ہوتے اور یوں سلام عرض کرتے۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! السَّلَامُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ! السَّلَامُ عَلَى أَبِي.

اے اللہ کے (پیارے) رسول! آپ پر سلام ہو، ابوبکر پر سلام ہو (اور) میرے والد پر بھی سلام ہو۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر دو رکعات نماز ادا فرماتے۔

(ابن إسحاق أزدي، فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، 91.90، رقم 97-982. ابن حجر عسقلانی نے المطالب العالیۃ (371,1، رقم 1250) میں عمر بن محمد کی اپنے والد سے نقل کردہ روایت بیان کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابو اُمامہ بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آتے دیکھا، انہوں نے (وہاں آ کر) توقف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ شاید میں نے گمان کیا کہ وہ نماز ادا کرنے لگے ہیں۔ پھر انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کیا، اور واپس چلے آئے۔

(بیہقی، شعب الایمان، 491,3، رقم 4164,2، قاضی عیاض، الشفاء، 671,2,3، مقریزی، إمتاع الأسماع، 618,14)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقط بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام عرض کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لئے بھی مسجدِ نبوی میں آتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا معمول

امام محمد بن منکدر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب روتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں (فراقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) میں آنسو بہائے جاتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ، میری قبر اور منبر کے درمیان والی جگہ بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (بیہقی، شعب الایمان، 491,3، رقم 4163,2، أحمد بن حنبل، المسند، 389,3,3، أبو یعلی، المسند، 190,2، رقم 1778)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب میں زیارت کا حکم

عاشقِ مصطفیٰ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد یہ خیال کر کے شہرِ

دلبر مدینہ منورہ سے شام چلے گئے کہ جب یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ رہے تو پھر اس شہر میں کیا رہنا! حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس فتح کیا تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے خواب میں آئے اور فرمایا۔ اے بلال! یہ فرقت کیوں ہے؟ اے بلال! کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم ہم سے ملاقات کرو؟

اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ اشک بار ہو گئے۔ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو حکم سمجھا اور مدینے کی طرف رختِ سفر باندھا، اُفتاں وخیزاں روضۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی اور بے چین ہو کر غمِ فراق میں رونے اور اپنے چہرے کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ملنے لگے۔

(سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام، 2،39. ابن حجر مکی، الجوہر المنظم، 3،27. ذہبی، سیر أعلام النبلاء، 1،358. 4. ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، 7،137. 5. شوکانی، نیل الأوطار، 5،180)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت داؤد بن صالح سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ مروان بن الحکم روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہے۔ مروان نے اسے کہا، کیا تو جانتا ہے کہ تو یہ کیا کر رہا ہے؟ جب مروان اس کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے جواب دیا ہاں (میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں)، میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔

(أحمد بن حنبل، المسند، 5،422. 2. حاکم، المستدرک، 4،560، رقم، 8571. 3. طبرانی، المعجم الکبیر، 4،158، رقم، 3999) امام احمد بن حنبل کی بیان کردہ روایت کی اِسناد صحیح ہیں۔ امام حاکم نے اسے شیخین (بخاری و مسلم) کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا بارگاہِ نبوت میں سلام

یزید بن ابی سعید المقبری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ جب میں نے انہیں الوداع کہا تو انہوں نے فرمایا مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے، پھر فرمایا، جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضری دے کر میری طرف سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) سلام (کا تحفہ و نذرانہ) پیش کر دیجئے گا۔

(بیہقی، شعب الایمان، 3،492، رقم، 4166-4167. 2. قاضی عیاض، الشفاء، 2،670. 3. مقریزی، إمتاع الأسماع، 14،618. 4. ابن حاج، المدخل، 1،261. 5. قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، 4،573)

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ ایک قاصد کو شام سے بارگاہِ نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم میں اپنی طرف سے درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔

(بیہقی، شعب الایمان، 3،491، 492، رقم،4166، 2، ابن حاج، المدخل، 1،261)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک صحابیہ آئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں گھائل تھی۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنے کی درخواست کی۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے وقت وہ عورت اتنا روئی کہ اس نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ (قسطلانی، المواہب اللدنیہ، 4،581، 2، زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، 12،196)

درج بالا علمی تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اور بعد از وصال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضری دیا کرتے تھے۔ اُن کا حاضری دینے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ آقا علیہ السلام کی حیات اور بعد از وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات و برکات سے مستفید ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جمیع امتِ مسلمہ کا بھی یہ معمول رہا ہے کہ وہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دینے کو اپنے لئے باعثِ سعادت و خوش بختی سمجھتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا بیان

2041 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ، حَدَّثَنَا الْمُقْرِئُ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ، عَنْ أَبِي صَخْرٍ حُمَيْدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے' تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے' یہاں تک کہ میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں"۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں جو مقالات کاظمی میں اس طرح درج ہے۔

محترم حضرات!

ہم سب اس ارضِ مقدس پر حاضر ہیں۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو دیارِ حبیب، دیارِ رحمت اور دربارِ نبوت میں پناہ گزیں

2041- اسنادہ حسن. ابو صخر حمید بن زیاد - وہو الخراط - حسن الحدیث. وقد صححہ النووی فی "الاذکار"، وجود اسنادہ الحافظ العراقی فی "تخریج احادیث الاحیاء" (965). المقرء: ہو عبد اللہ بن یزید المکی، وحَیْوَۃ: ہو ابن شریح. واخرجہ اسحاق بن راہویہ فی "مسندہ" (526)، واحمد فی "مسندہ" (10815)، والبیہقی فی "السنن الکبری" /2455، وفی "الدعوات الکبیر" (158)، وفی "شعب الایمان" (1581)، وفی "حیاۃ الانبیاء بعد وفاتہم" (15)، والقاضی عیاض فی "الشفا" /782-79 من طریق ابی عبد الرحمن عبد اللہ بن یزید المقرء، بہذا الاسناد.

ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اس پناہ کو ہمیشہ قائم رکھے اور انہیں کبھی بھی دیارِ نبوت سے جدا نہ کرے۔ ہم تو اس قابل نہیں کہ دیارِ حبیب میں زیادہ عرصہ ٹھہر سکیں لیکن سرکار کا کرم ہے، ہم جیسے نابکاروں کو بھی یاد فرمالیا۔ میں جب بھی ارضِ مقدس پر آتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

میرے لئے یہاں کے آداب بجالانا میرے ممکنات سے نہیں۔ اس لئے میں سرکار کی بارگاہ میں عرض کر دیتا ہوں کہ سرکار ایمان کے ساتھ رخصتی عطا فرمادیں۔ پھر ایمان کے ساتھ بلالیں پھر ایمان کے ساتھ بھیج دیں۔ میں مدینے میں پھر آؤں پھر جاؤں پھر آؤں پھر جاؤں تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے۔

میں اس بارگاہِ اقدس میں لب کشائی کی طاقت نہیں پاتا۔ لیکن اہلِ مدینہ کا اصرار اور میرا انکار ممکن نہیں کیونکہ میں اہلِ مدینہ کی ناراضگی کسی حال میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ محترم حضرات! میں سراپا خطا اور قصور ہوں۔ بہر حال میں آپ حضرات سے دست بستہ اس مدینے والے آقا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ میری کوئی بات ناپسند ہو تو اللہ کے لئے مجھے معاف کر دینا۔ آپ کی ناراضگی ناقابلِ برداشت ہے۔ اس لئے کہ آپ دیارِ حبیب کے رہائشی ہیں۔

احسانِ الٰہی

عزیزانِ محترم! میں آپ کے سامنے قرآن مجید سے ایک آیت پڑھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ''

''بیشک اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر جب اس نے ان میں عظمت والا رسول بھیجا ان ہی میں سے۔''

اور اس کا احسان یہ ہے کہ ''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ'' جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں ''وَيُزَكِّيْهِمْ'' اور انہیں پاک کرتا ہے ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

''وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

لیکن میرے محبوب نے ان کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر ہدایت عطا فرمائی ظلمت سے نور میں اور کفر سے ایمان میں لائے۔ باطل سے نکال کر راہِ حق عطا فرما کر خدا کے قرب میں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازا، جنہیں گنا بھی نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ ۱۴، النحل آیت ۱۸)

''اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں گن نہ سکو گے۔''

''وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً''

''اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اتنی نعمتیں عطا فرمائی کہ جن کو ہم گن نہیں سکتے لیکن کسی نعمت پر احسان نہیں جتایا۔ صرف ایک نعمت پر احسان جتایا۔ کیا؟

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا''

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور نعمتوں کی بنیاد پر احسان نہیں جتایا اور ہمیں بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى

''نہ ضائع کرو اپنی خیراتیں احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر۔''

احسان کے لوازمات

ہمیں تو احسان جتانے سے روک دیا اور خود احسان جتا رہا ہے۔ اس احسانِ عظیم میں تین باتیں قابلِ توجہ ہیں

☆ احسان میں ایک احسان جتانے والا ہوتا ہے۔

☆ دوسرا وہ جس پر احسان ہو۔

☆ تیسری وہ چیز جس کی بنیاد پر احسان جتایا جاتا ہے۔

ان تینوں باتوں میں سے ایک بات نہ ہو تو احسان جتانے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اب احسان جتانے والا کون ہے؟ ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ'' اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ احسان جتانے والا ہے اور احسان کن پر ہے؟ ''عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' مومنین پر احسان ہوا ہے۔ کس نعمت کی بنیاد پر احسان ہوا؟ ''اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا'' وہ نعمت عظمیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ اور وہ نعمت ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ نعمت عظمیٰ باقی ہے۔ اگر وہ نعمت باقی نہ ہو تو پھر احسان کیسا؟ اگر آپ کسی کو کوئی نعمت دیں اور پھر خود اس سے واپس لے لیں تو کیا آپ کو کوئی احسان جتانے کا حق رہے گا؟ ہرگز نہیں۔ یعنی آپ نے مجھے ایک چھوٹا سا رومال دیا اور پھر صبح آ گئے اور واپس لے گئے۔ آپ پھر تشریف لا کر یہ کہیں کہ بھائی میرا آپ پر بڑا احسان ہے کہ تمہیں رومال دیا تھا؟ تو ہم کہیں گے بھائی آپ نے احسان تو ضرور کیا تھا مگر آپ نے تو وہ رومال واپس لے لیا اب احسان کس چیز کا ہے۔ احسان کی بنیاد تو ختم ہو گئی تو احسان بھی نہ رہا۔ نعمت واپس کرنے کے بعد تو احسان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہ نعمت کیا ہے؟ ابھی میں نے بتایا، ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا'' وہ نعمت رسول کی ذات پاک ہے۔ اب اگر اللہ جل مجدہٗ نے رسول ہم سے واپس لے لیا تو پھر اللہ تعالیٰ احسان کس چیز کا جتا رہا ہے؟

شبہ اور اس کا ازالہ

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ احسان تو صرف انہی لوگوں پر ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ جب تک رسول ان میں زندہ رہے ان لوگوں پر احسان تھا۔ تو جو لوگ بعد کو پیدا ہوئے ان پر تو کوئی احسان نہیں؟ اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم پر کوئی احسان نہیں تو میں کہوں گا کہ ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' اللہ تعالیٰ نے یہ احسان صرف اولین اور آخرین پر نہیں اور نہ صرف موجودین پر بلکہ احسان تو تمام مومنین پر فرمایا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم مومن ہو یا نہیں۔ اگر تم کہو کہ ہم مومن ہی نہیں تو تم پر واقعی کوئی احسان نہیں۔ تو اس میں ہمارا کیا قصور......؟ تم اپنے آپ کو خود ہی مومنین سے الگ کر لو تو تمہاری مرضی......! ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ مومنین جمع ہے اور اس پر الف لام داخل ہے۔ تو جب ''جمع پر الف لام'' داخل ہو تو پھر وہ جمعیت کے معنے میں نہیں رہتی تو وہ استغراق کے معنی میں ہوتی

ہے۔ جمعیت باطل ہو جاتی ہے۔ جمعیت کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمع کا اطلاق تین فرد سے کم پر نہیں ہوتا۔ لیکن استغراق میں ایک سے لے کر لامتناہی ہوتے ہیں۔ تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ایک مومن سے لے کر لامتناہی مومنین تک ہے۔ یعنی قیامت تک جتنے مومن پیدا ہوں گے، خدا کا یہ احسان ہر ایک مومن پر رہے گا۔ یہ نہیں کہ یہ احسان فقط اہل عصر (صحابہ) پر ہو بلکہ یہ احسان سارے مومنین پر ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے

''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا'' (النساء، ۱۰۳)

''بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔''

یعنی نماز مومنین پر ''كِتَابًا مَّوْقُوْتًا'' ہے۔ جب وقت آئے نماز فرض اور یہ نماز کن پر فرض ہے۔ ''عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' مومنین پر۔ اور یہاں بھی یہ حکم مومنین پر ہے۔ اب یا تو یہ کہو کہ ہم تو اس زمانہ میں نہیں تھے۔ اس لئے ہم پر نماز فرض نہیں ہے۔ اگر تم پر احسان نہیں ہے تو تم پر نماز بھی فرض نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ نماز ہم پر فرض ہے تو احسان تم پر پہلے ہے۔ وہاں بھی ''عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' ہے اور یہاں بھی ''عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' ہے۔ ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' اور ''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا''۔ اگر نماز سب پر فرض ہے تو احسان بھی سب پر ہے۔ یعنی قیامت تک آنے والے ہر مومن پر احسان ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ احسان تب ہوگا، جب نعمت موجود ہو۔ اگر خدا نے رسول کو واپس لے لیا تو احسان کس بات کا؟ تو پتہ چلا کہ قیامت تک وہ نعمت باقی رہے گی تا کہ یہ احسان برقرار رہے اور اس لئے قرآن نے کہا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (الحجرات۔ پ۲۶، آیت ۷)

''اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول (موجود) ہیں۔''

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کا رسول ہم میں موجود نہیں ہے۔ یعنی حضور زندہ نہیں..... تو میں کہوں گا کہ حضور نعمت ہیں۔ اور حضور موجود ہیں۔ اور موجود تبھی ہو سکتے ہیں، جب آپ زندہ ہوں۔ بغیر زندہ آپ موجود ہو ہی نہیں سکتے۔ رسالت تو ایک عمل ہے اور رسالت کے معنی پیغامبری کے ہیں کہ اللہ کا پیغام اللہ کی مخلوق تک پہنچانا۔ اور یہ پیغام پہنچانا ایک عمل ہے۔ تو آپ ہی بتائیں کہ مردہ عمل کیسے کرے گا؟ مردہ عمل ہرگز نہیں کر سکتا...... پھر اب اگر آپ یہ کہیں کہ اس وقت پیغام لانے کا مسئلہ تھا تو جب حضور کی وفات ہوگئی تو پیغام لانے کا مسئلہ ہی ختم ہو گیا۔ اب اگر آپ کی یہ بات مان لیں تو پھر رسالت کا خانہ ہی خالی ہو گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب رسول ہی نہ رہا تو عمل رسالت کیسے جاری رہا؟ تو گویا عمل رسالت بھی نہ رہا تو پھر ہم جو کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ کیا معنی؟ معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ عمل رسالت جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر نماز میں ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ'' کہتے ہیں۔

رسالت رسول کے بغیر ممکن نہیں

عزیزانِ محترم!

میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ جب نعمت موجود نہ ہو تو احسان نہیں ہوتا۔ اور رسول زندہ نہ ہو تو عمل رسالت جاری نہیں رہتا...... آقائے

مدنی تاجدارِ حرم ﷺ کی ذات پاک پر تو خدا نے احسان جتایا کہ میں نے محبوب کی نعمت تم کو دی ہے۔ اگر نعمت نہ ہو تو احسان ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ نعمت سے صحتِ احسان ہے یعنی احسان ہے۔ اگر احسان ہے تو پھر رسول بھی ہیں۔ اب یہ کہنا کہ رسالت تو موجود ہے مگر رسول نہیں ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی کہ کوئی صفت موصوف کے بغیر ہو جائے۔ صفت تو عرض ہوتی ہے اور موصوف قائم بالذات ہوتا ہے۔ یعنی صفت موصوف کے ساتھ ہوتی ہے۔ صفت کا وجود موصوف کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ کہیں آپ نے چراغ کے بغیر روشنی نہیں دیکھی ہوگی اور نہ کبھی آپ نے یہ دیکھا ہوگا کہ روشنی ہو اور چاند نہ ہو۔ سورج نہ ہو اور سورج کی روشنی ہو؟ رسالت ہو اور رسول نہ ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر سورج کی روشنی ہے تو وہ سورج کے وجود کی دلیل ہے۔ یوں سمجھو کہ روشنی رسالت ہے اور رسول سورج ہے۔ تو لہٰذا تمہیں کبھی یہ شبہ ہوا کہ سورج کی روشنی تو موجود ہے۔ ذرا دروازہ کھول کر دیکھ لیں کہ سورج ہے کہ نہیں ہے؟ اور تمہیں کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا ہوگا۔ جب تمہیں یہ خیال نہیں آیا تو رسالت کی موجودگی میں رسول کے نہ ہونے کا خیال کیسے آ گیا؟ تو پتہ چلا، جس طرح سورج کے بغیر روشنی نہیں ہوسکتی، اسی طرح رسول کے بغیر بھی رسالت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے رسول ہم میں موجود ہیں اور اللہ کے حبیب آج بھی رسول ہیں۔ کیونکہ جس طرح چاند، سورج اور چراغ کے بغیر روشنی ممکن نہیں اسی طرح رسول اور نبی کے بغیر بھی رسالت اور نبوت ممکن نہیں۔

ختمِ نبوت زندہ باد

اب ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانا تب ہی جائز ہوگا جب خاتم الانبیاء کو زندہ مانو گے۔ حضور کو نعوذ باللہ مردہ مان کر ختمِ نبوت زندہ باد کا نعرہ لگانا بے معنے ہے۔ یہ نعرہ تو ہمارا ہے کیونکہ ہم خاتم الانبیاء کو زندہ مانتے ہیں۔ اس بات کو تو عقل بھی نہیں مانتی کہ رسول نہیں ہیں اور رسالت ہے نبی نہیں ہیں اور نبوت ہے؟ تو لہٰذا ماننا پڑے گا خاتم الانبیاء زندہ ہیں تو نبوت زندہ ہے۔ یقیناً رسول زندہ ہیں تو رسالت ہے۔ اگر رسول زندہ نہ ہوں اور نعمت رسول نہ ہو تو احسان کس نعمت کی بنیاد پر جتایا گیا۔ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ"

عزیزانِ گرامی! یہ بات بھی آپ کو بتادوں کہ حضور تاجدار مدنی جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالموں کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

"اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب!) مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت"

حضور تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں اور تمام عالمین کے رسول ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ ارسلت الی الخلق کافۃ

"میں اس ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

اور قرآن نے کہا

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

"اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر (قیامت تک) تمام لوگوں کے لئے اس حال میں کہ آپ خوشخبری سنانے

والے اور ڈرانے والے ہیں۔''

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا

''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتاری تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔''

وہ تو عالمین کے لئے نذیر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف نذارت اور وصف انذار، وصف رسالت اور وصف نبوت سارے عالموں میں چل رہا ہے اور کوئی عمل چل ہی نہیں سکتا جب تک عمل کرنے والا زندہ نہ ہو۔ عمل خود دلیلِ حیات ہے اور بے عملی موت۔ جیسے نبض کا چلنا، دل کا حرکت کرنا، یہ عمل ہیں، اگر نبض کا چلنا بند ہو جائے اور دل کا حرکت کرنا رک جائے تو پھر موت ہے۔ عمل سے تو حیات کا پتہ چلتا ہے اور میرے آقا کا عملِ رسالت ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا آپ مردہ ہو ہی نہیں سکتے۔

زبردست شبہ

آپ کہیں گے کہ قرآن کہتا ہے

''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمۡ مَّیِّتُوۡنَ''

''بے شک آپ پر موت آنی ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے۔''

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ فرماتا ہے

کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ''ہر جان تو موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔''

ایک مرتبہ خود سرکار نے فرمایا، ''انی مقبوض'' میں تو قبض کیا جانے والا ہوں۔ (۲) اور پھر حضرت ابوبکر کا وہ خطبہ جو سرکار کی وفات شریفہ کے موقعہ پر پڑھا گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی کہ جس نے کہا کہ سرکار نے وفات پائی، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ سرکار کی وفاتِ شریفہ کے موقع پر حضرت عمر کے ہوش و حواس بالکل باختہ ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات ہوئی تو پھر لوگ حضور کی وفات کے اعتقاد کو تسلیم نہیں کریں گے اور سرکار کی وفات کو مانیں گے ہی نہیں۔ پھر دین میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ''حی لا یموت'' تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

شانِ ابوبکر صدیق

اس طرح لوگ دین سے دور ہو جائیں گے۔ ہر ایک کا علم اس کے لائق ہوا کرتا ہے۔ حضرت عمر کا علم بے شک ان کے ظرف کے لائق تھا ان میں کوئی کمی نہیں تھی اور ان کا کوئی قصور نہ تھا مگر حضرت عمر فاروق سے زیادہ شان حضرت ابوبکر صدیق کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مقام پر اپنے آپ کو سنبھالا اور مسجد نبوی میں یہ خطبہ جو بخاری اور مسلم اور تمام کتب احادیث میں ہے، پڑھا۔ میں بخاری شریف سے خطبہ پڑھتا ہوں۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبے میں فرمایا

من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حی لا یموت (۳)

''تم میں سے اگر کوئی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

موت واقع ہوچکی اور اگر تم میں سے کوئی خدا کی عبادت کرتا ہو تو وہ سن لے ان اللہ حی لا یموت۔ بے شک خدا تو حی لا یموت ہے۔ اس کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا حال آہستہ آہستہ تدریجا تدریجا حضرت ابو بکر کے مقام پر اتر آیا۔

محترم حضرات!

یہ ساری باتیں میں نے وضاحت کر کے اس لئے کہی ہیں کہ اس پُرفتن دور میں کہیں آپ کو کوئی پریشان نہ کرے اور آپ کو اس کا جواب نہ آئے تو میں ان سب اعتراضات کا جواب دیتا جاؤں۔

محترم حضرات!

اب کوئی ان ساری باتوں کو سامنے رکھ کر یہ کہہ دے کہ رسول اللہ زندہ موجود ہیں تو یہ آیات اور احادیث کہاں جائیں گی۔ اس سے قبل کہ میں آپ کو اس کا جواب دوں تو اپنا عقیدہ بیان کردوں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم کامل حیات کے ساتھ زندہ موجود ہیں بلکہ آپ کا جسد پاک ایک آن کے لئے بھی حیات سے محروم نہیں ہوا۔ کیونکہ جس وقت جسد پاک حیات سے محروم ہو جائے، اسی وقت عملِ رسالت منقطع ہو جائے اور رسالت کا خانہ خالی ہو جائے۔ آپ تو رسول رب العالمین، نذیر للعالمین اور رحمت للعالمین ہیں۔ آپ تو رسول الی الخلق کافۃً کی شان رکھنے والے ہیں۔ اگر ایک آن کے لئے بھی حیات منقطع ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ایک آن کے لئے بھی سرکار کی ذات پاک حیات سے خالی نہیں ہوئی۔ ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے اور میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔ آپ پھر یہی کہیں گے کہ ان آیات اور احادیث کا کیا مطلب ہوگا؟ تو میں آپ کو بات سمجھا دوں۔ اگر آپ نے میری یہ بات سمجھ لی تو میری نجات ہو گئی۔

حضور کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا۔

عزیزانِ گرامی!

قرآن حق ہے۔ آمنا وصدقنا اور حدیث حق ہے۔ اور حدیث حق کیوں نہ ہو؟ وہ حضور کی بات ہی کب ہوتی ہے۔ قرآن نے کہا،

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" ''اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے''

یعنی وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں۔

"اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" (پ ۲۷، س النجم، آیت ۳۔ ۴)

''نہیں ہوتا ان کا فرمانا مگر وحی جو (ان کی طرف) کی جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس آیت ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى'' کے تحت فرماتے ہیں۔ کیف ینطق عن الھوٰی۔ مالیس الھوٰی۔ جو خواہشِ نفس سے پاک ہیں وہ خواہش نفس سے کیسے بولیں گے؟ اس لئے ان کا بولنا ان کا بولنا ہی نہیں۔ ان کا فرمانا رب کا فرمانا ہے۔ تو اسی لئے میں کہتا ہوں کہ سارے جہان کا نظام غلط ہوسکتا ہے، مگر خدا کی قسم! مصطفی کی زبان غلط نہیں ہوسکتی۔ نظام شمسی اور قمری کا غلط ہونا ممکن ہے۔ نظام ارضی اور سماوی کا غلط ہونا ممکن ہے۔ مگر زبانِ رسالت کا غلط ہونا ممکن ہی نہیں۔

اگر ہم سے کوئی پوچھے کیا وقت ہے دن ہے یا رات تو ہم وقت کے لئے گھڑی دیکھیں گے۔

دن رات کے لئے آسمان پر نظر دوڑائیں گے کہ دن ہے یا رات۔ کیونکہ واقع جو ہوگا وہی کہیں گے۔ اگر واقعہ یہ ہے کہ دن ہے تو دن کہیں گے۔ اگر واقع میں رات ہے تو رات کہیں گے۔ گویا ہم واقعہ کے دیکھنے کے محتاج ہیں۔ کہ جیسے واقعہ ہوگا ویسے ہی ہم کہیں گے۔ مگر خدا کی قسم! واقعہ مصطفیٰ کا محتاج ہے۔ جیسا فرمائیں ویسا ہی واقعہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

عزیزانِ محترم! میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ حضور تاجدار مدنی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بالکل حق ہے اور اس پر میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سناتا ہوں۔ یہ حدیث ابوداؤد جلد ثانی کتاب العلم ص ۱۵۷۔ ۱۵۸ پر موجود ہے۔ فرماتے ہیں حضور کی ہر مجلس میں ہر حدیث لکھ لیا کرتا تھا کہ بعض لوگوں نے کہا

ہو بشر یتکلم فی الغضب والرضاء

''وہ بشر ہیں کبھی راضی ہو کر بات کرتے ہیں، کبھی غصے میں بات کرتے ہیں۔''

کبھی بھول کر بات کر جاتے ہیں۔ ہر بات تو لکھنے کے قابل نہیں ہوتی۔ تم ہر بات کیوں لکھ لیا کرتے ہو؟ اب حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فوراً حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ''میرے آقا! میں تو آپ کی ہر ادا اور ہر حدیث لکھ لیتا ہوں لیکن میرے آقا! قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے یہ کہا کہ ''ہو بشر یتکلم فی الغضب والرضاء ''حضور کی ہر بات نہ لکھا کرو۔ سرکار! آپ فرمائیں، میں آپ کی ہر بات لکھوں یا نہ لکھوں۔'' سرکار نے فرمایا، ''اکتب یا عبد اللہ'' اے عبداللہ میری ہر بات لکھ لیا کر۔ اس لئے کہ ''فو الذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حقا'' اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس دہن (پاک) سے سوائے حق کے کچھ نکلتا ہی نہیں۔''

اللہ اکبر! تو میرے آقا نے فرمایا، ''انی مقبوض'' میں قبض کیا جانے والا ہوں۔ دراصل یہاں جو لفظ ''انی مقبوض'' ہے یہاں اس کے معنی ہیں کہ میری روح ضرور قبض ہوگی۔ میرا اور ساری دنیا کا اس پر ایمان ہے کہ حضور تاجدار مدنی ﷺ کی روح ہے۔ عبدہ ہے جس کی روح قبض ہو اور معبود وہ ہے جس پر کبھی یہ وقت نہ آئے۔ حی لا یموت کا یہی مفہوم ہے۔ ممکن اور واجب، اللہ اور عبد، رسول اور خدا کا فرق یہی ہے۔ سرور عالم ﷺ نے کبھی بھی اپنی الوہیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ فرمایا

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ''تمہارا معبود ایک معبود ہے۔''

اللہ ایک ہے۔ میں اللہ نہیں ہوں۔ میں رسول اللہ ہوں۔ رسول اور اللہ کا یہی فرق ہے کہ خدا پر کبھی قانون موت کی شکل میں بھی طاری نہ ہونے پائے۔ اگر رسول پر بھی اسی طریقے سے قانون طاری نہ ہو تو رسول تو رسول نہ رہے وہ خدا ہو گئے۔ آپ تو پھر ممکن نہ رہے واجب ہو گئے۔ آپ عبد نہ رہے، معبود ہو گئے۔ مگر آپ ایسے عبد مقدس ہیں

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر اوسراپا انتظار ایں منتظر (اقبال)

سرکار کی عبدیت کہاں اور ہماری عبدیت کہاں۔ ہم بھی عبد ہیں لیکن ہم کیسے عبد ہیں کہ کوئی نماز میں کہے السلام علیکم اور ہم نے

کہا، والسلام علیکم تو دونوں کی نماز گئی اور مصطفی بھی عبد ہیں۔ جب تک نماز میں مصطفی سے نہ بولیں تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ جب ریاض الجنۃ اور اصحاب صفہ کے چبوترے پر نماز پڑھتا ہوں تو سامنے مصطفی ہوتے ہیں تو "السلام علیک ایہا النبی" پڑھتے ہوئے بڑا مزہ آتا ہے۔ سرکار کی عبدیت پر ہمارا ایمان ہے۔ سرکار کی عبدیت وہ عبدیت نہیں جیسی ہماری تمہاری عبدیت ہے۔ حضور تو وہ عبد ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (پ۹: الانفال: ۲۴)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جاؤ، جب تمہیں رسول ﷺ اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کر دے گی۔"

یعنی فوراً میرے رسول کے بلانے پر دوڑتے چلے آؤ۔ خواہ تم نماز کی حالت میں کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایک صحابی سعید بن معلی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ سرکار نے بلایا اور دیر ہو گئی۔ انہیں مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ نماز پوری کر کے آئے۔ سرکار نے فرمایا، "تو نے دیر کیوں کی؟" عرض کیا، "حضور! نماز پڑھ رہا تھا۔" آقا نے فرمایا، "تو نے یہ آیت نہیں پڑھی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (پ۹: الانفال: ۲۴)

اب اگر رسول تم سے بولیں اور تم ان سے بولو تب بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔ ہم بھی عبد ہیں اور رسول بھی عبد ہیں۔ لیکن معبود اور عبد میں فرق ہونا چاہیے اور وہ یہی کہ خدا حی لا یموت ہے۔

حیات وموت کی اقسام

موت کی دو قسمیں اور حیات کی بھی۔ ایک موت حقیقی اور دوسری موت عادی۔ اسی طرح ایک حیات حقیقی اور دوسری حیات عادی۔ اب میں اگر اس کی تفصیل میں جاؤں تو بڑا وقت گزر جائے گا۔ نہایت اجمال کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ ایک موت تو عادی ہے۔ موت عادی کیا ہے؟ جسم سے روح کا قبض ہونا۔ یہ موت عادی ہے۔ یعنی عادتاً موت اس طرح آتی ہے کہ جسم سے روح قبض ہو جائے۔ لیکن موت عادی کے لئے حیات حقیقی کا نہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ موت عادی ہو جائے مگر حیات حقیقی موجود ہو۔ اب جو قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" اے پیارے حبیب! بے شک آپ پر قبضِ روح کا وقت آئے گا۔ اور "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کہ ہر ایک کی روح قبض ہوگی۔ اور سرکار نے یہ بھی فرمایا "انی مقبوض" کہ میری روح مبارک ضرور قبض ہوگی۔ اور "من كان يعبد محمدًا فان محمدًا قد مات" معاذ اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرنے والو! حضور پر قانون موت طاری ہو گیا۔ یعنی حضور پر قبضِ روح کا حال طاری ہو گیا۔ تو قبض روح کے ہم بھی قائل تھا۔ کیونکہ یہ فرق تو عبد و معبود کا ہے۔ لیکن قبض روح میں کیا ہوتا ہے؟ یعنی روح بدن سے باہر آجاتی ہے۔ جب روح بدن سے باہر آتی ہے تو کیا زندگی بدن کے اندر رہتی ہے یا نہیں ہوتی۔

بے شک زندگی بدن کے اندر رہتی ہے۔ کیونکہ حیات کو پیدا کرنا روح کا کام نہیں ہے۔ بلکہ حیات کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ نے تو ایک عادت بنا دی کہ بدن کے اندر روح ہو تو انسان زندہ ہے ورنہ مردہ۔ یہ تو محض ایک عادی بات ہے۔ اگر اللہ چاہے تو

بدن میں روح کے ہوتے ہوئے بھی مردہ کردے اور اللہ چاہے تو روح نکال کر بھی بدن کو زندہ رکھے۔ اس لئے میں حیران ہوں کہ اور باتوں میں کسی شے کو ثابت کرنا ہو تو۔ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہو جائے یعنی خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن خدا اس بات پر قادر نہیں کہ قبض روح کے مابعد اپنے حبیب کے جسم اقدس کو زندہ رکھ سکے۔ روح تو خالق نہیں، خالق تو خدا ہے۔ روح بدن میں ہو یا نہ ہو، خدا جب چاہے حیات پیدا کر سکتا ہے۔ اس کی مثالیں بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔

مسعود ربیع اور ربعی بن حراش کا واقعہ

مسعود بن حراش، ربیع بن حراش اور ربعی بن حراش تینوں بھائی جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے تابعی ہیں، ان میں سے مسعود بن حراش نے قسم کھائی کہ جب تک مجھے یہ پتہ نہ چلے کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں، تو میں نہیں ہنسوں گا۔ مجھے دنیا میں ہنس کر کیا کرنا ہے کیونکہ ہنسی تو خوشی کے لئے ہوتی ہے۔ خوشی تو جب ہوگی، جب معلوم ہو کہ میں جنتی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ہنسنا چھوڑ دیا اور ربیع بن حراش نے قسم کھائی کہ ہم نہیں بولیں گے جب تک ہمیں یہ علم نہ ہو جائے کہ ہم جنتی ہیں یا دوزخی۔ چنانچہ انہوں نے بولنا چھوڑ دیا اور ہر قسم کا کلام ترک کر دیا۔ صرف سلام کہتے جو شرعاً ضروری اور واجب ہے۔ اب تینوں بھائیوں کو اپنے اپنے وقت پر موت آگئی۔ مسعود بن حراش نے مرنے کے بعد ہنسنا شروع کر دیا۔ غسال غسل دیتا رہا، کفن پہناتا رہا۔ اپنا کام کرتا رہا اور مسعود بن حراش بھی ہنستے ہی رہے۔ اسی طرح ربیع بن حراش اور ربعی بن حراش کی روح جب قبض ہوئی تو غسال نے غسل دینے کے لئے سریر پر لٹایا تو انہوں نے بولنا شروع کر دیا۔ غسال غسل دیتا رہا اور یہ بولتے رہے۔ اپنے رب کا انعام و اکرام بیان کرتے رہے اور اپنے گھر والوں کو خوشخبریاں دیتے رہے۔ (مسلم شریف ج اول)

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں، یہ ہنسنا، بولنا اور اپنے رب کے انعام و اکرام بیان کرنا عمل ہیں کہ نہیں ہیں؟ عمل ہیں اور ہر عمل دلیلِ حیات ہوتا ہے۔ روح قبض ہو چکی ہے یعنی بدن میں روح نہیں ہے۔ لیکن حیات آچکی ہے۔ اگر مصطفی کے غلاموں کے بدن میں بغیر روح کے حیات ہو سکتی ہے تو مصطفی کے بدن میں کیسے حیات نہیں ہو سکتی؟ ضرور ہو سکتی ہے۔ اسی کو حیاتِ حقیقی کہتے ہیں۔ روح کا قبض ہونا موت عادی ہے۔ انک میت کے یہی معنی ہیں۔ اے میرے حبیب! عادتاً آپ پر بھی موت آئے گی اور تیری روح قبض ہوگی مگر یہ نہیں فرمایا کہ تیرا بدن حیات سے خالی ہو جائے گا۔

ابوجہل اور کنکریاں

عزیزانِ گرامی! دو باتیں اور یاد آگئیں۔ لوگ مولانا روم کی باتوں کو نہیں مانتے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ مثنوی، مولوی، معنوی...... ہست قرآن در زبان پہلوی

ابوجہل نے اپنے ہاتھ میں کنکریاں بند کر کے سرکار کی بارگاہ میں پیش کیا اور کہا،

اگر رسولی چیست، در دستم نہاں
چوں خبرداری راز آسماں

امام بیہقی نے بھی اس واقعہ کو دلائل نبوت میں لکھا تو سرکار نے فرمایا، میں بتاؤں تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ یا تیرے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ بتائے کہ میں کیا ہوں۔ اس نے کہا، یہ تو اور زیادہ تعجب کی بات ہے۔ سرکار نے فرمایا، تیرے ہاتھ میں گیارہ پتھر کے

ٹکڑے (کنکریاں) ہیں۔

اور ان پتھر کے ٹکڑوں سے سن لے کہ میں کیا ہوں؟ تو سب کے سب ٹکڑوں نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا اور کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب پتھر کے ٹکڑے کلمہ پڑھ رہے تھے۔ ان کے اندر کوئی روح نہیں تھی، مگر حیات تھی۔ پتھر کے اندر روح کے بغیر حیات ہوسکتی ہے۔ کیا نعوذ باللہ مصطفی کا جسم پاک پتھر سے بھی گیا گزرا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ پتھر تو کہیں ہوں گے۔ پتہ نہیں کہاں گئے۔ لیکن وہ ستون حنانہ (استن حنانہ) کھجور کا ستون تو ابھی تک موجود ہے۔ اے مدینے والو! استن حنانہ دیکھتے ہو کہ نہیں۔ میں ابھی زیارت کر کے آیا ہوں اور کل صبح بھی انشاء اللہ زیارت کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا ہے؟

استن حنانہ در ہجر رسول نال میزد ہمچوں ارباب عقول

استن حنانہ آپ کے فراق میں صاحب عقل کی طرح فریاد کرتا تھا۔ مثنوی کی بات تو قرآن و حدیث کا عطر ہے اور یہ حدیث بخاری شریف میں کئی سندوں میں موجود ہے کہ ایک خشک کھجور کی لکڑی کا ستون گاڑھ دیا گیا اور سرکار اس پر ٹیک لگا کر خطبہ فرماتے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کیا، "حضور! میرا ایک غلام نجار ہے۔ آپ اجازت فرمائیں تو منبر بنوا دوں۔" آپ نے فرمایا، "تمہاری مرضی۔" چنانچہ اس نے منبر بنوا کر پیش کر دیا۔ سرکار منبر پر جلوہ گر ہو گئے۔ استن حنانہ الگ رہ گیا۔ تو حدیث میں آتا ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ "وہ استن حنانہ اونٹنی کی سی غمناک آواز سے ٹکٹکی باندھ کر اتنا روئی کہ قریب تھا کہ ہمارے جگر پھٹ جاتے۔" (۴)

محترم حضرات! قابل توجہ بات ہے کہ استن حنانہ کا یہ رونا کیا تھا؟ اس میں روح انسانی تو در کنار، روح حیوانی اور نباتاتی بھی نہ تھی۔ یہ محض خشک لکڑی تھی مگر روئی، رونا عمل ہے اور یہ عمل حیات کی دلیل ہے۔ معلوم ہوا حیات حقیقی اس خشک کھجور کی لکڑی (استن حنانہ) میں تھی۔ شارح بخاری امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ روح کے بغیر بھی بدن میں حیات پیدا کر دے۔

اے حبیب! تیری اگلی شان پچھلی سے بہتر ہے۔

محترم عزیزو! سرکار کی روح ایک آن کے لئے قبض ضرور ہوئی تاکہ عبد اور معبود کا فرق ہو جائے۔ لیکن روح دوبارہ جسم اقدس میں لوٹا دی گئی کیونکہ اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں خواہ زمین و آسمان ہوں یا عرش و کرسی۔ اگر وہ روح اقدس کم جگہ پر ہوتی تو اصل مقام سے نیچے آجاتی لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (پ ۳۰ ع الضحیٰ، آیت ۴)

"اور بے شک (ہر) پچھلی (گھڑی) آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔"

یعنی تیری ہر اگلی شان پچھلی سے بہتر ہے۔ تو پتہ چلا کہ جب روح مبارک کے قبض ہونے "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" اور "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کا قانون پورا ہو گیا۔ تو روحِ اقدس مصطفی ﷺ کے جسمِ اقدس میں واپس جلوہ گر ہو گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ کوئی مقام جسمِ اقدس سے بہتر تو در کنار، برابر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میرے آقا کی روح پاک آج بھی حضور کے جسمِ اقدس میں جلوہ گر ہے۔

زید بن خارجہ کا واقعہ

محترم حضرات! اب مجھے زید بن خارجہ کا واقعہ یاد آ گیا۔ سنیئے اور خوب جھومئے۔ زید بن خارجہ تابعی تھے۔ جن کا انتقال حضرت عثمان غنی کی خلافت کے چوتھے سال ہوا۔ آپ کا جنازہ پڑا ہے کہ اچانک بولنے کی آواز آئی۔ لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ زید بن خارجہ بول رہے ہیں۔ وہ کیا بول رہے تھے؟ وہ فرمارہے تھے،

''احمد فی الکتاب الاول''

''ارے احمد کا کیا کہنا، وہ تو کتاب اول میں احمد مصطفی ہیں اور ابو بکر صدیق کا کیا کہنا وہ تو کتاب اول میں ابو بکر صدیق ہیں اور عمر کا کیا کہنا وہ تو کتاب اول میں عمر فاروق ہیں۔''

اس کے بعد فرماتے ہیں

''چار برس گزر چکے ہیں اور دو برس باقی ہیں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا۔''(۵)

لوگ اس بات کو نہ سمجھ سکے کیونکہ اس کا تعلق آنے والے واقعہ سے تھا۔ چنانچہ چار برس گزر چکے تھے اور دو برس بعد یہ ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سرکار کی سنت کی یاد تازہ کرنے کے لئے بئر عریض میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ جو حضور کے زمانہ اقدس سے حضرت عثمان غنی کے زمانہ تک انگوٹھی بردار رہے۔ انگوٹھی حضرت عثمان غنی کو دیتے یا لیتے وقت کنوئیں میں گر گئی۔ تو پھر کیا ہوا؟ فتنوں کے دروازے ایسے کھل گئے کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت انہی فتنوں کا نتیجہ ہوئی۔ دراصل وہ انگوٹھی آقائے مدنی تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر کے پاس آئی۔ حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر فاروق کے پاس۔ فاروق اعظم سے عثمان غنی کے پاس۔ تو پتہ چلا کہ سارا انتظام اس انگوٹھی کا صدقہ تھا۔ کیونکہ انگوٹھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی سے مس ہوئی تھی۔ جب وہ کنوئیں میں گر گئی تو خلاء پیدا ہو گیا۔ جب خلاء پیدا ہوا تو فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ خلافت کے آخری چھ سال عثمان غنی کے نہایت پریشانی میں گزرے۔ حتیٰ کہ شہید کر دیئے گئے۔

اب دیکھئے! زید بن خارجہ بولے اور علم کی بات بتائی۔ جو دنیا والوں کو معلوم نہ تھی۔ کسی کو بھی پتہ نہ تھا کہ دو سال بعد کیا ہونے والا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مصطفی کریم کو غیب کا علم نہیں۔ آپ کے غلام مرنے کے بعد غیب کی خبر دے رہے ہیں۔ زید بن خارجہ کلام بھی فرمارہے ہیں اور غیب کی خبر بھی دے رہے ہیں۔ مرنے کے بعد کلام فرمانا حقیقت حیات کی دلیل ہے۔ تو جن کے غلاموں کے مرنے کے بعد حیات کا یہ عالم ہے کہ مرنے کے بعد غیب کی خبر دے رہے ہیں، ان کے آقا کی حیات کا کیا عالم ہوگا؟

حضرت قثم بن عباس والی حدیث

عزیزان گرامی! اب خود آقا مدنی تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بات سنیئے۔ اس حدیث کو شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے۔ آقا کا انتقال ہو گیا۔ قثم بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور میں رکھا گیا تو سب سے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میں نے کی۔ تو میں نے کیا دیکھا کہ لب مبارک ہل رہے ہیں، جیسے کوئی بول رہا ہو۔ میرا جی چاہا اور میں بے قرار ہوا کہ سنوں حضور کیا فرمارہے ہیں؟ تو میں نے اپنے کان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے قریب کر

دیئے۔ حضور کے بعض الفاظ یہ تھے،

''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ'' (مدارج النبوۃ ج ثانی ص ۴۰۸)

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ روح قبض ہو چکی اور آپ ''اِنَّكَ مَيِّتٌ'' کا مصداق ہو چکے اور پھر آپ کلام فرما رہے ہیں۔ آپ کا یہ کلام فرمانا کیا ہے؟ یہی کلام فرمانا حیات حقیقی کی دلیل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ میرے آقا کا جسم پاک ایک آن کے لئے بھی حیات سے محروم نہیں ہوا۔ اس وقت بھی میرے آقا کا جسم پاک زندہ تھا۔ یہی زندگی تو یہی عمل رسالت ہے۔ عمل رسالت ایک آن کے لئے بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ موت سے مراد قبض روح ہے اور قبض روح پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قبض روح مبارک کے ساتھ حضور کا بدن مبارک حیات سے خالی ہوا یا نہیں۔ تم کہو خالی ہوا اور بغیر روح کے حیات نہیں ہو سکتی۔ تو پھر بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تم نے خالق روح کو مانا خدا کو نہیں۔

خرق عادت

عزیزان محترم! بعض امور عادیہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ بعض اوقات ان خرق عادات کو ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے تا کہ خدا کی سنت پر دلیل قائم ہو جائے۔ تو عادت تو یہ ہے کہ روح نکل جانے کے بعد کوئی نہیں بولتا۔ لیکن خرق عادت یہ ہے کہ اس سے پتہ چل جائے کہ روح کے بغیر بھی خدا حیات پیدا کر سکتا ہے۔ روح حیات کا مرکز قلب ہے، جس کو لوگ ہارٹ (Heart) کہتے ہیں۔ قلب کی حرکت بند ہو جائے تو کہتے ہیں کہ ہارٹ فیل (Heart Fail) ہو گیا۔ تو گویا روح نکل گئی۔

محترم حضرات! عمل جراحت ان اسباب عادیہ کے ماتحت ہوتے ہیں جو اللہ نے پیدا کئے ہیں اور ڈاکٹروں کو بڑے بڑے انتظامات کے ساتھ مخصوص آلات استعمال کرنے پڑتے ہیں اور پھر ہر ڈاکٹر بھی قلب کا آپریشن نہیں کر سکتا۔ آپ نے کبھی بھی نہیں دیکھا ہو گا کہ کسی ڈاکٹر نے کسی چلتے ہوئے انسان کو لٹا کر اس کا قلب نکال لیا ہو اور پھر وہ انسان زندہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ مرکز حیات قلب ہے۔ حرکت قلب بند ہو گئی تو روح بھی چلی گئی اور پھر آپ کو پتہ ہے حضور کا سائنسی زمانہ نہ تھا۔ کوئی مرہم پٹی اور جراحی آلات نہ تھے۔ مگر حضور کے قلب انور کو چار دفعہ باہر نکالا گیا اور قلب پاک کا شگاف بھی کیا گیا اور آب زم زم کو شرف اور فضیلت بخشنے کے لئے قلب انور سے نسبت دی گئی یعنی قلب انور کو دھویا گیا۔ نہ کہ نعوذ باللہ قلب میں خرابی تھی کہ دور کی گئی۔ اور قلب انور باہر کیوں نکالا گیا؟ اس لئے تا کہ پتہ چل جائے کہ قلب مبارک باہر ہے یعنی روح حیات باہر ہے اور روح حیات کے بغیر آپ زندہ ہیں۔ یہ شق صدر حیات بعد الموت کی دلیل ہو گئی کہ میرے محبوب کا جسم اقدس قبض روح کے بعد ایسے ہی زندہ رہے گا جیسے شق صدر کے بعد اور معراج کی رات کو بھی شق صدر ہوا اور قلب باہر نکالا گیا تو روح بھی باہر چلی گئی۔ کیونکہ مرکز حیات قلب انور ہے۔ مگر کیا ہوا؟ کہ آپ پر کوئی موت طاری نہ ہوئی اور جسم پاک زندہ رہا۔ اور یہ دلیل تھی کہ قلب پاک اور روح مقدس باہر ہے مگر جسم پاک زندہ ہے۔ جب جسم پاک زندہ ہے تو ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'' خدا کا احسان بھی ٹھیک بیٹھ سکتا ہے کہ نعمت موجود ہے اور نعمت مصطفیٰ کی ذات ہے۔ لہٰذا سرکار زندہ ہیں (زور دے کر بار بار فرمایا کہ سرکار زندہ ہیں) اور ''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ'' خوب یقین کر لو کہ تم میں خدا کے رسول موجود ہیں (یہاں بھی زور دے کر فرمایا کہ سرکار موجود ہیں)

واجب وممکن، عبد ومعبود، خدا اور رسول کا فرق واضح کرنے کے لئے "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" فرمایا گیا۔ یہاں "اِنَّكَ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" نہیں فرمایا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے لئے موت اور تھی اور دوسروں کے لئے الگ معنون کا لفظ فرمایا۔ اس لئے کہ ان کی موت اور تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "اِنَّكَ مَيِّتٌ" کا الگ لفظ فرمایا ورنہ سب کی موت ایک جیسی ہو جاتی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ویسی ہے جیسے آپ خود ہیں۔ میں تو یہ جانتا ہوں

"موت نیند کی بہن ہے اور حضور کی نیند کیسی تھی کہ سوتے میں جاگتے تھے۔"

بخاری شریف کی حدیث ہے (۶) کہ حضور سو گئے۔ حضرت عائشہ نے سرکار کے سونے کی آواز سنی اور جاگے وضو نہیں فرمایا نماز کی نیت باندھ لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، میرے آقا! آپ تو سو گئے تھے۔ سرکار نے فرمایا، "تنام عيني ولا ينام قلبي" "میرا آنکھ سوتی ہے، قلب نہیں سوتا۔"

جیسے جس کی نیند ہوتی ہے ویسے ہی ان کی موت ہوتی ہے۔ جیسے آپ کے سونے میں بیداری تھی ویسے آپ کی موت میں بھی حیات تھی۔ لہٰذا آپ قبض روح کے بعد بھی حیات ہیں اور زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے کیونکہ دلیل یہ ہے کہ خدا کا یہ احسان موجود ہے، احسان نعمت پر ہوتا ہے۔ خدا کے اس احسان کو قرآن سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ یہ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ" کا احسان قیامت تک رہے گا۔ لہٰذا سمجھ لو کہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (اور تم یقین کرو کہ یقیناً تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

حدیث یہ بھی وارد ہے کہ "کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

اس حدیث سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی روح مقدس بعض اوقات آپ سے جدا ہو جاتی ہے۔ ان دونوں باتوں میں کس طرح مطابقت ہوگی؟

یہ ایک بہترین سوال ہے۔ جس میں غور و خوض کی ضرورت ہے۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر انور میں زندہ ہونا اور اسی طرح باقی کل انبیاء علیہم السلام کا زندہ ہونا ایک ایسا امر ہے جو علم قطعی کے ساتھ ہمیں معلوم ہے۔ اس لئے کہ اس پر ہمارے نزدیک قطعی دلیلیں قائم ہو چکی ہیں اور اس بارے میں روایتیں متواتر ہو چکی ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء علیہم السلام کے ان کی قبروں میں زندہ ہونے پر ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرنے والی حدیثوں میں سے بعض احادیث حسب ذیل ہیں۔

(۱) صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ مَرَّ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ

ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر اس حال میں گزرے کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(۲) ابونعیم نے "حلیہ" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِقَبْرِ مُوْسٰی وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْہِ

(ترجمہ) تحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔"

(۳) ابویعلی نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے کتاب حیاۃ الانبیاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ

(ترجمہ) انبیاء کرام علیہم السلام اپنی نورانی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں نماز پڑھتے ہیں۔"

حلیہ میں ابونعیم نے یوسف بن عطیہ سے روایت کی انہوں نے ثابت بنانی رضی اللہ عنہ سے یہ سنا کہ وہ حُمید طویل سے فرمارہے تھے۔

"آپ کو کوئی ایسی حدیث بھی ملی ہے، جس میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسرے کا نماز پڑھنا بھی مذکور ہو۔"

حُمید نے کہا نہیں! یعنی قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث صرف انبیاء علیہم السلام کے متعلق وارد ہوئی ہے۔

(۴) ابوداؤد اور بیہقی نے اوس بن اوس ثقفی سے روایت کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کا دن سب دنوں سے افضل ہے۔ لہٰذا اس دن بہت کثرت کے ساتھ تم مجھ پر درود بھیجا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "یارسول اللہ! وصال کے بعد جب آپ بوسیدہ ہو جائیں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ

(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔"

(۵) امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور اصبہانی نے ترغیب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا بُلِّغْتُہٗ

(ترجمہ) جس نے مجھ پر درود بھیجا، میری قبر کے نزدیک میں اُسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر درود بھیجا دور سے، وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔"

(۶) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ مَا مِنْ اَحَدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلاَّ بَلَّغَنِیْھَا

(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی اسماع (یعنی سب کی آوازیں سننے کی طاقت) عطا فرمائی ہے اور وہ میری قبرِ انور پر مقرر ہے۔ تو کوئی درود بھیجنے والا کسی وقت، کہیں سے مجھ پر درود نہیں بھیجتا، مگر وہ فرشتہ اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے۔''

(۷) امام بیہقی نے ''حیاۃ الانبیاء'' میں اور امام اصبہانی نے ''ترغیب'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِائَۃً فِی الْجُمُعَۃِ قَضَی اللّٰہُ لَہٗ مِائَۃَ حَاجَۃٍ سَبْعِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْاٰخِرَۃِ وَثَلٰثِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا ثُمَّ وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ مَلَکًا یُدْخِلُہٗ عَلَیَّ فِیْ قَبْرِیْ کَمَا یُدْخَلُ عَلَیْکُمُ الْھَدَایَا اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیَاۃِ

(ترجمہ) جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات جس نے ایک سو مرتبہ مجھ پر درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس کی ایک سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جو اس تحفہ درود کو میری قبرِ انور میں میرے سامنے اس طرح پیش کرتا ہے، جیسے تمہارے سامنے تحفے پیش کیے جاتے ہیں۔ بے شک میرا علم میری وفات کے بعد بھی ایسا ہی رہے گا جیسا کہ حیات دنیا میں ہے۔

بیہقی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں

یُخْبِرُنِیْ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بِاِسْمِہٖ وَنَسَبِہٖ فَاُثْبِتُہٗ عِنْدِیْ فِیْ صَحِیْفَۃٍ بَیْضَاءَ

(ترجمہ) وہ فرشتہ مجھے خبر دیتا ہے ان سب لوگوں کی، جو مجھ پر درود بھیجتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اور ان کے نسبوں کے ساتھ تو میں سب کچھ سپید کتابچہ میں لکھ لیتا ہوں۔''

(۸) امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَا یُتْرَکُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ بَعْدَ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً وَلٰکِنَّھُمْ یُصَلُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی حَتّٰی یُنْفَخَ فِی الصُّوْرِ

(ترجمہ) بے شک انبیاء علیہم السلام چالیس راتوں کے بعد اپنی قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے اور لیکن وہ اللہ سبحانہ کی بارگاہِ اقدس میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ صور پھونکا جائے۔ (یعنی قیامت تک)

اور روایت کی سفیان ثوری نے ''الجامع'' میں انہوں نے کہا کہ ہمارے شیخ نے ہمیں فرمایا کہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اپنی قبر میں چالیس راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ موت کے بعد انبیاء علیہم السلام کے زندہ ہونے کے متعلق بہت سے شواہد ہیں یہ کہہ کر انہوں نے واقعہ معراج میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کا ذکر کیا اور حضور کا انبیاء کے ساتھ کلام کرنا اور

انبیاء کا حضور سے کلام کرنا بیان کیا۔

(۹) امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مُوسَى قَائِمٌ يُصَلِّي فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ وَإِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَائِمٌ يُصَلِّي وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ قَائِمٌ يُصَلِّي وَأَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَأَمَمْتُهُمْ

(ترجمہ) بے شک میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا۔ ناگہاں موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور میں نے اچانک دیکھا کہ وہ دبلے پتلے گھنگریالے بالوں والے ہیں۔ گویا کہ وہ قبیلۂ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہیں اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام بھی کھڑے ہونے کی حالت میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے ہونے کی حالت میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ تمہارے صاحب (یعنی خود حضور کی ذات مقدسہ) بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے ان کی امامت کی۔

(۱۰) امام بیہقی نے روایت کی

أَنَّ النَّاسَ يُصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نفخۂ اولیٰ کے وقت) تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو ہوش میں آؤں گا۔

امام بیہقی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حدیث کا مضمون اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے، جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بعد الوفات انبیاء علیہم السلام کی رُوحیں ان کی طرف لوٹا دی گئی ہوں اور شہداء کی طرح یقینی طور پر زندہ ہوں تا کہ نفخ صور کے وقت ان پر بے ہوشی طاری ہونا ممکن ہو اور دنیا میں زندہ رہنے والے لوگوں کی طرح وہ بھی بے ہوش ہو جائیں۔ اس بے ہوشی کو کسی اعتبار سے بھی ہم موت قرار نہیں دے سکتے۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وقتی طور پر ان کے احساس اور شعور پر مدہوشی کا ایک حجاب آجائے گا۔

بیہقی کا بیان ختم ہوا۔

(۱۱) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ابویعلیٰ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَأُجِيْبَنَّهٗ

(ترجمہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے قسم ہے اس ذات پاک کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ عیسیٰ بن مریم ضرور (آسمان سے) نازل ہوں گے۔ اس کے بعد اگر وہ میری قبر پر آکر "یا محمد" کہہ کر پکاریں تو میں انہیں ضرور جواب دوں گا۔"

(۱۲) ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں سعید بن مسیب سے روایت کی کہ میں نے واقعہ حرہ کے موقع پر دیکھا۔ جب کہ مسجد نبوی

میں میرے سوا کوئی دوسرا نہ تھا کہ جب نماز کا وقت ہوتا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے اذان کی آواز آتی تھی۔

(۱۳) اسی طرح ابن سعد نے سعید بن مسیب سے روایت کی کہ ایامِ حرہ میں جب لوگ قتل ہو رہے تھے تو وہ مسجد نبوی کے اندر تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا تو میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سنتا تھا۔

(۱۴) امام دارمی نے اپنی مسند میں فرمایا کہ مروان بن محمد نے سعید بن عبدالعزیز سے روایت کی کہ جن ایام میں حرہ کا واقعہ پیش آیا ان دنوں مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی نہ تکبیر کہی گئی۔ ان ایام میں سعید بن مسیب مسجد نبوی میں مقیم رہے۔ قبر انور سے جب ایک آواز آتی تو انہیں نماز کا وقت معلوم ہو جاتا۔

ان روایات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو شہداء کرام کے حق میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

(ترجمہ) اور نہ گمان کرو ان لوگوں کو جو قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام تو شہداء کے مقابلہ میں زندہ ہونے کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے کہ وہ شہداء کی نسبت بہت زیادہ بزرگی اور عظمت والے ہیں۔ ہر نبی میں شہادت اور نبوت دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کا آیت کے عموم میں پایا جانا ظاہر ہے۔ (مقالات کاظمی، حصہ دوم)

صلوٰۃ وسلام کی فضیلت کا بیان

درود شریف کے فضائل لامحدود ہیں، اس کی قدر وانتہا کو پہنچنا ہماری حدِ طاقت سے باہر ہے مگر اس فضلِ عظیم کو تصور میں لاؤ کہ بھیجنے والا خداوندِ جلیل ہے اور جس پر بھیجا جا رہا ہے وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رسول بے مثیل ہیں، درود شریف پڑھنے کے بارے میں احادیث بکثرت وارد ہیں، تبرکا بعض ذکر کی جاتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

۱۔ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ عزوجل اس پر دس بار درود نازل فرمائے۔ (مسلم)

۲۔ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ عزوجل اس پر دس درودیں نازل فرمائے گا، اس کی دس خطائیں محو فرمائے گا اور دس درجے بلند فرمائے گا۔ (نسائی)

۳۔ قیامت کے دن مجھ سے سب سے قریب وہ ہوگا جس نے سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجا ہے۔ (ترمذی)

۴۔ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے، جب تک وہ درود خوانی میں مصروف رہتا ہے خدا کے فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اب اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں کمی کرے یا زیادتی۔ (ابن ماجہ)

۵۔ جس شخص نے لکھ کر مجھ پر درود بھیجا تو جب تک اس کتاب میں میرا اسم شریف باقی رہے گا خدا کے فرشتے اس پر درود بھیجتے

میں مشغول رہیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتے اس کی مغفرت و نجات کی دعا کرتے رہیں گے اور جس پر فرشتے درود بھیجیں گے وہ جنتی ہوگا۔ (دلائل الخیرات و شفاء شریف)

۶۔ حوضِ کوثر میرے حضور کچھ لوگ آئیں گے جنہیں میں اس لیے پہچان لوں گا کہ وہ دنیا میں مجھ پر بکثرت درود بھیجتے تھے۔ (شفاء شریف)

۷۔ قیامت کی سختیوں اور شدتوں سے سب سے پہلے وہ شخص نجات پائے گا جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے۔ (اصفہانی)

۸۔ جو شخص مجھ پر جمعہ کے روز سو مرتبہ درود شریف بھیجے اس کے اسی برس کے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے۔ (یعنی صغیرہ گناہ)۔ (جامع صغیر)

۹۔ مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو اس لیے کہ وہ تمہارے لیے زکوٰۃ یعنی فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔ (ابویعلی)

۱۰۔ جسے کوئی مشکل پیش آئے اسے چاہیے کہ مجھ پر درود کی کثرت کرے، درود کے وسیلے سے اس کی مشکلیں حل ہو جائیں گی، غم دور ہو جائیں گے، مصیبتیں ٹل جائیں گی، اس کے رزق میں ترقی ہوگی اور اس کی حاجتیں پوری ہو جائیں گی۔ (دلائل الخیرات)

۱۱۔ جو شخص مجھ پر دس بار صبح اور دس بار شام کو درود بھیجے، روزِ قیامت میری شفاعت اسے پالے گی۔ (طبرانی)

الغرض درود شریف مغفرت و بخشش کا ذریعہ اور سعادتِ دارین کا وسیلہ جلیلہ ہے جو وقت اس میں صرف ہوتا ہے دین و دنیا کی برکتیں لاتا ہے اور جو دم اس سے غفلت میں گزرتا ہے اس دولتِ ابدمدت میں تیرے لیے کمی ہوتی ہے، ہاں فقیر دامن پھیلا اور اپنی جھولی اس دولتِ عظمیٰ سے بھر لے، یہ مفت کی نعمت ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دے، اس میں بخل، حرمان و بے نصیبی کی علامت ہے، حدیث میں ہے کہ پورا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود شریف نہ بھیجے۔ (ترمذی)

صلی اللّٰہ علی النبی الامی و آلہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ صلوٰۃ و سلاما علیک یا رسول اللّٰہ۔

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

کتاب کنز العباد و صلوٰۃ مسعودی و کتاب السعادۃ و جامع الرموز شرح مختصر وقایہ و ردالمحتار علی الدر المختار و فتاویٰ صوفیہ میں تصریح ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ کہے تو سننے والے کو صلی اللّٰہ علیک یا رسول اللّٰہ کہنا مستحب ہے اور جب دوسری مرتبہ کہے تو قرۃ عینی بک یا رسول اللّٰہ ﷺ کہنا مستحب ہے۔ اس عبارت پر حضرت علامہ مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری (متوفی 1315ھ) تبصرہ کرتے ہوئے ارقام کرتے ہیں۔

اب غور کرو کہ یہ حکم کتب معتبرہ فقہ درود کی ساتھ اور بغیر درود کے بھی اذان کے وقت یا رسول اللّٰہ کہنا مستحب۔

(رسالہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ ص 27، مطبوعہ دار الاسلام لاہور)

شرح شفاء فی حقوق المصطفیٰ میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما کا پاؤں سست اور بے حس ہو گیا تھا تو ان کو کسی نے کہا کہ محبوب (یعنی جس سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہو) کو یاد کرا تب آپ نے اونچی آواز سے پکارا۔ یا محمداہ

علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں گویا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فن استعانت میں اپنی محبت کے اظہار کا قصد کیا۔ دیکھئے شرح اشفاء ملا علی قاری، اس سے وہ لوگ درس عبرت حاصل کریں جو اذان سے پہلے یا بعد میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت کہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین کے دور میں نہ تھا۔ ابھی بھی ایسے بہت سے امور پائے جاتے ہیں جو قرون ثلثہ میں نہ تھے تو ان کا کیا کیا جائے جیسے کسی صحابی کے دور میں موٹر سائیکل، کار، بس، جہاز وغیرہ و تھے تو مخالفین کو چاہئے کہ ان چیزوں کو ترک کرے۔ اس لئے کہ یہ قرون ثلثہ میں نہ تھی اور گھوڑوں اونٹوں پر سفر کیا جائے۔ لاؤڈ اسپیکر پر اذان و نماز پڑھنا پڑھانا کانفرنس وغیرہ کرنا یہ سب معاملات ترک کر دیئے جائیں کہ قرون ثلثہ میں نہ تھے، بریانی قورمے، کولڈرنگ بوتلیں اور دیگر اشیاء بھی ترک کر دی جائیں کہ قرون ثلثہ میں نہ تھی۔

اور قرون ثلثہ میں آپ جیسے ناواقف بھی نہ تھے تو آپ کا کیا کیا جائے اور قرون ثلثہ میں بجلی، گیس، موبائل، ٹیلی فون، بلند و بالا عمارتیں بھی نہ تھیں۔ ان کو بھی ترک کر دیا جائے اور اگر ان تمام تر اشیاء کا استعمال ترک نہیں کر سکتے تو پھر یہ پاگلوں جیسا اعتراض کیوں؟ قل ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین

حرمت ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جائز بتانے والے کو کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ خود حدیث پاک میں ہیں۔ یہ اصول مقرر فرمایا مشکوٰۃ شریف ص 367 میں ابن ماجہ و ترمذی سے نقل کیا۔

الحلال ما حل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ و ما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ

حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جن کاموں سے سکوت فرمایا۔ یہ ان کاموں سے ہیں جن پر موٴخذہ نہیں ہے یعنی مباح ہیں۔ لہٰذا جو لوگ صلوٰۃ وسلام کو ناجائز کہتے ہیں انہیں قرآن و حدیث اور فقہ سے دلیل لانا چاہئے۔ ہم سے دلیل مطالبہ غلط ہے۔

قل ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین

درمختار میں موجود ہے۔ ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل

یعنی اذان و اقامت کے درمیان ہر نماز کے لئے تثویب ہے۔ (درمختار علی حاشیۃ الشامی جلد 1، ص 86، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بدر سیمائے عالم علامہ شہاب الدین احمد خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المنقول انھم کانو یقولون فی تحیۃ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

ترجمہ: منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی پاک ﷺ سے ملاقات کے وقت الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کے الفاظ سے سلام و تحیت پیش کرتے تھے۔ (نسیم الریاض جلد 3، ص 454، دار الفکر بیروت)

صالحین و بزرگان دین کی قبور کی زیارت کا بیان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات میں سے کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء اور صالحین کو بھی

میسر آیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اِن کی زیارت کے لئے بھی اُن کے مساکن اور مزارات پر حاضری دی جائے۔ زیرِ نظر باب میں اولیاء و صالحین کی زیارت پر احادیثِ مبارکہ اور سلف صالحین کے احوال و اقوال کی روشنی میں بیان ہوگا۔

1۔ قبورِ صالحین کی زیارت کا نبوی معمول

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شہداء اور صالحین کی قبور پر تشریف لے جا کر دعا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہ معمول رہا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کی قبور پر جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ ائمہ حدیث و تفسیر مثلاً امام عبدالرزاق، امام طبری، امام سیوطی اور امام ابن کثیر وغیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے۔

امام عبدالرزاق (م 211ھ) نے بیان کیا ہے:

عن محمد بن إبراهيم قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَأْتِي قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ فَيَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. قَالَ وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ.

''حضرت محمد بن ابراہیم التیمی سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سال کے آغاز میں شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے تھے اور فرماتے: تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کے صلہ میں آخرت کا گھر کیا خوب ہے۔ راوی نے کہا: حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔'' (عبدالرزاق، المصنف، 573:3، 2۔ عینی، عمدۃ القاری، 70:8)

امام طبری (م 310ھ) نے اسی روایت کو اپنی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن (13: 142)'' میں، امام سیوطی (م 911ھ) نے اپنی تفسیر (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (641:4)'' میں اور امام ابن کثیر (م 774ھ) نے ''تفسیر القرآن العظیم (512:2)'' میں بیان کیا ہے۔

2۔ شیخین کے عمل سے زیارتِ صالحین کا ثبوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مبارک کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: چلو حضرت ام ایمن کی زیارت کر کے آئیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔''

(مسلم، الصحیح، فضائل الصحابۃ، باب من فضائل أم أیمن، 1907:4، رقم: 2454، 2۔ ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ، 523:1، رقم: 1635، 3۔ ابو یعلی، المسند، 71:1، رقم: 69)

مذکورہ حدیث کی شرح میں امام نووی (م 676ھ) لکھتے ہیں:

فيه زيارة الصالحين وفضلها وزيارة الصالح لمن هو دونه، وزيارة الانسان لمن كان صديقه بلزوره، ولأهل ود صديقه، وزيارة جماعة من الرجال للمرأة الصالحة وسماع كلامها، واستصحاب

العالم والكبير صاحباً له في الزيارة والعيادة ونحوهما. والبكاء حزناً علي فراق الصالحين والأصحاب وإن كانوا قد انتقلوا إلي أفضل مما كانوا عليه. والله أعلم.

''اس حدیثِ مبارکہ میں صالحین کی زیارت اور اس کی فضیلت کا بیان ہے۔ اسی طرح کسی صالح شخص کا (مقام و مرتبہ کے لحاظ سے) اپنے سے کم درجہ شخص کی ملاقات کے لیے جانا، کسی انسان کا اپنے دوست احباب کی زیارت کرنا، مردوں کا باجماعت کسی نیک اور صالح خاتون کی ملاقات اور اس کی گفتگو سننا، اسی طرح کسی عالم اور بزرگ کا اپنے دوست کو زیارت و ملاقات اور عیادت وغیرہ کے لئے اپنے ساتھ لے جانا، صالحین اور دوست و احباب کی مفارقت پر غمگین ہونا اور رونا اگرچہ وہ اونچے درجے کی طرف منتقل ہو گئے ہوں (بھی اس حدیثِ مبارکہ سے) ثابت ہے۔'' (نووی، شرح النووی علی صحیح مسلم، 16:9-10)

3۔ فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیارتِ صالحین کی فضیلت و ترغیب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاداتِ عالیہ میں اولیاء، صالحین اور کامل مومنین کی زیارت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ جن میں سے چند فرامینِ مبارکہ درج کیے جاتے ہیں۔

(1) متعلقین کو اپنی ملاقات و زیارت کے لئے بلانا جائز ہے

امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث و تفسیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک حدیثِ مبارکہ بیان کی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا: ''جتنی بار تم ہماری زیارت کو آتے ہو؟ تم اس سے زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اور جبرئیل میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر (زمین پر) نہیں اتر سکتے اور جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے (سب) اسی کا ہے۔'' (مریم، 19:64)

1. بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب وما نتنزل إلا بأمر ربک، 4:1760، رقم: 4454، 2. ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ مریم، 5:316، رقم: 3158، 3. أحمد بن حنبل، المسند، 1:231، رقم: 2043، 4. نسائی، السنن الکبری، 6:394، رقم: 11319، 5. طبرانی، المعجم الکبیر، 12:33، رقم: 12385

اس محبت کے جذبات سے لبریز حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی زیارت کے لئے بار بار آنے کی خواہش کی تاکہ محبوبِ حقیقی کے پیغام کو دیکھ دیکھ کر دیدۂ و دل کو قرار حاصل ہوتا رہے۔ اس سے ائمہ نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ کسی صالح شخص کا اپنے نیک صالح دوستوں کو اپنی ملاقات و زیارت کے لئے بلانا بھی جائز و ثابت ہے۔

امام نووی نے اپنی کتاب المجموع میں مذکورہ حدیث سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یہ بات مستحب ہے کہ کوئی شخص اپنے صالح دوست سے اس بات کا تقاضا کرے کہ وہ جتنی بار اس کی زیارت و ملاقات کے لئے آتا ہے اس سے زیادہ مرتبہ آئے اور یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ثابت ہے۔'' (نووی، المجموع، 4:518)

(2) اللہ تعالیٰ کی خاطر باہم زیارت کرنے والوں کا پہلا انعام

1. حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میری محبت واجب ہوگئی: میری خاطر آپس میں محبت کرنے والوں، میری خاطر مجلسیں قائم کرنے والوں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں اور میری خاطر خرچ کرنے والوں کے لئے۔''

(مالک، الموطأ، 2:953، رقم: 1711، 2. ابن حبان، الصحیح، 2:335، رقم: 575، 3. حاکم، المستدرک، 4:186، رقم: 7314)

اس حدیث کو امام مالک نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے نیز امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

2۔ حضرت ادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد دمشق میں داخل ہوا تو اچانک میں نے ایک خوبصورت چمکتے ہوئے دانتوں والا نوجوان دیکھا جس کے ساتھ کچھ لوگ تھے (ایک روایت میں ہے: اس نوجوان کے ساتھ بیس صحابہ اور ایک روایت میں تیس صحابہ تھے) جب وہ کسی چیز میں اختلاف کرتے تو اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے اقوال سے مدد لیتے۔ میں نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا تو کہا گیا: ''یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، جب اگلا دن ہوا تو میں جلدی سے مسجد پہنچا وہاں میں نے اس نوجوان کو خود سے پہلے وہاں پہنچا ہوا اور نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ آپ کہتے ہیں: میں نے ان کا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ پھر میں ان کے پاس ان کے سامنے سے آیا۔ میں نے انہیں سلام کیا، اور پھر عرض کیا: خدا کی قسم! میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے لیے؟ میں نے کہا: ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے۔ انہوں نے پھر پوچھا: اللہ تعالیٰ کے لیے؟ میں نے کہا: ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے۔ انہوں نے میری چادر کا کنارہ پکڑا (اور ایک روایت میں ہے میری چادر کے دونوں کنارے پکڑے) اور مجھے اپنی طرف کھینچ کر فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو، میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری خاطر محبت کرنے والوں، میری خاطر آپس میں بیٹھنے والوں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں اور میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں کے لیے میری محبت واجب ہے۔''

(مالک، الموطأ، 2:953، رقم: 1711، 2. أحمد بن حنبل، المسند، 5:233، رقم: 22083، 3. ابن حبان، الصحیح، 2:335، رقم: 575)

(3) اللہ تعالیٰ کی خاطر باہم زیارت کرنے والوں کا دوسرا انعام

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت کے اندر کئی قیام گاہیں ایسی ہیں جن کی بیرونی زیب وزینت اندر سے اور اندرونی خوبصورتی باہر سے دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، اُسی کی خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اسی کی خوشنودی کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔''

(طبرانی، المعجم الأوسط، 3:193، رقم: 3903، 2. منذری، الترغیب والترہیب، 3:248، رقم: 3896، 3. ہیثمی، مجمع الزوائد، 10:278)

(4) زیارتِ صالحین رضائے الٰہی کا سبب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص اپنے مسلمان بھائی سے

ملنے کسی دوسرے گاؤں چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ اس کے انتظار میں بٹھا دیا۔ جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو فرشتہ نے پوچھا، تیرا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟ اس نے جواب دیا: اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اس سے ملنے کا ارادہ ہے۔ فرشتہ نے پوچھا، کیا تم نے اس پر کوئی احسان کیا تھا جس کا بدلہ حاصل کرنے جا رہے ہو؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ مجھے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہے۔ تب اس فرشتہ نے کہا: میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لایا ہوں کہ جس طرح تم اس شخص سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر محبت کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔"

(مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب فی فضل الحب فی اللہ، 4:1988، رقم:2,2567. أحمد بن حنبل، المسند، 2:408، رقم:3,9280. ابن حبان، الصحیح، 2:331، رقم:572)

امام نووی (م 676ھ) لکھتے ہیں: **وفيه فضيلة زيارة الصالحين والأصحاب.** "اس حدیثِ مبارکہ میں زیارتِ صالحین اور دوست احباب کی ملاقات کی فضیلت کا بیان ہے۔" (نووی، شرح النووی علی صحیح مسلم، 16:124)

4۔ زیارتِ صالحین کے فیوض و برکات سے متعلق ائمہ کے اقوال

1۔ ائمہ احناف میں سے علامہ عبد الرحمن عمادی حنفی نے زیارتِ صالحین کو مقبول بارگاہ عمل قرار دیا ہے، لکھتے ہیں: "بے شک صالحین کی زیارت بلند درجہ باعثِ ثواب عمل ہے۔ یہ ان آزمودہ اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ برکات کی بارش ہوتی ہے۔ ہمیں (ان کی برکات کے) عطیات کو حاصل کرنے کا حکم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی قیام گاہیں قبولیتِ دُعا کے لئے مجرب جگہیں تصور کی جاتی ہیں۔" (عمادی، الروضۃ الریاضین فی من بداریا، 1:55)

یاد رہے کہ علامہ عمادی نے مذکورہ کتاب دمشق کی ایک بستی "داریا" میں مدفون صالحین کے بارے میں لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ کن کن مقبولِ بارگاہ ہستیوں کے یہاں مزارات ہیں۔ اسی بستی "داریا" کی نسبت سے علماء اپنے ناموں کے ساتھ دارانی لکھتے ہیں۔

2۔ علامہ ابن الحاج الفاسی المالکی (م 737ھ) نے اپنی مشہور تصنیف "المدخل" میں زیارتِ قبور کے احکام حُسنِ ترتیب کے ساتھ تفصیل سے لکھے ہیں۔ زیارتِ اولیاء و صالحین کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہے:

"متعلم کے لئے ضروری ہے کہ ان اولیاء و صالحین کی زیارت سے اپنے آپ کو علیحدہ نہ کرے جن کی زیارت سے مُردہ دل اس طرح زندہ ہوتے ہیں جس طرح زمین موسلا دھار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ ان کی زیارت سے پتھر دل نرم و کشادہ ہوتے ہیں۔ ان کی زیارت کی برکت سے مشکل اُمور آسان ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ جو کریم اور منان ہے اس کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ وہ ان کے ارادوں کو رد نہیں فرماتا اور ان کے ہم مجلس، ان کی پہچان رکھنے والوں اور ان سے محبت کرنے والوں کو ناکام و نامراد نہیں کرتا۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بابِ رحمت ہیں جو اس کے بندوں کے لئے کھلا رہتا ہے۔ پس جو بندۂ خدا ایسی صفات سے متصف ہو اس کی زیارت اور اس کی برکت سے مستفیض ہونے کے لئے جلدی کرنی چاہیے کیونکہ ان میں بعض ہستیوں کی زیارت کرنے والے کو ایسا فہم، برکت اور حافظہ نصیب ہوتا ہے کہ بیان کرنے سے باہر ہے۔ اسی معنی کی بدولت آپ بہت سے

ایسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ ان کو علم وحال میں کثیر برکت ملی۔ اس نعمت کی قدر کرنے والا خود کو اس عظیم خیر و برکت سے علیحدہ نہیں کرتا لیکن شرط یہ ہے کہ جس کی زیارت کی جائے وہ ان تمام اُمور میں سنت کا محافظ اور تابع شریعت ہو۔'' (ابن الحاج، المدخل، 139:2)

3۔ علامہ ابن الحاج نے امام ابوعبداللہ بن نعمان کی کتاب ''سفینة النجاء لاهل الالتجاء'' جس میں انہوں نے شیخ ابی النجار کی کرامات کا بیان کیا ہے، کے حوالے سے لکھا ہے:

''حصولِ برکت کے لیے قبورِ صالحین کی زیارت مستحب عمل ہے کیونکہ صالحین کی برکات جس طرح ان کی زندگی میں فیض رساں ہوتی ہے اسی طرح ان کی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا ائمہ دین اور علماء محققین کا معمول رہا ہے۔'' (ابن الحاج، المدخل، 255:2)

4۔ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن الحاج نے لکھا ہے: ''جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو اسے چاہیے کہ وہ صالحین کی قبروں اور ان کے مقابر پر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کے سوا کسی طرف جانے کے لئے سامانِ سفر نہ باندھا جائے: مسجدِ حرام، میری مسجد اور مسجدِ اقصیٰ، امام غزالی نے احیاء العلوم کے آدابِ سفر میں بیان کیا ہے کہ عبادات کے لیے سفر کیا جائے مثلاً جہاد اور حج کے لیے اور اس کے بعد فرمایا کہ اس میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام علماء اور اولیاء اللہ کی قبروں کے لیے سفر کرنا بھی اس عملِ خیر میں شامل ہے اور ہر وہ شخص جس کی زیارت اور اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کی زندگی میں سفر کرنا جائز ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی جائز ہے حدیث مبارکہ کہ ''ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی زیارت کے لیے سامان سفر نہ باندھا جائے'' میں اس مقصد کے لیے سفر کی ممانعت نہیں، کیونکہ یہ حکم زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے مساجد کی طرف سفر کرنے سے متعلق ہے ان تینوں مساجد کے علاوہ دیگر تمام مسجدیں ثواب میں برابر ہیں۔ ورنہ (اگر ہر سفر کو ناجائز قرار دیا جائے) تو انبیاء علیہم السلام اولیاء اللہ اور علماء کی زیارت میں اصلاً کوئی فضیلت باقی نہیں رہے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے مقام و مرتبہ میں ان کے درجات کے مطابق بہت بڑا فرق ہے۔'' (ابن الحاج، المدخل، 2:255، 256)

5۔ مقاماتِ مقدسہ کی زیارات کے لئے سفر عملِ مشروع ہے

علامہ ابن الحاج ہی نے انبیاء علیہم السلام کی قبورِ مقدسہ کی زیارت کا بھی طریقہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کی عظیم بارگاہوں میں حاضری کا تعلق ہے تو ان عظیم مقاماتِ مقدسہ کے آداب یہ ہیں کہ زائر مسافتِ بعیدہ سے ان کی زیارت کا ارادہ کر کے چلے۔ جب ان کے مزار پر پہنچے تو انتہائی عاجزی وانکساری، فقر و فاقہ اور نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ آئے۔ حضورِ قلب کے ساتھ حاضر ہو اور سر کی آنکھ سے ان کا مشاہدہ نہ کرے بلکہ دل کی آنکھ سے انہیں دیکھے کیونکہ ان کے مبارک اجسام بوسیدہ ہوتے ہیں نہ متغیر۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء کرے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر اُن (انبیاء علیہم السلام) پر صلوات بھیجے پھر ان کی تمام اصحاب اور قیامت تک ان کے تمام تابعین کے لیے رضوان اور رحمت کی دعا کرے، پھر اپنی حاجات کی تکمیل اور اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرے پھر ان سے

شفاعت طلب کرے اور اپنی حاجات ان پر پیش کرے اور ان کی برکت سے دعا کی قبولیت پر یقین رکھے۔ اس باب میں اپنا حسن ظن قوی رکھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام (رحمتِ) باری تعالیٰ کا کھلا ہوا دروازہ ہیں اور یہ ہمیشہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے ہاتھوں سے اور ان کے واسطے اور سبب سے اپنے بندوں کی حاجات کو پورا فرماتا ہے۔ جو شخص انبیاء علیہم السلام کے مزاراتِ مقدسہ تک نہ پہنچ سکے وہ ان کی بارگاہ میں سلام بھیجے اور اپنی حاجات اور اپنے گناہوں کی مغفرت اور اپنے عیوب کی پردہ پوشی کے لیے ان سے شفاعت کی درخواست کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازے گا کیونکہ وہ صاحب کرم بزرگ ہستیاں ہیں اور جو شخص کریموں سے سوال کرتا ہے یا ان کی پناہ میں آتا ہے یا ان کا ارادہ کرتا ہے یا ان کا وسیلہ پیش کرتا ہے وہ اس کی درخواست کو مسترد نہیں کرتے۔" (ابن الحاج، المدخل، 2:258)

قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جمہور امتِ مسلمہ کا یہی معمول رہا ہے کہ وہ صالحین کی زیارت کو جاتے ہیں اور اگر وہ وصال فرما گئے ہوں تو پھر ان کے مزارات پر فیوضات و برکات کے حصول کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے اس عمل صالح کو ناجائز و حرام قرار نہیں دیا کیونکہ یہ عمل اصلاً مشروع ہے نسبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اکابر ائمہ و بزرگانِ دین کا معمول ہے۔ ائمہ حدیث نے بھی اس کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔

6۔ متبرک مقامات کی زیارت ائمہِ دین کا پسندیدہ معمول

ائمہ مؤرخین اور اہلِ سیر نے علماء کے پسندیدہ اور صالح معمولات کے بیان کو اپنی کتب کی زینت بنایا ہے۔ جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اسلاف، صالحین کی زیارت کو ہمیشہ سے ایک پسندیدہ اور مقبول بارگاہ عمل سمجھتے رہے۔ ورنہ کس طرح وہ اپنے گوناگوں علمی تدریسی مشاغل میں سے بطورِ خاص سفر کے لئے وقت نکال سکتے۔ چند ایک معمولات درج ذیل ہیں۔

(1) حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت

امام شمس الدین سخاوی (متوفی 902ھ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وجعل علي قبره قبة فهو يزار ويتبرك به.

"اُن کی قبر مبارک پر قبہ بنایا گیا، اس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔"

(شمس الدین سخاوی، التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ، 1:307)

(2) امام شافعی رضی اللہ عنہ کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کا معمول

خطیب بغدادی (463ھ) اور بہت سے ائمہ کی تحقیق کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد میں ہوتے تو حصولِ برکت کی غرض سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ (متوفی 150ھ) کے مزار کی برکات کے بارے میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’میں امام ابوحنیفہ کی ذات سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور اس کے پاس (کھڑے ہوکر) حاجت برآری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے نہیں ہٹتا یہاں تک کہ (قبر کی برکت کے سبب) میری حاجت پوری ہوچکی ہوتی ہے۔‘‘

1.خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 1:123,2.ابن حجر ہیتمی، الخیرات الحسان فی مناقب الامام الأعظم:94,3.ابن عابدین شامی، ردالمحتار علی الدر المختار، 1:41,4.زاہد الکوثری، مقالات الکوثری:381

غور کیا جائے تو یہ بڑا ہی ایمان افروز واقعہ ہے ایک تو اس میں جلیل القدر امام کی دوسرے امام کی قبر پر حاضری اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا ثبوت ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایسے متبرک مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے۔ لہٰذا یہاں دعا کی قبولیت بھی جلدی ہوجاتی ہے۔

(3)امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کا زیارتِ صالحین کے لئے شام کا سفر

اکابر کا معمول تھا کہ وہ زیارات کے لئے جایا کرتے تھے خواہ کتنی مسافت طے کرکے آنا پڑے۔ علامہ ابنِ مفلح نے اپنی کتاب ’’المقصد الارشد (1:193)‘‘ میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ محمد بن یوسف الفریابی کی زیارت کے لئے سفر کرکے ملک شام گئے تھے۔

(4)امام ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ کا امام علی رضی اللہ عنہ رضا کے مزار پر حاضری کا معمول

مشہور محدّث امام ابنِ حبان (م 354ھ) حضرت امام علی رضا بن موسیٰ علیہ السلام کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’میں نے اُن کے مزار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے، شہر طوس قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، اللہ تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی، اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا تو اسی طرح پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم اور آپ کے اہلِ بیت صلی اللہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔‘‘ (ابن أبی حاتم رازی، کتاب الثقات، 8:457، رقم:14411)

(5)ابوالفرج ہندبائی کا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کے مزار پر حاضری کا معمول

امام ابوالقاسم ابن ہبۃ اللہ (م 571ھ) نے لکھا ہے: ’’ابوالفراج ہندبائی نے بیان کیا ہے: میں اکثر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کیا کرتا تھا پس ایک عرصہ تک میں نے زیارت کرنا چھوڑ دیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے: تو نے امام السنۃ (امام احمد بن حنبل) کی قبر کی زیارت کو کیوں ترک کیا؟‘‘ (ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، 5:333)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مستحسن عمل تھا جب انہوں نے چھوڑ دیا تو انہیں بذریعہ خواب ترغیب دی گئی کہ اس کو ترک نہ کیا

جائے۔

(6) عوام الناس کی سید المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری

امام ذہبی (748ھ) نے امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید المحدثین امام محمد بن اسماعیل بخاری (256ھ) کی قبر مبارک سے تبرک کا ایک واقعہ درج کیا ہے، لکھتے ہیں:

ابو الفتح نصر بن حسن السکتی سمرقندی نے بیان کیا کہ ایک بار سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہوئی تو لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی پس انہوں نے کئی بار نمازِ استسقاء ادا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ اسی اثناء اُن کے پاس ایک صالح شخص جو ''صلاح'' کے نام سے معروف تھا، سمرقند کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا: میں آپ سے اپنی ایک رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ''میری رائے ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر مبارک پر حاضری دینی چاہیے، ان کی قبر خرتنک میں واقع ہے، ہمیں قبر کے پاس جا کر بارش طلب کرنی چاہیے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب کر دے۔ قاضی نے کہا: آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔ پس قاضی اور اس کے ساتھ تمام لوگ وہاں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے سو قاضی نے لوگوں کو ساتھ مل کر بارش طلب کی اور لوگ قبر کے پاس رونے لگے اور اللہ کے حضور صاحبِ قبر کی سفارش کرنے لگے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت (اپنے صالح بندہ کی برکت کے سبب) کثیر وافر پانی کے ساتھ بادلوں کو بھیج دیا، تمام لوگ تقریباً سات دن تک خرتنک میں رکے رہے، اُن میں سے کسی ایک میں بھی کثیر بارش کی وجہ سے سمرقند پہنچنے کی ہمت نہ تھی حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔'' (ذہبی، سیر أعلام النبلاء، 12:469)

(7) حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے مشائخ کی حاضری

خطیب بغدادی نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے بارے میں لکھا ہے کہ بڑے بڑے مشائخ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے وہ لکھتے ہیں: ''اسماعیل بن احمد الحیری نے ابو عبد الرحمٰن السلمی سے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: حضرت فتح موصلی اکابر مشائخِ موصل میں سے تھے، وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے بغداد حاضر ہوئے تھے۔''

(خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، 12:381)

(8) مزارِ صالحین کی زیارت کے لئے بذریعہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب

امام ابن عساکر نے زیارتِ صالحین کی ترغیب پر ایک ایمان افروز واقعہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ''میرے والد گرامی ابو محمد الحسن بن ہبۃ اللہ نے مجھے اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لئے گئے تو وہاں انہوں نے قبر کے پاس ایک عجمی عورت کو روتے ہوئے پایا۔ وہاں موجود بعض لوگوں نے کہا کہ جو اچھی طرح فارسی جانتا ہو وہ اس خاتون سے پوچھے کہ اس کے رونے کا سبب کیا ہے؟ جب اس سے پوچھا گیا تو اس عورت نے دریافت کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے پہلوں میں یہ دوسری قبر کس کی ہے؟ میں نے کہا: یہ قبر ابو بکر شہرزوری کی ہے اور دوسری ان کے والد ابو اسحاق کی ہے۔ ایک بالکل سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے سامنے ہے اور دوسری اس کے پیچھے۔ اس عورت نے کہا: میں نے حضرت بلال رضی اللہ

عنہ کی قبر کی زیارت کی، پھر میں زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چلی گئی اور (جب) قبرِ انور کے پاس گئی تو میں نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: تُو نے بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت تو کی مگر اس کے قریب موجود دوسری قبر کی زیارت نہ کی؟ لہٰذا اب میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکوے کا ازالہ کرنے کے لئے) مدینہ منورہ سے اس قبر کی زیارت کے لئے آئی ہوں۔" (ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 226:54)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی زیارت اللہ رب العزت کے حبیب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پسندیدہ اور بابرکت عمل ہے اور جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پسندیدہ اور محبوب ہو وہ رب العالمین کی بارگاہ میں محبوب ہوتا ہے۔ قبورِ صالحین کی زیارت کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس قدر پسندیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرہ کو اِن کی زیارت ترک پر تنبیہ فرمائی۔

(9) حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ بن محمد بن بشار کے مزار پر حاضری

علامہ محمد بن ابو یعلی حنبلی (متوفی 521ھ) "طبقات الحنابلۃ (63:2)" میں صوفی زاہد علی بن محمد بن بشار کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ جب اُن کا وصال ہوا تو

دفن بالعقبة قريباً من النجمي، وقبره الآن ظاهر يتبرك الناس بزيارته.

"انہیں نجمی کے قریب گھاٹی میں دفن کیا گیا، اب اُن کی قبر مشہور و معروف ہے، لوگ اس کی زیارت سے برکت حاصل کرتے ہیں۔"

(10) امام ابوالحسن علی بن احمد شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے اکابر کی حاضری

امام ذہبی (م 748ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابوالحسن علی بن احمد الشافعی کے حوالے سے لکھا ہے:

المحدث أحد الأئمة الزهاد قطع أوقاته في العبادة والعلم والكتابة والدرس والطلب حتي مكن الله منزلته في القلوب وأحبه الخاص والعام حتي كان يقصده الكبار للزيارة والتبرك.

"وہ محدث ان پرہیزگار ائمہ میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنی زندگی عبادت، حدیثِ علم، کتاب، درس و تدریس اور طلب علم میں صرف کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کا مقام و مرتبہ بلند کر دیا اور عوام اور خواص نے ان سے محبت کی حتیٰ کہ اکابر ائمہ ان کی زیارت اور ان سے حصولِ تبرک کے لئے دور دراز سے سفر کر کے آتے۔" (ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، 1361:4)

ہم نے چند ایک واقعات کا ذکر بطورِ نمونہ کر دیا ہے، اگر ہم کتبِ تواریخ اور اسماء الرجال کا عمیق نظر سے مطالعہ کریں تو بیسیوں ایسے واقعات ہیں جن میں ائمہ دین کا معمول بتایا گیا ہے کہ وہ اکابر صالحین کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اکابر ائمہ اور اسلاف نے کبھی بھی اس عمل کو خلافِ شریعت قرار نہیں دیا۔

شرط یہ ہے کہ جس ہستی کی زیارت کی جائے وہ صالح ہو اور اس زیارت سے زائر کا مقصد بھی حصولِ رضائے الٰہی ہو۔ گزشتہ صفحات میں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوا کہ محض رضائے الٰہی کی خاطر ملاقات و زیارت اور باہم محبت و الفت کرنا باعثِ اَجر و ثواب

ہے۔اس کے باوجود اگر کوئی اُمت کے اس عمل کو ناجائز قرار دے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ خود قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہ نہیں ہے۔

زیارتِ قبور پر مذاہب اربعہ کا مؤقف

شرعاً قبور کی زیارت کرنا باعثِ اجر وثواب اور تذکیرِ آخرت کا ذریعہ ہے۔ائمہ حدیث وتفسیر نے شرح وبسط کے ساتھ اس کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔مذاہب اربعہ کے ائمہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمانوں کو خواہ مرد ہو یا عورت زیارتِ قبور کی اجازت ہے۔

(1) زیارتِ قبور پر احناف کا موقف

ائمہ احناف میں سے علامہ بدرالدین عینی (شارح صحیح بخاری) کے زیارتِ قبور کے حوالے سے چند اقتباسات ملاحظہ کریں:

''ابنِ حبیب نے کہا ہے کہ زیارتِ قبور کرنے، ان کے پاس بیٹھنے اور قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان پر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا ہے۔امام مالک سے زیارتِ قبور کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: بے شک اس عمل سے پہلے منع کیا گیا تھا پھر اس کی اجازت ہوگئی اگر کوئی انسان یہ عمل کرے اور خیر کے سوا کچھ نہ کہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔'' (عینی، عمدۃ القاری، 70:8)

وفي التوضيح أيضاً: والأمة مجمعة علي زيارة قبر نبيّنا صلي الله عليه وآله وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما. وكان ابن عمر إذا قدم من سفر أتي قبره المكرم، فقال: السّلام عليك يا رسول الله! السّلام عليك يا أبا بكر! السّلام عليك يا أبتاه.

''توضیح میں یہ بھی ہے کہ تمام امت کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبرِ انور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کرنے پر اتفاق ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ جب وہ شہر سے واپس لوٹتے تو سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر حاضر ہوتے اور کہتے یا رسول اللہ! آپ پر سلام ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلام ہو، اے اباجان! (حضرت عمر) آپ پر سلام ہو۔'' (عینی، عمدۃ القاری، 70:8)

''زیارتِ قبور سے منع کرنے کا معنی یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کا بتوں کی عبادت اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے زمانہ سے قریب ہونے کی وجہ سے یہ ممانعت تھی، لیکن جب اسلام مستحکم ہوا اور لوگوں کے دلوں میں راسخ اور مضبوط ہوگیا اور قبروں کی عبادت اور ان کے لیے نماز کا خوف ختم ہوگیا تو پھر زیارتِ قبور کی ممانعت منسوخ ہوگئی کیونکہ دراصل زیارتِ قبور آخرت کی یاد دلاتی ہے اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہے۔'' (عینی، عمدۃ القاری، 70:8)

''حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ائمہ واسلاف اس عمل کو پسند کرتے تھے کہ میت کی قبر سے سات دنوں تک جدا نہ ہوا جائے (یعنی کم از کم سات دنوں تک وہاں فاتحہ وقرآن خوانی کا معمول جاری رکھا جائے) کیونکہ سات دنوں تک میت کی قبر میں آزمائش ہوتی ہے اور ان کا حساب ہوتا ہے۔'' (عینی، عمدۃ القاری، 70:8)

متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی میں نہ صرف یہ کہ زیارت قبور کو جائز قرار دیا ہے بلکہ زیارتِ قبور کے آداب اور اہلِ قبور سے استمداد کا طریقہ کار بھی بتایا ہے۔ اس حوالے سے ان کی عبارت ملاحظہ کریں:

جو شخص بھی کسی عام مومن کی قبر پر چلا جائے تو قبلہ کی طرف پشت کر کے چہرہ میت کے سینے کی طرف کرے۔ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورہ اخلاص پڑھے اور جب قبرستان میں داخل ہو تو یہ الفاظ کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَهْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ یَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَکُمْ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللهُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ. (اے امؤمنین و مسلمین سے تعلق رکھنے والے لوگو! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری بخشش و مغفرت فرمائے۔ ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔) اگر وہ قبر اولیاء وصلحاء میں سے کسی بزرگ کی ہو تو اپنا چہرہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف کرے اور بیٹھ جائے اور 21 مرتبہ چار ضربوں کے ساتھ ان اسماء مبارکہ کا ورد کرے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ اور سورہ القدر تین بار پڑھے۔ اس بزرگ ہستی کے سامنے اپنے قلب کو وساوس وخطرات سے پاک کرے تو اس زیارت کرنے والے کے دل میں اس بزرگ ہستی کی روحانی برکات پہنچ جائیں گی۔'' (شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی، 1:176)

اس سے متصل ایک اور سوال ان سے دریافت کیا گیا کہ صاحبِ مزار کا کامل ہونے کا پتہ کس طرح چلے گا اور اگر صاحبِ مزار کامل ہو تو اس سے استمداد کا طریقہ بتائیں، تو انہوں نے وہ بھی بتایا۔ ذیل میں سوال جواب ملاحظہ کریں۔

بعض صاحبانِ مزار کا کامل ہونا مشہور ہوتا ہے اور ان کا باکمال ہونا تسلسل کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ ایسے باکمال صاحب مزار ہستیوں سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کے سرہانے انگلی رکھ کر سورہ بقرہ کی تلاوت آغاز سے مفلحون تک کرے۔ پھر قبر یا پائنتی کی طرف آئے اور سورہ بقرہ میں سے آمن الرسول سے لے کر آخر تک مکمل پڑھے، اور اپنی زبان سے یوں کہے: اے حضرت میں اپنی فلاں حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں آپ بھی بارگاہِ الٰہی میں اپنی دعا اور شفاعت سے میری امداد فرمائیں۔'' پھر اپنا رخ بطرف قبلہ کرے اور اپنا مطلوب خود بارگاہِ الٰہی سے طلب کرے۔ اور وہ صاحبِ مزار جن کے بارے میں کامل ہونا معلوم نہ ہو اور عوام میں ان کا کامل ہونا بھی معروف اور تواتر کے ساتھ نہ ہو تو ایسے لوگوں کا مقام ومرتبہ اس طریقہ کے ساتھ معلوم کیا جاسکتا ہے۔ سورہ فاتحہ اور درود شریف پڑھ کر ''سبوح'' کا ذکر کرے اپنا دل اس صاحب مزار شخص کے سینہ کے سامنے کرے اگر راحت وسکون پائے تو جان لے کہ یہ صاحبِ مزار کامل شخصیت کا مالک ہے۔ لیکن (پھر بھی) استمداد معروف صاحب کمال بزرگوں سے ہی کیا جائے۔'' (شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیز، 1:177)

(2) زیارتِ قبور پر شوافع کا موقف

علامہ محمد شربینی خطیب شافعی لکھتے ہیں: ''جس قبرستان میں مسلمان مدفون ہوں اس کی زیارت کرنا مردوں کے لئے بالاجماع مستحب ہے۔ پہلے زیارتِ قبور کی ممانعت تھی بعد ازاں یہ ممانعت اس حدیث مبارکہ سے منسوخ ہوگئی جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا اب اس کی زیارت کیا کرو'' اور عورتوں کے لیے زیارت مکروہ ہے

کیونکہ وہاں ان سے رونا دھونا اور آوازوں کو بلند کرنا متوقع ہوتا ہے البتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنا ان کے لئے مندوب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت سب سے بڑی قربت ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس حکمِ زیارت میں دیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین اور شہداء عظام کی زیارات کو بھی شامل کرلیا جائے۔'' (شربینی، الاقناع، 208:1)

امام نووی شافعی لکھتے ہیں: ''مردوں کے لئے قبروں کی زیارت مستحب عمل ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ اس میں دو مؤقف ہیں، ایک مؤقف جس میں جمہور علماء ہیں کہ عورتوں کے لئے مکروہ ہے اور دوسرا مؤقف جورویانی کے نزدیک صحیح ترین ہے وہ یہ کہ جب فتنہ سے تحفظ ہو تو مکروہ نہیں۔'' (نووی، روضۃ الطالبین، 139:2)

(3) مالکیہ کا مؤقف

مالکیہ بھی مطلق زیارت کو مندوب و مستحسن گردانتے ہیں۔

علامہ دردیر شرح الکبیر میں لکھتے ہیں: ''زیارتِ قبور جائز بلکہ مندوب ہے اس چیز کا تعین کیے بغیر کہ کب اور کس وقت زیارت کے لیے جایا جائے اور قبروں کے پاس کتنی دیر ٹھہرا جائے۔'' (دردیر، الشرح الکبیر، 422:1)

(4) حنابلہ کا مؤقف

فقہ حنبلی کے مشہور امام ابن قدامہ مقدسی نے زیارتِ قبر پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ الکافی میں وہ لکھتے ہیں: ''مردوں کے لئے قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا پس اب تم زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہے۔'' (ابن قدامۃ، الکافی فی فقہ احمد بن حنبل، 274:1)

کتاب المغنی میں وہ لکھتے ہیں: ''ہم نہیں جانتے کہ اہلِ علم کا مردوں کی زیارتِ قبور میں کوئی اختلاف ہو۔ علی بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے زیارتِ قبور کا مسئلہ پوچھا کہ آپ کے نزدیک زیارت کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا؟ انہوں نے فرمایا: قبروں کی زیارت کرنا بہتر ہے اور یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت کی یاد دلاتی ہے۔'' اسے امام مسلم نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فانھا تذکر الآخرۃ کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔'' (ابن قدامۃ، المغنی، 223:2)

عورتوں کے مسئلہ زیارتِ قبور کو انہوں نے یوں بیان کیا ہے: ''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کے حوالے سے دو مختلف روایتیں مروی ہیں ان میں سے ایک کراہت کے بارے میں ہے کہ حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبروں کی زیارت سے منع فرمایا لیکن ہم پر سختی نہیں کی جاتی تھی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔'' (ابن قدامۃ، المغنی، 226:2)

''دوسری روایت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا اب ان کی زیارت کیا کرو یہ ممانعت ختم ہونے اور منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے پس اس عموم میں مرد و زن دونوں شامل ہو گئے۔'' (ابن قدامۃ، المغنی، 2)

عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

جس طرح مردوں کو تذکیرِ آخرت کے لئے زیارتِ قبور کا حکم ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی بعض شرائط کے ساتھ زیارتِ قبور جائز ہے۔ عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا جواز احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے احوال سے بھی ثابت ہے۔ تاہم بعض ائمہ دین نے عورتوں کو مزارات پر جانے سے منع فرمایا ہے ہم ان دونوں پہلوؤں پر باری باری تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

(1) عورتوں کی زیارتِ قبور کے جواز پر احادیث اور آثار

1. حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس زار و قطار رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی سے ڈر اور صبر کر۔ اس عورت نے (شدتِ غم اور عدمِ تعارف کی وجہ سے) کہا: آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ آپ کو مجھ جیسی مصیبت نہیں پہنچی ہے۔ وہ خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی نہ تھی۔ کسی نے اسے بتایا کہ یہ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ عورت (اپنی اس بات کی معذرت کرنے کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضر ہوئی۔ اس نے خدمت میں حاضری کی اجازت لینے کے لئے دربان نہیں پایا (تو باہر سے کھڑے ہوکر) عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ اس کی اس معذرت طلبی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدمے کے موقع پر صبر ہی بہتر ہے۔''

(بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، 1:431، رقم: 1223، 2. بیہقی، السنن الکبریٰ، 10:101، رقم: 20043، 3. احمد بن حنبل، المسند، 3:143، رقم: 12480)

اس حدیثِ مبارکہ سے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قبر پر آنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ رونے سے منع فرمایا۔ اگر عورتوں کو مطلقاً زیارتِ قبور کی ممانعت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو قبور پر آنے سے منع فرما دیتے۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے:

واختلف في النّساء، فقيل: دخلن في عموم الاذن، وهو قول الأكثر، و محله ما إذا أُمنت الفتنة. ويؤيّد الجواز حديث الباب، وموضع الدلالة منه أنّه صلي الله عليه وآله وسلم لم ينكر علي المرأة قعودها عند القبر وتقريره حجة.

''عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتیں بھی عمومِ اجازت میں شامل تھیں۔ یہ جمہور ائمہ کا قول ہے اور اس کا اطلاق تب ہے جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اس کی تائید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ باب کے عنوان (باب زیارۃ القبور) سے ہو رہی ہے۔ اور استدلال اس طرح ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہ فرمایا اور یہ شرعی اُصول ہے کہ کسی عمل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی بھی جواز کی دلیل

ہے۔‘‘(عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، 148:3)

2۔ حضرت عبد اللہ بن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں:

أن عائشة أقبلت ذات يوم من المقابر. فقلت لها: يا أم المؤمنين من أين أقبلت؟ قالت. من قبر أخي عبد الرحمن بن أبي بكر. فقلت لها: أليس كان رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم نهي عن زيارة القبور؟ قالت: نعم. كان نهي ثم أمر بزيارتها.

’’ایک دن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے واپس تشریف لا رہی تھیں میں نے اُن سے عرض کیا: ام المؤمنین! آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟ فرمایا: اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی قبر سے، میں نے عرض کیا: کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع نہیں فرمایا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! پہلے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں رخصت دے دی تھی۔‘‘

(حاکم، المستدرک، 532:1، رقم: 1392، 2۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، 78:4، رقم: 4999، 3۔ عبد الرزاق، المصنف، 570:3، رقم: 6711)

3۔ امام جعفر الصادق اپنے والد گرامی امام محمد الباقر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

كانت فاطمة بنت رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم تزور قبر حمزة كل جمعة.

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضری دیتی تھیں۔‘‘ (عبد الرزاق، المصنف، 572:3، رقم: 6713)

(2) عورتوں کی زیارتِ قبور کے جواز و عدم جواز پر ائمہ کی آراء

بعض ائمہ کرام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان مبارک سے عورتوں کی زیارتِ قبور پر مطلقاً عدم جواز ثابت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم لَعَنَ زَوَّارَتِ الْقُبُوْرِ. قَالَ وَفِي الباب: عن ابن عباس، وحسان بن ثابت. قال أبو عيسي: هذا حديثٌ حسنٌ صحيح. وقد رأي بعض أهل العلم. أن هذا كان قبل أن يرخص النّبيّ صلي الله عليه وآله وسلم في زيارة القبور. فلما رخص دخل في رخصته الرّجال والنّساء. وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور للنّساء. لقلة صبرهن، وكثرة جزعهن.

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کثرت سے) قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی روایات مذکور ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ حکم اس وقت تھا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرما دی تو یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں عورتوں کی زیارتِ قبور کی

ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ان میں صبر کم اور رونا دھونا زیادہ ہوتا ہے۔"

(ترمذی، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی کراہیۃ زیارۃ القبور النساء، 3:371، رقم:1056)

شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م 852ھ) نے شرح صحیح بخاری میں حدیثِ ترمذی کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ:

قال القرطبي هذا اللّعن إنما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصفة من المبالغة، ولعل السبب ما يفضي إليه ذلک من تضييع حق الزوج، والتبرج، وما ينشأ منهن من الصّياح ونحو ذلک. فقد يقال: إذا أمن جميع ذلک فلا مانع من الاذن، لأن تذكر الموت يحتاج إليه الرّجال والنّساء.

"قرطبی نے کہا یہ لعنت کثرت سے زیارت کرنے والیوں کے لئے ہے جیسا کہ صفت مبالغہ کا تقاضا ہے (یعنی زَوّارات مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں کثرت سے زیارت کرنے کا معنی پایا جاتا ہے) اور شاید اس کی وجہ سے یہ ہو کہ (بار بار) اس طرح کرنے سے شوہر کے حق کا ضیاع، زینت کا اظہار اور بوقتِ زیارت چیخ و پکار اور اس طرح دیگر ناپسندیدہ اُمور کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ پس اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب اس تمام ناپسندیدہ اُمور سے اجتناب ہو جائے تو پھر رخصت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مرد اور عورتیں دونوں موت کی یاد کی محتاج ہیں۔" (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، 3:149)

اسی بات کو شارحِ ترمذی علامہ عبدالرحمان مبارکپوری (م 1353ھ) نے تحفۃ الاحوذی (4:136) میں نقل کیا ہے۔

تمام شارحینِ حدیث اور فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حصولِ عبرت اور تذکیرِ آخرت کے لئے زیارتِ قبور میں عموم ہے یعنی جس طرح ممانعت عام تھی اسی طرح جب رخصت ملی تو وہ بھی عام ہے۔ البتہ عورتیں چونکہ بے صبر ہوتی ہیں اگر اپنے کسی قریبی عزیز کی قبر پر جا کر اس طرح نوحہ کریں جس سے شریعت نے منع کیا ہے یا قبرستان میں ان کا جانا باعثِ فتنہ اور بے پردگی و بے حیائی کا باعث ہو، محرم ساتھ نہ ہو یا ایسا اجتماع ہو جہاں اختلاطِ مرد و زن ہو تو اس صورت میں عورتوں کا زیارتِ قبور کے لئے جانا بلاشبہ ممنوع ہے۔ اور اگر محرم کے ساتھ باپردہ قبرستان جائے اور وہاں جا کر دعا کرے، تذکیرِ آخرت سامنے ہو تو پھر رخصت ہے۔ جمہور احناف کے نزدیک رخصتِ زیارت مرد و زن دونوں کے لئے ہے۔

1۔ علامہ ابنِ نجیم حنفی (926.970ھ) لکھتے ہیں:

وقيل تحرم علي النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لهما.

"یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیارتِ قبر عورتوں کے لئے حرام ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ زیارتِ قبور کی اجازت مرد و زن دونوں کے لئے یکساں ہے۔" (ابن نجیم، البحر الرائق، 2:210)

2۔ علامہ ابنِ عابدین شامی حنفی نے لکھا ہے:

أمّا علي الاصحّ من مذهبنا وهو قول الكرخي وغيره، من أن الرخصة في زيارة القبور ثابتة للرّجال والنّساء جميعًا، فلا إشكال.

''احناف کے نزدیک صحیح قول امام کرخی وغیرہ کا ہے وہ یہ کہ زیارت قبور کی اجازت مرد وزن دونوں کے لئے ثابت ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔'' (ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، 2:626)

3۔ علامہ شرنبلالی (م 1069ھ) لکھتے ہیں: نُدِبَ زِيَارَتُهَا لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ عَلَى الْأَصَحِّ.

''صحیح روایت کے مطابق زیارت قبور مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں طور پر مندوب ہے۔''

(شرنبلالی، نور الایضاح فصل فی زیارۃ القبور)

4۔ علامہ طحطاوی (م 1231ھ) مراقی الفلاح کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفي السراج : وأمّا النّساء إذا أردن زيارة القبور إن كان ذلك لتجديد الحزن، والبكاء، والندب كما جرت به عادتهن فلا تجوز لهن الزيارة، وعليه يحمل الحديث الصحيح ''لعن الله زائرات القبور''. وإن كان للاعتبار، والترحم، والتبرّك بزيارة قبور الصّالحين من غير ما يخالف الشرع فلا بأس به، إذا كنّ عجائز. وكره ذلك للشابات، كحضورهن في المساجد للجماعات. وحاصله أن محل الرخص لهن إذا كانت الزيارة علي وجه ليس فيه فتنة. والأصح أن الرّخصة ثابتة للرّجال والنّساء لأن السّيدة فاطمة رضي الله عنها كانت تزور قبر حمزة كل جمعة وكانت عائشة رضي الله عنها تزور قبر أخيها عبد الرحمن بمكة. كذا ذكره البدر العيني في شرح البخاري.

''سراج میں لکھا ہے: عورتیں جب زیارت قبور کا ارادہ کریں تو اس سے ان کا مقصد اگر آہ و بکا کرنا ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے تو اس صورت میں ان کے لئے زیارت کے لئے جانا جائز نہیں اور ایسی صورت پر اس صحیح حدیث مبارکہ کہ اللہ تعالیٰ زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرماتا ہے، کا اطلاق ہوگا اور اگر زیارت سے اُن کا مقصد عبرت ونصیحت حاصل کرنا اور قبور صالحین سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طلب اور حصول برکت ہو جس سے شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو تو اس صورت میں زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ خواتین بوڑھی ہوں، نوجوان عورتوں کا (بے پردہ) زیارت کے لئے جانا مکروہ ہے جیسا کہ ان کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کے لئے آنا مکروہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عورتوں کے لئے زیارت قبور کی رخصت تب ہے جب اس طریقے سے زیارت قبور کو جائیں کہ جس میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ زیارت قبور کی رخصت مرد وزن دونوں کے لئے ثابت ہے کیونکہ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی مکہ میں زیارت کرتی تھیں۔ یہی بات علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح بخاری (عمدۃ القاری) میں لکھی ہے۔''

(طحطاوی، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: 340-341)

(3) عورتوں کی زیارتِ قبور میں احتیاط کے پہلو

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ عورتوں کا زیارتِ قبور کے لیے جانا اگر آخرت کی یاددہانی، حصولِ عبرت، نصیحت اور زہد کے لیے ہو تو جائز ہے لیکن اگر ان کا جانا فتنہ اور بے حیائی کا باعث ہو اور شرعی حدود و قیود کا ارتفاع ہو تو پھر ممنوع ہے۔ ان وجوہات ہی کے باعث ہمارے بہت سے اکابر جن میں امام الھند اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں، نے عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کو جانا حرام قرار دیا ہے۔

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور شارحینِ حدیث وائمہ فقہ کی آراء کی روشنی میں جمہور کا موقف یہی ہے کہ عورتوں کا زیارتِ قبور کے لئے جانا بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے مثلاً:

اس زیارت کا مقصد تذکیرِ موت و آخرت ہو۔

اس زیارت کا مقصد اپنے عزیز رشتہ دار اور عام مومنین مردوں کو دعا و فاتحہ سے فائدہ پہنچانا ہو۔

مقابر اور درباروں پر عورتوں کے لیے باپردہ الگ سے زیارت کرنے کا اہتمام ہو۔ اختلاطِ مرد و زن نہ ہو۔

فتنہ اور بے حیائی سے تحفظ ہو۔

عورتیں وہاں جا کر جزع و فزع کر کے غم تازہ نہ کریں۔

کثرت سے زیارت کرنے والی نہ ہوں یعنی اسے روزانہ کا معمول نہ بنالیں۔ جبکہ درِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری مرد و زن سب کے لیے باعثِ اجر ہے۔ اس پر جمہور ائمہ کا اتفاق ہے۔

اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت بھی مندوب ہے۔

2042 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، قَرَأْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَافِعٍ، اَخْبَرَنِي ابْنُ اَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا، وَصَلُّوا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ

❀❀ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''تم لوگ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' اور تم میری قبر کو عید گاہ (یعنی میلہ کی جگہ) نہ بنا دینا اور تم مجھ پر درود بھیجو کیونکہ

2042- صحیح لغیرہ، وهذا اسناد حسن. عبد الله بن نافع - وهو الصائغ المخزومی - صدوق حسن الحدیث. وقد صحح اسنادہ الحافظ فی "الفتح" 6/ 488 ابن ابی ذئب: هو محمد بن عبد الرحمٰن العامری، وسعید المقبری: هو ابن ابی سعید. واخرجه احمد فی "مسندہ" (8804)، والطبرانی فی "الاوسط" (8030) من طریق عبد الله بن نافع، بهذا الاسناد. واخرج احمد فی "مسندہ" (7358) من طریق ابی صالح، عن ابی هریرة، رفعه: "اللّٰهم لا تجعل قبری وثنا، لعن الله قوما اتخذوا قبور انبیائهم مساجد." واسنادہ قوی. واخرجه احمد ایضاً فی "مسندہ" (7821)، ومسلم (780)، والترمذی (3093)، والنسائی فی "الکبرى" (7961) من حدیث ابی صالح، عن ابی هریرة، رفعه: "لا تجعلوا بیوتکم مقابر" واسنادہ صحیح. وفی الباب عن علی عند البزار (509)، وابی یعلی (469)، واسماعیل القاضی فی "فضل الصلاة علی النبی" (20)، وسندہ ضعیف.

تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو"۔

قبرستان کی وقف زمین سے متعلق بعض فقہی احکام کا بیان

علامہ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قبروں کے لئے زمین وقف کی' تو وقف صحیح ہے اور اصح یہ ہے کہ وقف کرنے سے ہی واقف کی ملک سے خارج ہوگئی اگرچہ نہ ابھی مردہ دفن کیا ہو اور نہ اپنے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو قبضہ دلایا ہو۔ زمین قبرستان کے لئے وقف کی اور اس میں بڑے بڑے درخت ہیں تو درخت وقف میں داخل نہیں واقف یا اس کے ورثاء کی ملک ہے۔ یونہی اس زمین میں عمارت ہے تو یہ بھی وقف میں داخل نہیں۔ گاؤں والوں نے قبرستان کے لئے زمین وقف کی اور مردے بھی اس میں دفن کئے پھر اسی گاؤں کے کسی شخص نے اس زمین میں اس لئے مکان بنایا کہ تختے وغیرہ قبرستان کی ضروریات اس میں رکھے جائیں گے۔

اور وہاں حفاظت کے لئے کسی کو مقرر کر دیا اگر یہ سب کام تنہا اسی نے دوسروں کے بغیر مرضی کئے یا بعض دوسرے بھی راضی تھے تو اگر قبرستان میں وسعت ہے تو کوئی حرج نہیں یعنی جب کہ یہ مکان قبروں پر نہ بنایا ہو اور مکان بننے کے بعد اگر اس زمین کی مردہ دفن کرنے کے لئے ضرورت پڑ گئی تو عمارت اٹھوا دی جائے۔ وقفی قبرستان میں جس طرح غریب لوگ اپنے مردے دفن کر سکتے ہیں' مالدار بھی دفن کر سکتے ہیں اس میں فقراء کی تخصیص نہیں۔ کفار کا قبرستان ہے اسے مسلمان اپنا قبرستان بنانا چاہتے ہیں اگر ان کے نشانات مٹ چکے ہیں' ہڈیاں بھی گل گئی ہیں تو حرج نہیں اور اگر ہڈیاں باقی ہیں تو کھود کر پھینک دیں اور اب اسے قبرستان بنا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں قبر کے نشان بھی مٹ چکے ہیں' ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں جب بھی اس کو کھیت بنانا یا اس میں مکان بنانا ناجائز ہے اور اب بھی وہ قبرستان ہی ہے۔ قبرستان کے تمام آداب بجالائے جائیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الوقف، بیروت)

اور جب قبرستان میں کسی نے اپنے لئے قبر کھود رکھی ہے اگر قبرستان میں جگہ موجود ہے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا نہ چاہئے اور اگر جگہ موجود نہ ہو تو دوسرے لوگ اپنا مردہ دفن کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ مسجد میں جگہ گھیرنے کے لئے پہلے سے رومال رکھ دیتے ہیں یا مصلیٰ بچھا دیتے ہیں اگر مسجد میں جگہ ہو تو دوسرے کو رومال یا جانماز ہٹا کر بیٹھنا نہ چاہئے اور جگہ نہ ہو تو بیٹھ سکتا ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں)

اور جب زمین مملوک میں بغیر اجازت مالک کسی نے مردہ دفن کر دیا تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ مردہ نکلوا دے یا زمین برابر کر کے کھیتی کرے۔ قبرستان میں کسی نے درخت لگائے تو یہی شخص ان درختوں کا مالک ہے اور درخت خود رو ہیں یا معلوم نہیں کس نے لگائے تو قبرستان کے قرار پائیں گے یعنی قاضی کے حکم سے بیچ کر اسی قبرستان کی درستی میں صرف کیا جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الوقف، بیروت)

2043 حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيٰى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْنٍ الْمَدَنِيُّ، اَخْبَرَنِيْ دَاوُدُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ رَبِيْعَةَ يَعْنِي ابْنَ الْهُدَيْرِ، قَالَ: مَا سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا قَطُّ غَيْرَ حَدِيْثٍ وَاحِدٍ، قَالَ: قُلْتُ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ، حَتّٰى اِذَا اَشْرَفْنَا عَلٰى حَرَّةِ

وَاقِمٍ فَلَمَّا تَدَلَّيْنَا مِنْهَا، وَإِذَا قُبُورٌ بِمَحْنِيَةٍ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَقُبُورُ إِخْوَانِنَا هٰذِهِ؟ قَالَ: قُبُورُ أَصْحَابِنَا فَلَمَّا جِئْنَا قُبُورَ الشُّهَدَاءِ، قَالَ: هٰذِهِ قُبُورُ إِخْوَانِنَا

ربیعہ بن ہدیر بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کبھی کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا صرف ایک حدیث سنی ہے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے دریافت کیا: وہ کون سی ہے؟ تو انہوں نے بتایا: (حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے) ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے ہم شہداء کی قبروں کی طرف جانا چاہتے تھے یہاں تک کہ جب ہم حرہ کی پتھریلی سرزمین پر چڑھے پھر وہاں سے نیچے اترے وہاں ایک طرف قبریں تھیں۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں جب ہم شہداء کی قبروں کے پاس آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔

2044 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَصَلَّى بِهَا. فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں موجود کھلے میدان میں اپنی سواری کو بٹھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز ادا کی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

2045 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، قَالَ: قَالَ مَالِكٌ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُجَاوِزَ الْمُعَرَّسَ إِذَا قَفَلَ رَاجِعًا إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى يُصَلِّيَ فِيهَا مَا بَدَا لَهُ، لِأَنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَّسَ بِهِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْحَاقَ الْمَدَنِيَّ، قَالَ: الْمُعَرَّسُ: عَلَى سِتَّةِ أَمْيَالٍ مِنَ الْمَدِينَةِ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: کسی بھی شخص کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ کی طرف واپس آنے لگے تو معرس سے آگے گزر جائے۔ اسے پہلے وہاں نماز ادا کرنی چاہیے۔ جتنی نمازیں اسے مناسب لگیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں رات کے آخری حصے میں پڑاؤ کیا تھا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے محمد بن اسحاق مدنی کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے معرس نامی جگہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے سے ہے۔

2044- اسناده صحيح. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة، ونافع: هو مولى ابن عمر. وهو عند مالك في "الموطا" 4051/1، ومن طريقه اخرجه البخاري (1532)، ومسلم باثر (1345)، والنسائي في "الكبرى" (3627) و (4231).

2045- اسناده صحيح. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة، ونافع: هو مولى ابن عمر. وهو عند مالك في "الموطا" 4051/1، ومن طريقه اخرجه البخاري (1532)، ومسلم باثر (1345)، والنسائي في "الكبرى" (3627) و (4231). واخرجه البخاري (484) مطولاً و (1533) و (1799) و (1767)، ومسلم باثر (1345) من طريق نافع، به. ولم يرد في بعض المواضع ذكر الصلاة، وهو في "مسند احمد" (4819).

كِتَابُ النِّكَاحِ

کتاب: نکاح کے بارے میں روایات

نکاح کے معنی ومفہوم کا بیان

لفظ نکاح باب نکح ینکح (منع، ضرب) سے مصدر ہے اس کے معنی "جماع کرنا اور شادی کرنا" مستعمل ہے۔ اِستَنکَحَ (استفعال) "شادی کرنا"۔ انکحَ (افعال) "شادی کرانا"۔ تَنَاکَحَ (تفاعل) "ایک دوسرے سے شادی کرنا"۔ عربی اور اردو زبان میں نکاح کا لفظ رائج ہے جبکہ اردو میں نکاح کے مترادف الفاظ شادی، بیاہ بھی رائج ہیں۔

(تاریخ ہندوستان، ابوریحان البیرونی، صفحہ نمبر ۲۰۳)

نکاح کے لغوی معنی: جماع کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ یہاں نکاح سے مراد جماع ہے۔ (روح المعانی، النساء: ۲۳، ۳/۴۸۸)

نکاح کے اصطلاحی معنی: علمائے فقہ کی اصطلاح میں نکاح اس خاص معاہدہ کو کہتے ہیں جو عورت و مرد کے درمیان ہوتا ہے، جس سے دونوں میں زوجیت کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ (التعریفات: ۱/۸۱)

نکاح کے لغوی معنی

نکاح کے لغوی معنی کے بارے میں علامہ عبدالرحمن الجزیری لکھتے ہیں: "لغت کے رُو سے اس کے معنی "وطی" (یعنی مباشرت یا جماع) اور باہم ملنے کے ہیں۔ چنانچہ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور وہ باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے "تناکحت الاشجار" (یعنی درختوں کا ہجوم ہو گیا یا درخت گڈمڈ ہو گئے) اور اس کا اطلاق مجاز (مرسل) کے عقد (نکاح) پر ہوتا ہے کیونکہ یہ سبب ہے مباشرت کا۔"

القاموس الفقھی لغۃً واصطلاحاً میں لغوی معنی اس طرح درج ہیں:

"لغت کی رو سے نکاح سے مراد اشیاء کو جمع کرنا ہے۔ ایک شے کے دوسری میں پیوست ہونے یا جذب ہو جانے پر نکاح کا لفظ بولا جاتا ہے۔" (القاموس المحیط صفحہ نمبر ۲۲۳ بیروت، لبنان: الموسسۃ العربیہ)

تعریف نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ فقہاء احناف میں بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ایک شخص کو کسی کی ذات سے حصول

نفع کا مالک بنا دینا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ خاص شخص صرف مخصوص عضو سے نفع حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔

بعض فقہاء احناف نے یہ لکھا ہے کہ کسی شخص کو ملکہ متعہ کا مالک بنا دینا نکاح ہے۔ جبکہ بعض نے کہا ہے کہ نکاح صرف عضو خاص نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضاء سے نفع حاصل کرنے کے لئے ہے۔

فقہاء شوافع میں بعض نے نکاح کی تعریف یوں کی ہے کہ نکاح ایک معاملہ ہے جس میں نکاح یا تزویج یا اس کے ہم معنی لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس سے مباشرت کی ملکیت حاصل ہو اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص لذت معلومہ سے نفع حاصل کرے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح ایک محض جنسی لذت کے لئے ایک معاملہ ہے جو حصول لذت سے پہلے گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ اور اس کام کی قیمت واجب الادا نہیں ہوتی۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح منفعت استمتاع کے لئے ایک معاملہ ہے جس میں انکاح یا تزویج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور استمتاع سے مراد فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ مرد کا خود نفع حاصل کرنا ہے۔ (مذاہب اربعہ، ج ۴، ص ۴، اوقاف پنجاب)

نکاح کے شرعی معنی:

نکاح کے شرعی معنی کے بارے میں عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

"دوسرے معنی اصولی ہیں جسے شرعی معنی بھی کہتے ہیں۔ اس بارے میں علماء کے تین مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ نکاح کے معنی بالکل لغوی معنی کے طرح "مباشرت" کے اور مجازی عقدِ نکاح کے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ معنی لغوی سابقہ کے برعکس نکاح کے حقیقی معنی "عقد" کے ہیں اور مجازی معنی "وطی" کے ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں لفظ زیادہ تر عقد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ نکاح عقد اور وطی دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ دراصل اقوال ثلاثہ میں سے یہ قول سب زیادہ قوی ہے۔" (کتاب الفقہ، عبدالرحمٰن الجزیری، مترجم منظور احسن عباسی، جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۱)

نکاح کے فقہی معنی

نکاح کے تیسرے معنی فقہی ہیں جس کی تعبیر فقہاء نے مختلف عبارتوں سے کی ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہے اور یہ ہے کہ عقدِ نکاح شارع نے اس لیے رکھا ہے کہ اس سے خاوند اپنی بیوی کے تمام جسم سے محظوظ ہو سکے۔

علامہ الجزیری نے کتاب الفقہ میں حنفی، مالکی، شافعی فقہاء سے نکاح کی جو تعریفیں منقول ہیں ان کو بیان کیا ہے۔ احناف کے نزدیک: نکاح ایک معاملہ ہے جو اس اردادہ سے کیا جائے کہ ایک شخص ملک متعہ کا مالک ہو جائے۔

شوافع کے نزدیک: نکاح ایک معاملہ ہے جس میں نکاح یا تزویج یا اس کے ہم معنی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ اس سے باشرت کی ملکیت حاصل ہو اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص لذت معلومہ سے تمتع کا مالک ہو جائے۔

مالکیہ کے نزدیک: نکاح محض جنسی لذت (یا عورت سے مباشرت) کے لیے ایک معاملہ ہے جو حصول لذت سے پہلے اہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، عبدالرحمٰن الجزیری، مترجم منظور احسن عباسی، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۱، ۲)

نکاح کی تعریف

مولانا مجاہد الاسلام نکاح کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نکاح مرد و عورت کے درمیان شرعی اصولوں پر کیا گیا معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق جائز اور پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً ثابت ہو جاتا ہے اور باہم حقوق و فرائض عائد ہو جاتے ہیں۔" (القاموس لفقہ و اصطلاحات صفحہ نمبر ۳۶۰)

فقہ کے دو حصے ہیں ایک عبادات دوسرا معاملات، عبادات: اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں مکلف (انسان) کے ان افعال و اعمال سے بحث کی جاتی ہے جو شریعت کی طرف سے عبد و معبود کے درمیان تعلق پیدا کرنے کے لیے دیے گئے ہوں جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

معاملات: اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں مکلف (انسان) کے ان افعال و اعمال سے بحث کی جاتی ہے جو شریعت کی طرف سے بندوں کے آپسی تعلق پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہوں جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔

ان دونوں کے علاوہ بعض امور ایسے ہیں جن میں مذکورہ دونوں پہلو ہیں یعنی ان میں عبادات کی بھی شان موجود ہے اور معاملات کی بھی، جیسے نکاح اس حیثیت سے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس کی ترغیب قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے اور اس کے ادا کرنے سے ثواب ملتا ہے جو عبد اور معبود کے تعلق کا نتیجہ ہے اس حیثیت سے یہ عبادات میں داخل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس فعل کی وجہ سے دو بندوں یعنی میاں بیوی؛ بلکہ دو خاندانوں میں آپسی تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس لحاظ سے وہ معاملات میں داخل ہے۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کے بعد اور معاملات سے پہلے ایسے دو پہلو والے افعال کا ذکر کیا جائے اور چونکہ ان تمام افعال میں نکاح کے مصالح اور فوائد دینی و دنیوی بہت زیادہ ہیں اس لیے اس کا ذکر سب سے پہلے کیا جا رہا ہے۔

كِتَابُ النِّكَاحِ ذَكَرَهُ عَقِبَ الْعِبَادَاتِ الْأَرْبَعِ أَرْكَانِ الدِّينِ ؛ لِأَنَّهُ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهَا كَالْبَسِيطِ إِلَى الْمُرَكَّبِ ؛ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ مِنْ وَجْهٍ مُعَامَلَةٌ مِنْ وَجْهٍ (رد المحتار کتاب النکاح: ۹/۷۱)

حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اس آخری دین تک کوئی شریعت نکاح سے خالی نہیں رہی یعنی مرد و عورت کا ایک خاص معاہدہ آپسی جوڑ کے لیے ہر شریعت میں ہوتا تھا اور بغیر اس خاص معاہدہ کے مرد و عورت کا آپسی تعلق کسی شریعت نے جائز نہیں رکھا، البتہ اس معاہدہ کی صورتیں شریعتوں میں مختلف رہیں اور اس کے شرائط وغیرہ میں تبدیلی ہوتی رہی۔ حوالہ

اعلم أن أصول فن تدبير المنازل مسلمة عند طوائف العرب والعجم لهم اختلاف في أشباحها وصورها۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، باب تدبیر المنزل: ۱/۶۸۰)

نکاح کے فوائد

نکاح کے فوائد و مصالح دینی و دنیوی بہت زیادہ اور عظیم الشان ہیں جن کا کچھ اندازہ صرف اس امر پر غور کرنے سے ہوسکتا ہے کہ تمام آسمانی شریعتیں اس کی خوبی پر متفق ہیں، گویا یہ بھی اصول ملت میں ایک اصل ہے، علماء نے بہت سے مصالح بیان کئے

ہیں اور ہر عقل مند اپنی سمجھ کے مطابق جدید فوائد نکال سکتا ہے، یہاں کچھ فوائد بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کو ایک متعین وقت تک تمام حیوانات اور خاص کر بنی آدم کو باقی رکھنا مقصود ہے اور اس کے لیے توالد وتناسل کا جاری ہونا ضروری ہے اور توالد وتناسل کا سبب تمام حیوانات میں نر ومادہ کے اجتماع خاص کو قرار دیا گیا اور سب میں ایک قوت شہوانیہ رکھی گئی، اب شرافتِ انسانی کے لحاظ سے اس امر میں بھی دیگر حیوانات سے امتیاز ضروری تھا جیسا کہ کھانے، پینے وغیرہ میں امتیاز ہے اس لیے یہ حکم ہوا کہ آپسی رضامندی سے کچھ شرائط واصول کے ساتھ یہ معاہدہ طے ہو۔

(۲) نکاح میں توالد وتناسل عمدہ طریقہ پر ہوتا ہے، برخلاف بدکاری کے، اس لیے کہ اس (نکاح) میں ایک طرح کی خاص محبت ہوتی ہے اور دونوں مل کر بچوں کی تعلیم وتربیت میں کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے امید کی جاتی ہے کہ بچوں کی اعلیٰ تربیت ہو جائے۔ حوالہ

سَبَبِ شَرْعِيَّتِهِ تَعَلُّقُ الْبَقَاءِ الْمُقَدَّرِ فِي الْعِلْمِ الْأَزَلِيِّ عَلَى الْوَجْهِ الْأَكْمَلِ، وَإِلَّا فَيُمْكِنُ بَقَاءُ النَّوْعِ بِالْوَطْءِ عَلَى غَيْرِ الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ لَكِنَّهُ مُسْتَلْزِمٌ لِلتَّظَالُمِ وَالسَّفْكِ وَضَيَاعِ الْأَنْسَابِ، بِخِلَافِهِ عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ۔ (فتح القدیر، کتاب النکاح: ۶/ ۲۶۵، بحر الرائق، کتاب النکاح: ۷/ ۵۴)

(۳) سلسلۂ نسب باقی رہتا ہے اسی وجہ سے ایک مرد کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا دادا، کسی کا پوتا، کسی کا ماموں، کسی کا چچا یا کسی کا بھائی اور کسی کا بہنوئی ہوتا ہے اور اس تعلق کے ذریعہ ایک عورت کسی کی ماں، کسی کی دادی، کسی کی نانی، کسی کی پھوپھی، کسی کی چاچی، کسی کی بیٹی اور کسی کی بہن بنتی ہے۔

(۴) نکاح کے ذریعہ ایک اجنبی اپنا اور ایک بے گانہ یگانہ بن جاتا ہے ان ہی تعلقات کا نام خاندانی نظام ہے، ان ہی تعلقات سے آدمی مہر ومحبت، الفت ومودت، لحاظ وپاس، ادب وتمیز، شرم وحیا، ہمدردی وغم گساری عفت وپاکیزگی سیکھتا ہے۔

نکاح کے ارکان

نکاح کے دو رکن ہیں (۱) ایجاب (۲) قبول، مجلس نکاح میں جس کی طرف سے پہلے نکاح کی پیش کش ہوگی وہ ایجاب ہے اور دوسرے کی جانب سے اس کو قبول کر لینا قبول کہلاتا ہے۔

مسئلہ: ایجاب وقبول عاقدین (لڑکا، لڑکی) خود بھی کر سکتے ہیں یا عاقدین کے ولی وغیرہ بھی کر سکتے ہیں۔

وَأَمَّا رُكْنُ النِّكَاحِ فَهُوَ الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ (بدائع الصنائع ۵/ ۳۱۴)

نکاح کے شرائط

(۱) ایک ہی مجلس میں ایجاب وقبول کا ہونا۔

(۲) ایجاب وقبول میں مطابقت ہونا مثلاً لڑکی یا اس کا ولی وغیرہ دس ہزار روپے مہر پر نکاح کا ایجاب کرے اور مرد یا اس کا وکیل وغیرہ پانچ ہزار پر نکاح قبول کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(۳) ایجاب وقبول کرنے والے ایک دوسرے کی بات (ایجاب وقبول) کو سنیں۔

(۴) طرفین مجلس میں موجود ہوں اور بولنے پر قادر ہوں تو ایجاب وقبول کو زبان سے ادا کرے (فون وغیرہ کے ذریعہ نکاح کی بہترین صورت یہ ہے کہ جو نکاح کرنا چاہے وہ کسی کو وکیل بنادے اور وکیل مجلس عقد میں ایجاب کرے اور دوسرا فریق اس کو قبول کرے) اسی طرح خط کے ذریعہ کسی نے نکاح کا ایجاب کیا تو خط ملنے پر صرف قبول ہے کہنا کافی نہ ہوگا بلکہ وہ ایجاب بھی گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنایا جائے اس کے بعد قبول کیا جائے اور لڑکی اگر باکرہ ہو تو اس کی خاموشی اور مسکراہٹ یارونا رضامندی سمجھی جائے گی اگر ثیبہ (عقد والی) ہے تو زبان سے رضامندی کا اظہار کرنا ہوگا اور سنت یہ ہے کہ ولی نکاح سے پہلے ہی لڑکی سے اجازت لے لے۔

(۵) مجلس عقد میں ایجاب وقبول کے وقت دو گواہوں کا ہونا اور وہ گواہان عاقل، بالغ اور آزاد ہو، ایجاب وقبول کو سنیں اور سمجھیں، دونوں مرد ہوں تو بہتر ہے، ایک مرد دو عورتیں بھی کافی ہوں گی۔ (بدائع الصنائع ۵/۳۲۵)

نکاح کا حکم

نکاح پانچ طرح کا حکم رکھتا ہے۔ (۱) فرض، (۲) واجب، (۳) سنت، (۴) مکروہ، (۵) حرام۔

(۱) جب آدمی پر شہوت اتنی غالب ہو جائے کہ اسے گمان غالب ہو کہ وہ شادی نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور مہر ادا کرنے اور بیوی کے حقوق ادا کرنے پر قدرت ہو نیز اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی پوری امید ہو تو نکاح کرنا فرض ہے۔

(۲) جب آدمی پر شہوت اتنی غالب نہ ہو کہ بدکاری میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہو؛ بلکہ اس میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، مہر اور نفقہ پر بھی قادر ہو اور ظلم کا خوف نہ ہو تو اس پر نکاح واجب ہے۔

(۳) جب آدمی پر شہوت غالب نہ ہو، عام حالت ہو اور بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرسکتا ہو تو نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

(۴) اگر اسے یہ خوف ہو کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی کے حقوق ادا نہ کرسکے گا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرسکے گا تو نکاح کرنا مکروہ ہے۔

(۵) اگر اسے ظن غالب یا یقین ہو کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کریگا اور اس کے ساتھ ظلم وزیادتی ہوگی تو اس کے لیے نکاح کرنا حرام ہے۔ حوالہ

وَهُوَ فِي حَالَةِ التَّوَقَانِ وَاجِبٌ، لِأَنَّ التَّحَرُّزَ عَنِ الزِّنَا وَاجِبٌ وَهُوَ لَا يَتِمُّ إِلَّا بِالنِّكَاحِ. وَمَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ. وَفِي حَالَةِ الِاعْتِدَالِ مُسْتَحَبٌّ. وَفِي حَالَةِ خَوْفِ الْجَوْرِ مَكْرُوهٌ۔

(العنایۃ، کتاب النکاح: ۴/ ۲۱۴)

أَمَّا فِي حَالِ التَّوَقَانِ قَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ وَاجِبٌ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ يَغْلِبُ عَلَى الظَّنِّ أَوْ يَخَافُ الْوُقُوعَ فِي الْحَرَامِ. وَفِي النِّهَايَةِ: إِنْ كَانَ لَهُ خَوْفُ الْوُقُوعِ فِي الزِّنَا بِحَيْثُ لَا يَتَمَكَّنُ مِنَ التَّحَرُّزِ إِلَّا بِهِ كَانَ فَرْضًا

(فتح القدیر کتاب النکاح: ۶/ ۲۶۵)

عورت میں یہ امور دیکھیں

(۱) باکرہ ہو، (۲) دیندار ہو، (۳) حسب (فضل وکمال، عزت ووقار) اور نسب (خاندان)، (۴) حسن وجمال، (۵) نیک مزاجی، خوش خلقی میں لڑکے سے زیادہ ہو، (۶) مال و دولت، زور وقوت، قد وقامت اور عمر میں لڑکے سے کم ہو ورنہ صحیح طور پر اطاعت نہ کریگی۔

نکاح کی شرعی حیثیت کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اعتدال کی حالت میں یعنی نہ شہوت کا بہت زیادہ غلبہ ہو نہ عنین (نامرد) ہو اور مہر ونفقہ پر قدرت بھی ہو تو نکاح سُنّتِ مؤکدہ ہے کہ نکاح نہ کرنے پر اڑا رہنا گناہ ہے اور اگر حرام سے بچنا یا اتباعِ سُنّت و تعمیلِ حکم یا اولاد حاصل ہونا مقصود ہے تو ثواب بھی پائے گا اور اگر محض لذّت یا قضائے شہوت منظور ہو تو ثواب نہیں۔

شہوت کا غلبہ ہے کہ نکاح نہ کرے تو معاذ اللہ اندیشہ زنا ہے اور مہر ونفقہ کی قدرت رکھتا ہو تو نکاح واجب۔ یونہی جبکہ اجنبی عورت کی طرف نگاہ اُٹھنے سے روک نہیں سکتا یا معاذ اللہ ہاتھ سے کام لینا پڑے گا۔ تو نکاح واجب ہے۔ یہ یقین ہو کہ نکاح نہ کرنے میں زنا واقع ہو جائے گا تو فرض ہے کہ نکاح کرے۔ اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کریگا تو نان نفقہ نہ دے سکے گا یا جو ضروری باتیں ہیں ان کو پورا نہ کر سکے گا تو مکروہ ہے اور ان باتوں کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام مگر نکاح بہر حال ہو جائے گا۔ نکاح اور اُس کے حقوق ادا کرنے میں اور اولاد کی تربیت میں مشغول رہنا، نوافل میں مشغولی سے بہتر ہے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

نکاح کی فقہی حیثیت کا بیان

1- حنفی مسلک کے مطابق نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہوتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اور بیوی کے مہر پر اور اس کے نفقہ پر قدرت حاصل نہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بجائے اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا برتاؤ ہوگا۔

2- نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجہ کا غلبہ نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو، نیز مہر ونفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو۔ اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہو مگر وہ مہر اور بیوی کے اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ نکاح نہ کرے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا جب کہ مہر اور نفقہ پر قادر شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے۔

3- اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے اعتدال کی حالت سے مراد یہ ہے کہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہو لیکن بیوی کے ساتھ مباشرت ومجامعت کی قدرت رکھتا ہو اور مہر ونفقہ کی ادائیگی پر بھی قادر ہو۔ لہٰذا اس صورت میں نکاح نہ کرنیوالا گنہگار ہوتا ہے جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنیوالا اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔

4- نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو یعنی اگر کسی شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ میرا مزاج چونکہ بہت برا اور سخت ہے اس لئے میں بیوی پر ظلم وزیادتی کروں گا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے

5- نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جبکہ بیوی پر ظلم کرنے کا یقین ہو یعنی اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ میں اپنے مزاج کی تختی وتندی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کر سکتا بلکہ اس پر میری طرف سے ظلم ہونا بالکل یقینی چیز ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا اس کے لئے حرام ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت نے نکاح کے بارے میں مختلف حالات کی رعایت رکھی ہے بعض صورتوں میں تو نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے بعض میں واجب اور بعض میں سنت مؤکدہ ہوتا ہے جب کہ بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ بھی ہوتا ہے اور بعض میں تو حرام ہو جاتا ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اسی صورت کے مطابق عمل کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں : وہ شخص جو شادی کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور بغیر شادی کے رہنے سے اسے اپنے نفس اور دین میں ضرر ونقصان کا اندیشہ ہو اور اس نقصان سے شادی کے بغیر بچنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص پر شادی کے وجوب میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے۔

اور مرداوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الانصاف" میں کہا ہے کہ : جسے حرام کام میں پڑنے کا خدشہ ہو اس کے حق میں نکاح کرنا واجب ہے اس میں ایک ہی قول ہے کوئی دوسرا قول نہیں، اور یہاں پر عنت سے مراد زنا ہے اور صحیح بھی یہی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زنا سے ہلاکت میں پڑنے کو العنت کہتے ہیں۔

دوم : اس سے مراد ہے کہ اسے اپنے آپ کو محظور غلط کام میں پڑنے کا خدشہ ہو، جب اسے یہ علم ہو یا اس کا گمان ہو کہ وہ اس میں پڑ جائے گا۔ (الانصاف، کتاب النکاح، احکام النکاح)

نکاح کی ضرورت واہمیت

اسلام میں نکاح کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام نے نکاح کے تعلق سے جو فکرِ اعتدال اور نظریہ توازن پیش کیا ہے وہ نہایت جامع اور بے نظیر ہے۔ اسلام کی نظر میں نکاح محض انسانی خواہشات کی تکمیل اور فطری جذبات کی تسکین کا نام نہیں ہے۔ انسان کی جس طرح بہت ساری فطری ضروریات ہیں بس اسی طرح نکاح بھی انسان کی ایک اہم فطری ضرورت ہے۔ اس لیے اسلام میں انسان کو اپنی اس فطری ضرورت کو جائز اور مہذب طریقے کے ساتھ پورا کرنے کی اجازت ہے اور اسلام نے نکاح کو انسانی بقاء وتحفظ کے لیے ضروری بتایا ہے اسلام نے تو نکاح کو احساسِ بندگی اور شعورِ زندگی کے لیے عبادت سے تعبیر فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"النكاح من سنتي- نکاح کرنا میری سنت ہے۔ (ترمذی، بحوالہ اسلامی معاشرہ)

آنحضرت ﷺ نے نکاح کو آدھا ایمان بھی قرار دیا ہے

"اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ اِسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ"

جو کوئی نکاح کرتا ہے تو وہ آدھا ایمان مکمل کر لیتا ہے اور باقی آدھے دین میں اللہ سے ڈرتا رہے۔

نکاح انبیاء کرام کی بھی سنت ہے۔ارشاد ربانی ہے

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً﴾ الرعد ۳۸

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ سے پہلے یقیناً رسول بھیجے اور انہیں بیویوں اور اولاد سے بھی نوازا

اس ارشاد ربانی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام بھی صاحب اہل وعیال رہے ہیں۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہے

حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رسولوں کی چار سنتیں ہیں: (۱) شرم وحیاء کا خیال (۲) مسواک کا اہتمام (۳) عطر کا استعمال (۴) نکاح کا التزام۔

نکاح کی اہمیت ان احادیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ نکاح نگاہ کو نیچا رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے (یعنی نظر کو بھٹکنے سے اور جذبات کو بے لگام ہونے سے بچاتا ہے) اور جو نکاح کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے اسے چاہئے کہ شہوت کا زور توڑنے کے لیے وقتاً فوقتاً روزے رکھے۔"

(بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع منکم)

اسی طرح ایک مرتبہ جب بعض صحابہ کرام نے عبادت وریاضت میں یکسوئی ودلچسپی کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوت شہوت کو ختم کر دینے کی خواہش ظاہر کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور شادی نہ کرنے کو زندگی سے فرار اختیار کرنا قرار دیا۔اس لیے کہ اسلام زندگی سے فرار کی راہ کو بالکل ناپسند کرتا ہے۔چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَه وَلٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ''

بخدا! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کی ناراضگی سے بچنے والا ہوں (لیکن میرا حال) یہ ہے کہ میں کبھی نفل روزے رکھتا ہوں اور کبھی بغیر روزوں کے رہتا ہوں راتوں میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اور جو میرے طریقے سے منہ موڑے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

(بخاری، بحوالہ اسلامی معاشرہ)

انسان کسی قدر آرام طلب واقع ہوا ہے اور فطری طور پر راحت وسکون کا محتاج ہے اور اسی طرح فطری جذبات اور انسانی خواہشات کو پورا کرنے کا مزاج رکھتا ہے۔راحت ومسرت، سکون واطمینان اس کی فطرت میں داخل ہیں۔انسان کو اپنے مقصد تخلیق میں کامیاب ہونے عبادت میں یکسوئی ودلچسپی پیدا کرنے بندوں کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرنے اور اپنے متضاد جبلی اوصاف کو صحیح رخ پر لانے کے لیے نکاح انسان کے حق میں نہایت مؤثر ذریعہ اور کارآمد طریقہ ہے۔اللہ نے نکاح میں انسان کے لیے بہت سے دینی ودنیاوی فائدے رکھے ہیں۔مثلاً معاشرتی فائدے، خاندانی فائدے، اخلاقی فائدے س، ماجی

فائدے، نفسیاتی فائدے غرضیکہ فائدوں اور خوبیوں کا دوسرا نام نکاح ہے۔

انسان کو نکاح کے ذریعہ صرف جنسی سکون ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ قلبی سکون ذہنی اطمینان غرض کہ ہر طرح کا سکون میسر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ اعراف ۱۸۹

وہی اللہ ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

اس آیت سے عورت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ عورت مرد کے حق میں ایک انمول تحفہ ہے اور مرد کے لئے باعث سکون و اطمینان ہے لہٰذا جو مرد عورت کی قدر کرتا ہے وہ کامیاب اور پرسکون زندگی گزارتا ہے۔ اگر انسان نکاح سے جو انسانی فطری ضرورت ہے منہ موڑنے کی کوشش کرتا ہے تو انسان کو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نکاح کے بغیر سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ تاریخ میں چند استثنائی صورتوں اور چند مذہبی لوگوں کے افکار کے علاوہ دنیا میں ہمیشہ تمام انسان ہر زمانے میں شادی کو اہم ضرورت تسلیم کرتے آئے ہیں تاریخ کی روشنی میں شادی سے مستثنیٰ کبھی کوئی قوم مذہب اور ملت نہیں رہے ہیں۔ ہر مذہب وملت میں مقررہ مراسم اور رواجات کے بغیر تعلقات مرد وعورت برے اور اخلاق سے گرے ہوئے سمجھے گئے ہیں اگر چہ ہر مذہب وملت میں شادی کے طور طریقے رسم و رواج الگ الگ رہے ہیں بہر حال شادی کی اہمیت پر سب متفق ہیں۔

(اسلام میں نکاح کی اہمیت، از: سید کمال اللہ بختیار، لکچرر شعبہ عربی دی نیو کالج چینائی)

دور جاہلیت اور دیگر مذاہب میں نکاح

اسلام سے قبل نکاح کی صورت حال

قبل از اسلام عرب میں نکاح کے مختلف طریقے رائج تھے۔ جن میں سے بعض کو تو نکاح کہنا ہی درست نہیں کیونکہ وہ سراسر زنا سے مشابہ تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک روایت سے عرب کے دور جاہیت میں رائج نکاح کے طریقوں کا پتا چلتا ہے جو ان کی تہذیب کا حصہ تھے۔

حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح ہوتے تھے۔ ایک صورت تو یہی تھی جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں، ایک شخص دوسرے شخص کے پاس اس کی زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔ دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی تو کہتا تو فلاں شخص کے پاس چلی جا اور اس سے منہ کالا کرا لے اس مدت میں شوہر اس سے جدا رہتا اور اسے چھوتا بھی نہیں۔ پھر جب اس غیر مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس سے وہ عارضی طور پر صحبت کرتی رہتی، تو حمل کے ظاہر ہونے کے بعد اس کا شوہر اگر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا۔ ایسا اس لئے کرتے تھے تا کہ ان کا لڑکا شریف اور عمدہ پیدا ہو۔ یہ نکاح "استبضاع" کہلاتا تھا۔ تیسری قسم نکاح کی یہ تھی کہ چند آدمی جو تعداد میں دس سے کم ہوتے کسی ایک عورت کے پاس آنا جانا رکھتے اور اس سے صحبت کرتے۔ پھر جب

وہ عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو وضع حمل پر چند دن گزرنے کے بعد وہ عورت اپنے ان تمام مردوں کو بلاتی۔ اس موقع پر ان میں سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ وہ سب اس عورت کے پاس جمع ہوجاتے اور وہ ان سے کہتی کہ جو تمہارا معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور اب میں نے یہ بچہ جنا ہے۔ پھر وہ کہتی کہ اے فلاں! یہ بچہ تمہارا ہے۔ وہ جس کا چاہتی نام لے دیتی اور وہ لڑکا اسی کا سمجھا جاتا، وہ شخص اس سے انکار کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ چوتھا نکاح اس طور پر تھا کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ عورت اپنے پاس کسی بھی آنے والے کو روکتی نہیں تھی۔ یہ کسبیاں ہوتی تھیں۔ اس طرح کی عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈے لگائے رہتی تھیں جو نشانی سمجھے جاتے تھے۔ جو بھی چاہتا ان کے پاس جاتا۔ اس طرح کی عورت جب حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو اس کے پاس آنے جانے والے جمع ہوتے اور کسی قیافہ جاننے والے کو بلاتے اور بچہ کا ناک نقشہ جس سے ملتا جلتا ہوتا اس عورت کے اس لڑکے کو اسی کے ساتھ منسوب کردیتے اور وہ بچہ اسی کا بیٹا کہا جاتا، اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ پھر جب حضرت محمد ﷺ حق کے ساتھ رسول ہوکر تشریف لائے آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو باطل قرار دے دیا صرف اس نکاح کو باقی رکھا جس کا آج کل رواج ہے۔ (فتح الباری شرح البخاری بتصرف، کتاب نکاح، بیروت)

مندرجہ بالا اقسامِ نکاح کے علاوہ بھی کئی اور اقسام کے نکاح بھی تھے ان سب کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ عام نکاح:

یہ نکاح اصولی طور پر آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیر دست ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیا جاتا۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کردیتا۔

۲۔ زواج البعولۃ

یہ نکاح عرب میں بہت عام تھا۔ اس میں یہ تھا کہ مرد ایک یا بہت سی عورتوں کا مالک ہوتا۔ بعولت (خاوند ہونا) سے مراد مرد کا "عورتیں جمع کرنا" ہوتا تھا۔ اس میں عورت کی حیثیت عام مال ومتاع جیسی ہوتی۔

۳۔ زواج البدل

بدلے کی شادی، اس سے مراد دو بیویوں کا آپس میں تبادلہ تھا۔ یعنی دو مرد اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے سے بدل لیتے اور اس کا نہ عورت کو علم ہوتا، نہ اس کے قبول کرنے، مہر یا ایجاب کی ضرورت ہوتی۔ بس دوسرے کی بیوی پسند آنے پر ایک مختصری مجلس میں یہ سب کچھ طے پا جاتا۔

۴۔ نکاح متعہ

یہ نکاح بغیر خطبہ، تقریب اور گواہوں کے ہوتا۔ عورت اور مرد آپس میں کسی ایک مدت مقررہ تک ایک خاص مہر پر متفق ہو جاتے اور مدت مقررہ پوری ہوتے ہی نکاح خود بخود ختم ہوجاتا تھا طلاق کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور اس نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ماں کی طرف منسوب ہوتی اسے باپ کا نام نہیں دیا جاتا تھا۔

۵۔ نکاح الخدن

دوستی کی شادی، اس میں مرد کسی عورت کو اپنے گھر بغیر نکاح، خطبہ اور مہر کے رکھ لیتا اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیتا اور بعد ازاں یہ تعلق باہمی رضامندی سے ختم ہو جاتا کسی قسم کی طلاق کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر اولاد پیدا ہو جاتی تو وہ ماں کی طرف منسوب ہوتی۔ یہ طریقہ آج کل مغربی معاشرے میں بھی رائج ہے۔

۶۔ نکاح الضغینہ

جنگ کے بعد مال اور قیدی ہاتھ لگتے اور جاہلیت میں فاتح کے لیے مفتوح کی عورتیں، مال وغیرہ سب مباح تھا یہ عورتیں فاتح کی ملکیت ہو جاتیں اور وہ چاہتا تو انہیں بیچ دیتا چاہتا تو یونہی چھوڑ دیتا اور چاہتا تو ان سے مباشرت کرتا یا کسی دوسرے شخص کو تحفہ میں دے دیتا۔ یوں ایک آزاد عورت غلام بن کر بک جاتی۔ اس نکاح میں کسی خطبہ، مہر یا ایجاب وقبول کی ضرورت نہ تھی۔

۷۔ نکاح شغار

وٹے سٹے کی شادی۔ یہ وہ نکاح تھا کہ ایک شخص اپنی زیر سرپرستی رہنے والی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کر دیتا کہ وہ اپنی کسی بیٹی، بہن وغیرہ کا نکاح اس سے کرائے گا۔ اس میں مہر بھی مقرر کرنا ضروری نہ تھا اسلام نے اس کی بھی ممانعت فرمادی۔

۸۔ نکاح الاستبضاع

فائدہ اٹھانے کے لیے عورت مہیا کرنے کا نکاح۔ مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے خوبصورت مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے بھیج دیتا اور خود اس سے الگ رہتا تا کہ اس کی نسل خوبصورت پیدا ہو اور جب اس کو حمل ظاہر ہو جاتا تو وہ عورت پھر اپنے شوہر کے پاس آ جاتی۔

۹۔ نکاح الرہط

اجتماعی نکاح۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً دس آدمی ایک ہی عورت کے لیے جمع ہوتے اور ہر ایک اس سے مباشرت کرتا اور جب اس کے ہاں اولاد ہوتی تو وہ ان سب کو بلواتی اور وہ بغیر کسی پس وپیش کے آجاتے پھر وہ جسے چاہتی (پسند کرتی یا اچھا سمجھتی) اسے کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے اور اس شخص کو اس سے انکار کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

۱۰۔ نکاح البغایا

فاحشہ عورتوں سے تعلق، یہ بھی نکاح رہط سے ملتا جلتا ہے مگر اس میں دو فرق تھے، ایک تو یہ کہ اس میں دس سے زیادہ افراد بھی ہو سکتے تھے جبکہ نکاح رہط میں دس سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان مردوں سے بچہ منسوب کرنا عورت کا نہیں بلکہ مرد کا کام ہوتا تھا۔

مذکورہ طریقہ ہائے زواج سے ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ عورت کی زمانہ جاہلیت میں حیثیت مال ومتاع کی طرح تھی اسے

خرید اور بیچا جاتا تھا۔ (اسلام میں خواتین کے حقوق، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، صفحہ نمبر ۱۶۔۱۸، منہاج القرآن پبلیکیشنز) (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب النکاح، 9:182.2,185۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب من قال: لا نکاح الا بولی 5:1970، رقم:4834)

قدیم تہذیبوں میں شادی بیاہ کا تصور

نکاح انسانی تہذیب و تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے۔ انسانی معاشرہ میں اس کی اہمیت تعارف کی محتاج نہیں۔ مرد عورت کا رشتہ حضرت آدم اور حضرت حوا کے ملاپ سے شروع ہوا اور ہر زمانے میں مختلف طریقوں سے رائج رہا۔ ذیل میں قدیم معاشروں اور تہذیبوں میں شادی بیاہ کے تصورات کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

یونانی تہذیب:

زمانہ قدیم میں جس قوم کی تہذیب سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یونان کی تہذیب ہے۔ یہاں شادی کا ایک نظام رائج تھا، لیکن اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی، قانونی اور معاشرتی لحاظ سے عورت کی حیثیت گری ہوئی تھی۔ بقول ڈاکٹر خالد علوی:

"اخلاقی بنیادوں پر عورت کی حیثیت بے بس غلام کی سی تھی اور مرد کو اس معاشرے میں ہر اعتبار سے فوقیت حاصل تھی بلکہ بداخلاقی کی اس فضا میں عورت صرف ہوس کا نشانہ تھی۔ عورت کو تمام مصائب کا سبب قرار دیا گیا تھا۔" ۱۸ ۔

یونانی معاشرہ میں شادی کا طریقہ رائج تھا، مگر اس کے قوانین بہت دقیانوس تھے۔ بقول محمد جعفر خان:

"لیکن یونان میں نکاح پر کوئی قدغن یا پابندی نہ تھی جو شخص جس سے چاہتا نکاح کر لیتا حتیٰ کہ دختر اور ہمشیرہ تک سے نکاح جائز اور بعض موقعوں پر ثواب سمجھا جاتا تھا۔" ۱۹ ۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"یونان میں نکاح کے بغیر عورت اور مرد کا تعلق بالکل ٹھیک اور معقول سمجھا جاتا تھا تاہم کچھ طبقہ ایسا بھی موجود تھا جو مذہبی نکتہ نگاہ ملحوظ رکھتے ہوئے ازدواجی تعلق کے لیے نکاح ہی کو موزوں خیال کرتا تھا۔" ۲۰ ۔

رومی تہذیب:

یونان کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ اہل روم تھے۔ یہاں بھی عورت پستی کا شکار تھی اور بیوی کو کوئی حق حاصل نہ تھا۔ بقول مولانا جلال الدین عمری:

"غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ مرد اس غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے۔ وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی حتیٰ کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا۔ افسرِ خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر، اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی

توڑ سکتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دورِ تاریخ میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔" ۲۱؎

رفتہ رفتہ رومی سلطنت میں نکاح و طلاق کے قوانین میں تغیر رونما ہوتا رہا اور نکاح محض ایک قانونی معاہدہ بن کر رہ گیا اور طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ بات بات پر ازدواج کا رشتہ توڑا جانے لگا۔ مشہور رومی مدبر "سینکا" رومیوں کی کثرتِ طلاق پر ماتم کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اب روم میں طلاق کوئی بڑی شرم کے قابل چیز نہیں رہی۔ عورتیں اپنی عمر کا حساب اپنے شوہروں کی تعداد سے لگاتی ہیں۔"

ایرانی تہذیب:

ایران کا شمار دنیا کے مشہور اور قدیم ملکوں میں ہوتا ہے۔ ان کی تہذیب ایشیا کے ہر ملک میں قابلِ تقلید اور ان کے اخلاق ایشیائی اقوام کے لیے قابلِ اقتدار سمجھے جاتے تھے۔ لیکن ظہورِ اسلام کے وقت ان کی حالت اس قدر خراب تھی کہ زرتشت کو خدائی صفات دینے کے ساتھ ساتھ ان کا خاندانی نظام بہت خراب ہو چکا تھا اور ان میں زنا کا رواج عام تھا۔ بقول مولانا اکبر شاہ:

"زنا کا رواج اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ مزدک نابکار نے سرِ دربارِ کسرائے ایران کی بانوئے سلطنت کو بے عصمت کرنے کی فرمائش کی اور فرمانروائے ایران نے اس کی اس نامعقول و حیاسوز جرأت کی مخالفت ضروری نہ سمجھی۔" ۲۲؎

ایران میں تعدادِ ازواج کا انوکھا قانون تھا۔ آمدنی کے حساب سے ہر شخص کو بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ پیر کرم علی شاہ ایران میں تعددِ ازواج کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"خاندان کی بنیاد تعدد ازواج پر تھی۔ ایک شخص کو متعدد بیویوں سے نکاح کرنے کی اجازت تھی۔ ہر شخص اپنی آمدنی کے مطابق بیویوں کی تعداد مقرر کر سکتا تھا۔" ۲۳؎

ایران میں ایک اور عجیب و غریب رسم تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی دوسرے شخص کو دے دیتا تا کہ وہ اس کو اپنے روزگار کے کام میں استعمال کرے۔ بقول پیر کرم علی شاہ:

"پروفیسر آرتھر لکھتے ہیں شوہر مجاز تھا کہ اپنی بیوی یا بیویوں میں سے ایک کو خواہ وہ بیاہتا بیوی ہی کیوں نہ ہو، کسی دوسرے شخص کو جو انقلابِ روزگار سے محتاج ہو گیا ہو اس غرض کے لیے دے دے کہ وہ اس سے کسبِ معاش کے کام میں مدد لے۔ اس عورت کی رضامندی کا حاصل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس عارضی ازدواج سے جو اولاد ہوتی تھی وہ پہلے شوہر کی سمجھی جاتی تھی۔ یہ مفاہمت ایک قانونی اقرار نامے کے ذریعے ہوتی تھی۔ اس قسم کا معاہدہ انسانی ہمدردی کے ذیل میں شامل کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ ایک شخص نے اپنے ایک محتاج ہم مذہب کی مدد کی۔" ۲۴؎

مصر کی تہذیب:

مصر کی قدامت کا تصور اور مصری تمدن کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے اہرامِ مصر اور ابوالہول کے مجسمے اور موجودہ زمانہ میں

تہہ خانوں سے برآمد ہونے والی اشیاء سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مصر پر ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں نے بار بار حملے کیے اور بہت دنوں تک قابض ومتصرف رہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ ان حملہ آوروں کی تہذیب وتمدن نے بھی مصر پر اپنا اثر ڈالا ہوگا۔ مصر میں بھی باقی معاشروں کی طرح زنا کی کثرت دیکھنے کو ملتی ہے۔ بقول اکبر شاہ:

"زنا کاری اور غارتگری کے لیے ترغیب دہ اصول وقواعد بنا لیے گئے تھے۔ قتل انسان معمولی تفریح گاہوں کے لیے سامانِ تفریح سمجھا جاتا تھا۔ عورتون کو خودکشی کی ترغیب دی جاتی تھی۔ غرض کہ مصر کی تاریکی بھی کسی ملک کی تاریکی سے کم نہ تھی اور تہذیب و شائستگی کے علامات مصریوں کے اعمال واخلاق سے بکلی معدوم تھے اور جہالت وتاریکی جس قدر چاہو موجود تھی۔" ۲۵۔

مصری بادشاہوں کے لیے محرمات سے نکاح کرنے پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ بادشاہ اپنی بہن یا بیٹی سے بھی بیاہ کر لیتا تھا۔ پیر کرم علی شاہ لکھتے ہیں۔

"عہد قدیم میں مصری بادشاہ اپنی بہن سے شادی کر لیا کرتا اور بسا اوقات اپنی بیٹی کو اپنی بیوی بنا لیا کرتا تھا اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ شاہی خاندان کے خون کی بیرونی عناصر کے خون کی آلودگی سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ بادشاہوں کی یہ عادت ان کے شاہی محلات تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی رعایا میں بھی اس قبیح فعل کو قبول عام حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ دوسری صدی عیسوی میں ارسینوئی کے دو تہائی باشندے اس طریقہ کار پر عمل پیرا تھے۔" ۲۶۔

ہندو تہذیب:

یونانی، رومی اور ایرانی تہذیبوں کی طرح ہندوستانی تہذیب بھی شادی بیاہ کے معاملے میں افراط وتفریط کا شکار تھی۔ ایک طرف ذات پات کا نظام رائج تھا کہ صرف اپنی ذات کی لڑکی سے شادی کرنے کی پابندی تھی تو دوسری طرف عورت کو داسی یعنی بتوں کے عقد میں دے دیا جاتا تھا۔ عورت ہمیشہ مرد کے تابع بن کر ہی زندگی گزار سکتی تھی۔ ہندوؤں کے مشہور قانون دان منو مہارج لکھتے ہیں:

"عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں۔ خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔" ۲۷۔

بیاہ کی مختلف اقسام رائج تھیں جن میں سے بعض صورتیں ایسی تھیں جن کو بیاہ کہنے کے بجائے "زنا بالجبر" کہنا زیادہ صحیح ہے۔ بیاہ کی یہ اقسام ہندوؤں کی تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ انعام الرحمٰن سحری اپنی کتاب میں ہندوؤں کے بیاہ کی اقسام کی پیچیدگیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہندو مذہب میں شادیوں کی اتنی اقسام ہیں کہ غیر ہندو طالبعلم کے لیے ان کا یاد رکھنا، ان میں تفریق کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ ان کی اولاد کے مسائل تو شاید ان کے اپنے عالموں کی سمجھ میں بھی نہیں آتے ہوں گے۔ ذرا ذہن میں لائیے کہ چار ذاتوں کے مردوں کی چار ذاتوں کی عورتوں سے شادی اگر ریاضی کے جلیپائی کے اصول کے مطابق ہی کی جائے تو ہر ایک سے ہونے والی اولاد کی درجہ بندی مختلف ہوگی۔ پھر بیوہ، گھر سے بھاگنے والی عورت، بغیر مہر کے لائی جانے والی عورت، بکنے والی عورت، لڑکے پیدا

کرنے والی عورت، بے اولاد عورت، جڑواں پیدا کرنے والی عورت، گویا ہر قسم کی عورت الگ قسم کی شادی میں رہے گی۔ ۲۸ ـ

عورت ہمیشہ اپنے شوہر کے تابع رہ کر زندگی گزارتی۔ شوہر اس پر جس طرح مرضی چاہے ظلم کرتا رہے مگر وہ اس کی پوجا اور خدمت گزار بن کی ہی رہ سکتی ہے۔ شوہر کے مرجانے کے بعد اس عورت کے پاس دو اختیار تھے، یا تو شوہر کے ساتھ زندہ جل جائے جسے ستی کی رسم کا نام دیا گیا ہے یا پھر وہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی اختیار کرلے اور پھر اس کو زندگی بھر بیوہ بن کر زندہ رہنا ہے اور یہ کسی سے شادی نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ بھی ہندوؤں میں بہت سے غیر انسانی قانون رائج تھے مثلاً عورت کی مندر کے بت سے شادی کردینا، نیوگ کے ذریعے اولاد حاصل کرنے کا ناجائز طریقہ اور محرمات شادی کرنے کا قانون بھی ہندوؤں میں موجود تھا۔

عراق (جنوبی نصف میسوپوٹیمیا):

قدیم عراقی تہذیب میں عورتیں مردوں کی محکوم اور کنیزیں تھیں۔ حسب ضرورت ایک مرد سے دوسرے مرد کو منتقل ہو جاتیں یا تین سال تک گروی رکھی جاسکتی تھیں، گویا کہ یہ جسم فروشی کی ایک شکل تھی۔ عورتیں دیوتاؤں سے منسوب کی جاتیں جن کو دیوداسیاں کہا جاتا۔ شوہر کو بیوی پر ظلم کا اختیار حاصل تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ اس تہذیب میں بھی پردہ موجود تھا، پردہ کے ذریعہ لوگ جان لیتے تھے کہ کون سی عورت مرد کی حفاظت میں ہے اور کون سی عورت نمائش کے لیے کھلونا۔

چینی تہذیب:

قدیم مصر اور سمریہ کی تہذیب کے بعد اس کا آغاز ہوا۔ یہ تہذیب دریائے 'سی کیانگ' اور 'ہوانگ ہو' کے کناروں پر پروان چڑھی۔ اس تہذیب میں عورتوں کو منحوس سمجھا جاتا تھا، یہاں تک کہ بعض اوقات لڑکیاں اس خیال سے کہ ان کی بدقسمتی یا نحوست کا اثر والدین پر نہ پڑے اپنے آپ کو ختم کردیتیں۔ لڑکیوں کی پیدائش کو نحوست سمجھا جاتا اور ایسی عورتیں منحوس تصور کی جاتیں جن کے پاس نرینہ اولاد نہ ہوتی۔ غریب لوگ چھوٹی بچیوں کو جنگل وغیرہ میں چھوڑ آتے۔ لڑکیوں کو تعلیم سے دور رکھا جاتا۔ جسم فروشی کے اڈے قائم تھے۔ ۲۹ ـ

یہودیت اور عیسائیت میں شادی بیاہ کا تصور

یہودیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات:

یہودیت ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات وتعلیمات سے نوازا گیا، لیکن ان کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور ان میں تحریفات کرڈالیں۔

یہودیت کے ازدواجی نظام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں عورت کا مقام نہایت پست ہے اور اس کی وجہ خود ساختہ نظریہ ہے کہ حضرت حوا نے حضرت آدم کو ممنوعہ پھل کھانے پر اُکسایا اور اس وجہ سے وہ جنت سے نکالے گئے۔ اس کی وجہ

سے عورت کو مرد کی غلامی، حیض جیسی ناپاکی اور حمل کے درد کی سزا ملی۔ کتاب مقدس میں ہے:

"میں تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا۔ تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" ۳۰۔

"تمدنِ عرب" میں یہودی معاشرہ میں عورت کی حیثیت ان سخت الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے اور عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔" ۳۱۔

نکاح کے قانون کی طرح طلاق کا قانون بھی یہودی روایات میں عورت کی مظلومیت کی داستان سناتا ہے۔ یہودی مرد جب چاہے چھوٹی سے لغزش پر طلاق دے دیتے اور ان کو یہ حق مذہب نے دیا تھا۔ اگر عورت کا شوہر مر جاتا تو اسے دوسری شادی کا حق تو تھا، مگر صرف اپنے شوہر کے بھائی سے۔ اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی تھی اور اسے اس شادی پر مجبور کیا جاتا تھا۔ یہودیت مین تعدد ازدواج کی اجازت بھی تھی، لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ ایک مرد جتنی چاہتا شادیاں کر سکتا تھا۔ ۳۲۔

عیسائیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات:

عیسائی معاشرہ میں بھی ازدواجی زندگی کا تصور بہت تاریک ہے اور عورت کی حیثیت مرد سے کم تر ہے۔ عیسائیت کی تعلیمات ازدواجی زندگی کے متعلق پوری رہنمائی نہیں کرتیں، بلکہ مزید معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی اُلجھنوں میں گرفتار کر دیتی ہیں۔ بقول سید سلمان ندوی:

"اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے ان سب میں مرد اور عورت کے ازدواجی تعلقات کو اخلاقی و روحانی ترقی کی راہ میں حائل سمجھا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب میں رہبانیت اور ازدواجی زندگی سے گریز کو ہی روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔" ۳۳۔

عیسائیت میں عمومی طور پر شادی بیاہ سے اجتناب کا تصور ملتا ہے اور ازدواج سے پرہیز کو تقویٰ اور بلند اخلاق کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ حضرت عیسیٰ عزوجل تعالیٰ کی خود کی شادی نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ یورپ میں ازدواجی تعلق کے نجس ہونے کا خیال بہت سے طریقوں سے مسیحوں کے دل و دماغ میں بیٹھایا جاتا ہے۔ اس بارے میں سید مودودی فرماتے ہیں:

"جس روز چرچ کا کوئی تہوار ہو اس سے پہلے کی رات میاں بیوی نے یکجا گزاری ہو وہ تہوار میں شریک نہیں ہو سکتے۔ گویا انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے آلودہ ہونے کے بعد وہ کسی مقدس مذہبی کام میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہے۔" ۳۴۔

چرچ کے نظریات عورتوں کے بارے میں بہت توہین آمیز رہے ہیں:

مشہور عیسائی مصنفین آگسٹائین (Augustine) اور ٹرٹلین (Tertulline)۔

آگسٹائین: اللہ نے عورت کیوں پیدا کی؟ اس نے عورت کو مرد کے جوڑ کی حیثیت سے پیدا نہیں کیا کیوں کہ ایک ساتھی کی حیثیت سے تو یہ کردار ایک مرد بھی نبھا سکتا ہے، نہ اس کو مرد کی مددگار کی حیثیت سے پیدا کیا کیونکہ ایک مرد اس سے اچھا مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس انسانی معاشرہ میں عورت مرد کے کس کام آ سکتی ہے سوائے بچے جننے کے۔

ٹرٹلین: عورت شیطان کی باپ ہے، وہ شجر ممنوعہ کو ظاہر کرنے والی ہے۔ پہلے پہل قانون الٰہی سے انحراف کس نے کیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "عورت" اس پر شیطان کا بس بھی نہیں چلتا، یہ اسے اپنے بس میں کر لیتی ہے، اسے بے بس کر دیتی ہے۔ انہی خیالات اور تصورات نے عیسائیت میں رہبانیت اور تجرد کو فروغ دیا۔

انسانی اور بالخصوص عورتوں کے حقوق کا دعویٰ کرنے والے یورپ میں تیرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں جادوگری کے خلاف تحریک چلی جس میں جادوگری کے الزام میں ۹ لاکھ عورتوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۳۵؎

۱۸؎ اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر خالد علوی، صفحہ نمبر ۹۳،۱۹؎ ازدواجی زندگی کے لیے اہم قانونی تجاویز، مولانا جعفر خان ندوی، صفحہ نمبر ۷، ۲۰؎ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ہشتم، صفحہ نمبر ۴۴۴، ۲۱؎ عورت اسلامی معاشرہ میں، سید جلال الدین عمری، صفحہ نمبر ۲۱، ۲۲؎ تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ، جلد اول و دوم، صفحہ نمبر ۲۸، ۲۳؎ ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم علی شاہ، جلد اول، صفحہ نمبر ۷۹۔۸۰، ۲۴؎ ایران بعہد ساسانیاں، صفحہ نمبر ۴۳۶۔۴۳۷۔ بحوالہ: ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم علی شاہ، جلد اول، صفحہ نمبر ۸۲۔ ۲۵؎ تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ، جلد اول و دوم، صفحہ نمبر ۷۰۔ ۲۶؎ ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم علی شاہ، جلد اول، صفحہ نمبر ۱۶۱۔ ۲۷؎ منوسمرتی، منو، باب ۵، ۱۵۵ تا ۱۵۷۔ ۲۸؎ شادی ایک مطالعہ، انعام الرحمٰن سحری، صفحہ نمبر ۲۹ ۲۶۳؎ الطاہر شمارہ نمبر 43 ڈاکٹر غلام یاسین طاہری ۳۰؎ پیدائش، باب ۱۷: ۳، صفحہ نمبر ۷۔ ۳۱؎ تمدن عرب، صفحہ نمبر ۳۳۲ ۳۲؎ مذاہب عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات، حافظ میں زاہد، صفحہ نمبر ۲۳ ۳۳؎ سیرت النبی ﷺ، سید سلمان ندوی، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۴۳۲ ۳۴؎ الطاہر شمارہ نمبر 43 ڈاکٹر غلام یاسین طاہری

نکاح سے گریز کی راہیں اور ان کے نتائج

موجودہ مغربی طرز معاشرت:

اٹھارویں صدی کے آخر میں یورپ میں صنعتی انقلاب برپا ہوتو بڑی تیز رفتاری سے کارخانے اور فیکٹریاں بننی شروع ہوگئیں۔ ان فیکٹریوں او کارخانوں میں کام کرنے کے لئے جب مردوں کی تعداد کم پڑ گئی تو مزید ہاتھ مہیا کرنے کے لئے سرمایہ دار نے عورت کو چادر اور چاردیواری سے نکال کر صنعتی ترقی کے لئے استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے لئے "مساوات مرد وزن" "آزادی نسواں" اور "حقوق نسواں" خوبصورت نعرے اور فلسفے تراشے گئے۔ ناقص العقل عورت مساوات مرد وزن کے دلفریب جال کو ہی اپنی بلند درجات خیال کرتے ہوئے مردوں کے دوش بدوش میدان معیشت میں کود پڑی جس کا اصل فائدہ تو سرمایہ دار ہی کو ہوا لیکن اس کا ضمنی فائدہ یہ بھی ہوا کہ پہلے جہاں صرف ایک مرد کی کمائی سے گھر کے چار یا پانچ افراد کو محض وسائل زندگی مہیا ہوتے تھے وہاں اس گھر کے دو یا تین افراد برسر روزگار ہونے سے وسائل زندگی کی دوڑ کا آغاز ہو گیا اور یوں مردوں، عورتوں کا فیکٹریوں اور کارخانوں میں شب و روز مشینوں کی طرح کام کرنا ہی مقصد حیات ٹھہرا۔

دفاتر، فیکٹریوں اور کارخانوں میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کا دائرہ صرف وہیں تک محدود رہنا ممکن ہی نہ تھا۔ آہستہ آہستہ یہ دائرہ ہوٹلوں، ریسٹورانوں، کلبوں، ناچ گھروں، مارکیٹوں، بازاروں سے لے کر سیاست کے اکھاڑوں، سیر گاہوں، تفریح کے پارکوں اور کھیل کے میدانوں تک وسیع ہو گیا۔ پوری سوسائٹی میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے شرم وحیا کی اقدار کو ایک ایک کر کے پامال کر دیا۔ مردوں کے دوش بدوش چلنے والی عورت میں آرائش حسن، نمائش جسم، جلوہ نمائی، پرکشش، دلربا

اور جاذب نظر آنے کا جذبہ فزوں سے فزوں تر ہونا بالکل فطری بات تھی جس کے لئے باریک، تنگ، بھڑکیلے، نیم عریاں لباس پہننا، نیز بناؤ سنگھار کرنا مردوں کے ساتھ نیم عریاں حالت میں سوئمنگ کرنا، عریاں تصویریں اتروانا، کلبوں، سٹیج ڈراموں، ناچ گھروں اور فلموں میں عریاں کردار ادا کرنا پوری سوسائٹی کا جزو حیات بن گیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغرب میں "آزادی نسواں" اور "حقوق نسواں" کے نام پر عورتوں کو سربازار عریاں ہونا اور بن بیاہی ماں بننا، کوئی عیب کی بات نہیں رہی۔ گزشتہ دنوں ایک امریکی سکول میں دو خاتون اساتذہ نے اناٹومی کی آٹھویں جماعت میں برہنہ ہوکر پڑھانے کا انوکھا طریقہ استعمال کیا۔ دونوں خواتین اساتذہ کا استدلال یہ تھا کہ اس خشک مضمون میں اس طرح طلباء وطالبات کی دلچسپی برقرار رکھی جاسکتی ہے۔

اٹلی میں مسولینی کی پوتی نے اسمبلی کی ممبرشپ کے لئے برہنہ ہوکر حاضرین سے خطاب کیا اور ووٹ مانگے۔

دنیا میں حقوق انسانی کے سب سے بڑے علمبردار اور امریکہ کی ریاست انڈیانا میں نیکڈ سٹی کے نام سے ایک شہر آباد ہے جس کے باشندوں کے جسم پر زمین وآسمان نے لباس نام کی کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی، وہاں ہر سال پوری دنیا کی مادرزاد برہنہ ہونے کی شوقین عورتوں کے "ویمن نیوورلڈ" مقابلے ہوتے ہیں۔

۱۹۹۶ء میں فرانس کے صدر شیراک کی بیٹی کلاڈ کے ہاں شادی کے بغیر بچی کی پیدائش ہوئی تو کلاڈ نے بچے کے والد کا نام بتانے سے انکار کردیا لیکن باپ کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔

امریکہ کے صدر بل کلنٹن کے جنسی اسکینڈلز اب تک لوگوں کے ذہن میں ہیں۔ امریکہ کے بشپ اعظم اور دنیائے عیسائیت کے عظیم مبلغ "جمی سواگرٹ" نے امریکی ٹیلی ویژن میں بیوی کی موجودگی میں اپنے جنسی گناہوں کا اعتراف کیا۔ ۴۷؎

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مغربی طرز معاشرت میں بدکاری اور فحاشی کے سامنے اخلاقی اور مذہبی اقدار بالکل غیر موثر ہو چکی ہیں۔ عام آدمی تو کیا بڑی سے بڑی مذہبی شخصیت کا بھی اس طرز معاشرت میں پارسا رہنا ممکن نہیں رہا۔

امریکی محکمہ صحت کے اعداد وشمار:

امریکہ محکمہ صحت کی طرف سے جاری کردہ مختلف مغربی ممالک کی بن بیاہی ماؤں کا چارٹ درج ذیل ہے جس میں مختلف ممالک کی شرح فیصد بتائی گئی جو منہ بولتا ثبوت ہے کہ وہاں پر نکاح کا تصور نہ ہونے کے برابر ہے۔

مغربی طرز معاشرت میں مساوات مرد وزن کا نعرہ سننے میں بڑا دلکش محسوس ہوتا ہے لیکن کیا مغرب میں واقعی خواتین کو عملاً مردوں کے برابر حقوق حاصل ہیں یا محض ایک فریب ہے۔ ذیل میں اس کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

مساوات مرد وزن کی مغربی حقیقت:

روزنامہ آگ ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۲ء کے شمارہ کے مطابق

برلن: جرمنی میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو اجرت کم ملتی ہے۔ یہ فرق فی گھنٹہ اجرت پر کام کرنے والوں تک محدود نہیں بلکہ کسی بھی کمپنی میں انتظامی عہدوں پر فائز مردوں کو بھی خواتین کے مقابلے میں تیس فیصد زیادہ اجرت ملتی ہے۔ یہ انکشاف ایک

جائزے میں کیا گیا ہے۔ اعداد وشمار کے وفاقی دفتر کے مطابق انتظامی یا ایگزیکٹو عہدوں پر فائز مرد اوسطاً ۹۵۰ ۳یورو فی گھنٹہ کماتے ہیں جبکہ انہی عہدوں پر کام کرنے والی خواتین کی اجرت ۲۷۶۴ یورو فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

خواتین اور مردوں کے درمیان کام کے فی گھنٹہ معاوضے کا یہ فرق تیس فیصد ہے۔ ۲۰۱۰ء میں آمدنی کے حوالے سے تیار کیے جانے والے ٹیبل کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ صرف انتظامی عہدوں پر ہی نہیں بلکہ تکنیکی شعبے میں بھی مردوں اور خواتین کی اجرتوں میں فرق تیس فیصد ہی ہے۔ اس کے علاوہ تدریس کے شعبے میں ۲۸ فیصد جبکہ دستی کاریگری کے شعبے میں یہ فرق ۲۵ فیصد ہے۔

اسی طرح امریکہ کی سپریم کورٹ میں آج تک کوئی خاتون جج نہیں بن سکی۔ فیڈرل اپیلٹ کورٹ کے ۹۷ ججوں میں سے صرف ایک خاتون جج ہے امریکہ بار ایسوسی ایشن میں آج تک کوئی خاتون صدر نہیں بن سکی۔ امریکہ میں جس کام کے لئے مرد کو اوسطاً پانچ ڈالر ملتے ہیں، عورت کو اسی کام کے تین ڈالر ملتے ہیں۔

۱۹۷۸ میں ہوسٹن امریکہ میں تحریک آزادی نسواں کی کانفرنس میں خواتین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایک ہی طرح کے کام کے لئے مردوں اور عورتوں کو برابر معاوضہ ملنا چاہیے۔

جاپان میں ڈیڑھ کروڑ عورتیں مختلف جگہوں پر کام کرتی ہیں، جن میں سے زیادہ تر خواتین مرد افسروں کے ساتھ معاون کے طور پر کام کرتی ہیں۔

کیا یہ بات قابل غور نہیں کہ مساوات مرد وزن کا نعرہ لگانے والے ممالک نے اپنی افواج میں کمانڈر انچیف کے عہدے پر کسی عورت کو آج تک کیوں تعین نہیں کیا یا کم از کم جرنیل کی درجہ پر ہی عورتوں کو مردوں کے مساوی عہدے کیوں نہیں دیئے؟

مغرب اور آزادئ نسواں:

مغرب میں عورت ملکی قوانین کی اسی طرح پابند ہے جس طرح مرد پابند ہیں۔ عورت کو مغرب میں اتنی آزادی بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ ڈیوٹی کے اوقات میں اپنی مرضی کا لباس ہی پہن سکے۔ (ناروے، سویڈن اور ڈنمارک) کی ائیر لائنز کی ہوسٹس نے ایک مرتبہ شدید سردی کی وجہ سے منی سکرٹ کی بجائے گرم پاجامے استعمال کرنے کی اجازت چاہی تو انتظامیہ نے خواتین کی یہ درخواست مسترد کر دی۔

مغربی عورت کو جن باتوں کی آزادی حاصل ہے وہ صرف یہ سر بازار مادر زاد برہنہ ہونا چاہے تو ہو سکتی ہے، اپنی عریاں تصویریں اخبار اور جرائد میں شائع کروانا چاہے تو کروا سکتی ہے۔ ساری زندگی اولاد پیدا نہ کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، بوائے فرینڈ جتنی مرتبہ بدلنا چاہے بدل سکتی ہے۔ گویا مغرب میں عورت کو ہر اس کام کی آزادی ہے جس سے مردوں کے جنسی جذبات کو تسکین حاصل ہو سکے۔

مغرب کے اِس آزاد جنسی طرز معاشرت نے اہل مغرب کو کیا کیا تحفے عنایت کئے ہیں، ان تحائف میں خاندانی نظام کی بربادی، امراض خبیثہ کی کثرت، شرح پیدائش میں کمی اور خودکشی کے رجحان میں اضافہ سرفہرست ہیں۔

خاندانی نظام کی بربادی:

یورپ کے صنعتی انقلاب نے عورت کو معاشی استقلال تو عطا کر دیا لیکن خاندانی نظام پر اس کے اثرات بڑے دور رس مرتب ہوئے۔ عورت جب مرد کی کفالت اور مالی اعانت سے بے نیاز ہوگئی تو پھر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ جو عورت خود کمائے وہ مرد کی خدمت کیوں کرے؟ گھر کی ذمہ داریاں کیوں سنبھالے؟ برطانیہ کی نیشنل وویمنز کونسل کی ایک خاتون رکن کا کہنا ہے کہ "یہ خیال مضبوط ہوتا جارہا ہے کہ شادی کر کے شوہر کی خدمت کے جھمیلے میں کیوں پڑا جائے بس زندگی کے مزے اڑا لئے جائیں بہت سی خواتین یہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ ان کی بقا کے لئے مردوں کے سہارے کی ضرورت نہیں۔"

امریکہ میں تحریک نسواں کی علمبردار شیلا کرون کہتی ہیں "عورت کے لئے شادی کے معنی غلامی ہیں اس لئے تحریک نسواں کو شادی کی روایت پر حملہ کرنا چاہیے۔ شادی کی روایت کو ختم کئے بغیر عورت کو آزادی نصیب نہیں ہوسکتی۔" تحریک نسواں کی عورتوں کا کہنا ہے کہ "عورت کا مرد کو چاہنا اور اس کی ضرورت محسوس کرنا عورت کے لئے باعث تحقیر ہے۔ عورتوں کا بچوں اور گھر بار کی دیکھ بھال کرنا، ان کو کم تر بنا دیتا ہے۔"

امریکہ میں مقیم ایک پاکستانی امریکی معاشرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نئی نسل میں نکاح کا رواج نہیں رہا اس کے بغیر ہی لڑکی لڑکا یا مرد عورت اکٹھے رہتے ہیں، بچے بھی پیدا کرتے ہیں اور ہر چار سال بعد اپنا شریک زندگی بھی تبدیل کر لیتے ہیں، جس طرح لباس تبدیل کیا جاتا ہے۔ بوڑھے والدین سوشل سکیورٹی یعنی بڑھاپے کی پنشن پر گزر بسر کرتے مر جائیں تو عام طور پر بے مروت اولاد دفنانے بھی نہیں آتی۔"

امراض خبیثہ کی کثرت:

زنا، بدکاری اور ہم جنس پرستی کی کثرت کے نتیجہ میں امراض خبیثہ (سوزاک، آتشک اور ایڈز وغیرہ) کی کثرت نے پورے امریکہ اور مغرب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ڈنمارک میں ہونے والی میڈیکل کانفرنس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ دنیا میں ہر سال سولہ کروڑ تیس لاکھ افراد سوزاک اور آتشک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں عورتوں کی اموات کی دوسری وجہ آتشک اور سوزاک ہے۔

۱۹۷۵ء میں برطانیہ کے ہسپتالوں میں جنسی امراض کی تعداد ۴ لاکھ ۳۰ ہزار نوٹ کی گئی جن میں سے ایک لاکھ ۶۰ ہزار عورتیں اور ۲ لاکھ ۷۰ ہزار مرد تھے۔

شرح پیدائش میں کمی:

مغرب میں آزادی شہوت رانی کے کلچر نے عالمی سطح پر مغربی ممالک کی آبادی پر کس قدر منفی اثرات مرتب کئے ہیں، اس کا اندازہ اس خبر سے لگایا جاسکتا ہے "برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کے میتھوڈسٹ فرقہ سے بڑھ گئی ہے۔ برطانوی اخبار ڈیلی ایکسپریس کے مطابق اس کی وجہ مسلمانوں کا مستحکم خاندانی نظام ہے جبکہ انگریز لوگ گرل فرینڈ بنا کر جوانی گزار دیتے ہیں۔

مانع حمل ادویات استعمال کرتے ہیں، شادی کرتے ہیں لیکن بیشتر شادیاں طلاق پر منتج ہوتی ہیں۔ یوں ان کی تعداد مسلمانوں سے کم ہو رہی ہے۔"

شرح پیدائش میں کمی کے باعث تمام یورپی ممالک جس اضطراب اور تشویش سے دوچار ہیں اس کا اندازہ اس خبر سے لگایا جا سکتا ہے کہ رومانیہ کی حکومت نے قانون جاری کیا ہے کہ ۵ سے کم بچوں والی عورتیں اور جن کی عمر ۴۵ سال سے کم ہو، اسقاط حمل نہیں کرا سکیں گی نیز جن جوڑوں کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہے ان پر ٹیکس بڑھا دیا جائے گا نیز زیادہ بچوں والے گھرانوں کو زیادہ مراعات دی جائیں گی۔

کاش مسلمان اس حقیقت کو جان سکیں کہ امریکہ اور یورپی ممالک کی طرف سے انہیں خاندانی منصوبہ بندی کے لئے بے دریغ دی جانے والی مدد کا اصل مقصد مسلم ممالک کی بھلائی یا خیر خواہی نہیں بلکہ اس کا اصل ہدف مسلم ممالک کی اسی عذاب یعنی شرح پیدائش کی کمی میں مبتلا کرنا ہے جس میں وہ خود مبتلا ہیں۔ مسلمانوں کے دین اور دنیا کی بھلائی رسول اکرم ﷺ کا اسی ارشاد مبارک میں مضمر ہے "زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو، قیامت کے روز میں دوسرے انبیاء کرام کے مقابلے میں تمہاری وجہ سے اپنی امت کی کثرت چاہتا ہوں۔" (احمد، طبرانی)

خودکشی کے رجحان میں اضافہ:

تسخیر کائنات کے جنون میں مبتلا لیکن رب کائنات کی باغی اقوام کو رب العالمین نے زندگی کی سب سے بڑی دولت "سکون" سے محروم کر رکھا ہے۔ عیش پرست، شراب اور زنا میں غرق، حسب نسب سے محروم اقوام مغرب کی نئی نسلیں جرائم پیشہ، مایوس اور ڈپریشن کا شکار ہو کر خودکشی میں اپنی نجات تلاش کر رہی ہیں۔

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت امریکہ میں ۲۰ لاکھ نوجوان ایسے ہیں جو اپنے جسم زخمی کر کے سکون حاصل کرتے ہیں ان میں سے ۹۹ فیصد لڑکیاں ہیں۔ ماہرین کے مطابق نوجوان کی یہ عادت شدید مایوسی اور ڈپریشن کے باعث ہے۔

یہ ہے وہ طرز معاشرت اور اس کے ثمرات جس کی ظاہری چمک دمک سے مرعوب ہمارے ارباب حل وعقد اور دانشور طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ اس طرز معاشرت کو اختیار کر کے خاتون مشرق کی مشکلات اور مسائل حل کئے جا سکتے ہیں اور معاشرے میں اسے باعزت اور باوقار مقام دلایا جا سکتا ہے۔

(شادی کا انسائیکلوپیڈیا، فیاض احمد فیاض، صفحہ نمبر ۱۲۳، نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، دسمبر ۲۰۰۹ء)

نکاح کے انسانی زندگی پر اثرات

اسلام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مزاج اور فطرت کے عین مطابق بنایا ہے۔ اس میں افراط ہے نہ تفریط، انسان کے اندر موجود حیوانی اور انسانی جذبات دونوں سے اسلام اس طرح بحث کرتا ہے کہ انسان، انسان ہی رہے، حیوان نہ بننے پائے۔ اسلام طرز معاشرت کو سمجھنے کے ہم نکاح کے مختلف فوائد وثمرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ انس ومحبت کا ذریعہ:

اس پر آشوب زندگی میں ہر انسان کو ایک گھر اور راحت وآرام کے ساتھ انس ومحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔لہٰذا وہ ایسے ساتھی کا خواہشمند ہوتا ہے جو اس کے رازوں کا محافظ، اس کا خیر خواہ، حامی و مددگار ہو۔ تاکہ اس سے انس ومحبت حاصل کرے اور اس کی مخلصانہ مدد اور حمایت سے فائدہ اٹھا سکے۔ نیز وہ ایسے انسان کا محتاج بھی ہے جسے وہ اپنا شریک زندگی بنا سکے۔ صحت مندی اور بیماری، عزت وذلت، خوشی اور غمی، فقیری وامیری، آسائش وتنگ دستی اور ہر حالت میں اس کے لئے وفادار، مہربان اور خیر خواہ ہو، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شریک حیات سے بہتر کون ہو سکتا ہے اور کون سی جگہ گھر سے زیادہ مناسب ہو سکتی ہے؟

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تا کہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبان فکر کے لئے بہت ساری نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

۲۔ پاکدامنی کا وسیلہ اور گناہوں سے بچنے کا سبب:

انسان کو فطرتاً جنسی عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کی تسکین کا محتاج ہوتا ہے لہٰذا گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ اس بنا پر جنسی خواہش کو پورا کرنے اور گناہوں سے بچنے کے لئے شادی بہترین اور سالم ترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص خدا سے پاک و پاکیزہ ملاقات کرنا چاہتا ہے وہ شادی کر لے۔"

حضرت امام جعفر صادق نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جس شخص نے شادی کر لی اس نے اپنے آدھے دین کو محفوظ کر لیا۔"

حضرت امام موسیٰ کاظم عزوجل تعالی نے اپنے والد اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جو شخص جوانی کے شروع میں ہی شادی کر لے تو شیطان یہ فریاد کرتا ہے، ہائے افسوس اس جوان نے اپنے دو تہائی دین کو محفوظ کر لیا ہے۔ پس اس کے لئے ضروری ہے باقی ایک تہائی دین کو تقویٰ کے ذریعہ محفوظ رکھے۔"

۳۔ جسمانی اور نفسیاتی تندرستی کا ذریعہ:

جنسی عمل اور اس کی انجام دہی ایک فطری ضرورت ہے کہ جس سے جسم اور اعصاب، صحت مند اور تندرست رہتے ہیں۔ لہٰذا اس کو کنٹرول کئے رہنے یا بالکل ختم کر دینے سے انسان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ معتدل حالت سے خارج ہو جاتا ہے اور ممکن ہے کہ متعدد نفسیاتی بیماریوں جیسے: مسلسل غمزدہ رہنا، ناامیدی، اضطراب، ڈر، بدظنی، بے کاری، بے اعتمادی اور غصہ کی اصل بنیاد جنسی خواہش کو نابود کرنا ہی ہو۔ اسی بناء پر صحیح عمر میں شادی کرنا اور شرعی طریقہ سے جنسی خواہش کو پورا کرنا بھی انسانی اعصاب اور جسم کی صحت وتندرستی کا ایک ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادی ایک دوسرے سے کر دو تا کہ خدا ان کے اخلاق کو نیک بنا دے ان کے رزق میں وسعت دے دے اور ان کی مروت میں اضافہ کر دے۔"

۴۔ اجتماعی ماحول کو سالم بنانے میں مددگار:

اگر انسان آغاز جوانی میں ہی شادی کرلے اور گھریلو زندگی سے وابستہ ہوکر اسی میں مشغول رہے تو وہ بے راہ روی اور اخلاقی برائیوں سے دور رہے گا۔ جس کے نتیجہ میں زنا بالجبر، لڑکیوں اور عورتوں کا غائب ہوجانا، لواط، استمناء، یہاں تک کہ نشہ، قتل اور چوری جیسے جرائم میں بھی کمی ہوجائے گی۔ وقت پر شادی کرنا ماحول اور معاشرہ کی سلامتی اور امنیت کے لئے بہت ہی موثر ہے، اسی وجہ سے اسلام نے بچوں کے سرپرستوں اور مربیوں کو یہ تاکید کی ہے کہ جن جوانوں کی شادی نہیں ہوئی ہے ان کی شادی کا انتظام کریں۔

جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

"اور اپنے غیر شادی شدہ آزاد افراد اور اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے باصلاحیت افراد کے نکاح کا انتظام کرو کہ اگر وہ فقیر بھی ہوں گے تو خدا اپنے فضل وکرم سے انہیں مالدار بنادے گا۔ خدا بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بیٹے کے تین حق باپ کے ذمہ ہیں: اس کا اچھا نام رکھے، اس کو لکھنا پڑھنا سکھائے اور جب سن بلوغ تک پہنچ جائے تو اس کے لئے شادی کے وسائل فراہم کرے۔"

۵۔ انسانی نسل کو آگے بڑھانے کا سبب:

اسلام کی نظر میں تولید نسل اور آبادی بڑھانا ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور اسے شادی کے اہم مقاصد میں قرار دیا گیا۔

امام محمد باقر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "کیا حرج ہے کہ اگر کوئی مومن شادی کرے تو شاید اللہ اسے ایسا فرزند عطا کردے کہ جو زمین کو لا الہ الا اللہ کے بوجھ سے سنگین بنادے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "شادی کرو تاکہ تمہاری تعداد زیادہ ہوجائے، کیونکہ میں قیامت کے دن سب امتوں کے مقابلہ میں تم پر فخر ومباہات کروں گا، یہاں تک کہ ان بچوں کے ذریعہ بھی جو ساقط ہوچکے ہیں۔"

۶۔ حصول لذت:

شادی کا ایک فائدہ لذت حاصل کرنا اور جنسی خواہش کو شرعی طریقہ سے پورا کرنا ہے۔ جنسی لذت دنیا کی لذتوں کے درمیان ایک اہم لذت ہے اور اسلام کی نگاہ میں نہ صرف یہ کہ یہ مذموم نہیں بلکہ یہ ایک شرعی کام ہے اور اگر قصد قربت کے ساتھ انجام پائے تو اس کا ثواب بھی ہے بلکہ بعض اوقات تو یہ عمل واجب بھی ہوجاتا ہے۔

نکاح کے فوائد وآفات کا بیان

نکاح کا جہاں سب سے بڑا عمومی فائدہ نسل انسانی کا بقاء اور باہم توالد وتناسل کا جاری رہنا ہے وہیں اسمیں کچھ مخصوص فائدے اور بھی ہیں جن کو پانچ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

1- نکاح کر لینے سے ہیجان کم ہو جاتا ہے یہ جنسی ہیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے

سکون کی خاطر مذہب واخلاق ہی کی نہیں شرافت وانسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا مگر جب اسے جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتدال ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔

2- نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے خانہ داری کا آرام ملتا ہے گھریلو زندگی میں سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور گھریلو زندگی کے اس اطمینان وسکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر وعمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

3- نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط وزبردست محسوس کرتا ہے اور معاشرہ میں اپنے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے اپنا رعب داب قائم رکھتا ہے۔

4- نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھر بار اور اہل وعیال کی خبر گیری ونگہداشت اور ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس مسلسل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لئے دنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادات وطاعات میں بھی چاق وچوبند رہتا ہے۔

5- نکاح ہی کے ذریعہ صالح ونیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے گراں مایہ سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون واطمینان اور عزت ونیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح وسعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

یہ تو نکاح کے فائدے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو نکاح کی وجہ سے بعض لوگوں کے لیے نقصان وتکلیف کا باعث بن جاتی ہیں اور جنہیں نکاح کی آفات کہا جاتا ہے چنانچہ ان کو بھی چھ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

1- طلب حلال سے عاجز ہونا یعنی نکاح کرنے کی وجہ سے چونکہ گھر بار کی ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے فکر دامن گیر رہتے ہیں اس لئے عام طور پر طلب حلال میں وہ ذوق باقی نہیں رہتا جو ایک مجرد وتنہا زندگی میں رہتا ہے۔

2- حرام امور میں زیادتی ہونا۔ یعنی جب بیوی کے آ جانے اور بال بچوں کے ہو جانے کی وجہ سے ضروریات زندگی بڑھ جاتی ہیں تو بسا اوقات اپنی زندگی کا وجود معیار برقرار رکھنے کے لئے حرام امور کے ارتکاب تک سے گریز نہیں کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ذہن وعمل سے حلال وحرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور بلا جھجک حرام چیزوں کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

3- عورتوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہونا۔ اسلام نے عورتوں کو جو بلند وبالا حقوق عطا کئے ہیں ان میں بیوی کے ساتھ اچھے سلوک اور حسن معاشرت کا ایک خاص درجہ ہے لیکن ایسے بہت کم لوگ ہیں جو بیوی کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوں بلکہ بدقسمتی سے چونکہ بیوی کو زیردست سمجھ لیا جاتا ہے اس لئے عورتوں کے حقوق کی پامالی اور ان کے ساتھ برے سلوک وبرتاؤ بھی ایک ذاتی معاملہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، حالانکہ یہ چیز ایک انسانی اور معاشرتی بداخلاقی ہی نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر بھی بڑے گناہ کی حامل ہے اور اس سے دین ودنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔

4- عورتوں کی بدمزاجی پر صبر نہ کرنا عام طور پر شوہر چونکہ اپنے آپ کو بیوی سے برتر سمجھتا ہے اس لئے اگر بیوی کی طرف سے

ذرا سی بھی بدمزاجی ہوئی تو نا قابل برداشت ہو جاتی ہے اور صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے فوراً چھوٹ جاتا ہے۔

5- عورت کی ذات سے تکلیف اٹھانا بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی بدمزاجی و بداخلاقی کی وجہ سے اپنے شوہروں کے لئے تکلیف و پریشانی کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہیں اس کی وجہ سے گھریلو ماحول غیر خوشگوار اور زندگی غیر مطمئن و اضطراب انگیز بن جاتی ہے۔

6- بیوی بچوں کی وجہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی سے باز رہنا یعنی ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو اپنی گھریلو زندگی کے استحکام اور بیوی بچوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی زندگی کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوں جب کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بیوی بچوں اور گھر بار کے ہنگاموں اور مصروفیتوں میں پڑ کر دینی زندگی مضمحل و بے عمل ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو عبادات و طاعات کا خیال رہتا ہے نہ حقوق اللہ کی ادائیگی پورے طور پر ہو پاتی ہے۔

نکاح کے ان فوائد و آفات کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ اگر یہ دونوں مقابل ہوں یعنی فوائد و آفات برابر، برابر ہوں، تو جس چیز سے دین کی باتوں میں زیادتی ہوتی ہو اسے ترجیح دی جائے مثلاً ایک طرف تو نکاح کا یہ فائدہ ہو کہ اس کی وجہ سے جنسی ہیجان کم ہوتا ہے اور دوسری طرف نکاح کرنے سے یہ دینی نقصان سامنے ہو کہ عورت کی بدمزاجی پر صبر نہیں ہو سکے گا تو اس صورت میں نکاح کرنے ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ اگر نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عورت کی بدمزاجی پر صبر نہ کرنے سے کہیں زیادہ دینی نقصان کا باعث ہے۔

نکاح کرنے کا مستحب طریقہ

1 علانیہ ہونا۔ 2 نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا، کوئی سا خطبہ ہو۔ 3 مسجد میں ہونا۔ 4 جمعہ کے دن۔ 5 گواہان عادل کے سامنے۔ 6 عورت عمر، حسب، مال، عزت میں مرد سے کم ہو اور 7 چال چلن اور اخلاق و تقویٰ و جمال میں بیش ہو (درمختار) حدیث میں ہے" : جو کسی عورت سے بوجہ اُسکی عزت کے نکاح کرے، اللہ (عزوجل) اس کی ذلت میں زیادتی کریگا اور جو کسی عورت سے اُس کے مال کے سبب نکاح کریگا، اللہ تعالیٰ اُسکی محتاجی بڑھائے گا اور اُس کے حسب کے سبب نکاح کریگا تو اُس کے کمینہ پن میں زیادتی فرمائے گا اور جو اس لیے نکاح کرے کہ اِدھر اُدھر نگاہ نہ اُٹھے اور پاکدامنی حاصل ہو یا صلہ رحم کرے تو اللہ عزوجل اس مرد کے لیے اُس عورت میں برکت دے گا اور عورت کے لیے مرد میں۔ (رواہ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کذا فی الفتح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جس سے نکاح کرنا ہو اُسے کسی معتبر عورت کو بھیج کر دکھوالے اور عادت و اطوار و سلیقہ وغیرہ کی خوب جانچ کر لے کہ آئندہ خرابیاں نہ پڑیں۔ کنواری عورت سے اور جس سے اولاد زیادہ ہونے کی اُمید ہو نکاح کرنا بہتر ہے۔ سن رسیدہ اور بدخلق اور زانیہ سے نکاح نہ کرنا بہتر۔

عورت • کو چاہیے کہ مرد دیندار، خوش خلق، مال دار، سخی سے نکاح کرے، فاسق بدکار سے نہیں۔ اور یہ بھی نہ چاہیے کہ کوئی اپنی جوان لڑکی کا بوڑھے سے نکاح کر دے۔

یہ مستحباتِ نکاح بیان ہوئے، اگر اس کے خلاف نکاح ہوگا تب بھی ہو جائے گا۔ ایجاب وقبول یعنی مثلاً ایک کہے میں نے اپنے کو تیری زوجیت میں دیا۔ دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ یہ نکاح کے رکن ہیں۔ پہلے جو کہے وہ ایجاب ہے اور اُس کے جواب میں دوسرے کے الفاظ کو قبول کہتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور مرد کی طرف سے قبول بلکہ اس کا اُلٹا بھی ہوسکتا ہے۔

جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہے خواہ مرد ہو یا عورت تو چاہئے کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ایک دوسرے کے حالات کی اور عادات واطوار کی خوب اچھی طرح جستجو کرلی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو طبیعت ومزاج کے خلاف ہونیکی وجہ سے زوجین کے درمیان ناچاقی وکشیدگی کا باعث بن جائے۔

یہ مستحب ہے کہ عمر، عزت، حسب اور مال میں بیوی خاوند سے کم ہو اور اخلاق وعادات خوش سلیقگی وآداب حسن وجمال اور تقویٰ میں خاوند سے زیادہ ہو اور مرد کے لئے یہ بھی مسنون ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

مستحب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے گا اور نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے جس میں دونوں طرف سے اعزہ واحباب نیز بعض علماء وصلحا بھی شریک ہوں۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح پڑھانے والا نیک بخت وصالح ہو اور گواہ عادل و پرہیزگار ہوں۔

نکاح کرنے والے کی فضیلت میں احادیث

(۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا نکاح میری سنت ہے جو میری سنت پر عمل نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نکاح کیا کرو اس لئے کہ تمہاری کثرت پر میں امتوں کے سامنے فخر کروں گا اور جس میں استطاعت ہو تو وہ نکاح کرلے اور جس میں استطاعت نہ ہو تو وہ روزے رکھے اس لئے کہ روزہ اس کی شہوت کو توڑ دے گا۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث ۲)

(۲) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ تمہاری شادی ہوگئی (یا نہیں) میں نے جواب دیا نہیں، تو انہوں نے فرمایا نکاح کرلو کیوں کہ اس امت کا بہترین شخص وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۳، رقم ۶۳)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس شخص کے پاس باندی ہو اور اس نے اسے (مسائل ضروریہ کی) اچھی تعلیم دی اور اسے اچھا ادب سکھایا، پھر اسے آزاد کرکے اس سے نکاح کرلیا اسے دوہرا ثواب ملے گا، اور جو شخص اہل کتاب میں سے اپنے نبی پر اور مجھ پر ایمان لائے اس کو بھی دوہرا ثواب ملے گا اور جو غلام اپنے مالک اور اپنے خدا کا حق ادا کرے تو اس کا دگنا ثواب ہے، شعبی نے سائل سے کہا جاؤ یہ حدیث مفت میں سفر وغیرہ کی تکلیف اٹھائے بغیر لے جاؤ، پہلے زمانے میں اس سے کمتر مضمون کی حدیث کے لئے مدینہ تک سفر کرتے تھے، ابوبکر کہتے ہیں کہ ابوحصین سے روایت ہے وہ ابوبردہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ لونڈی کو آزاد کردیا اور پھر اسے مہر

بھی دے دیا۔ (صحیح بخاری ج ۳، رقم، ۷۵)

(۴) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا دو محبت کرنے والوں (میں محبت بڑھانے) کے لئے نکاح جیسی کوئی چیز نہ دیکھی گئی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث، ۳)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا! دنیا نفع اٹھانے (اور استعمال کرنے) کی چیز ہے اور نیک عورت سے بڑھ کر فضیلت والی کوئی چیز متاع دنیا میں نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث، ۱۱)

(۶) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایک عورت ملی ہے جو خوبصورت بھی ہے اور خاندانی بھی لیکن اس کے اولاد نہیں ہوتی تو کیا میں اس سے شادی کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں پھر وہ دوسری مرتبہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منع فرما دیا پھر وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے محبت کرنے والی ہو اور خوب بچے جننے والی ہو کیونکہ تمہاری کثرت کی بنا پر ہی میں سابقہ امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم، ۲۸۵)

(۷) حضرت ابوایوب سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں انبیاء کی سنتوں میں سے ہیں، حیاء کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، اور نکاح کرنا۔ اس باب میں حضرت عثمان، ثوبان، ابن مسعود، عائشہ، عبداللہ بن عمر، جابر، اور عکاف سے بھی روایت ہے حدیث ابی ایوب حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی، حدیث، ۱۰۷۸)

(۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین اشخاص کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ پہلا وہ بندہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا کا حق ادا کیا ہو۔ تو اس کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کے پاس حسین وجمیل باندی تھی۔ پھر اس نے اس کو اچھی طرح ادب سکھایا۔ پھر اس نے اس کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کو بھی دوگنا ثواب ملتا ہے۔ تیسرا وہ شخص کہ اہل کتاب تھا۔ پھر اس نے قرآن کریم کو بھی کلام الٰہی تسلیم کیا اور اس پر ایمان لے آیا۔ تو ایسے شخص کو بھی دوگنا ثواب ملتا ہے۔

(الجامع للترمذی، باب ماجاء فی فضل عتق الامۃ وتزویجھا۔ الجامع الصحیح للبخاری، باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ، المسند لاحمد بن حنبل، الصحیح لابی عوانۃ، شرح السنۃ للبغوی، المعجم الصغیر للطبرانی، التفسیر لابن کثیر، التفسیر للطبری، التفسیر للقرطبی، الترغیب والترھیب للمنذری، الدر المنثور للسیوطی، کنز العمال للمتقی)

نکاح نہ کرنے والے کی وعید میں احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تین آدمی آپ کی عبادت کا حال پوچھنے آئے، جب ان سے بیان کیا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت بہت کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کی برابری کس طرح کر سکتے ہیں، آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہو گئے ہیں، ایک نے کہا میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا اور عورت سے ہمیشہ الگ رہوں گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے یوں یوں کہا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف کھانے والا ہوں، پھر روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور ساتھ ساتھ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یاد رکھو جو میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔

(صحیح بخاری، رقم، ۴۷۶۸۰)

حضرت ابونجیح روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نکاح کی قدرت رکھنے کے باوجود نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 28 حدیث مرفوع)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد زندگی گزارنے سے منع کیا ہے۔

(سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 32، حدیث مرفوع)

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلَى النِّكَاحِ

باب: نکاح کی ترغیب

2046 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: اِنِّيْ لَاَمْشِيْ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ بِمِنًى اِذْ لَقِيَهُ عُثْمَانُ فَاسْتَخْلَاهُ فَلَمَّا رَاٰى عَبْدُ اللّٰهِ، اَنْ لَيْسَتْ لَهُ حَاجَةٌ قَالَ لِيْ: تَعَالَ يَا عَلْقَمَةُ فَجِئْتُ فَقَالَ لَهُ: عُثْمَانُ اَلَا نُزَوِّجُكَ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بِجَارِيَةٍ بِكْرٍ لَعَلَّهُ يَرْجِعُ اِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ مَا كُنْتَ تَعْهَدُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَئِنْ قُلْتَ ذَاكَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَاِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَاِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ

❁❁ علقمہ بیان کرتے ہیں: میں ''منیٰ'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا ان کی ملاقات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی (جو اس وقت خلیفہ وقت تھے) وہ انہیں لے کر ذرا الگ ہو گئے، جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان سے کوئی خاص کام نہیں ہے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے علقمہ! آگے آ جاؤ، میں آگے ہوا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں یہ کہہ رہے تھے، اے ابوعبدالرحمان کیا ہم کسی لڑکی کے ساتھ آپ کی شادی نہ کروا دیں تاکہ وہ آپ کو گزرے زمانے (یعنی جوانی) کی یاد تازہ کروا دے، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے: آپ یہ کہتے ہیں تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد

2046- اسناده صحيح. جرير: هو ابن عبد الحميد بن قرط الضبي، والاعمش: هو سليمان بن مهران، وابراهيم: هو ابن يزيد النخعي، وعلقمة: هو ابن قيس النخعي. واخرجه البخاري (1905) و (5065)، ومسلم (1400)، وابن ماجه (1845)، والنسائي في "الكبرى" (2560) و (2561) و (5297) و (5298) و (5299) من طرق عن الاعمش، بهذا الاسناد. وقرن في رواية النسائي (5298) مع علقمة الاسود بن يزيد. واخرجه النسائي (2563) و (5296) من طريق ابي معشر زياد بن كليب، عن ابراهيم النخعي، به. وهو في "مسند احمد" (3592)، و "صحيح ابن حبان" (4026). واخرجه البخاري (5066)، ومسلم (1400)، والترمذي (1105) و (1106). والنسائي في "الكبرى" (2559) و (2562) و (5300) و (5301) من طرق عن الاعمش،

فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تم میں سے جو شخص نکاح کر سکتا ہو، اسے شادی کر لینی چاہیے، کیونکہ یہ نگاہ کو زیادہ جھکا کر رکھتی ہے، اور شرمگاہ کی زیادہ حفاظت کرتی ہے، اور تم میں سے جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا، اسے روزے رکھنے چاہییں، کیونکہ وہ اس کی شہوت کو ختم کر دیں گے۔

شادی کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (2)

''تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو۔'' اس آیت کریمہ میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح احادیث مبارکہ بھی نکاح کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں موجود ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (3) ''میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ میرے طریقے پر نہیں۔''

ایک اور مقام پر نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (4) ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھے وہ شادی کر لے اور جس میں طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے۔ روزہ اس کو خصی کر دیتا ہے۔ (شہوت کم کر دیتا ہے)''

بلکہ ایک مقام پر آپ ﷺ نے شادی کو نصف دین کی تکمیل قرار دیا ارشاد ہے: اذا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ الباقي (5) ''جب کوئی بندہ (مسلمان) شادی کرتا ہے تو اس نے اپنے نصف دین کو مکمل کر لیا۔ پس باقی نصف کے بارے میں وہ اللہ سے ڈرے۔'' مندرجہ بالا مذکورہ آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل ہے۔

شریعت اسلامیہ نے ایک طرف نکاح کو جائز قرار دیا تو دوسری طرف زنا سے شدت اور سختی کے ساتھ منع کیا اور عبرت ناک سزا بھی رکھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا (6) ''اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔'' اور زنا کی سزا کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (7) ''بدکار عورت اور بدکار مرد سو دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درے مارو اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر رحم نہ آنا چاہیے اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔

شادی معاشرتی ستون

شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن، شخصی ضرورت، طبعی خواہش اور صرف ایک ذاتی معاملہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ دو خاندانوں میں باہمی الفت وملاپ کا ذریعہ ہے اور معاشرہ انسانی کے بقاء کا ایک بنیادی ستون بھی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک خاص اہمیت وفضیلت کا حامل ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی ﷺ تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری جو نکاح سے خالی رہی ہو۔ چنانچہ ہر شریعت میں مرد و عورت کا اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت شروع رہا ہے اور بغیر اس معاہدے کے مرد و عورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت و مذہب نے جائز قرار نہیں دیا۔ البتہ اس معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہیں اور اس کے شرائط واحکام میں تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اسلام نے جو شرائط مقرر کیں، احکام نافذ کیے اور جو قواعد وضوابط وضع کیے ہیں وہ قرآن وحدیث اور کتب فقہ میں موجود ہیں۔ اسلام نے نکاح میں مرد وعورت کو پسند اور ناپسند کا اختیار دیا ہے مگر اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ پسند ایسی نہ ہو جس پر شریعت کی طرف سے ممانعت ہے۔

یورپ میں جنسی بے راہ روی اسلام میں مرد وعورت کے لئے جنسی لذت کا حصول صرف نکاح میں ہے۔ اس شریفانہ طریقہ کے علاوہ اور کسی صورت کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ مگر اس وقت مغربی ممالک کی صورت حال اس بارے میں بڑی تشویشناک اور لمحہ فکریہ والی ہے۔ یورپ کی جنسی بے راہ روی کے بارے میں ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں: ”ہر معاشرے میں شادی سے پہلے ہر مرد اور عورت کو جنسی لحاظ سے پاک دامن رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ لیکن مغربی معاشرہ اور کچھ دیگر غیر ترقی یافتہ معاشرے مرد وعورت کو جنسی اختلاط کی اجازت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر پولی نیشیا کے سیموئن قبائل میں ہر بالغ مرد اور عورت سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ شادی سے پہلے جنس کا تجربہ کر چکے ہیں۔

ان قبائل میں شادی سے پہلے منگیتر کے ساتھ راتیں گزارنا ان کی روایت اور تمدن کا حصہ ہے۔ اسی طرح کینیا کے ماسی قبائل میں جب ایک لڑکا بالغ ہوتا ہے تو وہ اپنے والدین کا گھر چھوڑ کر تربیتی کیمپوں میں چلا جاتا ہے جہاں وہ جنگی ماہرین سے جنگ اور لوٹ مار کرنے کے طریقے سیکھتا ہے۔ اس دوران نزدیکی گھروں میں رہنے والی جوان لڑکیاں ان کی خدمت گزاری کے لئے وقف ہوتی ہیں۔ جن سے جنسی تعلق قائم کرنا ان جوانوں کا حق ہوتا ہے۔(8)

اور مغربی تہذیب کے بارے میں مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: ”اہل یورپ چونکہ اپنی مذہبی اقدار سے دور جا چکے ہیں اس لئے مغربی تہذیب ایک بالغ شخص کو کھلی چھٹی دینے کی قائل ہے۔ کسی قسم کی کوئی بندش یا قید جو اس مرد وعورت کا فاصلہ کرے اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہر طرف جسمانی طور پر لطف اندوزی کا سامان مہیا کیا جا رہا ہے۔ اخلاقی قدروں کی پامالی اس کا حق آزادی شمار کیا جاتا ہے اور حلال وحرام کی پرواہ کیے بغیر مال کمائے تو یہ اس کا معاشی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ عورت، مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرے تو یہ اس کا تمدنی حق سمجھا جاتا ہے اور مرد وعورت بے راہ روی پر اُتر آئیں تو یہ ان کا جنسی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ معاشرے کی اکثریت اپنی کسی لذت اور خواہش کی تکمیل کے لئے ایک ناجائز کام کو جائز کرانا چاہے تو یہ حق جمہوریت کی

روسے ممکن ہے۔(9)

الغرض یورپ میں ہر بالغ شخص کو کھلی چھوٹ حاصل ہے کہ وہ جس طریقہ سے چاہے اپنی زندگی گزارے اور جنسی تعلقات پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ہم جنس پرستی بھی جائز ہے خواہ وہ مرد کی مرد کے ساتھ ہو یا عورت کی عورت کے ساتھ ہو۔ بلکہ وہ لوگ تو اس سے بھی آگے بڑھ کر جانوروں کے ساتھ فحش حرکات میں ملوث ہو گئے ہیں۔ مگر اسلام میں نکاح کے علاوہ تمام صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔ شریعت نے جہاں مرد وعورت کو پسند سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے وہاں یہ بھی بتادیا ہے کہ کن افراد کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ مگر یورپ میں آج کل بے راہ روی اپنے عروج پر ہے۔ پسند اور نجی معاملہ کے نام پر غیر فطری عمل اختیار کیے جارہے ہیں ان کی شرعی حیثیت درج ذیل ہے۔

1۔مرد کی مرد کے ساتھ شادی:

مغربی ممالک میں مرد کی مرد کے ساتھ شادی کا رواج عام ہے۔ مگر چونکہ اس قسم کے تعلق سے مقصود عیش وعشرت ہے، عفت و عصمت وبقائے نسل انسانی ودیگر مقاصد پیش نظر نہیں ہوتے اس لئے شریعت اسلامیہ نے اس قسم کے تعلقات پر کڑی پابندی لگائی ہے۔ قرآنی شہادت کے مطابق مرد کی دوسرے مرد کے ساتھ جنسی تعلق کی ابتداء حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے ہوئی۔(10)

اور جب وہ اس جرم عظیم سے باز نہ آئی تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور زمین کو اُلٹ کر ان پر پھینک دیا گیا۔(11)

اس فعل قبیح کی سزا بیان کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا (12) "تم میں سے جو دومرد بدکاری کریں ان کو ایذا دو۔"

اور اسی طرح حدیث میں ہے: مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ (13)

"تم جس کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔"

2۔عورت کی عورت سے شادی:

عورت کا عورت سے شادی کرنا جیسا کہ یورپ میں اس قسم کے واقعات بھی سامنے آرہے ہیں۔ اسلام میں اس قسم کے تعلقات بھی مذموم وممنوع ہیں۔ حدیث میں ہے۔

لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلَى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يُفْضِى الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِى ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِى الْمَرْاَةُ اِلَى الْمَرْاَةِ فِى الثَّوْبِ الْوَاحِدِ (14)

"کوئی مرد کسی مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت کسی عورت کا ستر دیکھے اور نہ ہی کوئی مرد ایک کپڑے میں دوسرے مرد کے ساتھ لیٹے اور نہ ہی کوئی عورت ایک کپڑے میں دوسری عورت کے ساتھ لیٹے۔"

حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۔1176ھ) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اقول: ذلك لان النظر الى العورة يهيج الشهوة. والنساء ربما يتعا شقن فيما بينهن و كذالك الرجال فيما بينهم

ولاحرج فی ترک النظر الی السوءۃ. وایضا فستر العورۃ من اصول الارتفاقات لابد منھا۔ (15)''
میں کہتا ہوں یہ ممانعت اس لئے ہے کہ ستر کا دیکھنا شہوت کو برانگیختہ کرتا ہے اور بسا اوقات عورتیں بھی ایک دوسرے پر فریفتہ ہو جاتی ہیں اور اس طرح مرد بھی ایک دوسرے کے عاشق ہو جاتے ہیں اور ستر کی طرف نظر نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نیز ستر کو چھپانا تہذیب کے ان اصولوں میں سے ہے جن کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔'' چنانچہ شریعت اسلامیہ میں مردوں کے مردوں کے ساتھ عورتوں کے عورتوں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات سختی سے منع ہیں۔

3۔ مرد کا غیر عورت کے ساتھ تعلقات قائم کرنا:

نکاح کے بغیر مرد کا عورت کے ساتھ جنسی تعلقات کبیرہ گناہ ہیں۔ جس کی سزا شادی شدہ کے لئے رجم (16) اور کنوارے کے لئے سو کوڑے ہیں (17) اور اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ قوم لوط والا عمل کرے تو اس پر بھی بڑی سخت وعید ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ (18) ''اللہ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت سے غیر فطری عمل کرے یعنی پیچھے سے جماع کرے۔''

محی الدین امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م۔676ھ) لکھتے ہیں: واتفق العلماء الذین یعتدبھم علی تحریم وطء المرأۃ فی دبرھا حائضا کانت أو طاھرا لأحادیث کثیرۃ مشھورۃ۔ (19) ''بہت سی احادیث مشہورہ کے پیش نظر قابل اعتماد علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سے وطی فی الدبر کرنا حرام ہے خواہ وہ حائضہ ہو یا پاک۔''

4۔ جانوروں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا:

مغربی ممالک میں ایک قبیح فعل جانوروں کے ساتھ فحش حرکات میں ملوث ہونا ہے۔ مگر اسلام میں اس کی بڑی سخت مذمت اور وعید آئی ہے۔ جانوروں کے ساتھ فعل بد کی سخت سزا تجویز کی گئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ وَجَدْتُمُوهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيمَةَ (20) ''جس کو جانور سے بدفعلی کرتے پاؤ اسے قتل کر دو اور جانور بھی ہلاک کر دو۔'' بلکہ ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے: مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى بَهِيمَةً (21) ''چوپائے سے بدفعلی کرنے والا بھی ملعون ہے۔''

الغرض یہ کہ نکاح کے پاکیزہ رشتے کے علاوہ باقی جتنی بھی صورتیں ہیں ان میں حفاظت نسب کی کوئی صورت نہیں۔ جب کہ بعض صورتوں میں نسل انسانی کا خاتمہ ہے اور نکاح سے معاشرتی زندگی میں جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ بھی پس پشت چلے جاتے ہیں اور معاشرے میں بگاڑ و فساد پیدا ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی نقصان دہ بات یہ ہے کہ انسانیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب خواہشات کی تکمیل کے لئے اخلاقی و مذہبی پابندیوں کی رعایت نہ کی جائے تو پھر معاشرہ میں پھیلنے والی انارکی کا تصور ہی لرزا دینے والا ہے۔ اسی لیے شریعت اسلامیہ نے ناجائز راستوں پر پابندیاں لگائیں۔ مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے پسند کے نکاح کی اجازت دی ہے۔ مگر ناجائز اور غلط طریقوں سے پسند کو اپنانے سے منع کیا ہے۔

نگاہ حرام اور حکم شریعت کا بیان

کاش کہ لوگ اس عظیم وبا سے واقف ہوتے، غلط نگاہ موجودہ زمانے کا ایک عظیم مرض بن چکا ہے، شہوت، فحش، بے حیائی، عریانیت اور بے ڈھنگے پن کا یہ آغاز ہے، لیکن اس کا اختتام ہلاکت و بربادی اور دردناک عذاب ہے۔ آج عریانیت اور ننگے پن کو ترقی کی علامت سمجھا جا رہا ہے، اسے تہذیب و تمدن کا عنوان بتایا جا رہا ہے، عریانیت اور ننگا پن بازاروں کی زبان بن چکی ہے، تجارت اور لین دین کے معاملات عریانیت اور ننگے پن کی بنیادوں پر قائم کیے جا رہے ہیں، ٹی وی چینلوں اور فحش میگزنس اور لٹریچر نے عریانیت، بے حیائی اور ننگے پن کو جلد نفع حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے، میڈیا کا اس معاملے میں رول سب سے اہم ہے۔ اشتہار بازی، ڈرامہ، ٹاک شو اور دیگر پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لئے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا بے دریغ صنفِ نازک کی کشش کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ الغرض عریانیت اور بے حیائی کے نام پر یہ کمائی اور یہ فوری نفع برکت سے سراسر خالی ہوتا ہے بلکہ اسکی کمائی خبیث کمائی ہے جو عفت و پاک دامنی اور اخلاق کی بنیادوں کو مسمار کر کے حاصل کی جا رہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ

ترجمہ: مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے، اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔[سورۃ النور:30-31].

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: آیت میں عورتوں نیز مردوں کی ستروں کو دیکھنا حرام قرار دیا گیا۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الجواب الکافی میں رقم طراز ہیں: زنا کا آغاز نظروں سے ہوتا ہے، اسی لئے شرمگاہ کی حفاظت سے پہلے نگاہوں کی حفاظت کی تاکید کی گئی، چونکہ تمام واقعات کا آغاز نگاہوں سے ہوتا ہے۔ جس نے اپنی نگاہوں کو آزاد چھوڑ دیا، اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کے منہ میں ڈالا، انسان کو پہنچنے والی عام مصیبتوں اور آفات میں سب سے پہلے نظر کے ذریعے ہی مصیبت اور پریشانیاں پہنچتی ہیں، جب انسان نظروں کی لاپرواہی کے سبب مصیبت میں پڑ جاتا ہے تو پھر اسے سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، وہ ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ اس پر اسے نہ صبر کرنے کی طاقت ہوتی ہے اور نہ اسے چھوڑنے کی، اور یہ انسان کے لئے سب سے بڑا عذاب ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ [یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے][سورۃ النور:30-]. یعنی نگاہوں اور شرمگاہ کی حفاظت نفس کے لئے زیادہ پاکیزہ اور دین کے لئے زیادہ مفید اور مومن کے لئے دنیا و آخرت میں زیادہ کارآمد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غض بصر یعنی نگاہوں کو نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کا حکم بندوں پر مشقت کے طور پر ہرگز نہیں دیا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے ایک عظیم رحمت ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس باب کو کھول دیتے یعنی بندوں کو اختلاط اور غیر محرم عورتوں سے ملنے جلنے

کی عام اجازت ہوتی تو عزتیں پامال ہوتیں، حسب ونسب کا خیال نہ رہتا اور روئے زمین میں فساد مچ جاتا۔

غیر محرم کو دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابنِ آدم کا زنا اس کے ذمہ لکھ دیا گیا ہے۔ جسے وہ لامحالہ پالے گا؛ آنکھوں کا زنا (شہوت سے) دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا (شہوت کی بات) بولنا ہے۔ کانوں کا زنا (شہوت کی بات) سننا ہے۔ ہاتھوں کا زنا (شہوت سے) تھامنا ہے اور پیروں کا زنا (شہوت کی ناجائز تکمیل کے لیے) چلنا ہے۔ دل خواہش، تمنا اور آرزو کرتا ہے۔ پھر شرم گاہ یا تو سب کو سچا کر دیتی ہے یا جھوٹا بنا دیتی ہے۔

حدیث میں آپ ﷺ نے آنکھ کے زنا سے آغاز فرمایا، اس لئے کہ ہاتھ، پیر، دل، اور شرمگاہ سب کی اصل آنکھ ہے۔ مسلم شریف میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے اچانک پڑنے والی نظر کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا: "اپنی نظروں کو پھیر دیا کرو" اور ایک روایت میں اس طرح ہے: "آپ ﷺ نے مجھے نگاہوں کے پھیرنے کا حکم دیا" نبی ﷺ نے نگاہوں کو نیچی رکھنے کے عمل کو راستے کے حقوق میں شامل فرمایا، راستے میں بیٹھنے والے ہر مسلمان پر اپنی نگاہوں کو جھکائے رکھنا ضروری ہے، اس لئے کہ یہ راستے کا حق ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے بچو"، صحابہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول، راستے میں ہمارے بیٹھنے سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم تو بیٹھے بیٹھے گفت وشنید کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کو اس کا حق دو، صحابہ نے پوچھا: راستے کے کیا حقوق ہیں؟ آپ نے فرمایا: نگاہوں کو جھکائے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب تمہارے پاس سے کوئی (غیر محرم) عورت گذرے تو تم اپنی نگاہوں کو نیچے کر دو، یہاں تک کہ عورت تمہارے پاس سے گذر جائے۔

ربیع ابن خثیم ایک مرتبہ راستے سے گذر رہے تھے، تو ان کے پاس سے چند عورتیں گذریں، آپ نے اپنی نگاہوں کو جھکا دیا، عورتوں نے جب انہیں دیکھا تو سمجھنے لگی کہ وہ نابینا ہے، تو انھوں نے نابینا آدمی کو دیکھ کر اندھے پن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ وکیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک عید کے دن، ہم حضرت ثوری کے ساتھ نکلے، تو ہم نے دن کا آغاز اپنی نظروں کو جھکا کر یعنی نظروں کی غیر محرم عورتوں سے حفاظت کر کے کیا۔

حسان بن ابی سنان عید کے روز نماز عید کے لئے، جب عید پڑھ کر گھر لوٹے تو ان کی اہلیہ نے پوچھا: آپ نے کتنی خوبصورت عورتوں کو دیکھا ہے؟ حسان نے کہا: بخدا، تمہارے پاس سے جانے کے بعد سے میں نے کسی غیر محرم پر نظر نہیں ڈالی، یہاں تک کہ میں صحیح سلامت گھر لوٹ آیا ہوں۔ یہ تھے وہ لوگ جن کے دل حرام سے پاک تھے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حلاوت ایمانی سے نوازا اور دنیا و آخرت میں کامیابی وکامرانی سے سرفراز فرمایا۔

دنیا میں آج تک رونما ہونے والے تمام فحش وفجور کا اصل سبب نگاہ کا فتنہ ہے۔ یقیناً اللہ رب العزت کان، آنکھ، اور دل کے

بارے میں بندے سے سوال کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا [سورۃ الاسراء:36] بلکہ یہ آنکھ کل روز قیامت بندے کے خلاف گواہی دیں گی، فرمان الٰہی ہے: {حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [سورۃ فصلت:20] ترجمہ: یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (یعنی دوسرے اعضا) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے اللہ تعالیٰ نظروں اور دلوں کے تمام بھیدوں کو جاننے والے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۔ ترجمہ: وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)} سورۃ غافر 19.]

آیت بالا کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: یہ وہ آدمی ہے جو لوگوں کے درمیان میں ہو، اس کے پاس سے عورت گذرتی ہے، تو وہ لوگوں کو یہ دکھاتا ہے کہ اس کی نگاہیں نیچی ہیں اور وہ عورت کو دیکھ نہیں رہا ہے، وہ لوگوں کو اگر غفلت میں دیکھتا ہے تو پھر عورت پر نظریں ڈالنے لگتا ہے، اگر اسے خدشہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے سمجھ جائیں گے تو اپنی نظروں کو جھکا دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بھید سے بخوبی واقف ہے کہ وہ آدمی نہ صرف عورت کو دیکھنا چاہتا ہے بلکہ اس کی خواہش تو اس کی ستر بھی دیکھنے کی ہے۔ جنید بغدادی سے پوچھا گیا: نگاہوں کی حفاظت کا کیا علاج ہے؟ فرمایا: یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمہاری نظر سے تیز ہے۔

انٹرنیٹ، ٹی وی، اور ذرائع ابلاغ نے نظر حرام کے سلسلے میں بہت سارے مسلمانوں کو غفلت میں ڈال دیا ہے، ٹی وی، انٹرنیٹ اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے، گندی فلمیں اور بے حیائی اور عریانیت پر مبنی تصاویر کی اشاعت نے آج نظروں کی حفاظت کے سلسلے میں عظیم خلا پیدا کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں مسلمان گھروں میں بے حیائی، عریانیت اور فحش و فجور کے واقعات دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں، خصوصاً مسلم لڑکیوں میں بے حیائی اور عریانیت کی تباہی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔

مسلم نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، تعلیم کے نام پر عریاں لباس زیب تن کر کے دین و دنیا میں اپنے ہاتھوں سے تباہی و بربادی کو دعوت دے رہے ہیں۔ قدروں کی پامالی اور جرائم کی کثرت میں بدنگاہی کے اثرات گھروں میں ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ کے نتیجے میں تباہ کن نتائج سامنے آرہے ہیں، بچے اپنی بہنوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے شکار ہو رہے ہیں، امریکہ کی ایف بی آئی ایجنسی نے امریکی جیلوں میں مقید چوبیس قیدیوں کا انٹرویو لیا، ان تمام قیدیوں کا تعلق بچوں اور بالغوں کے ساتھ جنسی زیادتی یا قتل جیسے جرائم سے تھا، پوچھے جانے پر 81٪ قیدیوں نے اس جرم کی اصل وجہ اباحیت اور فحش مواد کی کثرت بتائی۔ ان ہی قیدیوں میں ایک مشہور نصرانی داعی "جارج پشوپ" تھا، جس نے اپنی گرفتاری اور جیل میں قید ہونے کے بعد یہ جملے کہے تھے: اگر بچپن میں مجھے زنا کاری اور بدکاری کا مواد نہیں دیا جاتا تو میں آج جنسی زیادتی اور دیگر جرائم کا شکار ہرگز نہ ہوتا"۔

اس نے مزید کہا: زنا کاری اور بدکاری کے مواد کا مجھ پر اس قدر اثر ہے کہ اگر اس کا مجھے موقع نہ ملے تو میں بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیتا ہوں۔ (Ted Bundy). کی زندہ مثال ہے، جس کو امریکا کے کونے کونے میں قاتل اور سفاح سے جانا جا رہا ہے، ٹیڈ

بنڈی کا تعلق ایک خوشحال گھرانے سے تھا، بلکہ یہ خود قانون کا طالب علم تھا، تاہم اس کی گرفتاری چالیس عورتوں کو قتل کرنے کے بعد عمل میں آئی، یہ ایک ایسا انسان تھا، جو انسانوں کا گوشت کھانا پسند کرتا تھا، اس کے ذبح کیئے ہوئے انسانوں میں دس سالہ ایک بچہ بھی تھا جو اس سفاح کا آخری انسانی شکار بنا تھا۔ اسے تختہ دار پر چڑھانے سے قبل اس نے ایک انٹرویو میں کہا: تم مجھے عنقریب قتل کرو گے، اور دنیا میرے شرور سے محفوظ ہو جائے گی، لیکن دنیا میں میرے جیسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جو بدکاری کی شکلوں کے نشہ آور ہیں اور تم اس مسئلہ کے حل کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے ہو۔ اس نے مزید کہا: میں اور میرے جیسے لوگ، وحشی درندے بن کر پیدا نہیں ہوئے، ہم اور تمہاری اولاد اور تمہاری بیویاں محفوظ گھروں میں پرورش پائے، لیکن بدکاری اور زناکاری کے ذرائع نے ہمیں کسی بھی گھر میں ہاتھ ڈالنے اور بچوں کو اچکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس شخص نے پھانسی کی سزا سے چند گھنٹے پہلے کہا تھا: "میں نے جیلوں میں طویل عرصہ گذارا، اور بہت سارے ایسے لوگوں کے ساتھ مجھے رہنے کا موقع ملا، جو میری ہی طرح جرائم کے مرتکب ہیں، لیکن بلا امتیاز یہ سب لوگ زناکاری اور فحش ذرائع سے بری طرح متاثر ہیں اور ان ذرائع کے بغیر انہیں سکون وچین نہیں آتا۔" ٹی وی سیریل اور عریاں اور بے حیائی وفحش سے بھری فلموں کے دیکھنے کے نتیجے میں عریانیت، اختلاط، فساد اور قدروں کی پامالی کے واقعات روز افزوں ہیں۔ بلکہ اس غفلت کے سبب انسان کی غیرت ختم ہو چکی ہیں اور وہ اپنے جیسے ہی انسان کو اپنی ہوس کی خاطر موت کے گھاٹ اتارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

امریکی وزارت عدل کے ایک اعلان کے مطابق:

امریکی ذرائع ابلاغ کی تاریخ میں بدکاری کے ذرائع کے نتیجے میں گھروں سے بغیر کسی خوف وڈر کے بچوں کو اچکنے کی موجودہ روایت کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ایک سروے رپورٹ کے مطابق بدکاری کے ذرائع استعمال کرنے والوں میں بارہ سے سترہ برس کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہیں۔ اور قابل غور بات یہ ہے کہ یہ تمام سروے کسی مسلمان تنظیم یا ادارے نے نہیں کیئے ہیں بلکہ یہ سروے مغربی محققین نے کیئے ہیں۔ یقیناً اسلامی اقدار، اخلاق اور اسلامی اصول وضوابط کافروں کے اصول وضوابط کے مقابلے میں اعلیٰ وبرتر اور پاک وصاف واقع ہوئے ہیں، کافروں کے پاس زنا کی کوئی سزا نہیں اس لئے کہ ان کے پاس یہ کوئی جرم ہی نہیں ہے۔

آزادی کے نام پر اباحیت پسندی اور بدکاری کی اشاعت کی کوشش

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ [سورة النور: 19]

اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی یعنی (تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ہمارے زمانے میں اہل مغرب اپنے بگڑے ہوئے اقدار، خبیث بیماریوں اور مذموم اصولوں کے نتیجے میں یہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا میں گناہ عام ہو جائیں اور خصوصاً اسلامی ممالک میں بے حیائی اور عریانیت عام ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہیومن رائٹس واچ خلیجی ممالک کی انٹرنیٹ کو محدود رکھنے کی کوششوں پر نالاں ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ خلیجی ممالک حریت پسندی کو رواج دیں۔

فحش اور حرام تصویروں کے مشاہدے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریاں

۱۔ توجہ بٹ جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں یادداشت کمزور ہونے لگتی ہے، اور آدمی سرعت نسیان یعنی جلد بھولنے کا شکار ہو جاتا ہے، ظاہر بات ہے کہ جب انسان اس طرح کی فلموں کا مشاہدہ کریں گا تو اس کی ثمر آور انرجی ضعف کا شکار ہو گی۔

۲۔ اباحیت اور بدکاری پر مبنی فلمیں دیکھنے سے انسان بے خوابی، نیند کی کمی اور عقل وفہم سے بعید فکروں میں الجھنے جیسی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

۳۔ اسی طرح انسان کاہلی، سستی، اجتماعی وخاندانی سرگرمیوں سے دور رہنے اور انفرادی زندگی گزارنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

۴۔ اسی طرح اسے ذہنی پریشانی بھی لاحق ہونے لگتی ہے جس کے نتیجے میں مزاج میں سختی، جلد غصہ اور معمولی معمولی بات پر بھڑکنے کا عادی بن جاتا ہے۔

۵۔ ان کے علاوہ فلموں اور گندی چیزوں کے مشاہدے سے انسان بیشمار جسمانی امراض کا بھی شکار ہوتا ہے۔

۶۔ اور اخیر میں انسان افسردگی، اداسی اور غم اندوہ کا شکارہ ہو جاتا ہے، اسے اپنی قیمتی چیزوں کے کھو جانے کے احساس کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

حل اور علاج

۱۔ مومن کو اس بات کا علم ہو کہ بدنگاہی کے نتیجے میں انسانی قلب ودل اور خاندان ومعاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، نفس منتشر ہو جاتا ہے، ایمان کی حلاوت اور مٹھاس مفقود ہو جاتی ہے، عبادت وخشوع کی لذت ختم ہو جاتی ہے، علم میں بھول پیدا ہوتی ہے، یادداشت کمزور ہونے لگتی ہے اور دل کی سنگینی اور سختی میں اضافہ ہوتا ہے، انسان آخرت سے غافل ہونے لگتا ہے نیز وحشت، ظلم و تاریکی، بے چینی اور پریشانی غالب آنے لگتی ہے اور شیطان کے لئے انسان کے اندر داخل ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ چونکہ دل کا دروازہ آنکھ ہے۔

۲۔ دعاء:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ امام ترمذی نے روایت کیا: "اقسم لنا من خشيتك ما يحول بيننا وبين معاصيك". بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کیا: "اللهم إني أعوذ بك من شر سمعي، ومن شر بصري، ومن شر لساني، ومن شر قلبي". ترجمہ: اے میرے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، میرے کانوں کے شر سے، میری آنکھوں کے شر سے، میری زبان کے شر سے اور میرے دل کے شر سے۔

۳۔شادی:

ارشادنبوی ﷺ ہے: **یا معشر الشباب، من استطاع منکم الباءة فلیتزوج، فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه** ترجمہ: اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو، وہ شادی کرے، کیونکہ یہ آنکھوں اور شرمگاہ کی حفاظت کے لئے زیادہ کارآمد ہے، اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ شہوت کو روکتا ہے۔ میری مسلم بہن! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خاتون مسلم نے فحش اور بدکاری کے کاموں کے سد باب میں اہم کردار ادا کیا؛ ہمیں نوجوانوں سے امید ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کا اہتمام کریں گے، ہمیں یہ بھی بھولنا نہیں چاہئے کہ ہم بدنگاہی کے مرض کی بنیادی وجہ کو نظر انداز کردیں، یہ بنیادی وجہ عورت کا بے پردہ، عطر لگا کر، اپنی خوبیوں اور چال ڈھال کو ظاہر کر کے نکلنا ہے، یہی وہ بنیادی چیز ہے جو نوجوان مردوں کو بدنگاہی اور فحش فعل پر آمادہ کرتی ہے۔

امام بخاری نے حضرت اسامہ بن زید کی روایت کو نقل کیا: آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ترجمہ: میں نے اپنے بعد مردوں پر عورت سے زیادہ ضرر رساں فتنہ نہیں چھوڑا۔ اور صحیح مسلم کی روایت ہے، حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: »**فاتقوا الدنیا واتقوا النساء**« ترجمہ: "دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو" میری مسلمان بہن! ہمیں یہ پسند نہیں کہ آپ مردوں کی خواہشات اور جذبات کے بھڑکانے کا ذریعہ بنیں، ہمیں یہ پسند نہیں کہ آپ ان خواتین میں شامل ہوں جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے، جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا: ترجمہ: اہل جہنم کی دو قسموں کو میں نے دیکھا۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس گائے کی دم جیسے کوڑے ہوں گے جن کے ساتھ وہ لوگوں کو ماریں گے، دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، مائل ہونے والیاں اور مائل کرنے والیاں، ان کے سر دبلے پتلے بختی اونٹوں کی کوہان کی مانند ہوں گے، وہ نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو کو پائیں گی۔ باوجودیکہ اس کی خوشبو لمبی مسافت سے محسوس کی جاسکے گی۔ (صحیح مسلم: ۲۱۲۸)

۴۔ نگاہوں کی حفاظت کے نتیجے میں دل شہوت کے جذبات سے پاک رہتا ہے، اور جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ بند ہوجاتا ہے، کیونکہ نگاہ شہوت کا ایک دروازہ ہے، جو انسان کو فعل پر آمادہ کرتا ہے۔ نیز نگاہوں کی حفاظت کے نتیجے میں عقل وذہن میں پختگی پیدا ہوتی ہے، چونکہ بدنگاہی خطرناک انجام سے نظروں کو ہٹا دیتی ہے اور اس کے نتیجے میں عقل پر زور پڑتا ہے۔ نگاہوں کی حفاظت دل کو شہوت کے نشے اور غفلت کی نیند سے محفوظ رکھتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {**لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ**} [سورۃ الحجر: 72] (اے محمد) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہورہے) تھے۔ نگاہ شراب کا ایک پیالہ ہے، عشق اس کا نشہ ہے، اور عشق کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ نقصان دہ ہے، چونکہ شراب کا نشہ آور ہوش میں آجاتا ہے، لیکن عشق کا نشہ آور بہت کم ہوش میں آتا ہے، ہاں ہوش اس وقت آتا ہے جب موت سامنے ہوتی ہے۔

۵۔ ہماری آپ کے لئے یہ خاص نصیحت ہے کہ آپ ایسے مقام سے دور رہئے جہاں حرام دیکھی جانے والی یا سنی جانے والی چیزیں ہیں، آپ ایسے مقام سے الگ ہوکر ہدایت کے راستے کو اختیار کرتے ہوئے حفظ قرآن مجید، علم دین، اہل خیر کی ہم نشینی،

نمازوں کی پابندی اور اہل علم کی محفلوں میں شرکت: جیسے کاموں میں مصروف ہو جائیے۔

۶۔ یاد رکھیے انحرافات اور خرافات کے علاج کے لئے سب سے بہتر اور اولی طریقہ یہ ہے کہ ایمان کی تقویت، دلوں کی اصلاح، نمازوں کی اصلاح، اللہ تعالی سے تعلق کی کوشش، آخرت کے اجر وثواب کی رغبت، مراقبہ، آخرت، جنت اور دوزخ کی باتوں کے تذکرے، اللہ تعالی کے ذکر کی ترغیب اور علوم دینیہ کے حصول پر بھر پور توجہ دیں۔

حدیث شریف میں اس بات کی دلیل ہے کہ قبر وآخرت کے احوال کا علم شہوتوں اور خواہشات کو ختم کر دیتا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: واللہ لو تعلمون ما أعلم، لضحکتم قلیلا، ولبکیتم کثیرا، وما تلذذتم بالنساء علی الفرش، ولخرجتم إلی الصعدات تجأرون إلی اللہ « ترجمہ: بخدا، اگر تمہیں وہ معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنسو گے، اور بہت زیادہ رونے لگو گے، اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہیں کرو گے، اور تم ضرور اللہ کی پناہ کی تلاش میں جنگلات میں نکل جاؤ گے۔

بندۂ مومن سے اللہ تعالی نے عظیم نعمت کا وعدہ فرمایا ہے، حرام اور ممنوعہ امور سے بچنے پر اللہ تعالی آخرت میں بندۂ مومن کو ایسی ایسی حوریں عطا فرمائیں گے، جسے کسی بھی انسان آنکھ نے نہیں دیکھا ہے۔

اللہ تعالی ان حوروں کی تعریف میں فرماتا ہے: وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ [سورۃ الصافات: 48-49] ترجمہ: اور ان کے پاس عورتیں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی اور آنکھیں بڑی بڑی، گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔ اور ارشاد ہے: كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ [سورۃ الرحمن: 58] ترجمہ: گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ یاقوت اور مرجان ایسے دو پتھر ہیں، جو نظر آنے میں بڑے دلکش اور دلربا ہوتے ہیں، نیز اللہ تعالی نے ان حوروں کا وصف بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، ان کی نگاہوں نے اپنے شوہروں کے علاوہ کسی دیگر مرد کی خواہش نہیں کی ہو گی، اللہ تعالی نے حور کے حسن وجمال خود گواہی دی ہیں۔

یہ حوریں دنیاوی عورتوں کے مقابلے بے پناہ حسن وجمال والی اور دنیاوی عورتوں میں پائے جانے والے تمام عیوب جیسے حیض وغیرہ سے بالکل پاک وصاف ہوں گی، ارشاد باری تعالی ہے: وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ [سورۃ البقرۃ: 25] ترجمہ: اور وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ [سورۃ الواقعۃ: 22-23]

اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں، جیسے (حفاظت سے) تہہ کئے ہوئے (آب دار) موتی۔ اور آپ ﷺ نے جنت کی عورتوں کے حسن وجمال کے بارے میں ہمیں ترغیب دی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" ولکل واحد منهم زوجتان، یری مخ سوقهما من وراء اللحم من الحسن «. ترجمہ: اور ہر بہشتی کے پاس دو بیویاں ایسی نازک اور خوبصورت ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا (مغز) گوشت میں سے دکھلائی دے گا۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق] اور اس حسن وجمال کے بارے میں ذرا غور کرو جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ بیان فرماتے ہیں

" ولو أن امرأة من أهل الجنة اطلعت إلى أهل الأرض لأضاءت ما بينهما، ولملأته ريحا، ولنصيفها على رأسها خير من الدنيا وما فيها" [

ترجمہ: اور اگر بہشت کی کوئی عورت (حور) زمین والوں کو جھانکے (ان کی طرف رخ کرے) تو زمین سے آسمان تک روشنی ہو جائے اور خوشبو سے مہک جائے اور حور کی اوڑھنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ [بخاری، کتاب الجہاد والسیر]

ہم میں کا ہر ایک ذمہ دار ہے، انٹرنیٹ سروسیس سے اب کوئی مفر نہیں، اس سروس نے بے شمار نفع بخش اور کارآمد چیزوں کو ہمارے لئے کھول کر رکھ دیا ہے، تاہم یہ ایسی چیز ہے جس کے تئیں ہم پر کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، سب سے پہلے ہم خود اس کا بہتر استعمال کرے اور پھر ہم ہمارے ماتحت پرورش پانے والی اولاد اور بچوں کی انٹرنیٹ کے تئیں بہترین راہ نمائی انجام دیں جو انہیں بے دینی، عریانیت، فحش اور حرام امور سے بچنے میں مدومعاون ثابت ہو۔

ہم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا ہر گھر کے ذمہ دار فرد سے ہماری گذارش ہے کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں خیال رکھے، کہ وہ بند کمروں میں انٹرنیٹ پر کتنا وقت گذار رہے ہیں، اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ کیا ہم نے اپنی اولاد سے کبھی دریافت بھی کیا کہ وہ انٹرنیٹ کیفوں، اور چیٹنگ روموں میں گھنٹوں بیٹھ کر کیا کرتے ہیں۔

بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنْ تَزْوِيجِ ذَاتِ الدِّينِ

باب: دیندار عورت سے شادی کرنے کا حکم ہونا

2047 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تُنْكَحُ النِّسَاءُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ

❁❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"خواتین کے ساتھ چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، ان کے مال، ان کے حسب، ان کی خوبصورتی، یا پھر ان کا دین، تو تم دیندار کے ذریعے کامیابی حاصل کرو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

نکاح کے لیے دین داری کو فوقیت دیں

اسلام نے شادی کیسی عورتوں سے کی جانی چاہیے؟ اس کا معیار اور پیمانہ بھی اپنے ماننے والوں کو دیا ہے چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عورت سے نکاح چار باتوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے (۱) مال و دولت (۲) حسن و جمال (۳) خاندانی حسب و نسب، اور (۴) دین داری، تم دین دار عورت سے نکاح کرو۔

(بخاری و مسلم)

2047- واخرجه البخاری (5090)، ومسلم (1466)، وابن ماجه (1858)، والنسائی فی "الکبریٰ" (5318) من طرق عن یحیی بن سعید القطان، بهذا الاسناد. وهو فی "مسند احمد" (9521)، و "صحیح ابن حبان" (4036).

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شادی میں صرف عورت کے حسن و جمال کو نہ دیکھو کیوں کہ اس کا حسن بہت جلد ختم ہو جائے گا، نہ اُس کے مال کو دیکھو اُس کی مال داری اُس کو نافرمان بنا سکتی ہے، بل کہ عورت سے شادی اُس کی دین داری کی وجہ سے کرو، دین دار کالی رنگ کی باندی، بے دین خوب صورت عورت سے بہتر ہے۔ (سنن ابن منصور)

حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ جو حضور علیہ السلام کے غلام تھے) کا نکاح زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا جناب عبد المطلب کی نواسی) سے کیا، اور مقداد (رضی اللہ عنہ) کا نکاح ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب سے کیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ سب سے بڑا شرف اسلام ہے۔ حضرت ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے کہا کہ تم کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ کسی مسلمان سے شادی کر لو، اگر چہ وہ سُرخ رنگ کا رومی ہو یا سیاہ رنگ کا حبشی۔ (سنن ابن منصور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی عورت سے اس کی عزت کی وجہ سے نکاح کرے اللہ تعالیٰ اس کی ذلت اور جو کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی محتاجی ہی بڑھائے گا اور جو اس کے حسب (خاندانی رعب و دبدبہ) کے سبب نکاح کرے گا تو اس کے کمینہ پن میں زیادتی فرمائے گا، اور جو اس لیے نکاح کرے کہ اِدھر اُدھر نگاہ نہ اُٹھے اور پاک دامنی حاصل ہو یا صلۂ رحم کرے تو اللہ تعالیٰ اس مرد کے لیے اس عورت میں برکت دے گا اور عورت کے لیے اُس مرد میں۔ (بہارِ شریعت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمھیں وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کی دین داری اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو (اپنی بیٹی کا) نکاح کر دو، اگر نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہو گا۔

(ترمذی شریف)

افسوس! کہ فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ نکاح کرنے میں دولت اور حسن و جمال کے ساتھ ساتھ خاندانی رعب و دبدبہ کو لوگ مقدم رکھتے ہیں اور دین داری کا تو کہیں تصور ہی نہیں رہتا۔ دولت مند لڑکے کی تلاش میں لڑکی کے نکاح میں تاخیر بھی کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ برائیاں جنم لے سکتی ہیں۔ اسی طرح لڑکے کے لیے خوب صورت اور پری تمثال لڑکی کی تلاش میں سرگرداں ہو کر اخلاق و کردار سے عاری لڑکی کو بہو بنا کر عمر بھر کے پچھتاوے کو گلے لگا لیتے ہیں۔ لڑکی اگر دین دار اور با اخلاق ہو گی تو جو اولاد پیدا ہو گی وہ صالح اور نیک ہو کر اپنے ماں باپ اور خاندان کے لیے باعثِ ننگ و عار نہیں بل کہ باعثِ خیر و برکت ہو گی۔

نکاح سے قبل لڑکے اور لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ لیں

لڑکے اور لڑکی کا نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنا از روئے شرع درست ہے۔ تاکہ شادی کے بعد زوجین کے درمیان خوش گوار تعلقات قائم رہیں اور کسی بھی قسم کی الجھن اور تکرار کی نوبت نہ آنے پائے۔ اس سلسلے میں احادیثِ طیبہ ملاحظہ کریں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے ایک عورت سے شادی کی بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

خبر ہوئی تو دریافت فرمایا کہ تم نے اُس عورت کو دیکھ لیا ہے؟ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ: تم پہلے اُس کو دیکھ لو کیوں کہ یہ بات زوجین کے درمیان خوش گوار تعلقات کے لیے بہت مفید ہے۔ چناں چہ میں نے اُس عورت کو دیکھا، اُس وقت اُس کے والدین موجود تھے اور وہ پردے کے اندر تھی، میں نے بڑی صفائی سے کہہ دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور مشورہ پر تم کو دیکھنے کے لیے آیا ہوں، والدین تو خاموش رہے لیکن لڑکی نے پردے کا کونا اُٹھا کر کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو مجھے دیکھنے کا حکم دیا ہے تو میں تمہارے سامنے آرہی ہوں، اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا حکم نہیں دیا ہے تو میری طرف ہرگز نہ دیکھنا، میں نے اُس کو ایک نظر دیکھا اور اسی سے نکاح کر لیا۔ (کنز العمال)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو شادی کا پیغام دے تو اگر ہو سکے کہ اس کو دیکھنے کی وجہ سے نکاح میں رغبت ہوتی ہے تو وہ ایسا کرے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے بنو سلمہ کی ایک عورت سے شادی کی بات کی تو درخت کی آڑ سے اُس کو دیکھا تو وہ مجھے پسند آئی اور میں نے اُسی سے شادی کر لی۔ (ابوداؤد شریف)

شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت صرف اس لیے ہے کہ شادی کے بعد تعلقات میں خلیج نہ پیدا ہو لیکن آج مغربی کلچر اور غیر اسلامی طریقۂ کار میں ڈوب کر لڑکے لڑکی شادی سے پہلے سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں، گھنٹوں موبائل پر بات چیت کرتے ہیں یہ باتیں اسلامی شریعت کے خلاف ہیں ان سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

مردوں کے لیے پسند کی شادی کی شرعی حیثیت

شریعت اسلامیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کسی بھی ایسی عورت سے شادی کر سکتا ہے جو نہ اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو اور نہ وقتی کسی عارض کی وجہ سے حرام ہو۔ قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ ارشاد ربانی ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (22) ''تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو۔'' بلکہ نکاح سے پہلے مرد کا اس عورت کو دیکھنا جائز ہے جس سے وہ نکاح کر رہا ہے۔

احادیث میں نہایت صراحت کے ساتھ اس کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ قَالَ فَخَطَبْتُ جَارِيَةً فَكُنْتُ أَتَخَبَّأُ لَهَا حَتّٰى رَأَيْتُ مِنْهَا مَا دَعَانِي إِلَى نِكَاحِهَا وَتَزَوُّجِهَا فَتَزَوَّجْتُهَا (23) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو اگر ممکن ہو اس کو دیکھ لے اس کے بعد نکاح کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا اور میں نے اس کو چھپ کر دیکھ لیا یہاں تک کہ میں نے اس میں وہ چیز پائی جو نکاح پر رغبت کا سبب بنی۔ پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔'' بلکہ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں

جن میں نکاح سے قبل عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ (م۔449ھ) لکھتے ہیں: ففی هذه الأحادیث اباحة النظر الی وجه المرأة لمن أراد نکاحها۔ (24) ''پس ان احادیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

''جمہور کی رائے: جمہور علماء کے نزدیک قبل از نکاح مخطوبہ عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ذهب جمهور العلماء الی أنه لابأس بالنظر الی المرأة اذا أراد أن یتزوجها۔ (25) جمہور علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جب کسی عورت کے ساتھ شادی کا ارادہ ہو تو اس کی طرف نظر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محی الدین امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مخطوبہ عورت کی طرف نظر کے جواز والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وفیه استحباب النظر الی وجه من یرید تزوجها وهو مذهبنا ومذهب مالك وأبي حنیفة وسائر الکوفیین وأحمد وجماهیر العلماء۔ (26) ''اور اس حدیث میں ہے کہ عورت کے چہرے کی طرف نظر کرنا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اور یہی مذہب ہمارا (شوافع کا) ہے اور (امام) مالک رحمۃ اللہ علیہ اور (امام) ابوحنیفہ اور تمام کوفہ (کے اہل علم) اور (امام) احمد رحمۃ اللہ علیہ سمیت جمہور علماء کا ہے۔''

امام عبدالرحمن المقدسی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م۔682ھ) لکھتے ہیں: قال شیخنا لا نعلم بین أهل العلم فی اباحة النظر الی المرأة لمن أراد نکاحها خلافا۔ (27) ''ہمارے مشائخ نے کہا کہ ہم نہیں جانتے اہل علم کے درمیان اختلاف واقع ہو اس عورت کی طرف نظر کے جائز ہونے کے بارے میں جس سے کوئی شخص نکاح کا ارادہ رکھتا ہو۔

''**مخطوبہ عورت کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے:**

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی مخطوبہ عورت کی طرف قبل از نکاح دیکھنے والی روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں جس کا مفہوم درج ذیل ہے: ''کہ احادیث مذکورہ اس باب میں نص ہیں کہ یہ نظر صرف ان اعضاء کی طرف ہوسکتی ہے جو ستر میں داخل نہیں ہیں مثلاً چہرہ اور ہتھیلیاں۔ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ اور اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت فَخَطَبْتُ جَارِيَةً فَكُنْتُ أَتَخَبَّأُ ہے اور راوی جو روایت کرتا ہے وہ اس کو زیادہ پہچانتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خاطب لڑکی کے اولیاء سے یہ مطالبہ نہیں کرسکتا کہ لڑکی کو اس کے سامنے لایا جائے۔ اس لیے کہ اس میں اولیاء کی سبکی ہے۔ اور ایسے مباح کام جن میں کسی کی سبکی ہوسکتی ہو وہ جائز نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی عورت کو مطلع کرتے ہوئے دیکھا جائے اس لیے کہ ایسے معاملات میں عورتوں کو حیا آتی ہے اور اس طرح سے اجنبی مرد کی نظر عورت کے دل پر گراں گزرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی جبلت میں غیرت رکھی ہے۔ بہرکیف چپکے اور خفیہ طریقے سے مخطوبہ عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ اور اس قسم کی نظر میں چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ (28)

1۔ القرآن، آل عمران: 214۔ القرآن، النساء: 33۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بیروت، دار ابن کثیر الیمامہ، 1407ھ، ج5، ص41949۔

البخاری، الجامع الصحیح، ج5، ص51950۔ المنذری، عبد العظیم، ابو محمد، الترغیب والترہیب، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1417ھ، ج3، ص629۔ القرآن، الاسراء:732۔ القرآن، النور:82۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران غزنی سٹریٹ اردو بازار، 2009ء، ص9162۔ گوہر رحمان، مولانا، اسلامی سیاست، مردان، مکتبہ تفہیم القرآن، 2002ئ، ص88 تا1093۔ القرآن، الاعراف:1180۔ القرآن، الھود:1282۔ القرآن، النساء:1316۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، بیروت، المکتبۃ العصریہ صیدا، س ن، ج4، ص14158۔ المسلم، بن حجاج، القشیری، الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، ج1، ص15266۔ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، بیروت، دار الجیل، 1426ھ، ج2، ص16194۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج5، ص172020۔ القرآن، النور:182۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، مصر، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، 1395ھ، ج3، ص19461۔ النووی، یحییٰ بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1392ھ، ج9، ص20210۔ الترمذی، ج4، ص2156۔ ایضاً، ج4، ص2217۔ القرآن، النساء:233۔ ابوداؤد، ج2، ص24228۔ ابن بطال، ابوالحسن علی بن خلف، شرح صحیح البخاری لابن بطال، ریاض، مکتبۃ الرشد، 1423ھ، ج7، ص25237۔ ایضاً، ج7، ص26236۔ النووی، المنہاج، ج9، ص27210۔ المقدسی، عبد الرحمن، ابو الفرج، الشرح الکبیر علی متن المقنع، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع، ج2، ص

عورتوں کے لیے پسند کی شادی کی شرعی حیثیت

شریعت اسلامیہ نے جس طرح مرد کو پسند کی شادی کا اختیار دیا ویسے ہی عورت کو بھی دیا ہے۔ کہ وہ شادی کے لئے ایسے مرد کا انتخاب کرسکتی ہے جس سے نکاح شرعاً حرام اور ناجائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے: حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (32) ”یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔“ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (33) ”اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔“

چنانچہ ان آیات کے پیش نظر فقہاء احناف کی یہ رائے ہے کہ عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے۔ (34)

اسی طرح احادیث مبارکہ بھی اس مسئلہ کو واضح کرتی ہے کہ عورتوں کی پسند کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا نکاح کیا جائے اور بالغہ عورت سے بغیر اس کی اجازت کے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ (35)“

شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور نہ کنواری کا بغیر اس کی اجازت کے، صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کنواری کی اجازت کس طرح معلوم ہوسکتی ہے۔؟ فرمایا کہ اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔“

بلکہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک میں ایک عورت کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر ہوا، اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے اس کا نکاح فسخ کر دیا۔ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا (36)“

حضرت خنسا بنت خدام انصاریہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ میرے والد نے ایک جگہ میرا نکاح کر دیا اور میں ثیبہ تھی اور مجھے وہ

نکاح منظور نہ تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے میرا نکاح فسخ کر دیا۔"

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے: "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک کنواری لڑکی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی اس کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے اس کو اختیار دیا۔ (یعنی اگر وہ چاہے تو نکاح کو فسخ کر دے)"(37)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: يَعْمَدُ أَحَدُكُمْ إِلَى بِنْتِهِ فَيُزَوِّجُهَا الْقَبِيحَ إِنَّهُنَّ يُحْبِبْنَ مَا تُحِبُّونَ(38)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک اپنی بیٹی کی شادی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کی شادی بدصورت آدمی سے کرا دیتا ہے (ایسا نہ کرو) بے شک وہ عورتیں بھی وہی پسند کرتی ہیں جو تم پسند کرتے ہو۔"

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی کتب حدیث میں موجود ہے: لَا يُكْرِهَنَّ أَحَدُكُمُ ابْنَتَهُ عَلَى الرَّجُلِ الْقَبِيحِ فَإِنَّهُنَّ يُحْبِبْنَ مَا تُحِبُّونَ(39) "تم میں سے کوئی شخص اپنی بیٹی کو بدصورت آدمی کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور نہ کرے پس بے شک وہ عورتیں بھی وہ پسند کرتی ہیں جو تم پسند کرتے ہو۔"

علامہ موسیٰ الحجاوی المقدسی (م۔968ھ) شیخ الاسلام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م۔597ھ) کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابن الجوزی فی کتاب النساء ویستحب لمن أراد أن یزوج ابنته أن ینظر لها شابا مستحسن الصورة ولا یزوجها دمیما وهو القبیح۔(40)"

ابن جوزی نے کتاب النساء میں کہا اس آدمی کے لئے مستحب ہے جو اپنی بیٹی کی شادی کا ارادہ کرے کہ وہ اس کے لئے اچھی شکل وصورت والا نوجوان دیکھے اور اس کی شادی بدصورت آدمی سے نہ کرائے۔" معلوم ہوا عورت کے جذبات اور احساسات کی رعایت رکھتے ہوئے اس کی شادی کی جائے۔ نکاح سے قبل مخطوبہ عورت کے لیے خاطب کو دیکھنے کی اجازت: فقہاء نے اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ پیغام نکاح دینے والے مرد کو عورت نکاح سے قبل دیکھ سکتی ہے۔

امام ابواسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (م۔476ھ) لکھتے ہیں:

ویجوز للمرأة اذا أرادت أن تتزوج برجل أن تنظر الیه لانه یعجبها من الرجل ما یعجب الرجل منها۔(41)

"اور جائز ہے عورت کے لئے جب وہ کسی آدمی سے شادی کا ارادہ کرے کہ دیکھے اس کی طرف، اس لئے کہ پسند آئے گی اس کو مرد میں سے وہ چیز جو پسند آتی ہے مرد کو عورت سے۔" فقہاء احناف ومالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ نکاح سے قبل عورت پیغام نکاح دینے والے مرد کو دیکھ لے۔(42)

معلوم ہوا نکاح سے پہلے عورت کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ پیغام نکاح دینے والے مرد کو دیکھے تا کہ بعد میں ناپسندیدگی ازدواجی زندگی پر اثر انداز نہ ہو۔

32,210_ القرآن، البقرہ:33230_ القرآن، البقرہ:34232_ العینی، بدرالدین، محمود بن احمد، ابومحمد، البنایہ شرح الھدایہ، بیروت، دارالکتب العلمیہ، 1420ھ، ج5، ص3570_ البخاری، الجامع الصحیح، ج6، ص362556_ ایضاً، ج5، ص371974_ ابوداؤد، السنن، ج2، صفحہ38232_ عبدالرزاق بن ھمام، ابوبکر، المصنف، بیروت، المکتب الاسلامی، 1403ھ، ج6، ص39158_ عمر بن شبہ بن عبیدہ، ابوزید، تاریخ المدینہ لابن شبہ، جدہ، 1399ھ، ج2، ص40769_ الحجاوی، موسیٰ بن احمد بن موسیٰ، ابوالنجا، الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، بیروت، دارالمعرفت، ج3، ص157 41_ الشیرازی، ابواسحاق، المھذب فی فقہ الامام الشافعی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، س ن، ج2، ص42424_ شامی، ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی الدرالمختار، بیروت، دارالفکر، 1412ھ، ج6، ص370 المغربی، شمس الدین، ابوعبداللہ، محمد بن محمد، مواھب الجلیل لشرح مختصر الخلیل، دار عالم الکتب، 1423ھ، ج5، ص22 ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابومحمد المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، بیروت، دارالفکر 1405ھ، ج7، ص465

بَابٌ فِي تَزْوِيجِ الْأَبْكَارِ

باب: کنواری (لڑکی) سے شادی کرنا

2048 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَزَوَّجْتَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا فَقُلْتُ: ثَيِّبًا قَالَ: أَفَلَا بِكْرٌ تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا: کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کنواری کے ساتھ؟ یا ثیبہ کے ساتھ؟ میں نے عرض کی: ثیبہ کے ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنواری کے ساتھ کیوں نہیں کی، تم اس کے ساتھ خوش فعلیاں کرتے اور وہ تمہارے ساتھ کرتی۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَزْوِيجِ مَنْ لَمْ يَلِدْ مِنَ النِّسَاءِ

باب: جو عورت بچہ پیدا نہیں کرسکتی، اس کے ساتھ شادی کرنے کی ممانعت

2049 قَالَ أَبُو دَاوُدَ: كَتَبَ إِلَيَّ حُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ الْمَرْوَزِيُّ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى

2048-واخرجه مختصراً ومطولاً البخاری (2097)، ومسلم باثر (1466) من طریق وھب بن کیسان، والبخاری (2309)، ومسلم باثر (1466)، وابن ماجہ (1860)، والنسائی فی "الکبری" (5309) و (5317) من طریق عطاء بن ابی رباح، والبخاری (2967) و (5079) و (5245) و (5247)، ومسلم باثر (1466) من طریق الشعبی عامر بن شراحیل، والبخاری (4052) و (5367) و (6387)، ومسلم باثر (1466)، والترمذی (1125)، والنسائی فی "الکبری" (5308) و (8888) من طریق عمرو بن دینار، والبخاری (5080)، ومسلم باثر (1466) من طریق محارب بن دثار السدوسی، ومسلم باثر (1466) من طریق ابی نضرۃ، ستتھم عن جابر بن عبد اللہ، بہ.

2049-حدیث صحیح، وھذا اسناد قوی من اجل الحسین بن واقد، فھو صدوق لا باس بہ، وھو متابع. واخرجہ النسائی فی الکبری" (5629) من طریق الحسین بن حریث، بھذا الاسناد. واخرجہ النسائی فی "الکبری" (5320) و (5321) و (5630) من طریق عبد اللہ ابن عبید بن عمیر، عن ابن عباس، بہ.

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي لَا تَمْنَعُ يَدَ لَامِسٍ قَالَ: غَرِّبْهَا قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِي. قَالَ: فَاسْتَمْتِعْ بِهَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: میری بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو روکتی نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے چھوڑ دو، اس نے عرض کی: مجھے اندیشہ ہے کہ میرا دل اس کے پیچھے جائے گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم اسی سے نفع حاصل کرو۔

2050 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا مُسْتَلِمُ بْنُ سَعِيدٍ ابْنُ أُخْتِ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ يَعْنِي ابْنَ زَاذَانَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ، وَإِنَّهَا لَا تَلِدُ، أَفَأَتَزَوَّجُهَا، قَالَ: لَا ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَنَهَاهُ، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: مجھے ایک عورت (کا رشتہ) مل رہا ہے، جو خاندانی بھی ہے اور خوبصورت بھی، لیکن وہ بچہ پیدا نہیں کرسکتی، کیا میں اس کے ساتھ شادی کرلوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی نہیں! پھر وہ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منع کر دیا، پھر وہ تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسی عورتوں سے شادی کرو، جو محبت کرنے والی ہوں اور اولاد پیدا کرنے کے قابل ہوں، کیونکہ میں دوسری امتوں کے سامنے تمہاری کثرت پر فخر کروں گا"

حصولِ اولاد کا مقصد

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے اولاد کے حصول کو پسندیدہ اور مطلوب قرار دیا ہے اور اولاد کے حصول کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ:

اس سے سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہو۔ اپنے لیے راحتِ جسمانی اور راحتِ روحانی کا حصول ہو۔ مرنے کے بعد اپنے لیے صدقہ جاریہ کا ذریعہ بنے۔ صالح اولاد کے ذریعے نیک اور صالح معاشرے کا قیام وجود میں آئے، وغیرہ وغیرہ۔

چناں چہ! جس ذریعے سے اولاد کا حصول ہوتا ہے، (یعنی: نکاح) اس کے اپنانے کی پرزور ترغیب دی گئی اور اس کے ترک کو سخت ناپسند کیا گیا اور اس کے تارک کی حوصلہ شکنی کی گئی، اس لیے صرف نکاح ہی نہیں، بلکہ اس عورت سے نکاح کرنے کی ترغیب

2050- اسنادہ قوی، مستلم بن سعید صدوق لا باس بہ۔ واخرجہ النسائی فی "الکبری" (5323) من طریق یزید بن ھارون، بھذا الاسناد. وھو فی "صحیح ابن حبان" (4065) و (4057). وفی الباب عن انس بن مالک عند احمد فی "مسندہ" (12613)، وابن حبان فی "صحیحہ" (4028)

دی گئی جو زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ہو اور اس عورت سے نکاح کرنے کو ناپسند قرار دیا گیا جو اس صلاحیت سے محروم ہو۔

ذریعہ اولاد "نکاح" کا مقصد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرتی ہیں، جسے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ:

قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني، وتزوجوا، فإني مكاثر بكم الأمم، ومن كان ذا طول فلينكح، وإن لم يجد فعليه بالصيام، فإن الصوم له وِجاء" (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح، رقم الحدیث: 1836)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرے گا، تو وہ مجھ سے نہیں ہوگا (یعنی میرے طریقے پر قائم نہیں رہے گا) اور تم نکاح کیا کرو، کیوں کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے (قیامت کے دن) دوسری امتوں پر فخر کروں گا اور تم میں سے جو طاقت رکھتا ہو، تو اسے چاہیے کہ نکاح کرے اور جسے طاقت نہ ہو تو وہ (کثرت سے) روزے رکھنے کا اہتمام کرے، کیوں کہ روزہ اس کے لیے وجاء ہے (یعنی شہوت کو ختم کرنے والا ہے)۔

اس ارشادِ مبارک میں نکاح کا مقصد ذکر کیا گیا ہے، کہ شہوت کے غلبے کی صورت میں جائز طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کرنے کا ذریعہ نکاح ہے اور اگر جائز طریقہ نہ ہو یعنی نکاح نہ ہوا ہو تو اس کا علاج کثرت سے روزے رکھنا بتایا گیا ہے۔

البتہ اگر مقصود محض عفت و پاک دامنی کا حصول ہو، دیگر کوئی اور رشتہ بھی نہ مل رہا ہو تو پھر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ نکاح کے مقاصد میں صرف اولاد کا حصول ہی نہیں ہے، بلکہ شرم گاہوں کی حفاظت بھی ہے۔

شریعت کی نگاہ میں حصول اولاد کی اہمیت

اس فرمانِ مبارک سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ شریعت کی نظر میں نہ صرف اولاد کے حصول کی اہمیت بلکہ اس حصول کے ذریعے (یعنی: بچے جننے والی عورت سے نکاح) کی بھی بہت زیادہ اہمیت ہے، اسی لیے اس عورت سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا جو مال و دولت کی اور حسن و جمال کی مالک تو ہے لیکن وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ چناں چہ نکاح کرنے اور اس کے ذریعے اولاد کے حصول کی اہمیت کو اور زیادہ واضح انداز میں سمجھنے کے لیے ایک اور فرمانِ رسول پر نظر ڈالیے:

عن أنس بن مالك قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر بالباءة، وينهىٰ عن التبتل نهياً شديداً، ويقول: "تزوجوا الودود الولود، إني مكاثرٌ بكم الأنبياء يوم القيامة"

(مسند أحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك، رقم الحديث: 12613، 13569، 20/63، 21/191، مؤسسة الرسالة)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو سختی سے نکاح کرنے کا

حکم فرمایا کرتے تھے جو نکاح پر قدرت رکھتا ہو اور ایسے شخص کو بے نکاح رہنے پر سختی کے ساتھ منع کیا کرتے تھے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ایسی عورت سے نکاح کیا کرو جو خوب محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ہو، ارشاد فرمایا کہ: "بے شک تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسرے انبیا کی امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا"۔

مذکورہ صفات کی حکمت

ان دونوں احادیث میں خوب محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا، اس کی حکمت کے بارے میں ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ: یہ دونوں قیدیں اس لیے لگائی گئی ہیں کہ: اگر عورت محبت کرنے والی نہ ہوئی، تو خاوند کی اُس عورت میں رغبت نہیں ہوگی اور اگر اُس کے اندر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہوئی، تو پھر نکاح کا مقصدِ عظیم (زیادہ اولاد کے ذریعے اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا تحیۃ وسلام کا کثیر التعداد ہونا) فوت ہو جائے گا۔

زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت کی پہچان کا طریقہ

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ کس عورت کے اندر زیادہ محبت کرنے کی صلاحیت اور زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہے؟ تو اس بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ دونوں خوبیاں پہچاننے کے لیے اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کو دیکھا جائے گا کہ ان کے اندر یہ دونوں وصف کس حد تک پائے جاتے ہیں، اگر ان کے اندر یہ اوصاف نظر آئیں تو پھر اس عورت میں بھی یہ اوصاف ہوں گے، کیوں کہ صفات و طبائع نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں، تو احتمالِ غالب کے مطابق اس عورت میں بھی یہ صفات منتقل ہوئی ہوں گی، بس اتنا اندازہ لگا لینا کافی ہے، بعد میں اولاد کا پیدا ہونا یا نہ ہونا تقدیر کا کھیل اور ربِّ عزوجل کی طرف سے ایک امتحان ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، النوع الثانی، رقم الحدیث: 3091، 6/247، دار الکتب العلمیہ)

اولاد کی کثرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کی رغبت کس قدر تھی؟ اس کا اندازہ مذکورہ حدیث سے لگایا جا سکتا ہے کہ: ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر ان کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

کہ یہ میرا بیٹا انس آپ کا خادم ہے، اس کے لیے آپ اللہ رب العزت سے دعا کیجیے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی: - اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہ وَوَلَدَہ، وَبَارِكْ لَہ فِیْمَا اَعْطَیْتَہ- کہ یا اللہ! اس کے مال کو اور اس کی اولاد کو زیادہ فرما دیجیے اور جو کچھ آپ نے اس کو عطا فرمایا ہے، اس میں برکت ڈال دیجیے۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل أنس ابن مالک، رقم الحدیث 2480، المکتبۃ بیت الأفکار)

اس دعا کی قبولیت کس شکل میں ہوئی؟ اس بارے میں علامہ سندھی رحمہ اللہ حاشیہ بخاری میں لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کے مال میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ بصرہ شہر میں ان کے دو باغ تھے، جو سال میں

دوبار پھل دیتے تھے اور ان کی اولاد میں اس طرح برکت ہوئی کہ ان کی (زندگی میں ہی ان کی اولاد اور "اولاد کی اولاد" کی) تعداد 120 تک پہنچی اور ان کی عمر میں اس طرح برکت ہوئی کہ 99 سال یا 103 سال یا 107 سال اور ایک قول کے مطابق 110 سال تک زندہ رہے"۔ (حاشیۃ السندی علی صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ، 4/159، دارالفکر، بیروت)

خاندانی منصوبہ بندی کا شرعی حکم

اوپر ذکر کردہ اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نکاح شریعت کی نظر میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور اسی طرح نکاح سے جو مقصود ہے یعنی: اولاد، وہ بھی نہایت اہم ہے، چناں چہ جس طرح اولاد کے حصول پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح ہر ایسی حرکت سے منع کیا گیا، جس سے اولاد کے حصول کا سلسلہ منقطع ہو جائے، چاہے وہ صورت عزل (یعنی: بیوی سے ملتے وقت مادہ منویہ باہر خارج کرنے) کی ہو یا نس بندی کی، مانع حمل ادویات کا استعمال ہو یا خاندانی منصوبہ بندی کا پراسس، عورت سے پیدائش اولاد کی صلاحیت کو ختم کرنا ہو یا حمل ٹھہر جانے کے بعد اسقاطِ حمل ہو، ہر صورت کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے۔ عارضی طور پر مانع حمل کے لیے مختلف تدابیر کو اختیار کرنا اگر کسی ضرورت شرعیہ کی وجہ سے ہو تو شریعت کی طرف سے کچھ گنجائش ہے، بصورت دیگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ میری امت میں سے نہیں۔

"ليس منا مَن خصىٰ ولا اختصى، إن خصاء أُمتي الصيام".

(کتاب الزہد لابن المبارک، باب التواضع، رقم الحدیث: 845، ص: 336، دارالکتب العلمیۃ)

مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کا حکم؟

اور جن صورتوں میں شریعت نے عارضی طور پر مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کی اجازت دی ہے ان میں بھی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ عمل تنگ دستی اور افلاس کے خوف سے نہ ہو، ورنہ (مذکورہ بدعقیدگی کے ساتھ) مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، اس بارے میں ایک فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه، قال رجل: يا رسول الله، أيّ الذنب أكبر عند الله؟ قال: أن تدعوا لله ندّا وهو خلقك. قال: ثم أيّ؟ قال: أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك. قال: ثم أيّ؟ قال: أن تزاني بحليلة جارك. فأنزل الله عزوجل تصديقها ﴿والذين لا يدعون مع الله إلها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق أثاما﴾ (الفرقان: 68)

(صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم، رقم الحدیث: 6861، 4/265، المکتبۃ السلطانیۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کون سا گناہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، اس شخص نے عرض کیا کہ پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس

ڈر سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی، اس شخص نے عرض کیا کہ پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) "رحمن کے بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کو شریک نہیں کرتے اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا"۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ تدابیر اختیار کرنا شرم وعار کی وجہ سے ہو تو اس کا گناہ اپنی بیٹی کو زندہ درگور (یعنی قتل) کرنے کے برابر ہے، حضرت جدامہ بنت وھب رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ:

قالت: حضرتُ رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم في أُناسٍ، ثم سألوه عن العزل؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذٰلک الوأدُ الخفيُّ"۔

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز الغیلۃ، وھی وطء المرضع وکراھۃ العزل، رقم الحدیث: 1442، ص: 573، بیت الافکار)

حضرت جدامہ بنت وھب رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ عزل کرنے کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ (عزل) خفیہ طور پر اپنی اولاد کو زندہ درگور کرنا ہے۔

خفیہ طور پر اپنی اولاد کو زندہ درگور کرنے کے بارے میں شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وهي "وإذا الموؤدة سئلت"، الوأد دفن البنت، وهي حية وكانت العرب تفعله خشية الاملاق، وربما فعلوه خوف العار (شرح النووی علی صحیح مسلم: 10/17، المطبعۃ المصریۃ بالازھر)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل عرب اپنی بیٹیوں کو تنگ دستی کے خوف اور شرم وعار کی بنا پر زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔

ان کا یہ فعل علی الاعلان ہوتا تھا، اور عزل کی صورت میں یہی فعل خفیۃً ہوتا ہے، لہٰذا جیسے زندہ درگور کرنا اللہ رب العزت کے نزدیک بہت بڑا گناہ اور قتل کرنا ہے، اسی طرح خفیہ طور پر زندہ درگور (یعنی عزل) کرنا بھی ہے۔ اور اگر یہ تدابیر ایسی ہوں جن سے پیدائش اولاد کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے تو ایسا کرنا بھی شرعاً بالکلیہ ناجائز ہے۔

چناں چہ اس بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ (اس حدیث کی شرح میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی ہونے (یعنی: اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم کرنے سے منع فرمایا، ارشاد فرماتے ہیں:

قال العلامة العيني تحت قوله: "نهانا عن ذالک". يعني: عن الاختصاء، وفيه تحريم الاختصاء، لما فيه من تغيير خلق الله تعالىٰ، ولما فيه من قطع النسل وتعذيب الحيوان"

(عمدۃ القاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: یاأیھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم، 18/ 280، دار الکتب العلمیۃ)

اس حدیث سے خصی ہونے کی حرمت کا پتہ چلتا ہے اور یہ حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس فعل میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغییر و تبدیلی کرنا ہے اور اس وجہ سے کہ اس فعل میں نسلِ انسانی کو ختم کرنا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس میں کسی جان دار کو عذاب دینا پایا جاتا ہے۔

اور اگر حمل میں جان پڑ چکی ہو (یعنی حمل ٹھہرے ہوئے چار ماہ کا عرصہ گذر چکا ہو) تو اس وقت اسقاطِ حمل کرنا حرام اور قتلِ نفس ہے، چاہے ڈاکٹروں کے کہنے کی وجہ سے اسقاط ہو (بایں صورت کہ بچہ معذور ہوگا، یا نہایت کمزور ہوگا، یا عجیب الخلقت ہوگا وغیرہ وغیرہ) یا ان کے کہے بغیر۔

وفيحاشية ابن العابدين: "لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم، قالوا: إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشائخ فيه. والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوماً بالحديث (كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره، 9/537، دار الكتب العربي)

عارضی مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنے کا حکم

کسی ایسے عذر کی وجہ سے جس کا شریعت نے بھی اعتبار کیا ہو، منعِ حمل کے لیے عارضی طور پر مختلف تدابیر اختیار کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، مثلاً: کوئی عورت بہت زیادہ کمزور ہو اور ماہر تجربہ کار مسلمان طبیب کی تشخیص کے مطابق اس عورت کے لیے حمل ٹھہر جانے کی صورت میں ناقابلِ برداشت تکلیف برداشت کرنا پڑے گی، یا پیدا ہونے والے بچے کے نہایت کمزور یا ناقص پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہو، یا اس سے پہلے والا بچہ ابھی بہت چھوٹا ہو، یا (اس بار کے حمل سے) پہلے بچے کی تربیت و پرورش اور دودھ پلانے پر اثر پڑتا ہو تو کسی فاسد عقیدے کے بغیر، بیوی کی اجازت اور رضامندی سے عزل یا عارضی مانعِ حمل تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں، بصورتِ دیگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ "شرح رد المحتار" میں فرماتے ہیں:

ويكره أن تسقى لإسقاط حملها، وجاز لعذر حيث لا يُتَصَوَّرُ (الدر المختار)

وقال تحت قوله: "وجاز لعذر" كالمرضعة إذا ظهر بها الحبل، وانقطع لبنها، وليس لأبي الصبي ما يستأجر به الظئر، ويخاف هلاك الولد، قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم، ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو، وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوماً، جاز، لأنه ليس بآدمي، وفيه صيانة الآدمي، خانية قوله: "حيث لا يتصور" قيد لقوله: "وجاز لعذر"، والتصور كما في القنية أن يظهر له شعر أو أصبع أو رجل أو نحو ذالك

(حاشیۃ ابن عابدین، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی الاستبراء وغیرہ، 9/615، دار عالم الکتاب)

مندرجہ بالا بحث سے پوری طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی نسل کشی کی جتنی بھی صورتیں ہیں، شرعاً ناجائز اور حرام ہیں، سوائے عذر والی چند صورتوں کے، کہ مخصوص شرائط کے ساتھ ان پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اس کے بالمقابل حصولِ اولاد کی اہمیت بھی پوری طرح سامنے آ چکی ہے۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت

من جانب اللہ انسان کو جو بھی اولاد حاصل ہو، لڑکا ہو یا لڑکی، وہ اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت اور اللہ کا تحفہ ہے، اللہ

رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور (الشوریٰ:50,49)
کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، لڑکیاں ہبہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، لڑکے ہبہ کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد چاہے نرینہ (یعنی: لڑکا) ہو یا غیر نرینہ (یعنی: لڑکی) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبہ یعنی: تحفہ ہے، تو جب یہ تحفہ ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔

پیدائش اولاد پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اہل خانہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آپ یہ معلوم نہیں کرتی تھیں کہ لڑکا پیدا ہوا ہے یا لڑکی، بلکہ یہ معلوم کیا کرتی تھیں کہ ٹھیک طریقے سے اور بعافیت پیدا ہو گیا ہے؟ جب آپ کو یہ جواب ملتا کہ جی ہاں! بخیر و عافیت پیدا ہو گیا، تو آپ یہ سن کر فرماتی تھیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اس اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں ذکر کیا ہے۔

منصوبہ بندی سے متعلق مفتی عبدالقیوم ہزاروی کا فتویٰ

مفتی عبدالقیوم ہزاروی منہاج القرآن لاہور اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔
120 دن کے اندر اسقاط حمل جائز حدیث پاک میں ہے:

ان احدکم یجمع فی بطن امه اربعین یوما ثم علقة مثل ذلک ثم یکون مضغة مثل ذلک ثم یبعث اللہ ملکا فیومر باربع برزقه واجله وشقی او سعید"

"تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن گزارتا ہے (نطفہ) پھر اسی قدر علقہ۔ پھر اسی قدر مضغہ پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے اور چار چیزوں کا حکم ہوتا ہے۔ رزق، عمر، نیک بخت یا بدبخت" (صحیح البخاری 2:976)

فقہائے کرام فرماتے ہیں اگر حاملہ چاہے تو 120 دن سے پہلے اسقاط حمل کر سکتی ہے۔

ھل یباح الاسقاط بعد الحبل یباح مالم یتخلق شئ منه. ثم فی غیر موضع ولا یکون ذلک الا بعد مائه وعشرین یوما انهم ارادوا بالتخلیق نفخ الروح

(الدر المختار مع الرد المحتار للشامی 3:176 طبع کراچی، فتح القدیر للابن الہمام 3:274)

کیا حمل ٹھہرنے کے بعد ساقط کرنا جائز ہے؟ (ہاں) جب تک اس کی تخلیق نہ ہو جائے جائز ہے۔ پھر متعدد مقامات پر تصریح ہے کہ تخلیق کا عمل 120 دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے تخلیق سے مراد روح پھونکنا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بچوں کی پیدائش سے بچہ یا زچہ کی صحت پر اور بچوں کی دیکھ بھال پر منفی اثرات پڑیں گے۔ تو اس صورت میں ہر عورت کے لئے ضبط تولید کے مفید اصولوں کو اپنانا نہ صرف جائز بلکہ مناسب تر ہے۔ بچے کی پیدائش پر ماں کو جن تکالیف، کمزوریوں اور دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ کچھ عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ ہر ماں گویا مر کر دوبارہ زندہ ہوتی ہے۔ پھر پیدا ہونے والے بچے کو دو سال تک دودھ پلانا ماں کی ذمہ داری اور بچے کا حق ہے۔ اور اس میں بے شمار

جسمانی اور روحانی فوائد ہیں۔ ماں کے دودھ کا بدل کوئی ہرگز ہرگز نہیں۔ اب جلد جلد بچے پیدا کرنے سے ایک تو ماں کی جسمانی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ دوسرے بچوں کو ان کا وہ شرعی حق نہیں ملتا جو قرآن نے ان کو دیا ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرہ2:233)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں''

اس صورت میں ضبط ولادت کے مفید طریقوں کو اپنانا بالکل جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کی:

''یا رسول الله كنا نعزل فزعمت اليهود انه الموؤدة الصغرى فقال كذبت اليهود ان الله اذا اراد ان يخلقه لم يمنعه''

''یا رسول اللہ ہم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) عزل کرتے تھے۔ یہود کا خیال ہے کہ یہ چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے، اس پر فرمایا، یہودیوں نے جھوٹ بولا، بیشک اللہ جب کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ کرلے کو اس کو منع نہیں کرسکتا''۔ (جامع ترمذی،1:135)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''كنا نعزل والقرآن ينزل''

''قرآن اتر رہا تھا اور ہم عزل کیا کرتے تھے'' (ایضا)

مطلب یہ کہ قرآن نے ہمیں منع نہیں کیا۔ امام ترمذی اس پر تبصرہ فرماتے ہیں۔

''قد رخص قوم من اه العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم وغيرهم فى العزل وقال مالك ابن انس تستامر الحرة فى العزل ولا تستامر الامه'' (جامع ترمذی،1:135)

''صحابہ کرام اور دیگر بعض اہل علم نے عزل کی اجازت دی۔ مالک بن انس نے فرمایا عزل کے معاملہ میں آزاد عورت سے اجازت لی جائے اور لونڈی سے اجازت کی ضرورت نہیں''

نوٹ: عزل کا مطلب ہے ہم بستری کرتے وقت انزال کا وقت آئے تو مادہ منویہ ٹپکایا جائے۔ ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں ہے۔

''الصحيح الجواز ففى الصحيحين عن جابر كنا نعزل والقرآن ينزل وفى المسلم عنه كنا نعزل على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فبلغ ذالك النبى صلى الله عليه وآله وسلم فلم ينهنا'' (فتح القدیر،3:273 طبع سکھر)

''صحیح یہ ہے کہ عزل جائز ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا ہوتا، انہی سے مسلم میں ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عزل کیا کرتے تھے، پس یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی اور آپ نے ہم کو منع نہ فرمایا''

فقہائے کرام فرماتے ہیں۔

"للسید العزل عن امته بلا خلاف وکذا الزوج الحرة باذنها" (ردالمحتار شامی ۳:۱۷۶ طبع کراچی)

"اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آقا لونڈی سے عزل کرسکتا ہے۔ یونہی آزاد بیوی سے بھی عزل کرسکتا ہے مگر اس کی اجازت سے"۔

عزل کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہم بستری کے وقت جب انزال کا وقت آئے تو مادہ منویہ کو رحم میں نہ جانے دے اور باہر گرا دے تاکہ حمل نہ ہو۔ اگر ضبط ولادت ناجائز ہوتا تو شارع علیہ السلام کبھی اس کی اجازت نہ دیتے۔ جب سرکار نے اجازت دے دی تو اس کے جواز شک نہ رہا۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

"فی السنن عن ابی سعید الخدری ان رجلا قال یا رسول الله ان لی جاریه وانا اعزل عنها وانا اکره ان تحمل وانا ارید ما یرید الرجال وان الیهود تحدث ان العزل هو الموؤدة الصغری قال کذبت یهود ولو اراد الله ان یخلقه ما استطعت ان تصرفه" (فتح القدیر ۳:۲۷۲)

سنن میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میری لونڈی ہے میں اس سے عزل کرتا ہوں، خواہش بھی ویسی ہی ہے جیسی دوسروں کی ہوتی ہے۔ یہودی کہتے ہیں عزل چھوٹا زندہ درگور ہے۔ فرمایا یہودی جھوٹ بولتے ہیں، اور اگر اللہ اس کو پیدا کرنا چاہے تو تو اسے پھیر نہیں سکتا"

اسلام اور تہذیب مغرب میں ٹکراؤ

یہ ہے ضبط تولید میں اسلام کا نظریہ کہ آپ واقعی ضروریات مجبوری کے پیش نظر ضبط ولادت کی تدابیر اختیار کرسکتے ہیں۔ مگر مغرب کی بےلگام تہذیب کے پیش نظر شاید یہ امور نہیں۔ وہ اس کو دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً معاشی مسائل۔ معاشرتی ذمہ داریوں سے بچنا اور فحاشی پھیلانا۔ ظاہر ہے کہ یہ سوچ اسلامی شریعت اور مزاج کی عین نقیض ہے۔ وہ کہتے ہیں آبادی بڑھنے سے لوگ بھوکے مریں گے۔ معاشرتی واقتصادی مسائل پیدا ہوں گے جن پر قابو پانا ناممکن ہوگا۔ جس کی کچھ جھلک آج دیکھی جاسکتی ہے۔ ہم یہ عرض کریں گے کہ معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل یہ نہیں کہ آپ آبادی پر کنٹرول کریں گے۔ آخر کچھ نہ کچھ لوگ تو بچیں گے اور جب تک یہ ظالمانہ جاگیرداری وسرمایہ داری نظام کا منحوس سایہ یہاں رہے گا فتنہ وفساد کا بازار گرم رہے گا۔ لوگوں کی غربت کا سبب یہ نہیں کہ آبادی زیادہ ہے اور وسائل رزق کم ہیں۔ ہرگز نہیں۔ آج جو وسائل رزق دنیا کو حاصل ہیں، ان کا عشر عشیر بھی پہلے لوگوں کو حاصل نہ تھے۔ آج کے متوسط آمدنی والے انسان کو زندگی کی آسائشیں حاصل ہیں وہ پہلے زمانے کے امیر کبیر لوگوں کو خواب میں بھی کبھی نہ ملی ہوں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ قدرت کے خزانوں میں کمی نہیں۔ وسائل رزق بہت کم ہیں لیکن فرعون وقارون کا جانشین۔ سرمایہ دار۔ جاگیردار اور مٹھی بھر عیاش طبقہ ان وسائل رزق پر سانپ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ خود درجنوں بچے جنتے ہیں اور غریبوں کو "بچے کم اور خوشحال گھرانہ" کی گیت سناتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سود، جوا، رشوت اور دوسرے ناجائز طریقوں سے جو قومی دولت انہوں نے لوٹی ہے وہ ان میں سے چھین کر محروم طبقوں میں منصفانہ طور پر تقسیم کی جائے۔ ان کو سادہ زندگی کا خوگر بنایا

جائے۔ اور ان کی فضول خرچیوں سے قومی سرمایہ بچا کر عوام کی پسماندگی دور کرنے پر صرف کیا جائے۔ یہاں تو المیہ یہ کہ وہ زمین جو قدرت نے تمام لوگوں کے لئے پیدا فرمائی، اس پر 10 فیصد جاگیر دار قابض ہے۔ 90 فیصد عوام اس کے غلام اور دست نگر ہیں۔ یہ محنت کرنے کو اپنے لئے حرام جانتا ہے۔ دوسروں کی محنت کا استحصال کرتا ہے بقول اقبال مرحوم

بریشم قبا خواجہ از محنت او نصیب تنش وجامہ تار تارے

صنعت، تجارت اور اعلی ملازمتوں پر قابض ہے۔ اور دھڑا دھڑ بچے پیدا کرتا ہے۔ جن کی صحیح تعلیم نہ تربیت۔ جیسے ماحول میں وہ بچے پرورش پاتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ بچے بچپن سے مغرور، متکبر، ظالم، عیاش اور بدمعاش ہوں۔ اور سیاست وحکومت، اقتصاد ومعاش ان کے قبضہ میں ہے۔ ذرائع نشر واشاعت ان کے پاس، خزانہ پولیس اور فوج سب ان کے ہاتھ میں ظلم وجور عیاشیوں اور بد دیانتوں کے نت نئے ریکارڈ قائم نہ ہوں تو کیا ہو۔

رہی یہ بات کہ جن روحوں کا آنا مقدر ہو چکا ہے وہ آ کر رہیں گی" سو اس میں شک نہیں کہ جس نے آنا ہے آ کر رہے گا۔ لہٰذا اس کی اتنی شد ومد سے مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ آپ اپنی مجبوری کی بناء پر انسدادی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح، جیسے بیمار کا علاج کرتے ہیں بچاؤ کی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ وقت مقررہ پر جس نے مرنا ہے وہ مر کر رہے گا۔

چار ماہ کے اندر ضبط تولید جائز ہے

رحم مادر میں استقرار حمل جب تک 120 دن یعنی چار ماہ کا نہ ہو جائے، حمل ضائع کرنا جائز ہے۔ جب چار ماہ کا بچہ بطن مادر میں ہو جائے تو اب اسے ضائع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

ایک اشکال:

حضرت جزامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں کچھ لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ آپ فرما رہے تھے" میں نے غیلہ حاملہ کا بچے کو دودھ پلانا۔

حاملہ یا دودھ پلانے والی سے قربت کرنا) سے منع کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ پھر میں نے رومیوں اور فارسیوں کو غیلہ کرتے دیکھا اور اس سے ان کے بچوں کو ذرا بھر تکلیف نہیں ہوتی پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے عزل (جماع کے وقت منی باہر گرانا) کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذالک الواد الخفی واذا الموؤدۃ سئلت "(مسلم 1:466)

"وہ پوشیدہ زندہ درگور کرنا ہے اور یہی مصداق اس آیت کریمہ کا کہ وہ جب زندہ گاڑھی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا (کہ اسے کسی گناہ کے عوض قتل کیا گیا")

امام نووی فرماتے ہیں۔ "قال اصحابنا لا یحرم"

"ہمارے اصحاب (شوافع) نے کہا (عزل) حرام نہیں"۔ "اصحہا لا یحرم"

''صحیح تر یہی ہے کہ عزل حرام نہیں''

پھر عزل کے متعلق دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دیتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں۔

ما ورد فی النھی محمول علی کراھه تنزیه وما ورد فی الاذان فی ذلک محمول علی انه لیس بحرام ''(نووی شرح مسلم 464:1)

''ممانعت کی روایات مکروہ تنزیہ پر محمول ہیں اور اجازت کی روایات کا مطلب یہ ہے کہ عزل حرام نہیں''

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ہم عزل کرتے تھے یہودیوں کا خیال ہے کہ یہ ''چھوٹا زندہ در گور'' کرنا ہے فرمایا

''کذبت الیھود ان اللہ اذا اراد ان یخلقه لم یمنعه ''(ترمذی 135:1)

''یہودیوں نے جھوٹ بولا، جب اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہے کوئی اسے روک نہیں سکتا''

اس سے معلوم ہوا کہ ''عزل کو زندہ در گور'' کہنا یہودیوں کا وطیرہ تھا۔ اور ماقبل حدیث میں انہی کا قول نقل فرمایا گیا ہے''۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی ج20 ص195)

فقہائے کرام:

''یعزل عن الحرۃ باذنھا ''(الدر المختار مع رد المحتار 175:3)

''آزاد بیوی سے اس کی اجازت کے ساتھ عزل کر سکتا ہے''

اسقاط حمل:

''یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشھر ''(شامی 176:3)

''چار مہینے سے پہلے حمل گرانا جائز ہے''

مگر بلا ضرورت حمل گرانا مکروہ ہے اور عورت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔

علامہ ابن نجیم، البحر الرائق، 200:3، علامہ کاسانی بدائع الصنائع، 334:2، فتاویٰ عالمگیری، 335:1، امام بن ہمام، ہدایہ مع فتح القدیر 272:3،

''المرءۃ یسعھا ان تعالج لا سقاط الحبل مالم یستبن شئ من خلقه وذلک مالم یتم له مائه وعشرون یوما''

''عورت حمل گرا سکتی ہے جب تک اس کے اعضاء واضح نہ ہو جائیں اور یہ بات 120 (چار ماہ) دن گذارنے سے پہلے ہوتی ہے''۔ پس چار ماہ جس حمل کے گذر جائیں اسے ضائع کرنا جائز نہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی: عبدالقیوم ہزاروی، منہاج القرآن لاہور (تاریخ اشاعت: 2012-04-13)

بَابٌ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً

باب: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان "زنا کرنے والا مرد، صرف زنا کرنے والی عورت سے شادی کرے"

2051 حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ التَّيْمِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْأَخْنَسِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ مَرْثَدَ بْنَ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيَّ كَانَ يَحْمِلُ الْأَسَارَى بِمَكَّةَ، وَكَانَ بِمَكَّةَ بَغِيٌّ يُقَالُ لَهَا: عَنَاقُ وَكَانَتْ صَدِيقَتَهُ، قَالَ: جِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنْكِحُ عَنَاقَ؟ قَالَ: فَسَكَتَ عَنِّي، فَنَزَلَتْ: (وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ) (النور: 3) فَدَعَانِي فَقَرَأَهَا عَلَيَّ وَقَالَ: لَا تَنْكِحْهَا

❁❁ عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: مرثد بن ابو مرثد غنوی مکہ مکرمہ سے قیدیوں کو سوار کروا کر (مدینہ منورہ) لایا کرتے تھے، مکہ میں ایک فاحشہ عورت تھی، جس کا نام "عناق" تھا، وہ ان (مرثد) کی سہیلی تھی، وہ (مرثد) بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں "عناق" کے ساتھ شادی کرلوں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا، پھر یہ آیت نازل ہوئی: "زنا کرنے والی عورت کے ساتھ، صرف زنا کرنے والا یا مشرک شخص شادی کریں" نبی اکرم ﷺ نے مجھے بلوایا اور میرے سامنے یہ آیت تلاوت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کے ساتھ شادی نہ کرنا۔

2052 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَأَبُو مَعْمَرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ حَبِيبٍ، حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ. وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنِي حَبِيبٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ

❁❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"کوڑوں کی سزا پانے والا زانی صرف اپنی جیسی (زانیہ عورت) کے ساتھ شادی کرے گا"

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

زانی کے نکاح سے متعلق متقدمین ومتاخرین فقہاء کے مؤقف کا بیان

اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۚ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ○ (النور ۳)

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کے معنی میں علماء تفسیر کے چھ اقوال ہیں: (1) اس آیت کا مقصد زنا کی برائی بیان کرنا اور اس کی خرابی بیان کرنا ہے۔ اور یہ کہ مومنین پر یہ حرام کیا گیا ہے۔ ماقبل سے اس معنی کا اتصال بہت عمدہ ہے۔ لا ینکح سے مراد لا یطاء ہے۔ یعنی وطی نہیں کرتا ہے۔ پس نکاح بمعنی جامع ہوگا۔ مبالغہ کے لیے اور ہر طرف کو لینے کے لیے واقعہ کو دوہرایا پھر مشرک اور مشرکہ کی تقسیم زائد

فرمائی اس حیثیت سے کہ گناہ میں شرک زنا سے اعم ہے معنی یہ ہے کہ زانی اپنے زنا کے وقت جماع نہیں کرتا اور مشرکہ کی تقسیم زائد
فرمائی اس حیثیت سے کہ گناہ میں شرک زنا سے اعم ہے معنی یہ ہے کہ زانی اپنے زنا کے وقت جماع نہیں کرتا مگر مسلمانوں میں زانیہ سے یا جو مشرکات میں سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے (2)۔ زجاج نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کتاب اللہ میں نکاح، تزویج کے معنی میں معروف ہے، اس طرح نہیں ہے جیسا کہ زجاج نے کہا ہے قرآن حکیم میں ہے: حتی تنکح زوجا غیرہ (البقرہ:230) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ کہ "یہاں وطی کے معنی میں ہے" یہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ طبری نے سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے ایسی بات روایت کی ہے۔ جو اسی تاویل کی طرف میلان رکھتی ہے، لیکن وہ مکمل نہیں ہے۔ خطابی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ اس کا معنی وطی ہے یعنی زنا نہیں ہوتا مگر زانیہ کے ساتھ یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ زنا دونوں جہتوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک قول ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابوداؤد امام ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مرثد بن ابی مرثد قیدیوں کو مکہ سے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ مکہ میں ایک بدکارہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی، حضرت مرثد نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یارسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کرلوں؟ فرمایا: کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی: الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیت پڑھی اور فرمایا: "تو اس سے نکاح نہ کر"۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں اور امام ترمذی کی حدیث اکمل ہے۔ خطابی نے کہا: یہ اس عورت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ وہ کافرتھی اور زانیہ مسلمہ، اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ مسلمانوں میں سے ایک فرد کے ساتھ خاص تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا۔ وہ بدکار عورتوں میں سے تھی اور اس نے شرط رکھی تھی کہ اس مرد پر خرچ کرے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یہ عمرو بن العاص اور مجاہد کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی: یہ مہاجر لوگ تھے مدینہ طیبہ میں ان کے مکانات اور خاندان نہ تھے وہ مسجد کے صفہ پر رہتے تھے۔ یہ چار سو افراد تھے دن کے وقت رزق تلاش کرتے تھے اور رات کو صفہ پر گذارتے تھے۔ مدینہ میں بدکارہ عورتیں تھی جو اعلانیہ بدکاری کرتی تھیں۔ اور لباس اور خوراک کی ان کے پاس فروانی ہوتی تھی۔ اہل صفہ نے ان سے نکاح کرنے اور ان کے مکانات میں رہنے اور ان کے طعام اور لباس سے کھانے کا ارادہ کیا تو ان کو اس سے بچانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ابن ابی صالح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ یہ قول زجاج وغیرہ نے حسن سے ذکر کیا ہے، حسن نے فرمایا: الزانی سے مراد وہ ہے جسے حد لگائی گئی ہو اور زانیہ سے مراد بھی وہ ہے جس پر حد لگائی گئی ہو یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، پس جس زانی کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اس زانیہ سے جسے حد لگائی گئی ہو؛ ابراہیم نخعی نے اسی طرح کہا ہے۔ اور مصنف ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (1) فرمایا

رسول اللہ! نے فرمایا: ''وہ زانی جس کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے'' روایت ہے کہ ایک زانی جس کو حد لگائی گئی تھی اس نے غیر محدودۃ عورت سے شادی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ ابن عربی نے فرمایا: یہ وہ معنی ہے جو نظر کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے جیسا کہ نقلا بھی ثابت نہیں ہے، ایسے شخص کا نکاح جس کو حد لگائی گئی ہو کیا وہ محدودۃ عورتوں کے نکاح پر موقوف ہونا صحیح ہے؟ یہ کس اثر سے ہوگا اور شریعت کی کس اصل پر قیاس ہوگا؟ میں کہتا ہوں: یہ قول الکیا نے بعض اصحاب شوافع سے حکایت کیا ہے کہ زانی جب غیر زانیہ سے نکاح کرے گا تو ظاہر آیت کی وجہ سے ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ الکیا نے کہا: اگر وہ ظاہر پر عمل کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ زانی کے لیے مشرکہ سے بھی نکاح کو جائز قرار دے اور زانیۃ کے لے مشرک مرد سے نکاح کرنا بھی جائز قرار دے یہ انتہائی بعید ہے، یہ کلیۃ اسلام سے خروج ہے۔ کبھی یہ علماء کہتے ہیں: یہ آیت خاص مشرک میں مسنوخ ہی زانیۃ کے لیے مشرک مرد سے نکاح کرنا بھی جائز قرار دے یہ انتہائی بعید ہے، یہ کلیۃ اسلام سے خروج ہے۔ کبھی یہ علماء کہتے ہیں: یہ آیت خاص مشرک میں بمنسوخ ہے، زانیۃ کے حق میں منسوخ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت منسوخ ہے امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا: الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ اس آیت کو بعد والی آیت وانکحوا الایامی منکم نے منسوخ کر دیا ہے؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، فرمایا: ایامی المسلمین میں زانیۃ بھی داخل ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ قول اکثر علماء کا ہے، اہل فتویٰ فرماتے ہیں: جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے اور دوسرے شخص کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اس زانیۃ سے نکاح کرلے۔ یہ حضرت ابن عمر، حضرت سالم، حضرت جابر بن زید صلی اللہ علیہ وسلم عطائ، طاؤس، امام مالک بن انس کا قول ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں قول اسی طرح ہے جس طرح سعید بن مسیب نے فرمایا، ان شاء اللہ یہ منسوخ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس آیت میں اشراک کا ذکر ان مناحی کو کمزور کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہوگا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے یا نکاح سے مراد عقد نکاح ہوگا اگر اس سے مراد وطی ہوگا تو اس کا معنی ہوگا زنا نہ ہوگا مگر زرانیہ کے ساتھ، یہ عبارت ہے اس سے کہ وطی، مرد اور عورت دونوں جہتوں سے ہوتی ہے، آیت کی تقدیر اس طرح ہوگی زرانیہ کی وطی واقع نہ ہوگی مگر زانی سے یا مشرک سے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ معنی صحیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر بالغ آدمی بچی سے زنا کرے یا عاقل، مجنونہ سے زنا کرے یا بیدار شخص سوئی ہوئی سے زنا کرے تو مرد کی جہت سے زنا ہوگا پس یہ مرد زانی غیر زانیہ سے نکاح کرے گا۔ پس گذشتہ مسئلہ کی صورت سے یہ خارج ہوگا۔ ہم کہیں گے: یہ ہر جہت سے زنا ہے مگر ایک میں حد ساقط ہے دوسرے میں ثابت ہے۔ اگر نکاح سے مراد عقد نکاح ہو تو اس کا معنی ہوگا زانیہ سے نکاح کرنے والا جس نے زنا کیا اور اس کے ساتھ اس نے دخول کیا جبکہ ابھی تک اس سے اس کا رحم صاف نہیں ہوا، تو وہ زانی کے قائم مقام ہوگا مگر اس پر حد نہ ہوگی کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، مگر جب اس نے اس سے عقد نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا رحم صاف ہو جائے تو یہ بالا جماع جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا: آیت میں یہ مراد نہیں کہ زانی کبھی نکاح نہ کرے مگر زنا کرنے والی عورت سے کیونکہ اس کا

غیر زانیہ سے نکاح کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن معنی یہ ہے کہ جس نے زانیہ سے نکاح کیا وہ زانی ہے گویا فرمایا: زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر زانی۔ پس کلام میں قلب ہوا، وہ یہ ہے کہ زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر وہ اس کے زنا سے راضی ہو اور وہ اس سے راضی ہوتا ہے جب وہ خود اس سے زنا کرنے والا ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنا صحیح ہے جب کسی مرد کی بیوی زنا کرے تو اس کا نکاح فاسد نہ ہوگا جب مرد زنا کرے تو اس کا اپنی بیوی سے نکاح فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ آیت منسوخ ہے، بعض نے کہا: یہ آیت محکم ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت سے زنا کیا تو آپ نے دونوں کو سو سو کوڑے لگائے پھر اسی وقت انہوں نے ایک دوسرے سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک سال کے لیے جلا وطن کیا تھا۔ اسی کی مثل حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا آغاز زنا تھا آخر نکاح تھا آخر نکاح تھا، اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی باغ سے چوری کرے پھر وہ باغ والے کے پاس آئے اور اس سے وہ پھل خرید لے تو اس نے جو چوری کیا تھا وہ حرام تھا اور جو خریدا وہ حلال ہے اسی کو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ پانی کی کوئی حرمت نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جب مرد، عورت سے زنا کرے پھر اس کے بعد اس سے نکاح کرلے تو وہ ہمیشہ زنا کرنے والے ہوں گے؛ امام مالک کا مسلک ہے ان کا خیال ہے کہ اس سے نکاح نہ کرے یہاں تک کہ اس کا رحم اس فاسد پانی سے صاف ہو جائے، کیونکہ نکاح کی حرمت ہے اور اس کی حرمت سے یہ ہے کہ زنا کے پانی پر اسے نہ انڈیلا جائے تاکہ حلال، حرام مل نہ جائیں، ذلیل پانی اور عزت والا پانی مل نہ جائیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن خویز منداد نے کہا: جو علانیہ زنا یا دوسرے برے کاموں میں معروف ہو پھر وہ کسی معزز گھرانے کی عورت سے نکاح کرے اور وہ انہیں دھوکا دے تو انہیں اختیار ہے چاہیں تو اس کے ساتھ رہیں چاہیں تو اس سے جدائی کرلیں۔ یہ عیوب میں سے کسی عیب کی طرح ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ "ایسا زانی جس کو کوڑے لگائے گئے ہوں وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے" (1)۔ ابن خویز منداد نے کہا: کوڑے لگائے گئے کا ذکر کیا کیونکہ وہ فسق کے ساتھ مشہور ہے یہ وہ ہے جس کے درمیان میں دوسرے کے درمیان تفریق کرنا واجب ہے اور جو فسق میں مشہور نہ ہو تو جدائی نہ کی جائے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ متقدمین کی ایک قوم نے کہا: یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ ان علماء کے نزدیک جس نے زنا کیا اس کا اور اس کی بیوی کا نکاح فاسد ہو جائے گا۔ جب عورت زنا کرے گی تو اس کا اور اس کے خاوند کا نکاح فاسد ہو جائے گا، ان علماء میں سے بعض نے کہا: زنا سے نکاح فاسد نہ ہوگا لیکن مرد کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے جب اس عورت نے زنا کیا ہو۔ اگر وہ اسے اپنے پاس رکھے گا تو گنہگار رہے گا اور زانیہ کے ساتھ اور زانی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اگر توبہ ظاہر ہو جائے تو اس وقت نکاح جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ وحرم ذٰلك على المؤمنين۔ ان بدکاروں کا نکاح مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے

کہ ان بدکاروں کے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حرام قرار دیا ہے۔ ان عورتوں میں سے مشہور عناق تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے زنا کو کتاب اللہ میں حرام کیا ہے۔ جب مرد زنا کرے گا تو اس حد ہوگی۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ اصحاب الرائے نے کہا: ''وہ مسلمان شخص جو دار الحرب میں امان کے ساتھ رہ رہا ہو اور وہ وہاں زنا کرے'' پھر دار السلام میں نکل آئے تو اس پر حد نہ ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: دار الحرب اور دار الاسلام برابر ہیں جو بھی زنا کرے گا اس پر حد ہوگی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نور، بیروت)

زانیہ کے لئے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ام مہزول نامی ایک عورت سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی وہ عورت زنا کرتی تھی اور اس پر اُجرت لیتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سامنے یہ آیت پڑھی: (النور:۳)

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۹ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۴۸۰، ۷۰۹۹، ۷۱۰۰، شیخ احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۔۳۴، دار الحدیث قاہرہ، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۱۹، حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۵۳، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثد ایک ایسا شخص تھا جو مکہ سے قیدیوں کو لا کر انہیں مدینہ پہنچاتا تھا، مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی، اس نے مکہ کے کسی قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو مدینہ پہنچائے گا، اس نے کہا میں مکہ گیا حتیٰ کہ ایک چاندنی رات میں، میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سائے پہنچا پس عناق آ گئی۔ میں نے دیوار کے ساتھ کسی شخص کا سایا دیکھا تھا میں جب وہاں پہنچا تو میں نے اس کو پہچان لیا، اس نے کہا مرثد ہے؟ میں نے کہا مرثد ہوں، اس نے کہا خوش آمدید، میرے پاس آؤ، میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ میں نے اسے کہا: اے عناق! اللہ نے زنا کو حرام کردیا ہے، اس عورت نے (مکہ کے لوگوں سے) کہا: اے خیمے والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتا ہے، سو آٹھ آدمیوں نے میرا پیچھا کیا میں الخندمہ (مکہ کا ایک پہاڑ) کی طرف گیا اور کسی غار میں گھس گیا وہ غار کے سر پر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے وہاں پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر پڑا، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے اندھا کردیا، میں اپنے اس (قیدی) ساتھی کے پاس پلٹا وہ بہت بھاری جسم کا تھا حتیٰ کہ اذکر گھاس کے پاس پہنچا اور میں نے اس کی بیڑیاں کھولیں، پھر میں اس کو اٹھا کرلے گیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا، حتیٰ کہ میں اسے لے کر مدینہ پہنچ گیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کرلوں؟ میں نے یہ سوال دو مرتبہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھ کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرک عورت سے نکاح کرے گا، اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر اس (نکاح) کو

حرام کر دیا گیا ہے۔(النور:۳)(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۷۷،سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۵۱،سنن النسائی رقم الحدیث:۳۲۲۸،المستدرک ج۲ص ۱۶۶،سنن کبریٰ للبیہقی ج۷ص۱۵۳)

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کی توجیہات

سورۃ النور:۳،اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرسکتا اور کوئی مسلمان عورت زانی مرد سے نکاح نہیں کرسکتی،اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ ممانعت عام نہیں ہے بلکہ ام مھزول اور عناق کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ابھی احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ابو صالح نے کہا یہ ممانعت اہل الصفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا یہ ممانعت ہر زانی اور ہر زانیہ کے لئے عام نہیں ہے بلکہ اس زانی اور زانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو حد میں کوڑے لگ چکے ہوں اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زانی کو کوڑے مارے جا چکے ہوں،وہ صرف اپنی مثل کے ساتھ نکاح کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۵۲،المستدرک ج۲ص۲۶۶،مسند احمد ج۲ص۳۲۴،کنز العمال رقم الحدیث:۴۴۲۹۷)

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ سے ہی نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔
کرخی نے کہا ہے کہ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا،وہ اپنی مثل فاسقہ یا مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے،اسی طرح فاسقہ خبیثہ عورت کسی نیک باشرع اور متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس سے متنفر ہوتی ہے(جیسا کہ اس دور میں آزاد اور فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی داڑھی رکھنے والے شخص سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں) بلکہ وہ اپنے جیسے فاسق (آزاد فیشن زدہ) مرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں اور یہ حکم عام،اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیز گار لوگ کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں،اسی طرح اس آیت کا محمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے شخص سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا

(۵) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۷ھ لکھتے ہیں:(النور:۳۲)

تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں،ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی۔

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں۔

ابوجعفر النحاس نے کہا یہ اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لئے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمر، سالم، جابر بن زید، عطا، طاؤس، امام مالک بن انس اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی نے کہا سعید بن مسیب کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت ان شاء اللہ منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے پھر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیا اور ان کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا۔ حضرت عمر، ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا اول زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے باغ سے پھل چوری کرے پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پھل خرید لے، اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج۱۲ ص ۱۰۷۔۱۰۶، ملخصا مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

زانیہ سے نکاح کے متعلق فقہاء کے اقوال کا بیان

قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں۔ امام بغوی کا بیان ہے کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو ان میں کچھ لوگ بالکل نادار تھے کچھ مال و متاع نہ تھا اور قبیلہ والے موجود نہ تھے مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں رہتی تھیں جو خود فروش تھیں اور اس زمانہ میں مدینہ کے اندر سب سے زیادہ مالدار تھیں کچھ نادار مہاجروں نے ان سے نکاح کرنا چاہا تا کہ ان کے بے مایہ لوگوں کے خرچ کی کفالت وہ عورتیں کر لیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنا مومنوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ یہ تفصیل وتفسیر عطا بن ابی رباح' مجاہد' قتادہ' زہری اور شعبی نے بیان کی اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں سعید بن جبیر کی مرسل حدیثوں کے مجموعے سے نقل کیا ہے (یعنی یہ قول مرسل ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا اس آیت کا نزول مکہ اور مدینہ کی چند عورتوں کے حق میں ہوا۔ جن میں سے نو عورتوں کے جھنڈے پیشہ ور عورتوں کی طرح لگے ہوئے تھے جن سے ان کی شناخت ہو جاتی تھی ان میں سے ایک عورت تھی ام مہزول یہ سائب بن ابی السائب مخزومی کی باندی تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ زنا کار لوگوں سے نکاح کر لیتے تھے پھر ان کی کمائی کھاتے تھے کچھ مسلمانوں نے بھی ان عورتوں سے اسی طور پر نکاح کرنے کا ارادہ کیا (کہ نکاح کے بعد ان کی کمائی کھائیں گے) چنانچہ ایک مسلمان نے ام مہزول سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس آیت اور احادیث مندرجہ بالا کی روشنی میں امام احمد نے فرمایا جب تک زانی اور زانیہ توبہ نہ کرے ان کا نکاح جائز نہیں۔ توبہ کرنے کے بعد ان کو زانی نہیں کہا جائے گا (گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ الحدیث)۔

باقی تینوں اماموں کے نزدیک زانی کا نکاح بھی صحیح ہے اور زانیہ کا نکاح بھی۔ (لیکن یہ قول بظاہر مفہوم آیت کے خلاف ہے اس لئے) اس آیت کی تشریح میں تاویل کی گئی ہے بعض نے کہا کہ آیت میں نہی کا صیغہ ہے نفی کی خبر ہے جملہ خبریہ منفیہ ہے (ایک واقعہ اور ایک حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے) زانی فاسق ہوتا ہے اس لئے پاک دامن نیک عورتوں سے نکاح کرنے کی طرف اس کو رغبت نہیں ہوتی اور زانیہ بھی فاسقہ ہوتی ہے اس لئے نیک مردوں کو بھی اس سے نکاح کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا اخلاقی مشابہت اور عملی یکسانیت موجب الفت ہوتی ہے اور خلقی اختلاف باعث نفرت ہوتا ہے۔

تقابلی بیان کا تقاضا تھا کہ الزانية لاينكحها الا زان کی بجائے الزانية لا تنكح الا من زان کہا جاتا لیکن آیت کا منشا چونکہ مردوں کے احوال کا بیان ہے کہ مردوں کو ایسی عورتوں کی رغبت نہیں ہوتی اس لئے اسلوب بیان بدلا گیا۔

وحرم ذلك على المؤمنين۔ اور یہ فعل مؤمنوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ مؤخر الذکر تفسیر کے بموجب اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ مؤمن ایسا فعل نہیں کرتے ایسی حرکت سے بچتے رہتے ہیں اس عمل سے اہل ایمان کو پاک رکھا گیا ہے گویا تحریم سے مراد ہے پاک کر دینا۔ تنزیہ اور تطہیر کو بطور مبالغہ تحریم فرمایا۔ امام مالک کے نزدیک زنا کار سے نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے بعض علماء کے نزدیک آیت میں نکاح سے مراد ہے جماع۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زانی زنا نہیں کرتا مگر زانیہ سے یا مشرک سے اور زانیہ زنا نہیں کرتی مگر زانی مشرک سے۔ یہ تفسیری قول سعید بن جبیر اور ضحاک بن مزاحم کا ہے اور والبی نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی کی ہے۔

زید بن ہارون نے کہا مراد یہ ہے کہ زانی اگر زانیہ سے جماع کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مشرک (کافر) ہے اور حرام سمجھ کر کرتا ہے تو وہ زانی ہے۔ اس تفسیر پر بھی جملہ منفیہ خبریہ ہوگا (انشائیہ منہیہ نہ ہوگا)۔

علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آیت میں نفی بمعنی نہی ہے بلکہ لاینکح کی جگہ لا ینکح (بصیغۂ نہی) بعض قراتوں میں آیا بھی ہے زانیہ سے حرمت نکاح اپنی جگہ قائم ہے لیکن (ہر شخص کے لئے ممانعت نہیں ہے بلکہ) یہ حرمت ان خاص مہاجروں کے لئے تھی جنہوں نے زنا کار عورتوں سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

لیکن یہ تخصیص مہاجرین میرے نزدیک بعید از صحت ہے کیونکہ کلام کا آغاز ممانعت سے کیا گیا ہے اگر ممانعت صرف مہاجروں کے لئے ہوتی تو کلام اس طرح ہوتا کہ مؤمن نکاح نہ کرے مگر صالحہ مؤمنہ سے۔ پھر اقوال صحابہ کی روشنی میں بھی) یہ تخصیص غلط ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ زانیہ سے نکاح کرنے کو حرام قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے جب زانی زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو ہمیشہ کے لئے دونوں زانی رہتے ہیں۔

حسن نے کہا سزا یافتہ زانی نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانیہ سے اور سزا یافتہ زانیہ سے نکاح نہیں کرتا یا نکاح نہ کرے مگر سزا یافتہ زانی۔ ابوداؤد نے عمرو بن شعیب کی روایت سے بوساطت ابو سعید مقبری از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سزا یافتہ زانی نکاح نہیں کرتا۔ (یا نکاح نہ کرے) مگر اپنی ہی جیسی سے۔ ان دونوں قولوں کا

حاصل یہ ہے کہ حرمت عام ہے اور آیت منسوخ نہیں ہے۔

سعید بن مسیب اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اسی آیت کی وجہ سے زانیہ سے نکاح حرام تھا لیکن جب آیت وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ نازل ہوئی تو اس سے حرمت مذکورہ منسوخ ہوگئی (بے شوہری عورتوں سے نکاح کرانے کی اجازت عام ہوگئی)۔زانیہ بھی ایامیٰ میں داخل ہے اس سے بھی نکاح جائز ہوگیا۔

زانیہ سے نکاح کا جواز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جو بغوی نے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیوی کسی چھونے والے (یا طلبگار) کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔فرمایا تو اس کو طلاق دے دے اس شخص نے کہا وہ خوبصورت ہے مجھے اس سے محبت ہے (طلاق کیسے دے دوں) فرمایا تو اسی سے مزے اڑا۔دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسی حالت میں اسے روکے رکھ۔کذا راوی الطبرانی والبیہقی عن عبید اللہ بن عمر عن عبدالکریم بن مالک عن ابی الزبیر عن جابر۔

ابن ابی جابر نے کہا میں نے اس حدیث کو اپنے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا حدثنا محمد بن عبد کثیر عن معتمر عن عبدالکریم حدثنی ابوالزبیر عن مولی لبنی ہاشم۔ہم سے محمد بن کثیر نے بحوالہ معتمر از روایت عبدالکریم بیان کیا عبدالکریم نے کہا مجھ سے ابوالزبیر نے بنی ہاشم کے کسی آزاد کردہ غلام کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد حدیث مذکور راوی نے بیان کی۔

ثوری نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس حاضر ہونے والے آدمی کا نام ہشام بتایا ہے جو بنی ہشام کا آزاد کردہ تھا ابوداؤد اور نسائی نے عبداللہ بن عبید اللہ بن عمیر کے طریق سے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے اور نسائی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک راوی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت تک پہنچایا ہے اور دوسرے راوی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس روایت کو نہیں پہنچایا۔موصول ثابت نہیں اس کا مرسل ہونا صحیح ہے۔شافعی نے اس کی روایت مرسلاً کی ہے۔نسائی اور ابوداؤد نے عکرمہ کی روایت سے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچایا ہے۔حافظ ابن حجر نے کہا اس روایت کی سند بہت صحیح ہے۔نووی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے ابن جوزی نے باوجودیکہ اس کو صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے لیکن موضوعات میں اس کو داخل کیا ہے۔امام احمد کا قول منقول ہے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث نہیں اور ہر روایت بے اصل ہے۔

فائدہ حدیث مذکور میں آیا ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا وہ کسی چھونے والے (یا طلبگار) کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔اس کا مطلب کیا ہے۔بعض اہل علم نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بدکاری کرنا چاہتا ہے اور اس کو چھوتا ہے وہ کسی کے ہاتھ کو نہیں روکتی یہ مطلب نسائی ابوعبیدہ ابن الاعرابی خطابی فریابی اور نووی نے بیان کیا ہے بغوی اور رافعی نے یہی مطلب سمجھ کر اس سے اپنے مقصد پر استدلال کیا ہے (کہ زانیہ سے نکاح جائز ہے وہ عورت زانیہ تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں اس شخص کو اجازت دے دی کہ اگر تو اس کو طلاق نہیں دے سکتا تو اپنے نکاح میں روکے رکھ) بعض علماء نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی سائل کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی بڑی فضول خرچ ہے جو کوئی اس سے کچھ چیز مانگتا ہے وہ دے دیتی ہے۔امام

احمد اصمعی اور محمد بن نصر اسی مطلب کی طرف گئے ہیں۔ اس مطلب پر حدیث ناقابل استدلال ہے۔ زانیہ کے جواز نکاح کا ثبوت اس سے نہیں ہوتا۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دارقطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کر لینا چاہے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کر لینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔ (تفسیر مظہری، سورہ نور، لاہور)

وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو لہٰذا اس باب میں یہی بتایا جائے گا کہ کون کون عورتیں محرمات میں سے ہیں کہ جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ ان عورتوں کی تفصیل فقہ حنفی کی مشہور و معتمد کتاب فتاویٰ عالمگیری میں بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی اس تفصیل کو یہاں ذکر کر دیا جائے۔ محرمات کی تفصیل جو عورتیں محرمات میں سے ہیں ان کی نو قسمیں ہیں یا یوں کہیے کہ نکاح کے حرام ہونے کے نو سبب ہیں جن کی نمبروار تفصیل یوں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

سبب نسب سے متعلق حرمت کا بیان

پہلا سبب: نسبی رشتہ: جو عورتیں نسبی رشتہ کے سبب حرام ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ ماں بیٹی بہن پھوپھی خالہ بھتیجی اور بھانجی۔ لہٰذا ان رشتوں سے نکاح کرنا جماع کرنا اور ایسے کام کرنا جو جماع کے محرک اور سبب بن جاتے ہیں جیسے بوسہ لینا وغیرہ یہ سب کام ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔ ماں سے اپنی ماں بھی مراد ہے اور دادی اور نانی خواہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پردادی اور پرنانی وغیرہ) بھی مراد ہیں۔ بیٹی کے حکم میں اپنی حقیقی بیٹی اپنے بیٹے کی بیٹی پوتی اپنی بیٹی کی بیٹی یعنی نواسی اور اس طرح نیچے تک سب شامل ہیں۔

اسی طرح بہن خواہ حقیقی ہو خواہ سوتیلی صرف باپ شریک ہو اور خواہ اخیافی صرف ماں شریک ہو سب حرام ہیں۔ بھتیجی اور بھانجی سے بھی تین طرح کی بھتیجیاں اور بھانجیاں یعنی حقیقی بھائی بہن کی اولاد، سوتیلے بھائی بہن کی اولاد اور اخیافی بھائی بہن کی اولاد مراد ہیں (اگرچہ نیچے درجہ کی ہوں کہ یہ سب محرمات میں سے ہیں۔ پھوپھی بھی تینوں طرح کی مراد ہیں یعنی حقیقی پھوپھی سوتیلی باپ شریک) پھوپھی اور اخیافی صرف ماں شریک پھوپھی اسی طرح پھوپھی کے حکم میں باپ کی پھوپھی اور دادا کی پھوپھی اور دادی کی پھوپھی بھی شامل ہیں کہ یہ سب پھوپھیاں بھی محرمات میں سے ہیں، ہاں پھوپھی کی پھوپھی حرام ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ اگر مثلاً زید کی پھوپھی اس کے باپ کی حقیقی بہن ہو یا سوتیلی یعنی صرف باپ شریک بہن ہو تو اس پھوپھی کی پھوپھی زید کے لئے حرام ہوگی اور اگر زید کی پھوپھی اس کے باپ کی اخیافی (یعنی صرف ماں شریک) بہن ہو تو ایسی پھوپھی زید کے لئے حرام نہیں ہوگی۔

خالہ بھی کئی طرح کی مراد ہیں تفصیل یہ ہے کہ: اگر مثلاً سوتیلی خالہ اخیافی خالہ اپنے باپ کی خالہ اور اپنی ماں کی خالہ یہ سب خالائیں حرام ہیں لیکن خالہ کی خالہ کے بارے میں تفصیل ہے اگر مثلاً زید کی خالہ اس کی ماں کی حقیقی بہن ہو یا اخیافی یعنی صرف ماں شریک بہن ہو تو اس خالہ کی خالہ زید کے لئے حرام ہوگی یعنی اس سے زید کا نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر زید کی خالہ اس کی ماں کی سوتیلی یعنی صرف باپ شریک بہن ہو تو ایسی خالہ حرام نہیں ہوگی اس سے زید کا نکاح جائز ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

سبب صہریت سے متعلق حرمت کا بیان

دوسرا سبب سسرالی رشتہ: وہ عورتیں جو بسبب صہریت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں ان کی چار قسمیں ہیں ایک ساس یعنی بیوی کی ماں دو یا ساس یعنی بیوی کی دادی، ننیا ساس یعنی بیوی کی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کی مثلاً بیوی کے باپ اور ماں کی دادی وغیرہ بیوی کی بیٹی اور بیوی کے بیٹوں کی اولاد اور اس سے نیچے کے درجہ کی مثلاً بیوی کی نواسی کی اولاد وغیرہ یہ سب حرام ہیں بشرطیکہ بیوی سے جماع کر لیا ہو خواہ وہ بیوی کی بیٹی اس مرد کی پرورش میں ہو یا نہ ہو اور حنفی علماء نے بیوی کی بیٹیوں کی حرمت کے سلسلہ میں خلوت صحیحہ کو جماع کا قائم مقام قرار نہیں دیا یعنی بیوی کی بیٹیوں کی حرمت ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مرد نکاح کے بعد بیوی سے جماع بھی کرلے اگر صرف خلوت صحیحہ ہوئی ہو یعنی جماع کرنے کا پورا موقع مل گیا ہو) مگر دونوں نے جماع نہ کیا ہو تو اس صورت میں اس بیوی کی بیٹی (جو دوسرے شوہر کے نطفہ سے ہو) کی حرمت ثابت نہیں ہوگی بہو یعنی بیٹے کی بیوی پوت بہو یعنی پوتے کی بیوی اور نواسی بہو یعنی نواسے کی بیوی اور اسے نیچے کے درجہ کی (یعنی پڑپوتے کی بیوی وغیرہ) اور ان عورتوں کے ساتھ ان کے شوہروں یعنی بیٹے اور پوتے وغیرہ نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں حرام ہیں۔

ہاں لے پالک یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہوتی یعنی مثلاً زید بکر کا منہ بولا بیٹا ہے تو زید کی بیوی بکر کے حق میں محرمات میں سے نہیں ہوگی اگر زید اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا وہ مرجائے تو بکر اس کی مطلقہ یا وہ بیوہ سے اپنا نکاح کر سکتا ہے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں اور دادا اور نانا کی بیویاں یعنی سوتیلی دادی اور سوتیلی نانی اور اس سے اوپر کے درجہ کے یہ سب بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہیں نہ ان سے نکاح ہوسکتا ہے اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے جماع ہوسکتا ہے۔

سسرالی رشتہ سے حرمت اس صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ نکاح صحیح ہو فاسد نکاح سے حرمت ثابت نہیں ہوگی چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو زنا کرنیوالے کے لئے اس عورت کی ماں، دادی، نانی اور اس عورت کی بیٹی پوتی نواسی سب حرام ہو جائیں گی اسی طرح اس عورت کے لئے زنا کرنیوالے کے باپ دادا نانا اور اس عورت کے لڑکے پوتے نواسے سب حرام ہو جائیں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اگر کسی شخص نے ایک عورت سے جماع کیا جس کی وجہ سے اس عورت کے پیشاب اور پاخانہ کا مقام ایک ہوگیا تو اس عورت کی ماں جماع کرنیوالے کے لئے حرام نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے عورت کے پیشاب کے مقام ہی میں جماع کیا ہے ہاں اگر جماع کے بعد وہ عورت حاملہ ہو جائے اور یہ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ حمل اسی شخص کے نطفہ سے قرار پایا ہے تو اس صورت میں اس کی ماں اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔ اور جس طرح یہ حرمت جماع کرنے سے ثابت ہوتی

ہے اسی طرح شہوت کے ساتھ) عورت کو چھونے بوسہ لینے اور شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہ مذکورہ چیزیں یعنی چھونا وغیرہ خواہ نکاح کی صورت میں پیش آئیں یا خواہ ملکیت کی صورت میں اور خواہ فجور کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک یہ تینوں یکساں ہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

نیز حنفی علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بارے میں شبہ اور غیر شبہ برابر ہیں اور اس سلسلہ میں شہوت کے ساتھ مباشرت (مرد وعورت کا شہوت کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹنا) بھی بوسہ کے حکم میں ہے اسی طرح معانقہ کا بھی یہی حکم ہے ایسے ہی اگر شہوت کے ساتھ دانتوں سے اس کو کاٹا تو بھی یہی حکم ہے یعنی ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر کسی نے شہوت کے ساتھ مرد کے عضو مخصوص کی طرف دیکھا یا شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور باقی دوسرے تمام اعضاء کی طرف دیکھنے سے اور ان کو ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہاں اگر یہ دیکھنا یا ہاتھ لگانا شہوت کے ساتھ ہو تو پھر بغیر کسی اختلاف کے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

حرمت کے سلسلہ میں عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو دیکھنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اندر کے حصہ کو دیکھنے سے حرمت ثابت ہوا کرتی ہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مرد کسی کھڑی ہوئی عورت کی شرم گاہ کو دیکھ لے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ عورت جب کھڑی ہوئی ہو تو اس کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ پر نظر نہیں پڑتی بلکہ شرمگاہ کے اندرونی حصہ پر اس وقت نظر پڑے گی جب وہ پشت سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھی ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اگر کسی مرد نے عورت کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ کو اس طرح دیکھا کہ درمیان میں باریک پردہ یا شیشہ حائل تھا لیکن اندرونی حصہ نظر آ رہا تھا تو بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص آئینہ دیکھ رہا تھا اور اس میں کسی عورت کی شرمگاہ نظر آ گئی اور پھر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ دیکھا تو اس مرد پر نہ اس عورت کی ماں حرام ہوگی اور نہ بیٹی حرام ہوگی کیونکہ اس نے شرمگاہ کو نہیں دیکھا بلکہ اس کا برعکس دیکھا۔ اگر کوئی عورت پانی کے حوض کے کنارے پر یا پل پر بیٹھی ہو اور کسی مرد نے اس کا عکس پانی میں دیکھا اور پھر اس کے بعد وہ شہوت کے ساتھ پانی ہی میں اس کی شرمگاہ کا عکس دیکھتا رہا تو اس صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی ہاں اگر عورت پانی میں ہو اور مرد کی نگاہ اس کی شرمگاہ پر پڑ جائے اور پھر اسے شہوت کے ساتھ دیکھے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت ثابت ہونے کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ قصداً چھوئے تب ہی حرمت ثابت ہوگی بلکہ چاہے قصداً چھوئے یا چاہے بھول کر چھوئے چاہے کسی کے زبردستی کرنے سے یا خود غلطی سے چھوئے اور چاہے نیند کی حالت میں چھوئے ہر صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔

چنانچہ اگر کسی مرد نے جماع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو نیند سے اٹھانا چاہا مگر غلطی سے اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہی میری بیوی ہے شہوت کے ساتھ اس کی چٹکی بھر لی اور وہ لڑکی بھی جوان تھی قابل شہوت تھی تو اس صورت میں اس مرد کے لئے اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اگر کسی مرد نے شہوت کے ساتھ عورت کے ان بالوں کو ہاتھ لگایا جو سر سے ملے ہوئے ہیں تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر

لٹکے ہوئے بالوں کو ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی مگر ناطفی نے اس تفصیل کے بغیر مطلقاً بالوں کے چھونے کو حرمت کا باعث لکھا ہے اسی طرح اگر مرد نے عورت کے ناخن کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ یہ جو بتایا گیا ہے کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا اور ہاتھ لگانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے تو اس بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ عورت کو چھونے اور ہاتھ لگانے سے اسی صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے جب کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل نہ ہو اور اگر کپڑا حائل ہو تو وہ اس قدر باریک ہو کہ چھونے والے کا ہاتھ بدن کی حرارت محسوس نہیں ہوتی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی خواہ اس کی وجہ سے مرد کے عضو مخصوص میں ایستادگی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے موزہ کے نیچے کا حصہ چھوا تو حرمت ثابت ہو جائے گی ہاں اگر موزے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو جس کی وجہ سے عورت کے پاؤں کی ایڑھی چھونے والے کو محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ اگر کسی مرد نے عورت کا بوسہ لیا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ بوسہ لینے والے کو عورت کے دانتوں کی یا ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس ہو۔ حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ چھونے کے بعد دیر تک چھوتا ہی رہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ ہاتھ بیوی کی بجائے اپنی لڑکی کی ناک پر پڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی شہوت زیادہ ہوگئی تو اس لڑکی کی ماں یعنی بیوی اس مرد کے لئے حرام ہو جائے گی اگرچہ اس نے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا ہو۔ حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا جائے یا بوسہ لیا جائے اور وہ قابل شہوت ہو اور فتویٰ اس پر ہے کہ کم سے کم نو سال کی لڑکی قابل شہوت ہوتی ہے اس سے کم نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

چنانچہ اگر کسی مرد نے کسی ایسی نابالغہ لڑکی سے جماع کیا جو قابل شہوت نہ ہو یں تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اس کے برخلاف اگر عورت اتنی بوڑھی ہو جائے کہ قابل شہوت نہ رہے تو وہ حرمت ثابت ہونے کا باعث بن جاتی ہے کیونکہ وہ حرمت کے حکم میں داخل ہو چکی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اس حکم سے باہر نہیں ہو سکتی جب کہ نابالغہ ابھی حرمت کے حکم میں داخل ہی نہیں ہوئی۔ جس طرح حرمت ثابت ہونے کے لئے عورت کا قابل شہوت ہونا شرط ہے اسی طرح مرد کا بھی قابل شہوت ہونا شرط ہے۔ لہٰذا اگر چار سال کے بچہ نے مثلاً اپنے باپ کی بیوی یعنی اپنی سوتیلی ماں سے جماع کر لیا تو اس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

لیکن اگر جماع کرنیوالا ایسا بچہ ہو جس کے ہم عمر بچے عام طور پر جماع کر سکتے ہوں تو اس کا وہی حکم ہوگا جو بالغ کا ہوتا ہے اور اس بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ایسے بچہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ جماع کرنے پر قادر ہو عورت کی طرف اس کا میلان ظاہر ہوتا ہو اور عورتیں اس سے شرم کرتی ہوں۔ مذکورہ بالا چیزوں یعنی چھونے اور دیکھنے کے بارے میں شہوت یعنی ہیجان کا ہونا شرط ہے یعنی عورت کو ہاتھ لگانے بوسہ لینے اور شرم گاہ کے اندرونی حصہ کی طرف دیکھتے وقت اگر شہوت ہو تب حرمت ثابت ہوگی لہٰذا اگر یہ دونوں چیزیں بغیر شہوت کے پائی جائیں اور پھر بعد میں شہوت پیدا ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اور شہوت کا معیار مرد کے لئے یہ ہے کہ اس کے عضو مخصوص میں ایستادگی ہو جائے اور اگر ایستادگی پہلے سے تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے۔ اس مسئلہ میں یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے لہٰذا اگر کسی مرد کے عضو مخصوص میں ایستادگی تھی ایسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اور پھر اسی

دوران کسی طرح اس کا عضو مخصوص اس کی لڑکی کی دونوں رانوں کے درمیان داخل ہو گیا تو اس صورت میں اگر اس کے عضو مخصوص کی ایستادگی میں زیادتی نہ پیدا ہوگئی ہو تو اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی اس کے لئے حرام نہیں ہوگی۔

اور شہوت کا معیار اس مرد کے لئے ہے جو جوان اور جماع کرنے پر قادر ہو اور اگر مرد بوڑھا ہو تو اس کے حق میں شہوت کا معیار یہ ہے کہ خواہش کے وقت اس کے قلب میں حرکت پیدا ہو جائے اگر پہلے سے حرکت نہیں تھی اور اگر قلب میں پہلے سے حرکت موجود تھی تو اس خواہش میں زیادتی ہو جائے اور عورت کے لئے اس اس مرد کے لئے جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو شہوت کا معیار یہ ہے کہ قلب میں خواہش پیدا ہو اور ہاتھ لگانے وغیرہ سے جنسی لذت حاصل ہو۔ اگر خواہش وغیرہ پہلے سے موجود نہ تھی اور اگر یہ پہلے سے موجود تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے اور یہ بات ملحوظ رہے کہ مرد و عورت میں سے کسی ایک میں شہوت کا ہونا حرمت ثابت ہونے کے لئے کافی ہو۔ ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے وغیرہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اس میں یہ شرط اور ضروری ہے کہ انزال نہ ہو اگر ہاتھ لگانے یا شرمگاہ کی طرف دیکھنے کے وقت انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب انزال ہونے سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ چھونا وغیرہ جماع لینے کا سبب نہیں بنا۔ اگر کسی مرد نے عورت کی مقعد کی طرف دیکھا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے پیچھے کی طرف بدفعلی کی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ ایسے ہی اگر مرد کے ساتھ جماع کے افعال کئے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ حرمت مصاہرت کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرادی جائے گی اسی طرح اگر مرد نکاح سے قبل زمانہ کی طرف حرمت کی نسبت کرے یعنی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ میں نے تم سے نکاح کرنے سے پہلے تمہاری ماں سے جماع کیا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور دونوں میں جدائی کرادی جائے گی لیکن اس عورت کا پورا مہر (جو نکاح کے وقت متعین ہوا تھا) واجب ہوگا عقد واجب نہیں ہوگا اور اس اقرار کے لئے مداومت شرط نہیں یعنی صرف ایک مرتبہ اقرار کر لینا کافی ہے بار بار اقرار کرنا ضروری نہیں ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے یعنی ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد پھر انکار کر دے تو قاضی اس نکاح کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا ہاں اگر اس نے واقعۃً غلط اقرار کیا تھا تو عنداللہ وہ عورت اس کی بیوی رہے گی اگرچہ ظاہراً قاضی جدائی کرادے گا۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت کے بارے میں یہ کہا کہ میری رضاعی ماں ہے (یعنی اس عورت نے مجھے دودھ پلایا ہے) اور پھر کچھ عرصہ بعد جب اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اور یہ کہے کہ میں نے پہلے غلط کہا تھا کہ یہ میری رضاعی ماں ہے تو اس صورت میں اس کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا استحساناً جائز ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اگر کسی شخص نے عورت کا بوسہ لیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا یا عورت کو چھوا اور یا اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو بوسہ لینے کی صورت میں تو فوراً حرمت کا حکم لگا دیا جائے گا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس نے واقعی شہوت کے ساتھ بوسہ نہیں لیا تھا اور دوسری دونوں صورتوں میں حرمت کا حکم فوراً لگا دیا جائے گا جب یہ یقین ہو جائے کہ یہ چیز شہوت کے ساتھ سرزد ہوئی ہے تو حرمت کا حکم لگایا جائے گا اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ بوسہ عام طور پر شہوت کے ساتھ لیا

جاتا ہے اور بوسہ کی بنیاد ہی شہوت پر ہوتی ہے بخلاف چھونے اور دیکھنے کے کہ یہ دونوں فعل بغیر شہوت کے بھی سرزد ہوتے ہیں مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ شرمگاہ کے علاوہ کسی اور عضو کو چھوا ہو اور اگر کسی شخص نے عورت کی شرمگاہ کو چھوا ہو اور پھر کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اگر کسی شخص نے عورت کی چھاتی پکڑ لی اور کہا کہ شہوت کے ساتھ نہیں پکڑی تھی تو اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر عورت کے ساتھ جانور پر سوار ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ ہاں اگر عورت کی پشت پر سوار ہو کر دریا کو پار کیا اور کہا کہ اس وقت شہوت نہیں تھی تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔ ایک شخص نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے اور ان لوگوں نے اس کے اس اقرار کی گواہی دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اسی طرح اگر گواہ یہ کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تھا یا بوسہ لیا تھا تو ان کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ شہوت ایک ایسی چیز ہے جو فی الجملہ معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ جن لوگوں کے عضو میں حرکت ہوتی ہے اس کو دیکھ کر اور جن کے عضو میں حرکت نہیں ہوتی ان کے بارے میں دوسری علامتوں سے شہوت کا معلوم ہو جانا ممکن ہوتا ہے۔ قاضی علی سعدی فرماتے ہیں کہ اگر نشہ میں مدہوش کسی شخص نے اپنی لڑکی کو پکڑ کر اپنے بدن سے لپٹایا اور اس کا بوسہ لیا اور پھر جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو لڑکی نے کہا کہ میں تمہاری لڑکی ہوں، یہ سن کر اس شخص نے لڑکی کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں بھی لڑکی کی ماں یعنی اس شخص کی بیوی اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے جماع کیا ہے تو اس صورت میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اگرچہ سوال کرنے والے نے مذاق میں سوال کیا ہو اور اس شخص نے بھی ازراہ مذاق ہی جواب دیا ہو پھر اس کے بعد وہ شخص لاکھ کہے کہ میں نے یہ بات غلط کہی تھی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے کسی ایسی لونڈی کے بارے میں جو اس کی ملکیت میں ہو یہ کہا کہ میں نے اس لونڈی سے جماع کیا ہے تو وہ لونڈی اس کے لڑکے کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اور اگر اس نے کسی ایسی لونڈی کے بارے میں جو اس کی ملکیت نہیں ہے بلکہ کسی اور کی ہے یہ کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اس صورت میں اس کے لڑکے کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اپنے باپ کی اس بات کا اعتبار نہ کرے اور اس لونڈی کو اپنی ملکیت میں لے کر اس سے جماع کرلے اور اگر کسی شخص کو اپنے باپ کی میراث میں کوئی لونڈی ملی تو وہ اس سے جماع کر سکتا ہے جب تک کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ باپ نے اس لونڈی کے ساتھ جماع کیا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ باکرہ ہے لیکن شادی کے بعد جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں ہے پھر اس نے عورت سے پوچھا کہ تمہارا پردہ بکارۃ کس طرح زائل ہوا ہے (یعنی تمہارے ساتھ کسی مرد نے جماع کیا ہے؟) عورت نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے اس صورت میں اگر وہ شخص خاوند اس کی بات کا اعتبار کرے تو نکاح ختم ہو جائے گا۔ اور عورت مہر کی حقدار نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اور اگر وہ شخص اس کی بات کا اعتبار نہ کرے اور کہے کہ تم جھوٹ بولتی ہو تو نکاح باقی رہے گا۔ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے لڑکے کے بارے میں کہا کہ اس نے مجھے شہوت کے ساتھ چھوا ہے لہٰذا میں اپنے شوہر کی بیوی نہیں رہی تو عورت کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ شوہر کے لڑکے کا قول معتبر ہوگا۔ کسی شخص نے اپنے باپ کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا یا کسی باپ نے اپنے لڑکے کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا اور شوہر نے کہا کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اسی کی بیوی رہے گی لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں میاں بیوی) میں جدائی ہوجائے گی اور شوہر پر مہر واجب ہوگا مگر شوہر وہ رقم جو اس نے مہر میں ادا کی ہے اس شخص سے وصول کرلے گا جس کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے بشرطیکہ اس نے فتنہ پھیلانے کے لئے یہ حرکت کی ہو اور اگر یہ حرکت فتنہ پھیلانے کے مقصد سے نہیں تھی تو پھر کچھ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اور اگر اس مسئلہ میں بوسہ لینے کی بجائے باپ نے لڑکے کی بیوی سے یا لڑکے نے باپ کی بیوی سے جماع کرلیا تو اس صورت میں شوہر مہر میں دی ہوئی رقم کسی طرح بھی وصول نہیں کرسکتا کیونکہ جماع کرنیوالے پر حد واجب ہوگی اور ضابطہ یہ ہے کہ شرعی حد کے ساتھ کوئی مالی جرمانہ واجب نہیں ہوتا۔ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اس کے قبل کہ اس کا خاوند جماع کرتا باندی نے شوہر کے لڑکے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا خاوند نے دعوی کیا کہ میری بیوی نے میرے لڑکے کا بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے مگر باندی کے آقا نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ اس صورت میں نکاح ختم ہوجائے گا کیونکہ شوہر نے اس بات کا اقرار کرلیا ہے کہ میری بیوی نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے لیکن شوہر پر پورا مہر واجب نہیں ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ اس باندی کے مالک نے اس کی بات کو جھٹلایا ہے اس بارے میں لونڈی کا قول معتبر نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تھا لہٰذا میرا پورا مہر دو۔ اگر کسی عورت نے لڑائی جھگڑے میں اپنے دادا کا عضو مخصوص پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے شہوت کے ساتھ نہیں پکڑا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

حرمت مصاہرت یا حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہوجاتا ہے (جس کی وجہ سے جماع کرنا حرام ہوجاتا ہے لہٰذا شوہر کو چاہئے کہ طلاق دیدے اگر وہ طلاق نہ دے تو پھر قاضی دونوں کے درمیان جدائی کرادے) چنانچہ جدائی سے پہلے اگر شوہر نے جماع کرلیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ اس نے جماع شبہ میں مبتلا ہوکر ہی کیا ہو یا بغیر شبہ کے کیا ہو۔ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے حرام کاری کی یا ایسا کوئی بھی فعل کیا جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے جیسے چھونا وغیرہ اور پھر توبہ کرلی تو یہ شخص اس عورت کی لڑکی کا محرم ہی رہے گا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اس لئے کہ اس کی لڑکی سے نکاح کرنا اس کے حق میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محرمت، زنا سے ثابت ہوجاتی ہے اور ایسے ہی ان تمام چیزوں سے بھی ثابت ہوجاتی ہے جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے چھونا وغیرہ۔ اگر مثلا زید نے خالدہ سے نکاح کیا اور زید کے لڑکے نے (جو خالدہ کے پیٹ سے نہیں ہے) خالدہ کی بیٹی سے جو خالدہ کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کرلیا یا خالدہ کی ماں سے نکاح کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے عضو مخصوص پر کپڑا لپیٹ کر اپنی بیوی سے جماع کیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑا باریک تھا اور مرد کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس ہونے سے نہیں روکتا تھا تو وہ عورت جماع کے بعد پہلے شوہر کے لئے جس نے اسے طلاق مغلظہ دی تھی) حلال ہو جائے گی اور اگر کپڑا ایسا تھا جس کی وجہ سے اس کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس نہیں ہو رہی تھی تو وہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ اَمَتَهُ ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا

باب: آدمی کا اپنی کنیز کو آزاد کر کے، اس کے ساتھ شادی کر لینا

2053 حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا عَبْثَرٌ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ اَبِي بُرْدَةَ، عَنْ اَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَعْتَقَ جَارِيَتَهُ وَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ اَجْرَانِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص اپنی کنیز کو آزاد کر کے، اس کے ساتھ شادی کر لے، اسے دگنا اجر ملے گا''

2054 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، اَخْبَرَنَا اَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، وَعَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

بَابُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

باب: رضاعت سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے، جو حرمت نسب سے ثابت ہوتی ہے

2055 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''رضاعت سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے، جو نسب سے ثابت ہوتی ہے''

شرح

(جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاع سے بھی حرام ہوتے ہیں) یہ رضاع کی وجہ سے تحریم کا تقاضا کرتا ہے اور مرد کی طرف رضاع کی نسبت کی وجہ اس طرح ظاہر نہیں ہوتی جس طرح پانی کی نسبت مرد کی طرف اور رضاع کی نسبت عورت کی طرف ظاہر ہوتی ہے ہاں اس میں اصل زہری، ہشام بن عروہ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلسلہ سے مروی حدیث ہے کہ افلح

ابی قعیس کا بھائی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رضاعی چچا تھا یہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: میں اسے اجازت نہیں دیتی، جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مسئلہ عرض کیا رسول اللہ! نے فرمایا: وہ تیرے پاس آنا چاہیے، کیونکہ وہ تمہارا چچا ہے تربت یمینک، ابوالقعیس اس عورت کا خاوند تھا جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دودھ پلایا تھا، یہ بھی خبر واحد ہے یہ بھی احتمال ہے کہ افلح نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دودھ پیا ہو اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہو: وہ تیرے پاس داخل ہو، کیونکہ وہ تمہارا چچا ہے۔ بہر حال اس میں حتمی قول کرنا مشکل ہے، اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہی لیکن عمل اس پر ہے اور تحریم میں احتیاط بہتر ہے، جبکہ یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ (آیت) ''واحل لکم ماوراء ذلکم''۔ (اس کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں) یہ مخالف کے قول کو تقویت دیتا ہے۔

دودھ رضاعت کے تعین میں فقہی مذاہب اربعہ

آئمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہوگئی۔

امام مالک یہی فرماتے ہیں، ابن عمر سعید بن مسیب عروہ بن زبیر اور زہری کا قول بھی یہی ہے، دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پیے تو حرمت ثابت ہوگئی، جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے،

امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوعبیدہ، ابوثور بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ام الفضل، حضرت ابن زبیر، سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولی تھے پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں، حضرت عائشہ اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں اسے یہی حکم دیتیں۔

امام شافعی اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 297)

عبداللہ بن مسلمہ، مالک، عبداللہ بن ابی بکر، بن محمد بن عمرو بن حزم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلے قرآن پاک میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور پانچ مرتبہ دودھ پینا حرمت کے لیے ضروری ٹھہرا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ آیت قرآن میں پڑھی جاتی تھی

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور آئمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضاعی باپ تک نہیں پہنچے گا۔

2056 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَلْ لَكَ فِي أُخْتِي؟ قَالَ: فَأَفْعَلُ مَاذَا؟، قَالَتْ: فَتَنْكِحُهَا. قَالَ: أُخْتَكِ؟، قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: أَوَتُحِبِّينَ ذٰلِكِ؟، قَالَتْ: لَسْتُ بِمُخْلِيَةٍ بِكَ وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي. قَالَ: فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي. قَالَتْ: فَوَاللّٰهِ لَقَدْ أُخْبِرْتُ أَنَّكَ تَخْطُبُ دُرَّةَ أَوْ ذَرَّةَ شَكَّ زُهَيْرٌ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ. قَالَ: بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ؟، قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حِجْرِي، مَا حَلَّتْ لِي إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ. أَرْضَعَتْنِي وَأَبَاهَا ثُوَيْبَةُ. فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ

سیدہ زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں: سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ کو میری بہن میں دلچسپی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: میں کیا کروں، انہوں نے عرض کی: آپ اس سے شادی کرلیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تمہاری بہن کے ساتھ؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تمہیں یہ پسند ہے؟ انہوں نے عرض کی: میں آپ کی اکلوتی بیوی نہیں ہوں، اس لیے میں یہ چاہتی ہوں، اس بھلائی میں میری بہن بھی میرے ساتھ شریک ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کی قسم! مجھے تو یہ پتہ چلا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسلمہ کی صاحبزادی درہ (راوی کو شک ہے یا) ذرہ کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی کے ساتھ؟ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: جی ہاں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر وہ میری سوتیلی بیٹی نہ بھی ہوتی تو بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے کیونکہ مجھے اور اس کے والد کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے، تاہم تم اپنی بیٹیوں یا بہنوں کے رشتے میرے سامنے پیش نہ کیا کرو۔

رضاعت کے معنی ومفہوم کا بیان

لفظ رضاعت اور اس کے دیگر مشتقات قرآن حکیم میں دس مقامات پر آئے ہیں۔ المعجم الوسیط میں رضاعت کا معنی کچھ یوں بیان ہوا ہے۔ أرضعت الأم: كأن لها ولد ترضعه.

ماں کا بچہ کو دودھ پلانا رضاعت کہلاتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں بچہ کا پیدائش کے بعد پہلے دو سال میں ماں کے سینہ سے دودھ چوسنا رضاعت کہلاتا ہے۔ پیدائش کے بعد بچہ کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور افزائش کے لیے ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی غذا استعمال کرے اس لیے وضع حمل کے بعد عورت کے پستانوں میں قدرتی طور پر دودھ جاری ہو جاتا ہے اور بچہ کے لیے اس کے دل میں پیدا ہونے والی محبت وشفقت اُسے بچہ کو دودھ پلانے پر اُکساتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت پر واجب کیا ہے کہ وہ بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ مدت ہر طرح سے بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

جدید میڈیکل ریسرچ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بچہ کے جسمانی ونفسیاتی تقاضوں کے پیش نظر دو سال کی مدت رضاعت ضروری ہے۔ یہ اسلام کی آفاقی اور ابدی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اہل اسلام کو زندگی کے وہ رہنما اصول ابتداء ہی میں عطا کر دیے گئے جن کی تائید وتصدیق صدیوں بعد کی سائنسی تحقیقات کر رہی ہیں۔

حرمت رضاعت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "وامھتکم التی ارضعنکم"۔ یہ تحریم میں ان کی طرح ہیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رضاعت کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، عبداللہ نے وامھاتکم الائی بغیر تا کے پڑھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (آیت) "والی یئسن من المحیض"۔ (الطلاق: ۴) شاعر نے کہا:

من اللاء لم یحججن یبغین حسبة ولکن لیقتلن البری المغفلا:

(آیت) "ارضعنکم"۔ جب عورت بچے کو دودھ پلا دے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس کی ماں بن جاتی ہے اور اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی ہو جاتی ہے اور اس کی بہن حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی خالہ بن جاتی ہے اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس کی نانی بن جاتی ہے اور اس کے خاوند کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی بہن بن جاتی ہے اور اس خاوند کی بہن حرام ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی پھوپھی بن جاتی ہے اور اس خاوند کی ماں حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس کی دادی بن جاتی ہے اور اس عورت کے بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں حرام ہو جاتی ہیں، کیونکہ وہ اس کے بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیاں بن جاتی ہیں۔

ابونعیم عبیداللہ بن ہشام الحلبی نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: کیا عورت حج کرے اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ؟ امام مالک نے فرمایا: ہاں ابونعیم نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: ایک عورت نے شادی کی اس کے خاوند نے اس کے ساتھ صحبت کی پھر ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میں نے ان دونوں (میاں، بیوی) کو دودھ پلایا تھا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انہیں جدا کر دیا جائے گا اور جو کچھ عورت نے مرد سے مہر لیا تھا وہ اس کا ہوگا اور جو باقی ہے وہ اس خاوند پر باقی نہ رہے گا۔ پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کہا تھا، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا: یارسول اللہ! یہ بوڑھی عورت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ نہیں جائے گا کہ فلاں نے اپنی بہن سے نکاح کیا ہے؟

رضاعت سے حرمت تب ثابت ہوتی ہے جبکہ دو سال کے دوران دودھ پلایا جائے، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے، ہمارے نزدیک قلیل دودھ پلانے یا زیادہ دودھ پلانے کے درمیان کوئی فرق نہیں جب معدہ تک دودھ پہنچ جائے گا اگر ایک گھونٹ بھی ہوگا تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دودھ پلانے میں دو شرائط کا اعتبار کیا ہے ایک شرط پانچ چسکیاں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے" جواللہ تعالیٰ نے نازل فرمایااس میں تھا کہ دس معلوم چسکیاں حرام کر دیتی ہیں پھر پانچ چسکیوں کے ساتھ دس والاحکم منسوخ ہوگیااور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاوصال ہواجب کہ یہ قرآن سے پڑھی جاتی تھیں"۔اس سے استدلال یہ ہے کہ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ دس چسکیاں، پانچ کے ساتھ منسوخ ہوگئیں اگرتحریم پانچ سے کم چسکیوں کے ساتھ معلق کریں تو یہ پانچ کے لیے نسخ ہوں گی اور اس میں خبر واحد اور قیاس قبول نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نسخ واقع نہیں ہوتا اور سہلہ کی حدیث میں ہے" تو اسے (سالم) پانچ چسکیاں دودھ پلادے وہ ان کی وجہ سے حرام ہو جائے گا"۔دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پلانا دوسال میں ہو، اگر دو سال سے زائد عمر میں دودھ پلایا جائے گا تو حرمت ثابت نہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے (آیت) "حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة"۔(بقرہ:۲۳۳) تمام اور کمال کے بعد کوئی چیز نہیں ہوتی۔امام ابوحنیفہ نے اڑھائی سال کا اعتبار کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ماہ زائد کا اعتبار کیا ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب تک وہ دودھ پیتا ہے اور اس چھڑایا نہیں گیا تو وہ رضاع ہے اگر چہ اس پر تین سال بھی گزر چکے ہوں، اوزاعی نے کہا: جب ایک سال بعد دودھ چھڑادیا گیا ہو پھر متواتر دودھ چھوڑا ہی رہے تو اس کے بعد رضاع ثابت نہ ہوگا، لیث بن سعد علماء کے درمیان منفرد ہیں۔ وہ کہتے ہیں: کہتے ہیں: بڑے کو دودھ پلانا بھی حرمت کا موجب ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے اس سے رجوع بھی مروی ہے، یہ ابوحصین نے ابوعطیہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ایک شخص مدینہ طیبہ سے اپنی بیوی کے ساتھ آیا اس نے بچہ جنم دیا اور اس کے پستان پھول گئے تھے پس اس کے خاوند نے اسے چوسنا شروع کر دیا اور کلی کرنا شروع کر دیا تو دودھ کا گھونٹ اس کے پیٹ میں چلا گیا اس نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی اور تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا اور اسے یہ مسئلہ بتا، اس شخص نے ایسا کیا حضرت ابن مسعود اس اعرابی کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا؛ کیا تم اس سفید، سیاہ بالوں والے کو رضیع خیال کرتے ہو! حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب دودھ گوشت اور ہڈیوں کو بڑھاتا ہے، اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو جب کہ تمہارے درمیان یہ بہت بڑا عالم موجود ہے۔ پس "پس تم نہ پوچھا کرو" کے الفاظ دلیل ہیں کہ آپ نے اس سے رجوع کرلیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سالم مولی ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے حجت پکڑی ہے کہ وہ اس وقت مرد تھا جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ بنت سہیل کو کہا تھا کہ تو اسے دودھ پلادے، اس حدیث کو مؤطا وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے، ایک طائفہ نے شاذ قول کیا ہے اور دس چسکیاں پینے کا اعتبار کیا ہے انہوں نے "عشر رضعات" جو قرآن میں تھا اس کا اعتبار کیا ہے گویا انہیں ناسخ نہیں پہنچا تھا۔ داؤد نے کہا: حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی مگر تین چسکیاں پینے کے ساتھ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے حجت پکڑی ہے "ایک چسکی اور دو چسکیاں حرمت رضاعت کو ثابت نہیں کرتی ہیں" اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

یہی امام احمد، اسحاق، ابوثور اور ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، یہ دلیل الخطاب سے تمسک (دلیل پکڑنا) ہے، اس میں

اختلاف ہے، ان علماء کے علاوہ ائمہ فتویٰ کا یہ نظریہ ہے کہ ایک گھونٹ بھی حرام کر دیتا ہے جب یقین ہو جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا
ہے انہوں نے کم از کم مقدار جس پر رضاع کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے اس سے حجت پکڑی ہے۔ اس کی تائید اہل مدینہ کے عمل سے
اور مصاہرت پر قیاس کے ساتھ کی گئی ہے، اس علت کے ساتھ کہ یہ لاحق ہونے والا معنی ابدی تحریم کا تقاضا کرتا ہے، پس اس میں
عدد شرط نہیں ہے جس طرح مصاہرت میں عدد شرط نہیں ہے۔ لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ دودھ تھوڑا
پیا اور زیادہ پیا، پنگھوڑے میں حرام کر دیتا ہے جو روزہ دار کے روزہ کو افطار کر دیتا ہے، ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لیث اس کے
خلاف پر آگاہ نہیں تھے، میں کہتا ہوں: اس باب میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: **لا تحرم المصة ولا المصتان** (ایک
اور دو چسکیاں حرام نہیں کرتی ہیں) نص ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، یہ (آیت) "**امھتکم التی
ارضعنکم**" کی تفسیر کرتا ہے۔ یعنی وہ تمہیں تین چسکیاں پلائیں یا زیادہ مگر یہ ممکن ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے جب دودھ کا
بچے کے پیٹ میں پہنچنا متحقق نہ ہو، کیونکہ دس معلوم چسکیوں اور پانچ معلوم چسکیوں کا ارشاد موجود ہے پس معلوم کے ساتھ وصف ذکر
فرمایا تو حرام نہیں کرتیں۔ واللہ اعلم۔

امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ **املاجة ولا ملاجتین**" والی حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ
کبھی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں، کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں، کبھی اپنے
باپ سے روایت فرماتے ہیں اس قسم کا اضطراب حدیث کو حجت ہونے سے ساقط کر دیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
مروی ہے کہ صرف سات چسکیاں پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے
اپنی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا کہ وہ سالم کو دس چسکیاں پلا دے، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی
مثل مروی ہے ان سے تین چسکیاں پلانا بھی اور پانچ چسکیاں پلانا بھی مروی ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اسحاق
رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حکایت کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نساء ۲۳، بیروت)

رضاعت سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

وامھتکم التی ارضعنکم واخوتکم من الرضاعة اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور
دودھ شریک بہنیں باجماع علماء رضاعی پھوپھیاں خالائیں بھتیجیاں بھانجیاں بھی حرام ہیں اور نسب کی وجہ سے جس سے نکاح حرام
ہے رضاعت کی وجہ سے بھی اس سے نکاح درست نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے: رضاعت سے (بھی) وہی حرام جو نسب
سے حرام ہے۔ دوسری روایت میں نسب کی جگہ ولادت کا لفظ آیا ہے۔ (رواہ الشیخان البخاری والمسلم) یہ حدیث حضرت عائشہ کی روایت
سے مذکور ہے حضرت علی کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو اپنے چچا حمزہ کی لڑکی (سے نکاح کرنے) کی
خواہش ہے وہ قریش میں حسین ترین عورت ہے فرمایا: کیا تم کو علم نہیں ہے کہ حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں اور اللہ نے جس نسبی رشتہ
میں نکاح حرام کیا ہے اسی رضاعی رشتہ میں بھی حرام کیا ہے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میرا رضاعی چچا آیا اور میرے پاس اندر آنے کی اس نے اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت

دینے سے انکار کردیا تاوقتیکہ رسول اللہ سے دریافت نہ کرلوں اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے مسئلہ دریافت کیا فرمایا: وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دیدے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے تو عورت نے دودھ پلایا تھا مرد نے نہیں پلایا فرمایا: بلاشبہ وہ تیرا چچا ہے تیرے پاس اندر آسکتا ہے۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخلہ کی اجازت مانگ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر داخلہ کی اجازت کا طلبگار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کے متعلق فرمایا: میرے خیال میں فلاں شخص ہوگا میں نے (یہ سن کر) اپنے رضاعی چچا کا نام لے کر کہا: یارسول اللہ! اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو کیا وہ (میرے پاس) اندر آسکتا تھا؟ فرمایا: ہاں جو حرمت ولادت (کے رشتہ) سے ہوتی وہی رضاعت (کے رشتہ) سے ہوتی ہے۔ (رواہ البغوی)

فائدہ* امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک کے نزدیک رضاعت تھوڑی ہو یا بہت (چاہے ایک چسکی ہو) وہی حرمت پیدا کردیتی ہے جو نسب سے ہوتی ہے کیونکہ یہ آیت مطلق ہے نیز حدیث: یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب بھی مطلق ہے (آیت اور حدیث دونوں میں کمی زیادتی کی کوئی قید نہیں ایک روایت میں امام احمد کا قول بھی یہی آیا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: رضاعت سے حرمت صرف اس وقت ہوگی جب بھوک کی حالت میں پانچ مختلف جدا جدا اوقات میں پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پیا ہو ایک روایت میں امام احمد کا قول بھی یہی آیا ہے ایک اور روایت میں امام احمد بجائے پانچ مرتبہ کے تین مرتبہ کے قائل ہیں۔ ابوثور، ابن المنذر، داؤد اور ابوعبید کا قول بھی یہی ہے۔ تین مرتبہ کی تعیین کی وجہ حضرت عائشہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ایک چسکی اور دو چسکیاں حرمت کی موجب نہیں۔ ام فضل کی مرفوع روایت میں چسکی اور دو چسکی کی جگہ ایک بار پینا اور دوبار پینا کا لفظ آیا ہے۔ بعض روایات میں املاجۃ واملاجتان کا لفظ آیا ہے مطلب ایک ہی ہے ۱ھ۔

احمد، نسائی، ابن حبان اور ترمذی نے یہ حدیث بحوالہ حضرت عبداللہ بن زبیر بوساطت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی ہے لیکن طبری نے اس کو مضطرب کہا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ نے حضرت زبیر کی وساطت سے رسول اللہ کا فرمان نقل کیا ہے اور بعض روایات میں عبد اللہ عن عائشہ عن رسول اللہ اور بعض بلاواسطہ عن عبد اللہ عن رسول اللہ آیا ہے ابن حبان نے تینوں اسناد کی وجہ جامع اس طرح بیان کی ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن زبیر نے اپنے باپ سے بھی سنا ہو اور حضرت عائشہ سے بھی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی۔

بخاری نے لکھا ہے کہ یہ حدیث عن ابن الزبیر عن عائشہ صحیح ہے بیچ میں حضرت زبیر کی وساطت صرف محمد بن دینار کے قول میں ہے اور اس میں ضعف ہے اور اختلاف بھی ہے بعض روایات میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں ہے اور سند میں ارسال ہے لیکن مرسل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نسائی نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔

علماء حنابلہ نے اسی حدیث کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کیا ہے کیونکہ حدیث میں صرف ایک یا دوبار دودھ پینے کو غیر محرم

فرمایا ہے لہٰذا تین بار پینے سے حرمت ہو جائے گی۔ جو لوگ کم سے کم پانچ مرتبہ دودھ پینے کو موجب حرمت قرار دیتے ہیں ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے ام المؤمنین نے فرمایا: کہ قرآن میں عشر رضعات معلومات نازل ہوا تھا پھر خمس معلومات سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ کی وفات ہوئی تو قرآن میں اسی کو پڑھا جاتا تھا۔ ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن میں عشر رضاعت نازل ہوا تھا پھر اس سے پانچ منسوخ کر دیئے گئے اور پانچ رضعات رہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس وقت تک امر یونہی تھا (یعنی اسی کو پڑھا جاتا تھا) ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی نص متواتر کے مقابلہ میں حدیث آحاد نا قابل وقعت ہے اور تعارض کے وقت احتیاطاً تحریم کو ترجیح دی جائے گی اس کے علاوہ حضرت عائشہ کی حدیث اگر چہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے مگر واقع میں متروک ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حضور کی وفات تک قرآن میں خمس معلومات کی قراءت کی جاتی تھی ۲ ؎۔ اس صورت میں روافض کی بات صحیح ماننی پڑے گی کہ رسول اللہ کے بعد قرآن کا بہت حصہ ضائع ہو گیا حالانکہ یہ کلمہ کفر ہے اس سے آیت : وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی توجیہ اس طرح کی جائے کہ رسول اللہ کی وفات ہونے سے مراد ہے ۳ ؎۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا زمانہ قریب آ جانا تو مطلب اس طرح ہو جائے گا کہ عشر معلومات کا نسخ تو خمس معلومات سے ہو گیا تھا پھر حضور کی وفات سے کچھ تھوڑا پہلے خمس معلومات بھی منسوخ ہو گیا یہی صحیح ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں ایک بار دودھ پینے سے حرمت نہیں ہوتی تو فرمایا پہلے ایسا تھا پھر یہ منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امر رضاعت آخر اس طرف لوٹ آیا کہ تھوڑی رضاعت ہو یا بہت سب موجب حرمت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قلیل رضاعت بھی موجب حرمت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابن زبیر تو فرماتے ہیں کہ ایک دو بار پینے سے حرمت نہیں ہوتی فرمایا: اللہ کا فیصلہ ابن زبیر کے فیصلے سے بہتر ہے اللہ نے فرمایا ہے: وامهاتكم اللاتي ارضعنكم (یعنی اس آیت میں ایک دو بار پینے کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا) اگر حضرت عائشہ کے قول: تَوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَهِيَ فِيْمَا يُقْرَاُ کا مطلب یہ بیان کیا جائے کہ وفات کے وقت پانچ رضعات کا حکم قراءت میں موجود تھا تو یہ مطلب غلط ہے کیونکہ قراءت کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے حکم سے نہیں ہوتا۔

مدت شیر خوارگی کے بعد دودھ پینا موجب حرمت نہیں کیونکہ اس سے نہ تولید ہوتی ہے نہ نمو۔ مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے والی کو ماں نہیں کہا جاتا داؤد (ظاہری) کے نزدیک ہر زمانہ میں شیر خوارگی سے حرمت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سالم (جو ابوحذیفہ کے حلیف ہیں) کے آنے سے میں ابوحذیفہ کے چہرہ پر کچھ ناگواری محسوس کرتی ہوں فرمایا: سالم کو تو پانچ بار دودھ پلا دے تو اس کی محرم ہو جائے گی۔ (رواہ الشافعی) مسلم وغیرہ نے اس حدیث میں تعداد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ باجماع علماء یہ حدیث منسوخ ہے رسول اللہ کا یہ فرمان روایۃً صحیح ہے کہ صرف وہ رضاعت موجب حرمت ہے جو پستان سے ہو اور انتڑیوں کو پھاڑنے والی ہے۔

حضرت ام سلمہ کی روایت سے یہ حدیث ترمذی نے بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے حضرت ابن مسعود کی روایت سے ابوداؤد نے رسول اللہ کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ صرف وہی رضاعت موجب حرمت ہے جس سے گوشت پیدا ہو اور ہڈیوں میں نمو

ہو۔ صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت آئی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک آدمی موجود تھا فرمایا: عائشہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا میرا رضاعی بھائی ہے۔ فرمایا: عائشہ اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا کرد رضاعت (وہی موجب حرمت ہے جو) بھوک سے ہو (یعنی دودھ پینے کے زمانہ میں ہو)۔

موجب حرمت رضاعت کی مدت دو سال ہے امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد، امام مالک، سعید بن مسیب، عروہ اور شعبی کا یہی قول ہے دار قطنی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کی طرف بھی اسی قول کی نسبت کی ہے۔ امام مالک کے تین قول اور بھی مروی ہیں ایک قول میں دو سال ایک ماہ دوسری روایت میں ایک سال دو ماہ آئے ہیں اور تیسری روایت میں کوئی محدود مدت نہیں ہے جب تک بچہ حاجتمند ہو وہی مدت رضاعت ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال چھ ماہ اور امام زفر کے نزدیک تین سال مدت رضاعت ہے۔

اوّل قول کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ

اس آیت میں پوری مدت رضاعت دو سال بیان کی ہے پوری کے بعد زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک اور آیت میں: وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ صاف فرمایا ہے ایک تیسری آیت ہے:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا

حمل اور فصال کی مدت تیس ماہ ہے اور چونکہ حمل کی مدت (کم سے کم) چھ ماہ ہے اس لیے دودھ پلانے کی مدت دو سال ہی باقی رہتی ہے۔ رسول اللہ کا بھی ارشاد ہے کہ رضاعت (معتبر) نہیں مگر وہی جو دو سال کے اندر ہو۔ دار قطنی نے یہ حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ صرف ہیثم بن جمیل نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے۔ مگر ہیثم ثقہ اور حافظ تھا۔ احمد اور عجلی نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے ابن عدی نے کہا یہ غلطی کر دیتا تھا سعید بن منصور نے ابن عیینہ کی روایت سے اس کو موقوفاً بیان کیا ہے (مرفوع نہیں کیا)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آیت حَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا میں حمل اور فصل دو چیزوں کی مدت ۳۰ ماہ بیان کی ہے لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک کی مدت پوری ۳۰ ماہ بیان کی ہے لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک کی مدت پوری ۳۰ ماہ ہونی چاہئے جیسے اگر کسی کا دو آدمیوں پر قرض ہو اور مدت ادا اس کی ۳۰ ماہ ہو تو ہر مقروض کے اداء قرض کی مدت ۳۰ ماہ کامل قرار دی جاتی ہے (ایسا نہیں ہو سکتا کہ ۱۵ ماہ ایک کے لیے اور ۱۵ ماہ دوسرے کے لیے ہو) لیکن مدت حمل کو (باوجودیکہ آیت سے ۳۰ ماہ مستنبط ہوتی ہے ہم نے) دو سال قرار دیا ہے کہ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں یہی آیا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ کے اندر دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکلے کے دمرکہ کے برابر ہو دوسری روایت میں ہے اگرچہ تکلے کے سایہ کے برابر ہو یہ قول اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہے لیکن مدت کی حد بندی صرف رائے سے نہیں ہو سکتی سماع کے بغیر تعیین مدت ممکن نہیں (معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ سے سن کر ہی یہ تحدید مدت کی ہے) رہی مدت فصال تو وہ ظاہر آیت کے مطابق (۳۰

ماہ) ہی رہے گی۔

یہ دلیل چند وجوہ سے غلط ہے: (۱) رسول اللہ نے فرمایا: کہ دو سال کے بعد رضاعت (کا حکم) نہیں آیت میں آیا ہے۔

يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ

یہ دونوں مدت رضاعت کی (۳۰ ماہ سے کم کر کے) دو سال میں تحدید کر رہی ہیں پھر یہ کہنا کہ حضرت عائشہ کے قول نے مدت حمل کی تنقیص کر دی قابل ترجیح نہیں۔ لفظ ثلاثون شہرا میں حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا حمل کے پیش نظر ۲۴ ماہ (مجازا) مراد ہوں گے اور مدت رضاعت کے لحاظ سے ۳۰ ماہ (حقیقۃً) لفظ ثلاثین سے ۲۴ مراد لینا پڑے گا حالانکہ اسماء عدد کو بول کر دوسرا عدد مجازاً مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اسم عدد کا درجہ وہی ہے جو اسم معین کا اپنے معین شخص کے لیے ہے بکثرت اہل تحقیق نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام اعظم کے قول کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دو سال تک اعضا کا نمو دودھ سے ہوتا رہتا ہے اس کے بعد غذا بدلنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے مزید اتنی مدت کی ضرورت ہے کہ بچہ تبدیل غذا کا عادی ہو جائے۔

امام مالک نے اس اضافی مدت کی کوئی حد بندی نہیں کی۔ امام زفر نے ایک سال کی تعیین کی ہے تاکہ چاروں فصلیں گزر جائیں اور امام صاحب نے ایک ششماہی مقرر کی کیونکہ یہی حمل کی کم سے کم مدت ہے ہم کہتے ہیں کہ دو سال کے اندر دودھ کے علاوہ کوئی اور غذا دینے کی شریعت میں ممانعت نہیں کی ہے پھر دو سال سے زیادہ مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے دو سال ختم ہونے سے پہلے بھی بچہ دودھ کے ساتھ دوسری غذا کا عادی بن سکتا ہے۔ ابن ہمام اور طحاوی نے صاحبین کے قول کو ہی اختیار کیا ہے۔

(تفسیر مظہری، سورہ نساء، لاہور)

دودھ پلانے کے شرعی احکام سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

اور باہمی رضامندی سے وہ بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اور بچوں کے باپ پر یہ لازم کیا کہ وہ اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق دودھ پلانے والیوں کو کھانے اور کپڑوں کا خرچ مہیا کریں اور یہ کہ بچوں کی وجہ سے ماں باپ میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی نہ کرے مثلاً ماں بچوں کو پالنے اور پرورش کرنے کی وجہ سے باپ کو ضرر پہنچائے اور کھانے اور کپڑوں کا دستور سے زیادہ خرچ طلب کرے یا ماں بچوں کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور باپ زبردستی بچوں کو ماں سے چھین لے یا اس کو دودھ پلانے پر مجبور کرے یا اس کے خرچ میں قدر معروف سے کمی کرے۔ اس تفسیر کی بناء پر اس آیت میں وہ مطلقہ عورتیں مراد ہیں جن کی ان کے خاوندوں سے اولاد ہو اور اجنبی دائیوں کی بہ نسبت دودھ پلانے کی وہ زیادہ حق دار ہیں اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں مطلقا دودھ پلانے والی مائیں مراد ہیں خواہ وہ مطلقا عورتیں ہوں یا منکوحہ عورتیں ہوں۔

امام مالک کے نزدیک ماں پر دودھ پلانا واجب ہے خواہ وہ منکوحہ ہو یا مطلقہ اور جمہور کے نزدی ماں پر اس وقت دودھ پلانا واجب ہے جب بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پیے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال پلانا ہے کیونکہ اس مدت میں بچہ کو اپنی نشوونما کے لیے دودھ کی حاجت ہوتی ہے نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کم از کم دودھ پلانے کی کوئی حد نہیں ہے اور ماں باپ باہمی مشورہ سے جتنے عرصہ تک چاہیں دودھ پلائیں اور اس کے بعد دودھ چھڑا دیں۔ اس آیت سے یہ بھی

معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور دایہ کی اجرت بھی باپ کے ذمہ ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک بچہ کی ماں کا بھی دودھ پلانے کی اجرت طلب کرنا جائز ہے خواہ وہ نکاح میں ہو یا عدت میں' اور بچہ کا خرچ بھی باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو باپ کے وارث کے ذمہ بھی یہی احکام ہیں' اس پر لازم ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کا خرچ دے اور دودھ پلانے کی اجرت دے اور دودھ پلانے والی کو ترک نہ کرے۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محارم کے نفقہ کے وجوب کی اصل ہے' ان کے نزدیک ہر ذورحم محرم پر خرچ واجب ہے مثلاً ماموں اور پھوپھی پر اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بچوں کا خرچ صرف والدین پر واجب ہے بچہ کا خرچ باپ پر واجب ہے باپ فوت ہو گیا ہو تو اس کے ترکہ سے خرچ کرنا واجب ہے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہے' قرآن مجید کی اس آیت سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی رائے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے باپ کے بعد وارث پر بچہ کے خرچ کو واجب کیا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: دو سال کی مدت کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ جس عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے وہ دو سال دودھ پلائے تاکہ تیس مہینے پورے ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"(آیت) "وحمله وفصاله ثلثون شهرا"۔ (الاحقاف: ۱۵) ترجمہ: اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء اور ثوری کا قول یہ ہے کہ ہر بچہ کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۳۰۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ حد دو سال ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی ازواج مطہرات' امام مالک' امام شافعی' امام ابویوسف' امام محمد' شعبی اوزاعی اور ابوثور کا یہی مسلک ہے۔

(المغنی ج ۸ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک دو سال ہے' امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور امام زفر کے نزدیک یہ مدت تین سال ہے' کیونکہ دو سال کے بعد بچے کو دفعتہً دودھ سے غذا کی طرف لانا مشکل ہے۔ اس لیے بعد کے ایک سال میں دودھ کے ساتھ اس کو غذا کا عادی بنایا جائے اور تین سال کے بعد مکمل دودھ چھڑا دیا جائے۔ امام ابویوسف اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف: ۱۵) اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لیے دو سال باقی بچے' امام دارقطنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طفولیت کی دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلانے کا عمل نہیں ہے۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۴) اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہی آیت ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ذکر کیں (حمل اور دودھ چھڑانا) اور دونوں کی ایک مدت ذکر فرمائی یعنی تیس مہینے لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی مدت مکمل تیس ماہ ہوگی لیکن ان میں ایک یعنی حمل کی مدت ایک حدیث سے دو سال متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں باقی رہتا۔ (سنن دار قطنی ص ۳۲۲ مطبوعہ ملتان سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۳ 'مطبوعہ ملتان)

ان میں سے ایک کی مدت اس حدیث کی بناء پر دو سال رہ گئی تو دوسرے یعنی دودھ چھڑانے کی مدت اپنی اصل پر تیس ماہ رہے گی' نیز دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد فوراً غذا کی طرف راجع کرنا مشکل ہوگا اس لیے اس کو بقیہ چھ مہینے میں بہ تدریج غذا کا عادی بنایا جائے گا اور اڑھائی سال کے بعد کلی طور پر دودھ چھڑا دیا جائے گا اور سورۃ بقرہ میں جو ارشاد ہے: اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور حدیث میں ہے: دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے' اس مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور حدیث میں ہے: دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے' اس آیت اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ دو سال سے زیادہ بچے کو دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۳۵۱۔ ۳۵۰ 'مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

ہر چند کہ امام اعظم اور صاحبین دونوں کے قول مفتی بہ ہیں لیکن علامہ حصکفی نے امام اعظم کے قول کو ترجیح دی ہے۔
(درمختار علی ھامش الردج ۱ ص ۴۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

بَابٌ فِي لَبَنِ الْفَحْلِ

باب: وہ مرد جو (عورت کا) دودھ اترنے کا سبب بنتا ہے

2057 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ أَفْلَحُ بْنُ أَبِي الْقُعَيْسِ فَاسْتَتَرْتُ مِنْهُ، قَالَ: تَسْتَتِرِينَ مِنِّي وَأَنَا عَمُّكِ، قَالَتْ: قُلْتُ: مِنْ أَيْنَ؟ قَالَ: أَرْضَعَتْكِ امْرَأَةُ أَخِي، قَالَتْ: إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: افلح بن ابو قعیس میرے ہاں آئے، تو میں نے پردہ کر لیا انہوں نے کہا: آپ مجھ سے پردہ کر رہی ہیں؟ جبکہ میں آپ کا چچا ہوں، میں نے دریافت کیا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: میرے بھائی کی بیوی نے آپ کو دودھ پلایا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے، مرد نے نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارا چچا ہے، وہ تمہارے ہاں آسکتا ہے۔

شرح

جن علماء نے نر کے دودھ کی نفی کی ہے انہوں نے اس جملہ سے استدلال کیا ہے، یہ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، ابوسلمہ بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے یہ علماء فرماتے ہیں: نر کا دودھ مرد کی طرف سے کسی چیز کو حرام نہیں کرتا۔ اور جمہور علماء فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "امھتکم التی ارضعنکم"۔ دلیل ہے کہ نر باپ ہے کیونکہ دودھ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے سبب دودھ دیتا ہے یہ ضعیف ہے، کیونکہ بچہ مرد اور عورت دونوں کے پانی سے پیدا ہوا ہوتا ہے اور دودھ عورت سے ہوتا ہے مرد سے دودھ نہیں نکلتا اور مرد کی طرف سے وطی ہوتی ہے جو مرد سے پانی کے نزول کا سبب ہے، جب بچہ ماں سے جدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دودھ پیدا فرماتا ہے کسی اعتبار سے مرد کی طرف مضاف نہیں ہوتا اسی وجہ سے مرد کو دودھ میں کوئی حق نہیں ہے، دودھ عورت کے لیے ہوتا ہے پانی پر قیاس سے اس کو لینا ممکن نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: یحرم من الرضاع مایحرم من النسب"۔ (سنن نسائی، کتاب النکاح باب مایحرم من الرضاع، حدیث نمبر ۳۲۴۶ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

لبن الفحل سے حرمت متعلق ہوتی ہے

"لبن الفحل" کے ساتھ حرمت متعلق ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے: کسی عورت نے کسی بچی کو دودھ پلایا ہو تو یہ بچی اس عورت کے شوہر کے لئے حرام ہوگی اور اس مرد کے آباؤ اجداد کے لئے اور بیٹوں کے لئے بھی حرام ہوگی اور وہ شوہر جس کی وجہ سے عورت کے دودھ اترا ہے اس دودھ پینے والی بچی کا رضاعی باپ بن جائے گا۔ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق لبن الفحل حرام نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے: حرمت بعضیت کے شبہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کے جسم کا حصہ ہے' مرد کا حصہ نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے جسے ہم روایت کر چکے ہیں۔ نسب میں حرمت دونوں طرف سے ہوتی ہے' تو اسی طرح رضاعت میں بھی ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ ارشاد فرمایا تھا: افلح تمہارے ہاں اندر آ سکتا ہے' کیونکہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: مرد عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہوتا ہے' تو حرمت کے معاملے میں احتیاط کے پیش نظر حرمت کو اس کی طرف بھی منسوب کیا جائے گا۔ (ہدایہ، کتاب نکاح، لاہور)

حرمت کے لبن الفحل سے متعلق ہونے میں فقہ شافعی و حنفی کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے لبن الفحل سے حرمت متعلق ہوتی ہے۔ مصنف نے اس کی وضاحت یہ کی ہے: جس عورت نے بچے کو دودھ پلایا اس دودھ کے اترنے کا سبب جو شخص ہے وہ لبن الفحل ہے۔

آگے مصنف نے یہ مثال بیان کی ہے: اگر کسی عورت نے بچی کو دودھ پلایا تو وہ بچی اس عورت کے شوہر کے لئے اور اس شوہر کے آباؤ اجداد کے لئے' اس شوہر کے بیٹوں کو حرام ہو جائے گی' اور وہ شوہر جو اس عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے' وہ اس دودھ پینے والی بچی کا باپ شمار ہوگا۔ امام شافعی سے یہ روایت منقول ہے: ان کے نزدیک حرمت کا تعلق لبن الفحل سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اس کی حرمت جزء ہونے کا شبہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے۔ مرد کا جز نہیں۔ احناف نے اپنے

موقف کی تائید میں وہ روایت نقل کی ہے جو پہلے گزر چکی ہے اور دوسری دلیل یہ نقل کی ہے: نسب میں بھی حرمت دونوں طرف یعنی میاں بیوی دونوں کی طرف سے ثابت ہوتی ہے تو رضاعت میں بھی میاں بیوی میں دونوں طرف سے ثابت ہونی چاہئے۔ احناف نے اپنے موقف کی تائید میں اس حدیث کو پیش کیا ہے جس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا: تمہارے ہاں گھر آ سکتا ہے کیونکہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہے یعنی اس سے پردے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح سگے چچا سے پردے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے یہ دلیل بیان کی ہے: مرد عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے اس لئے احتیاط کے پیش نظر حرمت کی نسبت اس کی طرف بھی کی جائے گی۔

بَابٌ فِي رِضَاعَةِ الْكَبِيرِ

باب: بڑی عمر کے شخص کی رضاعت (کا حکم)

2058 حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، الْمَعْنَى وَاحِدٌ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ، قَالَ حَفْصٌ: فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ، ثُمَّ اتَّفَقَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَقَالَ: انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔ تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے، تو ان کے پاس ایک شخص موجود تھا، (حفص نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:) آپ کو یہ گراں گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا، (اس کے بعد دونوں راوی یہ الفاظ نقل کرنے میں متفق ہیں) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ میرا رضاعی بھائی ہے، نبی اکرم نے ارشاد فرمایا:

"اپنے (رضاعی) بھائیوں کی تحقیق کر لیا کرو، کیونکہ رضاعت بھوک سے ثابت ہوتی ہے"

2059 حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ، أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَهُمْ عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنٍ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: لَا تَسْأَلُونَا وَهَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ.

❁❁ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رضاعت صرف وہ (معتبر) ہوتی ہے، جو ہڈیاں مضبوط کرے اور گوشت کی نشوونما کا باعث ہو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک یہ بڑے عالم (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) تمہارے درمیان موجود

2059- حديث صحيح بشواهده، وهذا اسناد ضعيف لجهالة ابى موسى الهلالى، وابيه. واخرجه الدارقطنى فى "السنن" 4/173، والبيهقى فى "السنن" 7/460 و461 من طريق سليمان بن المغيرة بهذا الاسناد. ورواية الدارقطنى مرفوع

ہیں، تم مجھ سے سوال نہ کرنا۔

2060 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْهِلَالِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ، وَقَالَ: أَنْشَزَ الْعَظْمَ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: ''جو ہڈیوں کی نشوونما کرے''

رضاعت کی شرعی مدت کا بیان

مناسب یہ ہے: دودھ پلانے کا عمل رضاعت کی مخصوص مدت کے درمیان ہونا چاہئے' اس کی وجہ ہم بیان کریں گے۔ پھر رضاعت کی مخصوص امام ابوحنیفہ کے نزدیک 30 ماہ ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں: یہ دو سال ہے۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ امام زفر یہ فرماتے ہیں: یہ تین سال ہے' اس کی وجہ یہ ہے: ایک سال ایک حالت سے دوسری حالت تک منتقل ہونے کے لئے مناسب وقت ہے' اور دو سال سے زیادہ مدت کا ہونا ضروری ہے' اس کی وجہ ہم بیان کریں گے' تو اس (ایک سال) کو مقررہ کیا جائے گا۔ صاحبین کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے''۔ حمل کی مدت کم از کم 6 ماہ ہے' تو دودھ چھڑانے کے لئے باقی دو سال رہ جائیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے: ''دو سال کے بعد رضاعت نہیں ہوتی''

امام ابوحنیفہ کی دلیل بھی یہی آیت ہے' اس کی صورت یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں کے لئے ایک مدت بیان کی ہے' تو یہ مدت مکمل طور پر دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ثابت ہوگی' جیسے دو طرح کے قرض کے لئے ایک مدت بیان کی جائے' تاہم یہاں پر ایک میں کمی کرنے والی دلیل پائی جا رہی ہے تو دوسرا اپنے ظاہر کے مطابق برقرار رہے گا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: غذا تبدیل ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہے تاکہ دودھ کے ذریعے نشوونما منقطع ہو جائے اور اس کے لئے اضافی مدت ضروری ہے۔ جس میں بچہ دوسری خوراک کی عادت بنالے تو اس کے لئے حمل کی کم از کم مدت کو طے کیا گیا ہے' کیونکہ یہ حالت کو تبدیل کر سکتی ہے' کیونکہ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کی غذا اس سے مختلف ہوتی ہے' جو دودھ پیتے بچے کی ہوتی ہے' جس طرح دودھ پیتے بچے کی غذا اس بچے سے مختلف ہوتی ہے جس کا دودھ چھڑوا دیا گیا ہو۔ جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ اس بات پر محمول ہوگی' اس سے مراد وہ مدت ہے جس کا استحقاق ہے۔ نص کو بھی اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا جو کتاب اللہ میں دو سال کی قید کے ساتھ مذکور ہے۔ (ہدایہ اولین، کتاب نکاح، لاہور)

مدت رضاعت میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔

اکثر ائمہ کرام کا بھی مذہب ہے۔ ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کردے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اکثر اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے، اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط بخاری ومسلم پر ہیں۔ حدیث میں فی الثدی کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں، یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔

دار قطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباس بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے آیت (وفصاله فی عامین) الخ، دودھ چھٹنے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے آیت (وحمله وفصاله ثلثون شهرا) یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تین ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان تمام حضرات کا ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت اُم سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق، امام ثوری، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک رحمهم الله کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔

امام ابوحنیفہ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سالوں تک کی مدت ہے، امام اوزاعی سے بھی یہ روایت ہے۔ اگر کسی بچہ کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑوا لیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا۔

امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالک کا فرمان ہے، واللہ اعلم، ہاں صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی، بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں مؤثر جانتی ہیں۔

عطاء اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ جس شخص کا کسی کے گھر زیادہ آنا جانا جانتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابوحذیفہ کے مولیٰ تھے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں، حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔

یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں، کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہ کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں، رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۳۳)

حلق میں دودھ ڈالنے ثبوت رضاعت میں فقہی مذاہب

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور ناک کے ذریعہ دودھ پلانا اور پستان کو منہ لگائے بغیر بچے کے حلق میں دودھ ڈال دینا بھی رضاعت کی طرح ہی ہے۔

السعوط: ناک کے ذریعہ خوراک دینا، اور الوجور: حلق میں دودھ ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور ان دونوں طریقوں سے حرمت ثابت ہونے کی روایت میں اختلاف ہے: دونوں روایتوں میں صحیح ترین یہی ہے کہ اس سے بھی اسی طرح حرمت ثابت ہو جاتی ہے جس طرح رضاعت سے ثابت ہوتی ہے۔

شعبی اور ثوری اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے، اور حلق میں ڈالنے کے متعلق امام مالک بھی یہی کہتے ہیں۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ: اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، ابو بکر نے یہی اختیار کیا ہے، اور داود کا یہی مسلک ہے، اور عطاء خراسانی ناک کے ذریعہ دودھ کی خوراک لینے کے متعلق کہتے ہیں یہ رضاعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے رضاعت سے حرمت ثابت کی ہے۔

اس کی حرمت کی دلیل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " : رضاعت وہی ہے جس سے ہڈی پیدا ہو اور گوشت بنے " اسے ابو داود نے روایت کیا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ یہ اس طریقہ سے بھی دودھ وہی پہنچتا ہے جہاں رضاعت کے لیے پہنچتا ہے، اور اس طرح خوراک لینے سے بھی گوشت بنتا اور ہڈی بنتی ہے جس طرح پستان سے رضاعت میں پیدا ہوتی ہے، اس لیے اسے حرمت میں بھی برابر ہونی چاہیے۔ (المغنی (139/8)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: " جب دودھ ایک ہی بار برتن میں نکال لیا جائے یا پھر کئی بار نکالا جائے اور پھر اسے پانچ اوقات میں بچے کو پلایا جائے تو یہ پانچ رضاعت ہوں گی، اور اگر ایک ہی وقت میں پلا دیا جائے تو یہ ایک شمار ہوگی، کیونکہ بچے کے پینے کا اعتبار ہوگا، اور اسی سے حرمت ثابت ہوگی، اس لیے اس کا متفرق اور اجتماع کے فرق کا اعتبار کریں۔ الکافی (65/5)

بڑے عمر کے لئے عدم رضاعت میں جمہور فقہاء و علماء کا اجماع

جمہور علماء و فقہاء کے قول کے مطابق بڑے آدمی کو دودھ پلانے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ معتبر رضاعت

دو برس کی عمر تک ہوتی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہی رضاعت حرمت پیدا کرتی ہے جس سے انتڑیاں بھریں اور دودھ چھڑانے کی عمر میں سے قبل ہو۔(سنن ترمذی حدیث نمبر(1072) اور سنن ابن ماجہ حدیث نمبر(1936)

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان " :فی الثدی " کا معنی رضاعت کی مدت ہے۔امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں " :یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اکثر اہل علم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے، کہ رضاعت وہی حرمت ثابت کرتی ہے جو دودھ چھڑانے کی عمر دو برس سے قبل ہو، اور مکمل دو برس کے بعد رضاعت کچھ حرام نہیں کرتی۔

اور صحیح بخاری و مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میرے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: عائشہ یہ کون ہے؟ تو میں نے عرض کیا: یہ میرا رضاعی بھائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اے عائشہ دیکھو کہ تمہارے بھائی کون ہیں، کیونکہ رضاعت بھوک سے ہوتی ہے"

صحیح بخاری حدیث نمبر(2453) صحیح مسلم حدیث نمبر(1455)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:" معنی یہ ہے کہ تم ذرا غور کرو کہ ایسا ہوا ہے آیا یہ رضاعت صحیح ہے اور اس میں رضاعت کی شروط پائی جاتی ہیں، کہ یہ رضاعت مدت میں ہو اور اس کی مقدار بھی پوری ہو کیونکہ جس رضاعت سے حکم ثابت ہوتا ہے وہی رضاعت ہے جس میں شرطیں مکمل ہوں۔

المھلب رحمہ اللہ کہتے ہیں:" اس کا معنی یہ ہے کہ: عورتیں دیکھیں کہ اس اخوت یعنی بھائی ہونے کا سبب کیا ہے، کیونکہ رضاعت کی حرمت تو صغر سنی میں ہوتی ہے حتی کہ رضاعت بھوک کو مٹا دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:" رضاعت تو بھوک سے ہوتی ہے" اس میں علت بیان ہوئی ہے کہ جو غور وفکر اور تدبر کا باعث ہے، کیونکہ رضاعت نسب ثابت کرتی ہے اور دودھ پینے والے بچے کو محرم بناتی ہے اور یہ قول:" المجاعۃ" یعنی جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور عورت کے ساتھ خلوت حلال کرتی ہے وہ اس حالت میں ہے کہ جب بچے کی بھوک دودھ سے ختم ہوتی ہو۔

کیونکہ کا معدہ کمزور ہونے کی بنا اس کے لیے صرف دودھ ہی کافی ہوتا ہے، اور اس دودھ سے اس کا جسم نشوونما پاتا ہے تو اس طرح وہ دودھ پلانے والی عورت کا ایک جزء بن جاتا ہے، اس طرح وہ حرمت میں اس کی اولاد کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

گویا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے:" معتبر رضاعت وہ ہے جو بھوک مٹائے، یا بھوک سے خوراک پوری کرتی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آثار ملتے ہیں کہ بڑے شخص کی رضاعت مؤثر نہیں ہوتی ان میں درج ذیل روایات شامل ہیں:

1 ابو عطیہ الوادعی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور عرض کی: میرے ساتھ میری بیوی تھی تو اس کا دودھ پستان میں رک گیا میں اسے نکالنے کے لیے منہ سے چوستا اور باہر پھینک دیتا، میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور

اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: وہ تم پر حرام ہوگئی ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اٹھے اور ہم بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے: آپ نے اسے کیا فتویٰ دیا ہے؟ تو انہوں نے جو فتویٰ دیا تھا وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بتایا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے: کیا آپ اس کو دودھ پینے والا بچہ سمجھتے ہیں؟

بلکہ رضاعت تو وہ ہے جس سے گوشت بنے اور خون پیدا ہو (یعنی جسم نشوونما پائے) تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: جب تمہارے اندر یہ عالم موجود ہیں تو پھر مجھ سے کوئی سوال مت دریافت کیا کرو" اسے عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر (13895)(463/7) میں روایت کیا ہے۔

اور سنن ابوداود میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ مروی ہیں: "رضاعت وہ ہے جو ہڈی مضبوط کرے اور گوشت بنائے تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں یہ عالم موجود ہوں تو مجھ سے سوال نہ کیا کرو۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر (2059)

2 امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں نافع سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: " رضاعت وہی ہے جس نے بچپن میں رضاعت کی اور بڑے کی رضاعت نہیں ہے۔ (موطا امام مالک (603/2)

3 موطا میں ہی عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور میں بھی دار القضاء کے پاس ان کے ساتھ تھا، وہ شخص بڑے آدمی کی رضاعت کے متعلق دریافت کرنے لگا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: " ایک شخص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی: میری ایک لونڈی ہے اور میں اس سے وطیء کرتا ہوں تو میری بیوی نے اسے دودھ پلا دیا، اور میں جب اس لونڈی کے پاس گیا تو وہ کہنے لگی مجھ سے دور ہی رہو، اللہ کی قسم مجھے اس نے دودھ پلا دیا ہے۔

تو عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اپنی بیوی کو مارو، اور اپنی لونڈی کے پاس جاؤ، کیونکہ رضاعت تو بچے کی ہوتی ہے" اس کی سند صحیح ہے۔ اسی لیے ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: " رضاعت کی بنا پر حرمت میں شرط یہ ہے کہ یہ رضاعت دو برس کی عمر میں ہو، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے، اور عمر علی ابن عمر اور ابن مسعود ابن عباس اور ابو ہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی ازواج مطہرات سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

شعبی اور ابن شبرمہ اور اوزاعی، شافعی اور اسحاق، ابو یوسف اور محمد اور ابو ثور بھی یہی کہتے ہیں، اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے، اور امام مالک سے مروی ہے کہ اگر ایک ماہ زائد ہو جائے تو جائز ہے، اور ایک روایت میں دو ماہ کا بھی ذکر ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اڑھائی برس کی عمر میں رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی عمر اڑھائی سال ہے۔ یہاں پیٹ کا حمل مراد نہیں؛ کیونکہ یہ دو برس ہوں گے بلکہ حمل فصال مراد ہے۔

اور زفر کہتے ہیں رضاعت کی مدت تین برس ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے میں بڑے شخص کی رضاعت بھی حرمت کا باعث ہے، اور عطاء اور لیث اور داود سے بھی یہی مروی ہے۔ (المغنی ابن قدامہ (142/8)

اس میں ایک اور بھی قول ہے کہ: بڑی عمر میں رضاعت اثر انداز ہوگی، عائشہ حفصہ رضی اللہ عنہما اور علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، طبرانی نے اسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور قاسم بن محمد وعروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور عطا لیث بن سعد اور ابن حزم کا یہی قول ہے، اور داود ظاہری کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور مالکی حضرات میں سے ابن المواز اس کی طرف مائل ہیں۔ (فتح الباری (9/148))

سوم: بڑی عمر میں رضاعت مؤثر ہونے کے قائلین نے مسلم شریف کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا غلام سالم ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہتا تھا، تو سہلہ بنت سہیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ سالم جوان ہو چکا ہے، اور جس طرح مرد سمجھتا ہے سالم بھی وہی کچھ سمجھنے لگا ہے، اور وہ ہمارے پاس آتا جاتا ہے، میرے خیال میں ابو حذیفہ اس کے آنے سے ناراض ہوتے ہیں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے دودھ پلا دو تم اس پر حرام ہو جاؤ گی، اور ابو حذیفہ کے دل میں جو کچھ ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا، تو اس نے دوبارہ آ کر بتایا کہ اس نے اسے دودھ پلایا تو ابو حذیفہ کے چہرے سے ناراضگی ختم ہو گئی۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر (1453))

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے: "وہ کہنے لگے: اسے تو داڑھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دودھ پلا دو ابو حذیفہ کی ناراضگی ختم ہو جائے گی" حذیفہ رضی اللہ عنہ نے منہ بولا بیٹا بنانے کی حرمت نازل ہونے سے قبل سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سالم نے دودھ کس طرح پیا اور اسے دودھ کس طرح پلایا گیا، امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں رقمطراز ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "تم اسے دودھ پلا دو" قاضی کہتے ہیں: لگتا ہے کہ اس نے دودھ نکال کر سالم کو پلایا تھا، اور سالم نے سہلہ کے پستان کو نہیں چھویا اور نہ ہی اس کی جسم کو۔ قاضی کا یہ قول بہتر اور اچھا معلوم ہوتا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضرورت و حاجت کی بنا پر اسے چھونے کی بھی اجازت مل گئی ہو جس طرح بڑی عمر کا ہونے کے باوجود رضاعت کی اجازت ملی۔

حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے اسی حدیث کو لیا اور وہ اسے سالم کے لیے خاص نہیں سمجھتیں، لیکن باقی ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی ہیں۔

مسلم شریف میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری بیویوں نے اس رضاعت والے شخص کو اپنے پاس آنے سے انکار کر دیا، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہنے۔ اللہ کی قسم ہمارے خیال میں تو یہ سالم کے لیے خاص رخصت تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم کو دی تھی، لہٰذا اس رضاعت سے ہمارے پاس کوئی نہیں آ سکتا۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (1454)

ابو داود رحمہ اللہ نے ام المومنین عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے سالم کو اپنا منہ بیٹا بنایا ہوا تھا اور اپنے بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے شادی کی اور یہ ایک انصاری عورت کا غلام تھا، جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص منہ بولا بیٹا بناتا تو لوگ

اسے اس کی ولدیت دیتے اور اسے اس کی طرف منسوب کر دیتے اور اس کی وراثت کا بھی حقدار ٹھہرتا، حتی کہ اللہ عزوجل نے اس کے متعلق حکم نازل کر دیا:

لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے، پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ (احزاب ۵)

تو انہیں ان کے حقیقی باپوں کی طرف لوٹا دو، اور جس کے باپ کا علم نہیں تو وہ اس کا دینی بھائی اور دوست ہے۔ چنانچہ سھلۃ بن سہیل بن عمرو قریشی عامری جو کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا:

اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ہم سالم کو اپنا بیٹا سمجھتے رہے ہیں، اور وہ میرے اور ابو حذیفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے، اور مجھے ایک ہی کپڑے میں دیکھتا ہے، اور اللہ عزوجل نے ان کے متعلق وہ حکم اتارا ہے جو آپ کو بھی علم ہے، لہذا اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اسے دودھ پلا دو" تو سھلہ نے اسے پانچ رضاعت دودھ پلا دیا اور اس طرح وہ اس کا رضاعی بیٹا بن گیا، اسی بنا پر عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حکم دیا کرتی تھی کہ جنہیں عائشہ رضی اللہ عنہا دیکھنا چاہتی اور اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دینا چاہتیں تو وہ انہیں دودھ پلا دیں چاہے وہ بڑی عمر کا ہی ہوتا، اسے پانچ رضاعت دودھ پلاتیں اور پھر وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتا تھا، لیکن ام سلمہ اور باقی سب ازواج مطہرات نے اس رضاعت سے اپنے پاس آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، حتی کہ وہ بچپن میں دودھ پیے تو پھر اجازت دیتی، اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا کرتی تھیں: ہمیں نہیں معلوم ہو سکتا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صرف سالم کے لیے خصوصی اجازت تھی" سنن ابو داود حدیث نمبر (2061) یہ حدیث صحیح ہے البانی نے صحیح سنن ابو داود میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

سالم کے واقعہ والی حدیث کا جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ: یہ سالم کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ باقی ازواج مطہرات کا قول ہے، یا پھر یہ منسوخ ہے۔

بعض فقہاء نے ان دونوں اقوال کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے کہ: بڑی عمر میں رضاعت اثر انداز اور معتبر نہیں ہوتی، لیکن جب اس کی ضرورت و حاجت ہو تو پھر اثر انداز ہوگی۔

الصنعانی "سبل السلام" میں لکھتے ہیں: "سھلہ اور اس کے معارض دوسری حدیث میں سب سے بہتر اور احسن جمع وہی ہے جو ابن تیمیہ کی کلام ہے ان کا کہنا ہے بچپن کی رضاعت ہی معتبر شمار ہوگی لیکن اگر اس کی ضرورت و حاجت ہو مثلا بڑے شخص کو کسی عورت کے پاس آنے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور عورت کا اس سے پردہ کرنا مشکل اور مشقت کا باعث ہو جیسا کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ سالم کا مسئلہ تھا، تو اس طرح کے بڑے شخص کو ضرورت و حاجت کی بنا پر دودھ پلایا جائے تو رضاعت مؤثر ہوگی، لیکن اس کے بغیر بچپن میں رضاعت ضروری ہے۔

کیونکہ دونوں حدیثوں کے مابین جمع بہتر ہے، اور ظاہری طور پر خاص ہونے اور نہ ہی منسوخ ہونے کی وجہ سے بغیر کسی

کو نفقے سے کے اس حدیث پر عمل کرنا بہتر ہے۔ سبل السلام (313/2)

اور ابن قیم بھی اسی ترجیح کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں: "اسے منسوخ کہنے اور کسی معین شخص کے ساتھ مخصوص قرار دینے سے یہ بہتر ہے، اور دونوں اعتبار سے سب احادیث پر عمل کرنے کے زیادہ قریب ہے، اور شرعی قواعد واصول بھی اس کے شاہد ہیں، اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ زاد المعاد (5/593)

بَابٌ فِيمَنْ حَرَّمَ بِهِ

باب: جس نے اس کو حرام قرار دیا ہے

2061 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا حُذَيْفَةَ بْنَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ، كَانَ تَبَنَّى سَالِمًا وَأَنْكَحَهُ ابْنَةَ أَخِيهِ هِنْدَ بِنْتَ الْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَهُوَ مَوْلًى لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، كَمَا تَبَنَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَكَانَ مَنْ تَبَنَّى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَوَرِثَ مِيرَاثَهُ حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي ذَلِكَ (ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ) (الأحزاب: ۵) إِلَى قَوْلِهِ (فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ) (الأحزاب: ۵) فَرُدُّوا إِلَى آبَائِهِمْ، فَمَنْ لَمْ يُعْلَمْ لَهُ أَبٌ كَانَ مَوْلًى وَأَخًا فِي الدِّينِ، فَجَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الْقُرَشِيِّ، ثُمَّ الْعَامِرِيِّ وَهِيَ امْرَأَةُ أَبِي حُذَيْفَةَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا نَرَى سَالِمًا وَلَدًا، وَكَانَ يَأْوِي مَعِي وَمَعَ أَبِي حُذَيْفَةَ فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ، وَيَرَانِي فُضْلًا، وَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِمْ مَا قَدْ عَلِمْتَ فَكَيْفَ تَرَى فِيهِ؟ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْضِعِيهِ فَأَرْضَعَتْهُ خَمْسَ رَضَعَاتٍ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَبِذَلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَأْمُرُ بَنَاتِ أَخَوَاتِهَا وَبَنَاتِ إِخْوَتِهَا أَنْ يُرْضِعْنَ مَنْ أَحَبَّتْ عَائِشَةُ أَنْ يَرَاهَا وَيَدْخُلَ عَلَيْهَا، وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا خَمْسَ رَضَعَاتٍ، ثُمَّ يَدْخُلُ عَلَيْهَا وَأَبَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ، حَتَّى يَرْضَعَ فِي الْمَهْدِ، وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ وَاللَّهِ مَا نَدْرِي لَعَلَّهَا كَانَتْ رُخْصَةً مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ دُونَ النَّاسِ

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے "سالم" کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، انہوں نے اس کی شادی اپنی بھتیجی ہند بنت ولید سے کروادی تھی، سالم ایک انصاری عورت کا آزاد کردہ غلام تھا، یہ اسی طرح تھا جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "زید" کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، زمانہ جاہلیت کا رواج یہ تھا، جو شخص کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیتا تھا تو لوگ اسے اسی شخص کے حوالے سے بلاتے تھے، اور اسے ہی وارث قرار دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ حکم نازل کیا:

''انہیں ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے بلاؤ''

یہ آیت یہاں تک ہے ''تمہارے دینی بھائی اور آزاد کردہ غلام ہیں''

تو ایسے لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کی نسبت سے بلایا جانے لگا، جس کے حقیقی باپ کا پتہ نہیں تھا اس کو دینی بھائی اور آزاد کردہ غلام کہا جانے لگا۔

سہلہ بنت سہیل، جو ابوحذیفہ کی اہلیہ تھی، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم تو سالم کو اپنا بچہ ہی سمجھتے تھے، وہ میرے اور ابوحذیفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا تھا، وہ مجھے گھریلو حلیے میں دیکھ لیتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جو حکم نازل کیا ہے اس سے آپ واقف ہیں، تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

(سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:) نبی اکرم ﷺ نے اس خاتون سے فرمایا: تم اسے دودھ پلا دو، اس خاتون نے اسے پانچ مرتبہ دودھ پلایا، تو وہ ان کے لیے رضاعی بیٹے کی طرح ہو گیا

(عروہ بیان کرتے ہیں:) اسی وجہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب کسی شخص کے بارے میں یہ چاہتی تھیں کہ وہ ان کی زیارت کر سکے اور ان کے ہاں آ سکے، تو وہ اپنی کسی بھانجی یا بھتیجی کو یہ ہدایت کرتی تھیں کہ وہ اس کو پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں، خواہ وہ بڑا لڑکا ہوتا، پھر وہ ان کے ہاں آ سکتا تھا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور نبی اکرم ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات اس بات کو تسلیم نہیں کرتی تھیں کہ اس طرح کی رضاعت کے نتیجے میں کوئی ان کے ہاں آئے، البتہ اگر اس نے جھولے (یعنی شیر خوارگی میں) دودھ پیا ہو، تو (حکم مختلف ہے)

وہ خواتین یہ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! ہم یہ سمجھتی ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ رخصت ''سالم'' کے لیے دی تھی، دوسرے لوگوں کے لیے نہیں۔

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (الاحزاب: ۴۰)

اس کی تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ وہ آپ کے بیٹے نہیں ہیں اور آپ کے چار نسبی بیٹے تھے آپ حضرت قاسم' حضرت ابراہیم' حضرت طیب اور حضرت مطہر کے والد تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۶۰۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۶۹۸)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو کفار اور منافقین نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حضرت زید بن حارثہ آپ کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کی بیوی آپ پر حرام ہو جائیں لیکن آپ تعظیم اور تکریم کے اعتبار سے امت کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں'

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر کفار اور منافقین کے اعتراضات کو ساقط کر دیا' اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں جو مرد تھے آپ ان میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں' یہ نہیں ہے کہ آپ کسی کے والد نہیں ہیں کیونکہ آپ کی چار بیٹیاں تھیں اور آپ ان کے والد تھے اور آپ کے چار بیٹے تھے اور آپ ان کے والد تھے لیکن وہ سب صغر سن میں وفات پا گئے اور ان میں سے کوئی بھی مرد ہونے کی عمر تک نہیں پہنچا' سو آپ مردوں میں سے کسی حقیقی والد نہیں ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں اور یہ چاروں آپ کے نسبی بیٹے تھے مخاطبین کے مردوں میں سے نہ تھے' بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۹) لیکن آپ نے ان کو مجازاً اپنے بیٹے فرمایا وہ آپ کے نسبی بیٹے نہ تھے' وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسبی بیٹے اور آپ کے نواسے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں اور نہ کسی مرد کے حقیقی والد ہیں' نہ رضاعی والد ہیں۔

ہم نے امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹے تھے لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ کے دو بیٹے تھے حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم' حضرت قاسم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے انہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور حضرت ابراہیم آپ کی کنیز ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل از اسلام پیدا ہوئی' صرف حضرت ابراہیم واحد ہیں جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اسی وجہ سے ان کا لقب طیب اور مطہر ہے۔ (سبل الھدی والرشاد ج ۱۱ ص ۱۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ آپ کسی مرد کے شرعی والد ہیں نہ رضاعی اور نہ کسی کو آپ نے شرعاً بیٹا بنایا کیونکہ شرعاً بیٹا اس کو بنایا جاتا ہے جو مجہول النسب ہو اور حضرت زید بن حارثہ مجہول النسب نہیں تھے ان کا نسب معروف تھا وہ حارثہ کے بیٹے تھے غرض آپ کسی اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہ تھے' نسبی نہ رضاعی نہ متبنی کے کے اعتبار سے۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۴۵-۴۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

بَابُ هَلْ يُحَرِّمُ مَا دُونَ خَمْسِ رَضَعَاتٍ

باب: کیا پانچ مرتبہ سے کم دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے؟

2062 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، فَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُنَّ مِمَّا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ

❀ ❀ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دس مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہونے کا حکم نازل کیا تھا، پھر اسے منسوخ کر کے پانچ مرتبہ پینے سے حرمت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

ہوا، اس وقت یہ آیت قرآن کے اس حصے میں تھی، جسے تلاوت کیا جاتا ہے۔

2063 حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ایک یا دو مرتبہ (دودھ) چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی''

رضاعت کی تھوڑی اور زیادہ مقدار کا حکم یکساں ہے

رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو برابر ہے جب وہ رضاعت کی مدت میں حاصل ہو تو اس کے ذریعے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: حرمت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب پانچ گھونٹ پئے جائیں۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''ایک گھونٹ یا دو گھونٹ یا ایک مرتبہ چوسنے یا دو مرتبہ چوسنے سے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی''۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے''۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''رضاعت کے ذریعے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے ذریعے حرمت ثابت ہوتی ہے''۔ اس حدیث میں کوئی فصل (یعنی مقدار کی قید) نہیں ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: حرمت جزء ہونے کے اس شبہ کے ذریعے ثابت ہوتی ہے جو ہڈیاں بڑھنے اور گوشت کی نشوونما کی نتیجے میں ہوتا ہے لیکن یہ ایک پوشیدہ معاملہ ہے لہٰذا حکم کا تعلق دودھ پلانے کے فعل کے ساتھ ہوگا۔ امام شافعی نے جو روایت نقل کی ہے یا تو وہ کتاب اللہ کے حکم کی وجہ سے قبول نہیں کی جائے گی یا پھر کتاب اللہ کے حکم کے تحت منسوخ شمار ہوگی۔ (ہدایہ، کتاب نکاح، لاہور)

حرمت رضاعت سے متعلق فقہی احکام کا بیان

تیسرا سبب دودھ کا رشتہ: یعنی وہ عورتیں جو رضاعت (دودھ پلانے کی وجہ سے حرام ہیں چنانچہ تمام وہ رشتے جو نسبی اور سسرالی ہونے کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام رہیں گے اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو اس کی شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پلایا ہے تو ان دونوں میں ماں اور اولاد کا تعلق پیدا ہو جائے گا لہٰذا دودھ پلانیوالی عورت کا شوہر دودھ والے بچہ کا رضائی باپ ہوگا جس کی وجہ سے رضائی ماں اور باپ کے تمام وہ رشتے دار اس بچہ کے لئے حرام ہوں گے جو حقیقی ماں اور باپ کی رشتہ داری کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ شیر خوارگی کی عمر میں مطلقاً دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ زیادہ دودھ پیا ہو خواہ کم پیا ہو اور کم کی آخری حد یہ ہے کہ دودھ کا پیٹ میں مطلقاً پہنچ جانا یقینی کے ساتھ معلوم ہو جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

شیر خوارگی کی عمر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کے مطابق تو تیس مہینہ تک ہے اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور

2063- اخرجه مسلم (1450)، وابن ماجه (1941)، والترمذي (1183)، والنسائي في "الكبرى" (5428) من طرق عن ايوب، بهذا الاسناد

امام محمد رحمہا اللہ کے قول کے مطابق دو برس تک ہے۔ اگر کسی بچہ نے شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پینا بند کر دیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے شیر خوارگی ہی کی عمر میں دودھ پیا تو یہ رضاعت کے حکم میں داخل ہوگا کیونکہ دودھ پلانا شیر خوارگی ہی کی مدت میں واقع ہوا ہے۔ شیر خوارگی کی مدت رضاعت گزر جانے کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دودھ پلانے کی اجرت کے استحقاق کے سلسلے میں شیر خوارگی کی مدت دو برس ہی تسلیم کی گئی ہے۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اس مطلقہ نے اس کے بچہ کو دو برس کی عمر کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کے باپ یعنی اپنے سابق شوہر سے کیا تو اس کا مطالبہ تسلیم نہیں ہوگا اور بچہ کے باپ کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی مطلقہ کو دو برس کے بعد کے عرصہ کے دودھ پلانے کی اجرت دے ہاں اس کی مطلقہ نے دو برس کے عرصہ میں جو دودھ پلایا ہے اس کی اجرت دینے پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ حرمت رضاعت جس طرح رضاعی ماں یعنی دودھ پلانے والی کی رشتہ داروں میں ثابت ہوتی ہے اسی طرح رضاعی باپ کے رشتہ داروں میں بھی ثابت ہوتی ہے اور رضاعی باپ سے مراد دودھ پلانے والی کا وہ خاوند ہے جس کے جماع کی وجہ سے دودھ اترتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

"رضیع، یعنی دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان رضاعی ماں باپ کے اصول یعنی ان کے باپ دادا وغیرہ) اور ان کے فروع یعنی ان کی اولاد خواہ وہ نسبی ہوں یا رضاعی سب حرام ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے دودھ پینے سے پہلے اس کی رضاعی ماں کے ہاں جو اولاد ہو چکی ہوگی یا اس کے دودھ پینے کے بعد جو اولاد ہوگی اور وہ اولاد خواہ اس کے رضاعی باپ سے ہو خواہ اس کی رضاعی ماں کے کسی دوسرے شوہر سے ہو یا اس کی رضاعی بہن اور بھائی بہن کی اولاد اس کے بھتیجے، بھتیجی اور بھانجے بھانجی ہوں گے، اسی طرح رضاعی باپ کا بھائی اس کا چچا ہوگا رضاعی باپ کی بہن اس کی پھوپھی ہوگی رضاعی ماں کا بھائی اس کا ماموں ہوگا۔ رضاعی ماں کی بہن اس کی خالہ ہوگی اور رضاعی ماں کا دادا اور اس کی دادی و نانی رضیع کا دادا اور اس کی دادی و نانی ہوگی۔ جس طرح رضاعت میں نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسی طرح رضاعت میں حرمت مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ رضاعی باپ کی بیوی اور رضیع دودھ پینے والے پر حرام ہیں اور رضیع کی بیوی اس کے رضاعی باپ پر حرام ہے اسی دوسرے رشتوں کو بھی قیاس کیا جاتا ہے لیکن دو صورتیں مستثنیٰ ہیں اول تو یہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کرلے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے لیکن رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ کسی شخص کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اس کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی حقیقی بیٹی ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو پھر یہ یعنی اس کی سوتیلی بیٹی ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں چنانچہ اگر نسبی رشتہ میں بھی ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی بات نہیں پائی جائے گی تو نکاح درست ہوگا مثلاً کسی ایسی لونڈی کے بچہ پیدا ہوا جو دو آدمیوں کی مشترک مملوکہ ہے اور وہ دونوں شریک اس بچہ پر اپنا اپنا دعویٰ کرتے ہیں یہاں تک کہ اس بچہ کا نسب ان دونوں سے ثابت ہو گیا ہے، ادھر ان دونوں کے ہاں اپنی اپنی عورت سے ایک ایک بیٹی ہے تو اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے

لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے شریک کی بیٹی سے اپنا نکاح کرلے کیونکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں اسے ایک بات بھی نہیں پائی گئی باوجودیکہ ان میں سے جس نے بھی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا ہے اس نے گویا اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کیا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نسبی بھائی کی ماں سے نکاح کرے اور دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ نسبی رشتہ میں یا تو یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں اخیافی یعنی سسرالی صرف ماں شریک) بھائی ہوں گے اسی طرح دونوں کی ماں ایک ہی ہوگی یا یہ صورت ہوگی کہ وہ دونوں سوتیلے صرف باپ شریک بھائی ہوں گے اسی طرح بھائی کی ماں اپنے باپ کی بیوی ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں۔

دودھ شریک بھائی کی بہن سے یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جس طرح کہ نسبی رشتہ میں جائز ہے مثلاً زید کا ایک سوتیلا بھائی ہے جس کا نام بکر ہے اور بکر کی ایک اخیافی بہن ہے یعنی دونوں کی ماں تو ایک ہے مگر باپ الگ الگ ہیں تو بکر کی اس اخیافی بہن سے نکاح کرنا زید کے لئے جائز ہوگا جو بکر کا سوتیلا بھائی ہے۔ دودھ شریک بھائی کی ماں یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی ماں) محرمات میں سے نہیں ہے اسی طرح رضاعی چچا رضاعی ماموں رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ کی ماں بھی محرمات میں سے نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اپنی رضاعی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اپنے رضاعی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ رضاعی بیٹے کی پھوپھی اس کی بہن کی ماں اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح عورت کو اپنی رضاعی بہن کے باپ اپنے رضاعی بیٹے کے بھائی اپنے رضاعی پوتے کے باپ اور اپنے رضاعی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ نسبی رشتہ میں یہ سب محرمات میں سے ہیں جن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو جس کے دودھ اترا ہوا تھا طلاق دیدی پھر اس مطلقہ نے عدت کے دن گزار کر ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس بارے میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اس دوسرے خاوند کے نطفہ سے اس کے بچہ پیدا ہوگا تو اس عورت کے دودھ کا سبب بھی دوسرا خاوند قرار پائے گا اس کے دودھ سے پہلے خاوند کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا ہاں اگر دوسرے خاوند سے حاملہ نہیں ہوگی تو اس دودھ کا سبب پہلا ہی خاوند سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر یہ صورت ہو کہ دوسرے شوہر سے حاملہ تو ہوئی مگر ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس دوسرے شوہر کا بچہ پیدا نہ ہو جائے دودھ پہلے شوہر ہی کا کہلائے گا۔ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس سے کبھی بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا پھر (بغیر کسی ولادت کے) اس کے دودھ اتر آیا اور وہ دودھ اس نے کسی دوسرے کے بچے کو پلایا تو وہ دودھ اسی عورت کا کہلائے گا اس کے خاوند کا اس دودھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس صورت میں اس دودھ پینے والے بچہ اور اس شخص کی اس اولاد کے درمیان جو دوسری بیوی سے ہو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں اس کے ہاں ولادت ہوئی اور پھر اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا تو اس زنا کرنیوالے اس کے باپ دادا اور اس کی اولاد کو اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا ہاں زنا

کرنیوالے کا چچا اور اس کا ماموں نکاح کرسکتا ہے جس طرح کہ زنا کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالی لڑکی سے زنا کرنیوالے کا چچا اور ماموں نکاح کرسکتا ہے۔ کسی شخص نے شبہ میں مبتلا ہو کر یعنی کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ایک عورت سے جماع کیا جس سے وہ حاملہ ہوگئی اور پھر اس نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو یہ بچہ اس جماع کرنیوالے کا رضاعی بیٹا ہوگا اس پر یہ قیاس کیا جانا چاہئے کہ جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنیوالے سے ثابت ہوتا ہے انہی صورتوں میں رشتہ رضاعت بھی اس سے ثابت ہوگا۔

اور جن صورتوں میں بچہ کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت نہیں ہوتا اس صورت میں رشتہ رضاعت دودھ پلانیوالی عورت سے ثابت ہوگا۔ کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ عورت نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا اور بعد میں دودھ خشک ہوگیا کچھ عرصہ کے بعد دودھ پھر اتر آیا اور اس نے کسی دوسرے لڑکے کو وہ دودھ پلایا تو اس لڑکے کے لئے اس شخص کی اس اولاد سے نکاح کرنا جائز ہوگا جو اس دودھ پلانیوالی عورت کے علاوہ کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہو۔ کسی کنواری لڑکی کے دودھ اتر آیا اور اس نے وہ دودھ کسی بچی کو پلایا تو یہ اس بچی کی رضاعی ماں ہوگی اور رضاعت کے تمام احکام دونوں کے حق میں ثابت ہوں گے لہٰذا اگر کسی شخص نے اس کنواری لڑکی سے نکاح کیا اور جماع سے پہلے اسے طلاق دیدی تو اس شخص کے لئے اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہوگا (کیونکہ اس صورت میں بیوی کی بیٹی کا بھی یہی حکم ہے) اور اگر جماع کے بعد طلاق دی تو اس لڑکی سے نکاح کرنا ناجائز ہوگا۔ اگر کسی ایسی لڑکی کے دودھ اتر آیا جس کی عمر نو برس سے کم تھی اور پھر اس نے وہ دودھ ایک لڑکے کو پلایا تو اس سے دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

کیونکہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ دودھ نو برس یا نو برس سے زائد کی عمر میں اترے۔ اسی طرح اگر کسی کنواری لڑکی کی چھاتیوں میں زرد رنگ کا پانی اتر آیا تو اس کے پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ کسی عورت نے ایک بچہ کے منہ میں اپنی چھاتی داخل کردی لیکن بچہ کا اس کی چھاتی سے دودھ چوسنا معلوم نہیں ہوا تو اس صورت میں شک کی وجہ سے حرمت رضاعت کا حکم نافذ نہیں کیا جائے گا البتہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حرمت ثابت ہو جائے۔ کسی عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی بہنے والی پتلی چیز بچہ کے منہ میں پہنچ گئی تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہی کہا جائے گا کہ یہ دودھ ہی ہے جس کا رنگ متغیر ہوگیا ہے۔

اگر کسی مرد کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور حرمت ثابت ہونے کے لئے زندہ اور مردہ عورت کے دودھ کا یکساں حکم ہے۔ اور اگر دو بچوں نے کسی ایک چار پائے جانور کا دودھ پیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ رضاعت کا حکم دار الاسلام اور دار الحرب دونوں جگہ یکساں ہے لہٰذا اگر کسی کافر عورت نے دار الحرب میں کسی کافر بچہ کو دودھ پلایا اور پھر وہ دودھ پلانیوالی اس کے قرابت دار اور دودھ پینے والا بچہ مسلمان ہوگئے یا وہ دار الحرب میں اسلام ہی کی حالت میں تھے اور پھر دار الحرب سے دار الاسلام میں آگئے تو پھر رضاعت کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

جس طرح عورت کی چھاتی سے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح بچہ کے منہ میں دودھ ڈال دینے یا ناک میں نچوڑ دینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے البتہ کان میں

ٹپکانے عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالنے حقنہ کے ذریعہ استعمال کرنے اور مقعد میں اور دماغ اور پیٹ کے زخم میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اگرچہ دودھ ان زخموں کے ذریعہ دماغ اور پیٹ میں پہنچ جائے۔ لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک حقنہ کے ذریعہ استعمال کرنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر غذا کی کسی چیز میں دودھ مل گیا اور اسے آگ پر پکا کر کھانا بنالیا گیا جس کی وجہ سے دودھ کی حقیقت بدل گئی تو اس کو کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب ہو اور اگر دودھ ملی ہوئی چیز آگ پر پکائی نہیں گئی تو اس صورت میں بھی اس کو کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

بشرطیکہ اس چیز میں دودھ غالب نہ ہو اور اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ جب بہنے والی چیز جمی ہوئی چیز میں مخلوط ہو گئی تو بہنے والی چیز اس جمی ہوئی چیز کے تابع ہو گئی اور مشروبات کی قسم سے خارج ہو گئی یعنی پینے کے قابل نہیں رہی اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جس چیز میں دودھ مخلوط ہو گیا اگر وہ غالب نہ ہو اور اب بھی وہ دودھ بہنے کے قابل ہو تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ (کسی جانور مثلاً) بکری کے دودھ میں مخلوط ہو گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے دودھ میں روٹی بھگوئی اور روٹی نے دودھ کو جذب کر لیا یا اپنے دودھ میں ستو گھولا اور پھر وہ روٹی یا ستو کسی بچہ کو کھلا دیا تو اگر اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ذائقہ کی موجودگی کی شرط اسی صورت میں ہے جب کہ اس کو لقمہ لقمہ کر کے کھلایا جائے اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا تو پھر اگر ذائقہ موجود نہ ہو تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا یا جانور کے دودھ میں مخلوط ہو گیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر پانی وغیرہ غالب ہوگا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی) اس طرح اگر عورت کا دودھ کسی بھی پتیل سیال چیز یا کسی بھی جمی ہوئی چیز میں مخلوط ہو جائے تو غالب کا اعتبار ہوگا اور غالب سے مراد یہ ہے کہ اس کا رنگ بو اور ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو۔ اور اگر دونوں چیزیں یعنی دودھ اور وہ چیز جس میں دودھ مخلوط ہو گیا ہے برابر ہوں تو حرمت کا ثابت ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہے۔

اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل گیا ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی جس کا دودھ زیادہ اور غالب ہو لیکن حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور اقرب الی الاحتیاط ہے اور اگر دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہو تو متفقہ طور پر یعنی ان تینوں ائمہ کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا چھاچھ یا دہی یا پنیر اور یا ماوا وغیرہ بنالیا اور اسے کسی بچہ کو کھلا دیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اس پر رضاعت یعنی دودھ پینے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بستی و گاؤں کی کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں یہ کسی

کو بھی یاد و معلوم نہیں رہا کہ وہ دودھ پلانیوالی عورت کون تھی اور پھر اس بستی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح جائز ہوجائے گا۔ عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلا ضرورت کسی بچی کو اپنا دودھ نہ پلائیں اور اگر کسی بچہ کو اپنا دودھ پلائیں تو یاد رکھیں یا لکھ لیا کریں عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بلا ضرورت دوسروں کے بچوں کے منہ میں اپنی چھاتی دے دیتی ہیں اور انہیں دودھ پلا دیتی ہیں اور پھر بعد میں انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کس بچہ کو میں نے اپنا دودھ پلایا ہے اس کی وجہ سے حرمت رضاعت کے احکام کی صریحا خلاف ورزی ہوتی ہے لہٰذا اس بارے میں احتیاط ضروری ہے۔

دودھ خواہ پہلے پلایا ہو خواہ بعد میں پلایا گیا ہو حرمت رضاعت بہر صورت ثابت ہوجائے گی پہلے اور بعد میں کوئی فرق نہیں ہو گا لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک شیر خوار بچی سے نکاح کرلیا اور پھر بعد میں اس شخص یعنی خاوند کی نسبی یا رضاعی ماں نے یا بہن نے یا لڑکی نے آکر اس کو اپنا دودھ پلا دیا تو یہ بچی اس شخص کے لئے حرام ہوجائے گی اور اس پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس نصف مہر کے طور پر جو رقم وہ ادا کرے گا اسے وہ مرضعہ یعنی دودھ پلانیوالی سے وصول کرلے گا بشرطیکہ اس دودھ پلانیوالی نے محض شرارت یعنی نکاح ختم کرانے کے لئے اپنا دودھ پلا دیا ہو اور اگر اس نے شرارت کی نیت سے دودھ نہ پلایا ہو بلکہ وہ بچی بھوک سے بلک رہی تھی اور اس عورت نے ہمدردی کے جذبہ سے اسے دودھ پلا دیا تو پھر خاوند اس سے اپنی رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

کسی شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا اس کے بعد ایک اجنبی عورت نے آکر ان دونوں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو وہ دونوں بچیاں شوہر کے لئے حرام ہوجائیں گی اور پھر اس کے بعد وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جسے وہ پسند کرے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر اس کے نکاح میں دو کی بجائے تین بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان تینوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا تو وہ تینوں حرام ہوجائیں گی اس کے بعد وہ ان تینوں میں سے جس سے چاہے نکاح کرسکتا ہے۔

اور اگر تینوں کو یکے بعد دیگرے پلایا تو پہلی دو تو حرام ہوجائیں گی اور تیسری اس کی بیوی رہے گی اور اگر پہلے تو دو بچیوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا اور اس کے بعد تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہوگا۔ اور اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا اور بعد میں دو کو ایک ساتھ پلایا تو تینوں حرام ہوجائیں گی اور ان میں سے ہر ایک بچی کا نصف مہر اس پر واجب ہوگا جسے وہ دودھ پلانے والی سے وصول کرے گا بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے دودھ پلایا ہو اور اگر اس کے نکاح میں چار بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان چاروں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے ایک ایک کرکے دودھ پلایا ہو تو چاروں حرام ہوجائیں گی اور اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ پلایا ہو تو بھی یہی حکم ہوگا اور اگر پہلے تین کو ایک ساتھ اور بعد میں چوتھی کو پلایا تو چوتھی حرام نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت سے اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا اور پھر بڑی نے چھوٹی کو اپنا دودھ پلا دیا تو شوہر کے لئے دونوں حرام ہوجائیں گی اب اگر اس شخص نے بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا اور چھوٹی کو اس کا آدھا مہر دینا واجب ہوگا جسے وہ بڑی سے وصول کرے گا بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے اسے دودھ پلایا ہو اور اگر اس نے دودھ شرارت کی نیت سے نہیں پلایا تو اس سے کچھ وصول نہیں کیا جائے گا۔

اگرچہ اس بڑی کو یہ معلوم ہو کہ یہ چھوٹی بچی میرے شوہر کی بیوی ہے۔ رضاعت دودھ پلانے کا ثبوت دو باتوں میں سے کسی

ایک بات سے ہو جاتا ہے ایک تو اقرار یعنی کوئی عورت خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں کو دودھ پلایا ہے اور دوسرے گواہی یعنی گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے) اور رضاعت کے سلسلہ میں گواہی یا تو دو مردوں کی معتبر ہوتی ہے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بشرطیکہ وہ عادل ہوں۔ (حرمت رضاعت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان) جو تفریق جدائی ہوتی ہے وہ قاضی کے حکم کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے اور جب دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کسی میاں بیوی کے درمیان رضاعت کے رشتہ کی گواہی دیں اور اس کی بنیاد پر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرادے تو عرت کو کچھ نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو اور اگر جماع ہو چکا ہوگا تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر خاوند پر واجب ہوگا اور نفقہ وسکنہ یعنی کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان واجب نہیں ہوگا۔ اگر دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے نکاح ہو جانے کے بعد شادی شدہ عورت کے سامنے گواہی دی اور کہا کہ شوہر کے ساتھ تمہارا رشتہ رضاعت ثابت ہوتا ہے) تو اس عورت کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شہادت صحیح ہے بایں طور کہ جس طرح یہ شہادت اگر قاضی کے سامنے دی جاتی تو رضاعت ثابت ہو جاتی اور وہ دونوں کے درمیان تفریق کرادیتا ہے) اسی طرح جب یہ شہادت عورت کے سامنے آئے گی تو اس کا حکم بھی وہ یہی ہوگا اور اگر رضاعت کی یہ خبر صرف ایک شخص دے اور اس عورت کے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو شوہر سے پرہیز کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں ہے۔ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد ایک دوسری عورت نے آکر ان دونوں میاں بیوی سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہوں گی،

1۔ اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار کر لیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو۔

2۔ اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار نہ کیا تو نکاح بحالہ باقی رہے گا لیکن اگر وہ عورت جس نے رشتہ رضاعت کی خبر دی ہے) عادل ہے تو پھر احتیاط کا تقاضہ یہی ہوگا کہ خاوند اپنی بیوی کو چھوڑ دے اب اگر اس نے چھوڑ دیا تو بہتر ہے کہ خاوند نصف مہر دیدے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ کچھ نہ لے بشرطیکہ چھوڑنا جماع سے پہلے ہو اور اگر چھوڑنے سے پہلے جماع ہو چکا ہو تو مرد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس کا پورا مہر بھی دیدے اور عدت کے ایام پورے ہونے تک نفقہ وسکنہ بھی دے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہر مثل و مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ لے لے اور نفقہ وسکنہ نہ لے اور اگر خاوند نے بیوی کو نہیں چھوڑا یعنی اس نے طلاق نہیں دی) تو بیوی کو خاوند کے پاس رہنا جائز ہے اسی طرح اگر دو عورتوں نے یا ایک مرد اور ایک عورت نے یا دو غیر عادل مردوں نے یا غیر عادل ایک مرد اور دو عورتوں نے رضاعت کی گواہی دی تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا یعنی خاوند کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

3۔ اگر خاوند نے اس عورت کا اعتبار کیا اور بیوی نے اعتبار نہیں کیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر دینا واجب ہوگا

4۔ اگر بیوی نے اس عورت کا اعتبار کیا مگر خاوند نے اس کا اعتبار نہیں کیا تو نکاح بحالہ باقی رہے گا لیکن بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاوند سے قسم کھلوائے کہ وہ واقعۃً اس عورت کی بات کو صحیح نہیں سمجھتا) اور اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کردے تو دونوں کے

درمیان جدائی کرادی جائے گی۔ ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا اس کی طرف اسی قسم کے کسی اور رضاعی رشتہ کی نسبت کی اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے وہم ہو گیا تھا میں نے جو کچھ کہا تھا غلط تھا تو استحساناً ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی اس دوسری بات پر قائم رہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) اور اگر وہ اپنی پہلی بات پر قائم رہے اور یہ کہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی پھر اس کے بعد وہ اپنی پہلی بات سے انکار کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق کر دی تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر اس عورت کے ساتھ جماع ہو چکا ہو اور وہ اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق نہ کرے تو مرد پر اس کا پورا مہر اور نفقہ وسکنہ واجب ہوگا۔

اور اگر مرد نے کسی عورت کے بارے میں اس سے نکاح کرنے سے پہلے یہ کہا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا رضاعی ماں ہے اور پھر بعد میں کہنے لگا مجھے وہم ہو گیا تھا یا مجھ سے چوک ہو گئی تھی (یعنی میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) تو اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

اور اگر اپنی سابقہ بات پر قائم رہا یعنی بعد میں اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں اس عورت سے اس کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر وہ اس کے باوجود نکاح کرلے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی اور اگر وہ اپنے سابقہ اقرار ہی سے مکر جائے (یعنی یہ کہنے لگے کہ میں نے یہ اقرار نہیں کیا تھا کہ یہ میری رضاعی ماں یا بہن ہے) لیکن دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے اقرار کیا تھا تو پھر اس صورت میں ان کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔ اگر کسی عورت نے کسی مرد کے بارے میں اقرار کیا کہ یہ میرا رضاعی باپ رضاعی بھائی یا رضاعی بھتیجا ہے لیکن مرد نے اس کا انکار کیا اور اس کے بعد پھر عورت نے بھی اپنے قول کی تردید کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی تو اس عورت سے نکاح جائز ہو جائے گا۔

اور اسی طرح اگر مرد نے اس عورت سے نکاح کرلیا قبل اس کے کہ وہ عورت اپنے قول کی تردید کرتی تو نکاح صحیح ہوگا۔ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے جو اس کے نکاح میں ہو اپنے نسبی رشتہ کا اقرار کیا یعنی یوں کہا کہ یہ عورت میری حقیقی ماں ہے یا حقیقی بہن ہے یا حقیقی بیٹی ہے اور اس عورت کا نسب کسی کو معلوم نہیں ہے نیز وہ مرد یہ صلاحیت رکھتا ہے (یعنی اس کے بارے میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ عورت اس کی ماں یا بیٹی ہو تو) اس مرد سے دوبارے پوچھا جائے گا اب اگر وہ یہ کہے کہ مجھے وہم ہو گیا تھا یا میں چوک گیا تھا، یا میں نے غلط کہا تھا تو استحساناً ان کا نکاح باقی رہے گا اور اگر دوبارہ پوچھے جانے پر اس نے یہ کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہی صحیح ہے تو پھر دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔

اور اگر مرد یہ صلاحیت نہیں رکھتا یعنی ان دونوں کی عمر میں اس قدر تفاوت ہے کہ وہ اس بات کا امکان نہیں رکھتا) کہ وہ عورت جس عمر کی ہے اس عمر کی کوئی عورت اس کی حقیقی ماں یا اس کی حقیقی بہن ہو سکے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اگر مرد نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ یہ میری حقیقی لڑکی ہے اور پھر بعد میں اپنی اس بات کی تردید بھی نہیں کی بلکہ اس پر اصرار کرتا رہا حالانکہ لوگوں کو اس لڑکی کا نسب معلوم ہے (یعنی دنیا جانتی ہے کہ یہ لڑکی اس کی نہیں ہے بلکہ

دوسرے کی ہے) تو ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی۔

اور اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ یہ میری حقیقی ماں ہے حالانکہ لوگوں کو اس کا نسب معلوم ہے (یعنی سب جانتے ہیں کہ یہ اس کی ماں نہیں ہے) تو اس صورت میں بھی دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

بَابٌ فِي الرَّضْخِ عِنْدَ الْفِصَالِ

باب: دودھ چھڑانے کے وقت (دودھ پلانے والی عورت کو) انعام دینا

2064 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ. ح وحَدَّثَنَا ابْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذَمَّةَ الرَّضَاعَةِ؟، قَالَ: الْغُرَّةُ الْعَبْدُ أَوِ الْأَمَةُ. قَالَ النُّفَيْلِيُّ: حَجَّاجُ بْنُ حَجَّاجٍ الْأَسْلَمِيُّ وَهٰذَا لَفْظُهُ

❀❀ حجاج بن حجاج اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! رضاعت کا حق کیسے ادا کیا جا سکتا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک غلام یا کنیز ادا کر کے۔

(نفیلی نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:) حجاج بن حجاج اسلمی، روایت کے یہ الفاظ اسی راوی کے نقل کردہ ہیں۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ

باب: کن خواتین کو (نکاح میں) جمع کرنا مکروہ ہے؟

2065 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا، وَلَا الْعَمَّةُ عَلَى بِنْتِ أَخِيهَا، وَلَا الْمَرْأَةُ عَلَى خَالَتِهَا، وَلَا الْخَالَةُ عَلَى بِنْتِ أُخْتِهَا، وَلَا تُنْكَحُ الْكُبْرَى عَلَى الصُّغْرَى، وَلَا الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى

❀❀ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"(کسی) عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی پر، یا پھوپھی سے اس کی بھتیجی پر، یا عورت سے اس کی خالہ پر، یا خالہ سے اس کی بھانجی پر، بڑی (بہن) سے چھوٹی پر، یا چھوٹی سے بڑی پر، نکاح نہ کیا جائے"

2065- واخرجه مختصراً مسلم (1408) (35) من طريق قبيصة بن ذؤيب، و(1408)، والنسائي في "الكبرى" (5396) و(5401) من طريق ابي سلمة، ومسلم (1408)، وابن ماجه (1929)، والترمذي (1154)، والنسائي في "الكبرى" (5402) من طريق محمد بن سيرين، ومسلم (1408)، والنسائي في "الكبرى" (5399) و(5400) من طريق عراك بن مالك، والبخاري (5109)، ومسلم (1408)، والنسائي (5397) و(5399) من طريق عبد الرحمن الاعرج، خمستهم عن ابي هريرة. وهو في "مسند احمد" (9500)، و"صحيح ابن حبان" (4117) و(4118).

2066 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، اَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَخْبَرَنِي قَبِيصَةُ بْنُ ذُؤَيْبٍ، اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَخَالَتِهَا، وَبَيْنَ الْمَرْاَةِ وَعَمَّتِهَا

❁❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ عورت اور اس کی خالہ کو، یا عورت اور اس کی پھوپھی کو (نکاح میں) جمع کیا جائے۔

2067 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا خَطَّابُ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَرِهَ اَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ الْعَمَّةِ وَالْخَالَةِ، وَبَيْنَ الْخَالَتَيْنِ وَالْعَمَّتَيْنِ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ پھوپھی اور خالہ کو، یا دو پھوپھیوں یا دو خالاؤں کو (نکاح میں) جمع کیا جائے۔

2068 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ الْمِصْرِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، اَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى، (وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ) (النساء: 3)، قَالَتْ: يَا ابْنَ اُخْتِي هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حِجْرِ وَلِيِّهَا فَتُشَارِكُهُ فِي مَالِهِ، فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا، فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا اَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ اَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ، فَنُهُوا اَنْ يَنْكِحُوهُنَّ اِلَّا اَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ، وَيَبْلُغُوا بِهِنَّ اَعْلَى سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ، وَاُمِرُوا اَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ، قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: ثُمَّ اِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ فِيهِنَّ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ، قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ، اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ) (النساء: 127) قَالَتْ: وَالَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ اَنَّهُ يُتْلَى عَلَيْهِمْ فِي الْكِتَابِ الْاٰيَةُ الْاُولَى الَّتِي قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ فِيهَا (وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ) (النساء: 3). قَالَتْ عَائِشَةُ: وَقَوْلُ اللّٰهِ

2066-واخرجه البخاری (5110)، ومسلم (1408) (36)، والنسائی فی "الکبری" (5398) من طرق عن یونس، بهذا الاسناد. وهو فی "مسند احمد" (9203)، و"صحیح ابن حبان" (4113) و (4115).

2068-اسناده صحیح. ابن وهب: هو عبد الله بن وهب المصری، ویونس: هو ابن یزید الایلی، وابن شهاب: هو محمد بن مسلم الزهری. واخرجه مختصراً وتاماً البخاری (2494) و (2763) و (4574) و (5064) و (5092) و (5140) و (6965)، ومسلم (3019)، والنسائی فی "الکبری" (5488) و (11024) من طرق عن ابن شهاب، بهذا الاسناد. وزاد البخاری (4574)، ومسلم (3018) (6)، والنسائی فی "الکبری" (11024)

عَزَّ وَجَلَّ فِي الْآيَةِ الْأُخْرَةِ (وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ) (النساء: 127) هِيَ رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ عَنْ يَتِيمَتِهِ الَّتِي تَكُونُ فِي حِجْرِهِ حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ. فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا رَغِبُوا فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَتَامَى النِّسَاءِ إِلَّا بِالْقِسْطِ، مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ. قَالَ يُونُسُ: وَقَالَ رَبِيعَةُ: فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى) (النساء: 3) قَالَ: يَقُولُ: اتْرُكُوهُنَّ إِنْ خِفْتُمْ فَقَدْ أَحْلَلْتُ لَكُمْ أَرْبَعًا

❁❁ عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ ؓ سے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا:

"اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے معاملے میں انصاف نہیں کر سکو گے، تو تم ان عورتوں سے نکاح کر لو، جو تمہیں پسند آئیں"۔

سیدہ عائشہ ؓ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! یہ ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں ہے، جو اپنے کسی ولی کی زیر پرورش ہوتی ہے، اور اس ولی کے مال میں حصہ دار بھی ہوتی ہے، اس ولی کو اس لڑکی کا مال اور خوبصورتی پسند آتی ہے تو وہ انصاف کے مطابق اسے مہر دیے بغیر، اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے، یعنی اس لڑکی کو اتنا مہر نہیں دیتا، جتنا اس کی بجائے کوئی اور شخص دیتا، تو لوگوں کو ایسی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا، البتہ اگر وہ ان لڑکیوں کے ساتھ انصاف کریں اور مہر کے حوالے سے انہیں پوری ادائیگی کریں، جو رواج کے مطابق ہو، (تو جائز ہوگا) ورنہ انہیں یہ حکم دیا گیا کہ ان لڑکیوں کے علاوہ انہیں جو عورتیں پسند آتی ہیں، ان کے ساتھ نکاح کر لیں۔

عروہ نقل کرتے ہیں: سیدہ عائشہ ؓ نے فرمایا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے ایسی لڑکیوں کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی:

"لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شرعی حکم دریافت کرتے ہیں، تم یہ فرما دو! اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے بارے میں تمہیں یہ حکم دیتا ہے، اور اس چیز کے بارے میں (حکم دیتا ہے) جو کتاب میں تم پر تلاوت کی جاتی ہے، جو ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہے، جنہیں تم وہ ادائیگی نہیں کرتے، جو ان کے حق میں مقرر کی گئی ہے، (اور بھی) تم ان سے نکاح کرنے سے اعراض کرتے ہو"

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو یہ ذکر کیا ہے "جو کتاب میں تم پر تلاوت کی جاتی ہیں" اس سے مراد پہلی آیت ہے، (جس میں) اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

"اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے، تو تم ان عورتوں سے نکاح کر لو، جو تمہیں پسند آئیں"

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اعراض کرتے ہو" یہ کسی شخص کا اپنی زیر پرورش یتیم لڑکی سے، اس وقت اعراض کرنا ہے، جب اس کا مال بھی کم ہو اور وہ کم خوبصورت ہو۔ تو

لوگوں کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنے سے منع کر دیا گیا، جن کے مال اور خوبصورتی ہیں انہیں دلچسپی ہوتی ہے، البتہ اگر وہ انصاف (کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھیں، تو حکم مختلف ہوگا) اس کی وجہ ان لوگوں کی ان (کم مال والی اور کم خوبصورت یتیم لڑکیوں سے) بے رغبتی ہے۔

یونس نقل کرتے ہیں: ربیعہ، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں کہتے ہیں: (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

"اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے"

(ربیعہ کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے:) اگر تمہیں اندیشہ ہو، تو تم انہیں چھوڑ دو، کیونکہ میں نے تمہارے لیے چار (شادیاں کرنا) حلال قرار دیا ہے۔

2069 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنِي اَبِي، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيلِيُّ، اَنَّ ابْنَ شِهَابٍ، حَدَّثَهُ، اَنَّ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ حَدَّثَهُ اَنَّهُمْ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ مِنْ عِنْدِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ مَقْتَلَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، لَقِيَهُ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ، فَقَالَ لَهُ: هَلْ لَكَ اِلَيَّ مِنْ حَاجَةٍ تَاْمُرُنِي بِهَا، قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: لَا. قَالَ: هَلْ اَنْتَ مُعْطِيَّ سَيْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّي اَخَافُ اَنْ يَغْلِبَكَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ وَايْمُ اللّٰهِ لَئِنْ اَعْطَيْتَنِيهِ لَا يُخْلَصُ اِلَيْهِ اَبَدًا حَتّٰى يُبْلَغَ اِلٰى نَفْسِي. اِنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَطَبَ بِنْتَ اَبِي جَهْلٍ عَلٰى فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ فِي ذٰلِكَ عَلٰى مِنْبَرِهِ هٰذَا، وَاَنَا يَوْمَئِذٍ مُحْتَلِمٌ، فَقَالَ: اِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّي، وَاَنَا اَتَخَوَّفُ اَنْ تُفْتَنَ فِي دِينِهَا قَالَ: ثُمَّ ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ فَاَثْنٰى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ اِيَّاهُ فَاَحْسَنَ، قَالَ: حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفٰى لِي وَاِنِّي لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا، وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا، وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ مَكَانًا وَاحِدًا اَبَدًا.

❁❁ ابن شہاب بیان کرتے ہیں: امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا شہادت کے بعد، جب وہ لوگ یزید بن معاویہ کے پاس سے، مدینہ منورہ آئے، تو حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور بولے: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے کوئی کام ہے تو مجھے حکم کریں، میں نے ان سے کہا: جی نہیں! (یعنی کوئی کام نہیں ہے) تو انہوں نے کہا: کیا آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار مجھے دیدیں گے؟ کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں لوگ اسے آپ سے چھین نہ لیں، اللہ کی قسم! اگر آپ نے وہ مجھے دیدی، تو کوئی شخص میری لاش پر سے گزرے بغیر اس تک نہیں پہنچ سکے گا،

(حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (سے شادی کے بعد) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو شادی کا

2069-اسناده صحيح. ابن شهاب: هو محمد بن مسلم الزهري. واخرجه بتمامه ومختصراً البخاري (3110)، ومسلم (2449)، والنسائي في "الكبرى" (8314) و (8469) من طريق يعقوب بن ابراهيم، بهذا الاسناد

پیغام بھیجا، تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے، یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، میں اس وقت بالغ تھا، (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:)

''فاطمہ مجھ سے ہے (یعنی میری جان کا ٹکڑا ہے) اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اسے اس کے دین کے بارے میں آزمائش کا شکار نہ کر دیا جائے''

پھر نبی اکرم ﷺ نے بنو عبد شمس سے تعلق رکھنے والے اپنے داماد کا ذکر کیا، اور ان کی دامادی کی تعریف کی، آپ ﷺ نے ان کی اچھائی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اس نے میرے ساتھ جب بھی بات کی تو سچ بولا، جو بھی وعدہ کیا اسے پورا کیا، میں کسی حلال چیز کو حرام قرار نہیں دیتا، اور کسی حرام چیز کو حلال قرار نہیں دیتا، لیکن اللہ کی قسم! اللہ کے رسول کی صاحبزادی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ (یعنی ایک ہی گھر میں سوکن کے طور پر) کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتی ہیں''

2070 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ: فَسَكَتَ عَلِيٌّ عَنْ ذَلِكَ النِّكَاحِ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔ تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: تو حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ شادی کرنے سے باز آ گئے۔

2071 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَعْنَى قَالَ أَحْمَدُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ الْقُرَشِيُّ التَّيْمِيُّ، أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ، حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: إِنَّ بَنِي هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُونِي أَنْ يُنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ مِنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَلَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ فَإِنَّمَا ابْنَتِي بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا. وَالْإِخْبَارُ فِي حَدِيثِ أَحْمَدَ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اس بات کی اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی علی بن ابوطالب سے کر دیں، میں انہیں اجازت نہیں دیتا، پھر انہیں اجازت نہیں دیتا، پھر انہیں اجازت نہیں دیتا، البتہ اگر ابن ابی طالب چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بیٹی سے شادی کر لے، میری بیٹی میری جان کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے پریشان کرتی ہے، وہ مجھے پریشان کرتی ہے، اور جو اسے اذیت دیتی

2070-حديث صحيح، وهذا اسناد مرسل. ولمعمر في هذا الحديث طريقان، الاول عن الزهري، والثاني عن ايوب، عن ابن ابي مليكة

2071-اسناده صحيح. الليث: هو ابن سعد واخرجه بتمامه ومختصرا البخاري (3714) و (3767) و (5230) و (5278)، ومسلم (2449)، وابن ماجه (1998)، والترمذي (4205)، والنسائي في "الكبرى" (8312) و (8313) و (8465-8467) من طريقين عن عبد الله ابن ابي مليكة، به. وقال الترمذي: حسن صحيح

ہے، وہ مجھے اذیت دیتی ہے۔

روایت کے یہ الفاظ احمد کے نقل کردہ ہیں۔

عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے سے متعلق فقہی احکام کا بیان

فتاویٰ عالم گیری میں ہے۔ جمع کرنا: یعنی وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ جمع ہو کر محرمات میں سے ہو جاتی ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اجنبی عورتوں کو جمع کرنا (۲) ذوات الارحام کو جمع کرنا پہلی قسم یعنی اجنبی عورتوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے جس قدر نکاحوں کی اجازت دی ہے ان سے زیادہ نکاح کرنا چنانچہ شریعت نے آزاد مرد کو ایک وقت میں چار نکاح تک کی اجازت اور غلام کو ایک وقت میں دو نکاح تک کی اجازت دی ہے لہٰذا کسی آزاد شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے (یعنی چار سے زیادہ عورتوں کو اپنی بیوی بنائے) اور غلام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں دو سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے آزاد شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک وقت میں جتنی چاہے بغیر نکاح باندیاں رکھے باندیاں رکھنے کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہے لیکن غلام کو بغیر نکاح باندی رکھنا جائز نہیں ہے۔

اگرچہ اس کا آقا اجازت دیدے آزاد شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور وہ چار عورتیں خواہ آزاد ہوں خواہ باندیاں ہوں اور آزاد دونوں ملی جلی ہوں۔ اگر کسی شخص نے پانچ عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلی چار کا نکاح جائز اور پانچویں کا باطل ہوگا اور اگر پانچوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو پانچوں کا نکاح باطل ہوگا اسی طرح اگر کسی غلام نے تین عورتوں سے نکاح کیا تو یہی تفصیل ہوگی کہ ان تینوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے کی صورت میں تو پہلی دونوں کا نکاح صحیح ہو جائے گا اور تیسری کا باطل ہوگا اور اگر تینوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو تینوں کا نکاح باطل ہوگا۔ اگر کسی حربی کافر نے پانچ کافرہ عورتوں سے نکاح کیا اور پھر وہ سب یعنی پانچوں بیویاں اور شوہر مسلمان ہو گئے تو اگر یہ پانچوں نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تھے تو پہلی چار بیویاں جائز رہیں گی اور پانچویں بیوی سے جدائی کرادی جائے گی۔

اور اگر پانچوں نکاح ایک ہی عقد میں ہوئے تھے تو پانچوں کا نکاح باطل ہو جائے گا اور ان پانچوں سے شوہر کی جدائی کرادی جائے گی۔ اگر کسی عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کیا اور ان میں سے ایک شخص کے نکاح میں پہلے سے چار عورتیں تھیں تو اس کا نکاح اس دوسرے شخص کے ساتھ صحیح ہوگا (جس کے نکاح میں پہلے چار بیویاں نہیں تھیں اور اگر ان دونوں کے نکاح میں پہلے سے چار بیویاں تھیں یا ان میں سے کسی ایک کے بھی نکاح میں چار عورتیں نہیں تھیں تو یہ نکاح کسی کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوگا۔ جمع کرنے کی دوسری قسم یعنی ذوات الارحام کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھا جائے گا جو آپس میں ذی رحم اور نسبی رشتہ دار ہوں چنانچہ دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے۔

اسی طرح دو بہنوں کو باندی بنا کر ان سے جماع کرنا بھی حرام ہے یعنی اگر دو بہنیں بطور باندی کسی کی ملکیت میں ہوں تو دونوں سے جماع نہ کیا جائے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے خواہ وہ دونوں نسبی حقیقی بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں۔

اس بارے میں اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جو ایک دوسرے کی رشتہ دار ہوں اور ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے

کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو آپس میں ان دونوں کا نکاح درست نہ ہو خواہ وہ رشتہ نسبی حقیقی ہو یا رضائی ہو تو ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوتا لہٰذا جس طرح دو حقیقی یا رضائی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضائی پھوپھی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے ایسے ہی کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضائی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی عورت اور اس کے پہلے خاوند کی لڑکی کو جو اس عورت کے بطن سے نہیں ہے) بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اگر اس عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے شوہر کی اس لڑکی سے اس کو نکاح کرنا جائز ہوگا بخلاف اس کے عکس کے کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے لئے اس عورت یعنی باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا) اسی طرح کسی عورت اور اس کی باندی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے اس باندی سے نکاح کیا ہو۔

اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو نکاح باطل ہوگا اور ان دونوں کو ان کے شوہر سے جدا کرا دیا جائے گا اور پھر یہ جدائی اگر دخول یعنی جماع سے پہلے ہوگی تو ان دونوں کو مہر کے طور پر کچھ نہیں دلوایا جائے گا اور اگر جدائی دخول کے بعد ہوگی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے مختلف عقد میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو جو نکاح بعد میں ہوگا وہ فاسد ہو جائے گا اور شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے علیحدگی اختیار کرے اگر وہ خود سے علیحدگی اختیار نہ کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو قاضی علیحدگی کرادے۔ اور پھر یہ علیحدگی اگر دخول جماع سے پہلے واقع ہوگئی تو علیحدگی کے احکام (یعنی مہر وعدت وغیرہ) میں سے کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد علیحدگی واقع ہوگئی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر مل جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی۔

اور اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس شخص کو اپنی بیوی یعنی پہلی منکوحہ سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے اور اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے دو عقدوں میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کر لیا مگر یہ معلوم نہیں کہ کس بہن سے پہلے اور کس بہن سے بعد میں نکاح کیا تھا تو ایسی صورت میں شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیان کرے اگر وہ بیان کر دے کہ فلاں بہن سے پہلے اور فلاں بہن سے بعد میں نکاح کیا تھا تو اس بیان کے مطابق عمل کیا جائے (یعنی پہلی کا نکاح باقی اور دوسری کا نکاح باطل قرار دیا جائے اور اگر شوہر بھی بیان نہ کر سکے تو پھر قاضی ان دونوں ہی سے شوہر کی علیحدگی کرادے، علیحدگی کے بعد ان دونوں کو نصف مہر ملے گا بشرطیکہ دونوں کا مہر برابر ہو اور عقد کے وقت متعین ہوا ہو اور یہ علیحدگی بھی جماع سے پہلے واقع ہوئی ہو اور اگر دونوں کا مہر برابر نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مہر کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر عقد کے وقت مہر متعین نہ ہوا ہو تو آدھے مہر کی بجائے ایک جوڑا کپڑا دونوں کو دیا جائے گا۔ اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی ہو تو ہر ایک کو اس کا مہر پورا ملے گا۔

اور ابو جعفر ہندوانی فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ کا یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک یہ دعوی کرے کہ پہلے

مجھ سے نکاح ہوا تھا اور گواہ کی ایک کے بھی پاس نہ ہوں تو دونوں کو نصف مہر دلایا جائے گا لیکن اگر دونوں یہ کہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم میں سے کس کا نکاح پہلے ہوا ہے تو ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک کہ دونوں کسی ایک بات پر متفق ہو کر صلح نہ کر لیں اور دونوں کے صلح کی صورت یہ ہوگی کہ وہ دونوں قاضی کے پاس جا کر یہ کہیں کہ ہم دونوں کا مہر ہمارے خاوند پر واجب ہے اور ہمارے اس مطالبہ میں کوئی تیسرا دعوی دار شریک نہیں ہے (یعنی ہمارے خاوند پر مہر کی جو رقم واجب ہے اس میں ہم دونوں کے علاوہ اور کسی تیسری عورت کا کوئی حق نہیں ہے) لہٰذا ہم دونوں اس بات پر صلح واتفاق کرتی ہیں کہ نصف مہر لے لیں اس کے بعد قاضی فیصلہ کر دے گا۔

اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے پر گواہ پیش کئے تو مرد پر نصف مہر واجب ہوگا جو دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اس حکم میں تمام علماء کا اتفاق ہے نیز دو بہنوں کے سلسلہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ ایسی تمام عورتوں میں بھی جاری ہوں گے جن کا جمع کرنا (یعنی جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا) حرام ہے اور اگر یہ شخص یعنی جس نے دو بہنوں سے ایک عقد میں نکاح کر لیا تھا اور یہ نکاح باطل ہونے کی وجہ سے ان دونوں بہنوں اور اس کے درمیان علیحدگی کرادی تھی) ان دونوں بہنوں کے علیحدہ ہو جانے کے بعد پھر ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ علیحدگی جماع سے پہلے ہوئی ہو اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی تھی تو اس صورت میں دونوں بہنوں کی عدت گزر جانے سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور اگر ایک عدت میں ہے اور دوسری کی عدت پوری ہو گئی ہے تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا جو عدت میں ہے دوسری سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جو عدت میں ہے۔ اور اگر علیحدگی سے پہلے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جماع ہو گیا تھا تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا جس سے جماع ہو چکا تھا اور اگر اس بہن سے نکاح کرنا چاہے جس سے جماع نہیں ہوا تھا تو) اس سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا، ہاں اگر اس بہن کی عدت پوری ہو جائے جس سے جماع ہوا تھا تو پھر ان دونوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ جس طرح بیک وقت دو بہنوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بیک وقت دو باندی بہنوں سے جنسی لطف حاصل کرنا یعنی مساس و جماع کرنا بھی جائز نہیں ہے (یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں بیک وقت دو بہنیں بطور باندی ہوں تو وہ ان دونوں سے جنسی تلذذ حاصل نہ کرے بلکہ ان میں سے کسی ایک ہی سے مساس و جماع وغیرہ کرے) کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جنسی لطف لینے کے بعد دوسری بہن حرام ہو جائے گی۔

اس دوسری بہن سے اسی وقت جنسی لطف حاصل کر سکتا ہے جب کہ پہلی بہن کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک باندی خریدی اور اس سے جماع کر لیا پھر اس کے بعد اس کی بہن کو خرید لیا تو صرف پہلی ہی سے جماع کر سکتا ہے دوسری سے جماع اس وقت تک حرام ہوگا جب تک کہ پہلی کو اپنے لئے حرام نہ کر لے اور حرام کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو کسی سے اس کا نکاح کر دے یا اپنی ملکیت سے نکال دے یا آزاد کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے یا فروخت کر دے یا صدقہ کر دے اور یا

مکاتب بنادے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بعض حصہ کو آزاد کرنا کل حصہ کو آزاد کرنے کے مترادف ہے (مثلاً کسی نے اپنی باندی سے کہا کہ میں نے تیرا آدھا حصہ یا تیرا چوتھائی حصہ آزاد کیا تو یہ کل کو آزاد کرنے کے مرادف ہوگا اور اس سے جماع کرنا ناجائز ہوگا) اسی طرح اس کے بعض حصہ کو اپنی ملکیت سے نکالنا کل کو اپنی ملکیت سے نکالنے کے مرادف ہوگا۔ اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ پہلی مجھ پر حرام ہے تو اس کو کہہ دینے کی وجہ سے دوسری سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا جیسا کہ ایک کے حیض ونفاس اور احرام وروزہ کی وجہ سے دوسری حلال نہیں ہوجاتی یعنی جس طرح اگر ایک بہن حیض وغیرہ کی حالت میں حرام ہوجاتی ہے تو محض اس کی وجہ سے اس کی دوسری بہن حلال نہیں ہوجاتی اسی طرح فقط اتنا کہہ دینا کہ پہلی میرے لئے حرام ہے دوسری کو حلال کردینے کے لئے کافی نہیں ہے) اگر کسی شخص نے ان دونوں بہنوں سے جماع کرلیا جو بطور باندی اس کی ملکیت میں تھیں تو اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ جماع نہیں کرسکتا تاوقتیکہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق دوسری کو اپنے لئے حرام نہ کرلے۔

اگر کسی شخص نے ان دونوں باندی بہنوں میں سے کہ جو بیک وقت اس کی ملکیت میں تھیں کسی ایک کو فروخت کردیا لیکن وہ کسی عیب کی وجہ سے لوٹ کر آگئی یا اس کو ہبہ کردیا تھا لیکن اپنے ہبہ کو ختم کرکے اسے واپس لے لیا یا اس کا نکاح کردیا تھا مگر اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی پوری ہوگئی تو ان صورتوں میں وہ شخص ان میں سے کسی ایک سے بھی جماع نہ کرے تاوقتیکہ دوسری بہن کو اپنے لئے حرام نہ کرلے۔ کسی شخص نے ایک باندی سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کی بہن کو خرید لیا تو اس کے لئے خریدی ہوئی باندی سے جنسی لطف حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ فراش یعنی زوجتی کا استحقاق نفس نکاح سے ثابت ہوجاتا ہے اس لئے اگر وہ خریدی ہوئی باندی سے جماع کرے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے فراش یعنی زوجیت کا استحقاق) میں دو بہنوں کو جمع کیا اور یہ حرام ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کرلیا اور اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور جب نکاح صحیح ہو گیا تو اب وہ باندی سے جماع نہ کرے گا اگرچہ ابھی تک منکوحہ سے جماع نہ کیا ہو اور اس منکوحہ سے اس وقت تک جماع نہ کرے جب تک کہ اپنی باندی یعنی منکوحہ کی بہن کو مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے اپنے لئے حرام نہ کرلے اور اگر اس نے اپنی باندی کی بہن سے ایسی صورت میں نکاح کیا کہ اس باندی سے جماع نہیں ہوا ہے تو پھر منکوحہ سے جماع کرسکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے جماع کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا مگر وہ نکاح کسی وجہ سے فاسد ہوگیا تو محض نکاح سے وہ باندی حرام نہ ہوگی ہاں اگر نکاح کے بعد وہ منکوحہ سے جماع کرلے تو باندی سے جماع کرنا حرام ہوجائے گا۔ اگر دو بہنوں نے کسی شخص سے یہ کہا کہ ہم نے اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ اپنا نکاح کیا اور یہ الفاظ دونوں کی زبان سے ایک ساتھ ادا ہوئے اور اس شخص نے ان میں سے ایک کا نکاح قبول کرلیا تو یہ نکاح جائز ہوجائے گا اور اگر پہلے خود اس شخص نے ان دونوں بہنوں سے یہ کہا کہ میں نے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض اپنا نکاح کیا اور ان میں سے ایک نے قبول کرلیا اور دوسری نے انکار کردیا تو دونوں کا نکاح باطل ہوگا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنا نکاح کروانے کے لئے ایک آدمی کو اپنا وکیل بنایا اور پھر کسی دوسرے آدمی کو بھی اسی کام کے لئے اپنا وکیل بنا دیا اس کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک وکیل نے ایک ایک عورت سے اس شخص کا نکاح ان عورتوں کی اجازت کئے بغیر کر دیا اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں عورتیں رضاعی بہنیں ہیں، نیز ان دونوں وکیلوں کی زبان سے نکاح کے الفاظ ایک ساتھ ادا ہوئے تھے تو اس صورت میں دونوں عورتوں کے نکاح باطل ہوں گے، اسی طرح اگر یہ دونوں نکاح ان عورتوں کی اجازت سے ہوں یا ایک کی اجازت سے اور ایک کی بغیر اجازت تو بھی یہی حکم ہوگا۔ ایک شخص مثلاً زید نے دو بہنوں سے نکاح کیا حالانکہ ان میں سے ایک بہن کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی یا کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے ابھی عدت کے دن گزار رہی تھی تو اس صورت میں زید کا نکاح صرف دوسری بہن کے ساتھ صحیح ہوگا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا ایک طلاق بائن یا تین طلاق دی یا نکاح فاسد ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہو گیا یا شبہ ہو کر کسی عورت سے جماع کر لیا غرضیکہ ان میں سے کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ عورت کہ عدت کے دن گزار رہی ہو تو اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے وہ شخص نکاح نہیں کر سکتا اور جس طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی کسی بھی ایسی رشتہ والی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں جو اس کے لئے ذوات الارحام میں سے ہو اور دونوں کا بیک وقت کسی ایک کے نکاح میں رہنا حرام ہو (مثلاً اس کے زمانہ عدت میں اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں) اور اسی طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کے علاوہ مزید چار عورتوں سے نکاح کرنا بھی حلال نہیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی کو جو ام ولد یعنی اس کے بچہ کی ماں تھی آزاد کر دیا تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس کی بہن سے شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کے ماسوا چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔ اگر کسی شوہر نے کہا کہ میری مطلقہ بیوی نے بتایا کہ اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں (لہٰذا میں اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہوں) تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ طلاق دیئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟

اگر طلاق دیئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے جس میں عدت پوری ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تو شوہر کا قول معتبر نہیں ہوگا اس طرح اس کی مطلقہ بیوی کا یہ کہنا کہ میری عدت پوری ہو گئی ہے قابل اعتبار نہ ہوگا ہاں اگر وہ کوئی ایسی صورت بیان کرے جس میں عدت پوری ہونے کا احتمال ہو جیسے وہ یہ بیان کرے کہ طلاق کے دوسرے دن میرا حمل جس کے اعضاء پورے تھے ساقط ہو گیا ہے تو اس صورت میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور طلاق کو اتنا عرصہ گزر چکا ہو کہ اس میں عدت پوری ہونے کا امکان ہو تو اگر عورت اپنے شوہر کے قول کی تصدیق کر دے یا اس مجلس میں موجود نہ ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اس کے لئے بیک وقت چار دوسری عورتوں سے یا سابقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا بلکہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اگر بیوی شوہر کو جھٹلا دے تو بھی شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

کسی شخص کی بیوی مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے تو شوہر کے لئے اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح

کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کے مرجانے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر وہ مرتدہ عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے لوٹے اور اس کا شوہر اس کی بہن سے نکاح کر چکا ہو تو اس کی بہن کا نکاح فاسد نہیں ہوگا اور اگر وہ بہن کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے لوٹے تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو اس صورت میں بھی وہ شخص اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس صورت میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔

ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے جو ایک دوسرے کی پھوپھی یا ایک دوسرے کی خالہ ہوں اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید نے عمرو کی ماں سے اور عمرو نے زید کی ماں سے نکاح کیا اور ان دونوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں ہر ایک لڑکی دوسری لڑکی کی پھوپھی ہوگی یا یہ کہ مثلاً زید نے عمرو کی لڑکی سے اور عمرو نے زید کی لڑکی سے نکاح کیا اور ان کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں سے ہر ایک لڑکی کی خالہ ہوگی اور ان دونوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے ایسی دو عورتوں سے نکاح کر لیا جن میں سے ایک تو اس شخص کے لئے حرام تھی خواہ اس کی محرم ہونے کی وجہ سے یا شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اور یا بت پرست ہونے کی وجہ سے اور دوسری عورت ایسی تھی جس سے اس شخص کو نکاح کرنا جائز تھا تو ایسی صورت میں اس کا اس عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہوگا جو اس کے لئے حلال تھی اور اس عورت کے ساتھ نکاح باطل ہوگا جو اس کے لئے حرام تھی اور مقرر کردہ کل مہر اسی عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہوا ہے۔

یہ حکم امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہے اور اگر اس شخص نے نکاح کے بعد اس عورت سے جماع کر لیا جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے حلال نہیں تھا تو اس کو مہر مثل ملے گا خواہ وہ کسی مقدار میں ہو اور مقرر کردہ کل مہر اس عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال تھا۔

پانچواں سبب مملوکہ ہونا:

یعنی وہ باندیاں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جب کہ پہلے سے آزاد عورت نکاح میں ہو اسی طرح آزاد عورت سے اور باندی سے ایک ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ مدبر یعنی وہ لونڈی جس سے اس کا آقا کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہو جائے گی) اور ام ولد (یعنی وہ باندی جس کے پیٹ سے اس کے آقا کا بچہ پیدا ہو) اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک عقد میں ایک آزاد عورت اور ایک باندی سے نکاح کیا تو آزاد عورت کا نکاح صحیح ہوگا اور باندی کا نکاح باطل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ آزاد عورت ایسی ہو جس سے نکاح کرنا اس کے لئے جائز تھا اگر وہ آزاد عورت ایسی ہو جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے جائز نہیں تھا جیسے وہ اس کی پھوپھی یا خالہ تھی تو پھر باندی کا نکاح باطل نہیں ہوگا اور اگر کسی شخص نے پہلے باندی سے نکاح کیا اور پھر آزاد عورت سے نکاح کیا تو دونوں کا نکاح صحیح ہوگا۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو ایک آزاد عورت ہے طلاق بائن یا تین طلاق دیدیں اور وہ ابھی تک اپنی عدت کے دن گزار رہی تھی کہ اس شخص نے ایک باندی سے نکاح کر لیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول تو یہ ہے کہ باندی کا نکاح جائز نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف و امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ جائز ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی باندی سے نکاح کرے تو اس کے بارے میں متفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس کا نکاح جائز نہیں

ہوگا۔ اگر کسی شخص نے ایک باندی اور ایک ایسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا جو نکاح فاسد یا جماع شبہ کی عدت کے دن گزار رہی تھی تو باندی کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ باندی کی طلاق رجعی کی عدت کے دوران کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور پھر اپنی اس منکوحہ باندی سے رجوع کرلیا (یعنی اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر پھر اسے بیوی بنالیا) تو یہ جائز ہوگا۔ کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک آزاد عورت سے نکاح کیا اور اس سے جماع بھی کرلیا اور پھر آقا کی اجازت کے بغیر کسی باندی سے بھی نکاح کرلیا اور اس کے بعد اس کے آقا نے اس کو دونوں سے نکاح کی اجازت دیدی تو اس صورت میں آزاد عورت کا نکاح صحیح اور باندی کا باطل ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا لیکن اس کے ساتھ جماع نہیں کیا اور پھر کسی آزاد عورت سے بھی نکاح کرلیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے نکاح کی اجازت دیدی تو اس صورت میں بھی باندی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا اور اگر کسی شخص نے ایک باندی سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اور پھر اس باندی کی لڑکی سے جو آزاد تھی نکاح کرلیا اور اس کے بعد باندی کے مالک نے باندی کے نکاح کی اجازت دیدی تو لڑکی کا نکاح صحیح ہوگا باندی کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ایک شخص مثلاً زید کے ایک بالغہ لڑکی اور ایک بالغہ باندی ہے زید نے کسی شخص سے کہا کہ میں نے دونوں کا نکاح اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ کردیا اس شخص نے باندی کا نکاح قبول کرلیا تو یہ نکاح باطل ہوگا اور اگر اس کے بعد اس شخص نے آزاد لڑکی کا نکاح قبول کرلیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود کسی باندی سے نکاح کرلے اور وہ باندی خواہ مسلمان ہو یا اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی) تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے استطاعت وقدرت رکھنے کے باوجود باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں سے نکاح کیا تو صرف باندیوں کا نکاح صحیح ہوگا۔ چھٹا سبب تعلق حق غیر: یعنی ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جن کے ساتھ کسی دوسرے مرد کا حق متعلق ہو۔ چنانچہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو، یا کسی کی عدت میں ہو اور عدت خواہ طلاق کی ہو یا موت کی یا نکاح فاسد کی کہ جس میں جماع ہو گیا تھا اور یا شبہ نکاح کی تو ایسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی شخص نے انجانے میں دوسرے کی منکوحہ عورت سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ جماع بھی کرلیا تو اب جب کہ ان میں جدائی ہوگی تو عورت پر عدت واجب ہوگی اور اگر وہ شخص جانتا تھا کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے تو جدائی کے بعد اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی اور اس کے خاوند کے لئے اس سے جماع کرنا ناجائز نہیں ہوگا اور اگر اس کا خاوند اسے طلاق دیدے تو صاحب عدت کے لئے زمانہ عدت میں اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ عدت کے علاوہ اور کوئی مانع موجود نہ ہو۔ جس عورت کو زنا کا حمل ہو اس سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن جب تک ولادت نہ ہو جائے خاوند کو اس سے جماع کرنا ناجائز ہے اور اسباب جماع یعنی بوسہ اور مساس وغیرہ بھی ناجائز ہیں اور اگر اس حاملہ زنا سے وہ شخص نکاح کرے جس نے اس کے ساتھ زنا کیا تھا تو اس کا نکاح بھی صحیح ہوگا اور وہ وضع حمل سے قبل جماع بھی کرسکتا ہے اور وہ عورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا کچھ عرصہ بعد میں عورت کا حمل ساقط ہو گیا جس کے اعضاء ظاہر ہو چکے تھے اب اگر یہ اسقاط حمل نکاح سے چار ماہ یا اسے زائد عرصہ بعد ہوا ہے تو نکاح جائز ہوگا اور اگر چار مہینہ سے کم عرصہ میں یہ اسقاط ہوا ہے تو نکاح جائز نہیں ہوگا اس

لئے کہ حمل کے اعضاء چار مہینہ سے کم میں ظاہر نہیں ہوتے (حاصل یہ کہ اگر اسقاط نکاح سے چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ حمل اسی شخص کا ہے جس نے نکاح کیا ہے اور اگر چار ماہ سے کم عرصہ میں اسقاط ہوا ہے اور حمل کے اعضاء ظاہر ہیں تو پھر یہ احتمال ہوگا کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی اور اس کا یہ حمل ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوتا اور ایسی حاملہ عورت جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کا حمل فلاں شخص کے جائز نطفہ سے ہے تو متفقہ طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور امام ابو یوسف نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت ہو جو حربی کافر سے حاملہ ہوئی ہو اور وہ ہجرت کر کے یا باندی بنا کر دارالاسلام میں لائی گئی ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ لیکن جب تک اس کے ہاں ولادت نہ ہو جائے اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ امام طحاوی نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے لیکن حضرت امام محمد نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اس صورت میں نکاح جائز نہیں ہوتا اسی پر امام کرخی نے اعتماد کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی ام ولد باندی کا نکاح کسی کے ساتھ کر دیا درآنحالیکہ وہ اپنے آقا سے حاملہ تھی تو یہ نکاح باطل ہوگا ہاں اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر نکاح صحیح ہوگا۔ ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کیا اور اس کے بعد کسی سے اس کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہو جائے گا لیکن آقا کے لئے یہ مستحب ہوگا کہ وہ اپنے نطفہ کی حفاظت کی خاطر اس باندی سے استبراء کرائے (یعنی ایک حیض آنے کے بعد اس کو خاوند سے جماع کرانے دے اور جب یہ نکاح جائز ہو گیا تو خاوند کے لئے استبراء کا انتظار کئے بغیر) اس سے جماع کرنا بھی جائز ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا قول ہے اور حضرت امام محمد کا یہ قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس کے استبراء کے بغیر اس سے جماع کرلے۔ فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام محمد کا قول مبنی براحتیاط ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں ائمہ کا یہ اختلاف قول اس صورت میں ہے کہ جب آقا نے باندی کا نکاح استبراء کرائے بغیر کر دیا ہو اور اگر نکاح سے پہلے استبراء ہو چکا تھا یعنی آقا سے مجامعت کے بعد باندی کو ایک حیض آ گیا تھا تو اس صورت میں سب کا متفقہ قول یہی ہے کہ خاوند کو استبراء کے بغیر اس سے جماع کرنا جائز ہوگا۔ کسی شخص نے ایک عورت کو زنا کراتے دیکھا اور پھر بعد میں خود اس سے نکاح کرلیا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اس استبراء سے پہلے بھی اس سے جماع کرنا جائز ہوگا لیکن حضرت امام محمد کا اس صورت میں بھی یہی قول ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا خاوند اس سے استبراء کے بغیر جماع کرلے۔ اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کی باندی سے نکاح کرلے تو حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔ اگر کسی عورت کو قید کر کے دارالحرب سے دارالاسلام لایا گیا اور اس کا شوہر ساتھ نہیں ہے تو اس پر عدت واجب نہ ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آجائے تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اس پر بھی عدت واجب نہیں ہوگی اور اس سے کوئی بھی شخص نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر عدت واجب ہوگی۔ جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے) اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا لیکن اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے جماع کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک کہ ایک حیض آجانے کی وجہ سے استبراء نہ ہو جائے۔ ساتواں سبب اختلاف

مذہب: یعنی وہ عورتیں جن کے مشترک ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح کرنا حرام ہے چنانچہ آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں خواہ وہ آزاد ہوں یا باندی اور بت پرستوں کے حکم میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو سورج اور ستاروں کی پرستش کرتی ہیں یا اپنی پسندیدہ تصویروں کی پوجا کرتی ہیں یا یونانی حکماء کے نظریہ کے مطابق اللہ کے بے کار معطل ہونے کا عقیدہ رکھتی ہیں یا زندقہ (یعنی دہریت) میں مبتلا ہیں یا فرقہ باطنیہ اور فرقہ اباحیہ سے تعلق رکھتی ہیں فرقہ باطنیہ سے وہ فرقہ مراد ہے جو قرآن کے باطنی معنی کا عقیدہ رکھتا ہے اور فرقہ اباحیہ سے مراد وہ فرقہ ہے جس کے ہاں دنیا کا ہر کام خواہ وہ اچھا ہو یا برا کرنا جائز ہے) اسی طرح ہر اس مذہب کو ماننے والی عورت بھی اسی حکم میں داخل ہے جس کو اختیار کرنا کفر کا باعث ہو اسی طرح اپنی اس باندی سے جو آتش پرست مشرکہ ہو جماع کرنا بھی ناجائز ہے۔ مسلمان کو کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت سے جو دار الحرب میں رہتی ہو اور ذمیہ کافرہ یعنی مسلمانوں کے ملک میں خراج دے کر رہنے والی) عورت سے شادی کرنا جائز ہے خواہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو لیکن اولیٰ یہی ہے کہ ان سے بھی شادی نہ کی جائے اور نہ ان کا ذبح کیا ہوا جانور بغیر ضرورت کے کھایا جائے۔ اگر کسی مسلمان نے کسی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کر لی تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے عبادت خانہ (یعنی گرجا گھر وغیرہ (نہ جانے دے اور نہ اسے اپنے گھر میں شراب بنانے دے لیکن مسلمان شوہر کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنی عیسائی یا یہودی بیوی کو حیض ونفاس کے منقطع ہونے اور جنابت لاحق ہونے پر غسل کے لئے مجبور کرے۔ اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں کتابیہ حربیہ سے نکاح کر لیا تو اس کا نکاح جائز ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا اور پھر اس نکاح کے بعد دونوں میاں بیوی دار الاسلام آجائیں تو دار الحرب میں کیا ہوا نکاح باقی رہے گا۔ ہاں اگر یہ صورت ہو کہ شوہر دار الاسلام آجائے اور بیوی کو وہیں چھوڑ آئے تو تباین دارین (ملک بدل جانے) کی وجہ سے دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔ جو لوگ کسی آسمانی مذہب کے پیروکار ہوں اور ان کے فرقہ کے لے آسمانی کتاب بھی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور وغیرہ تو وہ لوگ اہل کتاب میں شمار ہوں گے اور ان کی عورتوں سے مسلمانوں کی شادی بھی جائز ہے اور ان کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا بھی حلال ہوگا۔ اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک تو کتابی یعنی یہودی یا عیسائی ہو اور دوسرا آتش پرست ہو تو وہ شخص اہل کتاب میں شمار کیا جائے گا۔ ایک مسلمان نے کسی کتابیہ عورت سے شادی کی اور پھر وہ عورت اپنا مذہب تبدیل کر کے) آتش پرست ہو گئی تو وہ اپنے مسلمان شوہر کے لئے حرام ہو جائے گی اور دونوں کی شادی کالعدم قرار پائیگی اور اگر یہودی عورت سے شادی کی اور پھر وہ عیسائی ہو گئی یا عیسائی عورت سے شادی کی اور شادی کے بعد وہ یہودی ہو گئی تو اس صورت میں نکاح باقی رہے گا۔ اس بارے میں اصول وضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ تبدیل مذہب کے وقت یہ دیکھا جائے گا کہ خاوند بیوی میں سے جس نے بھی اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب قبول کیا ہے وہ کوئی ایسا مذہب تو نہیں ہے کہ اگر وہ دونوں از سر نو شادی کریں تو اس مذہب کی وجہ سے ان کی شادی جائز نہ ہو سکے (مثلاً آتش پرستی ایسا مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی آتش پرست عورت سے شادی کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا) چنانچہ اگر وہ مذہب ایسا ہوگا جس کے پیروکار اور مسلمان کے درمیان شادی بیاہ سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا تو خاوند و بیوی میں سے جو بھی اپنا مذہب چھوڑ کر اس مذہب کو قبول کرے گا شادی کالعدم ہو جائے گی۔ اب رہی یہ بات کہ اگر مسلمان خاوند اور یہودی یا عیسائی بیوی

میں سے کوئی بھی مجوسیت (یعنی آتش پرستی) اختیار کرلے اور اس کی وجہ سے ان دونوں کی شادی فاسد ہو جائے تو اس کے بعد کیا حکم ہوگا؟ تو اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر شادی کے فاسد ہونے کا سبب عورت بنی ہے یعنی بیوی نے مجوسیت اختیار کرلی ہے تو دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی اور اسے نہ مہر ملے گا اور نہ متعہ بشرطیکہ اس نے جماع سے پہلے اپنا مذہب تبدیل کیا ہو اور اگر اس نے اس وقت مجوسیت کو اختیار کیا جب کہ اس کا شوہر اس سے جماع کر چکا تھا تو پھر اس کو پورا مہر دیا جائے گا اور اگر شادی کے فاسد ہونے کا سبب مرد بنا ہے یعنی خاوند نے اپنا مذہب چھوڑ کر مجوسیت کو اختیار کرلیا ہے اور خاوند و بیوی میں جدائی ہوگئی ہے تو اسے عورت کو مقررہ مہر کا آدھا دینا ہوگا بشرطیکہ یہ صورت حال جماع سے پہلے ہی واقع ہو چکی ہو اور اگر مہر مقرر نہیں تھا تو متعہ ایک جوڑا کپڑا دینا ہوگا اور اگر جماع کے بعد ایسا ہوا تو پھر اس عورت کو پورا مہر دینا واجب ہوگا۔ جو مسلمان مرتد ہو گیا ہو اس کا نکاح نہ تو کسی مرتدہ سے جائز ہوتا ہے نہ کسی کافرہ سے اور نہ کسی مسلمان عورت سے، اسی طرح جو مسلمان عورت مرتدہ ہو جائے اس کا نکاح بھی کسی کے ساتھ جائز نہیں ہوتا۔ کسی مسلمان عورت کی شادی نہ تو مشرک سے جائز ہوتی ہے اور نہ کتابی یعنی یہودی یا عیسائی سے۔ بت پرست و آتش پرست عورت کی شادی ہر مشرک و کافر سے صحیح ہو جاتی ہے مگر مرتد کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی۔ ذمی کافروں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے مذاہب مختلف ہوں۔ مسلمان کے لئے اپنی مسلمان بیوی کی موجودگی میں کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت) سے اور اپنی کتابیہ بیوی کی موجودگی میں مسلمان عورت سے عقد ثانی جائز ہے اور نوبت یعنی شب گزاری کے لئے باری مقرر کرنے کے سلسلے میں دونوں کے حقوق برابر ہوں گے۔ آٹھواں سبب مالک ہونا: یعنی وہ عورتیں جو مالک ہونے کے سبب سے اپنے مملوک غلام کے لئے حرام ہیں۔ چنانچہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام سے نکاح کرے اسی طرح اس کو اس غلام کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے جو اس کے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو۔ اگر نکاح کے بعد خاوند بیوی میں کوئی بھی ایک دوسرے کے کل یا جزء کا مالک ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ اگر کسی مرد نے اپنی لونڈی سے نکاح کرلیا یا اس لونڈی سے نکاح کیا جس کا وہ جزدی مالک ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن اس بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارے زمانہ میں لونڈی غلاموں کی خرید و فروخت کا بالکل رواج نہیں رہا اور نہ آج کے دور میں وہ شرائط و قیود پائی جاتی ہیں جن کی موجودگی میں لونڈی سے جماع جائز ہوتا ہے اسی لئے بعض علماء لکھتے ہیں کہ اگر کہیں لونڈی رکھنے کا کوئی رواج ہو تو اس سے جماع نہ کرنا چاہئے بلکہ) اس لونڈی سے نکاح کرلینا چاہئے تاکہ اگر واقعۃً لونڈی نہ ہو بلکہ آزاد عورت ہو تو نکاح کی وجہ سے اس سے جماع کرنا جائز ہو جائے اگر کسی آزاد مرد نے اپنی بیوی کو جو کسی کی باندی ہو شرط خیار کے ساتھ خرید لیا تو اس صورت میں اس کا نکاح باطل نہیں ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے۔ نواں سبب طلاق: یعنی وہ عورتیں جو طلاق سے حرام ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جو آزاد عورت ہو تین طلاق دیدیں تو اس کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا ہاں اگر وہ عورت اپنی عدت پوری کر کے) دوسرے کسی مرد سے نکاح کرلے اور دونوں میں مجامعت ہو جائے اور پھر وہ مرد اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص نے کسی باندی سے نکاح کیا اور پھر اسے دو طلاقیں دیدیں تو اس کے بعد اس سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور جس طرح اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کو باندی بنا

کہ اس سے جماع کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ایک شخص نے کسی کی باندی سے نکاح کیا اور پھر طلاق دیدیں اس کے بعد اس کو خرید کر آزاد کر دیا اب اگر وہ اس سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس صورت میں جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس کے ساتھ جماع کرے اور پھر اس کو طلاق دیدے اور جب عدت کے دن پورے ہو جائیں تو وہ شخص یعنی پہلا شوہر اس سے نکاح کر لے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

بَابٌ فِي نِكَاحِ الْمُتْعَةِ

باب: نکاح متعہ (کا حکم)

2072 حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، فَتَذَاكَرْنَا مُتْعَةَ النِّسَاءِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يُقَالُ لَهُ رَبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي أَنَّهُ حَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ

❁❁ ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں: ہم عمر بن عبدالعزیز کے پاس موجود تھے، ہم متعہ کے بارے میں بات کر رہے تھے، کہ ایک صاحب جن کا نام ربیع بن سبرہ تھا، انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا: میں اپنے والد کے بارے میں گواہی دے کر یہ بات بیان کرتا ہوں: انہوں نے یہ بات بیان کی ہے:

''نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس سے منع کر دیا تھا''

2073 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ مُتْعَةَ النِّسَاءِ

❁❁ ربیع بن سبرہ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ نے متعہ کو حرام قرار دیا ہے''

نکاح متعہ کے حرام ہونے کا بیان

علماء کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر جنگ خیبر کے موقع پر متعہ حرام کر دیا گیا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لیے متعہ حلال کر دیا گیا اور اس کے بعد اس کو دائما حرام قرار دیا گیا۔

متعہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرام قرار نہیں دیا اور نہ ہی آپ کا یہ منصب تھا بلکہ آپ نے متعہ کی حرمت کو واضح کیا

2072-اسناده صحيح. عبد الوارث: هو ابن سعيد. والزهري: هو محمد بن مسلم ابن شهاب. واخرجه بنحوه مسلم (1406) من طرق عن الزهري، بهذا الاسناد. وجاء في رواية عند مسلم ان النهي عن المتعة كان يوم الفتح. ولم يرد في بقية الروايات زمن ذلك. واخرجه بنحوه ايضا مسلم (1406)، وابن ماجه (1962)، والنسائي في "الكبرى" (5516-5520) و (5525)

2073-اسناده صحيح. عبد الرزاق: هو الصنعاني، ومعمر: هو ابن راشد. واخرجه بنحوه مسلم (1406)، والنسائي في "الكبرى" (5521) من طريقين عن معمر، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (15344).

تھا۔ کسی بھی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وطن میں متعہ کی اجازت دی گئی ہو۔ بلکہ جنگ کے ایام میں سخت گرمی کی وجہ سے اس کو حلال کیا گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بغیر بیویوں کے ان سخت گرم علاقوں میں رہنا مشکل تھا۔ اس لیے مباح قرار دیا گیا تھا لیکن اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر قیامت تک کے لیے حرام قرار دیا گیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہم ثنیۃ الوداع پر اترے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغوں کو دیکھا اور عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے متعہ کیا گیا تھا اور وہ رو رہی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نکاح، طلاق، عدت، اور میراث نے متعہ کو حرام کر دیا ہے۔ (مسند ابویعلی، رقم الحدیث:6594)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر:4216 صحیح مسلم، حدیث نمبر:1407)

قرآن و حدیث میں نکاح متعہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ متعہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دے دیا۔ لہٰذا اب اگر کوئی یہ کہے کہ متعہ حلال و جائز ہے یہ کلام اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تَعۡدِلُواْ فَوَٰحِدَةً أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡ (النساء،4:03)

جو عورتیں تم کو پسند ہیں ان سے نکاح کرو دو دو سے تین تین سے اور چار چار سے اور اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ ان کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے تو صرف ایک نکاح کرو یا اپنی کنیزوں پر اکتفا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قضاء شہوت کی صرف دو جائز صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک سے چار بیویوں تک نکاح کر سکتے ہیں یا پھر اپنی باندیوں سے نفسانی خواہش پوری کر سکتے ہیں اور بس۔ اگر متعہ بھی قضاء شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان دو صورتوں کے ساتھ ذکر فرماتا۔ اس جگہ متعہ کا بیان نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جائز نہیں۔ اوائل اسلام سے لے کر فتح مکہ تک متعہ کی جو شکل معمول اور مباح تھی اس آیت کے ذریعے اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ متعہ میں صرف عیاشی ہے اس میں نہ تو مرد پر عورت کے لیے نان و نفقہ ہوتا ہے اور نہ طلاق نہ عدت اور نہ وہ مرد کی وارث بنے گی، یہ محض صرف عیاشی ہے اور عورت کی حفاظت و عزت صرف نکاح میں ہے۔

نکاح متعہ کے باطل ہونے کا بیان

نکاح متعہ باطل ہے اور جب کسی عورت سے اس طرح کا نکاح یعنی متعہ جائز نہیں ہوگا تو نہ اس سے جماع کرنا حلال ہوگا اور نہ اس پر طلاق واقع ہوگی اور نہ اس پر ایلاء اور ظہار کے احکام نافذ ہوں گے اسی طرح ان کے درمیان وارثت کا کوئی سلسلہ بھی قائم نہیں ہوگا۔ نکاح متعہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی مرد کسی ایسی عورت سے جو موانع (یعنی کسی دوسرے کی زوجیت یا عدت وغیرہ) سے خالی ہو یہ کہے کہ میں مال کی اتنی مقدار مثلا ایک ہزار روپیہ کے عوض اتنی مدت مثلا دس روز کے لئے تمتع یعنی فائدہ اٹھاؤں گا یا یوں

کہے کہ تم اتنے روپے کے عوض دس روز یا چند روز تک اپنے نفس سے مجھے متمتع یعنی بہرہ مند کرو اور جس طرح نکاح متعہ ناجائز ہے اسی طرح نکاح موقت بھی ناجائز ہے اور نکاح موقت میں مدت قلیل ہو یا کثیر متعین ہو یا غیر متعین بہر صورت نکاح ناجائز ہوگا، ہاں اگر دونوں کسی ایسی مدت کا تعین کریں جو اتنی طویل ہو کہ اتنی مدت تک دونوں کا زندہ رہنا ناممکن ہو مثلاً یہ کہیں کہ ہم نے ایک ہزار سال کے لئے نکاح کیا تو اس صورت میں نکاح موقت کا حکم جاری نہیں ہوگا بلکہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور وقت کی شرط باطل ہو جائے گی۔ جیسا کہ نکاح کا وقت وقوع قیامت یا خروج دجال یا نزول عیسیٰ تک کی مدت بیان کرنے کی صورت میں نکاح کرنیوالے کا یہ خیال تھا کہ اس کو ایک سال تک اپنے پاس رکھوں گا پھر چھوڑ دوں گا تو اس صورت میں بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دیدوں گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نکاح کے وقت عورت سے یہ شرط کی کہ میں دن میں تمہارے ساتھ رہا کروں گا رات میں نہیں تو یہ نکاح بھی صحیح ہو جائے گا۔ اگر مرد و عورت دونوں احرام باندھے ہوئے ہوں تو ان کے لئے احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اگر کوئی ولی احرام باندھے ہوئے ہو تو احرام کی حالت میں اس عورت کا نکاح کر سکتا ہے جس کا وہ ولی ہے۔

ایک عورت نے (قاضی کی عدالت میں) کسی مرد مثلاً زید کے بارے میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اور ثبوت کے طور پر اس نے دو گواہ بھی پیش کر دیئے، قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ زید اس عورت کا شوہر ہے حالانکہ واقعۃً زید نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا تو اس عورت کے لئے جائز ہوگا کہ وہ زید کے ساتھ رہنے لگے اور زید کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اگر وہ عورت اس سے جماع کی خواہش ظاہر کرے تو اس سے جماع کرے۔

یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے لیکن ان کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے اور حضرت امام محمد کے قول کے مطابق ہے امام محمد کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مرد کے لئے اس عورت سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مسئلہ مذکورہ میں قاضی کا فیصلہ عقد نکاح کے حکم میں ہوگا (یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ گویا قاضی نے اس وقت نکاح کر دیا اس لئے عورت کو مرد کے ساتھ رہنے اور امام اعظم کے قول کے مطابق اس کی خواہش پر زید کو اس سے جماع کرنے کی بھی اجازت ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت عورت میں نکاح کی صلاحیت ہو (یعنی ایسا کوئی مانع موجود نہ ہو جو اس کو زید کی بیوی بننے سے روک دے) چنانچہ اگر یہ صورت ہو کہ قاضی کے فیصلہ کے وقت وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو یا پہلے شوہر کے طلاق دیدینے کی وجہ سے عدت کے دن گزار رہی ہو یا اس مرد یعنی زید نے اس کو تین طلاق دے رکھی ہوں تو پھر قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور یہ عورت زید کی بیوی نہیں بنے گی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

اسی طرح اکثر علماء کے نزدیک قاضی کے فیصلہ کے نفاذ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس فیصلہ کے وقت گواہ بھی موجود ہوں اور اگر خود زید کسی عورت کے بارے میں دعویٰ کرے کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرے تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اسی طرح اگر کوئی عورت قاضی کی عدالت میں یہ دعویٰ کرے کہ میرے شوہر زید نے مجھے طلاق دیدی تھی اور اس نے جھوٹے گواہ بھی پیش کئے تو قاضی طلاق کا فیصلہ صادر کر دے گا باوجودیکہ وہ عورت جانتی ہے کہ میں نے

جھوٹ بولا ہے لہٰذا قاضی کا یہ فیصلہ طلاق کے حکم میں ہوگا اور اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اس کے بعد وہ عورت عدت کے دن گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور گواہ کے لئے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا نیز وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، نیز وہ عورت اپنے پہلے خاوند یعنی زید کے لئے حرام ہو جائے گی لیکن حضرت امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ عورت نہ تو پہلے شوہر زید کے لئے حلال ہوگی یعنی اس سے نکاح نہیں کر سکتی اور نہ اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، حضرت امام محمد کا یہ قول ہے کہ جب تک دوسرا مرد جس سے اس نے نکاح کر لیا ہو) اس سے جماع نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال رہے گی۔

اگر دوسرا مرد اس سے جماع کر لے گا تو پھر جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے عدت واجب ہونے کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے حرام رہے گی، گویا امام محمد کے نزدیک دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا۔ ایک شخص مثلاً زید نے کسی عورت مثلاً خالدہ کے بارے میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا تھا لیکن خالدہ نے اس سے انکار کیا اس کے بعد زید نے خالدہ سے صلح کرنی چاہی اور اس سے کہا کہ اگر تم اقرار کر لو تو میں تمہیں ایک سو روپے دوں گا۔ خالدہ نے اقرار کر لیا تو اب زید پر یہ مال یعنی خالدہ کو ایک سو روپیہ دینا واجب ہوگا۔

اور خالدہ کا یہ اقرار عقد نکاح سمجھا جائے گا چنانچہ خالدہ نے یہ اقرار اگر گواہوں کے سامنے کیا ہوگا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا عند اللہ بھی صحیح سمجھا جائے گا (یعنی اس صورت میں وہ دونوں نہ صرف دنیاوی اور قانونی طور پر میاں بیوی سمجھے جائیں گے بلکہ اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا) ہاں اگر خالدہ کے اقرار کے وقت گواہ موجود نہ ہوں گے تو نہ نکاح منعقد ہوگا اور نہ خالدہ کے لئے زید کے ساتھ رہنا جائز ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ بتصرف، کتاب نکاح، بیروت)

نکاح متعہ کی حرمت کے دلائل کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے گھروں میں رہنے والے گدھوں سے مراد وہ گدھے ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں اور بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں جنگلی گدھا کہ جس کو گورخر کہتے ہیں حلال ہے اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 363)

کسی متعینہ مدت کے لیے ایک متعینہ رقم کے عوض نکاح کرنے کو متعہ کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ فلاں مدت مثلاً دو سال تک اتنے روپے مثلاً ایک ہزار روپے) کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا نکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ اسلام کے ابتداء زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیدیا گیا۔

علماء لکھتے ہیں کہ متعہ کے سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ تو حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا، چنانچہ پہلی مرتبہ تو جنگ خیبر سے پہلے کسی جہاد میں جب صحابہ تجرد کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعہ کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جنگ خیبر کے دن

جو ے ھ کا واقعہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے متعہ کو حرام قرار دیا چنانچہ جواز متعہ کا فسخ ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت ابن عمر نے اپنی روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس طرح حالت اضطرار میں بھوکے کو مردار کھانے کی اجازت ہے اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس شخص کے لئے جو بسبب تجرد جنسی ہیجان کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو یہ اجازت تھی کہ وہ متعہ کرلے مگر جب بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام قرار دیا گیا تو) پھر صحابہ نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متعہ کے طور پر جو بھی نکاح ہوا اسے باطل قرار دیا جائے۔

اس لئے ہر دور میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع واتفاق رہا ہے کہ متعہ حرام ہے کیا صحابہ کیا فقہاء اور کیا محدثین سبھی کے نزدیک اس کا حرام ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے صحابہ میں صرف ابن عباس پہلے اضطرار کی حالت میں متعہ کو مباح سمجھتے تھے مگر جب حضرت علی المرتضیٰ نے ان کو سخت تہدید کی اور متعہ کی قطعی وابدی حرمت سے ان کو واقف کیا تو حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کا اپنے اباحت کے قول سے رجوع کرنا حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ہدایہ فقہ حنفی کی ایک مشہور ترین اور اونچے درجہ کی کتاب ہے، اس کے مصنف اپنے علم وفضل اور فقہی بصیرت ونکتہ رسی کے اعتبار سے فقہاء کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ حیثیت کے حامل ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ متعہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام مالک کی طرف قول جواز کی جو نسبت کی ہے وہ ان کی سخت علمی چوک ہے نہ معلوم انہوں نے یہ بات کہاں سے لکھ دی کہ امام مالک متعہ کے جائز ہونے کے قائل تھے۔ امام مالک بھی متعہ کو اسی طرح حرام کہتے ہیں جس طرح تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابن ہمام نے ہدایہ میں مذکورہ امام مالک کی طرف قول جواز کی نسبت کو غلط کہا ہے بلکہ ہدایہ کے بعد فقہ کی جتنی بڑی کتابیں تالیف ہوئیں تقریباً سب ہی میں ہدایہ کی اس غلطی کو بیان کرنا لازم سمجھا گیا ہے۔

حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 308)

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ متعہ حرام ہے، لیکن نہ معلوم شیعہ کیوں اب بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ شیعوں کی کتابوں میں تو انہی کی صحیح احادیث میں ائمہ سے متعہ کی حرمت منقول ہے مگر شیعوں کا عمل یہ ہے کہ وہ نہ صرف متعہ کے حلال ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں اور پھر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ متعہ کو دراصل حضرت عمر نے حرام کیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے حضرت عمر کو حرام کرنے کا کیا اختیار تھا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے جس طرح دوسرے اسلامی احکام کی تبلیغ میں بڑی شدت کے ساتھ حصہ لیا ہے اسی طرح انہوں نے متعہ کی حرمت کے اعلان میں بھی بڑی شد ومد کے ساتھ کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا آخری اعلان یہ تھا کہ اگر میں نے سنا کہ کسی نے متعہ کیا ہے تو میں اس کو زنا کی سزا دوں گا ان کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس وقت کی متعہ کی

حرمت سے ناواقف تھے وہ بھی واقف ہو گئے لہذا حضرت عمر نے تو صرف اتنا کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تبلیغ کردی اب اگر شیعہ یہ کہیں کہ متعہ کو حضرت عمر نے حرام کیا ہے تو اس کی ایک مضحکہ خیز الزام سے زیادہ کوئی اور اہمیت نہیں ہوگی۔

حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس کے تین یوم کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس سے ہمیشہ کے لئے منع کر دیا۔ (مسلم مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 364)

اوطاس ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب طائف جانیوالے راستہ میں واقع ہے اور جس کے گردو پیش قبیلہ ہوازن کی شاخیں آباد تھیں اس کو وادی حنین بھی کہتے ہیں جب رمضان المبارک ۸ ھ میں مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی طاقت نے گویا پورے عرب کے باطل عناصر کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیا تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کو بڑی غیرت آئی اور انہوں نے پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ایک مرتبہ اسلام کے مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ شوال ۸ ھ میں ان قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ اوطاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں وہ جنگ ہوئی جسے غزوہ حنین کہا جاتا ہے اور غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن کے نام سے بھی اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو سر بلند کیا اور اسلامی لشکر کو فتح عطاء فرمائی اس غزوہ میں غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو بہت زیادہ مال واسباب ہاتھ لگا چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی مالیت کی چاندی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مال غنیمت وہیں اوطاس میں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

بہر حال متعہ کی تحلیل وتحریم دوسری مرتبہ اسی جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے اور یہ جنگ چونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد ہوئی ہے اس لئے اس موقع پر متعہ کی ہونیوالی تحلیل وتحریم کی نسبت کو فتح مکہ کے دن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ متعہ کی تحلیل وتحریم دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ہوئی ہے تو وہاں فتح مکہ کے دن سے مراد فتح مکہ کے سال ہے، لہذا اب بات یوں ہوگی کہ دوسری مرتبہ متعہ کی تحلیل وتحریم فتح مکہ کے سال یعنی ۸ ھ میں جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے۔

جواز متعہ کی تنسیخ کا بیان

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں یعنی بیویاں اور لونڈیاں نہیں تھیں چنانچہ جب عورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم جنسی ہیجان سے پریشان ہوئے تو (ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تاکہ جنسی ہیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے تو منع فرما دیا البتہ ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ کپڑے کے معاوضہ پر ایک معینہ مدت کے لئے عورت سے نکاح (متعہ) کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (5۔ المائدہ:87) (اے ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ سمجھو)۔ (بخاری ومسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 370)

یہ حدیث متعہ کی اجازت پر دلالت کرتی ہے چنانچہ ابتداء اسلام میں متعہ کی اجازت تھی مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور

اب متعہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آگے آنیوالی حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور پہلے بھی وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے متعہ کی اجازت کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعود کا مذکورہ بالا آیت پڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابن مسعود بھی حضرت ابن عباس کی طرح متعہ کی مباح ہونے کے قائل تھے، لیکن حضرت ابن عباس کے بارے میں تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کرلیا تھا اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ آگے آنیوالی حدیث سے معلوم ہوگا اب رہی حضرت ابن مسعود کی بات تو ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے بعد اس سے رجوع کرلیا ہو اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں جواز متعہ کے منسوخ ہونے کا صریح حکم معلوم ہی نہ ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ آخر تک جواز متعہ کے قائل رہے ہوں۔

اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ متعہ کا جواز صرف ابتداء اسلام میں تھا اور اس وقت متعہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ) جب کوئی مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں لوگوں سے اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام وطعام کا بندوبست کرتا تو وہاں کسی عورت سے اتنی مدت کے لیے نکاح کر لیتا جتنی مدت اس کو ٹھہرنا ہوتا چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی دیکھ بھال کرتی اور اس کا کھانا پکاتی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم) (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان دونوں یعنی بیوی اور لونڈی کی شرمگاہ کے علاوہ ہر شرمگاہ حرام ہے۔ (ترمذی)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر قناعت نہیں کرتے یا جو لوگ نکاح کے ذریعہ اپنی شرعی طور پر اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان نہیں کرتے بلکہ غیر عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ در اصل حلال سے گزر کر حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جن کے لیے سخت ملامت ہے۔

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے حضرت ابن عباس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ پرہیزگار بندوں کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ عورتوں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے جنسی جذبات کو تسکین پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ متعہ کی صورت میں جو اس عورت پر تسلط حاصل ہوتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ مملوکہ لونڈی ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بیوی ہوتی تو اس کے اور اس کے مرد کے درمیان میراث کا سلسلہ ضرور ہوتا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ متعہ کی عورت کے ساتھ میراث کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا چونکہ وہ عورت محض چند روز یعنی ایک متعین مدت کے لیے اجرت پر اپنے نفس کو اس مرد کے حوالہ کرتی ہے۔ اس لئے وہ مملوکہ بھی نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص متعہ کے طور پر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں نہیں ہے جن کی توصیف مذکورہ آیت بیان کر رہی ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں بنتی اور

جب وہ بیوی نہیں بنتی تو پھر لامحالہ یہ واجب ہوگا کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو۔

شیعوں کے بارے میں پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے چنانچہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ وہ حضرت ابن عباس کے قول پر توعمل کرتے ہوئے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ باوجودیکہ جواز متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس کا اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مسلک وعقیدہ کو ترک کرتے ہیں اور ان کے خلاف عمل کرتے ہیں جب کہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت علی نے یہ سنا کہ حضرت ابن عباس متعہ کو جائز کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباس ایسا نہ کہو کیونکہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا تھا۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرمت متعہ کے بارے میں احادیث

(۱) حضرت ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی تھے اور تحقیق اللہ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کردیا ہے پس جس کے پاس ان میں سے کوئی عورت ہو تو اسے آزاد کردے اور ان سے جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے نہ لے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 929)

(۲) حضرت عبدالملک بن ربیع بن سبرہ الجہنی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فتح مکہ کے سال مکہ میں داخلہ کے وقت نکاح متعہ کی اجازت دی پھر ہم مکہ سے نکلے ہی نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 931)

(۳) حضرت ابی ربیع بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو فتح مکہ کے سال عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی راوی کہتے ہیں پس میں اور میرا ایک ساتھی بنی سلیم سے نکلے یہاں تک کہ ہم نے بنی عامر کی ایک عورت کو پایا جو کہ نوجوان اور لمبی گردن والی معلوم ہوتی تھی ہم نے اسے نکاح متعہ کا پیغام دیا اور اس کے سامنے ہم نے اپنی اپنی دو چادریں پیش کیں پس اس نے مجھے دیکھنا شروع کیا کیونکہ میں اپنے ساتھی سے زیادہ خوبصورت تھا اور میرے ساتھی کی چادر کو دیکھا جو کہ میری چادر سے زیادہ عمدہ تھی تھوڑی دیر تک اس نے سوچا پھر مجھے میرے ساتھی سے پسند کرلیا پس وہ میرے ساتھ تین دن تک رہی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مسلمانوں کو ان کے چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 932)

(۴) حضرت ربیع بن سبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 933)

(۵) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں قیام کیا تو فرمایا کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ نے اندھا کردیا ہے جیسا کہ وہ بینائی سے نابینا ہیں کہ وہ متعہ کا فتویٰ دیتے ہیں اتنے میں ایک آدمی نے انہیں پکارا اور کہا کہ تم کم علم اور نادان ہو میری عمر کی قسم امام المتقین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا جاتا تھا تو ان سے (ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے) ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا تم اپنے آپ پر تجربہ کرلو اللہ کی قسم اگر آپ نے ایسا عمل کیا تو میں تجھے پتھروں سے سنگسار کردوں گا ابن شہاب نے کہا مجھے خالد بن مہاجر بن سیف اللہ نے خبر دی کہ وہ ایک آدمی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے اس سے آکر متعہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو اس نے اسے اس کی اجازت دے دی تو اس سے ابن ابی عمرہ انصاری نے کہا ٹھہر جا انہوں نے کہا کیا بات ہے حالانکہ امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کیا گیا ابن ابی عمرہ نے فرمایا کہ یہ رخصت ابتدائے اسلام میں مضطر آدمی کے لئے تھی مردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح پھر اللہ نے دین کو مضبوط کر دیا اور متعہ سے منع کر دیا ابن شہاب نے کہا مجھے ربیع بن سبرہ الجہنی نے خبر دی ہے اس کے باپ نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ سے منع فرما دیا ابن شہاب نے کہا کہ میں نے ربیع بن سبرہ کی یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز سے بیان کرتے سنا اس حال میں کہ میں وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 936)

(۶) حضرت ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ سے ممانعت فرمائی اور فرمایا آگاہ رہو یہ آج کے دن سے قیامت کے دن تک حرام ہے اور جس نے کوئی چیز دی ہو تو اسے واپس نہ لے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 937)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے نکاح متعہ کرنے سے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 938 متفق علیہ 11)

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عورتوں کے متعہ میں نرمی کرتے ہوئے سنا تو فرمایا ٹھہر جاؤ اے ابن عباس رضی اللہ عنہما کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے غزوہ خیبر کے دن منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے بھی۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 941 متفق علیہ 11)

(۹) حسن بن محمد بن علی اور اس کے بھائی عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جنگ میں نکاح متعہ اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا۔
(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 105 متفق علیہ 11)

(۱۰) حضرت امام زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھے متعہ کا (متعینہ مدت کے لیے نکاح) ذکر چل نکلا تو ایک شخص نے کہا جس کا نام ربیع بن سبرہ تھا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 307)

(۱۱) حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔
(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 308)

(۱۲) حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 118 حدیث متواتر)

(۱۳) عبدالعزیز بن عمر، ربیع بن حضرت سبرہ فرماتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع میں گئے لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے دوری ہمارے لئے سخت گراں ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھران عورتوں سے نکاح کر کے فائدہ اٹھاؤ ہم ان عورتوں کے پاس گئے تو انہوں نے باہمی مدت مقرر کئے گئے نکاح سے انکار کر دیا۔ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر باہمی مدت مقرر کرلو تو میں اور میرا ایک چچازاد بھائی نکلے میرے پاس بھی ایک چادر تھی اور اس کے پاس بھی لیکن اس کی چادر میری چادر سے عمدہ تھی البتہ میں اس کی بہ نسبت زیادہ جوان تھا۔ اس عورت نے کہا چادر تو چادر کی طرح ہے سو میں نے اس سے شادی کرلی میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ صبح آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکن اور باب کے درمیان کھڑے ہوئے فرمار ہے تھے اے لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی غور سے سنو اللہ نے قیامت تک کے لئے متعہ حرام فرما دیا اسلئے جس کے پاس کوئی متعہ والی عورت ہو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو تم نے انہیں دیا اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 119)

(۱۴) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب خلیفہ بنے تو لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا! بلاشبہ رسول نے تین مرتبہ ہمیں متعہ کی اجازت دی پھر اسے حرام قرار دیدیا۔ اللہ کی قسم جس کے متعلق معلوم ہوا کہ متعہ کرتا ہے اور وہ محصن ہوا تو میں اس کو سنگسار کروں گا۔ الا یہ کہ میرے پاس چار گواہ لائے جو گواہی بھی دیں کہ اللہ کے رسول نے اسے حرام کرنے کے بعد پھر اسے حلال بتایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 120)

(۱۵) حسن اور عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات بیان کرتے ہوئے سنا ہے جب خیبر فتح ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 58)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کیا

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نکاح متعہ باطل ہوتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ روایت منقول ہے کہ وہ اس کو جائز قرار دیتے تھے تو اس کا جواب مصنف نے یہ دیا ہے: 'ان کا رجوع' یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا رجوع 'ان حضرات کے قول کی طرف' یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کی طرف رجوع کرنا مستند طور پر ثابت ہے 'لہٰذا جب ان کا بھی رجوع ثابت ہو گیا' تو اب اجماع پختہ ہو جائے گا' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے نتیجے میں اس کو باطل قرار دیا جائے گا۔

بَابٌ فِي الشِّغَارِ

باب: نکاح شغار (کا حکم)

2074 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ

اللّٰهِ، كِلَاهُمَا، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ.
زَادَ مُسَدَّدٌ، فِيْ حَدِيْثِهِ قُلْتُ لِنَافِعٍ: مَا الشِّغَارُ قَالَ: يَنْكِحُ ابْنَةَ الرَّجُلِ، وَيُنْكِحُهُ ابْنَتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ، وَيَنْكِحُ اُخْتَ الرَّجُلِ، وَيُنْكِحُهُ اُخْتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "شغار" سے منع کیا ہے

(مسدد نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں:) میں نے نافع سے دریافت کیا: شغار سے مراد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: آدمی مہر کے بغیر کسی کی بیٹی سے شادی کرلے اور اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کردے، یا یہ کہ آدمی مہر کے بغیر کسی کی بہن سے شادی کرلے اور اپنی بہن کی شادی اس کے ساتھ کردے

2075 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ، حَدَّثَنَا اَبِيْ، عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ، حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ هُرْمُزَ الْاَعْرَجُ، اَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَبَّاسِ، اَنْكَحَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْحَكَمِ ابْنَتَهُ، وَاَنْكَحَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنَتَهُ وَكَانَا جَعَلَا صَدَاقًا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى مَرْوَانَ يَاْمُرُهُ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا، وَقَالَ فِيْ كِتَابِهِ: هٰذَا الشِّغَارُ الَّذِيْ نَهَى عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

❁❁ عبدالرحمن بن ہرمز بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی بیٹی کی شادی عبدالرحمن بن حکم کے ساتھ کردی اور خود ان کی بیٹی سے شادی کرلی، ان دونوں نے اس شادی کو ہی ان خواتین کا مہر قرار دیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو خط لکھ کر اسے یہ حکم دیا کہ وہ ان کے درمیان علیحدگی کروادے، انہوں نے اپنے خط میں یہ تحریر کیا: یہ شغار ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔

شغار کے معنی ومفہوم کا بیان

یہ عربی لفظ ہے جو شرعاً نکاح باطل کی ایک قسم کے لئے مستعمل ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ ایک شخص اپنی متعلقہ عورت کا دوسرے شخص کو اس شرط پر نکاح دے کر وہ بھی اسے اپنی متعلقہ کا نکاح دے۔۔۔۔ خواہ تقرر مہر ہو یا نہ۔

شغار کی لفظی تحقیق: لغت میں اس کے اصلی معنی رفع یعنی اٹھانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے، شغر الكلب اِذا رفع رجلها لیبول (کتے نے پیشاب کے لئے ٹانگ اٹھائی) اور جب باب مفاعلہ سے ہو تو رفع میں مشارکت ہوگی۔ شغار باب مفاعلہ کا مصدر ہے

2074-هو عند مالك في "الموطا" 5352/، ومن طريقه اخرجه البخاري (5112)، ومسلم (1415)، وابن ماجه (1883)، والترمذي (1152)، والنسائي في "الكبرى" (5473). وقال الترمذي: حسن صحيح. واخرجه البخاري (6960)، ومسلم (1415)، والنسائي في "الكبرى" (5470) من طرق عن نافع، به. ولفظ احدى روايات مسلم: "لا شغار في الاسلام." وهو في "مسند احمد" (4526)، و"صحيح ابن حبان" (4152).

2075-مرفوعه صحيح لغيره، وهذا اسناد حسن. ابن اسحاق- وهو محمد بن اسحاق المطلبي مولاهم- قد صرح بالتحديث، فانتفت شبهة تدليسه. واخرجه احمد في "مسنده" (16856)، وابو يعلى في "مسنده" (7370)، وابن حبان في "صحيحه" (4153)، والطبراني في "الكبير" 19/(803)، والبيهقي في "الكبرى" 7/

جس کی تائید ابی ریحانہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔لفظ یہ ہیں:

أن النبي (صلى الله عليه وسلم) نهى عن المشاغرة (أخرجه أبو الشيخ في كتاب النكاح)

یعنی حدیث میں شغار اور مشاغرہ دونوں لفظ آئے ہیں جو باب مفاعلہ کی مصدر ہیں۔امام اللغۃ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ شغار کے معنی میں فرماتے ہیں: كل واحد منهما يشغر عند الجماع

شغار شرعی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔کہا جاتا ہے کہ وہ شغر البلد إذا خلا (یعنی شہر محافظ سے خالی ہوگیا۔) سے ماخوذ ہے۔

اور اس کا اصل معنی بعد اور خلو ہے اور شغار کو مہر سے خالی ہونے کی وجہ سے شغار کہا جاتا ہے۔لیکن یہ مرجوح ہے کیوں کہ شغار (شرع میں) منقول ہے اور شغار لغوی منقول عنہ۔منقول کی اپنے منقول عنہ سے مناسبت ضروری ہوتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو مناسبت تامہ پہلے محاورہ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔کیونکہ اس صورت میں فریقین میں رفع رجل للجماع میں مشارکت مراد ہوگی جو شغر الکلب لیبول سے۔بت مناسب ہے اور لغۃ میں شغر الرجل المرأۃ بھی مستعمل ہے لیکن شغر البلد سے ایسی مناسبت حاصل نہیں کیونکہ نکاح کے مہر سے خالی ہونے کی حیثیت ثانوی ہے۔

نکاح شغار کے مہر میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر تمام اہل علم کا عمل ہے کہ نکاح شغار جائز نہیں شغار اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کو بغیر مہر مقرر کیے کسی کے نکاح میں اس شرط پر دیدے کہ وہ بھی اپنی بہن یا بیٹی اس کے نکاح میں دے۔اس میں مہر مقرر نہیں ہوتا بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر اس پر مہر بھی مقرر کر دیا جائے تب بھی یہ حلال نہیں اور یہ نکاح باطل ہو جائے گا۔امام شافعی، احمد، اور اسحاق کا یہ قول ہے۔عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ ان کا نکاح برقرار رکھا جائے اور مہر مثل مقرر کر دیا جائے۔اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی، ج۱، رقم الحدیث،۱۱۲۶)

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کر دے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہوگا اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں شغار جائز نہیں ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 362)

شغار دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرنے کی ایک خاص صورت کا نام ہے جیسے کہ زید بکر سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کر دے گا۔اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو اس طرح کا نکاح زمانہ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے مگر اسلام نے اس سے منع کر دیا ہے۔

اس بارے میں فقہی اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں تو اس طرح کا نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا جبکہ حضرت

امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور مہر مثل دینا لازم ہوگا لیکن عمدہ یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہیے۔

فقہ مالکی کے مطابق نکاح شغار کا حکم یہ ہے۔

اور جسے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کے نکاح کا نام دیا جاتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کے نکاح سے منع فرمایا" (صحیح بخاری حدیث نمبر (5112) صحیح مسلم حدیث نمبر (1415)

اور "المدونۃ" میں درج ہے: "یہ بتائیں کہ اگر کسی نے کہا: اپنی بیٹی کی میرے ساتھ ایک سو دینار میں شادی کر دو، اس شرط پر کہ میں اپنی بیٹی کی تیرے ساتھ سو دینار میں شادی کر دونگا؟

تو امام مالک رحمہ اللہ نے اس کو ناپسند اور مکروہ جانا، اور اسے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کا ایک طریقہ خیال کیا۔ اور اس کی دلیل ابو داود وغیرہ کی درج ذیل حدیث بھی ہے جو عبدالرحمن بن ھرمز سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ عباس بن عبداللہ بن عباس سے عبد الرحمن بن حکم نے اپنی بیٹی کی شادی کی، اور انہوں نے عبدالرحمن بن حکم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی، اور دونوں نے مہر بھی رکھا تو معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے مروان بن حکم کو خط لکھا جس میں انہوں نے ان دونوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کا حکم دیا، اور اپنے خط میں لکھا۔ یہ وہ شغار یعنی وٹہ سٹہ ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔
(سنن ابوداود حدیث نمبر (2075)، المدونۃ (2/98))

بَابٌ فِي التَّحْلِيلِ

باب: حلالہ کرنا

2076 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ إِسْمَاعِيلُ: وَأُرَاهُ قَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ، وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.

❀❀ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
"حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا، (ان دونوں) پر لعنت کی گئی ہے"

2077 حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَرَأَيْنَا أَنَّهُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَام عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ

2076- واخرجه ابن ماجه (1935)، والترمذي (1147) من طريقين عن الشعبي، بهذا الاسناد. وقرن الترمذي مع علي جابر بن عبد الله وقال: حديث علي وجابر حديث معلول. واخرجه النسائي في "الكبرى" (9335) من طريق ابن عون، عن الشعبي، عن الحارث مرسلاً. واخرجه ايضاً النسائي في "الكبرى" (9336) من طريق عطاء بن السائب، عن الشعبي قال: لعن... مرسلاً. وهو في "مسند احمد" (635)، (980).

❁❁ حارث اعور، ایک صحابی کے حوالے سے یہی نقل کرتے ہیں: (راوی کہتے ہیں:) میرا خیال ہے وہ صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حلالہ سے متعلق حکم شرعی کا بیان

حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَہٗ (جب تک کہ شوہر ثانی کے نکاح میں نہ آئے) یعنی وہ نکاح صحیح نہ کرلے اور صحیح کی قید ہم نے اس لیے بڑھادی ہے کہ مطلق سے کامل (فرد) مرادلیا جاتا ہے اور نکاح کی نسبت میاں بیوی دونوں کی طرف ہوسکتی ہے کیونکہ وہ ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے اور یہ دونوں سے صادر ہوتا ہے اور اسی آیت کے ظاہری معنی کی وجہ سے سعید بن مسیب اور داؤد فرماتے ہیں کہ دوسرے خاوند کی صحبت کے بغیر پہلے خاوند سے نکاح ہوجانا درست ہے لیکن اس پر اجماع منعقد ہوچکا ہے کہ دوسرے خاوند سے صحبت ہونا (پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح) درست ہونے کی شرط ہے اور اسی وجہ سے بعض (ائمہ) نے کہا ہے کہ آیت میں نکاح سے مراد صحبت ہے کیونکہ لغت میں نکاہ کے معنی صحبت کے ہیں۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ صحبت کرنا تو خاوند کا فعل ہے اور عورت اس کا محل ہے پس عورت کی طرف اس کی نسبت کرنی جائز نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ مجازاً جائز ہے اور یہ آیت مجاز سے خالی نہیں ہے کیونکہ اگر نکاح کے معنی عقد کے ہیں تو زوج کے لفظ میں مجاز ہے گویا باعتبار آئندہ زوج کہہ دیا ہے اور اگر نکاح کے معنی صحبت کے ہیں تو نسبت میں مجاز ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نکاح سے مجازاً یہ مراد ہے کہ وہ صحبت کرسکے اس آیت کی یہ تاویلات بعیدہ کرنے کا باعث حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے فرماتی ہیں کہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ اتنے میں رفاعہ قرظی کی بیوی آگئی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگی کہ رفاعہ نے مجھے مغلظہ طلاق دیدی تھی اور عبدالرحمن بن زبیر نے مجھ سے نکاح کرلیا تھا اور اس کے پاس (یعنی اس کا عضو تناسل) اس پھندنے جیسا ہے اور اپنے قمیص کا پھندنا پکڑ کے دکھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (اس کی اس بات سے) مسکرائے اور فرمایا کہ تو پھر رفاعہ کے ہاں جانا چاہتی ہے یہ نہیں ہونے کا جب تک کہ تو اس کا مزہ اور وہ تیرا مزہ نہ چکھ لیں اس حدیث کو (محدثین کی) ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور صحیحین کی روایت میں یہ ہے کہ وہ رفاعہ کے نکاح میں تھی پھر رفاعہ نے اسے تین طلاقیں دے دی تھیں موطا میں امام مالک نے مسور بن رفاعہ قرظی سے انہوں نے زبیر بن عبدالرحمن بن زبیر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں رفاعہ بن سموال نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وھب کو تین طلاقیں دیدی تھیں پھر تمیمہ سے عبدالرحمن بن زبیر نے نکاح کرلیا تھا لیکن یہ (نامرد ہونے کی وجہ سے) اسے ہاتھ بھی نہ لگا سکے اور اس سے علیحدگی کرلی اس کے بعد پھر رفاعہ نے اس سے نکاح کرنا چاہتا تو حضور نے اسے منع کردیا اور فرمایا جب تک عبدالرحمن کا مزہ نہ چکھ لے تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

بہت سے محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس طرح نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی تھیں پھر اس نے دوسرے سے نکاح کرلیا اور اس سے خلوت بھی ہوگئی لیکن صحبت ہونے سے پہلے ہی اس نے بھی اسے طلاق دیدی تو اب یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہے یا نہیں حضرت نے فرمایا نہیں جب

تک کہ یہ دوسرا خاوند اسی طرح اس سے صحبت نہ کرلے کہ جس طرح پہلا خاوند کر چکا ہے۔

ابن منذر نے مقاتل بن حبان سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عائشہ عبدالرحمن بن عتیک کی بیٹی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہ رفاعہ بن وہب بن عتیک کے نکاح میں تھی اور رفاعہ اس کا چچیرا بھائی تھا اسے اس نے بائنہ طلاق دیدی اس کے بعد عبدالرحمن بن زبیر قرظی نے اس سے نکاح کرلیا پھر اس نے بھی طلاق دیدی تب عائشہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے میرے (دوسرے) خاوند نے صحبت کرنے سے پہلے ہی طلاق دیدی ہے کیا اب میں اپنے پہلے خاوند کے پاس چلی جاؤں؟ فرمایا: نہیں جب تک کہ یہ صحبت نہ کرلے اور یہ آیت نازل ہوئی: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ اور اگر وہ صحبت کرنے کے بعد طلاق دے تو فلا جناح علیھما ان یتراجعا (یعنی دونوں پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ (نکاح کرکے) پھر مل جائیں۔

علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ (اس قصہ کے بعد) یہ عائشہ کچھ دنوں تک ٹھہری رہی پھر حضرت کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب میرے (دوسرے) خاوند نے مجھ سے صحبت کرلی ہے حضور نے فرمایا کہ تو اپنے پہلے قول کو جھوٹا کرتی ہے لہٰذا اس دوسرے قول میں ہم ہرگز تیری تصدیق نہ کریں گے پھر یہ خاموش ہو رہی یہاں تک کہ حضور کی وفات ہوگئی پھر یہ حضرت ابوبکر کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے (دوسرے) خاوند نے مجھ سے صحبت کرکے مجھے طلاق دیدی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ حضرت کے پاس بھی آئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ تیرے بارے میں فرمایا تھا) اسے سب جانتے ہیں پس تو پہلے خاوند کے پاس نہیں جاسکتی پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی وفات ہوگئی تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اسی طرح ان سے بھی بیان کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو پہلے خاوند کے پاس گئی تو میں تجھ سنگسار کرادوں گا (آیت میں) نکاح کے معنی عقد کے لینے پر اس حدیث سے کتاب (اللہ) پر زیادتی ہوگی اور خبر واحد سے کتاب (اللہ) پر زیادتی امام شافعی وغیرہ کے نزدیک جائز ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر مشکل ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے بعض علماء نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی توجیہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے لیکن یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث احاد میں سے ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب اس حدیث کی موافقت پر اجماع ہوگیا اور جمہور امت نے اسے قبول کرلیا تو یہ حدیث مشہور حدیث کے حکم میں ہوگئی اس لیے اس سے کتاب (اللہ) پر زیادتی جائز ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا (پھر اگر یہ (دوسرا خاوند صحبت کرنے کے بعد) اسے طلاق دیدے تو دونوں (یعنی اس عورت اور پہلے خاوند) پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ (نکاح ثانی کرکے) پھر مل جائیں)۔ يَتَرَاجَعَا فعل کا دونوں کی طرف منسوب ہونا نکاح ثانی مراد ہونے پر دلالت کرتا ہے بخلاف اس آیت کے جو پہلے گذر چکی ہے یعنی وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ کیونکہ وہاں فعل کی اسناد فقط خاوندوں ہی کی طرف ہے:

إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ (بشرطیکہ دونوں کو (غالب) گمان ہو کہ ہم اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے) اور یہاں ظن کی تفسیر علم کے ساتھ نہیں ہوسکتی کیونکہ غیب کا علم ہو ہی نہیں سکتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اَن ناصبہ سے توقع کے لیے ہے اور توقع یقین

کے منافی ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دوسرے خاوند سے صحبت ہونا پہلے خاوند کی تینوں طلاقوں کو مٹا دیتا ہے پس اگر وہ عورت پھر پہلے خاوند کے پاس چلی جائے تو وہ بالاجماع پھر تین طلاقوں کا مالک ہوجاتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ تین طلاقوں سے کم کو بھی مٹا دیتا ہے یا نہیں یعنی اگر پہلے خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دیدیں اور اس کی عدت بھی پوری ہوگئی پھر اس نے نکاح صحیح سے دوسرا خاوند کرلیا پھر اس دوسرے خاوند نے بھی صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدی اور اس کی عدت پوری ہوجانے کے بعد پھر یہ عورت پہلے خاوند کے پاس چلی گئی تو اب یہ پہلا خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوجائے گا یا کہ ایک یا دو طلاقوں کے بعد ان کے بقیہ ہی کا مالک رہے گا؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دوسرے خاوند سے صحبت ہونا تین طلاقوں سے کم کو بھی مٹادے گا اور پہلا خاوند اب نئے سرے سے پوری تین طلاقوں کا مالک ہوجائے گا۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ تین طلاقوں سے کم کو نہیں مٹائے گا کیونکہ اللہ پاک نے اپنے قول: لا تحل له من بعد حتى تنكح میں دوسرے خاوند کی صحبت کو اس مغلظہ حرمت کی انتہا ٹھہرائی ہے جو تین طلاقوں سے حاصل ہو پس یہ حکم ان تین ہی طلاقوں کے لیے ہوگا اور کوئی شے ثابت ہونے سے پہلے منع نہیں ہوا کرتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے خاوند کے صحبت کرنے سے پہلے منع نہیں ہوا کرتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے خاوند کے صحبت کرنے کے بعد طلاق دینے کو پہلے خاوند کے لیے حلال ہونے کا سبب ٹھہرادیا ہے کیونکہ فرمایا: فلا جناح عليهما ان يتراجعا اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد: بلعن الله المحلل والمحلل له نے دوسرے خاوند کو پہلے خاوند کے لیے حلال کرنے والا ٹھہرادیا ہے اور قاعدہ حلال ہونے میں یہ ہے کہ سب ہی حلال ہو لہٰذا پہلا خاوند تین طلاقوں کا مالک ہوجائے گا اس کے علاوہ جب دوسرے خاوند سے صحبت ہونا حرمت غلیظہ کو مٹادیتا ہے تو حرمت خفیفہ کو وہ بدرجہ اولیٰ مٹائے گا۔ واللہ اعلم۔

اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ پہلے خاوند کے تین طلاقیں دینے کے بعد اگر عورت نے دوسرا خاوند کرلیا اور یہ اس سے شرط کرلی کہ مجھے طلاق دیدینا چنانچہ اس نے صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدی اور اس نے اپنی عدت پوری کردی تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح میں صحبت ہوجانے کی وجہ سے یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگئی اور شرطوں سے نکاح باطل نہیں ہوا کرتا اور امام محمد سے مروی ہے کہ نکاح تو (دوسرے خاوند سے) صحیح ہوجائے گا اسی دلیل سے جو ہم نے ابھی بیان کی ہے لیکن پہلے خاوند کے لیے یہ حلال نہ ہوگی کیونکہ اس نے اس امر میں جلدی کی کہ جس کو شرع نے مؤخر کیا تھا پس اسے اس کا مقصود پورا ہونے کی سزا دی جائے گی جیسا کہ مورث کو قتل کردینے میں ہوتا ہے (کہ قاتل کو میراث نہیں ملتی) اور امام مالک، امام احمد، امام ابویوسف (تینوں) کا قول یہ ہے کہ وہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا اور امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں دونوں میں صحیح یہ ہے کہ نکاح ہی درست نہیں ہوا کیونکہ یہ موقت نکاح کے حکم میں ہے اور جب نکاح ہی صحیح نہ ہوا تو پہلے خاوند کے لیے حلال بھی نہ ہوگی اس وجہ سے کہ حلال ہونے کی شرط نہیں پائی گئی اور وہ شرط نکاح صحیح ہے اور (اس نکاح کے) صحیح نہ ہونے پر ان ائمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ محلل اور محلل لہ پر رسول اللہ نے لعنت فرمائی ہے اس حدیث کو دارمی نے نقل کیا ہے اور

ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور ابن ماجہ نے اسے حضرت علی ابن عباس رضی اللہ عنہما، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، ہم کہتے ہیں: یہ حدیث تو ہماری دلیل ہے نہ کہ ہمارے مخالف ہے۔

کیونکہ (اس میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے خاوند کو محلل (حلال کر دینے والا) ٹھہرایا ہے پس یہ لفظ حلت کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور اس سے نکاح کا صحیح ہونا لازم آتا ہے ہاں یہ بات جدا رہی کہ یہی دوسرے خاوند کے ایک حرام امر کے مرتکب ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں پس اگر اس عورت سے کسی نے نکاح کر لیا اور یہ شرط نہ کی گئی مگر اس کے دل میں یہ بات تھی کہ اسے طلاق دیدوں گا۔

تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک نکاح صحیح ہو جائے گا امام مالک اور امام احمد کا قول ہے کہ اب بھی صحیح نہ ہوگا اور اس کے مکروہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں امام بغوی کہتے ہیں نافع فرماتے تھے کہ ایک آدمی ابن عمر کے پاس آیا اور بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی تھیں پھر اس کے بھائی نے جا کر بلا اس کے کہے اس عورت سے اس لیے نکاح کر لیا کہ وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے (اب اس بارے میں آپ کا کیا حکم دیتے ہیں؟) فرمایا حلال نہیں ہوگی نکاح عورت کو رکھنے کے لیے ہوتا ہے (نہ کہ طلاق دینے کو) رسول اللہ کے زمانہ میں ہم ایسے آدمی کو زانی شمار کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے محلل اور محلل لہ پر لعنت کی ہے۔

بَابٌ فِي نِكَاحِ الْعَبْدِ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ

باب: غلام کا اپنے آقا کی مرضی کے بغیر نکاح کرنا

2078 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَهَذَا لَفْظُ إِسْنَادِهِ، وَكِلَاهُمَا، عَنْ وَكِيعٍ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ، فَهُوَ عَاهِرٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو غلام اپنے آقا کی مرضی کے بغیر نکاح کرتا ہے، وہ زانی (شمار) ہوگا''

2079 حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ، حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا نَكَحَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَنِكَاحُهُ بَاطِلٌ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا الْحَدِيثُ ضَعِيفٌ وَهُوَ مَوْقُوفٌ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جب کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرتا ہے، تو اس کا نکاح باطل ہوگا''

2078- اخرجه الترمذي (1137) و (1138) من طريقين عن عبد الله بن محمد، به. وقال في الموضع الاول: حديث حسن، وفي الموضع الثاني: حديث حسن صحيح. وهو في "مسند احمد" (14212).

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:) یہ حدیث ضعیف ہے، یہ روایت موقوف ہے، یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

آقا کی اجازت کے بغیر غلام یا کنیز کا نکاح درست نہیں

غلام یا کنیز کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔امام مالک فرماتے ہیں: غلام کے لئے ایسا کرنا جائز ہے' کیونکہ جب وہ طلاق دینے کا حق رکھتا ہے' تو نکاح کرنے کا بھی حق رکھے گا۔ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:''جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلے وہ زانی ہوگا''۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: ان دونوں (یعنی غلام اور کنیز) کے نکاح کو نافذ قرار دینا ان دونوں کے حق میں عیب ہے' کیونکہ نکاح ان دونوں میں عیب شمار ہوتا ہے' لہٰذا وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اس کے مالک نہیں ہوسکتے۔ (ہدایہ اولین، کتاب النکاح، لاہور)

نکاح کے اختیار میں غلام سے متعلق فقہی احکام

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے حدیث جابر حسن ہے بعض راوی یہ حدیث عبداللہ بن محمد بن عقیل سے اور وہ ابن عمر سے مرفوعا نقل کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں، صحیح یہی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں صحابہ کرام اور تابعین کا اسی پر عمل ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح جائز نہیں۔امام احمد، اسحاق، اور دوسرے حضرات کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1111)

مطلب یہ ہے کہ مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا لہٰذا اگر کوئی مملوک اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور اس نکاح کے بعد منکوحہ سے مجامعت کرے گا تو یہ فعل حرام ہوگا اور وہ زنا کار کہلائے گا چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے کہ غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتا اور نکاح کے بعد اگر آقا اجازت دے دے تب بھی وہ عقد صحیح نہیں ہوتا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نافذ ہونا یعنی صحیح ہونا آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ جب آقا اجازت دے دے گا تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ فضولی کے نکاح کا حکم ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لونڈی غلام نے اگر خود نکاح کرلیا یا ان کا نکاح کسی اور نے کر دیا تو یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے جائز کر دے گا نافذ ہو جائے گا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، پھر اگر وطی بھی ہو چکی اور مولیٰ نے رد کر دیا تو جب تک آزاد نہ ہو لونڈی اپنا مہر طلب نہیں کرسکتی، نہ غلام سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور اگر وطی نہ ہوئی جب تو مہر واجب ہی نہ ہوا۔ یہاں مولیٰ سے مراد وہ ہے جسے اس کے نکاح کی ولایت حاصل ہو، مثلاً مالک نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا یا قاضی یا وصی اور لونڈی، غلام سے مراد عام ہیں، مدبّر، مکاتب، ماذون، ام ولد یا وہ جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا سب کو شامل ہے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

غلام کے حق نکاح وطلاق میں فقہ مالکی کا موقف

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے، "جس نے اپنے غلام کوشادی کرنے کی اجازت دے دی، تو اب طلاق کا معاملہ غلام کے ہاتھ ہی میں ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو طلاق کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔

(موطاء مالک، کتاب الطلاق، حدیث 1676))

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، "یا رسول اللہ ﷺ میرے آقا نے میری شادی اپنی ایک لونڈی سے کردی تھی اور اب ہمیں علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا، "اے لوگو! یہ کیا ہو گیا ہے کہ تم میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کی شادی اپنی ایک لونڈی سے کردی ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ ان میں علیحدگی کروادے۔ طلاق تو اسی کا حق ہے جو شوہر ہے۔"

(ابن ماجہ، کتاب الطلاق، حدیث 2081)

نکاح وطلاق کے باہمی عدم قیاس کا بیان

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: آقا کی اجازت کے بغیر غلام اور کنیز کا نکاح جائز نہیں ہوتا یعنی ا۔۔ نافذ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس بارے میں امام مالک کی رائے مختلف ہے' کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں' غلام کا نکاح نافذ ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: غلام خود طلاق دینے کا مالک ہوتا ہے' تو لازمی طور پر اسے نکاح کا بھی مالک ہونا چاہئے۔ مصنف نے اس کے جواب میں اپنے موقف کی تائید میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے۔ ''جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلے وہ زانی شمار ہوگا''۔ یہ نقلی دلیل نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس بات کی عقلی دلیل یہ بیان کی ہے: اگر ان دونوں کے نکاح کو نافذ قرار دیا جائے تو یہ بات ان دونوں' یعنی غلام او کنیز کے حق میں عیب شمار ہوگی' کیونکہ عام طور پر لوگ غلام یا کنیز خریدتے وقت ایسا غلام یا کنیز خریدنا پسند کرتے ہیں جو غیر شادی شدہ ہو۔ امام مالک نے نکاح کے حق کو طلاق دینے کے حق پر قیاس کیا تھا' تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: طلاق غلام یا کنیز کے حق میں عیب کو زائل کرنے کا نام ہے اور نکاح ان کے حق میں عیب کو ثابت کرنے کا نام ہے اس لیے ان دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 538)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت وہمت کے مطابق ہو۔

اس حدیث میں غلام کے بارے میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کا روٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کرسکتا ہو اور جو اس کی ہمت وطاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم میں کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارے میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت وہمت سے زیادہ کی عمل وفعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر وعمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی جو مالک مجازی ہیں یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں ان کی طاقت وہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ غلام کے تئیں مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں (۱) جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جلد بازی کا حکم نہ دے (۲) جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے (۳) اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

مکاتب غلام کے نکاح کا بھی یہی حکم ہے

اور اسی طرح مکاتب غلام کا بھی حکم ہے' کیونکہ کتابت کا معاہدہ کرنے سے صرف اسے کمانے کی آزادی حاصل ہوئی ہے البتہ نکاح کے بارے میں اس پر غلامی کی حیثیت برقرار رہے گی۔ یہی وجہ ہے: مکاتب کو اپنے غلام کا نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا' کیونکہ اس نکاح کا مکاتب کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا' البتہ وہ اپنی کنیز کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کرسکتا ہے' کیونکہ اس کے ذریعے وہ کچھ کما سکتا ہے۔ اسی طرح مکاتب کنیز کا حکم ہے: وہ اپنی شادی کرنے کا حق نہیں رکھتی' یعنی یہ کہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کسی کے ساتھ کرلے' البتہ وہ اپنی کنیز کی شادی کسی اور کے ساتھ کرسکتی ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ مدبر غلام اور ''ام ولد'' کنیز کا بھی یہی حکم ہے' کیونکہ ان دونوں میں ملکیت کی حیثیت قائم ہوتی ہے۔

مکاتب کے اذن سے باندی کے نکاح کرنے کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مکاتب اپنی لونڈی کا نکاح اپنے اذن سے کرسکتا ہے اور اپنا یا اپنے غلام کا نہیں کرسکتا اور ماذون غلام، لونڈی کا بھی نہیں کرسکتا۔ مولیٰ کی اجازت سے غلام نے نکاح کیا تو مہر ونفقہ خود غلام پر واجب ہے، مولیٰ پر نہیں اور مر گیا تو مہر ونفقہ دونوں ساقط اور غلام خالص مہر ونفقہ کے سبب بیچ ڈالا جائے گا اور مدبر مکاتب نہ بیچے جائیں بلکہ انھیں حکم دیا جائے کہ کما کر ادا کرتے رہیں۔ ہاں مکاتب اگر بدل کتابت سے عاجز ہو تو اب مکاتب نہ رہے گا اور مہر ونفقہ میں بیچا جائے گا اور غلام کی بیع اُس کا مولیٰ کرے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے سامنے قاضی بیع کردے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن داموں کو فروخت ہو رہا ہے، مولیٰ اپنے پاس سے اتنے دام دیدے اور فروخت نہ ہونے دے۔ (ردمختار، کتاب النکاح)

مکاتبت کے احکام نکاح وبیع میں اختلاف

اور وہ یہ ہے: مکاتب غلام کا بھی یہی حکم ہوگا۔ مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کا آقا اس کے ساتھ یہ معاہدہ کرے کہ وہ ایک مخصوص رقم آقا کو ادا کرے گا' اور اس کے نتیجے میں آقا اسے آزاد کردے گا۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: مکاتب غلام سے آقا کی خدمت کی پابندی اس لئے ہٹائی گئی ہے تاکہ وہ آزادی سے کما کر اپنا معاوضہ ادا کرسکے لیکن نکاح کے حق میں اس کے غلام

ہونے کا حکم باقی رہے گا' اور اگر وہ آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لیتا ہے' تو اس کا نکاح نافذ تصور نہیں ہو گا۔ اپنے اس مؤقف کی تائید میں مصنف نے یہ دلیل پیش کی ہے: مکاتب غلام مزدوری کر سکتا ہے' کاروبار کر سکتا ہے' خرید و فروخت کر سکتا ہے' لیکن اگر وہ اپنی کمائی سے آگے کوئی غلام خرید لے تو وہ غلام کی شادی نہیں کر سکتا کیونکہ اس صورت میں اس کا غلام اپنے اور اپنی بیوی کے خرچ پورے کرنے کے لئے اس کا محتاج ہو گا اور یہ مکاتب جب اپنی بیوی کا خرچ برداشت نہیں کر سکتا تو غلام کی بیوی کا خرچ کیسے برداشت کر سکے گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: آپ کے نزدیک مکاتب غلام اپنی کنیز کی شادی کر سکتا ہے یہ اجازت آپ نے کیوں دی ہے؟ مصنف نے اس کا جواب یوں دیا ہے: اس صورت میں آمدن کا حصول ممکن ہوتا ہے' یعنی مہر اور خرچ کے طور پر کنیز کو جو کچھ ادائیگی کی جائے گی وہ مکاتب اسے وصول کر سکتا ہے۔ اور اس ادائیگی کو حاصل کر کے اپنے ذمے کتابت کی رقم ادا کر سکتا ہے۔ اس کی ایک ذیلی شق یہ ہے: مکاتب کنیز خود اپنی شادی نہیں کر سکتی یعنی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی جبکہ اپنی کنیز کی شادی کرنے کی وہ مالک ہوتی ہے' اس کی وجہ وہی ہے' جو ہم نے مکاتب غلام کے بارے میں بیان کی ہے۔

یہاں مصنف نے اسی مسئلے کی ایک اور شق یہ بیان کی ہے: مدبر غلام اور ام ولد کنیز کا بھی یہی حکم ہے' اس کی وجہ یہ ہے: ان کے آقا کی ملکیت ان دونوں میں قائم ہوتی ہے۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ اَنْ يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ اَخِيهِ

باب: آدمی کا اپنے بھائی کے نکاح کے پیغام پر، نکاح کا پیغام بھیجنا، مکروہ ہونا

2080 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ اَخِيهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''کوئی شخص اپنے بھائی کے نکاح کے پیغام پر، پیغام نہ بھیجے''

2081 حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَخْطُبْ اَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ اَخِيهِ، وَلَا يَبِعْ عَلَى بَيْعِ اَخِيهِ، اِلَّا بِاِذْنِهِ

2080-اسناده صحيح. سفيان: هو ابن عيينة الهلالي، والزهري: هو محمد بن مسلم ابن شهاب. واخرجه البخاري (2140) و (2723)، ومسلم (1413)، وابن ماجه (1867)، والترمذي (1165)، والنسائي في "الكبرى" (5336) و (5337) و (6049) من طرق عن الزهري، بهذا الاسناد. وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. وزاد النسائي (5337): "حتى ينكح او يترك." واخرجه البخاري (5144)، والنسائي في "الكبرى" (5335) من طريق الاعرج عبد الرحمن بن هرمز، ومسلم (1408)، والنسائي (5339)

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''کوئی شخص اپنے بھائی کے نکاح کے پیغام پر، پیغام نہ بھیجے اور کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے''

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى الْمَرْأَةِ وَهُوَ يُرِيدُ تَزْوِيجَهَا

باب: آدمی کا عورت کو دیکھنا، جبکہ وہ اس کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتا ہو

2082 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ، قَالَ: فَخَطَبْتُ جَارِيَةً فَكُنْتُ أَتَخَبَّأُ لَهَا حَتَّى رَأَيْتُ مِنْهَا مَا دَعَانِي إِلَى نِكَاحِهَا وَتَزَوُّجِهَا فَتَزَوَّجْتُهَا

❁❁ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:
''جب کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر اس کے لیے ممکن ہو، تو اسے اس چیز (یعنی شکل وصورت) کو دیکھ لینا چاہیے؛ جو اسے اس عورت کے ساتھ شادی کی ترغیب دے''۔
(راوی بیان کرتے ہیں:) میں نے ایک عورت کو شادی کا پیغام دیا، تو میں نے چھپ کر اس کی وہ چیز (یعنی شکل وصورت) دیکھ لی، جو مجھے اس کے ساتھ شادی کرنے پر راغب کرے، پھر میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔

منگیتر کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھ لو۔ یہ تمہاری محبت کو قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اس باب میں محمد بن مسلمہ، جابر، انس، ابوحمید، ابوہریرہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کے مطابق فرمایا کہ جس عورت کو آدمی نکاح کا پیغام بھیجے اس کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا کوئی ایسا عضو نہ دیکھے جس کو دیکھنا حرام ہو۔ امام احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اخری ان کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے درمیان محبت کے ہمیشہ رہنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۰۸۷)

منگیتر کو دیکھنے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز

2081-اسناده صحيح. عبيد الله: هو ابن عمر العمري، ونافع: هو مولى ابن عمر. واخرجه البخاري (2139) و (2165) و (5142)، ومسلم (1412)، وبإثر (1514)، وابن ماجه (1868) و (2171)، والترمذي (1338)، والنسائي في "الكبرى" (5334) و (5340) و (6050) و (6051) من طرق عن نافع، به. وزاد النسائي في "الكبرى" (5340)

ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام مالک کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا علی الاطلاق ممنوع ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تاکہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کر دے۔

بَابٌ فِي الْوَلِيِّ

باب: ولی کا بیان

2083 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ. ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا، فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ.

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''''جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتی ہے، تو اس کا نکاح باطل ہوگا''

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی،

''اگر وہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کرلے، تو اس عورت کو مہر ملے گا، کیونکہ اس مرد نے اس عورت سے لطف حاصل کیا ہے، اگر (عورت کے اولیاء) کے درمیان اختلاف ہو جائے، تو حاکم وقت اس کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو''

2084 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ جَعْفَرٍ يَعْنِي ابْنَ رَبِيعَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: جَعْفَرٌ لَمْ يَسْمَعْ مِنَ الزُّهْرِيِّ كَتَبَ إِلَيْهِ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) جعفر نے زہری سے اس کا سماع نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ روایت تحریر کر کے جعفر کو بھیجی تھی۔

2085 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ يُونُسَ، وَإِسْرَائِيلَ،

2083- وأخرجه ابن ماجه (1879)، والترمذي (1127)، والنسائي في "الكبرى" (5373) من طرق عن ابن جريج، بهذا الاسناد. وقال الترمذي: حديث حسن. وأخرجه ابن ماجه (1880) من طريق حجاج بن ارطاة، عن الزهري، به. وهو في "مسند احمد" (24205)، و"صحيح ابن حبان" (4074).

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ، عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ، عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ.

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: وَهُوَ یُوْنُسُ، عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ، وَاِسْرَائِیْلُ، عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ، عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔

2086 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیَی بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ، اَنَّهَا کَانَتْ عِنْدَ ابْنِ جَحْشٍ فَهَلَکَ عَنْهَا وَکَانَ فِیْمَنْ هَاجَرَ اِلٰی اَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِیُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهِیَ عِنْدَهُمْ

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: وہ پہلے ابن جحش کی اہلیہ تھیں ان کا انتقال ہوگیا، (وہ دونوں میاں بیوی) حبشہ ہجرت کر گئے تھے (ان کے شوہر کے انتقال کے بعد) نجاشی نے ان کی شادی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروادی، جبکہ وہ ابھی ان لوگوں کے ہاں (حبشہ میں ہی) تھیں۔

ولی کی اجازت کے بغیر عورت کی شادی کا شرعی حکم:

عصر حاضر میں پسند کی شادی کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔ بہت سے واقعات ایسے آرہے ہیں کہ جن میں مرد وعورت اپنی پسند سے اپنے اولیاء اور بزرگوں کو اعتماد میں لے کر Love Marriage کر رہے ہیں۔ یہ ان کا شرعی حق ہے جس کی شریعت تائید کرتی ہے مگر بہت سارے واقعات ایسے بھی ہیں کہ مرد وعورت نے اپنے اولیاء کو اعتماد میں لیے بغیر گھر سے بھاگ کر پسند کی شادی کر لی اور بعد میں پکڑے جانے پر انہیں بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ آج کل اخبارات میں اس قسم کی خبریں کثرت سے سامنے آرہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کوئی لڑکی گھر سے بھاگ کر پسند کی شادی کرتی ہے تو یہ شادی شریعت کی نگاہ میں کیسی ہے۔؟ اس مسئلہ کو اس طرح سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح ولی کے بغیر خود کر سکتی ہے یا نہیں۔؟

فقہاء کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں ''حکم النکاح بعبارۃ النساء'' (عورتوں کے ایجاب وقبول سے نکاح کا حکم)

اس مسئلہ میں حنفیہ اور جمہور فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ''عبارت النساء'' سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک ''عبارۃ النساء'' سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ ولی کی ''تعبیر'' ضروری ہے۔ ائمہ کا تفصیلی موقف درج ذیل ہے۔

احناف کا موقف:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر الروایت کے مطابق عاقلہ و بالغہ عورت کا نکاح ولی

2085- اخرجه ابن ماجه (1881)، والترمذی (1126) من طرق عن ابی اسحاق، به. واخرجه الترمذی (1128) من طریق سفیان الثوری، وشعبة، عن ابی اسحاق، به. مرسلاً. وهو فی "مسند احمد" (19518)، و"صحیح ابن حبان" (4077) و(4078) و(4083) و(4090).

کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت ہے کہ ولی کی رضامندی ضروری ہے۔ جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس قسم کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر ولی اجازت دے گا تو نکاح منعقد ہو جائے گا وگرنہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ (م۔593ھ) لکھتے ہیں:

وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولى بكرا كانت او ثيبا عند ابي حنيفة رحمة الله عليه وابي يوسف رحمة الله عليه. في ظاهر الرواية وعن ابي يوسف رحمة الله عليه انه لاينعقد الابولى وعند محمد رحمة الله عليه ينعقد موقوفا۔ (43)

اور عاقلہ و بالغہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ولی نے اس پر عقد نہ کیا ہو باکرہ ہو یا ثیبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر الروایت میں۔ اور امام ابو یوسف سے (غیر ظاہر الروایت میں) مروی ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موقوف ہو کر منعقد ہوگا۔" مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عاقلہ و بالغہ اپنی مرضی سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے بھی شیخین کے اس قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

چنانچہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ويروى رجوع محمد الى قولهما۔ (44) "اور روایت کیا گیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع شیخین کے قول کی طرف۔"

احناف کے دلائل:

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نکاح کی نسبت براہ راست عورت کی طرف کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ جیسا کہ دو آیتیں پیچھے گزر گئی ہیں۔ پہلی آیت ہے۔ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ اس آیت کے تحت امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ (م۔587ھ) لکھتے ہیں۔

انه اضاف النكاح اليها فيقتضى تصور النكاح منها۔ (45) "بے شک نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہو رہی ہے جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ نکاح عورت سے متصور (منعقد) ہو سکتا ہے۔"

اور دوسری آیت ہے: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انه اضاف النكاح اليهن فيدل على جواز النكاح بعبارتهن من غير شرط الولى۔ (46) "بے شک نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہو رہی ہے جو ولی کی شرط کے بغیر عورتوں کے ایجاب و قبول سے نکاح کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔"

اسی طرح قرآن مجید میں ان عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے جن کو نبی کریم ﷺ اپنے نکاح میں لا سکتے ہیں ارشاد ربانی ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا(47) ''اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں۔(وہ بھی حلال ہے)''

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: فالاية الشريفه نص على انعقاد النكاح بعبارتها۔ (48) ''پس آیت مبارکہ عورتوں کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہونے پر صریح ہے۔''

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (م۔483ھ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک فیصلہ کو ذکر کیا ہے جو اس مسئلہ میں حنفیہ کی مضبوط دلیل ہے۔ ان امراء ة زوجت ابنتها برضاها فجاء اولياؤها فخاصموها الى على رضى الله عنه فاجاز النكاح وفى هذا دليل على ان المراء ة اذا زوجت نفسها اوامرت الى غير الولى ان يزوجها فزوجها جاز النكاح وبه اخذ ابو حنيفة رحمة الله عليه سواء كانت بكرا او ثيبا اذا زوجت نفسها جاز النكاح فى ظاهر الرواية۔ (49)

''ایک عورت نے اپنی بیٹی کی شادی اس کی رضامندی سے کردی تو اس کے اولیاء مقدمہ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب عورت نے اپنی شادی کی یا غیر ولی کو حکم دیا کہ وہ اس کی شادی کرادے اور اس نے شادی کرادی تو نکاح جائز ہوگا۔ اسی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے۔ عام ازیں اپنا نکاح کرنے والی عورت باکرہ ہو یا ثیبہ جب اس نے خود شادی کرلی تو اس کا نکاح جائز ہوگا ظاہر الروایت کے مطابق۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ اَمر "(50) ''ثیبہ کے معاملہ میں ولی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔''

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وهذا قطع ولاية الولى عنها۔ (51) ''اور یہ حدیث ولی کی ولایت کو عورت سے ختم کررہی ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (52) بے نکاحی عورت اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: والايم اسم لامراء ة لازوج لها بكراً كانت او ثيباً وهذا هوا لصحيح عند اهل اللغة۔ (53)

اور ایم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اور یہی مطلب اہل لغت کے ہاں صحیح ہے''۔ یہ حدیث حنفیہ کے موقف پر بڑی وزنی دلیل ہے۔

عقلی دلیل:

عاقلہ وبالغہ عورت کے اپنی مرضی سے کیے گئے نکاح کے جائز ہونے کی عقلی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور اس کو یہ اختیار حاصل ہے۔ اس لیے کہ وہ عقل وشعور سے مالا مال ہے اور غلط وصحیح میں امتیاز کرسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو اپنے

مال میں تصرف کا اختیار ہے وہ جیسے مرضی استعمال کرے اسی طرح زندگی اس نے گزارنی ہے تو اسے شوہر کو پسند کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ووجه الجواز انها تصرفت فی خالص حقها وهی من اهله لکونها عاقلة ممیزة ولهذا کان لها التصرف فی المال ولها اختیار الازواج(54)

اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس عورت نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے۔اور وہ تصرف کی اہل بھی ہے اس لیے کہ عاقلہ ممیزہ ہے۔اور اسی وجہ سے اسے مال میں تصرف کا اختیار ہے۔تو اسے شوہروں کو پسند کرنے کا بھی اختیار ہے۔ چنانچہ ان مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر فقہائے احناف کے نزدیک عاقلہ و بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جائے گا۔ولی کی وساطت: حنفیہ نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ عورتوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ایسے اقدامات خود کرنے کی بجائے اولیاء کی وساطت سے طے کریں تا کہ عورتوں کی طرف بے حیائی منسوب نہ ہو۔کیونکہ عورتوں میں اللہ تعالیٰ نے شرم وحیاء کا مادہ مردوں سے زیادہ رکھا ہے ان کو مردوں کی محافل اور مجالس میں اس قسم کی گفت وشنید میں حیاء آئے گی اور اگر وہ جرات کر کے ایسا کر لیں تو لوگ ان کو بے حیا کہیں گے۔جو کہ نسوانیت کے وقار کے خلاف ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ مصری لکھتے ہیں: وانما یطالب الولی بالتزویج کیلا تنسب الی الوقاحة ولذا کان المستحب فی حقها تفویض الامر الیه۔(55)

اور بے شک مطالبہ کیا جاتا ہے ولی سے نکاح کرنے کا تا کہ اس عورت کی طرف بے حیائی کی نسبت نہ ہو۔اور اسی لیے عورت کے حق میں مستحب ہے کہ اس کا معاملہ ولی کے سپرد کیا جائے۔"

کفو کا لحاظ:

حنفیہ کے ہاں عاقلہ و بالغہ عورت کا اپنی پسند سے کیا ہوا ہی نکاح منعقد ہوگا جو اس نے اپنے "کفو" میں کیا ہوگا۔تا کہ اس کے اولیاء کے لیے باعث ذلت وعار نہ ہو۔اگر اس نے "غیر کفو" میں نکاح کیا تو وہ منعقد نہیں ہوگا۔

امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ (م۔743) لکھتے ہیں: وعن أبی حنیفة وأبی یوسف أنه لا یجوز فی غیر الکفء لأن کثیرا من الأشیاء لا یمکن دفعه بعد الوقوع واختار بعض المتأخرین الفتوی بهذه الروایة لفساد الزمان۔(56)

"اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز نہ ہوگا۔اس لئے کہ بہت سے ایسے معاملات ہیں واقع ہو جانے کے بعد جن کا حل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔اور بعض متاخرین نے زمانہ کے فساد کی وجہ سے اکی روایت پر فتوی دیا ہے۔"

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ (م۔970ھ) لکھتے ہیں: ان کان الزوج کفوا نفذ نکاحها والا فلم ینعقد أصلا وفی المعراج معزیا الی قاضی خان وغیرہ والمختار للفتوی فی زماننا۔(57)"

اگر عورت کا شوہر اس کے ہم پلہ ہو تو اس کا نکاح نافذ ہو جائے گا ورنہ بالکل نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا اور معراج میں قاضی خان وغیرہ کی طرف سے نسبت کرتے ہوئے ہے۔ ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے لئے یہی بات پسندیدہ ہے۔'' البتہ اگر لڑکی کے اولیاء اس غیر کفو میں نکاح سے رضامند ہوں تو پھر وہ نکاح صحیح ہے۔(58)

احناف کے اس موقف کی روشنی میں جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔1۔عاقلہ و بالغہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے خود نکاح کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کے ''کفو'' میں ہو۔2۔غیر کفو میں کیا ہوا نکاح بالکل منعقد ہی نہیں ہوگا۔ 3۔غیر کفو میں اگر اولیاء اپنی رضامندی سے نکاح کر دیں تو وہ درست ہوگا۔4۔عورتوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ خود ایسے اقدام نہ کریں بلکہ اولیاء کو واسطہ بنائیں تا کہ ان کی طرف بے حیائی منسوب نہ ہو۔

جمہور کا موقف:

جمہور فقہاء کے نزدیک اس قسم کا نکاح جو ولی'' کی تعبیر'' کے بغیر ہو درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ نکاح سے مقصود مقاصد نکاح ہوتے ہیں اگر ان کو عورتوں کے حوالے کر دیا جائے تو ان میں خلل واقع ہوگا اور وہ پوری طرح حاصل نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ عورتوں کی عقل ناقص ہے۔(59) اس مسئلہ میں جمہور کا موقف تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ الجد (م۔520ھ) لکھتے ہیں: ان النکاح لایصح الابولی ولا ینکح المراۃ الا ولیها.(60) ''ولی کے بغیر نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اور عورت نکاح نہ کرے مگر اپنے ولی کے ذریعے۔''

شوافع کا موقف:

امام ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لایصح النکاح الابولی فان عقدت المراۃ لایصح۔(61) ولی کے بغیر نکاح صحیح نہ ہوگا۔ پس اگر عورت نے عقد کر لیا تو صحیح نہ ہوگا۔''

امام ابو الحسین یحییٰ بن ابی الخیر العمرانی (م۔558ھ) لکھتے ہیں: قال الشافعی رحمة الله علیه قد دل کتاب الله تعالی وسنة رسوله ﷺ علی ان حتما علی الاولیاء ان یزوجوا الحرائر البوالغ اذا اردن النکاح۔(62)''
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تحقیق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ اس بات پر رہنمائی کرتی ہے کہ اولیاء پر لازم ہے وہ بالغہ آزاد عورتوں کی شادی خود کرائیں جب وہ عورتیں نکاح کا ارادہ کریں۔''

حنابلہ کا موقف:

شیخ الاسلام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ (م۔620ھ) لکھتے ہیں: فان عقدته المراۃ لنفسها، اولغیرها باذن ولیها، اوبغیر اذنه لم یصح۔(63) پس اگر عورت نے اپنا نکاح خود کر لیا یا کسی اور عورت کا ولی کی اجازت سے یا بغیر اجازت کے نکاح کر دیا تو وہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

جمہور فقہاء کے دلائل:

1۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (64) ''اور نکاح کرا دیا کرو تم لوگ ان کے جو تم میں سے بے نکاح ہوں۔

2۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (65) ''تم اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔'' ان مذکورہ بالا آیات میں اولیاء کو متوجہ کر کے خطاب کیا گیا ہے معلوم ہوا اولیاء کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح درست نہ ہوگا۔ (66)

3۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (67) ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔''

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ 450ھ) لکھتے ہیں: قال وهذه ابين آية فى كتاب الله تعالىٰ دلالة على ان ليس للمراة ان تتزوج بغير ولى۔ (68) ''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ آیت بڑی وضاحت سے اس مسئلہ پر دلالت کر رہی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ بغیر ولی کے شادی کرے۔''

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ مالکی الحفید (م۔ 595ھ) اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وهذا خطاب للاولياء ولو لم يكن لهم حق فى الولاية لما نهو عن العضل۔ (69) ''اور یہ خطاب اولیاء کو ہے۔ اور اگر ان کو حق ولایت حاصل نہ ہوتا تو انہیں عورتوں کو منع کرنے کی نہی نہ ہوتی۔''

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد ہو سکتا ہے تو اولیاء کو نکاح سے منع کرنے کا اختیار نہ رہا اس صورت میں قرآن کریم کی نہی کا کوئی مطلب نہ ہوا۔

4۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (70) ''مرد، عورتوں پر حاکم ہیں۔''

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ 671ھ) لکھتے ہیں: فقد تعاضد الكتاب والسنه على ان لا نكاح الا بولى۔ (71) ''تحقیق قرآن و سنت اس بات کی موید ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہ ہوگا۔''

5۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ ہے جب حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: قَالَ اِنِّىْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَىَّ هٰتَيْنِ (72) ''کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں۔

''امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وفيه عرض الولى ابنته على الرجل، وهذه سنة قائمة۔ (73) ''اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ولی اپنی بیٹی کو مرد پر پیش کرے (پیغام نکاح دے) اور یہی سنت رائج ہے۔''

اور آگے مزید امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وفى هذه الاية دليل على النكاح الى الولى لاحظ للمراة فيه۔ (74) ''اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد ہے اور عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔''6۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِىٍّ (75) ''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہ ہوگا۔''

7۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل (76) "جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔" اس پوری بحث سے معلوم ہوا جمہور فقہاء کے نزدیک عورت اپنی پسند اور مرضی سے خود نکاح نہیں کرسکتی اور اگر اس نے ایسا کرلیا تو اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

جمہور فقہاء کے دلائل کے جوابات:

1۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ اس آیت میں اولیاء کو نکاح کرانے کا حکم ہے۔ احناف کا موقف بھی یہی ہے کہ اولیاء کی وساطت سے امور نکاح طے ہونے چاہئیں، اس میں تو اختلاف نہیں ہے۔ اور اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عاقلہ وبالغہ نے اپنا نکاح خود کرلیا تو وہ منعقد ہوگا یا نہیں۔؟ اس آیت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا جمہور کا استدلال تام نہ ہوا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (م۔855ھ) لکھتے ہیں: یہ آیت کریمہ منسوخ ہے اور ناسخ یہ آیت ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (78) اور نیز اس میں خطاب عام ہے جو اولیاء کو بھی شامل ہوسکتا ہے اور غیر اولیاء (اولوالامر) کو بھی شامل ہوسکتا ہے تو استدلال تام نہ ہوا۔ (79)

3۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اس آیت سے بھی جمہور فقہاء کا استدلال نامکمل ہے۔ اس آیت میں واضح خطاب ان شوہروں کو ہو رہا ہے جو اپنی بیویوں کو طلاق کے بعد ان کی مرضی سے نکاح کرنے سے روکتے تھے۔

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لایتم الاستدلال به لان ظاهر الكلام ان الخطاب لازواج الذين يطلقون نساءهم ثم يعضلونها بعد انقضاء العدة تماً وحمية الجاهلية لايتركونهن يتزوجهن من شئن من الازواج۔ (80)

اس آیت کریمہ سے استدلال تام نہیں ہے۔ اس لیے کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں ان خاوندوں کو خطاب ہے جو اپنی عورتوں کو طلاق دے دیتے، پھر عدت گزرنے کے بعد جاہلیت کے تعصب کی وجہ سے انہیں روکے رکھتے تھے وہ انہیں چھوڑتے نہیں تھے کہ وہ اپنی حسب منشاء شوہروں سے شادی کرلیں۔"

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے اس محققانہ کلام سے واضح ہوا کہ اس آیت کریمہ میں اولیاء کو خطاب نہیں ہے بلکہ ان عورتوں کے سابقہ شوہروں کو ہے جو طلاق دینے کے بعد دوسری جگہ ان عورتوں کی شادی میں رکاوٹ بنتے تھے۔ نیز اس آیت وَاِذَا طَلَّقْتُمْ میں کہا جا رہا ہے جب تم طلاق دو، شرط میں ان کے پہلے خاوند مراد ہیں تو جزاء فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ میں بھی وہی خاوند مراد ہوں گے۔ اور اس کا قرینہ کے اس آیت میں خاوند ہی مراد ہیں۔ آیت کریمہ کے یہ الفاظ وَاِذَا طَلَّقْتُمْ "اور جب تم طلاق دو" طلاق خاوند دیتے ہیں نہ کہ اولیاء اس لیے یہ خطاب سابقہ شوہروں کو ہے۔

4۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ اس آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہو رہا ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔ امام ابن کثیر (م۔774ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مرد، عورت کا حاکم اور رئیس ہے۔ اور ہر طرح سے

اس کا محافظ و معاون ہے۔ اس لیے کہ مرد، عورتوں سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں میں رہی۔ بعینہٖ شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد بن سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنا والی عورت کو بنائے۔ اسی طرح ہر قسم کا منصب قضا بھی مردوں کے لائق ہے۔ اور دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے مرد، عورتوں پر مال خرچ کرتے ہیں جو قرآن وسنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً نان ونفقہ، مہر وغیرہ اور دیگر ضروریات کا پورا کرنا۔ پس مرد فی نفسہ بھی افضل ہے۔ اور باعتبار نفع کے بھی اس کا بڑا درجہ ہے۔ اسی لحاظ سے مرد کو عورت کا سردار بنایا گیا ہے۔"(81)

ابن کثیر کی بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے مردوں کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے۔ جس کا مقتضی یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے معاملات میں مردوں سے رہنمائی لینی چاہیے جس میں شادی وغیرہ کا مسئلہ بھی شامل ہے کہ مردوں کی سرداری اور قیادت میں عورتوں کو قدم بڑھانا چاہیے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ جس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان بحث ہے کہ اولیاء کی اجازت کے بغیر عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں، اور اگر کر لیتی ہے تو وہ منعقد ہوگا یا نہیں اس کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جبکہ وہ آیات جن میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہو رہی ہے ان کا مقتضی یہ ہے کہ اس قسم کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔

5۔ قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اولیاء کو پیغام نکاح دینا چاہیے جس کے استحبابی درجہ میں احناف بھی قائل ہیں۔ اور جو اختلافی مسئلہ ہے اس کا اس آیت میں ذکر نہیں ہے۔ کہ اگر عورتیں خود ایسے اقدامات کریں تو وہ صحیح ہوں گے یا نہیں۔؟ جبکہ حنفیہ کے پیش کردہ دلائل میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہو رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔

6۔ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ 7۔ ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل باطل باطل علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حدیثوں کے متعدد جوابات دیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔

۲۔ ان دونوں حدیثوں کی صحت میں اختلاف ہے اور یہ اس حدیث صحیح کا معارض نہیں بن سکتیں جس کی صحت میں اتفاق ہے اور وہ حدیث صحیح یہ ہے۔ اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا (82) بے نکاحی عورت اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

3۔ ایما امراۃ نکحت الخ یہ حدیث باندی، صغیرہ اور مجنونہ کے بارے میں ہے کہ ان کا نکاح ولی کے بغیر منعقد نہ ہوگا۔ یا اس عورت کے بارے میں ہے جو اپنا نکاح "غیر کفو" میں کرلے۔ نیز یہ حدیث جمہور فقہاء کے خلاف حجت ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی عورت نے ولی کی اجازت سے نکاح کیا تو اس حدیث کے مطابق وہ صحیح ہے حالانکہ جمہور فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک ولی کی "تعبیر" ضروری ہے۔

4۔ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ یہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے کہ اس قسم کا نکاح کامل نہیں ہوگا۔ 5۔ عورت اپنے نفس کی خود ولیہ ہے لہٰذا اگر وہ اپنا نکاح کرتی ہے تو وہ ولی کے بغیر نہ ہوا۔ اس توجیہ کا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے ان نکاحوں کی نفی ہو جائے گی جن میں عورتوں کی اپنے اوپر ولایت نہیں مثلاً باندی اور مجنونہ کی اپنے اوپر ولایت نہیں ہے۔ تو ان کے کیے ہوئے نکاح منعقد نہیں ہوں گے۔ (83)

احناف اور جمہور فقہاء کے تفصیلی موقف کو جاننے کے بعد دو قسم کی آراء سامنے آئی ہیں۔ 1۔ حنفیہ کے ہاں عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح کرنے میں خود مختار ہے۔ اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر "کفو" میں اپنا نکاح کر لیا تو یہ منعقد ہو جائے گا۔ گو بہتر یہی ہے کہ معاملات نکاح اولیاء کی وساطت سے ادا ہوں۔

2۔ جمہور فقہاء کے نزدیک عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی اگر ایسا کیا تو وہ نکاح سرے سے منعقد نہیں ہوگا۔ اب عصری رجحانات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر عاقلہ و بالغہ عورت اپنے "کفو" میں شادی کرتی ہے تو فقہائے احناف کے ہاں وہ نکاح درست ہوگا۔ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس قسم کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔ تاہم جو لوگ گھروں سے بھاگ کر اولیاء کی اجازت کے بغیر شادی و بیاہ کرتے ہیں ان کا یہ فعل خلاف سنت اور قابل مذمت ہے اور اس قسم کا نکاح شریعت اسلامیہ میں پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اولیاء اپنی اولاد کا بہتر اور اچھا ہی سوچتے ہیں۔ جہاں شریعت یہ کہتی ہے کہ مرد و عورت اپنی محبت و پسند سے نکاح کر سکتے ہیں وہاں اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ شادی اور نکاح کا معاملہ اپنے بزرگوں اور اولیاء کے ہاتھوں طے کرایا جائے اور عقد سے متاثر ہونے والے اہم افراد (اولیاء) کی رضامندی کے بغیر نہ کیا جائے۔ تاکہ نکاح کے بنیادی مقاصد پس پشت نہ چلے جائیں اور لڑائی جھگڑوں اور تلخیوں کا طوفان برپا نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ نکاح صرف دو افراد کے ملن کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس میں دو خاندانوں کے آپس میں تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ اگر خاندان کے بزرگوں اور بڑوں سے صرف نظر کرتے ہوئے نکاح کیا جائے گا تو اس میں ان کی دعائیں اور دلی تمنائیں شامل نہیں ہوں گی۔ اور بسا اوقات اولیاء اپنے نظر انداز کیے جانے کو اس قدر محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی شفقتوں اور سرپرستی اولاد کو محروم کر دیتے ہیں۔ جس سے زوجین کو قدم بقدم مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

احناف اور جمہور فقہاء کے اس موقف کو مدنظر رکھتے ہوئے حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تطبیق کی صورت نکالی ہے وہ نہایت اہمیت کی حامل ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: "نکاح میں صرف فیصلہ کرنے کا اختیار عورتوں کو دے دیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی عقل ناقص اور سوچ ادھوری ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ ان کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کے لئے کون سا قدم اٹھانا بہتر ہے اور عام طور پر ان خاندانی خصوصیات کا لحاظ بھی نہیں کرتی جو خاندانوں میں اہم ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ کبھی غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہیں جو اُن کے خاندان کے لئے باعث شرمندگی بنتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ تمام معاملات اولیاء کے ہاتھوں سرانجام ہوتا کہ ہر قسم کی خرابی اور فساد سے بچا جا سکے اور عام طور پر فطرت کی طرف سے لوگوں میں رائج طریقہ یہی ہے کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہوں اور ان کے ہاتھ میں ہی معاملات کو کھولنا اور لپیٹنا ہو۔ اُن کے ذمہ مصارف ہوں اور عورتوں کے نکاح میں اولیاء کا ہونا مردوں کی شان بڑھاتا ہے اور عورتوں کا خود نکاح کرنا بے شرمی کی بات ہے جس کا سبب حیاء کی کمی ہے اور اس میں اولیاء کی حق تلفی ہوتی ہے جو ان کی بے قدری کا باعث ہے اور اہم بات یہ ہے کہ نکاح کی تشہیر بھی ضروری ہے تاکہ نکاح اور بدکاری میں فرق ہو جائے اور شہرت کا بہترین طریقہ ہے کہ اولیاء کو نکاح میں شامل کیا جائے۔" (84)

آخر میں شاہ صاحب نے ایک اور اہم بات کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے: 'اقول: لایجوز ایضا ان یحکم

الاولیاء فقط لانھم لایعرفون ما تعرف المراۃ من نفسھا ولان حار العقد وقارہ راجعان الیھا۔ (85)

''میں کہتا ہوں یہ بھی جائز نہیں کہ صرف اولیاء کو ہی حاکم بنا کر عورتوں کے نکاح کا پورا اختیار دے دیا جائے اس لئے کہ وہ نہیں جانتے اس بات کو جسے عورت اپنی ذات کے بارے میں جانتی ہے اور اس لئے کہ عقد کا گرم و سرد معاملہ عورت کی طرف لوٹنے والا ہے۔''

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے نہایت معتدل ہے کہ شادی و بیاہ کے مسئلہ میں مکمل اختیار نہ صرف اولیاء عورت کو دیا جائے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند کو مدنظر رکھتے ہوئے عورتوں کے جذبات سے کھیلیں اور نہ ہی عورت کو مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنی من مانی اور مرضی کے مطابق شادی کرنے کے لئے اپنے اولیاء سے مشاورت کی بھی ضرورت محسوس نہ کرے بلکہ فریقین کو چاہیے کہ وہ اس نہایت اہم عائلی مسئلہ کو شریعت اسلامیہ کے دیے گئے احکامات کی روشنی میں طے کریں کہ جانبین کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ جو کہ یقیناً اُن کے لئے باعث برکت واطمینان ہوگا۔ خلاصہ بحث: اسلام ایک عالمگیر مذہب اور دین فطرت ہے جو انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو صاف اور پاکیزہ دیکھنا چاہتا ہے۔ ہر وہ بے راہ روی کا راستہ اور موڑ جو انسان کے لئے نقصان دہ ہے اس سے منع کرتا ہے اور سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔

عورتوں کی طرف رغبت اور قلبی میلان ور جحان لوگوں کی فطرت میں شامل ہے۔ اسلام نے غلط اور آوارگی والے راستوں کے متبادل مرد و عورت کے درمیان تعلق کا ایک جائز طریقہ نکاح کی صورت میں دیا۔ جس کا مقصود اصلی مرد و عورت کا ایک دوسرے سے جنسی آسودگی حاصل کرنا ہے اور اپنے دامن عفت کو بے حیائی اور برائی کے بدنما داغوں سے بچانا ہے جو نہ صرف حفاظت نسب کا سبب ہے بلکہ بقاء نسلِ انسانی کا بھی ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ جنسی تعلقات کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔ اس رشتہ کے قیام کے لئے اسلام مرد و عورت دونوں کو پسند و ناپسند کا اختیار دیتا ہے تاکہ شادی کے بعد ناپسندیدگی کی تلخیاں پرسکون زندگی میں انتشار و اضطراب کی باعث نہ بنیں اور اولیاء کو اس مسئلہ میں عورتوں پر سختی کرنے سے منع کیا ہے۔ اور مردوں و عورتوں کو بھی یہ تلقین کی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو اعتماد میں لے کر ان کی مشاورت و معاونت سے فیصلہ کریں اور ان کی وساطت سے قدم اٹھائیں تاکہ ان کی بھی دل آزاری نہ ہو اور معاشرتی زندگی صحیح خطوط پر اپنا سفر جاری رکھ سکے۔

43۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل، ابوالحسن، الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، ج 1، ص 191 44۔ ایضاً، ج 1، ص 191 45۔ الکاسانی، علاء الدین، ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ، ج 2، ص 248 46۔ ایضاً، ج 2، ص 248 47۔ القرآن، الاحزاب: 50 48۔ الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج 2، ص 248 49۔ السرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ، المبسوط، بیروت، دار المعرفت، 1414ھ، ج 5، ص 10 50۔ النسائی، احمد بن شعیب، السنن، حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ، ج 6، ص 85 51۔ الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج 2، ص 248 52۔ المسلم، الصحیح، ج 2، ص 1037 ابوداؤد، السنن، ج 2، ص 232 الترمذی، السنن، ج 3، ص 408 النسائی، السنن، ج 6، ص 84 مالک بن انس، الامام، الموطا، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1406ھ، ج 2 ص 524 ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج 3، ص 117 53۔ السرخسی، المبسوط، ج 5، ص 12 54۔ المرغینانی، الھدایہ، ج 1، ص 191 55۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج 3، ص 117 56۔ الزیلعی، فخر الدین، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، قاہرہ، المطبعۃ الکبری الامیریہ، 1313ھ، ج 2، ص 117 57۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج 3، ص 118 58۔ شیخ نظام و جماعۃ من علماء الھند، فتاویٰ عالمگیری، بیروت، دار الفکر، ج 1، ص 293 59۔ المرغینانی، الھدایہ، ج 1، ص 191 60۔ ابن رشد الجد،

محمد بن احمد، ابوالولید، المقدمات الممہدات، دار الغرب الاسلامی، 1408ھ، ج1، ص61472۔ الشیرازی، المہذب، ج2، ص62426۔ العمرانی، ابوالحسین یحییٰ بن ابن الخیر، البیان فی مذہب الامام الشافعی، جدہ، دار المنہاج، 1421ھ، ج9، ص63152۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابو محمد، الکافی فی فقہ الامام احمد، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1414ھ، ج3، ص649۔ القرآن، النور: 6532۔ القرآن، البقرہ: 66221۔ ابن رشد الجد، المقدمات الممہدات، ج1، ص67472۔ القرآن، البقرہ: 68221۔ الماوردی، علی بن محمد، ابوالحسن، الحاوی الکبیر فی فقہ مذہب الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1419ھ، ج9، ص6937۔ ابن رشد الحفید، محمد بن احمد، ابوالولید بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، قاہرہ، دار الحدیث، 1425ھ، ج3، ص7037۔ القرآن، النساء: 7134۔ قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب المصریہ، 1384ھ، جلد3، ص7273۔ القرآن، القصص: 7327۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج13، ص74271۔ ایضاً، ج13، ص75271۔ النووی، یحییٰ بن شرف، المجموع شرح المہذب، بیروت، دار الفکر، س ن، ج16، ص148 ابن قدامہ، الکافی فی فقہ الامام احمد، ج3، ص9 ابوداؤد، السنن، ج2، ص76229۔ ابن رشد الحفید، بدایۃ المجتہد، ج3، ص37 النووی، المجموع شرح المہذب، ج16، ص148 ابوداؤد، السنن، ج2، ص77229۔ القرآن، المائدہ: 795۔ العینی، محمود بن احمد، بدر الدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ج20، ص80121۔ ایضاً، ج20، ص81121۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1409ھ، ج2، ص82256۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج3، ص83117۔ ایضاً، ج3، ص84117۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج2، ص85196۔ ایضاً، ج2، ص196

بَابٌ فِي الْعَضْلِ

باب: (عورتوں کو دوسری شادی سے) منع کرنا

2087 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ، حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ رَاشِدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ، قَالَ: كَانَتْ لِي أُخْتٌ تُخْطَبُ إِلَيَّ فَأَتَانِي ابْنُ عَمٍّ لِي فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ، ثُمَّ طَلَّقَهَا طَلَاقًا لَهُ رَجْعَةٌ، ثُمَّ تَرَكَهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، فَلَمَّا خُطِبَتْ إِلَيَّ أَتَانِي يَخْطُبُهَا، فَقُلْتُ: لَا، وَاللَّهِ لَا أُنْكِحُهَا أَبَدًا، قَالَ: فَفِيَّ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرة: 232) الْآيَةَ، قَالَ: فَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ

✪✪ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میری بہن کے رشتے آئے میرا ایک چچازاد بھی (رشتہ لے کر) آیا تو میں نے اپنی بہن کی شادی اس کے ساتھ کردی، پھر اس نے میری بہن کو ایسی طلاق دی جس میں اسے رجوع کرنے کا حق حاصل تھا، لیکن اس نے رجوع نہیں کیا، اور میری بہن کی عدت گزر گئی، پھر جب اس کے رشتے آنے لگے تو وہ چچازاد، پھر رشتہ لے کر آ گیا، میں نے کہا: جی نہیں! اللہ کی قسم، میں (تمہارے ساتھ) اس کی شادی کبھی نہیں کروں گا۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تو یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی:

''جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور پھر ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم (یعنی عورت کے رشتے دار) ان عورتوں کو اس

2087- اخرجه البخاري (4529) و (5130) و (5330) مختصراً و (5331)، والترمذي (3223)، والنسائي في "الكبرى" (10974) و (10975) من طرق عن الحسن البصري، به. وقال الترمذي: حديث حسن صحيح

سے نہ روکو کہ وہ اپنے سابقہ شوہروں سے شادی کریں"۔

حضرت معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تو میں نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور اپنی بہن کی شادی اس شخص کے ساتھ کر دی۔

شرح

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں (یعنی ان کی عدت پوری ہو جائے) تو تم انہیں نہ روکو) یعنی منع نہ کرو عضل کے معنی منع کرنے کے ہیں اور اصلی معنی اس کے ضیق اور شدت کے ہیں (چنانچہ) الداء العضال عرب میں اس بیماری کو کہتے ہیں جس کا علاج نہ ہو سکے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ دونوں کلاموں کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ بلوغ کے الگ الگ معنی ہیں۔

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (اس سے کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں) اس کے مخاطب (عورت کے) اولیا (یعنی ورثاء ہیں یہ آیت معقل بن یسار کی بہن جملاء بنت یسار کے بارے میں نازل ہوئی ہے بداح بن عاصم بن عجلان نے اسے طلاق دیدی تھی بخاری۔ ابوداؤد ترمذی وغیرہ نے معقل بن یسار سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک شخص سے کر دیا تھا پھر اس نے اسے طلاق دیدی اور جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو وہ پھر پیغام لے کر آئے میں نے اس سے یہ بات کہی کہ پہلے تو میں نے تم سے اس کا نکاح کر دیا تھا تمہارا گھر بسا دیا تھا سب طرح تمہاری آبرو تھی لیکن تم نے اسے طلاق دیدی اور اب پھر پیغام لے کر آئے ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا خدا کی قسم اب وہ تمہارے ہاں ہرگز نہیں جا سکتی اور وہ آدمی کچھ برا نہ تھا اور میری بہن بھی پھر اس کے ہاں جانا چاہتی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن تب میں نے (حضور کی خدمت میں) عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں ضرور کر دوں گا۔

چنانچہ پھر اسی سے نکاح کر دیا ابن جریر نے بہت سے طریقوں سے بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یہ آیت جابر بن عبداللہ انصاری کے حق میں نازل ہوئی ان کی ایک چچازاد بہن تھی اس کے خاوند نے اسے طلاق دیدی تھی اور جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو پھر اس نے ان کی بہن سے نکاح کرنا چاہا تو جابر رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا پہلا قول زیادہ صحیح اور قوی ہے اور شاید یہ دونوں ہی قصوں میں نازل ہوئی ہو۔ آیت کا سیاق یہ چاہتا ہے کہ یہ خطاب ان مردوں کو ہو جنہیں آیت: واذا طلقتم النساء میں خطاب کیا گیا ہے (یعنی) جو اپنی بیویوں کو ان کی عدت پوری ہونے کے بعد دوسرے خاوندوں سے نکاح کرنے سے ظلماً روکتے تھے اور ہم نے جو بخاری وغیرہ کی روایت شان نزول میں ذکر کی ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ خطاب اولیاء کو ہو کیونکہ وہ روکنا جملا کے بھائی معقل بن یسار کی جناب سے ہوا تھا پس میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یہ خطاب سب لوگوں کو ہو کیونکہ (یہ قاعدہ ہے کہ) جس وقت کوئی فعل ایک آدمی سے صادر ہوتا ہے تو اس کی نسبت ایک جماعت کی طرف کر دی جایا کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے کہ:

لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل [الاية] (ایک دوسرے کے مال نہ کھایا کرو) اور فرمایا: ولا تخرجوا انفسكم من دياركم [الاية] (تم خود ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے نہ نکالو) اور اس وقت آیت کے سیاق اور شان نزول میں کوئی مزاحمت (اور مخالفت) نہیں ہے اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ جب تم میں سے کچھ مرد عورتوں کو طلاق دیدیں اور وہ اپنی عدت پوری

کرلیں تو اے اولیا پہلے تم ان کو پہلے خاوندوں سے یا ان کے علاوہ اور کسی کے ساتھ نکاح کر لینے سے مت روکو لفظ ازواج کے بہر صورت مجازی معنی مراد ہیں کیونکہ اس موقع پر خاوند کہنا یا تو باعتبار گذشتہ کے ہے (یعنی جو پہلے خاوند تھا اور یا باعتبار آئندہ کے ہے (یعنی جو نکاح کرنے کے بعد خاوند ہو جائیں گے) واللہ اعلم۔ شافعیہ نے اس آیت میں اولیاء کو مخاطب قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ اگر وہ خود ایسا کر سکتی تو پھر ولی کے روکنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ شافعیہ نے عورت کی طرف نکاح کی نسبت کرنے کو مجاز پر حمل کیا ہے اور کہا ہے کہ نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف فقط اس سبب سے ہے کہ نکاح ان کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے مگر یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ ولی اس صورت میں بھی روک سکتا ہے کہ جب نکاح عورت کا اختیاری فعل قرار دیا جائے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تمنعوا اماء اللہ عن مساجد اللہ (یعنی اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں (میں آنے) سے تم نہ روکا کرو) باوجودیکہ مسجدوں میں آنا عورت کا اختیاری فعل ہے بلکہ روکنا اور برانگیختہ کرنا اختیاری ہی فعل میں ہوتا ہے پس اس مسئلہ میں شافعیہ (کو اگر استدلال کرنا ہی تھا تو ان) کے لیے اس آیت سے استدلال کرنا بہتر تھا کہ: ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمن (کیونکہ اصل اسناد میں حقیقت ہی ہے)۔

کیا آزاد عاقلہ بالغہ عورت بغیر ولی کے اپنا نکاح کر سکتی ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عورت کو خود اپنی گفتگو کے ساتھ اپنا نکاح کر لینا جائز ہے اور اس کی رضامندی سے اس کے وکیل کے ذریعہ سے بھی نکاح ہو جاتا ہے اگرچہ ولی اس پر رضامند نہ ہوں برابر ہے کہ وہ خاوند اس کا کفو ہو یا نہ ہو ہاں کفو نہ ہونے کی صورت میں ولی اعتراض کر سکتا ہے اور ایک روایت میں ان سے یہ بھی مروی ہے کہ غیر کفو (کی صورت) میں نکاح نہیں ہوتا اور امام محمد کے نزدیک کفو اور غیر کفو دونوں سے نکاح ہو جاتا ہے لیکن ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر عورت شریف زادی اور خوبصورت یا مالدار ہے کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کا ہر کوئی خواہاں ہوتا ہے تو اس کا نکاح بغیر ولی کے درست نہ ہوگا اور اگر عورت ایسی نہیں ہے تو اس کا نکاح اس کی رضامندی سے کوئی اجنبی بھی کر سکتا ہے ہاں اس کی گفتگو سے نہیں ہوتا۔ امام شافعی اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ بغیر ولی کے نکاح ہوتا ہی نہیں اور یہی ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے انہوں نے اسی (مذکورہ) آیت سے استدلال کیا ہے اور اس پر جو اعتراض ہے اس کو تم ابھی سن چکے ہو اور چند حدیثوں سے بھی استدلال کیا ہے منجملہ ان کے ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل ف۔ کاحھا باطل فنکاحھا باطل فان دخل بھا فلھا المھر بما استحل من فرجھا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی لہ (یعنی جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے تو اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے پس اگر اس سے صحبت ہو جائے تو اس کی شرمگاہ کو حلال سمجھ لینے کی وجہ سے وہ مہر کی مستحق ہوگی اور اگر ان میں کچھ جھگڑا ہو جائے تو جس کا کوئی ولی نہ اس کا ولی سلطان ہے۔)

یہ حدیث اصحاب سنن نے ابن جریج کی سند سے انہوں سلیمان بن موسیٰ سے انہوں نے زہری سے انہوں نے عروہ سے انہوں حضرت عائشہ سے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے طحاوی کہتے ہیں ہم سے ابن ابی عمان نے یہ بیان کیا کہ مجھ سے

یحیٰی بن معین بیان کرتے تھے انہوں نے ابن علیہ سے اور ابن علیہ نے ابن جریج سے روایت کی ہے ابن جریج کہتے ہیں کہ میں زہری سے ملا اور یہی حدیث میں نے انہیں سنائی تو انہوں نے اس کا (صاف) انکار کر دیا (کہ مجھے معلوم نہیں) ابن جوزی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ زہری نے سلیمان بن موسیٰ کی تعریف کی ہے لہٰذا زہری کا یہ انکار کر دینا ان کے بھول کی وجہ سے ہوا ہے، نیز حضرت عائشہ کی دوسری حدیث ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: لا نکاح الا بولی والسلطان ولیمن لا ولی له اس حدیث کو ترمذی۔ ابوداؤد و ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور اس (کی سند) میں حجاج بن ارطاۃ (راوی) ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: لا نکاح الا بولی وشاهدی عدل (یعنی ولی اور دو منصف گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا) اس حدیث کو دار قطنی نے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں یزید بن سنان اور اس کا باپ راوی ہیں جن کی نسبت دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے اور امام احمد نے بھی اس کو ضعیف ہی شمار کیا ہے، نیز حضرت عائشہ ہی سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا بد للنکاح من اربعة الولی والزوج وشاهدین (یعنی نکاح کے لیے چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

ولی۔ شوہر اور دو گواہ یہ حدیث دار قطنی نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں نافع بن میسرا ابو خطیب (راوی) مجہول ہے اور ایک حدیث ابو بردہ کی ہے جو انہوں نے اپنے باپ ابو موسیٰ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوتا یہ حدیث۔ امام احمد نے نقل کی ہے اور ایک مرفوع حدیث ابن عباس کی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوتا اور جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے یہ حدیث امام احمد نے حجاج بن ارطاۃ کی سند سے روایت کی ہے اور یہ (راوی) ضعیف ہے اور یہی ایک اور سند سے بھی مروی ہے اس (سند) میں عدی بن فضل اور عبد اللہ بن عثمان دونوں ضعیف ہیں اور ابن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح خود کر لیں نکاح بغیر ولی اور دو گواہوں اور مہر کے نہیں ہوتا۔ مہر تھوڑا ہو یا بہت ہو۔

یہ حدیث ابن جوزی نے روایت کی ہے اور اس (کی سند) میں ایک راوی تھا اس ہے یحیٰی نے کہا ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے اور ابن عدی کہتے ہیں کہ راوی کسی قابل نہیں اور ایک حدیث ابن عمر اور ابن مسعود کی ہے دونوں کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نہیں ہوتا ابن مسعود کی حدیث میں (ایک راوی) بکیر بن بکار ہے (اس کی بابت) یحیٰی نے کہا ہے کہ یہ راوی کچھ نہیں اور (ایک راوی) عبد اللہ بن محرز ہے جسے دار قطنی نے متروک کہا ہے اور ابن عمر کی حدیث میں ثابت بن زہیر (راوی) منکر الحدیث ہے اسی طرح ابو حاتم نے کہا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی اور ایک حدیث ابو ہریرہ کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا کہ نہ عورت کسی عورت کا نکاح کرے اور نہ خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ زناکار عورت ہے جو اپنا نکاح آپ کرتی ہے یہ حدیث دار قطنی نے دو طریقوں سے نقل کی ہے ایک طریق میں جمیل بن حسن راوی ہے اور دوسرے میں مسلم بن ابی مسلم ہے۔ یہ دونوں مجہول ہیں اور ایک مرفوع حدیث جابر کی ہے کہ بغیر مرشد ولی اور دو عادل گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا یہ حدیث ابن جوزی نے روایت کی ہے اس (کی سند) میں محمد بن عبید اللہ عزرمی ہے۔ نسائی اور

یحیٰی کہتے ہیں کہ یہ راوی متروک ہے اس کی حدیث لکھنے کے قابل نہیں اور اس میں قطر بن یسیر (بھی) ضعیف ہے۔

اور ایک حدیث معاذ بن جبل کی ہے جو انہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جو عورت بغیر ولی کے اپنا نکاح کرلے تو وہ زنا کار ہے یہ حدیث دار قطنی نے نقل کی ہے اور اس میں ابو عصمہ اسم بن ابی مریم (راوی) ہے جس کی بابت یحیٰی نے کہا ہے کہ یہ راوی کچھ نہیں اور دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ متروک ہے۔ حنفیہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ اور ان ینکحن ازواجھن سے استدلال کیا ہے کیونکہ اصل اسناد میں حقیقت ہے یعنی یہ کہ عورت اپنا نکاح خود کرلے اور حضرت ابن عباس کی اس مرفوع حدیث سے بھی: الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستاذن فی نفسها و اذنها صماتها (یعنی بیوہ اپنی جان کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور بن بیاہی کا نکاح کرنے میں اس سے اجازت لینی چاہئے اور اس کی اجازت اس کا خاموش ہوجانا ہے) یہ حدیث مسلم۔ امام مالک۔ ابوداود۔ ترمذی۔ نسائی نے روایت کی ہے اور اس سے استدلال کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اولیاء کا سوائے نکاح کردینے کے اور کوئی حق نہیں ہے اور بیوہ عورت اپنے نفس کی اس سے زیادہ حقدار ہے تو پس یہ اپنا نکاح کرنے میں بھی اس سے اولیٰ ہوگی۔ اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن کی حدیث سے (بھی) استدلال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے ایک آدمی سے میرا نکاح کردیا ہے اور میں راضی نہیں ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ سے فرمایا کہ تمہیں نکاح کا اختیار نہیں اور اس عورت سے فرمایا کہ جا تو جس سے چاہے نکاح کرلے۔ یہ حدیث ابن جوزی نے روایت کی ہے شافعیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل سے حجت نہیں ہوسکتی ہم کہتے ہیں (ہمارے نزدیک مرسل (حدیث) حجت ہے

حضرت عائشہ کی ایک حدیث ہے کہ قتادہ (نامی ایک عورت) ان کے پاس آئی اور کہا کہ میرے باپ نے اس کا حسب (نسب) بڑھانے کے لیے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کردیا ہے اور یہ نکاح مجھے ناپسند ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیٹھ جا اتنے میں آنحضرت بھی تشریف لے آئے اس عورت نے یہ قصہ پھر حضور سے بیان کیا آپ نے اس کے باپ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور اس بارے میں اس عورت ہی کو اختیار دیدیا وہ بولی یا رسول اللہ میں اپنے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو ایسے ہی رہنے دیتی ہوں۔ میں نے فقط یہ چاہا تھا کہ سب عورتوں کو یہ بات جتلا دوں کہ باپوں کو اس بارے میں کچھ اختیار نہیں ہے۔ یہ حدیث نسائی نے روایت کی ہے یہاں استدلال کی یہ صورت ہے کہ اس حدیث میں اس عورت کے اس کہنے کو اس بارے میں باپوں کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت رکھنا (یعنی اس کا انکار نہ فرمانا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کے اور حدیث: لانکاح الابولیکے معارض ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ جب نصوص آپس میں متعارض ہوں تو ان میں ترجیح کا کوئی طریقہ نکالنا یا کچھ تاویل کرکے دونوں کو جمع کرنا (یعنی دونوں کے معنی بنانا) واجب ہے۔ پس ترجیح کے طریقہ پر تو جو روایت مسلم نے نقل کی ہے وہ سند کی رو سے سب سے زیادہ صحیح اور قوی ہے بخلاف ان حدیثوں کے جو اور محدثین نے نقل کی ہیں کیونکہ وہ ضعف یا اضطراب سے خالی نہیں ہیں اور احادیث کا تعارض دور کرنے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: لانکاح الابولی کے یہ معنی ہیں کہ وہ نکاح مسنون طریقہ پر نہیں ہوتا یا یہ مطلب ہے کہ نکاح اسی شخص کے ساتھ ہوتا ہے جس کے لیے ولایت ہوتا کہ اس

سے مسلمان عورت کے ساتھ کافر کے نکاح کرنے میں نفی ہو جائے علیٰ ہذا القیاس نکاح فاسدہ میں سے محرم عورت کے ساتھ نکاح کرنے یا پہلے خاوند کی عدت میں نکاح کرنے وغیرہ کی بھی نفی ہو جائے اور حضرت عائشہا کی حدیث کے یہ معنی ہیں کہ عورت غیر کفو سے نکاح کرلے (وہ نکاح نہیں ہوتا) جو لوگ غیر کفو سے عورت کے نکاح کرنے کو بالکل ناجائز کہتے ہیں ان کے قول پر باطل کے معنی حقیقی ہیں اور جو لوگ اسے درست کہتے ہیں اور نکاح فسخ کرنے میں ولی کے حق کو ثابت کرتے ہیں ان کے قول پر باطل حکماً مراد ہے اور نصوص کے اطلاقات میں یہ سب تاویلیں شائع (ذائع) ہیں اور دفع تعارض کے لیے اس کا مرتکب ہونا واجب ہے یا ہم کہیں گے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب عورت اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت سے کرلے تو وہ نکاح جائز ہے امام شافعی کے قاعدہ پر تو اس لیے کہ وہ مفہوم کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ پر اس لیے کہ یہ بطلان کے حکم میں داخل نہیں ہے اور اصل جواز ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ عورت کا خود نکاح کرلینا (نفس) نکاح میں خرابی نہیں لاتا بلکہ خرابی لانے والا ولی کا حق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ: **الایم احق بنفسها من ولیها** ”اور ولی کا حق غیر کفو (سے نکاح کرلینے میں دفع عار کے لیے روک پیدا کرتا ہے۔

إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ (جب وہ باہم رضامند ہو جائیں) یعنی پیغام دینے والے مرد اور عورتیں یہ ان ینکحن کے متعلق ہے باہم رضامندی شرط ہونے کی بنا پر تمام فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ بالغہ عورت جب بیوہ ہو اس پر زبردستی کرنی جائز نہیں ہے اور بن بیاہی بالغہ میں اختلاف ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ باپ اور دادا کے لیے ایسی لڑکی کا نکاح بغیر اس کی رضامندی کے کر دینا جائز ہے صرف باپ کے بارے میں یہی قول امام مالک کا ہے اور یہی ایک مشہور روایت امام احمد سے بھی ہے کیونکہ یہ آیت بیوہ عورتوں کے بارے میں ہے۔ ابن جوزی نے اس روایت کے مفہوم سے حجت کی ہے جو ابن عباس نے مرفوعاً ان لفظوں سے نقل کی ہے کہ: **الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر یستامرها ابوها فی نفسها**۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ استدلال ایسے مفہوم سے ہے جو حدیث یا آیت سے مخالف ہے اور مفہوم ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے اس کے علاوہ یہ حدیث اور آیت ہماری حجت ہے نہ کہ ہمارے مقابلہ میں کیونکہ یہ حدیث بکر سے اجازت لینے کے واجب ہونے پر صریح دال ہے اور اجازت لینا زبردستی کرنے کے بالکل منافی ہے اور اس آیت اللہ تعالیٰ کا ارشاد: **ذلکم ازکی لکم واطهر** [الآیۃ] اس پر دلالت کرتا ہے کہ (عورتوں کو) روکنے کی حرمت اور رضامندی کی شرط ان خرابیوں کے خلاف ہے جو روکنے اور زبردستی کرنے میں ہوتی ہیں جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے اور یہ خرابیاں بکر اور بیوہ دونوں پر زبردستی کرنے میں برابر ہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب اختیار ہونے میں بکر اور بیوہ دونوں برابر ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: **الثیب احق بنفسها من ولیها** اور **والبکر یستامر** میں فرق کرنے کی کیا وجہ ہے اور اسی طرح مسلم کی روایت کے مطابق: الایم احق کے بکر کو ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

ہم کہتے ہیں فرق کی وجہ اس کی اجازت کی کیفیت بیان کرنی ہے کہ **إِذْنُهَا صُمَاتُهَا** (یعنی باکرہ کا اجازت دینا اس کا خاموش ہو جانا ہے) بخلاف بیوہ عورت کے کہ اس کا خاموش ہو جانا اجازت ہونے میں معتبر نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے ایک وکیل کر دے یا صریح اجازت دے اور اس کے علاوہ باکرہ لڑکیاں اپنا نکاح اکثر خود نہیں کیا کرتیں اور اسی وجہ سے حضور

انور نے عام طور پر فرمادینے کے بعد اس کو خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ لوگ اجازت لینے میں سستی نہ کرنے لگیں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت سے بھی حجت لی ہے جو حسن سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لیستأمر الابکار فی انفسھن فأن ابین اجبرن** (یعنی باکرہ لڑکیوں کے نکاح کرنے میں اس سے اجازت لینی چاہیے اگر وہ انکار کریں تو ان پر زبردستی کی جائے) اور یہ حدیث متن اور سند دونوں اعتبار سے ساقط ہے متن کے اعتبار سے تو اس لیے کہ اجازت لینے اور زبردستی کرنے میں صریح تناقض ہے کیونکہ اس وقت (یعنی جب اس پر زبردستی کرسکتے ہیں تو) اس سے اجازت لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور سند کے اعتبار سے اس لیے کہ اس کی سند میں عبدالکریم (راوی) ہے ابن جوزی نے (اس کی بابت) کہا ہے کہ اس کے متہم ہونے پر سب محدثین کا اجماع ہے اور ہمارے موافق (بھی) بہت سی حدیثیں ہیں بعض ان میں سے وہ ہیں جو ہم نے ذکر کردی ہیں منجملہ ان کے ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح کردیا ہے اور وہ مجھے ناپسند ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دے دیا۔ یہ حدیث امام احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے متصل سند کے ساتھ اور صحیح راویوں سے نقل کی ہے اور بیہقی کا یہ کہنا کہ یہ مرسل ہے کچھ معتز نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بعض طریقوں سے مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل (بھی) حجت ہے اور بعض صحیح طریقوں سے متصل ہے ابن قطان نے کہا ہے کہ ابن عباس کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ عورت خنساء بنت جذام نہیں ہے کہ جس کا نکاح اس کے باپ نے کردیا تھا اور وہ بیوہ تھی پھر اس کی مرضی نہ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح توڑ دیا، یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے ابن ہمام کہتے ہیں مروی ہے کہ خنساء بھی باکرہ تھی نسائی نے اس کی حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ (ذکر) ہے کہ یہ باکرہ تھی لیکن ترجیح بخاری کی روایت کو ہے اور دارقطنی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے ایک باکرہ اور ایک بیوہ کا نکاح توڑ دیا تھا ان دونوں کا نکاح ان کے باپ نے بغیر ان کی رضامندی کے کردیا تھا دارقطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ لڑکی کا نکاح کردیا تھا وہ اس نکاح سے راضی نہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح توڑ دیا اور ایک اور روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ جو عورتیں اپنے باپوں کے نکاح کیے ہوئے کو پسند نہ کرتی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے خاوندوں سے علیحدہ کرلیتے تھے خواہ وہ باکرہ ہوں یا بیوہ۔ دارقطنی نے جابر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کردیا تھا پھر وہ لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی (اور اس نے اپنی ناخوشی ظاہر کی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تفریق کرادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ فتاۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ کہنے لگی کہ میرا باپ اچھا آدمی ہے اس نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے اس لیے کردیا ہے تاکہ اس کا رذیل پن جاتا رہے۔ یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بارے میں اسے اختیار دیدیا وہ بولی کہ میں نے اپنے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو تو ویسے ہی رکھا ہے لیکن میں نے یہ چاہا تھا کہ سب عورتوں پر یہ بات ظاہر کردوں کہ اس بارے میں باپوں کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ دارقطنی کہتی ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جابر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا تینوں کی حدیثیں مرسل ہیں اور ابن بریدہ کا حضرت عائشہ سے سننا ثابت نہیں ہے اور جابر کی حدیث کا امام احمد نے

(بھی) انکار کیا ہے اور دارقطنی کہتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث عطاء سے مرسل ہے اور اس کے مرفوع (کر کے بیان) کرنے میں شعیب کو وہم ہو گیا ہے ابن جوزی کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ثابت نہیں کیونکہ ابن ابی ذئب نے نافع سے کچھ نہیں بلکہ عمر بن حسین سے سنا ہے اور اسی حدیث کی بابت کسی نے امام احمد سے پوچھا تھا کہ انہوں نے فرمایا تھا۔ یہ باطل ہے ہم کہتے ہیں کہ مرسل حدیث حجت ہیں خاص کر استشہاد اور تقویہ کے لیے اور ابن جوزی کا یہ کہنا کہ یہ حدیثیں اس صورت پر محمول ہیں کہ کوئی باکرہ بالغہ غیر کفو سے نکاح کر لے تو یہ بلا سبب خلاف ظاہر پر حمل کرنا ہے اس کے علاوہ حضرت عائشہ کی حدیث میں اس حمل کے ابطال پر یہ لفظ صریح ہیں کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے کیونکہ چچا کا بیٹا تو کفو ہوتا ہے اور یہ کہنا کہ یہ بھتیجا ان کی ماں کی طرف سے تھا تو یہ بھی احتمال بعید بلا دلیل ہے واللہ اعلم۔ مسئلہ اس پر سب (فقہاء) کا اتفاق ہے کہ باکرہ صغیرہ کے نکاح کر دینے کا باپ کو اختیار ہے اور بیوہ صغیرہ میں اختلاف ہے امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ بیوہ صغیرہ کا نکاح ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے اس کے اجازت دینے کا اعتبار نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اجازت عقل پر موقوف ہے اور بالغ ہونے سے پہلے عقل (کا ہونا) معتبر نہیں ہے لہٰذا اس کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہوتا اور بیوہ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہوتا پس اس کا نکاح بھی درست نہ ہوگا اس نتیجہ کا صغریٰ تو اجماع (ہونے) کے بعد بدیہی ہے ہاں کبریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ: الثیب احق بنفسہا اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور ابو ہریرہ کی حدیث کہ بیوہ کا نکاح اس سے اجازت لیے بغیر نہ کیا جائے اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور خنساء کی حدیث کہ میرے باپ نے میرا نکاح کر دیا ہے اور میں رضامند نہیں ہوں اور وہ بیوی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح توڑ دیا اس کو بخاری نے نقل کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ بیوہ کے ولی کو (اس کا) کچھ اختیار نہیں ہے اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے دارقطنی نے اس میں نقص بیان کیا ہے اور جواب یہی ہے کہ خنساء بالغہ تھی کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ بیوہ صغیرہ سے اجازت نہ لی جائے اور نہ اس کا اجازت دینا صحیح ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اسے خود نکاح کر لینا جائز نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ باپ کے لیے اس کا نکاح کر دینا جائز ہے اگرچہ وہ رضامند نہ ہو کیونکہ باکرہ صغیرہ میں ولایت کا سبب یا تو صغیرہ ہونا ہوتا ہے یا باکرہ ہونا اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہے اور بالغہ میں بکارۃ معتبر نہیں ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں پس اسی طرح صغیرہ میں بھی اور اب فقط صغیرہ ہی ہونا (سبب) رہا اور وہ اس (مذکورہ صورت) میں بھی ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ بقرہ، لاہور)

بَابٌ اِذَا اَنْكَحَ الْوَلِيَّانِ

باب: جب دو ولی (کسی عورت کا الگ، الگ شخص سے) نکاح کر دیں

2088 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ الْمَعْنَى، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ

2088- اخرجه ابن ماجه (2191) و (2344)، والترمذی (1136)، والنسائی فی "الکبری" (5376) و (5377) و (6234) و (1163) من طرق عن قتادة، بهذا الاسناد

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَيُّمَا امْرَاَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا. وَاَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا

❁❁ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جس عورت کی شادی دوولی (الگ، الگ افراد سے) کروادیں، تو وہ ان میں سے (اس شخص کی بیوی شمار ہوگی) جس سے پہلے شادی کروائی گئی۔ اور جب کوئی شخص دو آدمیوں کے ساتھ (ایک ہی چیز کا) سودا کرلے، تو وہ (سودا) پہلے والے کے حق میں شمار ہوگا۔''

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالٰى (لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ) (النساء: 19)

باب: ارشاد باری تعالیٰ ہے ''تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ، اور تم انہیں نہ روکو''۔

2089 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا اَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: الشَّيْبَانِيُّ، وَذَكَرَهُ عَطَاءٌ اَبُو الْحَسَنِ السُّوَائِيُّ، وَلَا اَظُنُّهُ اِلَّا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي هٰذِهِ الْاٰيَةِ (لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ) (النساء: 19) قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ اِذَا مَاتَ كَانَ اَوْلِيَاؤُهُ اَحَقَّ بِامْرَاَتِهِ مِنْ وَلِيِّ نَفْسِهَا: اِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ زَوَّجَهَا اَوْ زَوَّجُوهَا، وَاِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِي ذٰلِكَ

❁❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

''تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور تم انہیں نہ روکو''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے جب کوئی شخص فوت ہوجاتا، تو اس کے ولی، اس کی بیوی کے ولی سے زیادہ، اس کی بیوی کے حقدار بن جاتے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا، تو اس عورت کے ساتھ شادی کرلیتا اور اگر چاہتا تو اس عورت کی شادی کسی اور سے کروادیتا، اگر چاہتا تو اس عورت کی شادی نہ کرواتا، تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

2090 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ الْمَرْوَزِيُّ، حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ يَزِيدَ النَّحْوِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: (لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ اِلَّا اَنْ يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ) (النساء: 19) وَذٰلِكَ اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَرِثُ امْرَاَةَ ذِي قَرَابَتِهِ فَيَعْضُلُهَا حَتّٰى تَمُوتَ اَوْ تَرُدَّ اِلَيْهِ صَدَاقَهَا. فَاَحْكَمَ اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ.

2089-اسناده صحيح. الشيباني: هو سليمان بن ابي سليمان، وعكرمة هو مولى ابن عباس. واخرجه البخاري (4579) و (6948)، والنسائي في "الكبرى" (11028) من طرق عن اسباط، بهذا الاسناد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

''تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور تم انہیں نہ روکو، تا کہ تم اس کا کچھ حصہ لے جاؤ، جو تم نے انہیں دیا ہے، البتہ اگر وہ واضح برائی کی مرتکب ہوں (تو حکم مختلف ہے)''

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وضاحت کی:) پہلے یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص اپنی کسی رشتہ دار کی بیوی کا وارث بنتا تھا، تو اسے (نکاح کرنے سے) روک دیتا تھا، یہاں تک کہ وہ عورت مرجاتی، یا اپنے مہر کی رقم اسے ادا کر دیتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے روک دیا اور اس سے منع کر دیا۔

2091 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ شَبُّوْيَهِ الْمَرْوَزِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ، عَنْ عِيسٰى بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، مَوْلٰى عُمَرَ، عَنِ الضَّحَّاكِ بِمَعْنَاهُ قَالَ: فَوَعَظَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے، تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں: تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں نصیحت کی۔

شرح

﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (النساء: 19)

اس آیت میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر: (۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) ''لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا''۔ اس کا تعلق پہلے مذکور بیویوں کے ذکر سے ہے، اس سے مقصود ان سے ظلم اور تکلیف کو دور کرنا ہے اور خطاب اولیاء کو ہے ان، یحل کی وجہ سے محل رفع میں ہے، یعنی تمہارے لیے عورتوں کا وارث بننا صحیح نہیں ہے، کرھا مصدر ہے حال واقع ہو رہا ہے۔ اس آیت کے نزول کے سبب میں روایات اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے ورثاء اس کی بیوی کے زیادہ حقدار ہوتے اگر کوئی چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا، اگر وہ چاہتے تو کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیتے، اگر چاہتے تو اس کا نکاح نہ کرتے وہ اس عورت کے اس کے گھر والوں کی نسبت زیادہ حقدار ہوتے، تو یہ آیت نازل ہوئی، ابوداؤد نے بھی اس کی ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ زہری اور ابومجلز نے کہا: عربوں کی عادت سے تھا کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس شخص کا دوسری بیوی سے جو بیٹا ہوتا وہ یا مرنے والے کا عصبہ اس شخص کی بیوی پر اپنا کپڑا ڈالتا تو وہ اس عورت کا اس کی اپنی ذات اور اس کے اولیاء سے زیادہ حق دار بن جاتا۔ اگر وہ چاہتا تو بغیر مہر کے اس سے نکاح کر لیتا اور وہی مہر جو میت نے اس عورت کو دیا ہوتا (اس پر اکتفا کرتا) اگر وہ چاہتا تو کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیتا اور اس کا مہر خود لے لیتا اور اس عورت کو کچھ نہ دیتا، اگر وہ چاہتا تو اس کو روک لیتا حتیٰ کہ وہ فدیہ دے وہ مال جو اس کو میت کی طرف سے ملا ہے یا وہ عورت مر جائے اور وہ اس کا وارث ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (۱) (اسباب النزول للواحدی، صفحہ ۱۴۰) پس

معنی یہ ہوگا کہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم ان عورتوں کے وارث ہو ان کے خاوندوں کی طرف سے پھر تم ان کے خاوند بن جاؤ۔ بعض علماء نے فرمایا: وارث اگر جلدی کرتا اور اس عورت پر کپڑا ڈال دیتا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہوتا اگر عورت جلدی کرتی اور اپنے میکے چلی جاتی تو وہ عورت اپنے نفس کی خود حقدار ہوتی، یہ سدی کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایک شخص کے عقد میں بوڑھی عورت ہوتی جب کہ اس کا نفس جوان عورت کی خواہش کرتا تو وہ بوڑھی عورت کے فراق کو اس کے مال کی وجہ سے ناپسند کرتا پس وہ اسے روکے رکھتا اور اس کے قریب بھی نہ جاتا حتی کہ وہ اسے اپنا مال فدیہ دے یا وہ مر جائے اور اس کے مال کا وہ وارث بن جائے، تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، خاوند کو حکم دیا گیا کہ وہ اگر بیوی کی صحبت کو پسند نہیں کرتا تو اسے طلاق دے دے اور اس کو ناپسند کرتے ہوئے روکے نہ رکھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (آیت) ''لا یحل لکم ان ترثوا النسآء کرھا''۔ اس آیت سے مقصود زمانہ جاہلیت کی رسم کا قلع قمع کرنا ہے یعنی عورتوں کو مال کی طرح نہ بنایا جائے تاکہ مال کی طرح ان میں بھی میراث جاری ہو۔ ''کرھا''۔ (کاف کے ضمہ کے ساتھ) حمزہ اور کسائی کی قرات ہے اور فتحہ کے ساتھ باقی قراء کی قرات ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں قتبی نے کہا: الکرہ کاف کے فتحہ کے ساتھ اکراہ کے معنی میں ہے اور کاف کے ضمہ کے ساتھ مشقت کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے: لتفعل ذالك طوعا او کرھا''۔ یعنی تجھے یہ کرنا چاہیے خوشی سے یا مجبوری سے، یہ خطاب اولیاء کے لیے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب عورتوں کے خاوندوں کے لیے ہے جب وہ انہیں روکے رکھیں اور ان سے برتاؤ بھی اچھا نہ کریں اور یہ ان کی میراث کے لالچ کی خاطر ہو یا وہ اپنے بعض مہر فدیہ دے دیں، یہ قول اصح ہے اور ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختیار کیا ہے انہوں نے کہا: اس کی دلیل یہ ارشاد ہے۔ (آیت) ''الا ان یاتین بفاحشۃ''۔ جب وہ برائی کا ارتکاب کرے تو والی کے لیے اس کو روکنا جائز نہیں تاکہ اس کا مال لے جائے اس پر امت کا اجماع ہے اور یہ خاوند کے لیے ہے اس کا بیان بعد والے مسئلہ میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر: (۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) ''ولا تعضلوھن''۔ عضل کا معنی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے اور وہ ہے روکنا (آیت) ''الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ''۔ الفاحشۃ کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے، حسن نے کہا: اس سے مراد زنا ہے، جب کنواری زنا کرے تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال جلاوطن کی جائے گی اور اپنے خاوند کو وہ رقم لوٹا دے گی جو بطور مہر لے چکی ہوگی، ابو قلابہ نے کہا: جب کسی مرد کی بیوی زنا کرے تو کوئی حرج نہیں کہ خاوند اسے تکلیف پہنچائے اور اس پر سختی کرے تاکہ وہ اس سے لیا ہوا مال واپس کر دے، سدی نے کہا: جب عورتیں ایسے فعل کا ارتکاب کریں تو ان کے مہر واپس لے لو۔ ابن سیرین اور ابو قلابہ نے کہا: خاوند کے لیے بیوی سے فدیہ لینا جائز نہیں مگر یہ کہ اس کے پیٹ پر کسی غیر مرد کو پائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (آیت) ''الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: فاحشۃ مبینہ سے مراد اس آیت میں بغض اور نافرمانی ہے، ان علماء نے فرمایا: جب عورت نافرمانی ہو تو مرد کے لیے اس کا مال لینا جائز اور حلال ہے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں اس آیت میں فاحشۃ کے متعلق خاوند کے لیے کوئی نص نہیں پاتا، ایک قوم نے کہا: اس سے مراد بدزبانی کرنا اور قول اور فعل سے برا سلوک کرنا ہے۔ یہ نشوز کا معنی ہے۔

بعض اہل علم بطور خلع نافرمان عورت سے مال لینا جائز قرار دیتے ہیں مگر وہ یہ خیال رکھے کہ جو اس نے دیا ہے اس سے تجاوز نہ کرے، اس قول پر عمل کرے۔ (آیت) "لتذهبوا ببعض ما اتيتموهن"۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے کہا: خاوند کے لیے جائز ہے کہ نافرمان بیوی سے سب کچھ لے لے جس کی وہ مالک ہے۔ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: زنا خاوند پر نافرمانی اور اذیت سے زیادہ برداشت کرنا مشکل ہے یہ تمام فاحشۃ کے حکم میں ہے مال کا لینا یہ حلال کر دیتا ہے۔ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابن سیرین اور ابو قلابہ نے کہا: میرے نزدیک یہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ فاحشۃ کبھی بدزبانی اور اذیت سے ہوتی ہے، اسی وجہ سے بدزبان کو فاحش اور متفحش کہتے ہیں اس بنا پر اگر وہ اس بیوی کو فاحشۃ پر مطلع ہو تو اس کے لیے لعان کرنا ہوگا اور اگر چاہے تو اسے طلاق دے دے، اور رہا اسے تکلیف دینا حتیٰ کہ وہ اسے اپنے مال کا فدیہ دے تو یہ خاوند کے لیے جائز نہیں، میں کسی ایسے عالم کو نہیں جانتا جس نے کہا ہو کہ اسے تکلیف دینا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا خاوند کے لیے جائز ہے حتیٰ کہ وہ اس سے خلع کر لے جب وہ اسے زنا کرتے ہوئے پائے سوائے ابو قلابہ کے۔ واللہ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آیت) "فان خفتم الا يقيما حدود الله"۔ (بقرہ: ۲۲۹) یعنی حسن معاشرت اور خاوند کے حق کا قیام اور بیوی کے حق کے قیام میں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں۔ تو (آیت) "فلا جناح عليهما فيما افتدت به"۔ (بقرہ: ۲۲۹) پس کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کو کچھ فدیہ دے کر جان چھڑائے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "فان طبن لكم عن شیء منه نفسا فكلوه هنيئا مريا"۔ پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوش دلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے۔

یہ آیات اس باب میں اصل ہیں، عطا خراسانی نے کہا: جب کسی مرد کی بیوی برائی کا ارتکاب کرے تو وہ اس سے وہ مال لے لے جو اس نے اسے دیا تھا اور اسے باہر نکال دے، پھر یہ حکم حدود کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ چوتھا قول: (آیت "الا ان يأتين بفاحشة مبينة"۔ مگر یہ کہ وہ بدکاری کریں تو وہ گھروں میں روکی جائیں گی، یہ نسخ سے پہلے تھا، یہ عطا کے قول کے معنی میں ہے اور یہ ضعیف ہے۔

مسئلہ نمبر: (۳) جب ہم اس قول کو اختیار کریں کہ عضل میں خطاب اولیاء کو ہے تو اس کا فقہ یہ ہے کہ جب ولی میں یہ صحیح ثابت ہو کہ وہ عضل کرنے والا ہے تو قاضی عورت اور مرد کے بارے میں غور کرے گا مگر باپ اپنی بیٹیوں کے بارے میں ایسا کرے تو اس کے لیے یہ حکم نہیں۔ اگر اس عضل میں اصلاح ہو تو پھر اسے نہیں چھیڑا جائے گا، یہ ایک قول ہے۔ اور یہ ایک اور بہت سے نکاح کا پیغام دینے کے اعتبار سے ہے، روکنا صحیح ہو تو اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں دو قول ہیں، وہ تمام اولیاء کی طرح ہے۔ قاضی اس کی بیٹیوں میں سے جس کا نکاح چاہے گا کر دے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر: (۴) یہ بھی جائز ہے، کہ (آیت) "تعضلوهن"۔ نہی کی بنا پر مجزوم ہو اور واؤ عاطفہ ہو جملہ کلام پہلے جملہ سے جدا ہو، اور یہ بھی جائز ہے کہ (آیت) "ان ترثوا"۔ پر عطف کی بنا پر منصوب ہو اور واؤ مشترکہ ہو، فعل کا فعل پر عطف ہو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ولا ان تعضلوهن"۔ پڑھا ہے۔ یہ قرات نصب کے احتمال کو قوت دیتی ہے، اور روکنا ان احکام میں

سے ہے جونص کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر:(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "مبیِّنة"۔ یا کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ نافع اور ابوعمرو کی قرات ہے، باقی قراء نے یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے با کے کسرہ اور یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں ابان الشی سے مشتق ہوگا۔ کہا جاتا ہے۔ ابان الامر بنفسه. ابنته وبين وبينت"۔ یہ تمام قرات فصیح لغات ہیں۔

مسئلہ نمبر:(٦) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "وعاشروهن بالمعروف"۔ یعنی ان سے اچھا سلوک کرو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ حکم فرمایا ہے۔ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے ہر ایک کے لیے حسن معاشرت ضروری ہے خواہ وہ خاوند ہو یا ولی ہو لیکن اغلب طور پر اس امر سے مراد خاوند ہوتے ہیں، یہ اس ارشاد کی مثل ہے۔ (آیت) "فامساك بمعروف"۔ (بقرہ:۲۲۹) یہ ان کو پورا مہر اور خرچ دینا ہے۔ اس کی غلطی کے بغیر اس کے سامنے منہ نہ بسورے، اچھے انداز میں اس سے گفتگو کرے، نہ بدخلقی سے، نہ سخت کلام کرے اور نہ اپنا میلان دوسری بیوی کی طرف ظاہر کرنے والا ہو، العشرة کا معنی مخالطت اور ممازجة ہے اسی سے طرفہ کا قول ہے:

فلئن شطت نواها مرة لعلى عهد حبيب معتشر:

شاعر نے حبیب کو جمع کے معنی میں استعمال کیا ہے جیسے خلیط اور غریق استعمال ہوتے ہیں، عاشره معاشرة. تعاشر القوم واعتشروا"۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں سے حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا ہے جب ان سے عقد نکاح کریں بہتر انداز میں آپس میں تعلق باقی رہے۔ اس سے انسان کا نفس پرسکون ہوتا ہے اور زندگی خوشگوار رہتی ہے، یہ خاوند پر واجب ہے قضا اس پر لازم نہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: مرد عورت کے لیے اسی طرح اپنے آپ کو مزین رکھے جس طرح عورت مرد کے لیے اپنے آپ کو مزین رکھتی ہے، یحییٰ بن عبدالرحمن الحنظلی نے کہا: میں محمد بن حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے ایک سرخ چادر اوڑھی ہوئی تھی اور ان کی داڑھی سے خوشبو کے قطرے گر رہے تھے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ محمد بن حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ چادر مجھ پر میری بیوی نے ڈالی ہے اور اس نے مجھے خوشبو لگائی ہے وہ ہم سے ایسی ہی خواہش کرتی ہیں جیسی ہم ان سے رکھتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اپنی بیوی کی خاطر اپنے آپ کو مزین کرنا پسند کرتا ہوں جس طرح میں پسند کرتا ہوں کہ بیوی میرے لیے مزین ہو۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اس میں داخل ہے۔ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آیت کے مفہوم کی طرف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد رہنمائی کرتا ہے۔ فاستمع بها وفيها عوج (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المرارة مع النساء حدیث نمبر ۴۷۸٦، ضیاء القرآن پبلی کیشنز) یعنی تو اس سے بدسلوکی نہ کر جب کہ اس میں ٹیڑھا پن موجود بھی ہو عورت سے مخالفت شروع ہوتی ہے اور اس کے ذریعے ناچاقی واقع ہوتی ہے اور یہ خلع کا سبب ہے۔

مسئلہ نمبر:(۷) ہمارے علماء نے: (آیت) "وعاشروهن بالمعروف"۔ کے قول سے استدلال کیا ہے کہ عورت کے لیے ایک خادمہ کافی نہ ہو تو خاوند پر اس کی کفالت کی مقدار خدمت کرنا ضروری ہے جیسے بادشاہ اور خلیفہ کی بیٹی اگر کسی کی بیوی ہو تو انہیں ایک خادمہ کفایت نہیں کرتی، یہ معاشرۃ بالمعروف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خاوند

پر ایک خادمہ لازم ہے یہ اس کی ذات کی خدمت کے لیے کافی ہے دنیا میں ایک عورت کے لیے ایک خادمہ کافی ہوتی ہے یہ اس جنگجو کی طرح ہے جس کے بہت سے گھوڑے ہوں تو اسے ایک گھوڑے کا حصہ ملتا ہے، کیونکہ قتال ایک گھوڑے پر ہی ممکن ہے، ہمارے علماء نے فرمایا: یہ غلط ہے، کیونکہ بادشاہوں کی بیٹیوں کی بہت سے خادمائیں ہوتی ہیں انہیں ایک خادمہ کفایت نہیں کرتی، کیونکہ وہ کپڑے دھونے، آرام وغیرہ کے خیال کرنے اور دوسرے کاموں کے لیے ایک خادمہ کافی نہیں ہوتی ہے۔ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر: (۸) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "فان کرھتموھن"۔ بدصورت یا بدخلق ہونے کی وجہ سے اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو جب کہ وہ فاحشہ اور نافرمان نہیں ہے۔ یہ سارے احتمال ہو سکتے ہیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس عورت سے نیک صالح اولاد عطا فرمادے ان کو رفع عسیٰ کی وجہ سے ہے ان اور فعل مصدر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ مفہوم صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مومن، مومنہ کو جدا نہ کرے اگر اس سے ایک خلق کو ناپسند کرے گا تو اس کی دوسری عادت سے خوش ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ عورت سے کلی طور پر بغض نہ رکھے جو اسے اس کے فراق پر برانگیختہ کردے۔ یعنی اس کے لیے یہ مناسب نہیں بلکہ اس کی برائی کو اس کی اچھائی کی وجہ سے معاف کردے اور اس کی ناپسندیدہ بات کو اس کی پسندیدہ باتوں کی وجہ سے برداشت کرے۔ مکحول نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرتا ہے پس اسے خیر دی جاتی ہے پس وہ اپنے رب پر شکوہ کرتا ہے پھر تھوڑے عرصہ بعد وہ دیکھتا ہے کہ اسے خیر دی گئی ہوتی ہے، ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا فرمایا: مجھے ابوالقاسم بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی، انہوں ابوالقاسم السیوری سے روایت کیا انہوں نے ابوبکر بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرمایا: الشیخ ابومحمد بن ابی زید علم اور دین میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ اس کی بیوی بڑی بدسلوکی کرتی تھی، اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی تھی اور اپنی زبان کے ساتھ اسے اذیت دیتی تھی، شیخ صاحب کو بیوی کے معاملہ میں کہا گیا اور اس پر اتنا صبر کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں ایک ایسا شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بدن کی صحت اپنی معرفت اور غلاموں کی نعمتیں کی ہیں شاید میرے گناہوں کی سزا اس کی صورت میں دی گئی ہو مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کو جدا کروں تو مجھ پر اس سے سخت سزا اور عقوبت نازل ہو۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس میں طلاق کی کراہت کی دلیل ہے اگرچہ مباح ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ مباح چیزوں میں سے کسی چیز کو ناپسند نہیں فرماتا سوائے طلاق اور کھانے کے، اللہ تعالیٰ معدہ کو ناپسند فرماتا ہے جب وہ بھر جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نساء ۱۹، بیروت)

جمہور اہل علم بلوغت سے قبل چھوٹی بچی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں، اس بارے میں بہت سے علمائے کرام نے اجماع بھی نقل کیا ہے، اور اس اجماع کی مخالفت میں صرف ابن شبرمہ اور عثمان البتی رحمہما اللہ کی رائے ہے، جمہور کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ

ترجمہ: تمہاری بیویوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور تمہیں ان کی عدت کے بارے میں تردد ہے، ان کی عدت تین ماہ ہے اور جنہیں ابھی تک حیض آیا ہی نہیں۔ [الطلاق:4]

یہ آیت اس طرح دلیل بنتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں پر حیض آنے سے قبل طلاق پانے والی بچی کی عدت ذکر کی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالغ نہیں ہے، اور اس وقت تک طلاق یا فسخ نکاح نہیں ہوتا جب تک عقد نکاح درست نہ ہو۔

جمہور اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ اگر بیوی بالغ ہو جائے تو اسے [خاوند کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا] کوئی اختیار نہیں دیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے 7 سال کی عمر میں شادی کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بالغ ہونے پر کوئی اختیار نہیں دیا۔

دوم:

یہاں کچھ باتوں کو ذہن نشین رکھنا چاہیے:

1۔ چھوٹی بچی کا بچپن میں نکاح کرنے کا اختیار صرف والد کو ہے، کسی اور کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے، یہی جمہور اہل علم کا موقف ہے، اور یہی درست ہے، لہٰذا دادا کو یہ اختیار دینے والوں کا موقف درست نہیں ہے، اسی طرح ان کا موقف بھی درست نہیں ہے جو والد کے علاوہ دیگر اولیاء کو بچپن میں شادی کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار کے بھی قائل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "والد کے سوا کوئی بھی کسی بچی کا نکاح بچپن میں نہیں کر سکتا چاہے بچی کنواری ہو یا بچپن میں ہی بیوہ ہونے والی کوئی لڑکی، اسی طرح چاہے اس کی اجازت اس میں شامل ہو یا نہ ہو، اسی طرح ان دونوں [کنواری یا بیوہ بچی] میں سے کسی ایک کا نکاح کر دیا جائے اور پھر بالغ ہونے کی صورت میں اختیار دینا بھی غلط ہے، چنانچہ اگر کسی بچی کا نکاح باپ کے علاوہ کسی اور نے کر دیا تو نکاح فسخ ہوگا، ایسے نکاح کی وجہ سے بننے والے میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے، اور نہ ہی طلاق واقع ہوگی، بلکہ اس نکاح کا حکم تمام امور میں فاسد نکاح والا ہوگا، لہٰذا طلاق، وراثت کچھ بھی اس پر لاگو نہیں ہوگا۔

"الام" (18/5)

بَابٌ فِي الِاسْتِئْمَارِ

باب: (لڑکی سے اسے کی شادی کے بارے میں) مشورہ کرنا

2092 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا الْبِكْرُ إِلَّا بِإِذْنِهَا قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا إِذْنُهَا قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ

2092-اسناده صحيح. ابان: هو ابن يزيد العطار، ويحيى: هو ابن ابى كثير البصرى، وابو سلمة: هو ابن عبد الرحمن بن عوف الزهرى. واخرجه البخارى (5136) و (6968) و (6970)، ومسلم (1419)، وابن ماجه (1871)، والترمذى (1133)، والنسائى فى "الكبرى" (5357) و (5358) من طرق عن يحيى بن ابى كثير، به. وهو فى "مسند احمد" (7404).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"ثیبہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے، جب تک اس سے مشورہ نہ کرلیا جائے اور کنواری کی شادی اس کے اذن سے کی جائے، لوگوں نے عرض کی: اس کے اذن سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کہ وہ خاموش رہے۔

2093 حَدَّثَنَا اَبُو كَامِلٍ. حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ الْمَعْنَى، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا اَبُو سَلَمَةَ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تُسْتَأْمَرُ الْيَتِيمَةُ فِي نَفْسِهَا، فَاِنْ سَكَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا، وَاِنْ اَبَتْ فَلاَ جَوَازَ عَلَيْهَا. وَالْاِخْبَارُ فِي حَدِيثِ يَزِيدَ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُو خَالِدٍ سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ، وَمُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"یتیم (کنواری) لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں مرضی معلوم کی جائے گی، اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی اجازت (شمار) ہوگا، اور اگر وہ انکار کردے تو اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا"۔

یزید کی نقل کردہ روایت میں "اخبار" مذکور ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابوخالد سلیمان بن حیان اور معاذ بن معاذ نے محمد بن عمرو سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

2094 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا ابْنُ اِدْرِيسَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، بِهٰذَا الْحَدِيثِ بِاِسْنَادِهِ زَادَ فِيهِ قَالَ: فَاِنْ بَكَتْ اَوْ سَكَتَتْ. زَادَ بَكَتْ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: وَلَيْسَ بَكَتْ بِمَحْفُوظٍ وَهُوَ وَهْمٌ فِي الْحَدِيثِ الْوَهْمُ مِنَ ابْنِ اِدْرِيسَ اَوْ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْعَلَاءِ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ اَبُو عَمْرٍو ذَكْوَانُ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحِي اَنْ تَتَكَلَّمَ؟ قَالَ: سُكَاتُهَا اِقْرَارُهَا.

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے، تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں:

"اگر وہ رو پڑے یا خاموش رہے" اس میں وہ رو پڑے کے الفاظ زائد ہیں۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) "اگر وہ رو پڑے" کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں، اس روایت میں یہ وہم ہے اور یہ وہم ابن ادریس یا محمد بن علاء نامی راوی کو ہوا ہے۔

2093-اخرجه الترمذی (1135)، والنسائی فی "الکبرٰی" (5360) من طریقین عن محمد بن عمرو، بهذا الاسناد. وقال الترمذی: حدیث حسن. وهو فی "مسند احمد" (7527)، و"صحیح ابن حبان" (4079) و (4086).

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابوعمرو ذکوان نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کنواری لڑکی بات کرتے ہوئے شرما جاتی ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی خاموشی، اس کا اقرار ہے۔

2095 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، حَدَّثَنِي الثِّقَةُ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آمِرُوا النِّسَاءَ فِي بَنَاتِهِنَّ

❁❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''عورتوں سے، ان کی بیٹیوں (کی شادی) کے بارے میں مشورہ لو''

بَابٌ فِي الْبِكْرِ يُزَوِّجُهَا أَبُوهَا وَلَا يَسْتَأْمِرُهَا

باب: جب کنواری لڑکی کا باپ، اس کی مرضی معلوم کیے بغیر، اس کی شادی کردے

2096 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

❁❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک کنواری لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے یہ بات ذکر کی، اس کے والد نے اس کی شادی کردی ہے اور وہ (لڑکی) اس رشتے کو پسند نہیں کرتی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو (شادی ختم کرنے کا) اختیار دیا۔

2097 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَمْ يَذْكُرِ ابْنَ عَبَّاسٍ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ النَّاسُ مُرْسَلًا مَعْرُوفٌ

❁❁ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ، عکرمہ کے حوالے سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس راوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کیا۔ لوگوں کا اس روایت کو اس طرح ''مرسل'' کے طور پر نقل کرنا معروف ہے۔

2096-اسناده صحيح. ايوب: هو ابن ابى تميمة السختيانى، وعكرمة: هو مولى ابن عباس. واخرجه ابن ماجه (1875)، والنسائى فى "الكبرى" (5366) من طريقين عن الحسين بن محمد، بهذا الاسناد. واخرجه ابن ماجه (1875م)، والنسائى فى "الكبرى" (5368) من طريق زيد بن حبان، عن ايوب، به. وهو فى "مسند احمد" (2469).

بَابٌ فِي الثَّيِّبِ

باب: ثیبہ کا بیان

2098 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَا: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا. وَهَذَا لَفْظُ الْقَعْنَبِيِّ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ثیبہ عورت، اپنی ذات کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، کنواری لڑکی سے، اس کی ذات کے بارے میں مرضی معلوم کی جائے گی، اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہوگی''

روایت کے یہ الفاظ قعنبی کے نقل کردہ ہیں۔

2099 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ: الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ يَسْتَأْمِرُهَا أَبُوهَا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُوهَا لَيْسَ بِمَحْفُوظٍ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے، تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

''ثیبہ اپنی ذات کے بارے میں، اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، کنواری سے اس کا باپ مرضی معلوم کرے گا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس میں ''اس کا باپ'' کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔

2100 حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ، وَالْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ، وَصَمْتُهَا إِقْرَارُهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''ثیبہ (کی شادی میں) ولی کا کوئی دخل نہیں ہے، اور کنواری سے اس کی مرضی معلوم کی جائے گی اور اس کی خاموشی، اس کا اقرار (شمار) ہوگی''۔

2101 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ

2098-اسناده صحيح. وهو عند مالك في "الموطا" 2/524-525. ومن طريقه اخرجه مسلم (1421) وابن ماجه (1870)، والترمذي (1134)، والنسائي في "الكبرى" (5351) و (5352). وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. وهو في "مسند احمد" (1888)، و "صحيح ابن حبان" (4084) و (4087).

2099-اسناده صحيح. سفيان: هو ابن عيينة. واخرجه مسلم (1421)، والنسائي في "الكبرى" (5355) من طريق سفيان، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (1897)، و "صحيح ابن حبان" (4088).

الرَّحْمٰنِ، وَمُجَمِّعِ ابْنَيْ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّيْنِ، عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ، أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَجَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَرَدَّ نِكَاحَهَا

⊛⊛ سیدہ خنساء بنت خذام انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ان کے والد نے ان کی شادی کر دی، وہ ثیبہ تھیں، انہیں (یہ رشتہ) پسند نہیں آیا، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (اس حوالے سے) حاضر ہوئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ (صورتِ حال) ذکر کی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کو کالعدم قرار دیا۔

بَابٌ فِي الْأَكْفَاءِ

باب: کفو (کے احکام)

2102 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ غِيَاثٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَبَا هِنْدٍ، حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْيَافُوخِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا بَنِي بَيَاضَةَ أَنْكِحُوا أَبَا هِنْدٍ وَأَنْكِحُوا إِلَيْهِ وَقَالَ: وَإِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِمَّا تَدَاوُونَ بِهِ خَيْرٌ فَالْحِجَامَةُ

⊛⊛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوہند رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یافوخ (نامی رگ) پر پچھنے لگائے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بنو بیاضہ! ابوہند کی شادی کروا دو، اور (اپنے قبیلے کی کسی لڑکی کی) اس سے شادی کر دو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ جو بھی دوائیں استعمال کرتے ہو، ان میں سے پچھنے لگوانا سب سے بہتر (علاج) ہے۔

شرح

(1) نکاح کے لئے لڑکا اور لڑکی کی رضامندی کے ساتھ ایجاب وقبول اور دو مسلمان عاقل وبالغ گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اگر کورٹ میرج لڑکی اور لڑکے کی رضامندی کے ساتھ ہو، گواہوں کی موجودگی میں تو جائز اور درست ہے' اگر مہر مقرر نہ کیا جائے تو مہر مثل دینا ضروری ہے۔ (2) نکاح کے لئے لڑکی اور لڑکے کی رضامندی کافی ہے تاہم والدین کی یا سرپرستوں کی رضامندی خیر وبرکت کا سبب ہوتی ہے۔ (3)' (4) اور (5) نکاح کے گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایجاب وقبول کے الفاظ سنیں' محض نامزدگی اور خانہ پری سے گواہی کی شرط تکمیل نہیں پاتی' لہٰذا ایسی صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوتا' مسلمانوں کے نکاح کے وقت وکیل اور قاضی صاحب کی قانونی اور شرعی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسلامی قانون میں نکاح کے لازمی شرائط کو ملحوظ رکھیں۔ مذکورہ سوال صورت میں یہ شرائط پائے گئے ہوں تو نکاح درست ہے ورنہ نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ومنها) الشهادة قال عامة العلماء: إنها شرط جواز النكاح بكذا في البدائع وشرط في الشاهد أربعة

2101-هو عند عبد الرزاق في "مصنفه" (10299)، ومن طريقه اخرجه احمد في "مسنده" (3087)، والنسائي في "الكبرى" (5354) و (5370)، والدارقطني/2393، والبيهقي/118.7

أمور: الحرية والعقل والبلوغ والاسلام...... (ومنها) سماع الشاہدين كلامهما معا بكذا فی فتح القدير ......الشاهدين كلامهما معا بكذا فی فتح القدير......ولو سمعا كلام أحدهما دون الآخر أو سمع أحدهما كلام أحدهما والآخر كلام الآخر لا يجوز النكاح بكذا فی البدائع ...... ولو قالت إن فلانا كتب إلی يخطبنی فاشهدوا أنی قد زوجت نفسی منه صح النكاح لأن الشهود سمعوا كلامها بإيجاب العقد وسمعوا كلام الخاطب بإسماعها إياهم بكذا فی الذخيرة ولو كتب الايجاب والقبول لا ينعقد كذا فی فتح القدير. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، الباب الأول فی تفسیرہ شرعا وصفته ورکنه وشرطه وحکمه)

(6) لڑکی اگر نکاح پر راضی ہو اور اپنی رضامندی سے یہ اقدام کر رہی ہو تو درست ہے' لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ والدین کی رضامندی کے بغیر شادی ہو تو رشتۂ نکاح میں پائیداری نہیں رہتی اور والدین اپنی اولاد کے بارے میں اپنی پدرانہ شفقت و مادری محبت کے سبب وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اولاد کے لئے بہتر ہو۔ نکاح صرف ضابطہ کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ زندگی کا ایک اہم فیصلہ ہوتا ہے' لہٰذا والدین کے مشورہ و رضامندی کے ساتھ نکاح کرنا خوش آئند اور بہتر ہے۔

(7) نکاح سے پہلے لڑکی' لڑکے کے لئے اجنبی رہتی ہے' لڑکے کے لئے لڑکی کو دیکھنا' چھونا' گناہ اور معصیت ہے۔ اس گناہ سے لڑکا' لڑکی کو توبہ کرنی چاہئے۔ اگر نکاح اپنی تمام شرائط کے ساتھ تکمیل پائے اور لڑکی لڑکے کے نکاح میں آجائے تب بھی لڑکی کے لئے اجنبی افراد کے ساتھ پردہ کا حکم ہے۔ زوجین کے درمیانی تعلقات کسی اور کے سامنے یا سرعام ظاہر ہونا اخلاقی گراوٹ کی حیاء سوز مثال ہے۔ اسلام نے شوہر کو ہدایت دی کہ بیوی کے لئے علیحدہ کمرہ فراہم کرے' کسی اور کے سامنے زوجین کا یہ عمل تقاضۂ حیاء کے خلاف اور پردہ کے شرعی احکام کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

(8) جب شوہر نے تین طلاق دے دی ہے تو لڑکی اس کے نکاح سے نکل چکی' شوہر کو رجوع کرنے کا کوئی اختیار نہیں' سوائے اس کے کہ لڑکی عدت گزارنے کے بعد دوسرے لڑکے سے نکاح کرے اور اس اس کے ساتھ ازدواجی تعلق رکھے' اگر کسی وجہ سے دوسرے شوہر نے اُسے طلاق دی تو عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

(9) اور (10) نکاح میں کفاءت کو ملحوظ رکھنا چاہئے' اگر بالغ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو سے نکاح کر لے تو ولی کو نکاح فسخ کروانے کا اختیار ہے۔ اگر بالغ لڑکی نے کفو سے نکاح کیا تو ولی کو نکاح فسخ کروانے کا اختیار حاصل نہ رہے گا۔ کفاءت میں نسب' اسلام' پیشہ' شہر' دیانت اور مال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ بالغ لڑکی نے کفاءت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہوتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم شریف' سنن ابوداؤد' سنن نسائی' سنن ترمذی' موطا امام مالک اور دیگر حدیث میں حدیث پاک ہے: عن ابن عباس أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال الثيب أحق بنفسها من وليها والبكر تستأمر وإذنها سكوتها. ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شوہر دیدہ لڑکی ولی سے زیادہ اپنی ذات کی حقدار ہے' اور دوشیزہ سے اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت حدیث نمبر 3542۔ سنن ابوداود، کتاب النکاح، باب فی الثیب حدیث

نمبر 2100۔سنن نسائی، کتاب النکاح، استئذان البکر فی نفسہا حدیث نمبر 321۔سنن ترمذی، ابواب النکاح، باب ما جاء فی استئمار البکر والثیب، حدیث نمبر 1132۔موطامالک، کتاب النکاح، باب استئذان البکر والأیم فی أنفسہما، حدیث نمبر 1097) اس حدیث پاک سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بالغ لڑکی سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کی رضامندی نکاح کے لئے کافی ہے۔اب رہا وہ حدیث شریف جس سے ولی کی اجازت ضروری معلوم ہوتا ہے یہ حدیث پاک اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ لڑکی نے غیر کفو سے نکاح کرلیا' ایسی صورت میں ولی کو فسخ نکاح کا اختیار رہے گا۔ان دس سوالات کے جوابات متعلق سوالات کے الفاظ کے پیش نظر دیئے گئے۔نمبر(10) کے تحت جو وضاحت کی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس نکاح کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا کیونکہ نکاح کے لئے یہ شرط ہے کہ عاقدین زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ ادا کریں اور گواہان اسے سنیں۔جب نکاح کے لئے ایجاب و قبول کے الفاظ ادا کئے بغیر محض کاغذات تیار کئے جائیں اور گواہوں کے سامنے لڑکا لڑکی کے دستخط لئے جائیں تو ایسی صورت میں شرعا نکاح منعقد نہیں ہوا۔

والمراد بالباطل حقیقته علی قول من لم یصحح ما باشرته من غیر کفء، أو حکمه علی قول من یصححه أی للولی أن یبطله (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی) ولا ینعقد بالکتابة من الحاضرین فلو کتب تزوجتك فکتبت قبلت، لم ینعقد هکذا فی النهر الفائق.

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح وما لا ینعقد بہ)۔

کفو کی لغوی تعریف

علامہ ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں:

الکفء النظیر والمساوي ومنه الکفاة في النکاح وهو ان یکون الزواج مساویا للمراة في حسبها ودینها ونسبها وبیتها غیر ذالک.

''کفو کا مطلب نظیر اور برابری ہے۔اسی سے نکاح میں کفاءت سے مراد ہے۔وہ یہ ہے کہ خاوند کا حسب، دین، نسب اور گھر وغیرہ میں عورت کے برابر ہونا۔'' (ابن منظور، لسان العرب، 1:139، دار صادر، بیروت)

سید محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں کہ کفو کا معنی ہے: ''مثلہ ہر چیز کی مثال کو کفو کہتے ہیں''۔

(زبیدی، تاج العروس، 1:108، دار احیاء التراث العربی)

کفو کا اصطلاحی معنی

کفو کا معنی ہے صفات مخصوصہ ممتازہ میں مساوی اور نظیر ہونا، نکاح میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکا، لڑکی کے معیار سے کم اور نیچا تو نہیں ہے کیونکہ جو لڑکی صفات مخصوصہ ممتازہ کے اعتبار سے اعلیٰ ہو وہ اس لڑکے کا فراش بننے کو ناپسند کرے گی۔ جو اس سے صفات میں ادنیٰ ہو تو لڑکی کے وارث بھی اس بات کو اپنے لئے باعث عار سمجھتے ہیں۔

کفو میں عموماً چھ چیزوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

اسلام حریت یعنی آزاد ہو غلام نہ ہو نسب مال و دولت تقویٰ اور دینداری صنعت و حرفت یعنی پیشہ

(درالمختار، 2:437)

مسئلہ کفو:

کفو کی حقیقت اتنی ہے کہ لڑکے لڑکی میں ہر ممکن حد تک مناسبت کا لحاظ کیا جائے۔ بے جوڑ اور غیر مناسب رشتوں سے بچا جائے تاکہ دونوں میں ہم آہنگی مطابقت و موافقت ہو۔ الفت ہو، کالے، گورے، سید غیر سید۔ ذات پات کا نظام اسلام میں نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن انس بن مالک قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم: الناس کاسنان المشط.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ (الشہاب، المسند، 1:145، رقم:195، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حجۃ الوداع کے موقع پر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

یا ایُّھا النّاس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر إلا بالتقوی ألا ھل بلغت ؟ قالوا بلی یا رسول اللہ قال فلیبلغ الشھد الغائب.

''لوگو! سن لو، تمہارا خدا ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو کالے اور کسی کالے کو سرخ پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ سنو! کیا میں نے تمہیں بات پہنچا دی؟ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہاں! فرمایا تو جو آدمی یہاں موجود ہے وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے جو موجود نہیں''۔

(بیہقی، شعب الایمان، 4:289، الرقم:5137، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

علامہ سرخسی ایک طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں۔

وتأویل الحدیث الاخر الندب إلی التواضع وترک طلب الکفۃ لا الالزام وبہ نقول ان عند الرضا یجوز العقد.

''دوسری صورت کا جواب یہ ہے کہ تواضع اور انکسار کرنا اور کفو کی طلب کو ترک کرنا مستحب ہے اور کفو کا اعتبار کرنا لازم نہیں ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رضا کے وقت (غیر کفو) میں نکاح کرنا جائز ہے۔'' (سرخسی، المبسوط، 5:25، دار المعرفۃ بیروت)

اس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کفو کو طلب کرنا لازم نہیں ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ تواضع اور انکسار کو اختیار کر کے غیر کفو میں نکاح کیا جائے۔

قرآن مجید سے غیر کفو میں نکاح کا ثبوت

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ غیر کفو میں نکاح کرنا حرام ہے اور یہ نکاح زنا کے مترادف ہے۔ خواہ ان کے ورثاء و اولیاء کی اجازت

ہی سے کیوں نہ ہو۔ لیکن ان بزرگوں نے قرآن مجید کے حکم پر غور نہیں فرمایا کہ قرآن مجید نے ان تمام عورتوں کا ذکر فرمایا جو نسب، رضاعت، صہر، جمع فی النکاح اور منکوح غیر ہونے کے اعتبار سے حرام ہیں اس کے بعد فرمایا:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط

''اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں تا کہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلب نکاح کرو پاکدامن رہتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے''۔ (النساء، 24:4)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ ''ما'' عموم کا استعمال فرما کر بتا دیا کہ مذکورہ حرام کردہ عورتوں کے علاوہ سب حلال ہیں اس میں کفو اور غیر کفو کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

''ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں''۔ (النساء، 3:4)

مندرجہ بالا آیت میں بھی لفظ ''ما'' جو کہ عموم کے لئے ہے یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں تمہیں پسند آئیں خواہ وہ کفو سے ہو یا غیر کفو سے ہوں باہمی رضامندی سے نکاح کرلو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو''۔ الحجرات، 13:49

محدثین ومفسرین نے اس آیت مبارکہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بني بياضة ان يزوجوا ابا هند امراة منهم فقالوا يارسول الله صلى الله عليه وسلم نزوج بناتنا موالينا؟ فانزل الله عزوجل (اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى)

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ ابوالہند کے ساتھ اپنی ایک عورت کی شادی کر دیں۔ انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی بیٹیوں کا نکاح غلاموں سے کر دیں؟ اس موقعہ پر یہ ایک آیت نازل ہوئی

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى...''

ابوداؤد، المراسیل، 195:1، رقم: 230، موسسۃ الرسالۃ، بیروت بیہقی، السنن، 136:7، رقم: 13558، مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 341:16، دار الشعب القاہرۃ آلوسی، روح المعانی، 163:26، دار احیاء التراث العربی سیوطی، الدر المنثور، 578:7، دار الفکر بیروت شوکانی، فتح القدیر، 69:5، دار الفکر بیروت

ابوالہند حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فصد لگانے والا غلام تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آزاد عورت کا نکاح ایک غلام سے کر کے نسب و حسب اور صنعت و حرفت کے سارے بت توڑ دیئے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ

(البقرہ، 221:2)

''اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور بے شک مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً بتا دیا کہ مسلمان آزاد لڑکیوں کا نکاح غلام مسلمانوں سے کرنا جائز ہے۔ حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا آیات مقدسہ سے غیر کفو میں نکاح کے جواز کا بیان ہے۔

احادیث سے غیر کفو میں نکاح کا ثبوت

احادیث مبارکہ میں غیر کفو میں نکاح سے متعلق بے شمار ثبوت ہیں۔

دیندار عورت سے شادی کرو:

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کے باعث نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال، اس کے حسب ونسب، اس کے حسن وجمال اور اس کے دین کی وجہ سے تیرے ہاتھ گرد آلودہ ہوں، تو دیندار کو حاصل کر''۔

بخاری، الصحیح، 1958:5، رقم:4802، دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت، مسلم، الصحیح، 1086:2، رقم:1466، دار احیاء التراث العربی ابن حبان، الصحیح، 344:9، رقم:4036، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ابی عوانۃ، المسند، 11:3، رقم:4010، دار المعرفۃ بیروت دارقطنی، السنن، 302:3، رقم:212، دار المعرفۃ بیروت

عَنْ اَبِي اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ اَنَّه كَانَ يَقُوْلُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللهِ خَيْرًا لَه مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْه وَاِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْه وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَيْهَا اَبَرَّتْه وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْه فِي نَفْسِهَا وَمَالِه.

''ابو امامہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن اللہ کے تقویٰ کے بعد جو اپنے لیے بہتر تلاش کرے وہ نیک بیوی ہے کہ اگر اسے حکم دے تو اطاعت کرے، اس کی جانب دیکھے تو خوش ہو، اگر وہ کسی بات کے کرنے پر قسم کھا لے تو اسے پوری کر دے۔ اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اس کی غیر موجودگی میں اپنی جان ومال کی نگہبانی کرے''۔

(ابن ماجہ، السنن، 596:1، رقم:1857، دار الفکر بیروت، طبرانی، المعجم الکبیر، 222:8، رقم:7881، مکتبۃ الزہراء الموصل)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن يحيى بن ابي كثير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جاء كم من ترضون امانته وخلقه فانكحوه كائنا من كان فان لا تفعلوا تكن فتنه فى الارض و فساد كبير . او قال: عريض.

''یحیٰی بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس ایسے شخص کے نکاح کا پیغام آئے جس کی دینداری اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے نکاح کردو خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں بہت زیادہ فساد اور فتنہ پھیلے گا''۔ (عبدالرزاق، المصنف، 6:152، رقم: 10325، المکتب الاسلامی بیروت)

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَه وَخُلُقَه فَزَوِّجُوه إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین واخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کردو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ بپا ہوگا۔

ترمذی، السنن، 3:394، رقم: 1084، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ابن ماجہ، السنن، 1:326، رقم: 1967، دار الفکر بیروت، حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 2:179، رقم: 2695، دار الکتب العلمیہ بیروت

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن الحكم بن عينه ان النبى صلى الله عليه وسلم ارسل بلالا الى اهل بيت من الانصار يخطب اليهم فقالا و عبد حبشى قال بلال لو لا ان النبى صلى الله عليه وسلم امرنى ان اتيكم لما اتيتكم فقالوا النبى صلى الله عليه وسلم امرک قال نعم قالوا قد ملكت فجاء النبى صلى الله عليه وسلم فاخبره فادخلت على النبى صلى الله عليه وسلم قطعة من ذب فاعطه ايها فقال سق هذا الى امراتک و اقل لاصحابه اجمعوا الى اخيكم فى وليمه

''حکم بن عینہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے گھر بھیجا تاکہ وہ اپنے رشتہ کا پیغام دیں۔ اس انصاری کے گھر والوں نے کہا کہ حبشی غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس آنے کے لئے نہ کہا ہوتا تو میں میں کبھی نہ آتا۔ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا تم اس رشتہ کے مالک ہو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جاکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے کا ٹکڑا آیا۔ آپ نے وہ حضرت بلال کو عطا کیا کہ یہ اپنی بیوی کے پاس لے جانا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دوستوں سے فرمایا تم اپنے بھائی کے ولیمے کی تیاری کرو''۔

مندرجہ بالا حدیث حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آزاد عورت کا نکاح ایک حبشی غلام کے ساتھ کر کے ہر قسم کے تفاوت کو ختم کردیا اور بتادیا کہ اصل چیز مسلمان ہونا باقی چیزیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

قدیم زمانہ سے آج تک قومی عصبیت ہر قوم میں پائی جاتی ہے۔

قومی عصبیت:

اپنی قوم کی تعلیم وترقی، عزت وعظمت اور خوشحالی وآسودگی کی تدابیر کی جائیں، مگر اس کی بنیاد محنت وجہد پر ہو کسی دوسرے کے وسائل پر قبضہ یا کسی دوسرے کی آزادی سلب کرنے یا اس کے سماجی ومعاشی استحصال پر نہ ہو۔ پہلی صورت مفید اور بہتر ہے جبکہ دوسری صورت ظالمانہ ومفسدانہ ہے۔ اسلام میں شادی کے سلسلہ میں کفو کا لحاظ اسی لئے کیا گیا ہے کہ اخلاق کے ساتھ ساتھ قومی و قبائلی تعلقات کا لحاظ بھی کر لیا جائے تو رشتہ زوجیت ونکاح میں مزید پختگی پیدا ہونے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے اور بس۔ یہ تمام تدابیر دراصل ایک ہی مسئلہ کے محکم و پائیدار کرنے کے لئے کی جاتی ہیں کہ رشتہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو۔ میاں بیوی کے درمیان مثالی ہم آہنگی ہو، پیار ہو، ہمدردی ہو، میل ملاپ ہو، اور ان دو کی باہمی محبت کے ذریعے ان کے والدین اور پوری برادری و خاندان تک یہ خوشگوار تعلقات پھیلتے پھولتے چلے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لَمْ نَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ

"ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو محبت کرنے والوں میں، نکاح کی طرح (پائیدار) تمہیں کوئی اور تعلق نہیں ملے گا"۔ (ابن ماجہ، السنن، 1:593، رقم: 1847، دار الفکر بیروت)

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم قَالَ اِنَّ اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً يَسَرُهُ مَئُوْنَةً.

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک بڑی برکت والا وہ نکاح ہے، جس میں آسان تر محنت کرنا پڑے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الایمان فلیتق اللہ فی النصف الباق

"جب آدمی شادی کرتا ہے تو آدھا ایمان مکمل کر لیتا ہے، اب جو باقی آدھا رہ گیا ہے اس کے بارے میں اللہ سے ڈرے"۔

شادی دیکھ کر کرو:

ایک انصاری نے عرض کی، میں فلاں انصاری بی بی سے شادی کرنا چاہتا ہوں آقا علیہ السلام نے فرمایا:

فانظر الیها فان فی اعین الانصار شیئا

"اسے دیکھ لو! بعض، انصار کی آنکھوں میں عیب ہوتا ہے"۔

یہ بھی فرمایا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْاَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَا يَدْعُوهُ اِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ. قَالَ فَخَطَبْتُ جَارِيَةً فَكُنْتُ اَتَخَبَّا لَهَا حَتّٰى رَاَيْتُ

مِنْهَا مَا دَعَانِي إِلَى نِكَاحِهَا فَتَزَوَّجْتُهَا.

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو پیغام نکاح دے اگر اس کی ان خوبیوں کو دیکھ سکتا ہو جو اسے نکاح پر مائل کریں، تو ضرور ایسا کرے۔ حضرت جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک لڑکی کو پیغام دیا اور چھپ کر اسے دیکھ لیا یہاں تک کہ میں نے اس کی وہ خوبی بھی دیکھی جس نے مجھے نکاح کی جانب راغب کیا لہٰذا میں نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا''۔

احمد بن حنبل،، المسند، 334:3، رقم:14626، موسسۃ قرطبۃ مصر ابوداؤد،، السنن، 228:2، رقم:2082، دار الفکر حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 179:2، رقم:2696، دار الکتب العلمیۃ بیروت بیہقی، السنن الکبری، 84:7، رقم:13269، مکتب دار الباز مکۃ المکرمۃ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ اَرَادَ اَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَاَةً فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ اَحْرَى اَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا فَفَعَلَ فَتَزَوَّجَهَا فَذَكَرَ مِنْ مُوَافَقَتِهَا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مغیرہ بن شعبہ نے ایک عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ اسے دیکھ لو کیونکہ اس سے شاید اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر اس سے نکاح کر لیا۔ بعد میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے اپنی بیوی کی موافقت اور عمدہ تعلق کا ذکر کیا''۔

احمد بن حنبل، المسند، 249:4، رقم:18179 نسائی، السنن الکبری، 272:3، رقم:1865، دار الکتب العلمیۃ بیروت ابن ماجہ، السنن، 599:1، رقم:1869، دار الفکر بیروت دارمی، السنن، 180:2، رقم:2172، دار الکتاب العربی بیروت ابو یعلی، المسند، 158:6، رقم:3438، دار المامون للتراث دمشق حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 179:2، رقم: 2679 ابن حبان، الصحیح، 351:9، رقم:4043، موسسۃ الرسالۃ بیروت عبد الرزاق، المصنف، 156:6، رقم: 10335، المکتب الاسلامی بیروت ابن ابی شیبہ، المصنف، 21:4، رقم:17388، مکتبۃ الرشد الریاض عبد بن حمید، المسند، 375:1، رقم:1254، مکتبۃ موسسۃ العبرۃ ابی عوانہ، المسند، 18:13، 4039، دار المعرفۃ بیروت طبرانی، المعجم الکبیر، 433:20، رقم:1052، مکتبۃ الزہراء الموصل دار قطنی، السنن، 3: 253، رقم:32، دار المعرفۃ بیروت ابن جارود، المنتقی، 170:1، رقم:675، موسسۃ الکتاب الثقافیۃ بیروت بیہقی، السنن الکبری، 84:7، رقم:13266 مقدسی، الاحادیث المختارۃ، 169:5، رقم:1788، مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ مکۃ المکرمۃ

اسلام نے قوم وقبیلہ کی جاہلانہ حیثیت کو ختم کیا ہے۔ جس کی رو سے بعض قومیں اعلیٰ اور بعض ادنیٰ سمجھی جاتی تھیں اور اب جاہلیت جدیدہ میں بھی سمجھی جاتی ہیں۔ قرآن کریم نے واضح کیا کہ قوم قبیلہ۔ ذات برادری، محض جان پہچان کا ذریعہ ہیں ان کی بناء پر نہ کوئی اعلیٰ ہوتا ہے نہ ادنیٰ۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو''۔ (الحجرات، 13:49)

اسلام کی نظر میں عزت وذلت بڑا اور چھوٹا ہونے کا دار ومدار ایمان وکردار پر ہے حسب ونسب پر نہیں۔ دین کی نظر میں گھٹیا کمین وہ شخص نہیں جو ایمان وعمل میں پختہ ہے باکردار ہے۔ صاحب علم وتقویٰ ہے، بہت اعلیٰ ہے۔ بزرگ تر ہے اور اگر ہاشمی، قریشی، مکی مدنی ہے۔ ایمان وعمل صالح سے محروم ہے۔ جتنا چاہے بڑا بنتا پھرے، اللہ کے نزدیک پرکاہ کے برابر عتبہ، شیبہ ولید، ہاشمی وقریشی ہوکر بھی ذلیل تر حقیر تر۔ کمین تر ہیں فریق اول کے رنگ، نسل، زبان ان کی عزت وعظمت کے آڑے آئے اور فریق ثانی کی خاندانی سرافت ونجابت ان کو عزت سے ہمکنار نہ کرسکی اور وہ نیکی سے محروم ہوکر ''شرالدواب'' ہی رہے۔ (بدترین چوپائے)۔

خوب سمجھ لیں کہ ذات، قوم، قبیلہ صرف تعارف یعنی باہمی جان پہچان کا ذریعہ ہے۔ کسی ذات سے ہوجانا نہ تو عزت وعظمت کی سند ہے۔ نہ کسی دوسرے قبیلہ میں جنم لینا ذلت وحقارت کی علامت۔

قرآن وحدیث اور لغت عرب میں لفظ سید، ایک اعزازی لفظ ہے جو مسلم ہو یا غیر مسلم، سردار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ہماری عام بول چال میں جناب، Sir، ہندی میں شری، وغیرہ۔

چنانچہ قرآن کریم حدیث پاک اور لغت عرب، قدیم وجدید میں، یہ لفظ جس طرح اللہ کے نیک بندوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ہوا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم زعماء کے لئے بھی استعمال ہوا اور ہوتا ہے۔ ظاہر ہے لفظ سرداری جس طرح مال ودولت وعہدہ دنیا کی خبر دیتا ہے اسی طرح روحانی، ایمانی واخروی سرداری پر بھی دلالت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ قیامت کے دن مجرم ومنکر عوام، اللہ تعالیٰ کے حضور بطور شکوہ معذرت کہیں گے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا

''اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہا مانا تھا تو انہوں نے ہمیں (سیدھی) راہ سے بہکا دیا۔ اے ہمارے رب! انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت کر''۔

(الاحزاب، 6867:33)

نکاح میں کفو کی حیثیت:

اسلام نے نکاح کا مقصد محبت والفت بتایا ہے۔

لہٰذا نکاح کرتے وقت چند امور کو پیش نظر رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ جس سے میاں بیوی میں جہاں تک ممکن ہو محبت، یگانگت اور ہمدردی پیدا کردی جائے تو جو رشتہ ازدواج کی پائیداری کا سبب ہو۔ میاں بیوی میں اتحاد واتفاق ہو۔ اور وہ پرسکون زندگی بسر کرسکیں۔ یہ بنیادی بات ہے اسلام نے یہ حق ہر مرد اور عورت کو دیا ہے لہٰذا کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی پر اپنی مرضی مسلط کرے یہاں تک کہ باپ، دادا کو بھی جبر کا اختیار نہیں۔

ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح.

''کنواری (خواہ بیوہ یا مطلقہ) بالغ لڑکی کا زبردستی نکاح کرنے کا، اس کے ولی کو (بھی) اختیار نہیں۔

ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وان لم يعقد عليها ولی

''ہر آزاد، عقل مند بالغ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح کرے تو نکاح ہو جاتا ہے۔

وجه الجواز انها تصرفت في خالص حقها وهي من اهله لكونها عاقلة مميزة ولهذا كان لها التصرف في المال ولها اختيار الازواج... ثم في ظهر الرواية لا فرق بين الكفء و غير الكفء ولكن للولي الاعتراض في غير الكفؤ.

''جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے (اپنی پسند کا نکاح کر کے) خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور وہ اختیار ہے کیونکہ عقل منداور برے بھلے میں تمیز کر سکتی ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتی ہے۔ اور اسے شادی کرنے کا اختیار ہے۔۔۔ پھر ظاہر روایت میں یہ ہے کہ نکاح کے جواز میں کوئی فرق نہیں کفو میں ہو یا غیر کفو میں، ہاں غیر کفو میں کرے تو ولی کو اعتراض کا حق پہنچتا ہے''۔ (مرغینانی، الہدایہ، 196:1، المکتبۃ الاسلامیہ)

تنقیح مسئلہ:

عام علماء نے فرمایا لزوم نکاح کے لیئے کفو، شرط ہے کہ اس کے بغیر نکاح لازم نہیں ہوتا امام کرخی رحمہ اللہ امام مالک، سفیان ثوری رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کفاء لزوم نکاح کے لئے شرط نہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَه وَخُلُقَه فَزَوِّجُوْه إِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین واخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کردو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ بپا ہوگا۔

ترمذی، السنن، 394:3، رقم: 1084، دار احیاء التراث العربی، بیروت

ابن ماجہ، السنن، 632:1، رقم: 1967، دار الفکر بیروت

حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 179:2، رقم: 2695، دار الکتب العلمیہ بیروت

اسی طرح ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کے بعض قبائل سے رشتہ مانگا تو انہوں نے انکار کر دیا، اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے فرمایا، ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ مجھے رشتہ دو۔''

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ليس لعربي على عجمي فضل الا بالتقوى.

''تقویٰ کے سوا کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔''

نیز کفو کا اعتبار ضروری ہوتا تو خون میں، ہوتا ادنیٰ مقتول کے قصاص میں اعلیٰ ذات کا قاتل، قتل نہ کیا جاتا تو جب خون میں کفو کا اعتبار نہیں تو نکاح میں کیوں؟ احناف اور دیگر جن ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا ہے انہوں نے بھی کبھی کہیں یہ نہیں فرمایا کہ غیر کفو میں نکاح نہیں ہوتا، بلکہ یہ فرمایا کہ بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرلے اور باپ یا دادے سے اجازت نہ لے تو ان حضرات کا حق ہے اور وہ

قاضی کے پاس تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اگر نکاح ہی نہ ہوتا تو اعتراض کس کا؟ اور تنسیخ کس کی؟ (بدائع الصنائع، 317:2)

باپ یا دادے کی اجازت سے تو غیر کفو میں نکاح ناجائز ہونے کا کسی نے قول ہی نہیں کیا۔ سب کے نزدیک جائز ہے۔ جیسا کہ ہدایہ کے حوالے سے گذرا۔

وہ اسلام جس نے قبائل و اقوام کو ذریعہ فضیلت کا تعارف بتایا۔ اس کا نام لے کے اتنی غلط بات کرنی، اور اس پر اصرار کرنا، اور مساوات اسلامی کے اصول بتانے پر کوئی ناراض ہو تو اس کی مرضی اللہ و رسول کو ناراض کر کے، ہم کسی کو راضی نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید کی روشنی میں:

جن عورتوں سے شرعاً نکاح حرام ہے ان کو قرآن و حدیث میں تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے: ارشاد ہوا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ لا وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ج كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ج وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ط إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا.

"تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کردی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دور جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور شوہر والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) سوائے ان (جنگی قیدی عورتوں) کے جو تمہاری ملک میں آجائیں، (ان احکام حرمت کو) اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے، اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لیے حلال کردی گئی ہیں تاکہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلب نکاح کرو پاکدامن رہتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے، پھر ان میں سے جن سے تم نے اس (مال) کے عوض فائدہ اٹھایا ہے انہیں ان کا مقرر شدہ مہر ادا کردو، اور تم پر اس مال کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم مہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے"۔ (النساء، 4:23، 24)

یہ ہے فہرست ان عورتوں کی جن سے نکاح حرام ہے یہ قرآن کریم کی سورہ نساء کی آیت نمبر 23 اور نمبر 24 کا ابتدائی حصہ

ہے۔اس فہرست کو بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہیں ایک برادری کو دوسری برادری پر حرام ہونا ثابت ہے؟ نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ فقہ میں کہیں بھی منع نہیں ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ ہاشمی، قریشی، علوی اموی، پٹھان وغیرہ قومیں ہیں اور قوم وقبیلہ اللہ تعالیٰ نے محض تعارف یعنی باہمی جان پہچان کے لئے بنائے ہیں۔عزت وعظمت کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔عقیدہ وعمل پر ہے۔قوم وقبیلہ پر نہیں۔قریش ہاشمی مکی عربی ابو جہل وابولہب اوران جیسوں سے ہزار ہا درجہ افضل ہیں حبشہ کے بلال، روم کے صہیب ایران کے سلمان اور کروڑوں ہندی، سندھی، سوڈانی، صومالوی، افغانی وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ کلام:

قرآن وحدیث میں سید کو غیر سید کے ساتھ نکاح منع نہیں کیا گیا۔ جو ایسا کوئی دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔اس سے قرآن و حدیث کی صریح نص کا مطالبہ کرو! جیسا ہم نے نصوص نقل کیں۔ان نصوص کے مقابلہ میں کسی کی ذاتی رائے قابل قبول نہیں۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی: عبدالقیوم ہزاروی، (منہاج القرآن) تاریخ اشاعت: 2014-02-۲۳

بَابٌ فِي تَزْوِيجِ مَنْ لَمْ يُولَدْ

باب: جب دو ولی (کسی عورت کا الگ، الگ) نکاح کروادیں

2103 حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ مِقْسَمٍ الثَّقَفِيُّ، مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، حَدَّثَتْنِي سَارَةُ بِنْتُ مِقْسَمٍ، أَنَّهَا سَمِعَتْ مَيْمُونَةَ بِنْتَ كَرْدَمٍ، قَالَتْ: خَرَجْتُ مَعَ أَبِي فِي حَجَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَنَا إِلَيْهِ أَبِي وَهُوَ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ فَوَقَفَ لَهُ وَاسْتَمَعَ مِنْهُ وَمَعَهُ دِرَّةٌ كَدِرَّةِ الْكُتَّابِ، فَسَمِعْتُ الْأَعْرَابَ وَالنَّاسَ وَهُمْ يَقُولُونَ: الطَّبْطَبِيَّةَ الطَّبْطَبِيَّةَ الطَّبْطَبِيَّةَ، فَدَنَا إِلَيْهِ أَبِي، فَأَخَذَ بِقَدَمِهِ، فَأَقَرَّ لَهُ، وَوَقَفَ عَلَيْهِ، وَاسْتَمَعَ مِنْهُ، فَقَالَ: إِنِّي حَضَرْتُ جَيْشَ عِثْرَانَ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: جَيْشَ غِثْرَانَ، فَقَالَ طَارِقُ بْنُ الْمُرَقَّعِ: مَنْ يُعْطِينِي رُمْحًا بِثَوَابِهِ؟ قُلْتُ: وَمَا ثَوَابُهُ؟ قَالَ: أُزَوِّجُهُ أَوَّلَ بِنْتٍ تَكُونُ لِي، فَأَعْطَيْتُهُ رُمْحِي، ثُمَّ غِبْتُ عَنْهُ، حَتَّى عَلِمْتُ أَنَّهُ قَدْ وُلِدَ لَهُ جَارِيَةٌ وَبَلَغَتْ، ثُمَّ جِئْتُهُ فَقُلْتُ لَهُ: أَهْلِي جَهِّزْهُنَّ إِلَيَّ، فَحَلَفَ أَنْ لَا يَفْعَلَ حَتَّى أُصْدِقَهُ صَدَاقًا جَدِيدًا غَيْرَ الَّذِي كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَحَلَفْتُ لَا أُصْدِقُ غَيْرَ الَّذِي أَعْطَيْتُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَبِقَرْنِ أَيِّ النِّسَاءِ هِيَ الْيَوْمَ قَالَ: قَدْ رَأَتِ الْقَتِيرَ، قَالَ: أَرَى أَنْ تَتْرُكَهَا قَالَ: فَرَاعَنِي ذَلِكَ، وَنَظَرْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ مِنِّي قَالَ: لَا تَأْثَمُ، وَلَا يَأْثَمُ صَاحِبُكَ.

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: اَلْقَتِيْرُ الشَّيْبُ.

❁❁ سیدہ میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موقعہ پر، میں بھی اپنے والد کے ہمراہ (حج کرنے کے لیے) روانہ ہوئی۔ میں نے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، میرے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گئے، وہ اس وقت اونٹنی پر سوار تھے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہاں ٹھہر گئے اور غور سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سننے لگے، ان کے پاس درہ تھا، جس طرح کا درہ مدرسہ کے استادوں کے پاس ہوتا ہے، میں نے دیہاتیوں اور دوسرے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: طب، طب، طب (یعنی ٹھپ ٹھپ یعنی درے سے بچ کے رہنا) میرے والد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی زین پر پاؤں پکڑ لیے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر ٹھہر گئے، اور ان کی بات توجہ سے سننے لگے، میرے والد نے بتایا: میں "عثر ان" کے لشکر میں شریک ہوا ہوں، یہاں ابن مثنیٰ نامی راوی نے لفظ "عثر ان" روایت کیا ہے، اس موقعہ پر طارق بن مرقع نے کہا: کون مجھے بدلے کے عوض میں نیزہ دے گا؟ میں نے دریافت کیا: اس کا بدلہ کیا ہوگا؟ اس نے جواب دیا: میں اپنے ہاں پیدا ہونے والی پہلی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گا۔ تو میں نے اسے نیزہ دیدیا، پھر میں (کافی عرصہ تک) اس سے نہیں ملا، یہاں تک کہ مجھے چلا کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تھی اور وہ بالغ ہو چکی ہے، تو میں اس کے پاس آیا، میں نے اس سے کہا: میری ہونے والی بیوی میرے حوالے کرنے کی تیاری کرو، تو اس نے حلف اٹھا لیا، کہ وہ ایسا اس وقت تک نہیں کرے گا، جب تک میں اسے نئے سرے سے مہر ادا نہیں کرتا، جو اس مہر کے علاوہ ہوگا جو میرے اور اس کے درمیان طے ہوا تھا، میں نے بھی حلف اٹھا لیا کہ میں جو کچھ ادا کر چکا ہوں، اس کے علاوہ کچھ اور ادا نہیں کروں گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: اب اس لڑکی کی عمر کیا ہوگی؟ میرے والد نے کہا: اس کے بالوں میں سفیدی آ گئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا خیال ہے، تم اس عورت کو چھوڑ دو، راوی بیان کرتے ہیں: میں اس بات پر، پریشان ہو گیا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نہ تم گناہ گار ہو اور نہ تمہارا ساتھی گناہگار ہو"

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) لفظ "قتیر" کا مطلب "سفید بال" ہے۔

2104 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، اَخْبَرَنِي اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَيْسَرَةَ، اَنَّ خَالَتَهُ اَخْبَرَتْهُ عَنِ امْرَاَةٍ، قَالَتْ: هِيَ مُصَدَّقَةٌ امْرَاَةُ صِدْقٍ، قَالَتْ: بَيْنَا اَبِي فِي غَزَاةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذْ رَمِضُوا، فَقَالَ رَجُلٌ: مَنْ يُعْطِيْنِي نَعْلَيْهِ وَاُنْكِحُهُ اَوَّلَ بِنْتٍ تُوْلَدُ لِي؟ فَخَلَعَ اَبِي نَعْلَيْهِ فَاَلْقَاهُمَا اِلَيْهِ، فَوُلِدَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَبَلَغَتْ. وَذَكَرَ نَحْوَهُ. لَمْ يَذْكُرْ قِصَّةَ الْقَتِيْرِ

❁❁ ابراہیم بن میسرہ، اپنی خالہ کے حوالے سے، ایک خاتون کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میرے والد زمانہ جاہلیت میں، ایک جنگ میں شریک ہوئے، جب گرمی بڑھ گئی تو ایک شخص نے کہا: جو شخص مجھے اپنے جوتے دیدے گا، میں اپنے ہاں پیدا ہونے

2104- اسناده صعيف، لجهالة خالة ابراهيم بن ميسرة. احمد بن صالح: هو المصري، وعبد الرزاق: هو ابن همام الصنعاني، وابن جريج: هو عبد الملك بن عبد العزيز. وهو عند عبد الرزاق في "مصنفه" (10418)، ومن طريقه اخرجه اسحاق بن راهويه /5 (4)، والبيهقي في "الكبرى" /146-1457.

والی پہلی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کردوں گا، وہ خاتون بیان کرتی ہیں) میرے والد نے اپنے جوتے اتارے اور اس شخص کو دیدیے، پھر اس شخص کے ہاں لڑکی ہوئی، وہ بالغ بھی ہوگئی، (اس کے بعد حسب سابق روایت ہے، تاہم اس میں اس لڑکی کے بال سفید ہونے کا ذکر نہیں ہے۔)

بَابُ الصَّدَاقِ

باب: مہر کا بیان

2105 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنْ صَدَاقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: ثِنْتَا عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشٌّ، فَقُلْتُ: وَمَا نَشٌّ؟ قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَّةٍ

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے (ادا کیے جانے والے) مہر کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا: بارہ اوقیہ اور ایک نش، میں نے دریافت کیا: ایک نش سے مراد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نصف اوقیہ

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عورتوں کو ان کے مہر نحلہ۔ (خوشی سے) ادا کرو۔ (النساء ۴)

نحلہ کا معنی:

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کرو اور عدل و انصاف میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق کی ادائیگی میں ان کا مہر ادا کرنا بھی ہے اس لئے اس آیت میں فرمایا: اور عورتوں کو ان کے مہر نحلہ (خوشی) سے ادا کرو۔ نحلہ کا معنی شریعت اور فریضہ بھی ہیں اور ہبہ اور عطیہ بھی ہیں۔ پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر از روئے شریعت اور بطور فرض ادا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر کو ادا کرنا تم پر فرض کر دیا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرتے تھے اور دوسری صورت میں اس آیت کا معنی ہے۔ عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کی طرف سے عورتوں کے لئے عطیہ ہے۔ نحل کا معنی کسی کام کو خوشی سے کرنا بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں دل تنگ نہ کرو۔

مہر کا مقرر کرنا صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے۔

اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں نکاح کے ساتھ مہر کو مقرر نہیں کیا گیا۔ مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے

2105- اسناده صحيح. عبد العزيز بن محمد: هو الدراوردي، ويزيد بن الهاد: هو يزيد بن عبد الله بن اسامة الليثي، ومحمد بن ابراهيم: هو ابن الحارث التيمي، وابو سلمة: هو عبد الله بن عبد الرحمن الزهري. واخرجه مسلم (1426)، وابن ماجه (1886)، والنسائي في "الكبرى" (5487) من طرق عن عبد العزيز بن محمد، بهذا الاسناد

دے تو دوسری جگہ نکاح ہونے تک اس کے پاس کچھ رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے یا گزر اوقات کا کوئی اور معاشی ذریعہ مقرر ہونے تک اس کے پاس اتنی رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے۔ اسلام نے مردوں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ عورتوں کو ان کا مہر ادا کریں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب آیات اور احادیث سے واضح کریں گے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں عورتوں کے حقوق کا محافظ اور ضامن صرف مذہب اسلام ہے۔

مہر ادا کرنے کی تاکید اور مہر ادا نہ کرنے پر وعید

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: (آیت) "**وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی**"۔ الآیۃ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک یتیم لڑکی اپنے سرپرست کے زیر پرورش ہوتی تھی۔ وہ اس کے حسن اور اس کے مال کی اس کی طرف راغب ہوتا تھا اور اس جیسی لڑکیوں کے مہر سے کم مہر مقرر کر کے اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا ماسوا اس کے کہ وہ ان کا پورا پورا مہر مقرر کریں ورنہ وہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: (آیت) "**ویستفتونك فی النساء قل الله یفتیکم فیهن**"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا کہ جب یتیم لڑکی مالدار اور حسین ہو اور اس کے ولی (سرپرست) اس کے ساتھ نکاح میں راغب ہوں اور اس کو پورا پورا مہر ادا کریں اور اس کا حق نہ ماریں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ تھا۔ اس شخص نے اس عورت کو دھوکا دے کر اس کی فرج کو حلال کر لیا' قیامت کے دن وہ اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی شخص سے قرض لیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ اس قرض کو واپس کرنے کا نہ تھا۔ بہ خدا اس نے اس شخص کو دھوکا دیا اور باطل کے عوض اس کے مال کو حلال کر لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۰۱' اس حدیث کا ایک روای مجہول ہے باقی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے شادی کی خواہ اس کا مہر کم ہو یا زیادہ اور اس کا ارادہ اس مہر کو ادا کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے اس عورت کو دھوکا دیا اور اگر اس نے اس عورت کا حق ادا نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور وہ صاحب مال کی رقم ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور اس نے اس کو دھوکا دے کر اس مال لیا اور اگر وہ اس

کا قرض ادا کیے بغیر مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔
(المعجم الصغیر رقم الحدیث:۱۱۱ المعجم الاوسط رقم الحدیث:۱۸۷۲)

اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص ١٣٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے مہر کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

ابوسلمہ بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنا مہر مقرر کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش ہوتا تھا فرمایا تم جانتے ہو نش کیا ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا نصف اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) تو یہ پانچ سو درہم ہو گئے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:١٤٢٦ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٨٨٦ سنن دارمی رقم الحدیث:٢١٩٩ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢١٠٥، سنن النسائی رقم الحدیث:٣٣٤٧ مسند احمد ج ٦ ص ٩٤ جامع الاصول رقم الحدیث:٩٤٨٣)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ پہلے عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں وہ حبشہ کی سرزمین میں فوت ہو گئے پھر نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور ان کا چار ہزار درہم مہر مقرر کیا اور ان کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیج دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢١٠٧)

زہری بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا چار ہزار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لکھ کر بھیجا تو آپ نے قبول فرمالیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢١٠٨)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ٣٦٠ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے گھر کے سامان کے عوض نکاح کیا جس کی مالیت چالیس درہم تھی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث:٢٠٩٧)

اس حدیث کی سند میں عطیہ عوفی ایک ضعیف راوی ہے لیکن اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص ٢٨٢)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے گھر کے سامان پر نکاح کیا جس کی مالیت دس درہم تھی۔ (المعجم الکبیر ج ٢٣ ص ٢٤٧ کشف الاستار عن زوائد البزار ١٤٢٦ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ٣٣٧٢ ابوداؤد طیالسی رقم الحدیث:٢٠٢٢ المطالب العالیہ ج ٤ ص ١٣٤)

اس حدیث کی سند میں حکم بن عطیہ ایک ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ سچا راوی ہے لیکن اس کے اوہام ہیں اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث:٤٦٧)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۸۶ 'صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۶۵ 'جامع ترمذی رقم الحدیث:۱۱۱۸ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۵۳ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۹۵۸ 'سنن نسائی رقم الحدیث:۳۳۴۲ 'سنن دارمی رقم الحدیث:۲۲۴۳ '۲۲۴۲ 'مسند احمد ج ۳ ص ۹۹ '۱۴۵ '۱۷۰ '۱۸۱ '۲۰۲ ' ۲۳۹ '۲۴۲ '۲۸۰ '۲۹۱)

نوٹ: دس درہم ۳۰٫۶۱۸ گرام چاندی اور دو سو درہم ۶۱۲٫۳۶ گرام چاندی کے برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادیوں کے مہر کا بیان

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالعجفاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو کیونکہ اگر اس دنیا میں کوئی عزت ہوتی یا اللہ کے نزدیک اس میں تقویٰ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق تھے کہ آپ مہر میں غلو کرتے اور میرے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ یا اپنی کسی صاحبزادی کا بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہیں کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بارہ اوقیہ ۴۸۰ درہم کے برابر ہیں۔ (حضرت عائشہ نے ۵۰۰ درہم کا ذکر کیا ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول گویا تقریباً ہے۔ نیز حضرت ام حبیبہ کا مہر جو چار ہزار درہم تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا اس لیے ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔) (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۱۱۷ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۰۶ 'سنن نسائی رقم الحدیث:۳۳۴۹ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۸۷ 'سنن دارمی رقم الحدیث:۲۲۰۰ 'مسند احمد ج ۱ ص ۴۰ 'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۰۳۹۹ 'موارد الظمآن الزوائد ابن حبان رقم الحدیث:۱۲۰۷ 'المستدرک ج ۲ ص ۱۷۶ جامع الاصول رقم الحدیث:۸۹۸۲)

امام ابویعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ! نے مجھے لوہے کی ایک زرہ عطا فرمائی تھی۔ آپ نے اس زرہ کے عوض میرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا اور فرمایا یہ زرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دو سو میں نے بھیج دی بخدا اس کی قیمت چار سو اور کچھ درہم تھی۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۴۹۹ 'مسند احمد ج ۱ ص ۸۰)

(مجاہد کا حضرت علی سے سماع نہیں ہے۔ امام احمد نے جس شخص نے روایت کیا ہے اس کا حضرت علی سے سماع ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۳)

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زرہ حطمیہ دینے کا حکم دیا (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۲۵ 'سنن نسائی رقم الحدیث:۳۳۷۵) یہ حدیث صحیح ہے مسانید میں اس زرہ کی قیمت کا ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج اور آپ کی صاحب زادیوں کے مہر کا تفصیلی نقشہ:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کا مہر: (۴۰۰۰ درہم۔ ۱۴۴۷۲ گرام چاندی۔ ۱۰۵۲ تولہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر:

(٤٠ درہم۔ ١٢٢،٤٧٢ گرام چاندی۔ ١٠،٥ تولہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مہر: (١٠ درہم۔ ٣٠،٦١٨ گرام چاندی۔ ٦٢٥ تولہ) دیگر ازواج مطہرات کا مہر: (٥٠٠ درہم۔ ١٥٠٩ گرام چاندی۔ ١٣١،٥ تولہ) سیدہ فاطمہ زہراء کا مہر: (٤٠٠ درہم۔ ١٢٢،٤٧٢ گرام چاندی۔ ١٠،٥ تولہ) دیگر صاحبزادیوں کا مہر: (٤٨٠ درہم۔ ١٧٣٦،٦٤ گرام چاندی۔ ١٢٦ تولہ)

مہر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

(آیت) " واحل لکم ما ورآء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فریضه: (النساء: ٢٤)

ترجمہ: تمہارے لئے وہ سب عورتیں حلال کی گئی ہیں جوان محرمات کے علاوہ ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کوطلب کرو درآں حالیکہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہونہ کہ ان سے زنا کرنے والے پھر جن عورتوں سے (بذریعہ) نکاح تم فائدہ اٹھاچکے ہوتوان کا مہران کوادا کردو۔

(آیت) " واتوالنساء صدقتهن نحله "۔ (النساء:٤)

ترجمہ: اورعورتوں کوان کے مہرخوشی سے ادا کرو۔

(آیت) "قدعلمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم "۔ (الاحزاب:٥٠)

ترجمہ: ہم جانتے ہیں ہم نے جو(مہر) مسلمانوں کی بیویوں کے متعلق ان پر فرض کیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اوراس نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کے پاس آئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا نظر اوپر اٹھائی پھر نظر نیچے کرلی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں ہے تو پھر اس سے میرا نکاح کردیجئے۔ آپ نے اس سے فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: جاؤ اپنے گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے وہ گیا پھر واپس آ گیا اور اس نے کہا بہ خدا لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میرے صرف یہ تہبند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے تہہ بند کا کیا کرے گی؟ اگر تم اس کو پہنو گے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ اس کو پہنے گی تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا' وہ شخص بیٹھ گیا جب کافی دیر ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے گن کر بتایا کہ اس کو فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا جاؤ تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے یہ عورت تمہاری ملک میں دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٠٨٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٤٢٥' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢١١١' سنن ترمذی رقم الحدیث: ١١١٦' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣٢٠٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:

۱۸۸۹ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۱۱۸ مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶ ۳۳۰ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۲۰۱)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے نہ کم از کم نہ زیادہ سے زیادہ بلکہ ہر وہ چیز جس میں مال بننے کی صلاحیت ہو وہ مہر ہو سکتی ہے۔ امام شافعی اور داؤد (ظاہری) کا بھی یہی مسلک ہے۔ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا مہر دو درہم رکھا اور اگر اس کا مہر ایک رسی بھی ہوتی تو یہ جائز تھا۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے اور یہ وہ مقدار ہے جس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے نیز مہر کے عوض عورت کا ایک عضو حلال ہو جاتا ہے تو اس کی وہ مقدار مقرر کی جائے گی جس کے عوض چور کا ایک عضو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے پوچھا: کیا تو اپنے نفس اور مال کے عوض دو جوتیوں پر راضی ہوگئی ہے؟ اس عورت نے کہا ہاں! (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۰۴ یہ حدیث عاصم بن عبیداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے)

امام احمد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک شخص کسی عورت کا مٹھی بھر طعام مہر رکھے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۰) نیز اثرم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مٹھی بھر طعام پر نکاح کر لیتے تھے۔ (اس کی سند میں یعقوب بن عطا ایک ضعیف راوی ہے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ان (محرمات) کے سوا عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو''۔ (النساء: ۲۴) اور مال عام ہے وہ قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے اور چونکہ مہر بدل منفعت ہے اس لئے جس مقدار پر دونوں فریق راضی ہو جائیں وہ جائز ہے جس طرح اجرت ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''دس درہم سے کم مہر صحیح نہیں ہے'' وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو میسرہ بن عبید نے حجاج بن ارطاۃ سے روایت کیا ہے میسرہ ضعیف ہے اور حجاج مدلس ہے نیز یہ حدیث حضرت جابر سے روایت کی گئی ہے اور ہم حضرت جابر سے اس کے خلاف حدیث بیان کر چکے ہیں اور بر تقدیر صحت وہ حدیث کسی معین عورت کے معاملہ پر محمول ہے اور چور کے ہاتھ کاٹنے پر ان کا قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ نکاح میں ایک عضو سے نفع حاصل کرنے کی اباحت ہے اور ہاتھ کاٹنے میں ایک عضو کو ضائع کرنا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کی اباحت نہیں ہے نیز یہ سزا اور حد ہے اور اس پر اجماع ہے کہ مہر میں زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) ''اردتم استبدال زوج مكان زوج واتيتم احدهن قنطارا فلا تاخذوا منه شيئا''۔ (النساء: ۲۰)

ترجمہ: اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم بہت مال دے چکے ہو تو اس مال سے کچھ واپس نہ لو۔ (المغنی ج ۷ ص ۱۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

مہر کی کم از کم مقدار میں اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ مقرر نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو قیمت اور اجرت ہو سکتی ہے وہ مہر ہو سکتی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ' صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے' حتیٰ کہ حضرت عمر نے تین مٹھی انگوروں کو مہر فرمایا (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۰) اور تابعین میں سے حسن بصری اور سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر رکھا (سنن سعید بن منصور: ۶۲۰) اور فقہاء میں سے ربیعہ' اوزاعی' ثوری' احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

امام مالک کے نزدیک کم از کم مہر کی مقدار وہ ہے جو چور کے ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے اور وہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی کم از کم مقدار ایک دینار یا دس درہم ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو'' (النساء: ۲۴) اور کم تر چیزوں مثلاً دمڑی اور قیراط پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا' اور حدیث میں ہے از حجاج بن ارطاۃ از عطا از عمرو بن دینار از جابر بن عبداللہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفو کے سوا عورتوں کا نکاح نہ کرو' اور سوائے ولی کے اور کوئی نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳) اور یہ نص ہے' اور یہ ایک مال ہے جس کے عوض ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے اور حقوق عقد میں معین چیز مقرر ہوتی ہے جیسے گواہوں کی مقدار مقرر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) '' وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم ''۔ (البقرہ: ۲۳۷)

ترجمہ: اور اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی درآں حالیکہ تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مہر مقرر کیا گیا تھا اس کا نصف ادا کرنا واجب ہے۔

اس آیت میں لفظ ''ما'' ہے جو قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قلیل اور کثیر دونوں مہر ہو سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ حسب ذیل احادیث دلیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علائق کو ادا کرو' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ علائق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ چیز جس پر دونوں فریق راضی ہو جائیں۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹) یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے) اس سے وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ ''ما'' (وہ چیز) عام ہے خواہ دونوں فریق قلیل پر راضی ہوں یا کثیر پر۔

امام شافعی نے کتاب الام میں کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو درہموں سے حلال کیا اس نے حلال کر لیا۔ (الام ج ۵ ص ۹۵' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۸' یہ حدیث بھی بلاغات سے ہے اور منقطع ہے)

ابو ہارون العبدی از ابوسعید خدری' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص پر کوئی حرج نہیں ہے جس نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر جب کہ گواہ ہوں اور فریقین راضی ہوں۔ (سنن کبری ج ۷ ص ۲۳۹' اس کی سند میں ہارون العبدی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا)

عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے دو جوتیوں کے عوض نکاح کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پوچھا کیا تم اپنے نفس اور اپنے مال پر ان دو جوتیوں سے راضی ہو گئی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۱۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۸۸۸' سنن کبری ج ۷ ص ۲۳۹' مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۵' اس حدیث کی سند میں عاصم بن عبداللہ ہے وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے)

ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تھا' تلاش کرو خواہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہو۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۰۸۷) اور لوہے کی انگوٹھی قیمتی جواہر میں سے نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم مہر ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ انگوٹھی کس خاص لوہے کی ہو جو دس درہم کی ہو اسی طرح وہ جوتیاں بھی دس درہم کی ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کے اسلوب کے مخالف ہے کیونکہ آپ نے فرمایا خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس کا تقاضا ہے کہ وہ کوئی بے قیمت چیز ہو ورنہ آپ اس کے بجائے دس درہم فرماتے تو وہ زیادہ سہل تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی عورت کو دو مٹھی طعام مہر دے تو وہ عورت اس پر حلال ہو جائے گی۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۱۱۰' سنن کبری ج ۷ ص ۲۳۸' اس حدیث کی سند میں ابوالزبیر ہے وہ حضرت جابر کی روایت میں تدلیس کرتا تھا اور صالح بن مسلم ہے اس کو ابن معین نے کہا کہ وہ ضعیف ہے)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مٹھی یا دو مٹھی آٹے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نکاح کر لیا کرتے تھے۔ (سنن کبری ج ۷ ص ۲۴۰' اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عطا ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے)

ان احادیث میں دس درہم سے کم مہر ہونے کی تصریح ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ (ماسوا امام بخاری کی روایت کے باقی روایات کا ضعف ہم نے بیان کر دیا ہے۔)

اور قیاس سے دلیل یہ ہے کہ یہ ایک منفعت کا عوض ہے اور اس میں کم از کم مقدار معین نہیں ہوتی جس طرح اجارہ (اجرت) میں ہوتا ہے رضی اللہ عنہ نیز خلع بھی اسی چیز کا بدل ہے اور اس میں بھی کم از کم مقدار متعین نہیں ہے' لہٰذا مہر کی کم از کم مقدار ہونا صحیح نہیں ہے۔ البتہ جزیہ میں کم از کم مقدار معین ہے لیکن وہ کسی منفعت کا عوض نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ نے آیت سے جو استدلال کیا ہے اور دس درہم سے کم کو مال نہیں مانا یہ صحیح نہیں ہے اول تو اس آیت کا ظاہری معنی متروک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص مہر کا ذکر کیے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے' ثانیاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کا مال دینا ہے پھر کہے میں نے اس کا ایک درہم دینا ہے یا نصف درہم دینا ہے تو اس کا یہ قول صحیح ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم پر

بھی مال کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

احناف نے حضرت جابر کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں مبشر بن عبید ضعیف ہے اور حجاج بن ارطاۃ مدلس ہے علاوہ ازیں حضرت جابر کی دیگر روایات اس کے معارض ہیں' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث کسی خاص عورت کے معاملہ میں ہو جس کا مہر مثل دس درہم ہو۔ فقہاء احناف نے چور کا ہاتھ کاٹنے پر مہر کو قیاس کیا ہے یہ قیاس صحیح نہیں ہے' کیونکہ چوری میں اس عضو سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا بلکہ اس کو کاٹ دیا جاتا ہے' ثانیاً اگر مال کے بدلہ میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا تو پھر چور سے مال واپس نہ لیا جاتا حالانکہ اگر اس سے مال برآمد ہو تو اس سے واپس لیا جاتا ہے اور مالک کو دیا جاتا ہے۔ ثالثاً اس سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اس مال کے عوض نہیں ہے بلکہ اللہ کی حد توڑنے کی سزا ہے۔ رابعاً مہر کے ذریعہ عورت کا صرف ایک عضو مباح نہیں ہوتا بلکہ اس کے سارے بدن سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہوتا ہے۔ خامساً یہ کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا ایک سزا ہے اس لئے اس کا نصاب مقرر ہونا چاہئے جیسا کہ باقی جنایات میں ہے اس کے برخلاف مہر باہمی رضامندی سے ایک عقد کا عوض ہے اس لئے جب طرح باقی عقود میں کوئی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے اس میں بھی نہیں ہوگی۔ اسی طرح ان کا شہادت پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شہادت عقد کی شرائط میں سے ہے اور مہر عقد کا عوض ہے۔ (الحاوی الکبیر ج ۱۲ ص ۱۶۔ ۱۱ ملخصاً)

مہر کی مقدار میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے' انہوں نے چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے' اسی طرح امام مالک نے بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے جو ان کے نزدیک مقرر ہے مدینہ میں امام مالک سے پہلے کسی کا یہ قول نہیں تھا۔ نیز امام مالک نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

(آیت) ''ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المؤمنت فمن ماملکت ایمانکم من فتیتکم المؤمنت''۔ (النساء: ۲۵)

ترجمہ: اور تم میں سے جو شخص آزاد کنواری مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرے۔

اور اس آیت میں طاقت سے مراد مالی طاقت ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ایک پیسہ' ایک دمڑی یا مٹھی بھر جو ہر شخص کی استطاعت میں ہوتے ہیں تو اگر مہر کی مقدار ایک پیسہ ایک مٹھی جو بھی جائز ہوتی تو پھر ہر شخص کے پاس نکاح کرنے کی مالی طاقت ہوتی اور اس آیت کا کوئی معنی نہ ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک تین درہم سے کم پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اس لئے واجب ہے کہ تین درہم سے کم مہر جائز نہ ہو لیکن امام ابن عبدالبر نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آزاد اور باندی کے کم از کم مہر کی مقدار میں مالکیہ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمان آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو پھر مسلمان باندی سے نکاح کر لو اور جب کہ باندی کا بھی مہر ان کے نزدیک کم از کم تین درہم ہے تو پھر مالی طاقت اس سے زیادہ

مراد لیتی ہوگی۔ (الاستذکار ج ۱۶ ص ۷۲-۷۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ شمس الدین شیخ محمد عرفہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار چوتھائی دینار یا خالص چاندی کے تین درہم ہیں یا جو اس کے مساوی ساز و سامان ہے اور زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے اور قول مشہور کے مقابلہ میں ابن وہب مالکی سے ایک درہم منقول ہے اور ابن وہب سے یہ بھی منقول ہے کہ کم از کم مہر کی کوئی حد نہیں ہے اور نکاح قلیل اور کثیر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔

(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مہر کی مقدار میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو عورتوں کے نکاح صرف ان کے اولیاء (سرپرست) کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو (خاندان) میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے اور کتاب میں ہے کہ ہمیں حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، عامر اور ابراہیم رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پہنچی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک عقد کا بدل ہے اور یہ عقد عاقدین کی طرف مفوض نہیں ہے اس لئے اس کی مقدار شرعاً مقرر ہے جیسے دیت میں ہے اور عورت کے عضو سے استفادہ شرعاً ممنوع ہے جب تک کہ نکاح صحیح نہ ہو اور اس عضو کا عوض واجب نہ ہو خواہ فوراً یا بعد میں اور یہ مقصود اصل مالیت کے بغیر حاصل نہیں ہوگا اور مال کا لفظ حقیر اور خطیر دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ مقصود تب پورا ہوگا جب خطیر رقم کو عوض قرار دیا جائے اور وہ مال مقرر ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے:

(آیت) ''قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم''۔ (الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: ہم جانتے ہیں جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے متعلق مقرر فرمایا ہے۔

اور عورت کا عضو مخصوص بھی اس کے نفس کے حکم میں ہے اور عمل تزویج نفس کی چسپیدگی کا سبب ہے اور مال ہی وہ چیز ہے جو نفس میں شرعاً بطور بدل مقرر ہوتا ہے جیسا کہ دیت ہے اور ہر وہ مال جس کو شرع نے واجب کیا ہو اس کی مقدار بیان کی جاتی ہے جیسا کہ زکوۃ میں ہے اور اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اسی طرح چوری کا نصاب بھی بالاتفاق مقرر ہے کیونکہ اس میں بھی ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اسی طرح مہر کی مقدار بھی شرعاً مقرر ہونی چاہیے۔ امام شافعی نے جو احادیث اور آثار بیان کئے ہیں جن میں دس درہم سے کم چیز کو مہر قرار دیا گیا ہے اس سے مراد مہر معجل ہے اور باقی مہر شوہر کے ذمہ ثابت تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تلاش کرو حالانکہ مہر فوراً دینا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث میں مہر سے مراد مہر معجل ہے اور ہمارے نزدیک مہر معجل کی مقدار شرعاً معین نہیں ہے۔ (المبسوط ج ۵ ص ۸۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! عورتوں کا نکاح صرف ان کے سرپرست کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۴۵' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳)

اور جن احادیث میں دس درہم سے کم مہر کا ذکر ہے وہ تمام احادیث مہر معجل پر محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو' کیونکہ عرب کی عادت تھی کہ وہ مہر کا کچھ حصہ دخول سے پہلے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ جب تک عورت کو کوئی چیز پہلے نہ دے دے اس وقت تک دخول نہ کرے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زہری اور قتادہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کچھ دینے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دخول سے منع فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ دخول کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا حتیٰ کہ وہ ان کو کوئی چیز دے دیں۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ان کو اپنی زرہ دے دو' تو آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دے دی پھر ان کے ساتھ دخول کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۲۶' ۲۱۲۵' اس کی سند جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں) یہ سنن ابوداؤد کی عبارت ہے اور اس کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

(سنن نسائی: ۳۳۷۵' اس کی سند صحیح ہے)

اور یہ معلوم ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم چاندی تھا' پسندیدہ امر یہ ہے کہ دخول سے پہلے کچھ دے دیا جائے اور بغیر دیئے بھی دخول جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ میں ایک عورت کو اس کے خاوند کے کچھ دینے سے پہلے اس کے پاس بھیج دوں۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۲۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۳' یہ حدیث قوی مرسل ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو دخول سے پہلے کچھ دینا مستحب ہے' واجب نہیں ہے تاکہ عورت کا دل دخول کے وقت خوش ہو اور اس کی تالیف قلب ہو اور جب یہ امر معروف ہے تو دس درہم سے کم مہر کی جو احادیث ہیں وہ مہر معجل پر ہی محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو لوہے کی ایک انگوٹھی ڈھونڈنے کا حکم دیا تھا وہ بھی تالیف قلب کے لئے بہ طور مہر معجل تھا اور جب وہ اس سے بھی عاجز رہا تھا تو آپ نے فرمایا اس کو بیس آیتوں کی تعلیم دو یہ تمہاری بیوی ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۱۲)

اور یہ حدیث اس کا صحیح محمل ہے جس میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے۔ اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۰' صحیح مسلم: ۱۴۲۵' سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱' سنن ترمذی: ۱۱۱۶' سنن نسائی: ۳۲۰۰' سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹)

سو یہ ہماری روایت کردہ حدیث کے منافی نہیں ہے اور اس طریقہ سے احادیث جمع ہو جاتی ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان

احادیث کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر کی دس درہم والی روایت کی سند میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ دو ضعیف راوی ہیں' تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو اس کو تقویت پہنچاتا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر مقرر نہ کیا جائے۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۷' ۲۴٦' ۲۰۰' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲٤۱' ۲٤۰)

یہ اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر' عامر اور ابراہیم سے مروی ہے (ہر چند کہ اس اثر کی اسانید میں محمد بن مروان اصغر' جو یبر اور غیاث بن ابراہیم داؤد الایدی ضعیف راوی ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ سے یہ اثر حسن لغیرہ ہے اور حدیث جابر کا موید ہے) شرح طحاوی میں اسی سند کے ساتھ یہ اثر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور چونکہ اس اثر میں نصاب کا عدد معین بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر بیان کیا جا سکتا ہے اس لئے یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ یہ اثر از اودی از شعبی از حضرت علی مروی ہے' اور داؤد کو امام ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ بہ اعتبار ظاہر کے بکثرت احادیث ہیں جو دس درہم کی تعیین کی نفی کرتی ہیں (یہ تمام وہ احادیث ہیں جن کو ہم نے علامہ ماوردی شافعی کی تحریر میں باحوالہ ذکر کر دیا ہے) لیکن سوائے لوہے کی انگوٹھی والی حدیث کے باقی تمام احادیث ضعیف ہیں۔ (امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے دو جوتیوں والی حدیث روایت کی ہے اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حبان نے کہا وہ فاحش الخطاء ہے' امام دار قطنی اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جس مقدار پر فریقین راضی ہو جائیں خواہ وہ پیلو کی شاخ ہو۔ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمان' سلمانی ہے امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے' ابن القطان نے کہا اس کا ضعف ظاہر ہے امام دار قطنی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ "گواہ ہونے کے بعد کوئی حرج نہیں خواہ تم نے قلیل مال سے نکاح کیا یا کثیر سے"۔

اس حدیث کی سند میں مرہ ضعیف راوی ہے اور اس کی سند میں حماد بن زید کذاب ہے' اس کے علاوہ اور بھی آثار ہیں جن کے ضعف کو ہم نے علامہ ماوردی کی تحریر میں ذکر کر دیا ہے۔ سعیدی غفرلہ) جس حدیث میں ہے: "جس نے عورت کے مہر میں دو ستو دیئے" اس کی سند میں اسحاق بن جبرائیل ہے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے یہ غیر معروف ہے اور اودی نے اس کو ضعیف کر دیا اور اس کی سند میں مسلم بن رومان بھی مجہول ہے اور دو جوتیوں والی حدیث کو ہر چند کہ امام ترمذی نے صحیح کہا ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ ہے' ابن الجوزی نے کہا یہ فاحش الخطاء ہے' غرض یہ تمام آثار ضعیف ہیں اور صحیح حدیث صرف صحاح ستہ کی ہے جس میں آپ نے فرمایا: "ڈھونڈ و خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو" ہمارے نزدیک یہ مہر معجّل پر محمول ہے ہر چند کہ یہ خلاف ظاہر ہے لیکن اس کو مہر معجّل پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ بعد میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے۔ اس کے سبب میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا' اگر اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے یا مہر کی بالکلیہ نفی کر دی جائے تو وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

(آیت) "واحل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم (النساء: ۲۴)

ترجمہ: اور محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں کہ تم ان کو اپنے مال سے طلب کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو مہر بنانے کا حکم دیا ہے اس لئے اس حدیث میں مہر معجل کی تاویل کرنا واجب ہے اور یہ کہ اس عورت کا مہر بطور مال اس شخص کے ذمہ تھا جو اس وقت نہیں دیا گیا تھا اب اگر شوہر کے ذمہ اس کا مہر نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خبر واحد نے قرآن مجید کی اس آیت قطعیہ متواترہ کو منسوخ کر دیا اور اس وقت مہر کا ذکر نہ کرنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا کیونکہ جب نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۹-۳۰۵ ملخصاً مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

نوٹ: جو مہر شب زفاف میں دخول (عمل تزویج) سے پہلے یا عند الطلب دیا جائے اس کو مہر معجل کہتے ہیں اور جس مہر کی ادائیگی کا وقت مقررہ کر لیا جائے یا جو انقطاع نکاح (طلاق یا موت کے بعد) کے وقت دیا جائے اس کو مہر موجل کہتے ہیں۔

2106 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي الْعَجْفَاءِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: خَطَبَنَا عُمَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ. فَقَالَ: أَلَا لَا تُغَالُوا بِصُدُقِ النِّسَاءِ، فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا، أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَا أَصْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ، وَلَا أُصْدِقَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً

ابوعجفاء سلمی بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: خبردار! عورتوں کے زیادہ مہر مقرر نہ کرو، کیونکہ اگر یہ چیز دنیا میں عزت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقویٰ (کی دلیل) ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب سے زیادہ حقدار تھے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی کو بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر نہیں دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے کسی کو (بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر) نہیں دیا گیا۔

2107 حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْهَرَهَا عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: حَسَنَةُ هِيَ أُمُّهُ

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کی اہلیہ تھیں، ان کا حبشہ کی سرزمین پر انتقال ہو گیا، نجاشی

2106-واخرجه الترمذي (1141)، والنسائي في "الكبرى" (5485) من طريق ايوب، بهذا الاسناد. وقال الترمذي: حديث حسن صحيح. واخرجه ابن ماجه (1887)، والنسائي في "الكبرى" (5485) من طريق عن محمد بن سيرين، به. وهو في "مسند احمد" (285)، (340)، و"صحيح ابن حبان" (4620).

2107-اسناده صحيح، وقد اختلف فيه على الزهري في وصله وارساله كما هو مبين في تعليقنا على "المسند" (27408). ابن المبارك هو عبد الله المروزي، ومعمر: هو ابن راشد الازدي، والزهري: هو محمد بن مسلم ابن شهاب، وعروة: هو ابن الزبير الاسدي. واخرجه النسائي في "الكبرى" (5486) من طريق ابن المبارك، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (27408).

نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شادی نبی اکرم ﷺ سے کروادی، اور اپنی طرف سے انہیں چار ہزار (درہم) مہر کے طور پر ادا کیے، اور پھر حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ انہیں نبی اکرم ﷺ کی طرف بھجوا دیا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) حسنہ، (شرحبیل کی) والدہ ہیں۔

2108 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ النَّجَاشِيَّ، زَوَّجَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدَاقِ أَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَكَتَبَ بِذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَ

❁❁ زہری بیان کرتے ہیں: نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی شادی نبی اکرم ﷺ سے کروادی، جو چار ہزار درہم حق مہر کے ساتھ ہوئی، نجاشی نے اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کو خط لکھا، تو نبی اکرم ﷺ نے (اس نکاح کو) قبول کرلیا۔

مہر کا ایک اہم شرعی حق ہونا

نکاح سے متعلق ایک اہم مالی ذمہ داری "مہر" بھی ہے، مہر عورت کے وجود کا معاوضہ نہیں ہے، بلکہ عصمت انسانی کے احترام کے طور پر مہر ادا کیا جاتا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مہر کا ذکر آیا ہے۔

مہر نکاح کے واجبات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واتوا النساء صدقاتھن نحلة" [81] "اور تم بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو" [82] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے 'نحلہ' کا ترجمہ 'فریضہ' سے کیا ہے اور ایک معروف عالم لغت نے کہا ہے کہ عربی زبان میں 'نحلہ' 'واجب' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، [83]

اس لئے مہر کا مقرر کرنا اور اس کا ادا کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص مہر نہیں دینے کی شرط پر نکاح کرلے، تب بھی عورت کا خاندانی مہر (مہر مثل) واجب ہوگا۔

اور امام مالک کے یہاں تو ایسی صورت میں نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ مہر کی مقدار مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے [84]، اگر کسی شخص نے اس سے بھی کم مہر مقرر کیا، تو اس کا اعتبار نہیں، ایسی صورت میں بھی کم سے کم دس درہم کے بقدر مہر واجب ہوگا [85]، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہونا چاہئے، لا مھر دون عشرۃ دراھم [86]، دس درہم کی مقدار موجودہ اوزان میں تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام ہوگا (۳۰،۶۱۸) ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار سونا یا تین درہم خالص چاندی ہے [87]، چوتھائی دینار کا وزن موجودہ اوزان میں (تقریباً ۴ ماشہ سونا) اور تین درہم کا ۱۱ گرام کے قریب ہوتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض

2108-رجاله ثقات، لكنه مرسل. وقد صح وصله كما في الطريق الذي قبله. واخرجه ابن سعد في "طبقاته" /8 99، والحاكم في "المستدرك" /224 من طريق عبد الرحمن بن عبد العزيز، والطبراني في "الكبير" /23 (403)، والحاكم في "المستدرك" /204 من طريق عبد الله بن ابي زياد، كلاهما عن الزهري بنحوه مرسلاً.

احادیث کو ملحوظ رکھا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم ترین مقدار مہر کی کوئی حد نہیں، کم سے کم جو چیز قیمت یا اُجرت بن سکتی ہو، وہ مہر بھی ہو سکتی ہے[88]، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں؛ کیوں کہ قرآن مجید میں مہر کے لئے 'قنطار' کا لفظ وارد ہوا ہے[89]، جس کے معنی بہت زیادہ مال کے ہیں، 'وھو المال الکثیر'[90]

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بارہ ہزار درہم یا ایک ہزار دینار کو 'قنطار' قرار دیا ہے[91]، جو نہایت خطیر رقم ہوتی ہے۔ چنانچہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض دفعہ مہر کی اچھی خاصی مقدار بھی متعین کی گئی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا، جو آپ کی طرف سے شاہ حبش نجاشی نے مقرر کیا تھا اور انھوں نے ہی ادا بھی کر دیا تھا[92]، اس سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی قابل ذکر ہے، حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگ بطور تفاخر کے بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے ہیں تو چاہا کہ زیادہ سے زیادہ مقدار مہر چار سو درہم متعین کر دی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات خطبہ کے دوران ممبر پر ارشاد فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خطبہ دے کر نیچے اُترے، تو ایک قریشی خاتون نے کہا: آپ نے یہ کیسے کہہ دیا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ "قنطار" یعنی بے شمار مال (بہ طور مہر) دے دو، تو اسے واپس لینے کی کوشش مت کرو[93]،

حضرت عمر کا مزاج بلا تأمل حق کو قبول کر لینے کا تھا، چنانچہ فوراً فرمایا: اللّٰھم غفراً، کل الناس أفقه من عمر، (بار الہا! مجھے معاف کر دیجئے، ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے) پھر آپ دوبارہ ممبر پر چڑھے اور فرمایا: لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا تھا، لیکن جو چاہے اس سے زیادہ بھی اپنے مال میں سے دے سکتا ہے۔[94]

جب اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو فراخی عطا فرمائی اور معاشی حالات بہتر ہوئے تو انھوں نے زیادہ مہر بھی مقرر کئے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، تو ان کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر کیا[95]،

غالباً یہ خانوادۂ نبوت کی توقیر و تکریم کے طور پر تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی صاحب زادیوں کا مہر ایک ہزار دینار رکھتے تھے[96]، بعض میں پندرہ سو دینار کا بھی ذکر آیا ہے[97]، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون سے بیس ہزار مہر پر نکاح کیا[98]،

روایت میں مطلق بیس ہزار ہے، لیکن غالباً اس سے بیس ہزار درہم مراد ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر زیادہ مہر رکھنا محض اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے نہ ہو؛ بلکہ واقعی وہ بیوی کو اتنی رقم دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کے اندر اس کی استطاعت ہو، تو اس میں حرج نہیں۔ لیکن عام حالات میں مہر کی مقدار نہ اتنی کم ہونی چاہئے کہ اس کی کچھ اہمیت ہی باقی نہ رہے اور نہ اتنی زیادہ ہونی چاہئے کہ ادائیگی دشوار ہو جائے اور ادائیگی کی نیت نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر عام طور پر پانچ سو درہم تھا[99]، راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر بھی پانچ سو درہم ہی تھا[100]، اسی لئے متعدد اہل علم نے لکھا ہے کہ مستحب ہے کہ پانچ سو درہم سے زیادہ مہر نہیں رکھا جائے[101]، پانچ سو درہم کی مقدار موجودہ اوزان میں (١٥٣٠،٩٠٠) ہوتی ہے۔

سونے چاندی میں مہر غرض کہ مہر کے مقرر کرنے میں اعتدال ہونا چاہئے، مہر بالکل بے حیثیت بھی نہ ہو اور اتنا زیادہ بھی نہ ہو کہ شوہر کے لئے ادا کرنا ممکن نہ رہے۔

نیز اس میں فقہاء نے خاندانی روایات کو بھی ملحوظ رکھا ہے، یعنی لڑکی کے ددھیالی خاندان میں جو مہر رکھا جاتا ہو، اس کو ملحوظ رکھا جائے، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں ''مہر مثل'' کہتے ہیں، مہر مثل سے مراد صرف تعداد نہیں ہے؛ بلکہ اس کی قدر اور قوت خرید بھی ہے، جیسے بیس سال پہلے لڑکی کی پھوپھی کا مہر دس ہزار روپیہ رکھا گیا ہو اور آج اس کا مہر دس ہزار روپیہ رکھ دیا جائے، تو یہ انصاف کی بات نہیں ہوگی، کیوں کہ بیس سال پہلے دس ہزار میں کم سے کم پانچ تولہ سونا خرید کیا جاسکتا تھا اور آج اس سے ایک تولہ سونا بھی نہیں خرید کیا جاسکتا، تو اعتبار صرف دس ہزار کے عدد کا نہیں ہے؛ بلکہ اس کی قوت خرید کا بھی ہے، افسوس کہ آج کل مہر کے معاملہ میں بھی افراط وتفریط ہے، بہت سے علاقوں اور برادریوں میں آج بھی پانچ سو روپیہ مہر مقرر کیا جاتا ہے اور بعض حضرات محض اظہار تفاخر کے طور پر کئی لاکھ روپے مہر مقرر کرتے ہیں اور ادا نہیں کرتے۔ آج کل چوں کہ کرنسی کی قیمت میں استحکام نہیں ہے اور مسلسل اتار کا رجحان ہے، آج سے بیس پچیس سال پہلے پانچ ہزار روپے کی اہمیت تھی، لیکن آج اتنی رقم سے ایک غریب گھرانے کی زندگی بھی نہیں گذر پاتی اور ہندوستان میں نقد مہر ادا کرنے کا رواج نہیں ہے۔

ان حالات میں مناسب طریقہ یہ ہے کہ مہر سونے یا چاندی میں مقرر کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں درہم چاندی کا اور دینار سونے کا ہوا کرتا تھا، کیوں کہ سونے اور چاندی کی قیمت میں ابھی بھی ایک حد تک استحکام ہے، اس لئے یہ عورت کے حق میں انصاف کی بات ہوگی، مثلاً اگر آج پانچ تولہ سونا مہر مقرر کیا جائے، تو اس کی قیمت پچاس ہزار یا اس سے کچھ زیادہ ہے، اگر اگلے بیس سال کے بعد بھی مہر ادا کیا جائے تو عورت کو پانچ تولہ سونا حاصل ہوگا، اس کے برخلاف اگر پچاس ہزار مہر مقرر ہو، تو ممکن ہے بیس سال بعد اس سے دو ہی تولہ سونا خرید کیا جاسکے، ظاہر ہے یہ عورت کے لئے نہایت نامنصفانہ بات ہوگی کہ ایک تو اس کا مہر وقت پر ادا نہیں کیا گیا، دوسرے جو مہر دیا گیا، اس کی بھی اب قیمت نہایت کم ہوگئی۔

مہر شوہر پر ایک قرض یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مہر بھی دوسرے قرضوں کی طرح ایک قرض ہے، اس لئے صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ مہر نکاح کے وقت ہی ادا کر دیا جائے، صحابہؓ اور بعد کے ادوار میں بھی عام معمول یہی تھا کہ نکاح کے وقت ہی مہر ادا کر دیا جاتا تھا، اور اگر پورا مہر ادا نہیں کر پاتے تب بھی مہر کا کچھ نہ کچھ حصہ نکاح کے وقت دے دیا جاتا، یہ روایت عربی اسلامی معاشرہ میں اتنی قوت کے ساتھ قائم تھی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی عورت دعویٰ کرے کہ میری اپنی شوہر کے ساتھ خلوت ہوگئی، اس کے باوجود اس نے کوئی مہر ادا نہیں کیا تھا، تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ ظاہر حال کے خلاف ہے[103]،

لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں نکاح کے وقت مہر ادا کرنے کا رواج ہی نہیں رہا اور اب نوبت یہاں تک آچکی ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کا مہر ادا کیا جائے تو وہ خوف کھانے لگتی ہے کہ کہیں شوہر کا ارادہ طلاق دینے کا تو نہیں ہے۔

اگر مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو؟ اکثر حالات میں تو مہر ادا کرنے کی نیت ہی نہیں ہوتی، محض رسمی طور پر مہر مقرر کر لیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نکاح کیا اور مہر مقرر کیا، لیکن اس کے دل میں ہو کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا، تو اللہ

تعالیٰ کی یہاں وہ زانی شمار کیا جائے گا...... وليس في نفسه أن يؤديه إليها إلا كان عند الله زانيا.[104]
ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں یہ ہے کہ وہ اسے اس کا مہر نہیں دے گا، تو اس نے دھوکہ بازی کی، اگر اس کا انتقال ہوا اور اس وقت تک اس نے اس کا حق ادا نہیں کیا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایک زانی شخص کی حیثیت سے اس کی ملاقات ہوگی۔[105]

بعض لوگ میاں بیوی کے تعلقات خراب ہونے کے وقت عورت کو تنگ کرتے ہیں، تاکہ وہ خود ہی اپنا مہر معاف کرنے پر آمادہ ہو جائے، یہ نہایت ہی ناشائستہ حرکت ہے اور بے غیرتی اور خدا ناترسی کی بات ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گنہگار وہ شخص ہے، جو کسی عورت سے نکاح کرے، اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے، پھر اسے طلاق دے دے اور اس کا مہر بھی نہیں دے[106]،

اس لئے پوری دیانت داری کے ساتھ نکاح کے وقت مہر ادا کرنے کی نیت رکھنی چاہیے؛ کیوں کہ جب آدمی کسی قرض کو ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شریک حال ہوتی ہے اور اگر طلاق کی نوبت آجائے، تو مہر سے بچنے کے لئے بہانہ تلاش نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ مہر کے علاوہ بھی بیوی کو بطور حسن سلوک کچھ دے کر رخصت کرنا چاہیے، جس کو "متاع" کہتے ہیں اور جس کی خود قرآن مجید میں تلقین کی گئی ہے۔[107]،

چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عورت خلع کا مطالبہ کر رہی ہو اور اس مطالبہ میں مرد کی زیادتی کا دخل ہو، یعنی اس کی طرف سے ظلم وحق تلفی پائی جانے کی بنا پر وہ خلع کا مطالبہ کر رہی ہو، تو مرد کے لئے مہر کی واپسی یا اس کے معاف کرنے کا مطالبہ کراہت سے خالی نہیں اور اگر عورت کی غلطی کی وجہ سے خلع کی نوبت آ رہی ہے تو مہر کے بقدر واپس لینا یا مہر معاف کرا لینا جائز ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ مہر ادا کر دے اور اس صورت میں بھی مقدار مہر سے زیادہ کا مطالبہ مکروہ ہے۔[108]

ترکہ میں پہلے مہر ادا کیا جائے اگر کسی وجہ سے زندگی میں مہر ادا نہیں کر سکے، تو بعض علاقوں میں موت کے بعد بیوی سے مہر معاف کرا دیا جاتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لاش سامنے رکھی ہوئی ہے اور عورتیں اخلاقی دباؤ ڈالتی ہیں کہ مہر معاف کر دو، اس وقت رنج والم کی فضا ہوتی ہے اور اگر اندر سے معاف کرنے پر آمادگی نہ ہو، تب بھی حیا کے تقاضہ کے تحت وہ زبان سے انکار نہیں کر پاتی، یہ نہایت ہی ناشائستہ اور غیر شرعی طریقہ ہے، شرعی اُصول یہ ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو، تو پہلے قرض داروں کا قرض ادا کیا جائے، پھر ورثہ میں ترکہ کی تقسیم ہو، جیسے دوسرے قرض واجب الاداء ہیں اور ان کے بارے میں بھی پوچھ ہوگی، اسی طرح مہر بھی ایک قرض ہے اور اس کی بھی اللہ کے پاس جواب دہی ہے، اس لئے مہر معاف کرانے کی کوئی وجہ نہیں، ترکہ میں سے پہلے دوسرے قرض داروں کی طرح بیوی کا بھی مہر ادا ہونا چاہیے، اس کے بعد جو بچ جائے وہ تمام ورثہ میں تقسیم ہو۔

حاصل یہ ہے کہ: ۱) مہر بیوی کا نہایت اہم شرعی حق ہے۔ ۲) مہر نہ بہت کم ہونا چاہیے اور نہ اتنا زیادہ کہ اس کا ادا کرنا شوہر کے لئے ممکن نہ ہو۔ ۳) کوشش کرنی چاہیے کہ نکاح کے وقت ہی پورا مہر یا اس کا مناسب حصہ ادا کر دیا جائے۔ ۴) اگر اُدھار مہر مقرر ہو تو سونے چاندی میں مقرر کیا جائے۔ ۵) اگر شوہر انتقال تک مہر ادا نہیں کر پایا ہو، تو اس کے ترکہ میں سے دوسرے قرضوں

کی طرح عورت کا مہر بھی پہلے ادا کر دیا جائے، اس کے بعد ترکہ کی تقسیم ہو۔ ۶) اگر خدانخواستہ علاحدگی کی نوبت آئے، تو مہر ادا کرنے میں بہانہ بازی سے کام نہ لے اور عورت کو خلع پر مجبور نہ کرے۔

تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۷۲، تفسیر آیت مذکورہ [84] بدائع الصنائع: ۲/ ۵۶۱ [85] درمختار: ۴/ ۱۶۹ [86] سنن بیہقی: ۷/ ۳۹۲، حدیث نمبر: ۱۴۳۸۲ [87] الشرح الصغیر: ۲/ ۴۲۹، مواہب الجلیل: ۵/ ۱۸۶ [88] شرح مہذب: ۱۸/ ۷، المغنی: ۱۰/ ۱۰۱ [89] النساء: ۲۰ [90] دیکھئے تفسیر بغوی: ۱/ ۴۹۸ [91] سنن بیہقی: ۷/ ۳۸۱، حدیث نمبر: ۱۴۳۴۰ [92] سنن ابی داود، حدیث نمبر: ۲۱۰۸، نیز دیکھئے، سنن بیہقی: ۷/ ۳۸۲، حدیث نمبر: ۱۴۳۴۶ [93] النساء: ۲۰ [94] مجمع الزوائد: ۴/ ۲۲ ـ ۵۲۱، حدیث نمبر: ۷۵۰۱ [95] سنن بیہقی: ۷/ ۳۸۱، حدیث نمبر: ۱۴۳۴۱ [96] سنن بیہقی: ۷/ ۳۸۱، حدیث نمبر: ۱۴۳۴۶ [97] دیکھئے مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۱۸۰، حدیث نمبر: ۱۰۴۱۹ [98] سنن بیہقی: ۷/ ۳۸۱، حدیث نمبر: ۱۴۳۴۳ [99] مسلم عن ابی سلمہ، حدیث نمبر: ۱۴۲۶ [100] موسوعہ حیات الصحابیات، ص: ۶۲۳، محمد سعید مبیض [101] دیکھئے: الکافی: ۴/ ۳۲۸، شرح مہذب: ۱۸/ ۹ [102] نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے، ص: ۸۸ [103] ردالمحتار: ۴/ ۳۰۰ مطلب مسائل الاختلاف فی المہر [104] مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۱۸۵، حدیث نمبر: ۱۰۴۴۳، نیز دیکھئے: سنن بیہقی ۷/ ۳۹۴ [105] مجمع الزوائد: ۴/ ۵۲۳، حدیث نمبر: ۷۵۰۷، بحوالہ طبرانی [106] مستدرک حاکم، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ۲/ ۱۹۹، حدیث نمبر: ۲۷۴۳ [107] البقرہ: ۲۴۱ [108] ہندیہ: ۱/ ۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ، الفصل الاول فی شرائط الخلع وحکمہ

بَابُ قِلَّةِ الْمَهْرِ

باب: کم مہر مقرر کرنا

2109 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، وَحُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ وَعَلَيْهِ رَدْعُ زَعْفَرَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْيَمْ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً. قَالَ: مَا أَصْدَقْتَهَا؟ قَالَ: وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ. قَالَ: أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ پر زعفران کا نشان دیکھا، تو دریافت کیا: یہ کس وجہ سے ہے؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے شادی کر لی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم نے اسے کتنا مہر دیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: گٹھلی کے وزن جتنا سونا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری (ذبح کر کے دعوت کرو)۔

2109-اسناده صحيح. حماد: هو ابن سلمة البصري، وثابت: هو ابن اسلم البناني، وحميد: هو ابن ابي حميد الطويل. واخرجه مطولاً ومختصراً البخاري (2049) من طريق زهير بن معاوية، و (5148) من طريق عبد العزيز بن صهيب، ومسلم (1427) من طريق قتادة، و (1427) من طريق ابي حمزة، والبخاري (3781) و (3937) و (5072) و (5153) و (5167) و (6082)، ومسلم (1427)، والترمذي (2046)، والنسائي في "الكبرى" (5482) و (5533) و (5535) و (6560) و (10019) من طريق حميد، والبخاري (5155) و (6386)، ومسلم (1427)، وابن ماجه (1907) و (1908)، والترمذي (1119)، والنسائي في "الكبرى" (5533) و (5534) و (10018) من طريق ثابت، ستتهم عن انس بن مالك

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) گٹھلی (کے وزن جتنا سونا) پانچ درہم کا ہوتا ہے، "نش" بیس درہم کا ہوتا ہے، "اوقیہ" چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

2110 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ جِبْرَائِيلَ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ، أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ مُسْلِمِ بْنِ رُومَانَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ مِلْءَ كَفَّيْهِ سَوِيقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمَٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ صَالِحِ بْنِ رُومَانَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، مَوْقُوفًا. وَرَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ رُومَانَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَمْتِعُ بِالْقُبْضَةِ، مِنَ الطَّعَامِ عَلَى مَعْنَى الْمُتْعَةِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَلَى مَعْنَى أَبِي عَاصِمٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"جو شخص کسی عورت کو مہر میں، دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجور دیدے، وہ (اس عورت کو اپنے لیے) حلال کر لیتا ہے"۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت کے طور پر منقول ہے۔

ایک اور سند کے ساتھ یہ روایت منقول ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہم مٹھی بھر اناج کے عوض میں متعہ کر لیتے تھے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابن جریج نے، اپنی سند کے ساتھ یہ روایت، ابو عاصم کی روایت کی مانند نقل کی ہے۔

مہر کی مقدار میں مذاہب اربعہ کا بیان

عاصم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے ان کے والد کے حوالے سے سنا کہ قبیلہ بنو فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیاں مہر مقرر کر کے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم جوتیوں کے بدلے میں اپنی جان و مال دینے پر راضی ہو، اس نے عرض کیا ہاں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ اس باب میں حضرت عمر، ابوہریرہ، سہل بن سعد، ابوسعید، انس، عائشہ، جابر اور ابوحدرد اسلمی سے بھی روایت ہے عامر بن ربیعہ کی حدیث حسن صحیح ہے مہر کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں لہٰذا زوجین جس پر متفق ہو جائیں وہی مہر ہے۔ سفیان، ثوری، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مہر چار دینار سے کم نہیں۔ بعض (فقہاء احناف) اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث ۱۱۱۳)

2110- واخرجه الدارقطني في "سننه" (3595)، والبيهقي في "الكبرى" /2387، والخطيب البغدادي في "تاريخه" 3646/-365 من طريق يزيد بن هارون، بهذا الاسناد. واخرجه احمد في "مسنده" (14824)، والدارقطني في "سننه" (3593)، والبيهقي 2387/

نہ تو شریعت نے مہر کے لئے کسی خاص مقدار کو متعین کر کے اسے واجب قرار دیا ہے اور نہ اس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اسے شوہر کی حیثیت و استطاعت پر موقوف رکھا ہے کہ جو شخص جس قدر مہر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اسی قدر مقرر کرے البتہ مہر کی کم سے کم ایک حد ضرور مقرر کی گئی ہے تا کہ کوئی شخص اس سے کم مہر نہ باندھے۔

چنانچہ حنفیہ کے مسلک میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (۶۲ء30 گرام چاندی) ہے اگر کسی شخص نے اتنا مہر باندھا جو دس درہم یعنی (۶۲ء۳۰ گرام چاندی) کی قیمت سے کم ہو تو مہر صحیح نہیں ہوگا۔

حضرت امام مالک کے نزدیک کم سے کم مہر کی آخری حد چوتھائی دینار ہے اور حضرت امام شافعی و حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ثمن یعنی قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کا مہر باندھنا جائز ہے۔

حریت کے مہر ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔ اس باب میں حضرت صفیہ سے بھی روایت ہے حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے، بعض صحابہ کرام اور دوسرے حضرت کا اس پر عمل ہے امام شافعی، احمد، اور اسحاق، کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک آزادی کو مہر مقرر کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک آزادی کے علاوہ مہر مقرر کرنا چاہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث، ۱۱۱۶)

بَابٌ فِي التَّزْوِيجِ عَلَى الْعَمَلِ يَعْمَلُ

باب: کوئی کام کرنے (کو مہر مقرر کر کے) شادی کرنا

2111 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ. فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي قَدْ وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ، فَقَامَتْ قِيَامًا طَوِيلًا. فَقَامَ رَجُلٌ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا إِيَّاهُ؟. فَقَالَ: مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي هَذَا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكَ إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِزَارَكَ جَلَسْتَ وَلَا إِزَارَ لَكَ فَالْتَمِسْ شَيْئًا. قَالَ: لَا أَجِدُ شَيْئًا. قَالَ: فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ. فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا.

2111- اسناده صحيح. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة، ومالك: هو ابن انس، وابو حازم بن دينار: هو سلمة. وهو عند مالك في "الموطا" 5262/، ومن طريقه اخرجه البخاري (2310) و (5135) و (7417)، والترمذي (1140)، والنسائي في "الكبرى" (5499). وهو عند بعضهم مختصر. واخرجه مطولاً ومختصراً البخاري (5029) و (5030) و (5087) و (5121) و (5126) و (5132) و (5141) و (5149) (في النكاح: باب التزويج على القرآن وبغير صداق، وقد توسع الحافظ في شرحه هنا) و (5150) و (5871)، ومسلم (1425)، وابن ماجه (1889)، والنسائي في "الكبرى" (5289) و (5500) و (5501) و (8007) من طرق عن ابي حازم، به. وهو في "مسند احمد" (22798) و (22850)، و "صحيح ابن حبان" (4093)

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَهَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟. قَالَ: نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.

❁❁ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کی: یارسول اللہ! میں خودکو، آپ کو ہبہ کرتی ہوں (یعنی آپ چاہیں تو میرے ساتھ شادی کرلیں) وہ عورت خاصی دیر کھڑی رہی، ایک صاحب کھڑے ہوئے، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر آپ کو اس میں دلچسپی نہیں ہے، تو میری شادی اس کے ساتھ کر دیں، نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: کیا تمہارے پاس اس کو مہر میں دینے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے پاس صرف میرا یہ تہبند ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنا تہبند اسے دیدیتے ہو، تو پھر تمہیں تہبند کے بغیر رہنا پڑے گا، تم کوئی اور چیز تلاش کرو۔ اس نے عرض کی: مجھے کوئی اور چیز نہیں ملی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم تلاش کرو، خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے، اس نے تلاش کیا، لیکن اسے کچھ نہیں ملا، نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا: کیا تمہیں قرآن کا کچھ حصہ (زبانی) آتا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! فلاں، فلاں سورتیں آتی ہیں، اس نے ان سورتوں کے نام بھی گنوائے، نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

''تمہیں جو قرآن آتا ہے، اس کے عوض، میں تمہاری شادی اس عورت سے کرتا ہوں''۔

مہر کی مقدار میں ادلہ مذاہب اربعہ

حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک دن ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے آپ کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہبہ کر دیا یہ کہہ کر وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی تھے کہ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے تم اس عورت کو مہر میں دے سکو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس تہبند کے علاوہ جسے میں باندھے ہوئے ہوں میرے پاس کوئی اور چیز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کوئی چیز ڈھونڈ لاؤ! اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ جب صحابی نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔

(بخاری ومسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 405)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

ہبہ کر دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہبہ کو قبول کر لیتے تھے تو وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال ہو جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا کچھ مہر واجب نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور کسی کے لئے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا یعنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے تئیں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہبہ کر دے یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ عورت حلال ہے لیکن اے محمد یہ اجازت صرف آپ ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں۔

اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک بغیر مہر کے لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا یہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔

جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کے لئے جائز ہے مگر اس صورت میں مہر کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا لہٰذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے ہبہ کرے اور وہ شخص اس ہبہ کو قبول کر لے تو اس ہبہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس شخص پر مہر مثل واجب ہوگا اگرچہ وہ عورت مہر کا کوئی ذکر نہ کرے یا مہر کی نفی ہی کیوں نہ کر دے لہٰذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ (خَالِصَةً لَّكَ) 33۔الاحزاب:50) کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو ہبہ کر دینے والی عورت کا مہر واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

(ولو خاتما من حدید) (اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو) سے معلوم ہوا کہ از قسم مال کسی بھی چیز کا مہر باندھنا جائز ہے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم تر کیوں نہ ہو بشرطیکہ مرد و عورت دونوں اس پر راضی ہوں۔

چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک کا جو مسلک ہے وہ ابتدائے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے حنفیہ کی دلیل حضرت جابر کی یہ روایت ہے جس کو دار قطنی نے نقل کیا ہے کہ حدیث (لا تنکحوا النساء الا الاکفاء) الخ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کا نکاح ان کے کفو ہی سے کیا جائے گا اور عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں اور دس درہم سے کم مہر کا اعتبار نہیں ہے۔

نیز حنفی مسلک کی تائید دار قطنی اور بیہقی ہی میں منقول حضرت علی کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ دس درہم سے کم کا مہر معتبر نہیں۔

حضرت سہیل کی اس روایت کو حنفیہ نے مہر معجل پر محمول کیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے مقررہ مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور یعنی جماع کرنے سے پہلے دے دیتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو بھی یہ حکم فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی بھی چیز خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو مل جائے تو لے آؤ تا کہ نکاح کے بعد اس عورت کو مہر کے طور پر کچھ نہ کچھ دے سکو۔ اسی بناء پر بعض علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی سے اس وقت

تک جماع نہ کیا جائے جب تک اس کے مہر میں سے کچھ نہ کچھ اسے دے دیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر حضرت زہری اور حضرت قتادہ کا یہی مسلک تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے نکاح کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت فاطمہ کے پاس اس وقت تک جانے سے ممانعت کردی جب تک کہ وہ حضرت فاطمہ کو ان کے مہر میں سے کچھ نہ دے دیں حضرت علی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فاطمہ کو اپنی زرہ دے دو حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو اپنی زرہ دے دی اور اس کے بعد ان کے پاس گئے اور یہ معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ کا مہر چار سو مثقال چاندی کا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس مقررہ مہر سے ایک زرہ کی بقدر دینے کا حکم دیا تھا لہٰذا ان حضرات کے نزدیک مقررہ مہر میں سے علی الفور یعنی جماع سے قبل کچھ دے دینا واجب ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا، چنانچہ بعض ائمہ نے اسے جائز رکھا ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یعنی تعلیم قرآن کو مہر قرار دے کے نکاح کر لینے کی صورت میں نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر خاوند پر مہر مثل واجب ہوتا ہے اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو ارشاد گرامی (**بما معک**) الخ میں حرف با بدل کے لئے نہیں ہے بلکہ سببیت کے اظہار کے لئے ہے یعنی اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا گویا تمہیں قرآن کا یاد ہونا اس عورت کے ساتھ ہوا تھا تو قبولیت اسلام ان کے نکاح کا سبب تھا اسے مہر قرار نہیں دیا گیا تھا۔

تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو یہ حکم بطور وجوب نہیں تھا بلکہ بطریق استحباب تھا لہٰذا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا۔

2112 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَفْصِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنِي أَبِي حَفْصُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْبَاهِلِيِّ، عَنْ عِسْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، نَحْوَ هٰذِهِ الْقِصَّةِ لَمْ يَذْكُرِ الْإِزَارَ وَالْخَاتَمَ. فَقَالَ: مَا تَحْفَظُ مِنَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ أَوِ الَّتِي تَلِيهَا. قَالَ: فَقُمْ فَعَلِّمْهَا عِشْرِينَ آيَةً، وَهِيَ امْرَأَتُكَ.

٭٭ یہی واقعہ ایک اور سند کے ساتھ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، تاہم اس روایت میں راوی نے تہبند اور انگوٹھی کا ذکر نہیں کیا، (اس میں یہ الفاظ ہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تمہیں کتنا قرآن زبانی یاد ہے؟ اس نے جواب دیا: سورہ بقرہ یا اس کے بعد والی سورت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اٹھو، اور اس عورت کو بیس آیات کی تعلیم دو، یہ تمہاری بیوی ہوئی۔

2113 حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَبِي الزَّرْقَاءِ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، نَحْوَ خَبَرِ سَهْلٍ، قَالَ: وَكَانَ مَكْحُولٌ يَقُولُ: لَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہی روایت ایک سند کے ہمراہ مکحول سے منقول ہے، مکحول یہ کہا کرتے تھے: نبی اکرم ﷺ کے بعد یہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

بَابٌ فِيمَنْ تَزَوَّجَ وَلَمْ يُسَمِّ صَدَاقًا حَتّٰى مَاتَ

باب: جو شخص مہر مقرر کیے بغیر شادی کر لے، اور پھر (اسے مقرر کرنے سے پہلے) انتقال کر جائے

2114 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ فِرَاسٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، فِي رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَمَاتَ عَنْهَا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا الصَّدَاقَ، فَقَالَ: لَهَا الصَّدَاقُ كَامِلًا، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ. فَقَالَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِهِ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں: جو کسی عورت سے شادی کرنے کے بعد انتقال کر جائے، اس نے اس عورت سے ملاپ بھی نہ کیا ہو اور اس عورت کا حق مہر بھی مقرر نہ کیا ہو، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسی عورت کو مکمل مہر ملے گا اور اس پر عدت گزارنا لازم ہوگا، اور اسے میراث بھی ملے گی۔

اس پر حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو بروع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ دیتے ہوئے سنا ہے۔

2115 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، وَابْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسَاقَ عُثْمَانُ، مِثْلَهُ.

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

2116 حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ خِلَاسٍ، وَأَبِي حَسَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ، أُتِيَ فِي رَجُلٍ بِهٰذَا الْخَبَرِ، قَالَ: فَاخْتَلَفُوا إِلَيْهِ، شَهْرًا أَوْ قَالَ: مَرَّاتٍ، قَالَ: فَإِنِّي أَقُولُ فِيهَا إِنَّ لَهَا صَدَاقًا كَصَدَاقِ نِسَائِهَا، لَا وَكْسَ، وَلَا شَطَطَ، وَإِنَّ لَهَا الْمِيرَاثَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، فَإِنْ يَكُ صَوَابًا، فَمِنَ اللّٰهِ وَإِنْ

2114- اسنادہ صحیح. سفیان: هو ابن سعید الثوری، وفراس: هو ابن یحیٰی الهمدانی، والشعبی: هو عامر بن شراحیل، ومسروق: هو ابن الاجدع. واخرجه ابن ماجه (1891)، والنسائی فی "الکبرٰی" (5492) من طریق عبد الرحمن ابن مهدی، بهذا الاسناد. واخرجه النسائی فی "الکبرٰی" (5495) من طریق عبد اللّٰه بن عون، عن معقل ابن سنان الاشجعی، عن ابن مسعود.

2116- اسنادہ صحیح. قتادة: هو ابن دعامة السدوسی، وخلاس: هو ابن عمرو الهجری، وابو حسان: هو مسلم بن عبد اللّٰه البصری. وهو فی "مسند احمد" (4099) و (4100) و (4276).

يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ بَرِيئَانِ. فَقَامَ نَاسٌ مِنْ أَشْجَعَ فِيهِمُ الْجَرَّاحُ، وَأَبُو سِنَانٍ فَقَالُوا: يَا ابْنَ مَسْعُودٍ نَحْنُ نَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَاهَا فِينَا فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ وَإِنَّ زَوْجَهَا هِلَالُ بْنُ مُرَّةَ الْأَشْجَعِيُّ كَمَا قَضَيْتَ قَالَ: فَفَرِحَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ فَرَحًا شَدِيدًا حِينَ وَافَقَ قَضَاؤُهُ قَضَاءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

⊛⊛ عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کے اس طرح کی صورتحال کا شکار ہونے کے بارے میں بتایا گیا، وہ لوگ ایک ماہ تک (اس کا جواب حاصل کرنے کے لیے) ان کے ہاں آتے جاتے رہے، (راوی کو شک ہے) کئی مرتبہ آتے جاتے رہے، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس بارے میں اپنی رائے دینے لگا ہوں، اس عورت کو اس جیسی دوسری عورتوں کی مانند مہر ملے گا، جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی، اس عورت کو وراثت میں حصہ بھی ملے گا اور اس پر عدت بسر کرنا بھی لازم ہوگا، اگر یہ (جواب) درست ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے، تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے بری ذمہ ہوں گے۔

تو اشجع قبیلے سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ، جن میں حضرت جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسنان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: اے حضرت عبداللہ بن مسعود! ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خاندان کی ایک خاتون بروع بنت واشق اور اس کے شوہر ہلال بن مرہ اشجعی کے بارے میں یہی فیصلہ دیا تھا جو آپ نے دیا ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات پر خوش ہوئے کہ ان کا فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق تھا۔

2117 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ الذُّهْلِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَصْبَغِ الْجَزَرِيُّ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ خَالِدِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ: أَتَرْضَى أَنْ أُزَوِّجَكَ فُلَانَةَ؟، قَالَ: نَعَمْ، وَقَالَ لِلْمَرْأَةِ: أَتَرْضَيْنَ أَنْ أُزَوِّجَكِ فُلَانًا؟، قَالَتْ: نَعَمْ، فَزَوَّجَ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ فَدَخَلَ بِهَا الرَّجُلُ وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يُعْطِهَا شَيْئًا وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ الْحُدَيْبِيَةَ وَكَانَ مَنْ شَهِدَ الْحُدَيْبِيَةَ لَهُ سَهْمٌ بِخَيْبَرَ فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّجَنِي فُلَانَةَ، وَلَمْ أَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ أُعْطِهَا شَيْئًا، وَإِنِّي أُشْهِدُكُمْ أَنِّي أَعْطَيْتُهَا مِنْ صَدَاقِهَا سَهْمِي بِخَيْبَرَ. فَأَخَذَتْ سَهْمًا فَبَاعَتْهُ بِمِائَةِ أَلْفٍ.

2117- حديث صحيح، وهذا اسناد قوى. ابو الاصبغ الجزرى عبد العزيز بن يحى صدوق لا باس به. عمر بن الخطاب: هو السجستانى القشيرى. واخرجه البيهقى /2327 من طريق ابى داود، بهذا الاسناد. واخرجه ابن حبان فى "صحيحه" (4072) من طريق هاشم بن القاسم الحرانى، والحاكم فى "المستدرك" /1812-182، والبيهقى /2327 من طريق ابى الاصبغ

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَزَادَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَحَدِيثُهُ أَتَمُّ فِي أَوَّلِ الْحَدِيثِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ النِّكَاحِ أَيْسَرُهُ. وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ ثُمَّ سَاقَ مَعْنَاهُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: يُخَافُ أَنْ يَكُونَ هَذَا الْحَدِيثُ مُلْزَقًا لِأَنَّ الْأَمْرَ عَلَى غَيْرِ هَذَا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ میں فلاں عورت کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں!

نبی اکرم نے عورت سے دریافت کیا: کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ میں فلاں مرد کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں؟ اس عورت نے جواب دیا: جی ہاں! تو نبی اکرم نے ان دونوں کی شادی کروادی، اس مرد نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی، لیکن اس کا مہر مقرر نہیں کیا، اور اسے (مہر کے طور پر) کچھ نہیں دیا، وہ مرد صلح حدیبیہ میں شریک ہوا تھا، صلح حدیبیہ میں جو بھی لوگ شریک ہوئے تھے، ان کا خیبر میں بھی حصہ تھا، اس شخص کی موت کا وقت جب قریب آیا، تو اس نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کے ساتھ میری شادی کروائی، میں نے اس عورت کا مہر مقرر نہیں کیا، اور اسے کچھ دیا بھی نہیں، میں تم لوگوں کو گواہ بنا کر یہ کہتا ہوں، میں خیبر میں موجود اپنا حصہ اس عورت کو مہر کے طور پر دیتا ہوں، اس عورت نے اپنا حصہ لے کر اسے ایک لاکھ (درہم) کے عوض میں فروخت کیا۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) عمر بن خطاب نامی راوی نے روایت کے آغاز میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں، اور اس کی نقل کردہ روایت مکمل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہتر نکاح وہ ہے، جو زیادہ آسان ہو (یعنی اس میں مہر کم ہو)''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ حصہ اس حدیث میں شامل کر لیا گیا ہو، کیونکہ بعد کا واقعہ اس سے مختلف ہے۔

بَابٌ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ

باب: نکاح کے خطبہ کا بیان

2118 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فِي خُطْبَةِ الْحَاجَةِ فِي النِّكَاحِ وَغَيْرِهِ. ح، وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ، الْمَعْنَى، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، وَأَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ:

2118- واخرجه ابن ماجه (1892)، والترمذی (1131)، والنسائی فی "الکبری" (5502) و (10249) و (10250) و (10254) من طرق عن ابی اسحاق،

عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا. مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا) (النساء:1) (يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُونَ) (آل عمران:102) (يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا) (الاحزاب:71).. لَمْ يَقُلْ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، اَنْ

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ حاجت (یعنی خطبہ نکاح کے یہ کلمات) تعلیم دیے:

''بے شک ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، ہم اس سے مدد مانگتے ہیں اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور اپنی ذات کے شر سے اس کی پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جسے وہ گمراہ رہنے دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں،

''اے ایمان والو! اس اللہ سے ڈرو، جس کے وسیلے سے، تم ایک دوسرے سے (مدد) مانگتے ہو، اور رشتہ داری (کے حقوق کا خیال رکھو)، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا نگران ہے''۔

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے یوں ڈرو، جو اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تم مرتے وقت صرف مسلمان ہی ہونا''۔

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچی بات کہو، وہ تمہارے اعمال ٹھیک کردے گا، اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کردے گا، جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ عظیم کامیابی حاصل کرے گا''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) محمد بن سلیمان نے لفظ ''اِنَّ'' نقل نہیں کیا۔

2119 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا عِمْرَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ، عَنْ اَبِي عِيَاضٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا تَشَهَّدَ ذَكَرَ نَحْوَهُ وَقَالَ: بَعْدَ قَوْلِهِ: وَرَسُولُهُ: اَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ، مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَاِنَّهُ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهُ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا

⊛⊛ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (نکاح کے خطبہ میں) جب کلمہ شہادت پڑھ لیتے، (اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث نقل کی ہے) جس میں ''اس کے رسول'' کے بعد یہ الفاظ ہیں:

2119-صحيح دون قوله: "ارسله بالحق بشيرا ونذيرا..." الى آخر الحديث، وهذا اسناد ضعيف لجهالة ابي عياض. لكن صح من غير طريقه كما سلف قبله. وهو مكرر الحديث السالف برقم (1097).

''جنہیں اس نے قیامت سے پہلے حق کے ہمراہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، وہ ہدایت پا گیا، اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی، وہ صرف اپنا ہی نقصان کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا''۔

2120 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْعَلَاءِ ابْنِ أَخِي شُعَيْبٍ الرَّازِيِّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ، قَالَ: خَطَبْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَامَةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَأَنْكَحَنِي مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَشَهَّدَ

اسماعیل بن ابراہیم، بنو سلیم سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی کا یہ بیان کرتے ہیں:

میں نے نبی اکرم ﷺ نے امامہ بنت عبدالمطلب کا رشتہ مانگا تو نبی اکرم ﷺ نے خطبہ نکاح کے بغیر میری شادی کروادی۔

ابو عیسیٰ کہتے ہیں: ہم تک یہ روایت پہنچی ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا: کیا یہ جائز ہے؟

انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے احادیث منقول ہیں۔

بَابٌ فِي تَزْوِيجِ الصِّغَارِ

باب: کم سن بچوں کی شادی کر دینا

2121 حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو كَامِلٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا بِنْتُ سَبْعٍ. قَالَ سُلَيْمَانُ: أَوْ سِتٍّ وَدَخَلَ بِي وَأَنَا بِنْتُ تِسْعٍ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب نبی اکرم ﷺ نے میرے ساتھ شادی کی، اس وقت میں سات سال کی تھی (سلیمان نامی راوی کہتے ہیں: یا شاید) چھ سال کی تھی۔ اور جب میری رخصتی ہوئی، تو میں نو سال کی تھی۔

بَابٌ فِي الْمُقَامِ عِنْدَ الْبِكْرِ

باب: (جو بیوی شادی سے پہلے) کنواری ہو، اس کے ہاں ٹھہرنے (کی مدت)

2122 حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ

2120- اسناده ضعيف. العلاء ابن اخي شعيب الرازي مجهول، تفرد شعبة بالرواية عنه، وقال الذهبي: لا يعرف، وشيخه اسماعيل بن ابراهيم مجهول ايضاً، ثم ان فيه اضطراباً كما بينه البخاري في "تاريخه الكبير" 345.-3431/

2121- اسناده صحيح. ابو كامل: هو فضيل بن حسين الجحدري. واخرجه تاماً ومطولاً البخاري (3894) و (3896) و (5133) و (5134) و (5158)، ومسلم (1422)، وابن ماجه (1876)، والنسائي في "الكبرى" (5346) و (5347) و (5543) و (5544) من طرق عن هشام بن عروة، به. وفيه انه تزوجها وهي بنت ست سنين، وفي رواية النسائي في "الكبرى" (5347) انه تزوجها وهي بنت سبع سنين، وفي رواية النسائي ايضاً (5544) على الشك كرواية المصنف. واخرجه مسلم (1422)، والنسائي في "الكبرى" (5544)

عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَ اُمَّ سَلَمَةَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: لَيْسَ بِكِ عَلَى اَهْلِكِ هَوَانٌ، اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ، وَاِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي

❀❀ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی، تو ان کے ہاں تین دن قیام کیا، پھر فرمایا: تم اپنے شوہر کے نزدیک کم تر حیثیت کی مالک نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ سات دن رہتا ہوں، لیکن اگر میں تمہارے ہاں سات دن رہا، تو اپنی دوسری ازواج کے ساتھ بھی سات، سات دن رہوں گا۔

2123 حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا. زَادَ عُثْمَانُ: وَكَانَتْ ثَيِّبًا وَقَالَ: حَدَّثَنِي هُشَيْمٌ، اَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ، اَخْبَرَنَا اَنَسٌ

❀❀ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرلی، تو ان کے ہاں تین دن قیام کیا۔

عثمان نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: وہ ثیبہ تھیں۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔

2124 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، وَاِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ اَبِي قِلَابَةَ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: اِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَلَوْ قُلْتُ اِنَّهُ رَفَعَهُ لَصَدَقْتُ وَلٰكِنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ كَذٰلِكَ

❀❀ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب آدمی ثیبہ پر، کنواری کے ساتھ شادی کرے، تو اس کے ساتھ سات دن رہے، اور جب ثیبہ کے ساتھ شادی کرے تو اس کے ساتھ تین دن رہے۔

(ابوقلابہ نامی راوی کہتے ہیں) اگر میں یہ کہوں کہ انہوں نے مرفوع حدیث کے طور پر بات نقل کی ہے۔ تو میں سچ کہوں گا، لیکن انہوں نے یہ کہا تھا: سنت یہی ہے۔

2122-اسناده صحيح. يحيى: هو ابن سعيد القطان، وسفيان: هو ابن سعيد الثوري، وعبد الملك بن ابي بكر: هو ابن محمد بن عمرو بن حزم. واخرجه مسلم (1460)، وابن ماجه (1917)، والنسائي في "الكبرى" (8876) من طريق يحيى بن سعيد القطان، بهذا الاسناد. قال الدارقطني في "العلل" /5ورقة: 170 حديث الثوري عن محمد بن ابي بكر صحيح. واخرجه مالك في "موطئه" /5292، ومن طريقه مسلم (1460)

2124-واخرجه البخاري (5213) و (5214)، ومسلم (1461)، والترمذي (1171) من طرق عن خالد الحذاء، والبخاري (5214)، ومسلم (1461) من طريق سفيان الثوري، عن ايوب السختياني، كلاهما عن ابي قلابة، به.

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ بِامْرَأَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَنْقُدَهَا شَيْئًا

باب: آدمی کا بیوی کو (مہر یا تحفہ کے طور پر) کچھ دینے سے پہلے، رخصتی کروالینا

2125 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الطَّالْقَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْطِهَا شَيْئًا، قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ، قَالَ: أَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اسے (یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مہر کے طور پر) کچھ دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری حطمی زرہ کہاں ہے؟

2126 حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عُبَيْدٍ الْحِمْصِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو حَيْوَةَ، عَنْ شُعَيْبٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي حَمْزَةَ، حَدَّثَنِي غَيْلَانُ بْنُ أَنَسٍ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ عَلِيًّا لَمَّا تَزَوَّجَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، فَمَنَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يُعْطِيَهَا شَيْئًا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَيْسَ لِي شَيْءٌ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْطِهَا دِرْعَكَ، فَأَعْطَاهَا دِرْعَهُ، ثُمَّ دَخَلَ بِهَا.

عبدالرحمان بن ثوبان ایک صحابی کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی، اوران کی رخصتی کا ارادہ کیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا: کہ جب تک وہ انہیں (مہر کے طور پر) کوئی چیز نہیں دیتے (رخصتی نہیں ہوگی) انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے اپنی زرہ دے دو، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ انہیں دے دی، اور پھر ان کی رخصتی کروائی۔

2127 حَدَّثَنَا كَثِيرٌ يَعْنِي ابْنَ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو حَيْوَةَ، عَنْ شُعَيْبٍ، عَنْ غَيْلَانَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، مِثْلَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے منقول ہے۔

2128 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُدْخِلَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا قَبْلَ أَنْ يُعْطِيَهَا شَيْئًا.

2128-اسناده ضعيف لانقطاعه. خيثمة-وهو ابن عبد الرحمن بن ابي سبرة-لم يسمع من عائشة فيما قاله المصنف, وشريك-هو ابن عبد الله النخعي-ضعيف سيء الحفظ. منصور: هو ابن المعتمر السلمي, وطلحة: هو ابن مصرف اليامي. واخرجه ابن ماجه (1992) من طريق الهيثم بن جميل, عن شريك, بهذا الاسناد

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَخَيْثَمَةُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَائِشَةَ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت کی کہ میں مرد کے عورت کو مہر ادا کرنے سے پہلے، کسی عورت کی رخصتی نہ کرواؤں۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) خثیمہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث کا سماع نہیں کیا۔

2129 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ عَلَى صَدَاقٍ أَوْ حِبَاءٍ أَوْ عِدَةٍ، قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لَهَا وَمَا كَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ، وَأَحَقُّ مَا أُكْرِمَ عَلَيْهِ الرَّجُلُ ابْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهُ

عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

جس عورت کی شادی سے پہلے مہر، عطیہ یا (ادائیگی کے) وعدہ پر اس سے نکاح کیا جائے، تو وہ (ادائیگی یا مہر) اس عورت کو ملے گا، اور جو (وعدہ یا عطیہ) نکاح ہو جانے کے بعد دیا جائے وہ اس کا ہوگا، جسے دیا گیا، (خواہ وہ عورت ہو یا اس کا ولی ہو) آدمی کی جن چیزوں کی وجہ سے عزت افزائی کی جاتی ہے، ان میں سب سے زیادہ حقدار آدمی کی بیٹی یا اس کی بہن ہے۔

بَابُ مَا يُقَالُ لِلْمُتَزَوِّجِ

باب: جس کی شادی ہوئی ہو، اسے کیا دعا دی جائے؟

2130 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ، قَالَ: بَارَكَ اللَّهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو شادی کی مبارک دیتے تو یہ فرماتے تھے: ''اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، تم پر برکت نازل کرے اور تم دونوں (میاں بیوی) کو بھلائی کے ہمراہ (یا اچھی صورتحال میں) اکٹھا رکھے''۔

2129-اسناده حسن. ابن جريج -وهو عبد الملك بن عبد العزيز- قد صرح بالتحديث عند النسائي في "الكبرى" (5483) فانتفت شبهة تدليسه. واخرجه ابن ماجه (1955)، والنسائي في "الكبرى" (5483) و (5507) من طريقين عن ابن جريج، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (6709)

2130-اسناده قوي، عبد العزيز بن محمد -وهو الدراوردي- صدوق قوي الحديث. سهيل: هو ابن ابي صالح السمان. واخرجه ابن ماجه (1905)، والترمذي (1116)، والنسائي في "الكبرى" (10017) من طرق عن عبد العزيز، بهذا الاسناد. وقال الترمذي: حسن صحيح. وهو في "مسند احمد" (8956) و (8957)، و "صحيح ابن حبان" (4052).

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَجِدُهَا حُبْلَى

باب: جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنے کے بعد اس کو حاملہ پائے

2131 حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي السَّرِيِّ الْمَعْنَى، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ رَجُلٍ، مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ ابْنُ أَبِي السَّرِيِّ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَلَمْ يَقُلْ: مِنَ الْأَنْصَارِ، ثُمَّ اتَّفَقُوا، يُقَالُ لَهُ بَصْرَةُ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً بِكْرًا فِي سِتْرِهَا، فَدَخَلْتُ عَلَيْهَا فَإِذَا هِيَ حُبْلَى، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَهَا الصَّدَاقُ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَالْوَلَدُ عَبْدٌ لَكَ، فَإِذَا وَلَدَتْ قَالَ الْحَسَنُ: فَاجْلِدْهَا وَقَالَ ابْنُ أَبِي السَّرِيِّ: فَاجْلِدُوهَا أَوْ قَالَ: فَحُدُّوهَا

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ قَتَادَةُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ نُعَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَرْسَلُوهُ كُلُّهُمْ وَفِي حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، أَنَّ بَصْرَةَ بْنَ أَكْثَمَ نَكَحَ امْرَأَةً وَكُلُّهُمْ، قَالَ: فِي حَدِيثِهِ جَعَلَ الْوَلَدَ عَبْدًا لَهُ.

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ حضرت بصرہ انصاری رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے ایک کنواری لڑکی کے ساتھ، اس کو دیکھے بغیر شادی کر لی، (جب اس کی رخصتی ہوئی) اور میں اس کے پاس آیا تو وہ حاملہ تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم نے اس کے ساتھ جو وظیفہ زوجیت ادا کیا ہے، اس کی وجہ سے اسے مہر ملے گا اور اس کا بچہ تمہارا غلام ہوگا، جب یہ بچے کو جنم دیدے، تو اسے کوڑے مارنا، (راوی کو شک ہے، یا شاید یہ الفاظ ہیں:) تم لوگ اسے کوڑے مارنا، (یا شاید یہ الفاظ ہیں) تم لوگ اس پر حد جاری کرنا۔

بعض دیگر حضرات نے سعید بن مسیب کے حوالے سے یہی روایت "مرسل" روایت کے طور پر نقل کی ہے۔

یحییٰ نامی راوی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: حضرت بصرہ بن اکثم نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ تاہم تمام راویوں نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اس شخص کا غلام قرار دیا۔

2132 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا عَلِيٌّ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ يَزِيدَ بْنِ نُعَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ بَصْرَةُ بْنُ أَكْثَمَ، نَكَحَ امْرَأَةً، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ زَادَ، وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا، وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ أَتَمُّ

2131-وهو عند عبد الرزاق في "مصنفه" (10705)، ومن طريقه أخرجه ابن ابي عاصم في "الآحاد والمثاني" (2212)، والطبراني في "الكبير" (1243)، والدارقطني في "سننه" (3616)، والحاكم في "المستدرك" 183,2/ و5933

❁ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: ایک صاحب جن کا نام بصرہ بن اکثم تھا، انہوں نے ایک خاتون سے شادی کر لی، (اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے، جس میں یہ الفاظ زائد ہیں)
نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان علیحدگی کروادی۔
ابن جریج کی نقل کردہ روایت زیادہ مکمل ہے۔

بَابٌ فِي الْقَسْمِ بَيْنَ النِّسَاءِ

باب: بیویوں کے درمیان (وقت کی) تقسیم

2133 حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ

❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:
''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو، تو جب وہ قیامت کے دن آئے گا، تو اس کا ایک پہلو لٹکا ہوا ہوگا۔''

2134 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ فَيَعْدِلُ، وَيَقُولُ: اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي، فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي، فِيمَا تَمْلِكُ، وَلَا أَمْلِكُ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: يَعْنِي الْقَلْبَ

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ (اپنی ازواج کے درمیان وقت کی) تقسیم کرتے ہوئے انصاف سے کام لیتے اور یہ کہتے:
''اے اللہ! میری یہ تقسیم اس چیز کے بارے میں ہے جس کا میں مالک ہوں، تو مجھے اس چیز کے حوالے سے ملامت نہ کرنا، جس کا تو مالک ہے، میں مالک نہیں ہوں''۔

2135 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا ابْنَ أُخْتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفَضِّلُ بَعْضَنَا عَلَى

2133-اسناده صحيح، همام: هو ابن يحيى الازدى، وقتادة: هو ابن دعامة السدوسى. واخرجه ابن ماجه (1969)، والترمذى (1173)، والنسائى فى "الكبرى" (8839) من طريق همام، بهذا الاسناد. وهو فى "مسند احمد" (7936)، و"صحيح ابن حبان" (4207).

2134-اخرجه ابن ماجه (1971)، والترمذى (1172)، والنسائى فى "الكبرى" (8840) من طريق حماد، بهذا الاسناد. وهو فى "مسند احمد" (25111)، و"صحيح ابن حبان" (4205).

لِبَعْضٍ فِي الْقَسْمِ، مِنْ مُكْثِهِ عِنْدَنَا. وَكَانَ قَلَّ يَوْمٌ إِلَّا وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْنَا جَمِيعًا. فَيَدْنُو مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْ غَيْرِ مَسِيسٍ، حَتَّى يَبْلُغَ إِلَى الَّتِي هُوَ يَوْمُهَا فَيَبِيتَ عِنْدَهَا وَلَقَدْ قَالَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ: حِينَ أَسَنَّتْ وَفَرِقَتْ أَنْ يُفَارِقَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، يَوْمِي لِعَائِشَةَ. فَقَبِلَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا. قَالَتْ: نَقُولُ فِي ذَلِكَ أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَفِي أَشْبَاهِهَا أُرَاهُ قَالَ: (وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا) (النساء: 128)

عروہ بیان کرتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ان سے) کہا: اے میرے بھانجے! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم (ازواج مطہرات) میں تقسیم میں، کسی کے ہاں ٹھہرنے کے حوالے سے، کسی ایک کو دوسری پر فضیلت نہیں دیتے تھے، اکثر آپ دن کے وقت اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ ہر زوجہ محترمہ کے قریب ہوتے تھے، لیکن ان کے ساتھ صحبت نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ اس زوجہ محترمہ کے پاس آجاتے، جن کی باری کا دن ہوتا تھا، تو آپ رات ان کے ہاں بسر کرتے تھے۔

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی عمر جب زیادہ ہوگئی اور انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے علیحدگی اختیار کرلیں گے، تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میری باری کا مخصوص دن عائشہ کے نام ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو قبول کرلیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم یہ کہا کرتی تھیں: اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اور اس جیسی دوسری صورتوں کے بارے میں یہ آیت نازل کی:

''اگر عورت کو اپنے شوہر کے، اکتاہٹ کا شکار ہونے، کا اندیشہ ہو''۔

2136 حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ مُعَاذَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْذِنُنَا إِذَا كَانَ فِي يَوْمِ الْمَرْأَةِ مِنَّا بَعْدَمَا نَزَلَتْ (تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ) (الأحزاب: 51)، قَالَتْ مُعَاذَةُ: فَقُلْتُ لَهَا: مَا كُنْتِ تَقُولِينَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: كُنْتُ أَقُولُ إِنْ كَانَ ذَلِكَ إِلَيَّ لَمْ أُوثِرْ أَحَدًا عَلَى نَفْسِي

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم (ازواج مطہرات) میں سے، اس زوجہ سے اجازت لیتے تھے، جس کی باری کا مخصوص دن ہوتا تھا۔ (وہ آیت یہ ہے)

''تم ان میں سے جسے چاہو، دور کردو اور جسے چاہو قریب کرلو''۔

2135-اسنادہ حسن. عبد الرحمن بن ابی الزناد حسن الحدیث، وباقی رجالہ ثقات. واخرجہ احمد (24765)، والطبرانی فی "الکبیر" /24(81)، وابو بکر الجصاص فی "احکام القرآن" /3683، والحاکم فی "المستدرک" /1862، والبیہقی /747-75و300

2136-اسنادہ صحیح. عباد بن عباد: ہو العتکی الازدی، وعاصم: ہو ابن سلیمان الاحول، ومعاذۃ: ہی العدویۃ. واخرجہ مسلم (1476)، والنسائی فی "الکبریٰ" (8887) من طریق عباد بن عباد بہذا الاسناد. واخرجہ البخاری (4789)، ومسلم (1476)

معاذہ (نامی راوی خاتون) بیان کرتی ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: (ایسی صورتحال میں) آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہتی تھیں؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں یہ کہتی تھی اگر یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا، تو میں اپنے پر کسی کو ترجیح نہ دیتی۔

2137 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعَطَّارُ، حَدَّثَنِي أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى النِّسَاءِ. تَعْنِي فِي مَرَضِهِ فَاجْتَمَعْنَ، فَقَالَ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَدُورَ بَيْنَكُنَّ. فَإِنْ رَأَيْتُنَّ أَنْ تَأْذَنَّ لِي فَأَكُونَ عِنْدَ عَائِشَةَ. فَعَلْتُنَّ فَأَذِنَّ لَهُ

❁❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے مرض الوفات کے دوران) اپنی ازواج کو بلوایا۔ وہ اکٹھی ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب میں تم سب کی طرف آ جا نہیں سکتا، اگر تم مناسب سمجھو، تو مجھے یہ اجازت دیدو کہ میں عائشہ کے ہاں رہوں، تو ان خواتین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دیدی۔

2138 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، حَدَّثَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ، وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ يَوْمَهَا، وَلَيْلَتَهَا غَيْرَ أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ

❁❁ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جاتے، تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، ان میں سے جس کے نام کا قرعہ نکل آتا، آپ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

آپ اپنی ہر زوجہ محترمہ کو (وقت کی) تقسیم میں، ایک دن اور ایک رات دیتے، صرف سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ مختلف تھا، کیونکہ

2137-حديث صحيح، وهذا اسناد حسن يزيد بن بابنوس حسن الحديث، وقد توبع. مسدد: هو ابن مسرهد الاسدي. واخرجه باطول مما هنا البخاري (198) و (665) و (2588) و (3099) و (4442) و (5714)، ومسلم (418)، وابن ماجه (1618)، والنسائي في "الكبرى" (7046) و (7051) و (8886) من طريق عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، والبخاري (4450) و (5217) من طريق عروة بن الزبير، كلاهما عن عائشة.

2138-اسناده صحيح. ابن وهب: هو عبد الله المصري، ويونس: هو ابن يزيد الايلي، وابن شهاب: هو محمد بن مسلم الزهري. واخرجه مطولاً ومختصراً البخاري (2593) و (2661) و (2688) و (2879) و (4141) و (4750)، ومسلم (2770)، وابن ماجه (1970) و (2347)، والنسائي في "الكبرى" (8874) و (8880) (8882) و (11296) من طرق عن الزهري، بهذا الاسناد. وقرن البخاري (2661) و (2879) و (4141) و (4750)، ومسلم (2770) والنسائي (8882) و (11296) بعروة بن الزبير: سعيد بن المسيب وعلقمة بن وقاص الليثي وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة. واخرجه البخاري (5212)، ومسلم (1463)، وابن ماجه (1972)، والنسائي (8885) من طريق هشام، عن عروة، عن عائشة: ان سودة بنت زمعة وهبت يومها لعائشة، وكان النبي - صلى الله عليه وسلم - يقسم لعائشة بيومها ويوم سودة. هذا لفظ البخاري. واخرجه البخاري (5211)، ومسلم (2445)، والنسائي في "الكبرى" (8883) من طريق القاسم بن محمد، والنسائي في "الكبرى" (8881) من طريق محمد بن علي ابن شافع، عن ابن شهاب، عن عبيد الله، كلاهما عن عائشة. وهو في "مسند احمد" (24395) و (24834) و (24859)، و "صحيح ابن حبان" (4211) و (4212) و (7099).

انہوں نے اپنی باری کا مخصوص دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔

تعدد ازدواج

نکاح تحفظ اخلاق، افزائش نسل اور قلب ونظر کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے، یہ انسان کی اور انسانی سماج کی ایک فطری اور بنیادی ضرورت ہے۔ اسی لئے اس کا رواج شروع سے ہر مذہب وملت اور ہر ملک ومعاشرہ میں رہا ہے، اسلام نے نکاح کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس پر ابھارا ہے اور بعض حالات میں اسے فرض اور لازم قرار دیا ہے، بلکہ بعض مخصوص حالات میں صیانت اخلاق اور ملک ومعاشرہ کی ناگزیر ضرورت کی خاطر کچھ شرائط کے ساتھ مردوں کو ایک سے زیادہ چار تک نکاح کی اجازت دی ہے، یہ اجازت نہ صرف اسلام میں بلکہ دیگر مختلف ادیان ومذاہب میں بھی موجود رہی ہے اور عملی طور پر ہر سماج میں اس کا رواج رہا ہے۔

لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اہل مغرب نے اس پر پابندی عائد کر دی ہے اور قانوناً اسے ممنوع اور یک زوجگی کو لازم قرار دے دیا ہے، جس کی بنا پر مغربی ملکوں میں کوئی مرد ایک وقت میں ایک سے زیادہ عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، ہاں ناجائز طریقے پر وہ سینکڑوں عورتوں سے جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے اور قانونی طور پر ان کے نزدیک یہ کوئی جرم نہیں ہے۔

اسلام نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی، یہ صرف قانونی اجازت ہے، کوئی فریضہ نہیں ہے جو مسلمانوں پر عائد کیا گیا ہو، نہ یہ اسلام کا عام دستور ہے۔ اسی لئے اسلامی ملکوں اور مسلم معاشروں میں بھی عموماً یک زوجگی ہی کا چلن ہے۔ تعدد ازدواج کے واقعات شاذ ونادر ہی ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے سروے اور اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج ایک فی صد سے بھی کم ہے (۹ فی ہزار)

بہر حال کچھ حدود وقیود کے ساتھ اسلام نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے۔ اس کی ضرورت واہمیت اور حکمت ومصلحت کو سمجھنا ماضی کے مقابلے میں اس وقت زیادہ آسان ہے۔

پیدائش کے لحاظ سے تو عام طور پر مردوں اور عورتوں کی تعداد برابر ہوتی ہے۔ مگر قدرتی طور پر ایسے حالات اور آفات وحوادث پیش آتے رہتے ہیں جن کی بنا پر مردوں اور عورتوں کے درمیان تعداد کا تناسب برقرار نہیں رہتا۔ عام حالات میں مردوں کی تعداد گھٹ جاتی ہے اور عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے ایسے حالات میں عورتوں کی زائد تعداد کو ایڈجسٹ کرنے کے لئے اسلام کا یہ قانون رحمت ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے تعدد ازدواج کا قانون نہ صرف مرد کے لئے بلکہ اس سے زیادہ عورت اور سماج کے لئے نعمت اور رحمت ہے۔

اسلام ایک الٰہی اور آفاقی دین ہے، وہ ابدیت کی شان رکھتا ہے، وہ متحرک اور رواں دواں زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور اس کی جملہ مشکلات ومسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ اس کے ازدواجی قانون میں اس دور کے اس سنگین مسئلے اور سماجی پیچیدگی ودشواری کا حل بھی موجود ہے جس سے اس وقت پوری دنیا دوچار ہے۔ اور اسے اس کے مفاخر ومحاسن میں شمار کیا جانا چاہئے کہ اس نے اس دور کی مشکلات کا حل چودہ سو سال قبل پیش کیا جس کے سامنے آج اہل مغرب اور مسیحیت عاجز اور بے دست وپا ہے اور کوئی مناسب حل پیش کرنے سے قاصر ہے نہ یہ کہ اسلام کی اس اجازت کو اس کے عیوب ونقائص میں شمار کیا جائے اور اس کی وجہ سے اسے مورد

الزام ٹھہرایا جائے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں جب عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو تو اس مشکل اور پیچیدگی کا کیا حل ہے۔ اگر عورتوں کی اس کثیر تعداد کو غیر شادی شدہ مرد نکاح کے لئے نہ ملے تو آخر وہ کیا کریں؟ زندگی بھر اپنی فطری خواہشات کو قربان کریں، شادی، شوہر، ازدواجی حقوق اور ماں بننے کی نعمت سے محروم رہیں، یا اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنی عفت وعصمت کو پامال کریں اور بدکاری وبے حیائی کی راہ پر چل کر ملک ومعاشرہ میں اخلاقی گندگی اور صنفی انارکی پھیلائیں یا اس کا ایسا حل پیش کیا جائے جس سے عورت کی عزت وشرافت بھی محفوظ رہے اور خاندان وسماج کی پاکیزگی بھی برقرار رہے اور جنسی برائی سر نہ اٹھائے، ظاہر ہے کہ یہ دوسرا حل جو اسلام نے پیش کیا ہے وہ پہلے کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

مختلف ادیان ومذاہب میں تعدد ازدواج کی اجازت

حقیقت یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت تنہا اسلام نے نہیں دی ہے بلکہ یہ اجازت دیگر اقوام ومذاہب میں بھی موجود ہے اور مقدس مذہبی شخصیتوں کا ہر دور میں اس پر عمل رہا ہے، انبیاء علیہم السلام جو پوری انسانیت کا جوہر اور خلاصہ اور اخلاق وروحانیت کے سب سے بڑے علم بردار ہیں جن کی پاکیزہ زندگی پوری انسانیت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے وہ بھی بڑی تعداد میں اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جنہیں نہ صرف مسلمان بلکہ یہود ونصاریٰ بھی اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں ان کی دو بیویاں تھیں حضرت سارہ اور ہاجرہ علیہما السلام اور ان دونوں بیویوں سے نسل چلی اور ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں اور انبیائے بنی اسرائیل میں سے بعض حضرات کے یہاں بیویوں کی تعداد سو اور اس سے متجاوز ہے۔ مثلاً خود ان کی مذہبی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو آزاد بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں جن کی مجموعی تعداد ہزار کو پہنچتی ہے۔ ہندو مذہب کی محترم شخصیت راجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں، اسی طرح رام جی اور کرشن جی کے یہاں بھی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ یہاں تک کہ امریکہ اور یورپ کے ممالک جن کا مذہب مسیحیت اور عیسائیت ہے اور جنہوں نے قانونی طور پر بالکلیہ اس پر بندش لگادی ہے ان کی مذہبی کتابوں تورات وانجیل میں اس کی ممانعت کسی آسمانی نص سے نہیں ہے۔ سترہویں صدی عیسوی کے وسط تک کلیسا اور ریاست دونوں نے اسے جائز تسلیم کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے اور تین صدی قبل تک قانونی حیثیت سے اس پر عمل بھی ہوتا رہا۔ ایک مشہور اسلامی اسکالر اور اس دور کے عظیم شامی محقق ڈاکٹر مصطفی سباعی مرحوم اپنی فاضلانہ کتاب ''المرأۃ بین الفقہ والقانون'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اسلام ہی نے سب سے پہلے چند زوجیت کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ تقریباً تمام قدیم اقوام مثلاً یونانیوں، چینیوں، ہندوؤں، بابلیوں، اشوریوں اور مصریوں میں بھی اس کا رواج موجود تھا اور ان میں سے اکثر قوموں کے یہاں بیویوں کی کوئی تعداد بھی محدود ومقرر نہ تھی۔ چینی مذہب ''لیکی'' میں ایک سو تیس تک بیویاں رکھنے کی اجازت تھی اور بعض چینی سربراہوں کے یہاں تو لگ بھگ تین ہزار عورتیں تھیں۔ اس کے علاوہ یہودی مذہب میں بھی بغیر کسی حد کے بیویاں رکھنے کی اجازت تھی، تمام انبیاء تورات کے یہاں بہت سی بیویوں کا پتہ چلتا ہے۔ (ص:۷۱)

اخلاق ومذاہب کی انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

مسیحیت کے اولین مبلغوں نے چند زوجگی کی بھی تنقیص نہیں کی، توریت میں چند زوجگی کی ممانعت نہیں کی گئی اور نہ انجیل میں ہی ممانعت موجود ہے، قدیم یہودیوں کے یہاں اس کا رواج پایا جاتا تھا، چنانچہ یہودی علماء اسے اپنی روایات کے منافی نہیں خیال کرتے۔(Encyclopedia of Religion and Ethics P.43)

قرون وسطی میں تعدد ازدواج کو کلیسا نے تسلیم کیا تھا اور اس پر قانونی حیثیت سے عمل درآمد بھی تھا، علاوہ ازیں کلیسا اور ریاست دونوں کے تسلیم شدہ قانونی نظام کی حیثیت سے تعدد ازدواج منتشر طور پر ادھر اُدھر سترہویں صدی عیسوی کے وسط تک موجود تھا۔ (تعدد ازدواج ص ۵۵۔ مولفہ سید حامد علی)

ڈاکٹر محمود عباس عقاد کی تصریح کے مطابق بعض عیسائی فرقے تو تعدد ازدواج کو ضروری قرار دیتے تھے۔

(المرأة في القرآن للعقاد، ص: ۸۲)

اسلام سے قبل اہل عرب میں تعدد ازدواج کا رواج

اسلام سے قبل خود عرب میں بھی چند زوجگی کا رواج زیادہ وسیع پیمانے پر تھا اور بیویوں کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں تھی چنانچہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں وارد ہے کہ اسلام قبول کرنے کے وقت ان کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ چار کو روک کر باقی کو جدا کر دیں، حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی دس بیویاں تھیں، اسی طرح نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ بیویاں تھیں، اسی طرح حارث بن قیس رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے وقت آٹھ بیویاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو یہ حکم دیا کہ چار کے سوا سب کو جدا کر دیں چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا، تفسیر کبیر ۱۴۲/۵ سورہ نساء آیت ۳ میں ہے:

روی أن غيلان اسلم و تحته عشر نسوة. فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم: أمسك أربعاً و فارق باقيهن، و روى أن نوفل بن معاويه رضى الله عنه أسلم و تحته خمس نسوة فقال عليه السلام: أمسك أربعاً و فارق واحدة"

فى كتاب أبى داوٗد عن الحارث بن قيس رضى الله عنه قال: أسلمت و عندى ثمان نسوة فذكرت ذلک للنبى صلى الله عليه و سلم فقال: اختر منهن أربعاً

(الجامع لأحكام القرآن ۵/ النساء آیت ۳ ص: ۱۳)

اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت

قرآن کریم کی چوتھی سورت سورہ نساء ہے جس کی تیسری آیت میں ایک سے زیادہ چار تک عورتوں سے نکاح کرنے کی صریح اجازت دی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے: فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلث و ربع فان خفتم أن لا تعدلوا فواحدة (النساء۔ ۳) تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے تو نکاح کر ہی سکتے ہو اور اگر تمہیں

اندیشہ ہو کہ عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو۔

احد کی لڑائی سن تین ہجری میں ہوئی جس میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تھے، یہ ایک عظیم حادثہ تھا جو مسلمانوں کے ساتھ پیش آیا، سورۂ نساء اسی غزوہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لئے اس میں اسی جنگ سے پیدا ہونے والی صورت حال سے متعلق اہم ہدایات اور احکام ہیں، مثلاً ترکہ کی تقسیم سے متعلق احکام، یتیم بچوں کے مال کی حفاظت اور اس کے بے جا استعمال سے باز رہنے کی تاکید، یتیم بچیوں کی شادی کے سلسلے میں ہدایات اور ان سے شادی کرنے کی صورت میں ان کے واجبی مہر ادا کرنے کی تاکید وغیرہ، جنگ احد میں ستر صحابہ کی شہادت کے نتیجے میں مدینہ منورہ کی ستر خواتین بیوہ ہوگئیں اور ستر گھر مردوں سے خالی ہو گئے تھے، اسی پس منظر میں یہ اشارہ کیا گیا اور گویا یہ ہدایت دی گئی کہ اسلام کے جن جانباز مجاہدین نے دین کی خاطر قربانیاں دی ہیں اور جام شہادت نوش فرمایا ہے ان کے پس ماندگان اور اہل وعیال کو فراموش نہ کیا جائے، بلکہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ بیواؤں کو اپنے شوہر اور یتیموں کو اپنے باپ کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہو اور اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ معاشرہ کے خوشحال افراد ان کی بیواؤں سے نکاح کر کے ان کو اور ان کے یتیم بچوں کو اپنی کفالت میں لے لیں، چنانچہ اس کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا جن کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی) اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے، اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بیواؤں سے نکاح فرمایا، یہ اس سماجی مشکل کا بہترین حل تھا جو اس جنگ میں ستر صحابہ کی شہادت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوگئی تھی، آیت کریمہ کا نزول اگرچہ ہنگامی حالت کے تحت ہوا تھا اور بظاہر یہ اجازت ایک سماجی دشواری کو حل کرنے کے لئے دی گئی تھی، لیکن قرآن کریم ایک ابدی کتاب ہے، وہ ہنگامی حالات میں ابدی حقائق بیان کرتا ہے، اس لئے شریعت کا اصول ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا نہ کہ خصوص سبب کا، اس لحاظ سے تعدد ازدواج سے متعلق قرآن کا یہ حکم بھی عام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات علیم وخبیر ہے، اسے اس کا علم تھا کہ انسانی معاشرہ کو مستقل طور پر اس اجازت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ جنگی حالات ہمیشہ پیش آتے ہیں اور اس دور میں حادثاتی اموات کثرت سے واقع ہوتی ہیں جن کا شکار زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں، جس کی بنیاد پر عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جاتی ہے، اس لئے عورتوں کی زائد تعداد کو ایڈجسٹ کرنے کے لئے تعدد ازدواج ایک ناگزیر سماجی ضرورت بن جاتی ہے۔

ایک سے زیادہ شادی کے لئے شرعی پابندیاں

سورہ نساء کی اس آیت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے، یعنی یہ اجازت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنی دو یا تمام بیویوں کے ساتھ منصفانہ اور مساویانہ سلوک کر سکتے ہوں اور جن لوگوں کو یہ اندیشہ ہو کہ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف نہ ہو سکے گا اور حقوق کی ادائیگی میں جانب داری اور حق تلفی ہوگی تو انہیں یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ایک ہی بیوی پر قناعت کریں، اور جو شخص دو شادیاں کر کے کسی بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا مرتکب ہوا ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں ظالم اور مجرم ہے اور اس کا یہ فعل حرام ہے، حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں یہ وعید ہے کہ قیامت کے دن جب وہ اللہ کی

عدالت میں حاضر ہوگا تو اس کا ایک پہلو جھکا ہوا اور فالج زدہ ہوگا۔ (دیکھئے مشکوۃ، باب القسم)

احادیث کی روشنی میں فقہاء و مفسرین نے ان چیزوں کی تحدید فرمائی ہے جن میں انصاف برتنا اور برابری کا سلوک کرنا شوہر پر لازم ہے اور وہ ہے نان ونفقہ، لباس و پوشاک، رہائش اور شب گذاری میں سب کے ساتھ یکساں برتاؤ۔

(دیکھئے بدائع الصنائع، درمختار، فتاوی ہندیہ وغیرہ)

عدل کی اس شرط میں وہ قلبی محبت وتعلق اور جذباتی لگاؤ یا وابستگی شامل نہیں ہے جو شوہر کو اپنی کسی بیوی سے ہوا کرتی ہے، کیونکہ دل پر کسی کا اختیار نہیں ہے اور جو چیز انسان کی استطاعت سے باہر ہو شریعت کسی کو اس کا مکلف نہیں بناتی، والدین کو بھی اپنی تمام اولاد سے یکساں محبت نہیں ہوتی لیکن شریعت کا حکم ہے کہ داد و دہش میں اولاد کے درمیان عدل و مساوات ہونا چاہئے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی لیکن حقوق کی ادائیگی میں سب کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقسم بین نسائہ فیعدل و یقول اللھم ھذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك و لا أملك (مشکوۃ، کتاب النکاح، باب القسم ۲/۲۷۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان (شب گذاری کے لئے) باری مقرر فرماتے تھے اور (ازدواجی حقوق) انصاف برتتے تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ جتنا میرے بس میں تھا میں نے برابری کا معاملہ کیا لیکن جو بات میری طاقت سے باہر ہے (یعنی قلبی میلان) اس پر مجھے ملامت نہ فرما (اور مواخذہ نہ فرما)

اور اس سلسلے میں دوسری اہم شرط یہ ہے کہ مرد کی معاشی حالت ایسی ہو کہ پہلے سے جو اہل وعیال اور متعلقین اس کی کفالت میں ہیں ان کے ساتھ دوسری بیوی کا مہر، نفقہ، اور اس رشتے کی بنیاد پر عائد ہونے والی دوسری ذمہ داریوں کو ادا کر سکے، نکاح کے باب میں مال کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس قدرت اور استطاعت کے بغیر پہلے نکاح کے لئے بھی قدم اٹھانا درست نہیں، سورہ نور میں ارشاد فرمایا گیا:

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ (النور) اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہئے کہ ضبط سے کام لیں، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اسی طرح بخاری شریف کی وہ مشہور حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو نکاح کی ترغیب دی ہے اس میں استطاعت کی شرط مذکور ہے اور جنہیں اس کی استطاعت نہ ہو انہیں روزہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (بخاری ۲/۷۵۸)

اسی طرح جسمانی توانائی اور صحت وتندرستی کے لحاظ سے بھی وہ اس قابل ہو کہ اس سے اس کی تمام بیویوں کی جنسی تسکین ہو سکے، استطاعت کے ذیل میں یہ بھی داخل ہے۔

مذکورہ بالا شرائط کے تحقق کے بغیر جو لوگ دوسری شادی کے لئے قدم اٹھائیں ان کا یہ فعل شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے، سماج کے ذمہ دار افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کریں کہ یہیں سے فساد کے دروازے کھلتے ہیں، بہت سی عورتیں دوسرے نکاح کے بعد معلقہ بن کر رہ جاتی ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا، اور مسلمانوں کی غلطی کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور مذہب بدنام ہوتا ہے، سماج کی ذمہ داری ہے کہ اس صورت حال کی اصلاح کرے۔

تعدد ازدواج حدیث میں

احادیث سے مرد کے نکاح میں چند بیویوں کا ہونا تو تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سے حضرات نے متعدد شادیاں کیں، لیکن انہوں نے عدل کو ملحوظ رکھا۔ اوپر تفسیر کبیر اور تفسیر قرطبی کے حوالہ سے یہ روایت گزری کہ تین صحابہ حضرت غیلان ثقفی، حضرت حارث بن قیس اور حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہم کے اسلام قبول کرتے وقت پہلے کے نکاح میں دس، دوسرے کے نکاح میں آٹھ اور تیسرے کے نکاح میں پانچ بیویاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کو روکنے اور باقی کو چھوڑنے کی ہدایت فرمائی، اسی طرح درج ذیل حدیث میں جس میں دو بیویوں کے درمیان انصاف نہ کرنے کی صورت میں وعید وارد ہوئی ہے وہ بھی تعدد ازدواج کے جواز کی دلیل ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة و شقه ساقط (مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب القسم) اگر آدمی کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ ایک پہلو جھکا ہوا (یعنی مفلوج) ہوگا۔

خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک بیوہ خاتون ام ابان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح پیش کیا، انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیغام کو قبول کر کے باقی کو مسترد کر دیا، ان چاروں کے نکاح میں پہلے سے بیویاں موجود تھیں۔

تعدد ازدواج کی حکمت و مصلحت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے مردوں کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت کیوں دی ہے، اور اس کے کیا فوائد اور مصالح ہیں، کیا عورت کی طرح مرد کی جنسی ضرورت ایک عورت سے پوری نہیں ہو سکتی ہے؟ علماء نے اس بحث کے ذیل میں اس کی بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے کچھ وقتی اور عارضی نوعیت کی ہیں اور کچھ مستقل اور دائمی، کبھی یہ انسان کی شخصی ضرورت ہوتی ہے کبھی سماجی اور ملکی، یعنی کبھی مرد کے حالات اس کے متقاضی ہوتے ہیں اور کبھی خود عورتوں کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی جائے۔

مرد کی شخصی ضرورت

مرد و عورت کے درمیان مختلف حیثیتوں سے فرق ہے، مردوں کی جسمانی ساخت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ انہیں جنسی آسودگی

کی ضرورت عورتوں سے زیادہ پیش آتی ہے۔ جسمانی توانائی اور صحت وتندرستی کے لحاظ سے مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہوتی ہے، عورتوں کے ساتھ حیض، نفاس، حمل، ولادت، زچگی اور رضاعت جیسے اعذار لگے ہوئے ہیں جن میں انہیں صحت سے زیادہ مرض سے قریب کہا جاسکتا ہے، مردان تمام زمانہ میں عوارض سے پاک ہے، ان حالات میں عورت کو نہ جنسی رغبت ہوتی ہے نہ وہ مرد کے جنسی تقاضوں کا ساتھ دے سکتی ہے، انسان کی طبیعتیں اور صلاحیتیں مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں، اسی طرح جنسی خواہش بھی سب میں ایک درجے کی نہیں ہوتی، اب اگر کسی فرد کی صنفی خواہش معمول سے زیادہ ہو اور اس کی بیوی مذکورہ اعذار میں سے کسی عذر میں مبتلا ہو جس میں وہ مرد کی جنسی تسکین کے قابل نہ ہو اور ان ایام میں مرد کو جنسی ملاپ کی شدید رغبت ہو تو وہ کیا کرے؟ ماہ واری کی نوبت ہر ماہ پیش آتی ہے اور تین دنوں سے لے کر دس دنوں تک اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے حیض ونفاس کی حالت میں شرعی لحاظ سے تو صحبت ممنوع ہے ہی، طبی نقطۂ نظر سے بھی یہ زوجین کی صحت کے لئے مضر ہے اور ہر سلیم الطبع انسان اس سے کراہت محسوس کرے گا، حمل کی حالت میں جماع بچہ اور زچہ دونوں کے لئے نقصان دہ ہے، خصوصاً حمل کے آخری ایام میں صحبت سے پرہیز کرنا ضروری ہے، ولادت کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک عورت صحبت کے قابل نہیں رہتی،

ان حالات میں ایک ایسا انسان جس کے اندر حیوانیت اور شہوت کا مادہ زیادہ ہو اور وہ اپنے صنفی جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اسے دوسری شادی کی قانونی اجازت ملنی چاہئے تاکہ وہ شریعت کے دائرہ میں رہ کر شریفانہ طریقہ پر اپنی جنسی پیاس بجھائے، ورنہ وہ چوری چھپے آشنائی کرے گا اور پورے معاشرہ کے لئے ناسور بن جائے گا۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زنانہ عوارض، حیض، نفاس، حمل، ولادت، رضاعت وغیرہ عورت کے نظام جسمانی پر برا اثر ڈالتے ہیں جس سے اس کے جنسی جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ سن ایاس کو پہنچ جاتی ہے ان سب کی وجہ سے قبل از وقت بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ دیتی ہے، عام طور پر وہ ۴۵ / ۵۰ سال کے بعد ولادت کے قابل نہیں رہتی جبکہ مرد دیر تک جوان رہتا ہے اور تقریباً اسی سال کی عمر تک اس کی تولیدی صلاحیت برقرار رہتی ہے، اس بنا پر اسے دوسری شادی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

اسی طرح بیوی کے دائم المرض اور بانجھ ہونے کی صورت میں بھی دوسری شادی مرد کی ایک شخصی ضرورت بن جاتی ہے، کیونکہ نکاح کا سب سے بڑا مقصد عفت وعصمت کی حفاظت اور اولاد کا حصول ہے اور مذکورہ بالا صورتوں میں یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے، اس لئے یہ حالات بھی مرد کے لئے تعدد ازدواج کی ضرورت پیدا کرتے ہیں۔

تعدد ازدواج کی افادیت عورت کے لئے

بلکہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں (یعنی بیوی کے دائم المرض اور بانجھ ہونے کی صورت میں) دوسری شادی مردوں سے زیادہ عورتوں کے حق میں مفید ہے، جنسی تسکین اور تحفظ اخلاق سب سے اہم وبنیادی ضرورت ہے جس کے لئے نکاح مشروع کیا گیا ہے، نکاح کے بعد اگر بیوی دائم المرض اور صاحب فراش ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے جنسی تعلق قائم نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح بعض نسوانی امراض جس میں طبی اخلاقیات ازدواجی تعلق قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتے، تو اب سوال یہ ہے کہ ان حالات میں مرد کی جنسی ضرورت کی تسکین اور اخلاق کا تحفظ کیسے ہو؟ اگر تعدد کو ممنوع اور یک زوجگی کو لازم قرار دیا جائے

جیسا کہ مغربی ممالک میں ہے تو مرد کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنی بیمار بیوی کو طلاق دے تا کہ وہ دوسرا نکاح کر کے اپنی فطری ضرورت کی تکمیل کرے، ظاہر ہے کہ یہ صورت خود عورت کے لئے نقصان دہ ہے، وہ ایسے وقت میں شوہر کے سہارے اور رفاقت واعانت سے محروم ہو جاتی ہے جبکہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اس کی زیادہ مستحق ہے۔ اور یہ چیز انسانی ہمدردی کے بھی خلاف ہے کہ ایسے نازک وقت میں اسے طلاق دے کر رخصت کر دیا جائے۔

اسی طرح اولاد کا حصول نکاح کا دوسرا بڑا مقصد ہے اور بیوی کے بانجھ ہونے کی صورت میں شوہر اولاد سے محروم رہتا ہے۔ اگر تعدد ازدواج کی اجازت قانونا نہ ہو تو اسے اس بانجھ بیوی کو طلاق دینا پڑے گی تا کہ وہ دوسرا نکاح کر کے اولاد کی نعمت سے بہرہ ور ہو۔ اسلام ازدواجی رشتہ کو تقدس اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور آخر دم تک اسے برقرار رکھنا چاہتا ہے، کسی معقول عذر کے بغیر اس رشتہ کا انقطاع اسے گوارہ نہیں، اسی بنا پر شریعت میں طلاق کو جائز امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے وہ مقدس رشتہ ٹوٹتا ہے جسے قائم رکھنا اس معاہدہ کی رو سے زوجین کی دینی واخلاقی ذمہ داری تھی جو انہوں نے نکاح کے وقت اللہ کا نام لے کر اور سماج کے افراد کو گواہ بنا کر کیا تھا، عورت کے بانجھ پن اور بیماری میں خود اس کا کوئی دخل نہیں ہے کہ اسے طلاق کی سزا دی جائے اور شوہر کی ہمدردانہ رفاقت، معاشی کفالت اور امداد واعانت سے محروم کر دیا جائے۔

ہر سماج میں بیوہ، مطلقہ، غریب، یتیم، بدصورت، بے سہارا اور نادار عورتوں کی ایک تعداد ہوتی ہے جن کی معاشی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اگر ان کی شادی کا کوئی نظم نہ ہو تو ان کے صنفی تقاضے کیسے پورے ہوں گے؟ پھر تو اس کا شدید خطرہ ہے کہ وہ بے راہ روی کا شکار ہو جائیں، مردوں کی ہوسنا کی کا نشانہ بنیں اور سماج میں فحش کاری اور بے حیائی کی وبا پھوٹ پڑے، ایسی عورتوں کے لئے غیر شادی شدہ مردوں کا ملنا دشوار ہوتا ہے، کیونکہ پہلی شادی کرنے والوں کی نظر میں حسن و جمال اور دولت و ثروت ہوتی ہے لیکن دوسری شادی کے وقت عموماً سماجی مصالح اور گھریلو ضروریات پیش نظر ہوتی ہیں اب جو شادی شدہ مرد از راہ ہمدردی یا اپنی نجی ضرورت کی خاطر اس سماجی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں وہ بڑے محسن ہیں اور سماج کی طرف سے ہمت افزائی اور انعام واکرام کے مستحق ہیں کہ محض خیر خواہی اور سماجی خدمت کے جذبہ سے نئی ازدواجی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے سر اٹھا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعدد کی یہ صورت بھی عورتوں ہی کے مفاد کے لئے ہے کہ اس طرح انہیں شوہر، گھر بار اور دیگر ازدواجی حقوق ملیں گے اور سماج میں عزت کا مقام حاصل ہوگا۔

اسی طرح عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں جو اس وقت ہماری دنیا کی عمومی حالت ہے خود عورتوں کی ضرورت اس کی متقاضی ہے کہ مردوں کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی جائے، ورنہ عورتوں کی وہ تعداد جو مردوں سے زیادہ ہے ان کی شادی کا مسئلہ کیسے حل ہوگا اور ان کے فطری تقاضے کیوں کر پورے ہوں گے؟ ہر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے حدود میں بسنے والے تمام انسانوں کی بنیادی ضرورتیں پوری کرے جس طرح روٹی کپڑا اور مکان انسان کی بنیادی ضرورت ہے اسی طرح شادی اور جنسی خواہش کی تسکین بھی بنیادی ضرورت میں داخل ہے۔ اگر تعدد ازدواج کی اجازت نہ ہو تو وہ عورتیں گھر والی اور شوہر والی نہیں بن سکیں گی اور سماج میں انہیں عزت کا مقام نہیں مل سکے گا، بلکہ وہ داشتہ بن کر رہیں گی اور ان کا جنسی استحصال ہوگا اور

ان تمام حقوق سے زندگی بھر محروم رہیں گی جو نکاح کی صورت میں از روئے قانون انہیں حاصل ہوتے ہیں اور ناجائز صنفی تعلق کے نتیجہ میں جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی اور تمام پدری حقوق سے محروم رہے گی، ان تمام صورتوں میں تعدد ازدواج کا قانون مردوں سے زیادہ عورتوں کے حق میں مفید ہے اور اس میں ان کے مستقبل و مفاد کا تحفظ ہے۔

مردوں اور عورتوں کی تعداد میں عدم توازن اور اس کے اسباب

شرح پیدائش کے اعتبار سے عام طور پر مردوں اور عورتوں کی تعداد برابر ہوتی ہے مگر مختلف اسباب کی بنیاد پر یہ تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے، مرد قدرتی آفات و حوادث کا زیادہ نشانہ بنتے ہیں، موت وحیات کے سلسلے میں طبعی قوانین بتلاتے ہیں کہ چھوٹے بچے چھوٹی بچیوں کے مقابلے میں موت کا شکار زیادہ ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں نوجوان مردوں کی تعداد نوجوان عورتوں سے لازما کم ہوگی (ماذا عن المرأة)

بلکہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (۱۹۸۴) کی تصریح کے مطابق عمومی طور پر موت کا خطرہ عمر کے ہر مرحلہ میں عورتوں کے لئے کم پایا گیا ہے اور مردوں کے لئے زیادہ، لڑائی کا سلسلہ شروع سے اس روئے زمین پر قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا، ہزاروں خونریز جنگوں کی داستان تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں، مہابھارت کی جنگ اسی سرزمین پر لڑی گئی، پچھلی صدی میں یورپ کے اندر دو عالمی جنگیں ہوئیں جن میں کروڑوں انسان لقمۂ اجل بنے، اور ظاہر ہے کہ جنگوں میں ہلاک ہونے والے نوے فی صد سے زیادہ مرد ہی ہوتے ہیں، اسی طرح کارخانوں اور فیکٹریوں میں حادثاتی موتیں واقع ہوتی ہیں اور زیادہ تر مرد ہی ان حوادث کا شکار ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم الرسالہ دہلی شمارہ (۱۴۹) سے ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں جس میں اس کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں:

”اکثر حالات میں سماج کے اندر عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا اور مردوں کی تعداد کا کم ہونا مختلف اسباب سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب جنگ ہوتی ہے تو اس میں زیادہ تر صرف مرد مارے جاتے ہیں، پہلی عالمی جنگ (۱۸-۱۹۱۴) میں آٹھ ملین سے زیادہ فوجی مارے گئے، شہری لوگ جو اس جنگ میں ہلاک ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ زیادہ تر مرد تھے، دوسری عالمی جنگ (۴۵-۱۹۳۹) میں ساڑھے چھ کروڑ آدمی ہلاک ہوئے یا جسمانی طور پر ناکارہ ہو گئے یہ سارے لوگ زیادہ تر مرد تھے، عراق، ایران، جنگ (۱۹۸۸-۱۹۷۹) میں ایران کی ۱۲ ہزار عورتیں بیوہ ہو گئیں، عراق میں ایسی عورتوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے جن کے شوہر اس دس سالہ جنگ میں ہلاک ہوئے اسی طرح مثال کے طور پر جیل اور قید کی وجہ سے بھی سماج میں مردوں کی تعداد کم اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ امریکہ کو موجودہ زمانہ میں دنیا کی مہذب ترین سوسائٹی کی حیثیت حاصل ہے، اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکہ میں ہر روز تقریباً ۱۳ لاکھ آدمی (13,00,000) کسی نہ کسی جرم میں پکڑے جاتے ہیں، ان میں سے ایک تعداد وہ ہے جو لمبی مدت تک کے لئے جیل میں ڈال دی جاتی ہے، ان سزا یافتہ قیدیوں میں ۹۷ فی صد مرد ہی ہوتے ہیں

(1102/EB-14)

اسی طرح جدید صنعتی نظام نے حادثات کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے، موجودہ زمانہ میں حادثاتی موتیں روزمرہ کا معمول بن گئی

ہیں، سڑک کے حادثے، ہوائی حادثے، کارخانوں کے حادثے اور دوسرے مشینی حادثے ہر ملک میں اور ہر روز ہوتے رہتے ہیں، جدید صنعتی دور میں یہ حادثات اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ سیفٹی انجینئرنگ کے نام سے ایک مستقل فن وجود میں آ گیا ہے۔ ۱۹۶۷ء کے اعداد وشمار کے مطابق اس ایک سال میں پچاس ملکوں کے اندر مجموعی طور پر ۱۷۵۰۰۰ حادثاتی موتیں واقع ہوئیں (EB-137) یہ سب زیادہ تر مرد تھے۔

صنعتی حادثات کی موتوں میں سیفٹی انجینئرنگ کے باوجود پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، مثال کے طور پر ہوائی حادثات ۱۹۸۸ء میں ہوئے، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے، اسی طرح تمام صنعتی ملکوں میں مستقل طور پر اسلحہ سازی کے تجربات ہو رہے ہیں اس میں برابر لوگ ہلاک ہوتے رہتے ہیں۔ ان ہلاک شدگان کی تعداد کبھی نہیں بتائی جاتی تاہم یہ یقینی ہے کہ ان میں بھی تمام تر صرف مرد ہی ہیں جو ناگہانی موت کا شکار ہو رہے ہیں۔

اس طرح کے مختلف اسباب کی بنا پر عملی صورت حال اکثر یہی ہوتی ہے کہ سماج میں عورتوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہو اور مردوں کی تعداد نسبتاً کم ہو جائے، امریکہ کی سوسائٹی نہایت ترقی یافتہ سوسائٹی سمجھی جاتی ہے، مگر وہاں بھی یہ فرق پوری طرح پایا جاتا ہے، ۱۹۸۷ء کے اعداد وشمار کے مطابق امریکہ کی آبادی میں مردوں کے مقابلے میں ۱۷ لاکھ (Million8.7) عورتیں زیادہ تھیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امریکہ کا ہر فرد شادی شدہ ہو جائے تو اس کے بعد بھی امریکہ میں تقریباً ۱۷ لاکھ عورتیں ایسی باقی رہیں گی جن کے لئے ملک میں غیر شادی شدہ مرد موجود نہ ہوں گے جن سے وہ نکاح کر سکیں۔'' (الرسالہ اپریل ۱۹۸۹ء ص ۷:۹)

ان اسباب وعوامل کی بنیاد پر جو اوپر مذکور ہوئے عملی طور پر بالعموم ہر ملک اور ہر معاشرے میں عورتوں کی تعداد زیادہ رہتی ہے۔ مثلاً برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ تین سو پچاس عورتیں ایسی ہو گئی تھیں جن کے لئے تنہا مرد نہیں ہو سکتا تھا ۱۹۰۰ء کی مردم شماری کے لحاظ سے فرانس کے اندر عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ ۲۳ ہزار سات سو نو زیادہ تھی، سویڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ایک لاکھ ۲۲ ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور آسٹریلیا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ ۴۴ ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں۔ (عورت اسلام کے سائے میں منقول از اسلام اور تعدد ازدواج مؤلفہ محمد سلیمان فاروقی)

۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک جرمنی میں ہر فرد کے مقابلے میں شادی کی عمر کو پہنچی ہوئی تین عورتیں ہوتی تھیں۔

(الاسلام والسلام العالمی ص ۱۷: سید قطب شہید)

اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک اسی صورتحال سے دوچار ہیں، امریکہ جو متمدن دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے اس کے بارے میں اوپر کے اقتباس میں گزرا کہ ۱۹۸۷ء کے اعداد وشمار کے مطابق وہاں کی آبادی میں مردوں کے مقابلے میں تقریباً ۱۷ لاکھ عورتیں زیادہ تھیں انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا (۱۹۸۴ء) کی تصریح کے مطابق نہ صرف امریکہ بلکہ آسٹریلیا، برما، جرمن، فرانس، اٹلی، پولینڈ، اسپین، سوئزرلینڈ اور سوویت یونین وغیرہ میں بھی مردوں اور عورتوں کے تناسب میں قابل لحاظ فرق ہے، ان تمام ملکوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔

اس کے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ مرد اور عورت اگرچہ یکساں تعداد میں پیدا ہوتے ہیں، مگر مختلف اسباب کی بنیاد پر

مردوں کی موت زیادہ واقع ہوتی ہے، اس لئے تقریباً ہر دور میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ رہی ہے، بالخصوص عصر حاضر میں تو وہ انسانی زندگی کا ایک اہم اور مستقل مسئلہ ہے جو اصحاب فکر ونظر اور ارباب حل وعقد سے فوری حل طلب کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ تعداد ازدواج کے سوا اس عالمی مسئلہ کا کوئی اور معقول حل نہیں ہوسکتا، اگر مردوں کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو پھر عورتوں کی وہ فاضل تعداد جنھیں غیر شادی شدہ مرد نکاح کے لئے نہ مل سکیں ان کے فطری تقاضے کیوں کر پورے ہوں گے؟ غذا خوراک، لباس وپوشاک اور دوسری ضروریات کا انتظام ہوسکتا ہے، عورتیں خود کما کر بھی اپنی کفالت کرسکتی ہیں، لیکن جنسی تسکین بھی انسان کی ایک فطری اور بنیادی ضرورت ہے جس کی تکمیل بعض اعتبار سے دوسری ضروریات کی تکمیل سے زیادہ اہم ہے، پھر اس مسئلہ کا مناسب حل کیا ہو اور تعداد کے اس غیر معمولی فرق کے باوجود کس طرح دونوں صنفوں کے درمیان صحت مند تعلق قائم کیا جائے کہ وہ عورتیں جنسی اور معاشرتی استحصال سے بچ سکیں اور ان کا اور ان کے بچوں کا مستقبل محفوظ رہے۔

عورتوں کی کثرت کی صورت میں جو اس دور کا عالمی مسئلہ ہے عملی طور پر تین ہی صورتیں ممکن ہیں، ایک تو یہ کہ یک زوجگی کے اصول پر عمل کیا جائے کہ ہر مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے اور باقی عورتیں جنھیں شوہر نہ ملیں تو تجرد کی زندگی گذاریں، نکاح اور اس کی تمام برکتوں اور سعادتوں سے محروم رہیں، اپنے فطری جذبات کو دبائیں اور زندگی بھر صبر وضبط سے کام لیں اور دوسری صورت یہ کہ قانوناً ایک ہی نکاح کی اجازت دی جائے لیکن اس کے ساتھ مرد وعورت کے ناجائز تعلق کو بھی گوارہ کرلیا جائے تاکہ جن عورتوں کا نکاح کسی مرد سے نہ ہوسکے وہ آزادانہ طور پر مردوں سے مل کر اپنی صنفی خواہش پوری کرسکیں، اس صورت میں ان کی جنسی تسکین تو حرام طریقے پر ہو جائے گی لیکن وہ قانونی شوہر، گھر بار، آل واولاد، نان ونفقہ اور دوسرے ازدواجی حقوق سے محروم رہیں گی جو شادی کی صورت میں قانون کی رو سے حاصل ہوتے ہیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ مردوں کو کچھ شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی جائے تاکہ تمام عورتیں نکاح کے ثمرات سے بہرہ ور ہوسکیں اور گناہ ومعصیت سے اپنا دامن بچاسکیں اور معاشرہ بھی فحش کاری وجنسی بے راہ روی سے محفوظ رہ سکے، اسلام نے اسی تیسری صورت کو اختیار کیا ہے۔

پہلی صورت پر عمل کرنا فطرتاً محال ہے، کیونکہ انسان فطری تقاضوں کو دبا نہیں سکتا اور نہ فطرت سے لڑنے میں کامیاب ہوسکتا ہے پس اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عورتیں مردوں کے ساتھ خفیہ یا علانیہ ناجائز تعلق قائم کرنے پر مجبور ہوں گی اور سماج میں فحاشی اور بے حیائی پھیلے گی اور پھر یہ بالکل نامعقول بات ہے کہ کچھ مردوں اور عورتوں کو نکاح کے ذریعہ جنسی تسکین کا موقع فراہم کیا جائے اور کچھ عورتوں کو اس سے محروم رکھا جائے، ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کا انتظام کرے۔

دوسری صورت تعداد ازدواج ہی کی غیر قانونی صورت ہے جسے اہل مغرب نے اختیار کیا اب ہر صاحب عقل غیر جانب داری اور عدل وانصاف سے کام لیکر اور ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچ کر فیصلہ کرسکتا ہے کہ کون سا قانون عورتوں کے حق میں ہے اور کون سا ان کے خلاف، کس میں ان کے مصالح اور حقوق کا تحفظ ہے اور کس میں ان کا استحصال، کون سا قانون منصفانہ، عادلانہ، اور حکیمانہ ہے اور کون سا بہیمانہ اور ظالمانہ ہے۔

اسلام شخصی اور اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل، اخلاقی اقدار کی حفاظت اور فحش کاریوں کے سد باب کے لئے تعداد ازدواج کو قانونی

جواز عطا کرتا ہے، تا کہ اگر ایک شخص اپنی ذاتی یا سماجی اور ملکی مصالح کے پیش نظر ایک سے زیادہ عورتوں سے تعلق کی ضرورت محسوس کرے تو وہ شرعی، اخلاقی اور قانونی حدود میں رہ کر نکاح کے ذریعہ اسے اپنی حرم میں داخل کرے، اور ازدواجی رشتہ کی بنیاد پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو قبول کرے، بیوی اور اس سے پیدا ہونے والے بچوں کی کفالت اور تربیت کا بیڑا اٹھائے، عدل وانصاف کے ساتھ تمام بیویوں اور بچوں کے حقوق ادا کرے، اس صورت میں اس کی تمام بیویوں اور بچوں کو سماج میں عزت کا مقام حاصل ہو گا، اس کی تمام اولاد قانونی اور حلال ہوگی جنہیں ماں باپ کی شفقت ومحبت، ان کی سرپرستی وکفالت اور ان کے مرنے کے بعد وراثت حاصل ہوگی، وہ ان کے زیر سایہ پروان چڑھیں گے اور عورت کو شوہر، گھر بار، نان ونفقہ، بال بچہ، شوہر کی ہمدردانہ رفاقت و معیت اور قانونی نگرانی ونگہداشت میسر آئے گی۔ اس کے برخلاف تعدد ازدواج کے ممنوع ہونے کی صورت میں آزاد صنفی تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ غیر قانونی ہوگی اور مذکورہ بالا تمام پدری حقوق سے محروم رہے گی۔ انسان کی شخصیت کی تعمیر میں والدین اور خاندان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، ناجائز بچہ خاندان کی سرپرستی اور باپ کی کفالت اور تعلیم وتربیت سے بالکلیہ محروم رہے گا، اور عورت ازدواجی حقوق سے۔

تعدد ازدواج سے انکار کے نتائج

انسان کی صحت وسلامتی، جسمانی بالیدگی، قوت کارکردگی، اس کی ذہنی وفکری نشوونما اور اسے اعلیٰ سیرت وکردار کا حامل بنانے کے لئے صالح اور پاکیزہ معاشرہ کا وجود ضروری ہے، اس کے برخلاف سوسائٹی میں جنسی جرائم وفواحش کا عموم انسانی زندگی اور پورے سماج کے لئے تباہ کن ہے، زنا بظاہر انسانی جوڑے کا وقتی ملاپ ہے لیکن اپنے انجام کے لحاظ سے یہ نہایت خطرناک اور مہلک ہے جو نسل انسانی کو مسخ کرتا ہے، سماج میں فساد اور بے حیائی پھیلاتا ہے، ازدواجی رشتہ کو کمزور کرتا ہے، پورے سماج کے مزاج کو بگاڑتا ہے، ناجائز اولاد کے مسائل پیدا کرتا ہے، ہر صالح تمدن کا فریضہ ہے کہ وہ اس پر پابندی عائد کرے اور اسے قابل تعزیر جرم قرار دے اور اس کے اسباب ومحرکات سے بھی معاشرہ کو پاک رکھنے کی کوشش کرے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ دوسری طرف جائز اور قانونی حدود میں داعیات فطرت کی تسکین کا موقع فراہم کیا جائے ملک اور سماج میں اگر عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو تو تعدد ازدواج کی اجازت نہ دینا زنا وبدکاری کے دروازے کو کھولنا ہے، اسی بنا پر جب مغرب میں عورتوں کی کثرت کے باوجود تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیا گیا تو مردوں وعورتوں کے درمیان ناجائز تعلقات کا دروازہ کھل گیا اور اس انداز میں کھلا کہ ملک و معاشرہ میں ایک مرد وعورت بھی عفت مآب نہ رہ سکے، چنانچہ بعض انصاف پسند مغربی مفکرین نے اس بات کا کھلا اعتراف کیا کہ مغربی ممالک اور عیسائی اقوام میں زنا وفواحش کی جو کثرت ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ کلیسا نے تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔ و قد أنصف بعض الباحثين من الغربيين حيث قال: لم يعمل في اشاعة الزنا و الفحشاء بين المسيحية عامل أقوى من تحريم الكنيسة تعدد الزوجات

(المیزان فی تفسیر القرآن ۴/ ۱۹۵-۱۹۶ منقول از رسالہ مسٹر جان دیون پورٹ انگریز بنام الاعتذار الی حضرۃ محمد والقرآن)

مشہور انگریز صاحب قلم جارج برناڈ شاہ اسلام کے اس الٰہی قانون کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس میں کوئی بڑی حکمت ہے کہ مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ خطرات کا نشانہ بنتے ہیں، اگر عالم انسانیت پر کوئی بڑا حادثہ ٹوٹ پڑے جس کی وجہ سے تین چوتھائی مرد ہلاک ہو جائیں اور اس وقت اگر شریعت محمدی پر عمل کر کے ہر مرد کے لئے چار بیویاں ہوں تو تھوڑی ہی مدت میں مردوں کی تلافی ہو جائے گی، جرمنی میں دوسری جنگ عظیم کے بعد عورتوں نے تعدد ازدواج کا پرزور مطالبہ کیا۔ (مسئلہ تعدد ازدواج مؤلفہ شیخ عبدالعزیز الحلی القتادی ص ۱۹)

دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی غیر معمولی کثرت کی وجہ سے مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لئے ۱۹۸۴ء میں نوجوانوں کی عالمی تنظیم کا جلسہ ہوا، شرکاء اجلاس طویل غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس پیچیدہ مسئلہ کا معقول حل صرف تعدد ازدواج ہے، اس کے سوا کسی اور طریقے سے اس مشکل پر قابو نہیں پایا جاسکتا، پھر اگلے سال ہی جرمنی کے دارالسلطنت ''بون'' کے باشندوں نے حکومت کے ذمہ داروں سے مطالبہ کیا کہ ملکی دستور میں تعدد ازدواج کی اجازت کی دفعہ شامل کی جائے، چنانچہ جرمنی حکومت نے تعدد ازدواج کے سلسلے میں پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے شیخ الأزہر مصر کے نام ایک مراسلہ اور پھر ایک وفد روانہ کیا (المرأۃ بین الفقہ والقانون ص ۷۵) دوسری جنگ عظیم کے بعد نوجوان کی عالمی تنظیم نے اور عورتوں کی تنظیم نے بھی حکومت سے مطالبہ کیا کہ جس طرح اسلام میں تعدد کی اجازت ہے اسی طرح یہاں بھی مردوں کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی جائے تاکہ عورتوں کی پریشانی ختم ہو سکے اور اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے کچھ اقدامات بھی ہوئے لیکن اسے قانونی شکل نہیں دی جاسکی۔ کلیسا اور حکومت نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا اور اس کے مقابلے میں زنا وفواحش کی اشاعت اور ناجائز ولادت اور فساد نسل کو گوارہ کیا، جس کا کوئی جواز مسیحی مذہب کی رو سے نہیں تھا:

أظهرت جمعية النساء العزل تحرجها من فقدان البعولة و سألت الحكومة أن يسمح لهن بسنة تعدد الزوجات الاسلامية حتى يتزوج من شاء من الرجال بأزيد من واحدة و يرتفع بذالك غائلة الحرمان، غير أن الحكومة لم تجبهن فى ذلك و امتنعت الكنيسة من قبوله و رضيت بفشو الزنا و شيوعه و فساد النسل (المیزان فی تفسیر القرآن ۴/ ۱۹۴)

یورپ کے اندر پہلی جنگ عظیم میں اسی لاکھ اور دوسری جنگ عظیم میں ساڑھے چھ کروڑ آدمی مارے گئے، یہ زیادہ تر مرد ہی تھے، اس کے نتیجے میں جرمنی و دیگر مغربی ممالک میں مردوں وعورتوں کے درمیان تعداد کا توازن برقرار نہیں رہا، عورتوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ بعض ممالک میں شادی کے لائق ہر ایک مرد کے مقابلے میں شادی کے لائق تین عورتیں تھیں، اب اس کا سیدھا آسان اور معقول حل یہی تھا کہ حکومت کی طرف سے مردوں کو ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دے دی جاتی تاکہ معاشرہ اخلاقی جرائم وجنسی مفاسد سے پاک رہتا اور یہ چیز مذہبی روایات اور حضرت مسیح علیہ السلام کی اخلاقی تعلیمات سے پوری طرح میل کھاتی تھی اور یہ ان کے مرض کے لئے تریاق وآب حیات کا درجہ رکھتا تھا کہ سترہویں صدی عیسوی تک خود کلیسا نے اسے جائز تسلیم کیا، کلیسا اور ریاست دونوں کی طرف سے اس کی اجازت تھی، لیکن مغرب کے نام نہاد دانشوروں اور ناعاقبت اندیش مفکروں نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا حالانکہ وہ اس مشکل کا واحد حل تھا، لیکن انہیں شاید اپنی مادی ترقی اور مشرق پر سیاسی تفوق کے

زعم میں یہ بات معیوب نظر آئی کہ وہ کسی ایسے حل کو قبول کریں جس پر اسلام کا لیبل لگا ہو اور جسے انہوں نے اپنی بے جا تنقید اور ملامت کا نشانہ بنایا ہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں اخلاقی اقدار کو خاص اہمیت حاصل ہے، کسی آسمانی مذہب میں بھی زنا کی اجازت نہیں بلکہ زنا تک پہنچانے والے جو اسباب ہیں انہیں بھی شدت کے ساتھ ممنوع قرار دیا گیا ہے، ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات میں آنکھ، کان، ہاتھ پیر کے زنا کی الگ الگ صورت بیان کی گئی ہے اور کسی اجنبی عورت کو شہوت سے دیکھنے کی یہ سزا بیان کی گئی کہ قیامت کے دن اس کی آنکھ میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد بھی اس سے ملتا جلتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

تم سن چکے ہو! کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ ڈالی، وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا، پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔ (متی باب ۵ آیت ۲-۲۹)

بہر حال مغرب کے نام نہاد ارباب عقل و دانش نے اپنی نادانی سے یہ سمجھا کہ چند زوجگی کا قدیم طریقہ ترقی و تمدن اور تہذیب و اخلاق کے خلاف ہے اور پھر اس کے انجام و عواقب پر غور کئے بغیر اس پر پابندی عائد کر دی جس کی بنیاد پر وہاں بے شمار سماجی و اخلاقی پیچیدگیاں رونما ہوئیں، ایک طرف سماج میں عورتوں کی کثرت اور دوسری طرف تعدد ازدواج پر پابندی، اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ مرد و زن کے درمیان ناجائز صنفی تعلقات کے دروازے کھل گئے۔

ماہرین جنس کی تصریح کے مطابق مرد کے اندر فطری طور پر تعدد ازدواج کا رجحان پایا جاتا ہے، وہ زندگی کے بعض دوسرے امور کی طرح جنسی معاملات میں بھی تنوع پسند واقع ہوا ہے، وہ تو تعدد ازدواج کی شرعی پابندیاں اور گراں بار ذمہ داریاں ہیں جو عام افراد کو اس کے لئے سر اٹھانے نہیں دیتیں، لیکن جب سماج میں بے نکاحی عورتوں کی ایک فوج اپنی جنسی پیاس بجھانے کے لئے انہیں دعوت عیش دے رہی ہو اور ان کا استقبال کر رہی ہو اور اس آزادانہ ملاپ کے نتیجے میں ان پر کسی قانونی ذمہ داری کا بوجھ بھی نہ پڑ رہا ہو تو کیف و سرور اور عیش و عشرت کے ان رنگین لمحات کو کوئی کیوں ہاتھ سے جانے دے اور کیوں نہ ان سے جی بھر فائدہ اٹھائے، نتیجہ یہ نکلا کہ ان ممالک میں جنسی جرائم نے اس شدت سے سر اٹھایا کہ پورا معاشرہ عفت و عصمت اور اخلاقی قدروں سے عاری ہو گیا اور معاملہ یہیں تک محدود نہیں رہا، کسی سماج میں لوگوں کے جنسی جذبات اگر ایک مرتبہ مشتعل ہو جائیں تو پھر ان کا قابو میں آنا بڑا مشکل مسئلہ بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے اور اس کے مہلک اثرات پورے معاشرے کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں، چنانچہ اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ فواحش کی کثرت کے نتیجہ میں امراض خبیثہ وبائے عام کی طرح پھوٹ پڑے ایڈز آج امریکہ اور تمام مغربی ملکوں میں درد سر بنا ہوا ہے، ایک مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر سی جی جنگ (Jung.C.G) اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے:

افریقی مشنریوں کے ذریعہ تعدد ازدواج کے خاتمہ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عصمت فروشی و تجبہ گری میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے، اس حد تک کہ تنہا یوگنڈا کو بیس ہزار پونڈ سالانہ امراض خبیثہ کی روک تھام پر صرف کرنا پڑ رہا ہے، رہے اخلاقی عواقب و نتائج تو وہ بدترین اور ناقابل بیان ہیں۔ (تعدد ازدواج مؤلفہ سید حامد علی)

تیسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ مرد و زن کے آزادانہ ملاپ اور ناجائز تعلق کے نتیجے میں ناجائز اولاد کی وہ کثرت ہوئی جو اس سے قبل انسانی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی تھی، حتی کہ حرامی بچوں کا تناسب بہت سے ملکوں میں ساٹھ فی صد سے لے کر پچھتر فی صد تک پہنچ گیا، لیکن اسلامی ممالک اس طوفان بلاخیز سے محفوظ رہے چونکہ وہاں تعدد ازدواج کا قانون رائج تھا، اقوام متحدہ کی طرف سے شائع ہونے والے ڈیموگراف سالنامہ ۱۹۵۹ء میں اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

اس میں (سالنامہ میں) اعداد و شمار کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جدید دنیا میں جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ بچے اندر سے کم اور باہر سے زیادہ پیدا ہو رہے ہیں۔ ڈیموگرافک سالنامہ کے مطابق ان ملکوں میں حرامی بچوں کا تناسب ساٹھ فی صدی ہے، اور بعض ممالک میں مثلاً پناما میں تو چار میں سے تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں، یعنی ۷۵ر فی صد حرامی بچے، لاطینی امریکہ میں اس قسم کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، متحدہ اقوام کے اس ڈیموگراف سالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ملکوں میں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب نفی کے برابر ہے، چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فی صد سے بھی کم ہے، جبکہ متحدہ عرب جمہوریہ تمام مسلم ملکوں میں شاید سب سے زیادہ مغربی تہذیب سے متاثر ہوا ہے، مسلم ممالک دور جدید کی اس عام وبا سے محفوظ کیوں ہیں؟ اس کا جواب متحدہ اقوام کا سالنامہ مرتب کرنے والے ایڈیٹروں نے یہ دیا ہے کہ چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت کا رواج ہے، اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے، چند زوجیت کے اصول نے مسلم ملکوں کو وقت کے اس طوفان سے بچالیا ہے۔

(علم جدید کا چیلنج ص: ۲۶۶ بحوالہ ہندوستان ٹائمس ۱۲/دسمبر ۱۹۶۰ء)

شیخ عبداللہ مراغی اپنی کتاب ''الزواج والطلاق فی جمیع الأدیان'' میں فرانس کے بارے میں لکھتے ہیں:

حکومت فرانس کے ایک سرکاری افسر نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ کیمپوں میں حرامی بچوں کی تعداد ایک کثیر حد تک پہنچ گئی ہے جو ملک کے لئے پریشان کن مسئلہ ہے اور یہ محض تعدد ازدواج سے ممانعت کا نتیجہ ہے۔ یک زوجگی کی مشکلات بعض معاشروں کے لئے بہت پریشان کن ہے اور فوری حل تلاش کرتی ہے۔ (ص ۱۶۰ بحوالہ المقارنات والمقابلات ۲۳۶-۲۳۹)

چوتھا بڑا نقصان یہ ہوا کہ مرد و زن کے آزادانہ ملاپ اور ناجائز تعلقات کے نتیجہ میں ان ممالک میں نکاح کی اہمیت ختم ہوگئی، ازدواجی رشتہ کمزور اور خاندانی نظام منتشر ہو کر رہ گیا، کیوں کہ جب ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں قبول کئے بغیر جنسی تعلق کی راہ ہموار ہو تو انسان اپنے آپ کو نکاح کی پابندیوں میں کیوں گرفتار کرے اور کیوں بیوی بچوں کی کفالت اور تربیت کا بوجھ اٹھائے، چنانچہ نکاح کا رشتہ کچے دھاگے کی طرح کمزور ہو کر رہ گیا، بات بات میں طلاق و تفریق کے واقعات رونما ہونے لگے، حتی کہ بعض ممالک مثلاً برطانیہ میں ۴۰ر فی صد شادیاں طلاق پر منتج ہو رہی ہیں۔ (صدق جدید لکھنؤ س ۲۳ شمارہ ۸)

جبکہ اسلامی ملکوں میں طلاق کا تناسب کہیں ایک فی صد، کہیں دو فی صد ہے، مصر کی راجدھانی قاہرہ میں جہاں تمام مسلم ممالک سے زیادہ طلاقیں واقع ہوتی ہیں وہاں بھی اس کی تعداد دو فی صد سے زیادہ نہیں ہے (مدی حریۃ الزوجین: ۲/۲۰۰۶) اب خود فیصلہ کرلیا جائے کہ کس قانون نے ازدواجی رشتہ کو استحکام بخشا ہے اور کس نے کمزور کیا ہے۔

خلاصۂ بحث

خلاصۂ کلام یہ کہ تعدداز دواج انسانی معاشرہ کی ایک ناگزیر اور فطری ضرورت ہے، اسی بنا پر ہر زمانے، ہر معاشرے اور ہر مذہب وملت میں اس کا رواج رہا ہے اور موجودہ حالات نے عالمی سطح پر اس کی ضرورت پیدا کر دی ہے، لہٰذا افراد اور سماج کو پاکیزہ رکھنے اور اخلاقی گندگی وجنسی آلودگی سے بچانے کے لئے اسے قانونی جواز عطا کرنا ضروری ہے، مغربی مفکرین میں پہلے بھی کچھ انصاف پسند اور سنجیدہ لوگ چند زوجگی کے حامی تھے اور اسے انسانی فطرت سے زیادہ قریب تصور کرتے تھے۔اب یک زوجگی کی مکمل ناکامی اور برے نتائج کے سامنے آنے کے بعد اہل علم کا ایک بڑا طبقہ اس کی ضرورت کا اعتراف کر رہا ہے اور اسے اپنے مرض کے لئے تریاق سمجھ رہا ہے نیز اسے قانوناً نافذ کئے جانے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر قانونی تعدد از دواج کو تسلیم نہ کیا جائے تو غیر قانونی تعدد کو گوارہ کرنا پڑے گا جیسا کہ مغربی ملکوں میں ہوا، مغربی مفکر میکس نارڈن (Mex Nardon) اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

یک زوجگی کے قانوناً نافذ ہونے کے باوجود متمدن ممالک میں مرد تعدداز دواج ہی کی حالت میں رہتا ہے، ایک لاکھ آدمیوں میں سے مشکل سے ایک آدمی ہوگا جو بستر مرگ پر یہ کہہ سکے کہ وہ اپنی پوری زندگی میں ایک عورت کے سوا کسی سے آشنا نہیں ہوا ہے (301. P.Conventional Lies of Civiliztion) پس اصل مقابلہ وحدت از دواج اور تعدداز دواج کے درمیان نہیں بلکہ قانونی وغیر قانونی تعدداز دواج کے درمیان ہے، اگر قانونی تعدد کو اختیار نہیں کرتے تو غیر قانونی تعدد کو لازماً گوارہ کرنا ہوگا جس کے نقصانات قانونی تعدد کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ترکی جو مسلم اکثریت کا ملک ہے اس نے ۱۹۲۶ء میں اسلام کے اس قانون کے خلاف ایک شہری قانون نافذ کیا جس کی رو سے تعدداز دواج ناجائز قرار پایا، لیکن آٹھ سال ہی گذر پائے تھے کہ ناجائز ولادتوں، خفیہ غیر قانونی واشاؤں وخفیہ طور پر قتل کئے گئے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے حکومت کے ارباب حل وعقد کو اس قانون پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔ (ماذا عن المرأۃ ص: ۱۵۱)

تعدداز دواج کی مشروط اسلامی اجازت سے معاشرہ کے چند ہی افراد فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لئے کہ اس کے ساتھ بہت سی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں لگی ہوئی ہیں، لیکن بے ضابطہ اور غیر قانونی تعدد میں (جس کا رواج تعدد کے ممنوع ہونے کی صورت میں ناگزیر ہے) معاشرہ کے تقریباً سو فی صد افراد ملوث ہوتے ہیں جیسا کہ خود اہل مغرب کو اس کا اعتراف ہے، اس لئے کہ اس کے ساتھ کوئی قانونی بندش اور اخلاقی ذمہ داریاں عائد نہیں ہوتی ہے، اسلامی چند زوجگی مرد کو اس کا پابند بناتی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے لطف اندوز ہونا چاہے تو ان کی اور ان کے بچوں کی معاشی کفالت کا بیڑا اٹھائے اور مغرب کی غیر قانونی چند زوجگی مرد کو اس کی کھلی آزادی دیتی ہے کہ وہ چاہے تو بے شمار عورتوں سے لطف اندوز ہو لیکن ان کی اور ان کے بچوں کی کوئی قانونی ذمہ داری قبول نہ کرے، اب ٹھنڈے دل سے غور کر کے خود فیصلہ کر لیا جائے کہ کون سا قانون عدل وانصاف پر مبنی ہے اور کون سا ظلم واستحصال پر، کس قانون میں عورتوں اور بچوں کے مفاد کا تحفظ ہے اور کس میں ان کے حقوق کا ضیاع، کون سا نظام انہیں نکاح کے ثمرات وبرکات سے ہم کنار کر کے سماج میں باعزت مقام دلاتا ہے اور کون سا نظام انہیں مردوں کے ظلم وہوس اور ان کی چیرہ

دستیوں کا نشانہ بنے اور گناہ و معصیت کا پیکر بن کر ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے۔

اسلام میں تعدد ازدواج کی محدود اجازت کچھ شرائط اور قانونی پابندیوں کے ساتھ ہے اور فرد و سماج کی واقعی ضرورتوں کے پیش نظر ہے، اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے والے افراد معدودے چند ہوتے ہیں، سرکاری اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں میں ایسے افراد کی تعداد ایک فی صد سے بھی کم ہے یعنی فی ہزار ۹ (دیکھئے الفرقان لکھنؤ، ۸۴ء شمارہ ۹)

کم و بیش یہی تناسب دوسرے مسلم معاشروں اور ملکوں میں بھی ہے، اب اگر بہت سے شخصی و اجتماعی فائدوں کے ساتھ اس کے کچھ نقصانات ہیں تو وہ معمولی قسم کے ہیں اور ہزار میں سے نو افراد یا ہزار خاندانوں میں سے صرف ۹ رخاندان تک محدود ہیں، اس کے برخلاف اس پر پابندی عائد کر دینے سے جنسی جرائم کا جو لاوا پھوٹتا ہے وہ زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کرتا ہے اور پوری سوسائٹی کو تہ و بالا کر دیتا ہے، اس لئے یک زوجگی کے مضر اثرات و نقصانات چند زوجگی کے ہلکے و معمولی نقصانات سے بدرجہا زیادہ ہیں اور سب سے عظیم فائدہ یہ ہے کہ انتہائی نازک حالات میں بھی وہ فرد و سماج کو جنسی برائی و فحش کاری کی نحوست سے پاک رکھتا ہے، اس لئے بہر حال وہ اس قابل ہے کہ اسے باقی رکھا جائے اور مختلف شخصی و اجتماعی مصالح کے پیش نظر اسے قانونی جواز عطا کیا جائے۔

پھر یہ کہ اسلام میں ایک سے زیادہ نکاح کے لئے عورت کی رضامندی شرط ہے۔ اگر کوئی عورت کسی شادی شدہ مرد سے شادی کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کے لئے شادی کرنا ممکن نہ ہوگا، شادی کی صحت کے لئے دونوں فریق کی رضامندی شرط ہے، اسلام میں جب باپ کا کرایا ہوا نکاح لڑکی کے رد کر دینے سے رد ہو سکتا ہے تو کسی دوسرے مرد کے لئے یہ کیسے ممکن ہوگا کہ کسی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر شادی کر لے اور عورتوں کو جب معاشرہ میں غیر شادی شدہ مرد نہ ملیں تو داشتہ بن کر رہنے، جسم فروشی کرنے اور معصیت کی زندگی گزارنے سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی شادی شدہ مرد سے نکاح کر کے باعزت زندگی گزاریں، پس اسلام کا یہ قانون عورت کے حق میں ہے نہ کہ ان کے خلاف۔

اور جہاں تک تعدد کی صورت میں پہلی بیوی کے حقوق کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے تو اس کے سدباب کے لئے شریعت نے عدل کی شرط لگادی ہے اور اگر کوئی شوہر زیادتی کا مرتکب ہو اور بیویوں کے درمیان غیر منصفانہ سلوک کرے تو عورت کو اس کے خلاف عدالت سے چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

پس شریعت کی یہ اجازت ایسے افراد کے لئے ہے جن کی طبیعت میں حزم و احتیاط ہو، عدل و انصاف اور ورع و تقویٰ ہو، جو ایسی مضبوط قوت ارادی کے مالک ہوں جو کسی بیوی کی حق تلفی اور اس پر زیادتی کرنے سے پرہیز کریں، جنہیں اللہ کی نگرانی اور آخرت کے مواخذہ کا ہر وقت احساس ہو، اسی کے ساتھ ان کی معاشی حالت نئے رشتہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اجازت دیتی ہو، تو ظاہر ہے کہ ایسی پاکیزہ سیرت کے حامل افراد سے معاشرہ کو جو اولاد ملے گی وہ بھی ان پاکیزہ صفات کی حامل ہوگی اور ایسے افراد کا وجود ہر معاشرہ کے لئے رحمت و ہر انسانی سماج کو ایسے صالح افراد کی ضرورت ہے، اس لئے ایسے افراد کا تعدد ازدواج کے لئے قدم اٹھانا سماج پر احسان ہے۔

جو لوگ تعدد ازدواج کی بنیادی شرط پوری کئے بغیر محض عیاشی، شہوت رانی یا پہلی بیوی کو پریشان کرنے کی غرض سے چند

شادیاں کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے اسلامی شریعت کی رو سے قطعاً اس کی اجازت نہیں ہے اور ایسا نکاح شرعاً حرام ہے، یہ قانون کا نقص نہیں، اس کا غلط استعمال ہے، اور کسی بھی اچھے سے اچھے قانون کے غلط استعمال سے معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اس کی ذمہ داری کسی طرح شریعت پر عائد نہیں ہوسکتی، بلکہ مسلم سماج کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کی اصلاح حال کی کوشش کریں۔

بہر حال چونکہ تعدد ازدواج کے قانون کے ساتھ بہت سی ضرورتیں اور انفرادی واجتماعی مصالح وابستہ ہیں اس لئے اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ بعض پہلوؤں سے اس کے کچھ نقصانات بھی ہیں لیکن وہ یک زوجگی کے نقصانات کے مقابلہ میں بہت ہلکے ہیں، اس لئے بڑے مصالح کے پیش نظر انہیں گوارہ کیا جائے گا، کسی چیز کے چھوڑنے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اس میں کچھ نقصانات ہیں، نہ کسی چیز کے اختیار کرنے کے لئے اس میں محض کچھ فوائد کا پایا جانا کافی ہے، بلکہ ایسی صورت میں نفع ونقصان کا موازنہ کیا جائے گا، اگر مضرت کا پہلو غالب ہوگا تو اسے ترک کیا جائے گا اور منفعت کا غلبہ ہوگا تو اسے اختیار کیا جائے گا، قرآن کریم کی صراحت کی رو سے شراب وجوئے میں بھی کچھ منافع ہیں (بقرہ) مگر اس کے باوجود قرآن نے انہیں حرام قرار دیا اور جہاد وقتال میں خونریزی، بدامنی اور جان ومال کا ضیاع ہے لیکن بلند مقاصد کی خاطر اسے فرض قرار دیا گیا، اسی طرح یک زوجگی کے کچھ فوائد اور چندزوجگی کے کچھ نقصانات ہیں لیکن چندزوجگی کو ممنوع اور یک زوجگی کو لازم قرار دینے کی صورت میں جو مضرات ونقصانات ہیں وہ بہر حال ناقابل برداشت ہیں کیوں کہ اس صورت میں فسق وفجور، جنسی انارکی وفحش کاری کی وبا پھوٹ پڑتی ہے جو فرد، قوم، ملک اور سماج سب کے لئے تباہ کن ہے، اس لئے اسلام اسے کسی قیمت پر گوارہ نہیں کرسکتا اور چندزوجگی میں اخلاقی اقدار، عفت وعصمت کی حفاظت، مصالح عامہ کی رعایت اور ملک وسماج کی اجتماعی مشکلات کا حل ہے، اس لئے وہ قابل ترجیح ہے۔

انصاف پسند اہل مغرب کا تعدد ازدواج کی طرف میلان

یورپ میں تعدد ازدواج کے قانونی امتناع کے نتیجہ میں جو اخلاقی مفاسد وپیچیدہ مسائل کھڑے ہوئے اس سے مغرب کا سنجیدہ طبقہ نالاں ہے اور وہاں کی شرمناک وتکلیف دہ صورتحال سے بیزار ہوکر تعدد ازدواج کو نئے سرے سے اختیار کرنے کا مطالبہ کررہا ہے، ذیل کے اقتباسات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، استاذ خطیب کی اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں:

روئٹر کی خبررساں ایجنسی نے چندسال قبل لندن کی ایک خبر شائع کی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ''کانٹربری'' جو برطانوی گرجا کا سب سے بڑا پادری ہے اس کی قیادت میں چار بڑے پادریوں نے لندن کے کچھ سماجی اسکالروں سے ملاقات کی اور تعدد ازدواج کے نظام کی طرف سے دفاع کرنے والی قرارداد منظور کی اور حکومت سے اس کا مطالبہ کیا کہ مصالح عامہ کی خاطر اور خود عورتوں کی مصلحت کے پیش نظر عیسائیوں کو اس کی اجازت دی جائے (ماذا عن المرأة)

فرانس وغیرہ کے بہت سے فلاسفہ ومصلحین کی اس نوعیت کی بہت سی تصریحات ملتی ہیں، فرانسیسی فلسفی ڈاکٹر ''گستاؤلی بان'' اپنی کتاب ''حضارة العرب'' میں لکھتا ہے:

اہل یورپ نے تعدد ازدواج کے نظام کو بری طرح ملامت کا نشانہ بنایا ہے، حالانکہ یہی وہ نظام ہے جس کی حقیقت تک پہنچنے

میں انہوں نے سب سے زیادہ ٹھوکر کھائی ہے، یورپ کے اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ تعدد کے نظریہ نے اسلام کے زاویہ کو تنگ کیا ہے اور اہل مشرق کے انحطاط کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، حالانکہ یہ بات واقعہ کے خلاف ہے اور مجھے توقع ہے کہ جو قاری بھی اپنے یورپین نظریات سے صرف نظر کر کے اس فصل کا مطالعہ کرے گا وہ اس اعتراف پر اپنے آپ کو مجبور پائے گا کہ مشرق کا نظام تعدد ایک پاکیزہ نظام ہے جو اس پر عمل پیرا ہونے والی قوموں کے اخلاقی معیار کو بلند کرتا ہے، خاندانی نظام کو مستحکم اور خود عورت کو عزت و احترام اور سعادت و کامرانی عطا کرتا ہے، جس کا یورپ میں کہیں وجود نہیں۔۔۔۔کوئی سبب نہیں کہ مشرق کے قانونی تعدد ازدواج کو مغرب کے خفیہ اور ناجائز تعدد سے کمتر سمجھا جائے، بلکہ اس کے برعکس میرا نظریہ یہ ہے کہ اول کو ہر طرح دوسرے پر ترجیح حاصل ہے۔ (حضارۃ العرب ص ۳۸۲۔۳۸۴)

لاہور کے روزنامہ کے لئے لندن کا نامہ نگار لکھتا ہے:

دو عالمی جنگوں نے انگلینڈ میں عورتوں اور مردوں کے عددی تناسب کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ اب عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور ان عورتوں میں سے اکثر عورتیں شادی کی قلبی خواہش کی تکمیل کے بغیر ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں، انہیں زندگی کا لطف اٹھانے کے تمام مواقع ملتے ہیں مگر وہ حقیقی سکون اور روح کی تسکین پانے سے محروم رہتی ہیں"

"حقیقت یہ ہے کہ مردوں کی قلت انگلینڈ میں ہی نہیں بلکہ پورے یورپ میں ایک مسئلہ بن گئی ہے، یہ اخلاقی آوارگی اور بد اخلاقی کا ہیبت ناک تسلط جسے ہر شخص مغربی تہذیب میں ہر جگہ دیکھ سکتا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ مرد کی قلت ہے، عورت کی شادی کی خواہش اس کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے، لیکن مغرب کے ذہنی پہلوانوں کا نظریہ یہ ہے کہ مرد کو ایک سے زیادہ شادی نہیں کرنا چاہئے، البتہ آزاد صنفی تعلقات جتنی عورتوں سے چاہے رکھ سکتا ہے، مغرب کا قانون اور مذہب اس بات کے لئے تیار ہے کہ مسٹریس رکھنے اور ازدواجی تعلقات سے ماسوا ناجائز صنفی تعلقات کو برداشت کر لیں، لیکن ایک سے زیادہ باضابطہ شادی کو (برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں اسے) وہ کمینگی اور بدتہذیبی خیال کرتے ہیں (Rayed .Marriage Commission Report x (Pd

فرانس کے ماہر جنسیات ڈاکٹر لیبان (LEBON) کی رائے میں:

تعدد ازدواج اصناف کے درمیان فطری تعلق کی طرف واپسی بہت سی قباحتوں اور خرابیوں کا ازالہ کر دے گی، اس طرح قحبہ گری، امراض خبیثہ، اسقاط، ناجائز بچوں کی مصیبت، لکھوکھا غیر شادی شدہ عورتوں کی بدقسمتی جو دونوں اصناف کے مساوی تعداد میں نہ ہونے کا نتیجہ ہے، زناکاری نیز رقابت کا خاتمہ ہو سکے گا (Rayed .Marriage Commission Report x (P.269

(عصمت فروشی ممالک متحدہ میں) کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں: فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا جا رہا ہے، متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں، عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس اور بسا

اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ہر قید و امتیاز سے ناآشنا ان کے اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، یہ تینوں چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی جارہی ہیں اور اس کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے، اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کی طرح ہوگی جن کی یہی شہوت رانی، ان کی شراب، عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے (ص:۱۲۹)

مشہور تھیوسوسٹ (Theosohist) مسز اینی بسنٹ (Ann Basant.Mrs) کہتی ہیں:

مغرب میں جھوٹی اور نمائشی یک زوجگی ہے، بلکہ فی الحقیقت تعدد ازدواج ہے، مگر کسی ذمہ داری کے بغیر، جب آشنا عورت سے مرد کا دل بھر جاتا ہے تو وہ اسے نکال باہر کر دیتا ہے اور اس کے بعد وہ گرتے گرتے کسبی عورت بن جاتی ہے، کیوں کہ اس کا ابتدائی محب اس کے مستقبل کی کوئی ذمہ داری نہیں لیتا اور وہ تعدد ازدواج والے گھر میں محفوظ بیوی اور ماں بننے کے مقابلہ میں سوگنا زیادہ بدتر ہوتی ہے، جب ہم ہزاروں مصیبت زدہ عورتوں کو دیکھتے ہیں جو یورپ کے شہروں میں رات کے وقت سڑکوں پر ہجوم لگائے ہوتی ہیں تو ہمیں یقیناً یہ محسوس کرنا پڑتا ہے کہ مغرب کو تعدد ازدواج کے سلسلے میں اسلام کو ملامت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، عورت کے لئے یہ کہیں زیادہ بہتر ہے، کہیں زیادہ مسرت انگیز ہے۔۔۔ کہیں زیادہ عزت بخش ہے کہ وہ تعدد ازدواج کے سسٹم کے تحت زندگی گزارے، وہ ایک مرد سے متعلق ہو، حلالی بچہ اس کی آغوش میں ہو اور وہ عزت کے ساتھ رہ رہی ہو، اس کے مقابلہ میں کہ اس کی عصمت دری ہو، وہ سڑکوں پر نکال باہر کر دی جائے، شاید ایک حرامی بچہ کے ساتھ جو غیر قانونی ہو، اس کی کوئی جائے پناہ نہ ہو، کوئی اس کی فکر کرنے والا نہ ہو، اس کی راتوں پر راتیں اس طرح گزریں کہ وہ کسی بھی راہ گیر کا صید زبوں بننے کو تیار ہو، مادریت کے شرف سے محروم، سب کی دھتکاری ہوئی۔

جناب مالک رام صاحب تعدد ازدواج کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جب ایک شخص دوسری بیوی رکھنا چاہتا ہے اور پہلی کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتا، اس صورت میں ایک نکاحی کے حامی کہیں گے، نہیں وہ لازماً پہلی بیوی سے قطع تعلق کرلے، خواہ وہ بیوی بھی اس علیحدگی پر رضامند نہ ہو، تعدد ازدواج کی تائید میں متعدد دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں، مثلاً یہ کہ عام حالت میں دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ ہے، اگر ایک مرد ایک عورت کے اصول پر عمل کیا جائے تو ان زائد عورتوں کا کیا بنے گا؟ کیا ہم ان پر نکاح کا راستہ بند کر کے ان کی اور ان کے ساتھ شادی شدہ مردوں کی بھی گمراہی کا سامان تو پیدا نہیں کر رہے ہیں، پھر آئے دن جنگیں پیش آتی رہتی ہیں جن میں مردوں کی بہت بڑی تعداد کام آتی ہے اور یوں عورتوں کی نسبت مردوں سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے، ملک کی بہبودی اور ترقی و حفاظت کے لئے مردوں کی ضرورت ہے، بتایئے آپ کیا کریں گے؟ اگر آپ ان عورتوں کو نکاح کرنے کا موقع نہیں دیتے تو گویا انہیں قعر مذلت میں دھکیل رہے ہیں اور انہیں مجبور کر رہے ہیں کہ وہ گناہ کی زندگی بسر کریں، کیوں کہ یہ جذبہ فطری ہے، اگر عورت سماج کی اجازت سے اس کی تسکین نہیں کر سکے گی تو سماج کو دھتا بتائے گی اور گھونگھٹ کی اوڑ میں شکار کھیلے گی، اس صورت میں آپ کو کسبی اور حرام اولاد کا وجود قانوناً تسلیم کرنا پڑے گا، حق انتخاب آپ کو حاصل ہے، ایک طرف آپ اس عورت کو قابل عزت بیوی

اور گھر کی مالکہ اور محترم بنانے پر قادر ہیں، دوسری صورت میں وہ قابل نفرت داشتہ یا کسی خانماں برباد واپنے اور تمام سماج کے لیے کلنک کا ٹیکا بننے پر مجبور ہے۔ (اسلامیات ص ۱۶۲-۱۶۱)

انگلینڈ کے ایک مشہور انگریزی اخبار "ڈیلی میل" نے تعدد ازدواج کے موضوع پر ایک مقالہ شائع کیا ہے اور اس میں کھل کر یہ مطالبہ کیا کہ انگلینڈ میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اس مشکل کا واحد حل اور کامیاب علاج صرف یہ ہے کہ ایک مرد کو چند بیویاں رکھنے کی قانونی اجازت دی جائے، ایک جرمنی خاتون کا جرمنی اخبار "ٹروتھ" میں درج ذیل مراسلہ شائع ہوا ہے:

"ہماری لڑکیوں کی آوارگی بہت بڑھتی جارہی ہے اور پانی سر سے اونچا ہونے لگا ہے، لیکن لوگوں کو اس کے اسباب کی تلاش کرنے کی طرف بہت کم توجہ ہے، میں بھی چونکہ اسی صنف سے تعلق رکھتی ہوں، اس لئے لڑکیوں کی اس حالت زار سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے، مگر محض رنجیدگی اور غم خواری تو اس مرض کا علاج نہیں، جب تک اس گندگی کو ہٹانے کے لئے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جائے، خدا بھلا کرے ایک عالم فاضل (ٹامس) کا کہ انہوں نے مرض کی تشخیص کی اور اس کا تیر بہدف علاج بتایا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرد کو چند بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی جائے، اس طریقہ سے تو یقیناً یہ مصیبت ٹل سکتی ہے اور ہماری بے سری، آوارہ گشت لڑکیاں گھر والیاں بن سکتی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ سب سے بڑی ایک ہی مصیبت ہے، وہ یہ کہ ایک یورپین مرد کو ایک ہی بیوی رکھنے پر مجبور کرنا۔ (المرأۃ بین الفقہ والقانون ص ۸۲)

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِطُ لَهَا دَارَهَا

باب: آدمی کا بیوی سے یہ طے کرنا کہ وہ اسے اس کے محلے میں ہی رکھے گا

2139 حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ، أَخْبَرَنِي اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ

❀❀ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"پوری کیے جانے کی سب سے زیادہ حق دار وہ شرط ہے، جس کے ذریعے تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو"

بَابٌ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ

باب: شوہر کا بیوی پر حق

2140 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ

2139-اسناده صحيح. الليث: هو ابن سعد، وأبو الخير: هو مرثد بن عبد الله اليزني. واخرجه البخاري (2721) و (5151)، ومسلم (1418)، وابن ماجه (1954)، والترمذي (1156) و (1157)، والنسائي في "الكبرى" (5506) و (5508) من طرق عن يزيد بن ابي حبيب، به. وهو في "مسند احمد" (17302)، و"صحيح ابن حبان" (4092).

الشَّعْبِيِّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: اَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ: رَسُولُ اللّٰهِ اَحَقُّ اَنْ يُسْجَدَ لَهُ. قَالَ: فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ: اِنِّي اَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَاَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ. قَالَ: اَرَاَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَلَا تَفْعَلُوا. لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ

❁❁ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں "حیرہ" آیا، تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے سوچا: اللہ تعالیٰ کے رسول تو اس بات کے زیادہ حقدار ہیں، کہ ان کو سجدہ کیا جائے، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی: میں "حیرہ" گیا، تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، یارسول اللہ! آپ تو اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ہم لوگ آپ کو سجدہ کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو گے، تو کیا تم اس کو بھی سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کی: جی نہیں!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ ایسا نہ کرو، اگر میں نے کسی کو، کسی دوسرے کو سجدہ کرنے کی ہدایت دینا ہوتی، تو میں عورتوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر، شوہروں کا (بڑا) حق رکھا ہے۔

2141 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِي حَازِمٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ اِلَى فِرَاشِهِ فَاَبَتْ، فَلَمْ تَاْتِهِ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ

❁❁ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ عورت اس کے پاس نہ آئے، پھر وہ شخص اس عورت سے ناراض رہتے ہوئے رات بسر کرے، تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں"۔

بَابٌ فِي حَقِّ الْمَرْاَةِ عَلَى زَوْجِهَا

باب: شوہر پر بیوی کے حق کا بیان

2140-واخرجه الدارمي في "سننه" (1463)، وابن ابي عاصم في "الآحاد والمثاني" (2023)، والطبراني في "الكبير" 18/ (895)، والحاكم في "المستدرك" 2/ 187 من طريق شريك، بهذا الاسناد. وصححه الحاكم، وسكت عنه الذهبي. واخرجه البيهقي في "الكبرى" 7/ 291 من طريق ابي بكر النخعي، عن حصين، به. ولقوله: "لو كنت آمراً احداً ان يسجد لاحد..." شاهد من حديث ابي هريرة عند الترمذي (1193) واسناده حسن، وصححه ابن حبان (4162).

2141-اسناده صحيح. جرير: هو ابن عبد الحميد الضبي، والاعمش: هو سليمان ابن مهران، وابو حازم: هو سلمان الاشجعي. واخرجه البخاري (3237) و (5193)، ومسلم (1436) من طرق عن الاعمش، بهذا الاسناد. واخرجه مسلم (1436) (121) من طريق يزيد بن كيسان، عن ابي حازم، به. واخرجه البخاري (5194)، ومسلم (1436) (120)، والنسائي في "الكبرى" (8921)

2142 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا أَبُو قَزَعَةَ الْبَاهِلِيُّ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟، قَالَ: أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، أَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَلَا تُقَبِّحْ أَنْ تَقُولَ: قَبَّحَكِ اللَّهُ

حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کہ جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ اور جب تم (نیا لباس) پہنو تو اسے بھی پہناؤ (یعنی خرید کردو)۔

(راوی کو شک ہے، یا شاید یہ الفاظ ہیں) جب تم کماؤ (تو اسے بھی خرید کردو) اور تم اس کے چہرے پر نہ مارو، اور اسے قبیح قرار نہ دو، اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی لاتعلقی اختیار کرو"۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) اسے قبیح قرار دینے سے مراد یہ ہے: یہ نہ کہو: اللہ تعالیٰ تمہیں قبیح کردے۔

2143 حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، نِسَاؤُنَا مَا نَأْتِي مِنْهُنَّ وَمَا نَذَرُ، قَالَ: ائْتِ حَرْثَكَ أَنَّى شِئْتَ، وَأَطْعِمْهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَاكْسُهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تُقَبِّحِ الْوَجْهَ، وَلَا تَضْرِبْ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى شُعْبَةُ تُطْعِمُهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ

بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم اپنی بیویوں سے کیا سلوک کریں اور کیا نہ کریں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے کھیت میں جیسے چاہو آؤ، جب تم خود کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، تم اس کے چہرے کو قبیح قرار نہ دو، اور (اسے) مارو نہیں۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) شعبہ نے کچھ الفاظ مختلف نقل کیے ہیں (البتہ مفہوم ایک ہی ہے)

2144 أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الْمُهَلَّبِيُّ النَّيْسَابُورِيُّ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَزِينٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ، عَنْ دَاوُدَ الْوَرَّاقِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَقُلْتُ: مَا تَقُولُ: فِي نِسَائِنَا قَالَ: أَطْعِمُوهُنَّ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَاكْسُوهُنَّ مِمَّا تَكْتَسُونَ، وَلَا تَضْرِبُوهُنَّ، وَلَا تُقَبِّحُوهُنَّ

حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی: ہماری

2143-اسناده حسن كسابقه. ابن بشار: هو محمد بن بشار العبدي، ويحيى: هو ابن سعيد القطان. واخرجه النسائي في "الكبرى" (9115)

2144-اسناده حسن، وداود الوراق متابع. واخرجه النسائي في "الكبرى" (9106) من طريق سفيان بن حسين، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (20011) من طريق آخر عن حكيم بن معاوية، عن ابيه.

بیویوں کے بارے میں آپ کیا ہدایت کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم جو کھاتے ہو، اس میں سے انہیں کھلاؤ، تم جو پہنتے ہو، اس میں سے انہیں پہناؤ، تم ان کے ساتھ مار پیٹ نہ کرو اور انہیں قبیح قرار نہ دو۔

میاں بیوی کے باہمی حقوق کا بیان

انسان صرف انفرادی زندگی نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ فطرتاً معاشرتی مزاج رکھنے والی مخلوق ہے، اس کا وجود خاندان کے ایک رکن اور معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے ہی پایا جاتا ہے۔ معاشرہ اور خاندان کی تشکیل میں بنیادی اکائی میاں بیوی ہیں جن کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق ہیں۔

۱) شوہر کی ذمہ داریاں یعنی بیوی کے حقوق شوہر پر۔

۲) بیوی کی ذمہ داریاں یعنی شوہر کے حقوق بیوی پر۔

۳) دونوں کی مشترکہ ذمہ داریاں یعنی مشترکہ حقوق۔

شوہر کی ذمہ داریاں یعنی بیوی کے حقوق شوہر پر: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ** (سورۃ البقرہ ۲۲۸) اور (مردوں پر) عورتوں کا حق ہے جیسا کہ (مردوں کا) عورتوں پر حق ہے، معروف طریقہ پر۔ اس آیت میں میاں بیوی کے تعلقات کا ایسا جامع دستور پیش کیا گیا ہے جس سے بہتر کوئی دستور نہیں ہو سکتا اور اگر اس جامع ہدایت کی روشنی میں ازدواجی زندگی گزاری جائے تو اس رشتہ میں کبھی بھی تلخی اور کڑواہٹ پیدا نہ ہوگی، ان شاء اللہ۔ واقعی یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ الفاظ کے اختصار کے باوجود معانی کا سمندر گویا کہ ایک کوزے میں سمو دیا گیا ہے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ بیوی کو محض نوکرانی اور خادمہ مت سمجھنا بلکہ یہ یاد رکھنا کہ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی پاس داری شریعت میں ضروری ہے۔ ان حقوق میں جہاں نان ونفقہ اور رہائش کا انتظام شامل ہے وہیں اس کی دل داری اور راحت رسانی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی بچوں) کی نظر میں اچھا ہو۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں اچھا وہی ہوگا جو اُن کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو۔ دوسری طرف اِس آیت میں بیوی کو بھی آگاہ کیا کہ اُس پر بھی حقوق کی ادائیگی لازم ہے۔ کوئی بیوی اُس وقت تک پسندیدہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق کو ادا کر کے اُس کو خوش نہ کرے، چنانچہ احادیث میں ایسی عورتوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو اپنے شوہر کی تابع دار اور خدمت گزار ہوں اور ان سے بہت زیادہ محبت کرنے والی ہوں اور ایسی عورتوں کی مذمت کی گئی ہے جو شوہروں کی نافرمانی کرنے والی ہوں۔

شوہر کی چند اہم ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں:

۱) مکمل مہر کی ادائیگی: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً** (سورۃ النساء ۴) عورتوں کو ان کا مہر راضی وخوشی سے ادا کر دو۔ نکاح کے وقت مہر کی تعیین اور شب زفاف سے قبل اس کی ادائیگی ہونی چاہیے، اگرچہ طرفین کے اتفاق سے مہر کی ادائیگی کو مؤخر بھی کر سکتے ہیں۔ مہر صرف عورت کا حق ہے، لہٰذا شوہر یا اس کے والدین یا بھائی بہن کے لئے مہر کی رقم میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے۔

وضاحت: شریعت نے کوئی بھی خرچہ صنف نازک پر نہیں رکھا ہے، شادی سے قبل اس کے تمام اخراجات والد کے ذمہ ہیں اور شادی کے بعد عورت کے کھانے، پینے، رہنے، سونے اور لباس کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں، لہٰذا مہر کی رقم عورت کی خالص ملکیت ہے اس کو جہاں چاہے اور جیسے چاہے استعمال کرے، شوہر یا والد مشورہ تو دے سکتے ہیں مگر اُس رقم میں تصرف کرنے کا مکمل اختیار صرف عورت کو ہے، اِسی طرح اگر عورت کو کوئی چیز وراثت میں ملی ہے تو وہ عورت کی ملکیت ہوگی، والد یا شوہر کو وہ رقم یا جائیداد لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

بیوی کے تمام اخراجات:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورۃ البقرہ ۲۳۳) بچوں کے باپ (یعنی شوہر) پر عورتوں (یعنی بیوی) کا کھانا اور کپڑا لازم ہے دستور کے مطابق۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امان میں تم نے اُن کو لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اُن کی شرمگاہوں کو تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ دستور کے مطابق اُن کا مکمل کھانے پینے کا خرچہ اور کپڑوں کا خرچہ تمہارے ذمہ ہے۔ (مسلم)

بیوی کے لئے رہائش کا انتظام:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ (سورۃ الطلاق ۶) تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں اُن عورتوں کو رکھو۔ اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا حکم بیان کیا جارہا ہے کہ عدت کے دوران ان کی رہائش کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ ہے۔ جب شریعت نے مطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ رکھا ہے تو حسب استطاعت بیوی کی مناسب رہائش کی ذمہ داری بدرجہ اولیٰ شوہر کے ذمہ ہوگی۔

۴) بیوی کے ساتھ حسن معاشرت: شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (سورۃ النساء ۱۹) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں حسن اخلاق کے ساتھ معاملہ رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کردے۔

(a) شوہر کی چوتھی ذمہ داری "بیوی کے ساتھ حسن معاشرت" بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کی ادائیگی کے مختلف طریقے حسب ذیل ہیں:

حسب استطاعت بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے میں فراخدلی سے کام لینا چاہئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً يَحْتَسِبُهَا فَهِيَ صَدَقَةٌ (بخاری) اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کے ساتھ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ ہوگا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر اجر عطا فرمائے گا۔

(b) بیوی سے مشورہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھر کے نظام کو چلانے کی ذمہ داری مرد کے ذمہ رکھی گئی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مرد کے لئے قوّام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی مرد عورتوں پر نگہبان اور منتظم ہیں۔ لیکن حسن معاشرت کے طور پر عورت

سے بھی گھر کے نظام کو چلانے کے لئے مشورہ لینا چاہئے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آمِرُوا النِّسَاءَ فِي بَنَاتِهِنَّ (ابوداؤد، مسند احمد) یعنی بیٹیوں کے رشتے کے لئے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کرو۔

c) بیوی کی بعض کمزوریوں سے چشم پوشی کریں، خاص طور پر جب کہ دیگر خوبیاں ومحاسن ان کے اندر موجود ہوں، یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے عموماً ہر عورت میں کچھ نہ کچھ خوبیاں ضرور رکھی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر عورت کی کوئی بات یا عمل ناپسند آئے تو مرد عورت پر غصہ نہ کرے کیونکہ اس کے اندر دوسری خوبیاں موجود ہیں جو تمہیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ (مسلم)

d) مرد بیوی کے سامنے اپنی ذات کو قابل توجہ یعنی اسمارٹ بنا کر رکھے کیونکہ تم جس طرح اپنی بیوی کو خوبصورت دیکھنا چاہتے ہو وہ بھی تمہیں اچھا دیکھنا چاہتی ہے۔ صحابی رسول ومفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے لئے ویسا ہی سجتا ہوں جیسا وہ میرے لئے زیب وزینت اختیار کرتی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

e) گھر کے کام وکاج میں عورت کی مدد کی جائے، خاص کر جب وہ بیمار ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ گھر کے تمام کام کرلیا کرتے تھے، جھاڑو بھی خود لگالیا کرتے تھے، کپڑوں میں پیوند بھی خود لگالیا کرتے تھے اور اپنے جوتوں کی مرمت بھی خود کرلیا کرتے تھے۔ (بخاری)

بیوی کی ذمہ داریاں یعنی شوہر کے حقوق بیوی پر

۱) شوہر کی اطاعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (سورۃ النساء ۳۴) مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ جو عورتیں نیک ہیں وہ اپنے شوہروں کا کہنا مانتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق نیک عورتیں شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں، یعنی اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فوقیت وفضیلت دینے کی دو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔ (۱) مرد وعورت وساری کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔ (۲) مرد اپنے اور بیوی وبچوں کے تمام اخراجات برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (سورۃ البقرۃ ۲۲۸) مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (مسند احمد) اگر عورت نے (خاص طور پر) پانچ نمازوں کی پابندی کی، ماہ رمضان کے روزے اہتمام سے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور اپنے شوہر کی اطاعت کی تو گویا وہ جنت میں داخل ہوگئی۔

ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے آپ ﷺ سے ایک سوال کرنے کے لئے بھیجا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم مردوں کو دیا ہے، چنانچہ اگر ان کو جہاد میں تکلیف پہنچتی ہے تو اُس پر ان کو اجر دیا جاتا ہے اور اگر وہ شہید ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خصوصی بندوں میں شمار ہوجاتے ہیں کہ مرنے کے باوجود وہ زندہ رہتے ہیں اور اللہ

تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خصوصی رزق ان کو دیا جاتا ہے۔ (جیسا کہ سورۂ آل عمران آیت ۱۶۹ میں مذکور ہے) ہم عورتیں ان کی خدمت کرتی ہیں، ہمارے لئے کیا اجر ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن عورتوں کی طرف سے تم بھیجی گئی ہو، ان کو اطلاع کردو کہ شوہر کی اطاعت اور اس کے حق کا اعتراف تمہارے لئے اللہ کے راستے میں جہاد کے برابر ہے، لیکن تم میں سے کم ہی عورتیں اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیتی ہیں۔ (بزار، طبرانی)

۲ وضاحت: اِن دِنوں مرد وعورت کے درمیان مساوات اور آزادیٔ نسواں کا بڑا شور ہے اور بعض ہمارے بھائی بھی اس پروپیگنڈے میں شریک ہوجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد وعورت زندگی کے گاڑی کے دو پہیے ہیں، زندگی کا سفر دونوں کو ایک ساتھ طے کرنا ہے، اب زندگی کے سفر کو طے کرنے میں انتظام کی خاطر یہ لازمی بات ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک سفر کا ذمہ دار ہوتا کہ زندگی کا نظام صحیح چل سکے۔ لہٰذا تین راستے ہیں: (۱) دونوں کو ہی امیر بنایا جائے۔ (۲) عورت کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنایا جائے۔ (۳) مرد کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنایا جائے۔ پہلی شکل میں اختلاف کی صورت میں مسئلہ حل ہونے کے بجائے پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتا جائے گا۔ دوسری شکل بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ مرد وعورت کو پیدا کرنے والے نے صنف نازک کو ایسی اوصاف سے متصف پیدا کیا ہے کہ وہ مرد پر حاکم بن کر زندگی نہیں گزار سکتی ہے۔ لہٰذا اب ایک ہی صورت بچی اور وہ یہ ہے کہ مرد اس زندگی کے سفر کا امیر بن کر رہے۔ مرد میں عادتاً وطبعاً عورت کی بہ نسبت فکر وتدبر اور برداشت وتحمل کی قوت زیادہ ہوتی ہے، نیز انسانی خلقت، فطرت، قوت اور صلاحیت کے لحاظ سے اور عقل کے ذریعہ انسان غور وخوض کرے تو یہی نظر آئے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو قوت مرد کو عطا کی ہے، بڑے بڑے کام کرنے کی جو صلاحیت مرد کو عطا فرمائی ہے، وہ عورت کو نہیں دی گئی۔ لہٰذا امارت اور سربراہی کا کام صحیح طور پر مرد ہی انجام دے سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے لئے اپنی عقل سے فیصلہ کرنے کے بجائے اس ذات سے پوچھیں جس نے اِن دونوں کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ خالق کائنات نے قرآن کریم میں واضح الفاظ کے ساتھ اس مسئلہ کا حل پیش کردیا ہے: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲۲۸) ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (سورۃ النساء ۳۴) ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح الفاظ میں ذکر فرمادیا کہ مرد ہی زندگی کے سفر کا سربراہ رہے گا اور فیصلہ کرنے کا حق مرد ہی کو حاصل ہے، اگرچہ مرد کو چاہئے کہ عورت کو اپنے فیصلوں میں شامل کرے۔۔ مرد حضرات بھی اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں کہ بیشک مرد عورت کے لئے قوام یعنی امیر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ساتھ ہی دونوں کے درمیان دوستی کا بھی تعلق ہے، یعنی انتظامی طور پر تو مرد قوام یعنی امیر ہے لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، ایسا تعلق نہیں ہے جیسا مالک اور نوکرانی کے درمیان ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو، دونوں حالتوں میں مجھے علم ہوجاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! کس طرح علم ہوجاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو رب محمد کے الفاظ کے ساتھ قسم کھاتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو رب ابراہیم کے الفاظ کے ساتھ قسم کھاتی ہو۔ اس وقت تم میرا نام نہیں لیتی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیتی ہو۔ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں، نام کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑتی۔

(بخاری۔ باب مایجوز من الہجر)

اب آپ اندازہ لگائیں کہ کون ناراض ہو رہا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اور کس سے ناراض ہو رہی ہیں؟ حضور اکرم ﷺ سے۔ معلوم ہوا کہ اگر بیوی ناراضگی کا اظہار کر رہی ہے تو یہ مرد کی قوامیت یعنی امارت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بڑی خوش طبعی کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا کہ مجھے تمہاری ناراضگی کا پتہ چل جاتا ہے۔

اسی طرح واقعۂ افک کو یاد کریں، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی، جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قیامت صغریٰ برپا ہو گئی تھی۔ جب آیت برأت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کیا تو حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کھڑی ہو جاؤ اور نبی اکرم ﷺ کو سلام کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بستر پر لیٹی ہوئی تھیں اور برأت کی آیات سن لیں اور لیٹے لیٹے فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے میری برأت (اپنے پاک کلام میں) نازل فرمادی لیکن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا شکر ادا نہیں کرتی کیونکہ آپ لوگوں نے تو اپنے دل میں یہ احتمال پیدا کر لیا تھا کہ شاید مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ (بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النور، حدیث نمبر ۴۷۵۰)

بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے کھڑے ہونے سے اعراض فرمایا، لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس کو برا نہیں سمجھا، اس لئے کہ یہ نازکی بات ہے۔ یہ ناز درحقیقت اسی دوستی کا تقاضہ ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان حاکیت اور محکومیت کا رشتہ نہیں بلکہ دوستی کا بھی رشتہ ہے اور اس دوستی کا حق یہ ہے کہ اس قسم کے ناز کو برداشت کیا جائے۔

بہرحال! چونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام بنایا ہے اس لئے فیصلہ اس کا ماننا ہوگا۔ ہاں بیوی اپنی رائے اور مشورہ دے سکتی ہے اور شریعت نے مرد کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ وہ حتی الامکان بیوی کی دلداری کا خیال بھی کرے لیکن فیصلہ اسی کا ہوگا۔ لہٰذا اگر بیوی چاہے کہ ہر معاملے میں فیصلہ ان کا چلے اور مرد قوام نہ بنے، تو یہ صورت فطرت کے خلاف ہے، شریعت کے خلاف ہے، عقل کے خلاف ہے اور انصاف کے خلاف ہے اور اس کا نتیجہ گھر کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۲) شوہر کے مال و آبرو کی حفاظت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (سورۃ النساء ۳۴) جو عورتیں نیک ہیں وہ اپنے شوہروں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق نیک عورتیں شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں، یعنی اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں مرد کا سب سے بہترین خزانہ نہ بتاؤں؟ وہ نیک عورت ہے، جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ شوہر کو خوش کر دے، جب شوہر اس کو کوئی حکم کرے تو شوہر کا کہنا مانے۔ اگر شوہر کہیں باہر سفر میں چلا جائے تو اس کے مال اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔ (ابوداؤد، نسائی) شوہر کے مال کی حفاظت میں یہ ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے مال

میں سے کچھ نہ لے، اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نہ دے۔ ہاں اگر شوہر واقعی بیوی کے اخراجات میں کمی کرتا ہے تو بیوی اپنے اور اولاد کے خرچ کو پورا کرنے کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر مال لے سکتی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہند بنت عتبہ سے کہا تھا جب انہوں نے اپنے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے زیادہ بخیل ہونے کی شکایت کی تھی: اتنا مال لے لیا کرو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے متوسط خرچہ کے لئے کافی ہو۔ (بخاری مسلم) شوہر کی آبرو کی حفاظت میں یہ ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں داخل نہ ہونے دے، کسی نامحرم سے بلاضرورت بات نہ کرے۔ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

۳) گھر کے اندرونی نظام کو چلانا اور بچوں کی تربیت کرنا: یہ عورتوں کی وہ ذمہ داری ہے جو ان کی خلقت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے، بلکہ یہ وہ بنیادی ذمہ داری ہے جس کی ادائیگی عورتوں پر لازم ہے۔ عورتوں کو اس ذمہ داری کے انجام دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑنی چاہئے کیونکہ اسی ذمہ داری کو صحیح طریقہ پر انجام دینے سے فیملی میں آرام وسکون پیدا ہوگا نیز اولاد دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب صحابۂ کرام اپنی بیٹی یا بہن کو رخصت کرتے تھے تو اس کو شوہر کی خدمت اور بچوں کی بہترین تربیت کی خصوصی تاکید کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا (بخاری ومسلم) عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے بچوں کی تربیت وغیرہ کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

۴) بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں روزے رکھے مگر شوہر کی اجازت سے یعنی کسی عورت کے لئے نفلی روزہ رکھنا شوہر کی اجازت کے بغیر حلال نہیں۔

۵) عورت کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو: عورت کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہونا چاہئے تاکہ شوہر کا پیسہ فضول خرچی میں خرچ نہ ہو۔ گھر کو نوکرانیوں پر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہ جس طرح چاہیں کرتی رہیں بلکہ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر کے داخلی تمام امور پر نگاہ رکھے۔

چند مشترکہ حقوق اور ذمہ داریاں: حتی الامکان خوشی وراحت وسکون کو حاصل کرنے اور رنج وغم کو دور کرنے کے لئے ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے کے راز لوگوں کے سامنے ذکر نہ کئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ کی نظروں میں سب سے بدبخت انسان وہ ہوگا جو میاں بیوی کے آپسی راز کو دوسروں کے سامنے بیان کرے۔ (مسلم)

شوہر باہر کے کام اور بیوی گھریلو کام انجام دے: قرآن وسنت میں واضح طور پر ایسا کوئی قطعی اصول نہیں ملتا جس کی بنیاد پر کہا جائے کہ کھانا پکانا عورتوں کے ذمہ ہے، البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کام کی جو تقسیم کی وہ اس طرح تھی کہ باہر کے کام حضرت علی رضی اللہ عنہ دیکھتے تھے، گھریلو کام مثلاً کھانا بنانا، گھر کی صفائی کرنا وغیرہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ تھا۔ لیکن یاد رکھیں کہ زندگی قانونی پیچیدگیوں

سے نہیں چلا کرتی، لہٰذا جس طرح قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہے کہ کھانا پکانا عورت کے ذمہ ہے اسی طرح قرآن وسنت میں کہیں واضح طور پر یہ موجود نہیں ہے کہ شوہر کے ذمہ بیوی کا علاج کرانا لازم ہے، اسی طرح قرآن وسنت میں مرد کے ذمہ نہیں ہے کہ وہ بیوی کو اس کے والدین کے گھر ملاقات کے لئے لے جایا کرے۔ اسی طرح اگر بیوی کے والدین یا بھائی بہن اس کے گھر آئیں تو مرد کے ذمہ نہیں ہے کہ مرغ مسلم و کوفتے وکباب وغیرہ لے کر آئے۔ معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی خدمت کے جزبہ سے رہیں۔ باہر کے کام مرد انجام دے اور عورت گھر کے معاملات کو بخوبی انجام دے۔

میاں بیوی کی مشترکہ ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی جنسی ضرورت کو پورا کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنی طرف بلائے (یہ میاں بیوی کے مخصوص تعلقات سے کنایہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ان تعلقات کو قائم کرنے کے لئے بلائے) اور وہ عورت نہ آئے یا ایسا طرز اختیار کرے کہ جس سے شوہر کا وہ منشا پورا نہ ہو اور اس کی وجہ سے شوہر ناراض ہو جائے تو ساری رات صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، یعنی اس عورت پر خدا کی لعنت ہو اور لعنت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو حاصل نہیں ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

جنسی خواہشات کی تکمیل پر اجر وثواب

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میاں بیوی کے جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر بھی اجر عطا فرمائے گا۔ صحابۂ کرام نے سوال کیا: یا رسول اللہ! وہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تحت کرتا ہے، اس پر کیا اجر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ نفسانی خواہش کو ناجائز طریقے سے پورا کرتا ہے تو اس پر گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! گناہ ضرور ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چونکہ میاں بیوی ناجائز طریقہ کو چھوڑ کر جائز طریقے سے نفسانی خواہشات کو اللہ کے حکم کی وجہ سے کر رہے ہیں، اس لئے اس پر بھی ثواب ہوگا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۹۱۶۷)

اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے مشترکہ فکر وکوشش: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (سورۃ التحریم ۶) اے ایمان والوں تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اپنے آپ کو تو جہنم کی آگ سے بچا سکتے ہیں مگر گھر والوں کا کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان کو برائیوں سے روکتے رہو اور اچھائیوں کا حکم کرتے رہو، ان شاء اللہ یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچانے والا بنے گا۔

بَابٌ فِي ضَرْبِ النِّسَاءِ

باب: عورتوں (یعنی بیویوں) کو مارنے (کا حکم؟)

2145 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَإِنْ خِفْتُمْ نُشُوزَهُنَّ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ. قَالَ حَمَّادٌ: يَعْنِي النِّكَاحَ

ابوحرہ رقاشی اپنے چچا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''اگر تمہیں ان کی نافرمانی کا اندیشہ ہو، تو انہیں بستر سے الگ کردو''۔

حماد نامی راوی کہتے ہیں: یعنی ان کے ساتھ صحبت نہ کرو۔

2146 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي خَلَفٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ ابْنُ السَّرْحِ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ، فَرَخَّصَ فِي ضَرْبِهِنَّ، فَأَطَافَ بِآلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولَئِكَ بِخِيَارِكُمْ

حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اللہ کی کنیزوں کی پٹائی نہ کرو'' (کچھ عرصہ بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کی: عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے شیر ہوگئی ہیں، تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی پٹائی کرنے کی اجازت دے دی، تو بہت سی خواتین اپنے شوہروں کی شکایات لے کر نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئیں، نبی اکرم ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا:

''بہت سی خواتین اپنے شوہروں کی شکایات لے کر محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس آئیں، ایسے لوگ بہتر لوگ نہیں ہیں''۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے کہا: (راوی کا صحیح نام) عبداللہ بن عبداللہ ہے۔

2147 حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ

2145- صحيح لغيره، وهذا اسناد ضعيف لضعف علي بن زيد- وهو ابن جدعان التيمي.- حماد: هو ابن سلمة البصري. واخرجه البيهقي في "الكبرى" 3037/7 من طريق ابي داود، بهذا الاسناد. واخرجه مطولاً احمد في "مسنده" (20695) من طريق حماد بن سلمة، به.

2146- واخرجه ابن ماجه (1985)، والنسائي في "الكبرى" (9122) من طريق سفيان، بهذا الاسناد. وهو في "صحيح ابن حبان" (4189).

عَبْدِ اللّٰهِ الْأَوْدِيّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُسْلِيّ، عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيمَا ضَرَبَ امْرَأَتَهُ

❀❀ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"آدمی اپنی بیوی کو جو مارتا ہے، اس پر اس کا مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا"

بیوی پر شوہر کی حاکمیت سے متعلق احادیث و آثار کا بیان

(۱) ابن ابی حاتم نے اشعث بن عبدالمالک کے طریق سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اپنے خاوند کے خلاف زیادتی کا بدلہ لینا چاہتی تھی کیونکہ اس نے اس کو تھپڑ مارا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت: "الرجال قومون على النساء" (اس کے بعد) بغیر قصاص کے اس کو لوٹا دیا گیا۔

(۲) عبد بن حمید و ابن جریر نے قتادہ کے طریق سے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تھپڑ مارا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ نے اس سے قصاص (یعنی بدلہ) لینے کا ارادہ فرمایا تو (یہ آیت) نازل ہوئی "الرجال قومون على النساء" آپ نے اس مرد کو بلایا اور اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا میں نے ایک کام کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ (دوسرے کام) کا ارادہ فرمایا۔

خاوند کو بیوی پر فوقیت حاصل ہے

(۳) الفریابی و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے جریر بن حازم کے طریق سے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے انصار میں سے اپنی عورت کو تھپڑ مارا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ کر رہی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان قصاص کا فیصلہ فرمایا تو (اس پر) یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "ولا تعجل بالقران من قبل ان يقضى اليك وحيه وقل" (طٰہٰ آیت ۱۱۴) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: "الرجال قومون على النساء" آخری آیت تک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے ایک کام کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ (دوسرے کام) کا ارادہ فرمایا۔

(٤) ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک انصاری ایک عورت کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا خاوند فلاں بن فلاں انصاری ہے اس نے اسے مارا ہے اور اس کے چہرے پر نشان چھوڑے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اس کا حق نہ تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "الرجال قومون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض" یعنی عورتوں کو ادب سکھانے میں ان کو اختیار ہے رسول اللہ

2147- اسناده ضعيف لجهالة عبدالرحمن المسلي. ابو عوانة: هو الوضاح بن عبد الله اليشكري. واخرجه ابن ماجه (1986) و (1987)، والنسائي في "الكبرى" (9123) من طريق ابي عوانة بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (122).

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک کام کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور کام کا ارادہ فرمایا۔

(۵) ابن جریر نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تھپڑ مارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا ارادہ فرمایا ابھی یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے سعید سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

(۶) عبد بن حمید وابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''الرجال قومون علی النساء'' سے مراد ہے کہ ادب اور تعلیم دینے میں عورتوں کے سرپرست ہیں پھر فرمایا لفظ آیت ''بما فضل الله بعضهم علی بعض'' یعنی مہر کی رقم خرچ کرنے کی وجہ سے۔

(۷) ابن جریر وابن المنذر نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ عورت اپنے خاوند سے قصاص نہیں لے سکتی مگر اپنی جان کا قصاص لے سکتی ہے۔

(۸) ابن المنذر نے سفیان رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ ہم اس سے قصاص بھی لیں گے مگر ادب (سکھانے) میں (نہیں لیں گے)۔

(۹) ابن جریر ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''الرجال قومون علی النساء'' سے مراد ہے کہ مرد عورتوں پر امیر ہیں عورتوں پر لازم ہے کہ جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں مرد کی اطاعت کریں عورت کی مرد کے لئے اطاعت یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کے مال کی حفاظت کرنے والی ہو ''بما فضل الله'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو فضیلت دی اس کے نفقہ اور اس کی کمائی کی وجہ سے پھر فرمایا لفظ آیت ''فالصلحت قنتت'' یعنی نیک بیویاں جو اطاعت کرنے والیاں (اور) ''حفظت للغیب'' یعنی اس کی عدم موجودگی میں مال کی حفاظت کرنے والیاں جب وہ عورتیں ایسی ہیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۱۰) ابن جریر نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ مرد عورت پر حاکم ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دے اگر وہ انکار کرے (اللہ کا حکم نہ مانے) تو اس کو اتنا مارنے کا حق ہے جو اس پر نشان نہ چھوڑے۔ اور مرد کو فضیلت حاصل ہے عورت پر کیونکہ مرد اس پر مال خرچ کرتا ہے اور کماتا ہے۔

(۱۱) سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''الرجال قومون علی النساء'' کہ وہ عورتوں کے ہاتھ پکڑتے ہیں اور ان کو ادب سکھاتے ہیں۔

(۱۲) سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''بما فضل الله بعضهم علی بعض'' اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ (پھر فرمایا) ''وبما انفقوا من اموالهم'' یعنی مرد عورتوں کو مہر دیتے ہیں۔

(۱۳) ابن ابی حاتم نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ''وبما انفقوا من اموالهم'' سے مال خرچ کرنے سے مراد مہر ہے۔ جو مرد دیتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر اس کا خاوند اس پر تہمت لگائے تو مرد عورت سے لعان کرتا ہے۔ اور اگر وہ عورت

اس پر (یعنی اپنے خاوند پر) تہمت لگائے تو اس (عورت) کو کوڑے لگائے جائیں گے۔

(۱٤) عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فالصلحت قنتت" یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والیاں اور اپنے شوہروں کی اطاعت کرنے والیاں (پھر فرمایا) "حفظت للغیب" یعنی حفاظت کرنے والیاں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی اور اپنے خاوندوں کی غیر حاضری میں ان کے حقوق کی حفاظت کرنے والیاں۔

(۱۵) ابن المنذر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ "حفظت للغیب" یعنی اپنے شوہروں کے لئے (ان کی غیر حاضری میں) حفاظت کرنے والیاں۔

(۱٦) ابن جریر نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "حفظت للغیب بما حفظ اللہ" یعنی اپنے خاوند کے مال کی حفاظت اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا۔

(۱۷) ابن ابی حاتم نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ اپنے شوہروں کے لئے اپنے نفسوں کی اس طرح حفاظت کرتی ہیں جن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

(۱۸) ابن ابی حاتم نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ اپنے شوہروں کی غیر حاضری میں اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والیاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ حفاظت کرنے والیاں کہ اپنے شوہروں کی غیر حاضری میں ان کی خیانت کرنے والی نہیں۔

(۱۹) ابن جریر نے عطا رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ اپنے شوہروں کے لئے حفاظت کرنے والیاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے باعث اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی۔

(۲۰) عبد بن حمید نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے لفظ آیت "حفظت للغیب" کے بارے میں روایت کیا کہ وہ حفاظت کرتی ہیں اپنے شوہروں کی ان چیزوں کی جو ان سے مخفی ہیں ان کے معاملات میں سے (پھر فرمایا) "بما حفظ اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ ان کو اس قابل بنایا۔

نیک عورت کی خصلتیں

(۲۱) ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی نے اپنے سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کرے اور جب اس کو حکم تو اس کی اطاعت کرے اور جب اس سے غائب ہو تو حفاظت کرے اس کے مال کی اور اپنی جان کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت "الرجال قوامون علی النساء" سے لے کر "قنتت حفظت للغیب" تک۔

(۲۲) ابن جریر نے طلحہ بن مصرف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی قرات میں یوں ہے لفظ آیت "فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ فاصلحوا الیھن والتی تخافون"۔

(۲۳) سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ'' اس لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۲٤) ابن ابی شیبہ نے یحیٰی بن جعدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ فائدہ مند کسی مسلمان کے لئے اسلام کے بعد خوبصورت عورت ہے کہ جو اس کو خوش کرتی ہے جب اس کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی اطاعت کرتی ہے جب وہ اس کو حکم کرتا ہے۔ اور اس کے مال کی اور اپنی ذات کی حفاظت کرتی ہے جب وہ غائب ہوتا ہے۔

(۲۵) ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ کوئی آدمی ایمان باللہ کے بعد اچھے اخلاق والی عورت سے بڑھ کر خیر پانے والا نہیں جو خاوند سے محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو اور کوئی آدمی اللہ تعالیٰ سے کفر کے بعد برے اخلاق والی عورت سے بڑھ کر کوئی برائی پانے والا نہیں جو بداخلاق اور زبان کی تیز ہو۔

(۲٦) ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمن بن زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ نیک عورت کی مثال جو نیک آدمی کے پاس ہو اس تاج کی سی ہے جو سونے کا بنا ہوا ہو اور جو بادشاہ کے سر پر ہو اور بری عورت کی مثال نیک آدمی کے پاس اس بھاری بوجھ کی طرح ہے جو بوڑھے آدمی پر ہو۔

(۲۷) ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ کیا میں تم کو تین کمر توڑ مصیبتوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ کہا گیا وہ کون سی ہیں؟ تو فرمایا ظالم بادشاہ جب اس کے ساتھ نیکی کی جائے تو شکر ادا نہ کرے اور جب اس کے ساتھ برائی کی جائے تو معاف نہ کرے اور برا پڑوسی جب نیکی کو دیکھے تو اس کو چھپا دے اور جب برائی کو دیکھے تو اس کو پھیلا دے اور بری عورت جب اس کے پاس تو حاضر ہو تو تجھ کو غصہ دلائے اور جب اس سے تو غائب ہو تو تیری خیانت کرے۔

(۲۸) الحاکم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں سعادت مندی میں سے ہیں بیوی جس کو تو دیکھے تو تجھ کو اچھی لگے۔ اور تو غائب ہو تو وہ امین ہو اپنی ذات اور تیرے مال کے بارے میں اور وہ سواری جو مطیع ہو جو تجھ کو تیرے دوستوں سے ملا دے اور وہ گھر جو کشادہ ہو اور زیادہ سہولتوں والا ہو اور تین چیزیں بدبختی میں سے ہیں وہ عورت کہ تو اس کو دیکھے تو اس کو دیکھے تو تجھ کو بری لگے اور ہر وقت اپنی زبان تجھ پر چلاتی رہے۔ اگر تو غائب ہو جائے تو وہ امین نہ ہو اپنی ذات اور تیرے مال کے بارے میں اور ایسی سواری جو اڑیل ہو اگر تو اس کو مارے تو وہ تجھ کو تھکا دے اور اگر اس کو چھوڑ دے تو تجھ کو تیرے دوستوں کے پاس نہ پہنچائے اور وہ گھر جو تنگ ہو اور اس میں سہولتیں کم ہوں۔

(۲۹) ابن سعد و ابن ابی شیبہ حاکم و بیہقی نے حصین بن محصن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ مجھ کو میری پھوپھی نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی کسی ضرورت سے حاضر خدمت ہوئی آپ نے پوچھا کیا تو شوہر والی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا تو اس کے ساتھ کیسے معاملات رکھتی ہے؟۔ عرض کیا میں اس کی ضرورت پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی مگر جو کرنے سے عاجز ہوں آپ نے فرمایا تو رکھ لے کہ تو اس کے ہاں کیا حیثیت رکھتی ہے پھر فرمایا بلاشبہ وہ تیرے لئے تیری جنت ہے یا تیری جہنم ہے۔

(۳۰) البزار والحاکم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! مجھے بتایئے خاوند کا حق بیوی پر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خاوند کا حق بیوی پر یہ بھی ہے کہ اگر اس کے ناک سے خون یا پیپ بہہ رہا ہو اور تو اس کو اپنی زبان سے چاٹ لے تب بھی اس نے خاوند کا حق ادا نہ کیا۔ اگر دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے جب وہ اس کے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر کسی مرد کو گھر میں بٹھانا جائز نہیں

(۳۱) الحاکم والبیہقی نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے لئے یہ حلال نہیں جو اللہ پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں ایسے شخص کو اجازت دے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو اور نہ نکلے گھر میں سے (جب) وہ ناپسند کرتا ہو اور خاوند کے بارے میں کسی کی اطاعت نہ کرے اور اس کو غصہ دلا کر نہ بھڑکائے اور اس کے بستر سے الگ نہ ہو جائے اور اس کے ذریعہ اس کو تکلیف نہ پہنچائے اگر وہ بہت ظلم کرنے والا ہو تب بھی اس کے پاس آتی رہے یہاں تک کہ اس کو راضی کرے اگر وہ اس سے (عذر کو) قبول کرے اور اس کی تعریف کر دے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے عذر کو قبول کر لیں گے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا عذر پہنچ گیا۔

(۳۲) البزار والحاکم (نے اس کو صحیح کہا) اور ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے شوہر کا شکر ادا نہ کرے۔ جبکہ وہ اپنے خاوند سے مستغنی بھی نہیں۔

(۳۳) احمد نے عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ فساق دوزخ والوں میں سے ہیں کہا گیا یا رسول اللہ! فساق کون ہیں؟ آپ نے فرمایا عورتیں ہیں ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وہ ہماری مائیں اور ہماری بہنیں ہیں اور ہماری بیویاں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ضرور ہیں لیکن جب ان کو دیا جائے تو شکر ادا نہیں کرتیں اور جب آزمائش میں ڈالا جائے تو صبر نہیں کرتی ہیں۔

(۳٤) بخاری ومسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت روزہ نہ رکھے اور اس کا شوہر حاضر ہو مگر اس کی اجازت سے اور کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت نہ دے اور اس کا شوہر حاضر ہو مگر اس کی اجازت سے۔

(۳۵) عبدالرزاق والبزار والطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی یا رسول اللہ! میں عورتوں کی طرف سے آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں یہ جہاد جس کو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر فرض کیا ہے اگر وہ کسی کو قتل کریں تو ان کو اجر ملتا ہے۔ اور قتل ہو جائیں تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں ہم عورتیں ان کی خدمت میں لگی رہتی ہیں تو ہمارے لئے اس میں کیا اجر ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو جو عورتوں میں سے تم کو ملیں کہ خاوند کی اطاعت کرنا اور اس کے حق کو پہچاننا اس (جہاد کے) برابر ہے۔ اور تم میں سے تھوڑی

عورتیں ایسی ہیں جو اس طرح کرتی ہیں۔

نیک عورت کے جنت کی بشارت

(۳۶) البزار نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت پانچویں نمازیں پڑھے اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت میں داخل ہوگی۔

(۳۷) ابن ابی شیبہ والبزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک عورت خشعم قبیلہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! مجھ کو بتائیے کہ کیا حق ہے شوہر کا بیوی پر بلاشبہ میں ایک عورت ہوں بے خاوند والی اگر میں طاقت رکھوں تو شادی کروں ورنہ بیٹھی رہوں بغیر خاوند کے؟ آپ نے فرمایا شوہر کا حق اپنی بیوی پر یہ ہے کہ اگر وہ سوال کرے اس سے اس کی ذات کا (یعنی اس سے جماع کی خواہش کرے) اور وہ عورت اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھی ہو تو وہ اپنے آپ کو اُ سے نہ روکے (یعنی اس کی خواہش پوری کرے) اور خاوند کا عورت پر یہ بھی حق ہے کہ نفل روزہ نہ رکھے مگر اس کی اجازت سے اگر اس نے ایسا کرلیا اور بھوکی پیاسی رہی تو اس سے (روزہ) قبول نہ ہوگا اور اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلے اگر اس نے ایسا کیا تو اس پر لعنت ہوگی آسمان کے فرشتوں کی رحمت اور عذاب کے فرشتوں کی یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے۔

(۳۸) البزار والطبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا لوگوں میں سے کس کا زیادہ حق ہے عورت پر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے شوہر کا پھر میں نے پوچھا ایک مرد پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے آپ نے فرمایا اس کی ماں کا۔

(۳۹) البزار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو اور اپنے شوہروں کی رضامندی کو تلاش کرتی رہو۔ بلاشبہ عورت اگر جان لے کہ اس کا شوہر کا (اس پر) کیا حق ہے تو برابر کھڑی رہتی جب تک اس کا صبح کا کھانا اور اس کا شام کا کھانا حاضر ہوتا۔

(٤٠) البزار نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عورت (اپنے) شوہر کے حق کو جان لیتی تو نہ بیٹھتی جب تک اس کا صبح کا کھانا اور اس کا شام کا کھانا حاضر ہوتا یہاں تک کہ وہ کھانے سے فارغ ہوتا۔

(٤١) ابن ابی شیبہ واحمد نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو حکم کرتا کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم کرتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(٤٢) البیہقی نے شعب الایمان میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ ان کی نیکی اوپر چڑھتی ہے بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ وہ اپنے آقا کے پاس لوٹ آئے اور وہ عورت جس پر اس کا شوہر ناراض ہو اور نشہ میں مدہوش جب تک کہ اس کا نشہ دور نہ ہو جائے۔

(٤٣) البیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو جنتیوں کے بارے میں خبر نہ دوں (وہ یہ ہیں) انبیاء جنت میں ہوں گے۔ اور صدیق جنت میں ہوگا۔ اور شہید جنت میں ہوگا بچہ پیدا ہونے والا

(اگر مرجائے) تو جنت میں ہوگا اور وہ آدمی جو اپنے بھائی کی ملاقات کو جائے جو شہر کے کنارے پر رہتا ہے۔ اللہ کے لئے اس کی زیارت کرتا ہے تو وہ جنت میں ہوگا اور تمہاری عورتیں جنت میں سے ہیں جو شوہر سے محبت کرنے والی اور بچے زیادہ جننے والی ہو۔ شوہر جب غصہ ہو جائے تو اس کے پاس آئے یہاں تک کہ اپنا ہاتھ خاوند کے ہاتھ میں دے دے پھر کہے میں اس وقت تک نہ سوؤں گی یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔

(۴۴) البیہقی نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سے فرمایا بلا شبہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عورت اپنے شوہر کی شکایت کرنے والی ہو۔

(۴۵) البیہقی نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی سے فرمایا اے میری بیٹی! کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے پاس نہ آئے جب وہ خواہش کرے خاوند کے منہ پر اس کی مذمت نہ کرے۔ اگر وہ اس کو حکم کرے کہ وہ منتقل ہو جائے تو سیاہ پہاڑ سے سرخ پہاڑ کی طرف یا سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ کی طرف تو اپنے شوہر کی رضا چاہو۔

عورتوں کی تین قسمیں

(۴۶) البیہقی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا عورتیں تین قسم پر ہیں ایک قسم برتن کی طرح ہے تو اٹھاتا ہے اور رکھ دیتا ہے۔ دوسری قسم جیسے اونٹ ہے خارش زدہ، تیسری قسم خاوند سے محبت کرنے والی اور بہت جننے والی کہ وہ مدد کرتی ہے اور اپنے خاوند کی اور اس کے ایمان پر یہ بہتر ہے اس کے لئے خزانے سے۔

(۴۷) ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ عورتیں تین قسم ہیں: وہ عورت جو پاکدامن مسلمان، نرم مزاج، سنجیدہ، خاوند سے محبت کرنے والی بہت (بچے) جننے والی ہو جو خاوند کی مدد کرتی ہیں حادثات زمانہ کے خلاف اور وہ اپنے خاوند کے خلاف زمانے کی مدد نہیں کرتی اور (ایسی عورت) تھوڑی ہیں جو تو اس کو پائے اور ایک عورت (مثل) برتن کے ہے وہ بچے جننے کے سوا کچھ نہیں کرتی اور تیسری عورت خیانت کرنے والی ہے اللہ تعالیٰ جس کی گردن میں چاہتے ہیں ڈال دیتے ہیں اور جب ارادہ فرماتے ہیں اس کو نکال دیں تو نکال دیتے ہیں۔

(۴۸) البیہقی نے اسماء بنت یزید الانصاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آئی کہ آپ اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں آپ کی طرف عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آئی ہوں اور آپ جان لیں کہ میری جان آپ کے لئے قربان ہے کوئی عورت جو مشرق میں ہو یا مغرب میں اس نے میرے آنے کے بارے میں سنا تو وہ میری رائے پر ہوگی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم عورتیں گھر میں بند ہیں تمہارے گھر کی ستون ہیں اور پورا کرنے والی ہیں تمہاری شہوتوں کو اور اٹھانے والی ہیں تمہاری اولادوں کو اپنے پیٹوں میں سے مردوں کی جماعت کو ہم پر فضیلت دیئے گئے ہو جمعہ جماعات مریضوں کی عیادت جنازوں میں حاضر ہونے اور حج کے بعد حج کرنے کے ساتھ اور اس سے افضل جہاد کرنا ہے اللہ کے راستے میں اور ایک آدمی تم میں سے جب نکلتا ہے حج کے لئے یا عمرہ کے

لئے یا اسلام سرحد کا پہرہ دینے کے لئے تو ہم تمہارے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں اور ہم تمہارے لئے کپڑے بنتی ہیں اور ہم تمہارے اموال کی نگہداشت کرتی ہیں تو کیا ہم شریک ہیں تمہارے ساتھ اجر میں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے پھر فرمایا اپنے دین کے بارے میں اس عورت کی بات سے بہتر بھی کوئی بات تم نے سنی؟ صحابہ کرام نے فرمایا یا رسول اللہ ہم نے یہ خیال نہیں کیا کہ ایک عورت اس قسم کی بات کر سکتی ہے؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا اے عورت چلی جا اور دوسری عورت کو بتادے کہ تم میں سے کسی ایک کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اس کی رضا مندی کو طلب کرنا اور اس کی موافقت کی اتباع کرنا تو سارے اعمال کے برابر ہوگا (یعنی مردوں کے ان سب اعمال کے برابر اجر ملے گا) وہ عورت خوشی سے لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے ہوئے واپس چلی گئی۔

خاتون خانہ کے لئے جہاد کا اجر ہے

(۴۹) البیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عورتیں آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ اللہ کے راستہ کے راستہ میں جہاد کرنے کی وجہ سے فضیلت لے گئے ہمارے لئے کوئی عمل ہے کہ جس سے ہم مجاہد فی سبیل اللہ کا اجر پالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کا اپنے گھر میں رہ کر کام کرنا مجاہدین فی سبیل اللہ کا اجر پالینا ہے۔

(۵۰) ابن ابی شیبہ اور حاکم (نے اس کو صحیح کہا) اور بیہقی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

(۵۱) احمد نے اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ہم عورتوں میں بیٹھی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے اور ہم کو سلام پھیرا فرمایا بچو تم احسان کرنے والوں کی ناشکری سے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! احسان کرنے والوں کی ناشکری سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا شاید کہ تم میں سے کسی عورت کا بے شوہر کے رہنا والدین کے درمیان لمبا ہو جائے اور کنواری رہ جائے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شوہر عطا فرمادیں اور اس سے مال اور اولاد بھی عطا فرمادیں پھر وہ عورت غصہ ہو اور کہے میں نے تم سے کبھی بھی خیر کو نہیں دیکھا۔

(۵۲) بیہقی نے (منقطع سند کے ساتھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے حمام پر افسوس جس کا پردہ نہ ہو اور ایسے پانی پر افسوس جو پاک نہ ہو کسی مرد کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ اس میں داخل ہو مگر رومال یعنی کپڑے کے ساتھ کہ جس سے ستر کو چھپالے۔ مسلمان کو حکم دو کہ وہ عورتیں کو آزمائش میں نہ ڈالیں (پھر فرمایا) لفظ آیت "الرجال قوامون علی النساء" ان کو تعلیم دو اور ان کو تسبیح پڑھنے کا حکم کردو۔

(۵۳) احمد وابن ماجہ والبیہقی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمل اٹھانے والیاں بچہ جننے والیاں رحم کرنے والیاں (اولاد پر) اگر وہ دن ہو جو یہ اپنے خاوندوں کے ساتھ کرتی ہیں۔ تو البتہ ان میں سے نماز پڑھنے والیاں داخل ہو جائیں جنت میں۔

(۵۴) البیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! کیا بدلہ ہے عورت کے غزوہ کا؟

آپ نے فرمایا خاوند کی اطاعت کرنا اور اس کے حق کا اعتراف کرنا عورت کے لئے غزوہ کا یہی بدلہ ہے۔

(۵۵) الحکیم الترمذی نے نوادر الاصول میں والنسائی والبیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سی عورت سب سے بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو اس کو خوش کردے (یعنی شوہر کو) جب وہ (اس کی طرف دیکھے اور اس کی فرمانی نہ کرے جب وہ حکم کرے اور عورت اس کی مخالفت نہ کرے جس چیز کو خاوند ناپسند کرے عورت کی ذات اور اپنے مال کے بارے میں۔

(۵۶) حاکم (نے اس کو صحیح کہا) معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ شام کے ملک میں آئے تو انہوں نے نصاریٰ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا اپنے علماء اور درویشوں کے سامنے اور یہودیوں کو دیکھا کہ وہ بھی اپنے علماء اور اپنے درویشوں کو سجدہ کررہے ہیں۔ پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو تو انہوں نے کہا یہ انبیاء کا تحیہ ہے میں نے کہا ہم زیادہ حقدار ہیں کہ ہم اپنے نبی کو سجدہ کریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اپنے انبیاء پر جھوٹ بولتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب کو بدل ڈالا اگر کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ عورت پر مرد کا بہت بڑا حق ہے اور عورت ایمان کی حلاوت نہیں پاتی یہاں تک کہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے کیونکہ عورت پر مرد کا بہت بڑا حق ہے عورت ایمان کی حلاوت نہیں پاسکتی یہاں تک کہ وہ اپنے خاوند کا حق ادا کرے اگرچہ خاوند اونٹ کی پشت پر ہو عورت کو اپنے آپ کو حوالے کرنے کا حکم دے۔

درخت کا قدم مبارک پر بوسہ دینا

(۵۷) حاکم نے (اس کو صحیح کہا) اور بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز سکھایئے کہ جس سے یقین ہو جائے آپ نے فرمایا اس درخت کو بلاؤ اس نے اس کو بلایا تو وہ آیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا پھر اس (درخت) سے آپ نے فرمایا لوٹ جا وہ لوٹ گیا پھر اس کو آپ نے اجازت فرمائی تو اس نے آپ کے سر مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ اور فرمایا اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(۵۸) حاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے اوپر نہیں جاتی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ واپس آجائے اور وہ عورت جس نے اس حال مین رات گزاری کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو اور کسی قوم کا امام جبکہ لوگ اس کو ناپسند کریں۔

(۶۰) احمد نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ یمن میں آئے تو ایک عورت نے ان سے پوچھا کہ مرد کا حق کیا ہے اس کی بیوی پر کیونکہ میں نے اپنے گھر میں بوڑھے آدمی کو چھوڑا ہے تو انہوں نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں معاذ کی جان ہے۔ کاش کہ تو اس کی طرف لوٹ جائے اور تو پائے جذام کو کہ اس نے پھاڑ دیا ہے اس کے گوشت کو اور اس کے نتھنوں کو اور تو پائے کہ اس نے نتھنے بہا رہے ہیں پیپ کو اور خون کو پھر تو ان دونوں کو اپنے منہ میں لقمہ بنالے تا کہ تو ادا کرے اس کے حق کو تو (پھر بھی) تو اس کے حق کو ادا نہ کرسکے گی۔

(۶۱) احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بشر کو یہ لائق نہیں کہ وہ کسی بشر کو

سجدہ کرے اگر کسی بشر کو کسی بشر کے لئے سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاندوں کو سجدہ کرے اس کے بڑے حق کی وجہ سے جو اس پر ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مرد کے قدموں سے لے کر اس کے سر کی مانگ تک کوئی پھوڑا ہوتا اور اس سے پیپ اور زرد پانی جاری ہوتا پھر وہ عورت اسے چاٹ لے تب بھی عورت نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔

(٦٢) الحکیم الترمذی نے نوادر الاصول میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی جہاد پر گیا اور اپنی بیوی کو حکم دیا کہ تو گھر کے اوپر سے نیچے نہیں اترے گی اور اس کا والد نیچے گھر میں تھا جو بیمار ہو گیا اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی کو بھیجا وہ آپ کو (اس بات کی) خبر دے اور مشورہ لے آپ نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہے اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے اس کا والد وفات پا گیا پھر اس عورت نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اور مشورہ طلب کیا تب بھی آپ نے اسے اسی طرح پیغام (جیسے پہلے بھیجا تھا کہ اپنے خاوند کی اطاعت کر) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس کی نماز (جنازہ) پڑھائی۔ اور اس عورت کی طرف پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے والد کی مغفرت فرما دی ہے تیرے خاوند کی آطاعت کی وجہ سے۔

(٦٣) ابن ابی شیبہ عمرو بن حارث مصطلق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ دو شخصوں کو سخت عذاب ہوگا وہ عورت کہ جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرے اور کسی قوم کا امام جس کو وہ لوگ ناپسند کرتے ہوں۔

نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے

(٦٤) ابن ابی شیبہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی اپنی بیٹی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا اور عرض کیا کہ یہ میری بیٹی شادی سے انکار کرتی ہے آپ نے اس سے فرمایا اپنے باپ کی اطاعت کر اس نے کہا نہیں کروں گی یہاں تک مجھے یہ بتا دیا جائے کہ خاوند کا حق اس کی بیوی پر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاوند کا حق اس کی بیوی پر یہ ہے کہ اگر خاوند کے جسم میں کوئی زخم ہو عورت اس کو زبان سے صاف کرے یا اس کے نتھنے پیپ یا خون بہاتے ہو پھر وہ اس کو زبان سے صاف کرے تب بھی اس نے اس کا حق ادا نہیں کیا اس لڑکی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔ آپ نے فرمایا ان عورتوں کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح نہ کیا کرو۔

(٦٥) ابن ابی شیبہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کو یہ لائق نہیں کہ کسی چیز کو سجدہ کرے اگر ایسا ہوتا تو عورتیں اپنے شوہروں کو سجدہ کرتیں۔

(٦٦) ابن ابی شیبہ وابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو حکم کرے کہ وہ سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ کی طرف منتقل ہو جائے یا سیاہ پہاڑ سے سرک پہاڑ کی طرف تو اس پر ایسا لازم ہے۔

(٦٧) ابن ابی شیبہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ اے عورتوں کا گروہ اگر تم جان لیتیں کہ تم پر اپنے شوہروں کا کیا

حق ہے تو ایک عورت ان میں سے غبار کو پونچھتی اس کے چہرے سے اپنے چہرے کی سفیدی سے۔

(۶۸) ابن ابی شیبہ نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ وہ لوگ (یعنی صحابہ کرام) فرمایا کرتے تھے اگر ایک عورت جذام کے مرض میں مبتلا خاوند کی ناک صاف کرے یہاں تک وہ عورت مرجائے تب بھی اس نے خاوند کا حق ادا نہیں کیا۔

(۶۹) ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لفظ آیت ''والتی تخافون نشوزہن'' کے بارے میں روایت کیا (اگر) وہ عورت نافرمانی کرتی ہے اور اپنے خاوند کے حق کو خفیف جانتی ہے اور اس کے حکم کی اطاعت نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس کو نصیحت کرو اور اس کو اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے یاد دلاؤ اور عورت پر مرد کے حق کی عظمت کو بیان کرو اگر وہ قبول کرے (تو ٹھیک ہے) ورنہ اس سے علیحدگی اختیار کرلو لیٹنے کی جگہ میں اور اس کے نکاح کو توڑے بغیر اس سے بات نہ کرو اور یہ معاملہ عورت کے لئے بڑا تکلیف دہ ہوگا۔ اگر وہ لوٹ آئے (یعنی نافرمانی سے باز آجائے تو ٹھیک) ورنہ اس کو مارو کہ جسم پر نشانات ظاہر نہ ہو اور اس کی ہڈی نہ توڑو اور اس کو زخم نہ لگاؤ (پھر فرمایا) لفظ آیت ''فان اطعنکم فلا تبغوا علیہن سبیلا'' یعنی اگر وہ تیری اطاعت کرے تو تم اس پر بہانے تلاش نہ کرو۔

(۷۰) ابن جریر نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ''نشوزھن'' سے مراد ہے اس کا بغض۔

(۷۱) ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ''نشوز'' سے مراد ہے اس کی نافرمانی اور اس کی مخالفت۔

(۷۲) ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن'' یعنی جب عورت اپنے خاوند کے بستر پر آنے سے نافرمانی کرے (یعنی انکار کرے) تو مرد اس سے کہے اللہ سے ڈر اور بستر پر لوٹ آ اگر وہ کہنا مان لے تو پھر اس پر سختی کرنے کا کوئی حق نہیں۔

(۷۳) عبد بن حمید نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''والتی تخافون نشوزھن'' یعنی جن سے تم نافرمانی کا خوف رکھتے ہو ''فعظوھن'' یعنی ان کو زبان سے (نصیحت کرو) ''واھجروھن فی المضاجع' اور ان کو بستر وں سے الگ کرو اور خاوند اس سے بات بھی نہ کرے ''واضربوھن'' اور ان کو مارو کہ جسم پر زخم ظاہر نہ ہو لفظ آیت ''فان اطعنکم'' یعنی اگر وہ بستر کی طرف آجائے ''فلا تبغوا علیہن سبیلا'' یعنی عورت کو اس وجہ سے ملامت نہ کرو کہ وہ عورت تم سے بغض رکھتی ہے کیونکہ بغض میں نے اس کے دل میں رکھا ہے۔

(۷۴) ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ''فعظوھن'' سے مراد ہے کہ زبان سے اس کو نصیحت کرو۔

(۷۵) البیہقی نے لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک بیوی ہے اس کی زبان میں کچھ ہے یعنی بدزبانی آپ نے فرمایا اس کو طلاق دے دو میں نے عرض کیا اس میں میرا ایک بیٹا ہے اور اس کے ساتھ کافی عرصہ مصاحبت بھی رہی آپ نے فرمایا اس کو نصیحت کر اگر اس میں خیر ہوئی تو وہ قبول کرے گی۔ اور اپنی عورت کو ہرگز نہ مارو جیسے تیرا مارنا لونڈی کو (یعنی لونڈی کی طرح اس کو سخت نہ مارو)۔

(۷۶) احمد و ابوداؤد و البیہقی نے ابوحرہ رقاشی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لفظ آیت "فان خفتم نشوزھن فاھجروھن فی المضاجع" حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "المضاجع" سے مراد ہے نکاح (یعنی ان کو نکاح سے الگ کردو)۔

(۷۷) ابن جریر ابن المنذر نے سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واھجروھن فی المضاجع" سے مراد ہے کہ ان سے جماع نہ کرے۔

(۷۸) ابن جریر نے عوفی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واھجروھن فی المضاجع" سے مراد ہے یعنی ان سے الگ رہو کہ (جب) مرد اور اس کی بیوی ایک ہی بستر پر ہوں تو اس سے جماع نہ کرے۔

(۷۹) ابن ابی شیبہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واھجروھن فی المضاجع" سے مراد ہے کہ اس کے قریب نہ جاؤ۔

(۸۰) ابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واھجروھن فی المضاجع" سے مراد ہے اپنے بستر میں اس کو اکٹھے نہ لٹاتے۔

(۸۱) عبد الرزاق و ابن جریر نے ابو صالح کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واھجروھن فی المضاجع" سے مراد ہے کہ اپنی زبان سے اس کو چھوڑ دے (یعنی اس سے بول چال نہ کرے) اور اس سے سختی سے بات کرے لیکن اس سے جماع کو نہ چھوڑے۔

(۸۲) عبد الرزاق و ابن ابی شیبہ و ابن جریر نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ "واھجروھن فی المضاجع" سے مراد ہے کہ بات چیت کرنا چھوڑ دو لیکن جماع نہ چھوڑو۔

(۸۳) ابن جریر نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ اس کے پاس لیٹ جائے اور اپنی پیٹھ کو اس سے پھیر لے اور اس سے جماع کرے لیکن اس سے بات چیت نہ کرے۔

(۸٤) ابن ابی شیبہ و ابن جریر نے ابو الضحی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واھجروھن فی المضاجع" کہ وہ عورت سے یہ سلوک کرلے اور اس کو مارے یہاں تک کہ وہ اس کا کہنا مان لے ساتھ لیٹنے میں اگر وہ اس کا کہنا مان لے ساتھ لیٹنے میں تو کو اس پر زیادتی کا کوئی حق نہیں۔

(۸۵) عبد بن حمید نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس کو چھوڑے رکھے یہاں تک کہ وہ تیرے ساتھ ہم بستری کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر اس کو اس امر کا مکلف نہ بنا کہ وہ تیرے ساتھ محبت بھی کرے۔

(۸٦) ابن ابی شیبہ نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ "واضربوھن" سے مراد ہے ایسا مارو کہ اس پر مارنے کے نشانات ظاہر نہ ہو۔

نیکی کے کام میں نافرمانی کرے تو مارنے کی اجازت ہے

(۸۷) ابن جریر نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کو مارو اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں نیکی کے معاملات میں مگر ایسا نہ مارو کہ جسم پر مارنے کے نشانات ظاہر ہوں۔

(۸۸) ابن جریر نے حجاج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو الگ کر دو لیٹنے کی جگہوں میں اور ان کو مارو اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں نیک کام میں اور ان کو ایسا مارو کہ مارنے کے نشانات ظاہر نہ ہوں۔

(۸۹) ابن جریر نے عطار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ضرب غیر مبرح سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا مسواک اور اس جیسی چیزوں کے ساتھ مارو۔

(۹۰) عبدالرزاق وابن سعد وابن المنذر والحاکم والبیہقی نے ایاس بن عبداللہ بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی باندیوں کو نہ مارو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (اس بات نے) عورتوں کو اپنے شوہروں کی نافرمانی پر جری کر دیا اس کو ماننے میں رخصت دے دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس بہت عورتوں نے چکر لگایا اور اپنے شوہروں کی شکایت کر رہی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ تم میں سے بہتر نہیں ہیں۔

(۹۱) ابن سعد والبیہقی نے ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ مردوں کو عورتوں کے مارنے سے روک دیا گیا پھر مردوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی پھر ان کے اور ان کے مارنے کے درمیان راستہ چھوڑ دیا (یعنی مارنے کی اجازت دے دی گئی) پھر آپ نے فرمایا ان میں سے بہترین لوگ کبھی عورت کو نہیں ماریں گے۔

(۹۲) ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، اور نسائی نے عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو مارتا ہے جیسے غلام کو مارا جاتا ہے پھر دن کے آخر میں اس سے جماع بھی کرتا ہے؟

(۹۳) عبدالرزاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے دن میں اول حصہ میں اور پھر آخری حصہ میں اس سے جماع کرتا ہے۔

(۹۴) عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور اللہ کا ذکر اور وعظ ونصیحت کرنے کے بعد فرمایا یہ کون سا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے؟ کون سا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے؟ کون سا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے؟ لوگوں نے کہا حج اکبر کا دن ہے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تمہارے خون اور تمہاری مال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن یہ شہر اور یہ مہینہ حرمت والا ہے۔ خبردار ہر زیادتی کرنے والا اپنی ذات پر ہی زیادتی کرتا ہے خبردار کوئی والد اپنی اولاد پر زیادتی نہ کرے۔ اور نہ اولاد اپنے والد پر زیادتی کرے۔

عورتوں سے متعلق خیر کی وصیت

خبردار، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے کسی مسلمان کے لئے اپنے بھائی کی کسی چیز میں سے حلال نہیں مگر وہ جس کی وہ خود اجازت دے خبردار ہر سود زمانہ جاہلیت کا ختم کیا جاتا ہے تمہارے لئے اصل مال ہے کہ نہ ظلم کرو نہ ظلم کئے جاؤ گے مگر عباس بن عبدالمطلب کا

تمام سود ختم کیا جاتا ہے۔اور زمانہ جاہلیت کے تمام خون ختم کئے جاتے ہیں اور پہلا خون جاہلیت کے خون میں سے حارث بن عبد المطلب کا خون ہے جو میں معاف کرتا ہوں جو بنو لیث میں دودھ پیتے تھے اور اس کو بنو ہذیل نے قتل کر دیا تھا خبردار عورتوں کے بارے میں تم کو خیر کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تمہاری خادمائیں ہیں اور تم ان میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہو مگر یہ کہ وہ بدکاری کریں اگر وہ ایسا کریں تو ان کو الگ کر دو بستروں سے اور ان کو ایسا نہ مارو کہ ان کے جسم پر زخم نظر آئے (پھر فرمایا) لفظ آیت ”فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا“ (یعنی اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو ان پر پھر کوئی الزام نہ لگاؤ) خبردار تمہارا حق تمہاری عورتوں پر ہے اور تمہاری عورتوں کا حق تم پر ہے۔پس تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ان کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔یعنی ان کو اچھا لباس اور اچھا کھانا دو۔

(۹۵) البیہقی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی سے اس کی بیوی کے مارنے کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

(۹۶) عبد بن حمید نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا لفظ آیت ”فلا تبغوا علیھن سبیلا“ سے مراد ہے کہ تو عورت کو اس وجہ سے ملامت نہ کر کہ وہ تجھ کو پسند نہیں کرتی کیونکہ بغض کو میں نے اس کے دل میں کر دیا ہے۔

(۹۷) عبد الرزاق وابن جریر نے سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ”فان اطعنکم“ سے مراد ہے کہ اگر وہ بستر پر آجائے اس حال میں کہ وہ اس سے بغض رکھتی ہے ”فلا تبغوا علیھن سبیلا“ تو اس پر کوئی راہ تلاش نہ کرو اور اسے اس بات کا مکلف نہ بناؤ کہ وہ خوف سے محبت کرے اس لئے کہ اس کا دل اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

(۹۸) ابن ابی شیبہ وبخاری ومسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے اور شوہر نے غصہ کی حالت میں رات گزاری تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔

(۹۹) ابن ابی شیبہ اور ترمذی (نے اس کو حسن کہا) والنسائی والبیہقی نے طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو اس کو چاہئے کہ اس کی حاجت پوری کرے اگرچہ وہ تنور پر (بیٹھی) ہو۔

(۱۰۰) ابن سعد نے طلق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت اپنے شوہر کو (وطی سے) منع نہ کرے اگرچہ وہ اونٹ کی پشت پر ہو۔ (تفسیر در منثور، سورۃ نساء، ۳۴، بیروت)

بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنْ غَضِّ الْبَصَرِ

باب: نگاہ نیچی رکھنے کا حکم ہونا

2148 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ،

عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ، عَنْ جَرِیْرٍ. قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظْرَةِ الْفَجْأَةِ؟ فَقَالَ: اصْرِفْ بَصَرَكَ

⊛⊛ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (اجنبی عورت پر) اچانک نظر پڑنے کے بارے میں دریافت کیا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی نظر پھیر لو۔

غض بصر کی اہمیت قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن وحدیث میں نظر کی حفاظت کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ} (۱)

''ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔ اور اسی طرح عورتوں کو بھی غض بصر کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ} (۲)

''اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں''۔ حقیقت یہ ہے کہ ''بدنظری'' ہی ''بدکاری'' کے راستے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی وجہ سے ان آیات میں نظروں کی حفاظت کے حکم کو ''حفاظتِ فرج'' کے حکم پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اور نیز عورتوں کی محبت اور دل میں ان کی طرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: {زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ} (۳)

''لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کیا ہوا ہے جیسے عورتیں''۔ اس لیے نظر کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ چونکہ آنکھوں کی آزادی اور بے باکی خواہشات میں انتشار پیدا کرتی ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں بدنظری کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: (فزنا العین النظر) (۴)

''آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے''۔ راستے میں مجلس جما کر بیٹھنے سے اس وجہ سے منع کیا گیا کہ وہ عام گزرگاہ ہے ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں، نظر بے باک ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی پر پڑے اور وہ برائی کا باعث بن جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو'' صحابہ نے اپنی مجبوری پیش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم کو جب کوئی مجبوری ہو تو راستہ کا حق ادا کرو'' صحابہ نے سوال کیا راستہ کا حق کیا ہے.؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا ہٹانا، سلام کا جواب دینا اور بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا''۔ (۵)

حدیث میں نظر کو شیطانی زہر آلود تیر قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں: ''بدنظری شیطان

2148-اسنادہ صحیح. محمد بن کثیر: ھو العبدی، وسفیان: ھو ابن سعید الثوری، وابو زرعة: ھو ابن عمرو بن جریر البجلی. واخرجه مسلم (2159)، والترمذی (2981)، والنسائی فی "الکبری" (9189) من طرق عن یونس بن عبید، بهذا الاسناد. وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح. وھو فی "مسند احمد" (19160)، و"صحیح ابن حبان" (5571).

کے زہر آلود تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جو شخص اس کو میرے خوف کی وجہ سے چھوڑ دے میں اس کو ایک ایسی ایمانی قوت دوں گا جس کی شیرینی وہ اپنے دل میں پائے گا''۔(۶)

مندرجہ بالا نصوص حفاظت نظر کی اہمیت پر روشنی ڈال رہی ہیں۔ بدنظری کے نقصانات نگاہ کا غلط استعمال بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔ بدنظری کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے حسرت وافسوس اور رنج وغم کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ کئی دفعہ نظر کا تیر دیکھنے والے کو خود ہی لگ کر اس کے دل ودماغ کو زخمی کر دیتا ہے۔

حافظ ابن قیم (م۔۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: تمام حادثات کی ابتداء نظر سے ہوتی ہے۔ اور بڑی آگ چھوٹی چنگاریوں سے ہوتی ہے۔ کتنی ہی نظریں ہیں جو نظر والے کے دل میں چبھ جاتی ہیں۔ جیسا کہ کمان اور تانت کے درمیان تیر ہوتا ہے۔(۷)

یہ ایک حقیقت ہے جس کا کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ بدنظری انسان کے لیے نقصان دہ ہے۔ اسی لیے شریعت نے عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے ''غض بصر'' کا حکم دیا ہے۔ غض بصر کے حکم کا تحقیقی جائزہ قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں دونوں کو ''غض بصر'' کا حکم دیا گیا مگر جمہور فقہاء نے اس حکم میں مرد وعورت کے درمیان فرق کیا ہے۔ پہلے مردوں کے لیے ''غض بصر'' کے حکم میں اہل علم کا موقف ذکر کر کے پھر عورتوں کے لیے اس حکم کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مردوں کے لیے غض بصر کا حکم

اس پر اجماع ہے کہ مرد کے لیے دوسرے مرد کے ''ستر'' کے علاوہ پورے جسم کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔(۸)

اس پر بھی اہل علم کا اجماع ہے کہ بے ریش لڑکے کو لذت اور اس کی خوبصورتی سے متمتع ہونے کے ارادہ سے دیکھنا حرام ہے۔(۹)

مردوں کا عورتوں کی طرف دیکھنے کی تین صورتیں ہیں:

☆ مرد کا اپنی بیوی کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ ☆ مرد اپنی ذی محرم عورتوں کے مواضع زینت کو دیکھ سکتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک مواضع زینت میں، سر، چہرہ، کان، گلا، سینہ، بازو، کلائی، پنڈلی، ہتھیلی اور پاؤں شامل ہیں۔(۱۰) ☆ مرد کا اجنبیہ عورت کی طرف نظر کرنا اس میں تفصیل ہے۔

اجنبیہ عورت کی طرف جواز نظر کی اتفاقی صورتیں:

درج ذیل صورتوں میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ اجنبیہ عورت کے چہرہ کو دیکھنا جائز ہے۔ ۱۔ اگر مرد کسی عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لیے اس عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۵۸۷ھ) لکھتے ہیں۔ ''جو شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس عورت کے چہرہ کی طرف دیکھے''۔(۱۱)

بلکہ ایسی عورت کے چہرہ کی طرف نظر کرنے میں جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۶۷۶ھ) مخطوبہ عورت کی طرف جواز نظر والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اور اس حدیث میں ہے کہ عورت کے چہرہ کی طرف نظر کرنا اس شخص کے لیے مستحب ہے جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اور یہی ہمارا (شوافع کا) مذہب ہے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام اہلِ کوفہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ سمیت جمہور علماء کا ہے''۔(۱۲)

۲۔طبیب بغرض علاج اجنبیہ کو دیکھ سکتا ہے۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: ''شریف الطبع طبیب کے لئے عورت کی طرف بغرض علاج نظر کرنا جائز ہے۔''(۱۳)

۳۔گواہ عورت کے خلاف گواہی دیتے وقت اور قاضی عورت کے خلاف فیصلہ کرتے وقت اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں: ''اگر شہوت کا خوف ہو یا شہوت کا شک ہو تو اس صورت میں عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔البتہ ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہے مثلاً قاضی کا فیصلہ سناتے یا گواہ کا گواہی دیتے وقت دیکھنا''۔(۱۴)

۴۔ہنگامی حالات میں مثلاً کوئی عورت پانی میں ڈوب رہی ہے یا آگ میں جل رہی ہے تو اس کی جان بچانے کے لیے اس کی طرف دیکھا جاسکتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اگر عورت پانی میں ڈوب رہی ہو، آگ میں جل رہی ہو تو اس کی جان بچانے کے لیے اس کے بدن کی طرف دیکھنا جائز ہے''۔(۱۵)

اور اس کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے مزید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زلزلہ، سیلاب، چھتوں کا گرنا، آسمانی بجلی کا گرنا، چوری یا ڈکیتی کے وقت بھی افراتفری کے عالم میں یہی حکم ہوگا۔ ۵۔معاملہ کرتے وقت یعنی اشیاء کے لینے دینے اور خرید و فروخت کے وقت بھی عورت کے چہرہ کی طرف نظر کی جاسکتی ہے۔امام کاسانی لکھتے ہیں: ''اشیاء کے لینے اور دینے کی ضرورت کی وجہ سے اجنبیہ کے چہرہ اور ہتھیلی کی طرف نظر کرنا جائز ہے''۔(۱۶)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''خرید و فروخت کی ضرورت کے وقت عورت کی طرف نظر کرنا جائز ہے''۔(۱۷)

اور اس کی وجہ یہی ہے کہ بائع یا مشتری معاملہ کرتے وقت اس عورت کو پہچان لے تاکہ اگر کسی نقصان کی وجہ سے وہ چیز واپس کرنی پڑے یا بعد میں قیمت وصول کرنی ہو تو دوسری عورتوں سے الگ شناخت کی جاسکے۔(۱۸)

جبکہ بعض اہلِ علم کی رائے میں خرید و فروخت کے وقت عورت کا چہرہ کھولنا یا مرد کا دیکھنا جائز نہیں ہے چونکہ یہ ایسی ضرورت نہیں کہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔اس لیے کہ عورتیں بیع و شرا نقاب و حجاب کے ساتھ بھی کرسکتی ہیں۔(۱۹)

اور یہی بات عصر حاضر کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ آج کل تو باقاعدہ خریدی ہوئی چیز کی رسید اور بل مل جاتا ہے جس سے اس چیز کے واپس کرنے میں مزید کسی شناخت کی ضرورت نہیں ہے۔ اجنبیہ عورت کی طرف نظر کرنے کے بارے میں اختلافی صورت: مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ بغیر کسی حاجت اور ضرورت کے اجنبیہ کی طرف دیکھنے میں جمہور فقہاء اور حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شہوت سے بے خوف ہونے کی صورت میں اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فتنہ اور شہوت کا خوف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں بلاضرورت اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔ ائمہ کے مؤقف کی تفصیل اور دلائل کے نقل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ فتنہ اور شہوت کا مفہوم واضح کیا جائے تاکہ بات کا سمجھنا آسان ہو۔

فتنہ کا معنی

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں: **قوله بل لخوف الفتنة اى الفجور بها قاموس اوالشهوة (۲۰)** ''فتنہ سے مراد گناہ یا شہوت ہے''۔

شہوت کی تعریف:

علامہ شامی لکھتے ہیں: **انها ميل القلب مطلقا (۲۱)** ''شہوت دل کے مائل ہونے کا نام ہے''۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **بيان الشهوة التى هى مناط الحرمة ان يتحرك قلب الانسان ويميل بطبعه الى اللذة (۲۲)**''

شہوت کا بیان جس پر حرمت کا مدار ہے وہ یہ کہ انسان کے دل میں حرکت پیدا ہو اور طبیعت لذت کی طرف مائل ہو جائے''۔ مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھنے سے خواہ وہ عورت کا ہو یا بے ریش لڑکے کا دل کی کیفیات کا متحرک ہونا اور قلبی میلان اور رجحان کے ساتھ طبیعت کا حصول لذت کی طرف مائل ہونا شہوت کہلاتا ہے۔ اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنے کے بارے میں جمہور علماء کا تفصیلی مؤقف درج ذیل ہے۔

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ الجد مالکی (م۔۵۲۰ھ) لکھتے ہیں: ''اور مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ نوجوان عورت کی طرف نظر کرے سوائے گواہی یا علاج وغیرہ کی مجبوری حالت کے''۔ (۲۳)

قاضی امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ مالکی (م۔۵۴۳ھ) لکھتے ہیں: ''آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ عورت کی طرف دیکھے''۔ (۲۴)

شوافع کا مؤقف:

امام ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۴۷۶ھ) لکھتے ہیں: ''بلاضرورت اجنبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اجنبیہ کی طرف دیکھے''۔ (۲۵)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۵۰۵ھ) لکھتے ہیں: ''اجنبیہ عورت کی طرف نظر کرنا مطلقاً حرام ہے'' (۲۶)

حنابلہ کا مؤقف:

شیخ الاسلام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ (م۔۶۲۰ھ) لکھتے ہیں: ''امام احمد کے ظاہری کلام کے مطابق آدمی کا اجنبیہ عورت کے

پورے جسم کی طرف بلاوجہ دیکھنا حرام ہے۔"(۲۷)

جمہور فقہا کے دلائل

آیت کریمہ: {قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ}(۲۸)"ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۲۰۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والوں پر فرض کیا کہ وہ اس چیز کو نہ دیکھیں جس کا دیکھنا اللہ نے حرام قرار دیا اور جس کے دیکھنے سے منع کیا اس سے آنکھوں کو جھکایا جائے"۔(۲۹)

آیت کریمہ: {وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ}(۳۰)

"اور جب تمہیں ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا (یا کچھ پوچھنا) اور تو تم پردے کے پیچھے سے مانگا اور پوچھا) کرو۔"

امام قرطبی (م۔۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:"یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات سے ضرورت پڑنے پر پردے کے پیچھے سے سوال کرنے یا مسئلہ پوچھنے کی اجازت دی ہے اور اس حکم میں تمام مسلمان عورتیں داخل ہیں۔"(۳۱)

معلوم ہوا مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں اس لیے پردے کی آڑ میں عورتوں سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو یقیناً پائے گا۔ پس آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں ان کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں زنا کرتے ہیں ان کا زنا چلنا ہے اور نفس زنا کی تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔"(۳۲)

نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:"اے علی نظر کی پیروی مت کر اس لیے کہ پہلی نظر تو جائز ہے مگر دوسری نگاہ جائز نہیں۔"(۳۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:"بے شک نبی کریم ﷺ نے فضل کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا آپ کو قبیلہ خثعم کی ایک لڑکی ملی، آپ ﷺ نے فضل رضی اللہ عنہ کی گردن دوسری طرف موڑ دی، اس پر ان کے والد عباس رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے اپنے چچازاد بھائی کی گردن کیوں پھیر دی، آپ نے ﷺ فرمایا میں نے نوجوان مرد اور عورت کو دیکھا تو میں ان پر شیطان سے بے خوف نہیں ہوا۔"(۳۴)

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ"اچانک" نظر پڑ جائے تو کیا کروں، آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا۔(ان اصرف بصری)(۳۵)

"میں اپنی نظر پھیر لوں۔"{وہ احادیث جن میں نکاح سے پہلے عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔(۳۶)

اگر عورتوں کی طرف نظر کرنا مطلقاً جائز ہوتا تو پھر نکاح کے ارادہ کے ساتھ دیکھنے کی تخصیص کیوں کی گئی؟(۳۷)

یہ تمام دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اجنبیہ عورت کی طرف بلاضرورت دیکھنا ناجائز ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مردوں کے لیے غض بصر کا حکم لازمی ہے اور استثنائی صورتوں کے علاوہ اجنبیہ عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام

ہے مطلقاً خوف ہو یا نہ ہو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''بعض حضرات نے فتنہ سے امن میں ہونے کی صورت میں عورت کے چہرہ کی طرف نظر کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور وہ بعید ہے۔ اس لیے کہ شہوت اور فتنہ کا خوف باطنی معاملہ ہے لہٰذا مونث کے ساتھ حکم کو منضبط کرنا یہ اسباب ظاہرہ میں سے ہے اور مصلحت کے زیادہ قریب ہے''۔(۳۸)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ عورت کی طرف نظر کرنے کو فتنہ سے امن میں ہونے کی صورت میں جائز قرار دیا جائے تو ایسا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ شہوت اور فتنہ کے خوف کا تعلق انسان کے ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہے اور کسی کے باطن میں کیا ہے؟ کوئی دوسرا فرد نہیں جانتا۔ چنانچہ فتنہ کے خوف کو ضابطہ بنانے کی بجائے اگر یہ ضابطہ بنایا جائے کہ عورت کی طرف بلا وجہ نظر کرنا جائز نہیں تو یہ اسباب ظاہرہ اور مصلحت کے زیادہ قریب ہے۔

اجنبیہ عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حرام ہے۔ عام ازیں فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو اور ان حضرات کا خیال ہے کہ خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھنا فتنہ کو لازم کرتا ہے اور عام طور پر دل میں میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اجنبیہ کی طرف نظر کرنا، خود فتنہ کے قائم مقام ہے۔ جس طرح کہ نیند کو خروج ریح کے احتمال کی وجہ سے اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور محض سونے سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم لگا دیا جاتا ہے برابر ہے کہ ریح کا خروج ہو یا نہ ہو اور اس طرح خلوت صحیحہ عورت کے ساتھ وطی کے قائم مقام ہے تمام احکام میں (۳۹)

عام ازیں اس خلوت میں وطی پائی گئی ہو یا نہ پائی گئی ہو۔''(۴۰) معلوم ہوا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کے لیے اجنبیہ عورت کے چہرہ کی طرف بلا ضرورت نظر کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ اکثر حالات میں خوبصورت عورت کا چہرہ دیکھ کر انسان اس کی طرف مائل ہو کر فتنہ میں واقع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح نیند کو خروج ریح کے قائم مقام قرار دے کر وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جاتا ہے خواہ ہوا خارج ہو یا نہ ہو اور خلوت صحیحہ (۴۱) میں وطی نہ پائی گئی ہو مگر اس خلوت کو وطی کے قائم مقام کر کے احکام جاری کئے جاتے ہیں (۴۲)

اسی طرح عورت کی طرف نظر کرنے سے انسان فتنہ میں پڑ سکتا ہے لہٰذا اجنبیہ کی طرف نظر کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص فتنہ میں واقع ہو جائے۔ حنفیہ کا موقف حنفیہ کے نزدیک بلا شہوت اجنبیہ عورت کے چہرہ اور ہتھیلی کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: ''اجنبی کے لیے عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف شہوت کے بغیر دیکھنا جائز ہے۔''(۴۳)

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اجنبی کے لیے آزاد اجنبیہ کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی بدن کی طرف نظر کرنا حلال نہیں ہے۔''(۴۴)

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں: ''اور آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اجنبیہ کی طرف دیکھے سوائے چہرہ اور ہتھیلی کے۔''(۴۵)

حنفیہ کے دلائل:

آیت غض بصر {قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ} (۴۶) میں مردوں کو "غض بصر" کا حکم دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبیہ کی طرف بالکل دیکھنا جائز نہیں، مگر حنفیہ نے سورۃ النور کی درج ذیل آیت کی وجہ سے چہرہ اور ہتھیلیوں کا استثنا کیا ہے۔ آیت کریمہ: {وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا} (۴۷) "اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو جگہ اس میں سے کھلی رہتی ہے"۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے {الا ما ظهر منها} کی تفسیر سرمہ اور انگوٹھی سے کی ہے۔ (۴۸)

سرمہ چونکہ آنکھ میں ڈالا جاتا ہے اور انگوٹھی ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لہٰذا زینت ظاہرہ سے مراد چہرہ اور ہتھیلی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت بھی ہے جس میں آپ نے {الا ما ظهر منها} کی تفسیر ہتھیلی اور چہرہ سے کی ہے (۴۹) چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی اعضاء اسی "نہی" کے حکم میں داخل ہیں۔ (۵۰)

چنانچہ اجنبی مرد کے لیے اجنبیہ کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی جسم کی طرف نظر کرنا حلال نہیں، لیکن اگر عورت کی طرف نظر کرنے میں شہوت کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کے چہرہ کو بھی دیکھنا حلال نہ ہوگا۔

شمس الائمہ سرخسی (م۔ ۴۸۳ھ) اس مسئلہ پر بڑی تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اور یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب مرد کی وہ نظر شہوت سے نہ ہو، لیکن اگر وہ یہ جانتا ہو کہ اگر اس نے عورت کی طرف نظر کی تو اس کے دل میں اس کی طرف رغبت پیدا ہو جائے گی تو ایسی صورت میں اس مرد کے لیے عورت کے کسی عضو کو بھی دیکھنا حلال نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب مرد کی غالب رائے یہ ہو کہ اگر اس نے عورت کی طرف نظر کی تو اس کے دل میں اس کی طرف میلان ہو جائے گا کیونکہ جس چیز کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکتے ہوں، اس کے اندر غالب رائے یقین کا درجہ رکھتی ہے۔" (۵۱)

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "زینت ظاہرہ کی جگہوں کی طرف نظر اس وقت حلال ہے جب وہ بغیر شہوت کے ہو اور اگر وہ نظر شہوت سے ہو تو پھر حلال نہ ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آنکھیں زنا کرتی ہیں (۵۲) اور آنکھوں کا زنا شہوت والی نظر سے ہوتا ہے۔ اور شہوت بھری نظر حرام میں واقع ہونے کا سبب ہے لہٰذا وہ حرام ہوگی سوائے مجبوری کی حالت میں۔" (۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے شہوت کے ساتھ کسی عورت کے محاسن کی طرف نظر کی تو قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔" (۵۴)

مذکورہ دلائل کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک فتنہ اور شہوت کا خوف نہ ہونے کی صورت میں عورت کے چہرہ کی طرف نظر کی جا سکتی ہے اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کا چہرہ دیکھنا منع ہوگا اس لیے کہ عورت کی اصل خوبصورتی اس کے چہرہ میں ہے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "عورت کی طرف دیکھنے کی حرمت فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہے اور عورت کے اکثر محاسن اس کے چہرہ ہی میں ہوتے ہیں، اس لیے دوسرے اعضاء کی طرف دیکھنے کے مقابلے میں چہرہ کی طرف دیکھنے میں فتنہ کا خوف

زیادہ ہے۔"(۵۵)

اور اگر فتنہ کا خوف نہیں ہے تو پھر عورت کی طرف دیکھنا بھی حرام نہیں ہے۔ مگر چونکہ اس زمانے میں بے راہ روی اور عریانی، فحاشی کا سیلاب نہایت تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے اور اس شرط کا موجودہ زمانہ میں پایا جانا مشکل ہے اس لیے متاخرین حنفیہ (۵۶) نے مطلقاً عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے۔

امام حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اگر شہوت کا خوف ہو یا شہوت کا شک ہو تو اس صورت میں عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔ پس نظر کا حلال ہونا مقید ہے شہوت نہ ہونے کے ساتھ وگرنہ حرام ہے۔ یہ حکم ان پہلے فقہاء کے زمانہ کا ہے اور جہاں تک ہمارے اس دور کا تعلق ہے، اس میں نوجوان عورت کی طرف نظر کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔"(۵۷)

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کے لیے عورت کی طرف بلا ضرورت دیکھنا جائز نہیں اور متقدمین حنفیہ کے نزدیک فتنہ سے امن میں ہونے کی صورت میں مرد کے لیے اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے مگر چونکہ مگر اب وہ حالات نہیں رہے، عریانی اور فحاشی بڑھتی جا رہی ہے اس لیے متاخرین حنفیہ کے نزدیک بلا ضرورت مرد کا اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں، چنانچہ اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرد کے لیے بلا ضرورت اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا نا جائز ہے۔ عورتوں کے لیے غض بصر کا حکم ☆ عورت دوسری عورتوں کا "ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ" کے ماسوا جسم دیکھ سکتی ہے۔(۵۸)

عورتوں کے مردوں کو دیکھنے کی چار صورتیں ہیں جن میں سے تین بالاتفاق جائز ہیں اور چوتھی میں اختلاف ہے۔ ☆ عورت اپنے شوہر کا وہ تمام بدن دیکھ سکتی ہے جو مرد اپنی بیوی کا دیکھ سکتا ہے۔ ☆ عورت اپنے محرم مردوں کا "ستر" کے ماسوا تمام جسم دیکھ سکتی ہے۔(۵۹) ☆ عورت کے لیے پیغام نکاح دینے والے مرد کو نکاح سے پہلے دیکھنا جائز ہے۔(۶۰)

☆ اجنبی مرد کی طرف نظر کرنے کا مسئلہ اختلافی ہے۔ اس مسئلہ میں تو تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ "شہوت" کے ساتھ عورت کا مرد کو دیکھنا حرام ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: واما نظر المراة الى وجه الرجل الاجنبى فان كان بشهوة فحرام بالاتفاق (۶۱) "اور بہر حال عورت کا اجنبی مرد کے چہرے کو دیکھنا اگر شہوت سے ہو تو بالاتفاق یہ دیکھنا حرام ہے۔" لیکن اگر عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا بلا شہوت ہو تو اس بارے میں جمہور فقہاء اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور کا موقف جمہور کے نزدیک عورت کے لیے اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے جبکہ شوافع کے نزدیک حرام ہے۔ ائمہ کا تفصیلی موقف درج ذیل ہے۔

حنفیہ کا موقف:

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "عورت کے لیے اجنبی مرد کے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک نظر کرنا حلال نہیں اور اس کے ماسوا کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"(۶۲)

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اسی طرح عورت دیکھتی ہے مرد کو جیسا کہ مرد کا مرد کی طرف نظر کرنا ہے اگر عورت شہوت

سے امن میں ہو، پس اگر عورت شہوت سے امن میں نہ ہو یا عورت کا مرد کی طرف نظر کرنے سے فتنہ کا خوف ہو یا شک ہو تو پھر عورت کا مرد کو دیکھنا حرام ہے۔" (۶۳)

مالکیہ کا مؤقف:

قاضی ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی (م۔ ۴۷۴ھ) لکھتے ہیں: "عورتوں کے لیے مرد کی طرف نظر کرنے میں کوئی حرج نہیں، ان عمومی حالات میں جن میں وہ مرد بیٹھا ہوا ہے اور لوگوں کے درمیان کام کاج کر رہا ہے۔" (۶۴)

علامہ ابن رشد الجد لکھتے ہیں: "عورت کے لیے جائز ہے، اجنبی مرد کے ان اعضاء کی طرف دیکھنا جو آدمی اپنی محرم عورت کے دیکھ سکتا ہے۔" (۶۵)

حنابلہ کا مؤقف:

حنابلہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں: شیخ الاسلام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "عورت کا مرد کی طرف دیکھنے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق عورت پر مرد کے بدن کا وہ حصہ دیکھنا حرام ہے جو مرد کے لیے عورت کا دیکھنا حرام ہے، اور دوسری روایت کے مطابق عورت کا "ستر" کے ماسوا دیکھنا جائز ہے"۔ (۶۶) اور اسی روایت کو ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے۔ (۶۷)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۲۵۶ھ) کا رجحان بھی جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا: باب نظر المراۃ الی الحبش ونحوھم من غیر ریبۃ (۶۸) "شکوک وشبہات نہ ہونے کی صورت میں عورت کا حبشیوں وغیرہ کا کھیل دیکھنے کا بیان۔" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ذکر کی جس میں ان کا حبشیوں کے کھیل کو دیکھنے کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "امام بخاری کے اس ترجمۃ الباب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اس طرف گئے ہیں کہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف نظر کرنا جائز ہے لیکن مرد کا اجنبی عورت کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے۔" (۶۹)

اجماع کا قول:

امام ابن قتیبہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۲۷۶ھ) نے عورتوں کے مردوں کی طرف نظر کے جواز کے بارے میں اجماع کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "اور لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں کے لیے مردوں کی طرف دیکھنا حرام نہیں ہے جبکہ وہ خود پردے میں ہوں۔" (۷۰)

"حافظ ابن قطان اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا عورت کا مرد کے چہرہ کی طرف نظر کرنے کے جواز کے بارے میں کسی نے اختلاف کیا اور جبکہ عورت کا وہ دیکھنا نہ لذت کے ارادہ سے ہو اور نہ ہی فتنہ کا خوف ہو۔" (۷۱) معلوم ہوا جمہور فقہاء کے نزدیک عورت کے لیے فتنہ کے خوف کے بغیر مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

جمہور فقہاء کے دلائل:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''حجۃ الوداع کے سال قبیلہ خشعم کی ایک عورت آئی اور عرض کیا یا سول اللہ ﷺ میرے باپ پر حج اس حال میں فرض ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور سواری پر سیدھا نہیں بیٹھ سکتا اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو کیا حج ادا ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فضل اُس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت فضل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنے لگی پس نبی کریم ﷺ نے فضل کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا۔'' (۷۲) ترمذی کی روایت میں ہے: ☆ ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے اپنے چچازاد بھائی کی گردن کیوں پھیر دی، آپ ﷺ نے فرمایا میں نے جوان مرد اور عورت کو دیکھا تو میں ان پر شیطان سے بے خوف نہیں ہوا۔'' (۷۳) آپ نے اس عورت کا چہرہ نہیں پھیرا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے مرد کو دیکھنا جائز ہے۔

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (م۔۸۵۵ھ) لکھتے ہیں: ''امام داودی نے کہا اس حدیث میں احتمال ہے کہ عورتوں کے لیے مردوں کے چہروں سے نگاہ نیچی کرنا واجب نہیں ہے۔'' (۷۴) ☆ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو جب ان کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو آپ ﷺ نے ان کو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا وہ فرماتی ہیں: '' آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ام شریک کے ہاں عدت گزاروں لیکن پھر آپ نے فرمایا ام شریک کے ہاں تو مہاجرین کا آنا جانا ہے تم ابن مکتوم کے گھر عدت گزارو۔ کیونکہ اگر وہاں تمہیں کپڑے وغیرہ اتارنے پڑ جائیں تو تمہیں دیکھنے والا کوئی نہیں''۔ (۷۵) یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے لیے مرد کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''پس اگر عورت کا مرد کی طرف نظر کرنے کا حکم ایسا نہ ہوتا جیسا کہ مرد کے لیے اپنی ذی محرم عورتوں کو دیکھنا تو نبی کریم ﷺ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے لیے ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس عدت گزارنے کو جائز قرار نہ دیتے اور یہ بات بالکل واضح ہے۔'' (٦٧) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: (رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ یلعبون فی المسجد حتی اکون انا التی اسام فاقدرو اقدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو) (۷۷) ''میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے اپنی چادر سے میرے سامنے پردہ کر دیا اور میں حبشیوں کو مسجد میں کھیلتے ہوئے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ خود ہی تھک کر ہٹ گئی۔ تم خود ہی اندازہ کر لو کہ کم سن اور کھیل کود کی شوقین لڑکی کتنی دیر تک کھڑی رہ سکتی ہے''۔ معلوم ہوا کہ عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے مگر مرد کے لیے عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: ''حضور ﷺ عید کے خطبہ سے فارغ ہو کر عورتوں کی طرف گئے اور ان کو وعظ و نصیحت کی، بلال رضی اللہ عنہ ساتھ تھے آپ ﷺ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔'' (۷۸) اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ کرو کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں، عورتوں کے درمیان سے ایک سرخی مائل سیاہ رخساروں والی عورت نے کھڑے ہو کر عرض کیا کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا: کیونکہ تم شکوہ اور شوہر کی ناشکری زیادہ کرتی ہو، حضرت جابر فرماتے ہیں وہ اپنے

زیوروں کو صدقہ کرنا شروع ہوگئیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔"(۷۹)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا جب عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سنتی تھیں یقینی بات ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی ہوں گی اور جس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں وہ زیورات ڈال رہی تھیں تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر بھی نظر پڑتی ہوگی چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ عورتوں کے لیے مردوں کی طرف نظر کرنے کی گنجائش ہے۔

شوافع کا موقف:

امام ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بلا ضرورت اجنبیہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ اجنبی مرد کو دیکھے۔"(۸۰) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "عورت کے لیے اجنبی مرد کی طرف دیکھنا حرام ہے جیسا کہ مرد کے لیے اجنبیہ کی طرف دیکھنا حرام ہے۔"(۸۱)

اور دوسری جگہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اگر عورت کا اجنبی مرد کے چہرہ کو دیکھنا بغیر شہوت اور فتنہ کے خوف کے ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں ایک جواز اور دوسرا عدم جواز کا لیکن ہمارے اصحاب نے "حرمت" والے قول کو اصح قرار دیا ہے۔"(۸۲)

شوافع کے دلائل:

آیت کریمہ: {وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ} (۸۳) ☆حدیث مبارکہ: حضرت نبہان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: "حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا صحابی) داخل ہوئے اور یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے پردہ کرو، میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ یہ پہچانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم بھی اسے نہیں دیکھ سکتیں"۔(۸۴)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "حسن صحیح" قرار دیا ہے۔ قیاس: جس طرح مرد عورت کی طرف دیکھنے سے فتنہ میں مبتلا ہو سکتا ہے ویسے ہی عورت بھی مرد کی طرف دیکھنے سے فتنہ میں مبتلا ہو سکتی ہے اس لیے جب فتنہ مشترک ہے تو عورت کے لیے بلا ضرورت اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز نہ ہوگا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ولان الفتنة مشتركة وكما يخاف الافتتان بها تخاف الافتتان به(۸۵) "اور اس لیے کہ فتنہ مشترک ہے جیسا مرد کے لیے عورت کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہے ویسے ہی عورت کے لیے مرد کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہے۔" مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے شوافع نے "حرمت" کا قول اختیار کیا ہے۔(۸۶)

تسامح:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ام سلمہ نقل کرتے ہوئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا ہے۔(۸۷) اور سنن ترمذی کا حوالہ دیا ہے جبکہ سنن ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت میمونہ رضی

اللہ عنہ کا ذکر ہے جیسا کہ اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ اور اسی طرح دیگر کتب میں مذکور ہے۔ (۸۸) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سے تسامح ہو گیا ہو۔ اس لیے کہ خود امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں دوسرے مقام پر جب اس حدیث کو ذکر کیا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ (۸۹)

اور امام ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شوافع کی طرف سے مذکورہ بالا دلائل پیش کیے ہیں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا ہے۔ (۹۰) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب: چونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے مفہوم میں واضح ہیں اور جمہور کے وزنی دلائل میں شامل ہیں اس لیے امام نووی رضی اللہ عنہ نے ان کے جوابات دیئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔ ☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نظر، حبشیوں کے چہروں اور جسموں کی طرف نہیں تھی بلکہ وہ ان کے کھیل کو دیکھ رہی تھیں اور ایسا کوئی کھیل کھیلا جا رہا ہو تو مردوں کے جسموں کی طرف نظر کیے بغیر کھیل دیکھنا جائز ہے اور اگر بلا مقصد مردوں کے جسم پر نظر پڑ جائے تو فوری نظر کو پھیر لیا جائے۔ ☆ شاید کہ یہ واقعہ اجنبی کی طرف "حرمت نظر" کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہو۔ ☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بلوغت سے پہلے کا واقعہ ہے اور نابالغ احکام شرع کا مکلف نہیں ہوتا۔ (۹۱)

حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا جواب:

حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بھی شوافع کے موقف کے برعکس ہے امام نووی رضی اللہ عنہ نے اس کا بھی جواب دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو جو حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا تھا اس میں انہیں ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ غض بصر والے حکم کی پابند تھیں اور انہیں وہاں عدت گزارنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا وہاں پر لوگوں کی زیادہ آمد و رفت نہیں تھی وہ بغیر کسی دشواری کے نظر کی حفاظت کر سکتی تھیں اور وہ خود بھی دوسرے لوگوں کی نظروں سے محفوظ تھیں جبکہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر لوگوں کا کثرت سے آنا جانا تھا اس لیے انہیں ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا گیا۔ (۹۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ جوابات کا جائزہ:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو پہلا جواب دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نظر ان حبشیوں کے کھیل کی طرف تھی ان کے جسم کی طرف نہیں تھی۔ حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ نیز یہ ممکن نہیں ہے کہ کھیلنے والے کے "کھیل" کو تو دیکھا جائے لیکن ان کے "جسم" کو نہ دیکھا جائے یا اس پر نظر نہ پڑے۔ اس لیے یہ جواب تو کافی وشافی نہیں ہے۔

شیخ البانی لکھتے ہیں: "معزز قاری کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس جواب کا تصور کرے تا کہ اس کے لیے اس کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے۔ اس لیے کہ یہ ممکن نہیں ہے نظر اور کھیل دکھیلنے کے درمیان فاصلہ کرنا۔ پس اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گمان میں کھیل کو دیکھ رہی تھیں نہ کہ کھیلنے والوں کو تو نصوص بے کار ہو جائیں گی۔ اور اگر وہ یہ کہتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے "ستر" کی طرف نہیں دیکھتی تھیں یا مشکوک نظر کے ساتھ یا فتنہ کے خوف سے نہیں دیکھتی تھیں تو یہ درست تھا۔" (۹۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے اور تیسرے جواب کا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بعض طرق میں ولما قدم وفد الحبشۃ (۹۴) کے الفاظ آرہے ہیں۔ یعنی حبشیوں کا ایک وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا اور وہ لوگ یہ کھیل مسجد میں پیش کر رہے تھے۔ جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا اور وہ وفد ۷ھ میں آیا تھا تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سولہ سال تھی۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالغہ تھیں اور یہ واقعہ ''احکام حجاب'' کے بعد کا ہے۔'' (۹۵) اور نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ میں پردے کی حالت میں ان کو دیکھ رہی تھی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ احکام حجاب کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے۔

باقی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے جواب میں یہ کہنا کہ ''ان کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کے حکم میں ان کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔'' اس بات کی تو حدیث مبارکہ میں صراحت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ عورت کے لیے مرد کی طرف نظر کرنے کی گنجائش ہے اس لیے ان کو وہاں عدت گزارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ حقائق کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ بات بہت ہی مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر رہ رہی ہوں اور ان کی حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ پر نظر نہ پڑی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام شریک رضی اللہ عنہ کے گھر انہیں عدت گزارنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ وہاں پر لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ اور ان کی نظریں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر ایسی صورتحال نہیں تھی اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کپڑے وغیرہ اتارنے پڑ جائیں تو کوئی دیکھنے والا نہیں ہوگا۔ اس سے تو بالکل واضح معلوم ہو رہا ہے کہ اگر عورتوں کے لیے مردوں کی طرف نظر کرنا جائز نہ ہوتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم نہ دیتے۔ معلوم ہوا عورتوں کے لیے مردوں کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔

شوافع کے دلائل کے جوابات:

آیت کریمہ ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ کی توجیہات: جو عورتوں کو جو غض بصر کا حکم دیا گیا ہے وہ مردوں کے غض بصر والے حکم سے مختلف ہے۔ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اور تحقیق یہ بات کہی گئی کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ مرد کی طرف دیکھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وقل للمومنت يغضضن من ابصارهن﴾ کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ﴿وقل للمومنين يغضوا من ابصارهم﴾ اور یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ عورتوں کے لیے تو حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے بیان کر دیا کہ یہ حکم مردوں سے مختلف ہے۔'' (۹۶) یعنی حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا آیت کریمہ کے لیے ''مخصص'' ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: ''ہم نے کہا اس حدیث (فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا) سے بعض علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد کو دیکھے لیکن مرد کے لیے عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے مثلاً سر، کان وغیرہ اور بہر حال ''ستر'' کا

دیکھنا جائز نہیں ہے۔ پس یہ حدیث آیت کریمہ {وقل للمومنت یغضضن من ابصارھن} کے عموم کی تخصیص کرنے والی ہے اور "من" کا کلمہ "تبعیض" کے لیے ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں ہے۔" (۹۷) ☆ آیت کریمہ میں کلمہ "من" تبعیض کے لیے ہے۔

ابو عبداللہ مصطفی المصری لکھتے ہیں: "اور بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: {وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن} میں کلمہ "من" کو تبعیض کے لیے قرار دیا ہے۔ اور {وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن} کا مطلب یغضضن بعض ابصارھن، یعنی کچھ نظروں کو جھکائے، اس لیے کہ عورت کے لیے بہت سی چیزوں کو دیکھنے کی اجازت ہے، بلکہ شوہر کو دیکھنا مستحب ہے تاکہ اس کا نفس پاک دامن ہو جائے۔ اور جب فتنہ کا خوف نہ ہو تو محرم مردوں کو دیکھنا جائز ہے بلکہ عام طور پر مردوں کو بھی دیکھنا جائز ہے۔ اور اگر ان کی طرف نظر کرنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر بالکل دیکھنا ممنوع ہوگا۔" (۹۸)

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ آیت کریمہ میں "غض بصر" سے مراد عورتیں "اعضائے مستورہ" سے نظریں نیچی رکھیں۔ قاضی ابوالولید سلمان بن خلف الباجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "پس یہ احتمال ہے کہ اس حکم سے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے ہوں اعضائے مستورہ سے نظروں کے جھکانے کا۔" (۹۹)

آیت کریمہ میں "غض بصر" کا حکم اس صورت میں ہے جب وہ نگاہ لذت سے بھرپور ہو۔ قاضی ابوالید الباجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "پس یہ احتمال ہے کہ اس حکم سے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے ہوں کہ عورت اپنی آنکھوں کو جھکا لے، اجنبی مرد کی طرف اس خاص نظر سے جو لذت والی ہو۔" (۱۰۰)

مذکورہ بالا توجیہات سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے "غض بصر" کا حکم مطلقاً نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں نظریں جھکانے کا حکم ہے۔ جب وہ نظر اعضائے مستورہ کی طرف ہو یا لذت سے ڈالی جا رہی ہو۔ کچھ صورتیں اس میں سے مستثنیٰ ہیں مثلاً مباح اشیاء کو دیکھنا یا اپنے شوہر اور محرم رشتہ داروں کو دیکھنا عورت کے لیے جائز ہے۔ لہٰذا حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت کا مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے کہ عورتوں کے لیے "شہوت" سے بے خوف ہونے کی صورت میں اجنبی مردوں کی طرف نظر کرنے کی گنجائش ہے اور اگر "شہوت" کا اندیشہ ہو تو پھر یہ گنجائش باقی نہ رہے گی۔

حدیث نبہان رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:

شوافع کی پیش کردہ حدیث نبہان عورتوں کے لیے اجنبی مردوں کی طرف نظر کرنے کے بارے میں عدم جواز پر دلالت کر رہی ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے جواز معلوم ہو رہا ہے۔ روایات میں بظاہر تعارض پیش آ رہا ہے۔

رفع تعارض:

امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ (م۔۴۴۹ھ) نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو اصح قرار دے کر تعارض ختم کیا ہے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ حدیث نبہان کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الصحیح" میں ذکر نہیں کیا بلکہ حدیث عائشہ کو نقل کیا

ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غرض حدیث نبہان کا رد کرنا ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث نبہان سے اصح ہے اس لیے کہ نبہان علم حدیث کے نقل کرنے میں معروف نہیں ہے۔ چنانچہ نبہان کی حدیث، احادیث صحیحہ اور اجماع علماء کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔(۱۰۱)

شیخ الاسلام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے رفع تعارض کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ بصورت ترجیح: حدیث نبہان رضی اللہ عنہ ضعیف ہے۔ اس لیے کہ حدیث نبہان کے ضعف کی طرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔ اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرنے والے راوی نبہان کو مجہول قرار دیا ہے۔ جبکہ حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا صحیح ہے لہٰذا صحیح حدیث کو دلیل بنایا جائے۔

بصورت تطبیق:

اگر سند سے قطع نظر کر لی جائے تو پھر یہ احتمال ہے کہ حدیث نبہان ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد نے کہا ہے۔

اثرم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) سے کہا حدیث نبہان ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے اور حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا تمام عورتوں کے لیے ہے۔؟(۱۰۲) انہوں نے کہا ہاں۔

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ درج ذیل جوابات ذکر کیے ہیں جن سے تعارض ختم ہو سکتا ہے۔ ☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صغیرہ تھیں۔ ☆ حبشیوں کا یہ کھیل عید کے دن تھا جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں اور یوم عید کو رخصت ہے، جو کہ غیر عید کو نہیں ہے۔ ☆ کھیل پیش کرنے والے حبشی چھوٹے بچے تھے جو کہ نابالغ تھے۔ ☆ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ناسخ ہے۔ ☆ نابینا سے پردہ کا حکم یہ ازواج مطہرات کی حرمت اور عظمت کی وجہ سے ان کے ساتھ خاص ہے۔(۱۰۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ام سلمہ رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو جمع کر کے بصورت احتمال دو توجیہات کی ہیں اور یہی توجیہات امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کی ہیں اور ان کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

☆ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے کی ہو اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بعد کی ہو۔ ☆ ازواج مطہرات کو حضرت ابن مکتوم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نظر کرنے سے اس لیے منع کیا ہو کہ وہ نابینا صحابی تھے عین ممکن ہے کہ ان کے جسم کا کوئی ایسا حصہ کھلا ہوا ہو جس کی طرف نظر کرنا جائز نہ ہو اور وہ اس بات سے بے خبر ہوں۔(۱۰۴)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۰۱۴ھ) نے ایک لطیف توجیہ کی ہے۔ U حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے عورتوں کا مردوں کی طرف نظر کرنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے اور حدیث ام سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ورع اور تقویٰ پر محمول ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اصح بات یہی ہے کہ عورت کا مرد کی طرف ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے بلاشہوت نظر کرنا جائز ہے۔ اور یہ حدیث ام سلمہ ورع اور تقویٰ محمول ہے۔''(۱۰۵)

امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ جواب کا جائزہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں نقل نہ کرنا قطعاً اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حدیث غیر صحیح ہے اس لیے کہ حدیث کی صحت کا معیار اس کے بخاری یا مسلم میں مذکور ہونے پر نہیں بلکہ اس کی سند پر ہے۔ چنانچہ عین ممکن ہے کہ کوئی حدیث صحیح ہو مگر بخاری و مسلم میں موجود نہ ہو۔ لہٰذا یہ کہنا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذکر کرنے سے غرض حدیث نبہان پر رد کرنا ہے۔ محض اس احتمال سے کسی حدیث کو ضعیف نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جہاں تک ہے ان کا یہ اعتراض کہ "لان نبہان لیس بمعروف بنقل العلم" یہ بھی وزنی نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبہان علم حدیث کے نقل کرنے میں محدثین کی جماعت کے نزدیک معروف ہے۔ جن میں امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں اور انہوں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

جبکہ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن عبدالرحمن جو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان سے روایت کر رہے ہیں۔ لہٰذا نبہان کی روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ (۱۰۶)

شیخ الاسلام ابن قدامہ رضی اللہ عنہ کے جوابات کا جائزہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث نبہان کو ضعیف قرار دینا "محل نظر" ہے۔ اس لیے کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے قوی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۱۰۷)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے بلکہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے نبہان کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ (۱۰۸)

اور اس حدیث پر ضعف کی یہ علت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام نبہان سے امام مسلم بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اکیلے روایت نقل کی ہے یہ کوئی ایسی علت نہیں ہے جس کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا {افعمیاوان انتما} حدیث مشہور ہے اور اس حدیث کو اصحاب سنن نے زہری سے روایت کیا ہے جو کہ نبہان مولی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر رہا ہے اور اس حدیث کی سند قوی ہے اور اکثر اس حدیث پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ کہ زہری اکیلا نبہان سے روایت کر رہا ہے اور یہ کوئی ایسی علت نہیں جو استدلال سے مانع ہو، اس لیے کہ جس کو زہری پہچانتا ہے اور اس کی حالت بیان کر رہا ہے کہ وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مکاتب ہے اور اس پر کسی ایک امام نے جرح بھی نہیں کی ہے اس کی روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔" (۱۰۹)

معلوم ہوا حدیث نبہان ضعیف نہیں ہے۔ باقی ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ دوسرا جواب قابل اعتماد ہے۔ امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات کا جائزہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ پہلا جواب درحقیقت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی پیش کردہ جواب ہے جس کی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تردید کی ہے کما مر دوسرا اور تیسرا جواب محض ایک احتمال ہے جس پر استدلال کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ تاوقتیکہ کوئی اور دلیل نہ پائی جائے جو اس احتمال کو تقویت دے۔ چوتھا جواب بھی "محل نظر" ہے اس لیے کہ جب تک "نسخ" کو جاننے کے لیے چار صورتوں میں کوئی صورت نہ پائی جائے تب تک "نسخ" کا قول نہیں کیا جاسکتا۔ (۱۱۰)

اور یہاں پر ان میں سے کوئی بھی صورت نہیں ہے۔ البتہ پانچواں جواب قابل اعتماد ہے۔ امام ابوداؤد (م۔۲۷۵ھ) کا رجحان بھی اس طرف ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا جس میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد کا ذکر ہے نقل کر کے لکھا ہے۔ "یہ حکم ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے اور اس کی دلیل یہ ہے حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس عدت گزارنے کا حکم دیا کہ اگر تم اپنے کپڑے بھی اتار دو گی (تو کسی قسم کا کوئی حرج نہیں ہے) اس لیے کہ وہ ایک نابینا شخص ہے۔" (۱۱۱)

امام ابوداؤد کا دعویٰ "تخصیص" کرنا بادلیل ہے۔ اس لیے کہ اگر نابینا سے پردہ تمام عورتوں کے لیے ہوتا تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م۔۲۴۱ھ) نے بھی حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ازواج مطہرات کے ساتھ خاص قرار دیا ہے اور حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو عام عورتوں کے لیے قرار دیا ہے۔ (۱۱۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اس طریقے پر جمع کرنے کو "حسن" کہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے دلیل پکڑتے ہوئے کہا یہ حکم ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے۔ میں کہتا ہوں یہ دونوں حدیثوں کے درمیان اچھی جمع ہے۔" (۱۱۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہات کا جائزہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ توجیہات نہایت عمدہ ہیں جس سے تعارض باقی نہیں رہتا۔ کہ اگر حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہلے کا واقعہ تسلیم کر لیا جائے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو بعد کا واقعہ قرار دیا جائے تو تعارض ختم ہو جائے گا۔ اور اگر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہلے کا اور حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بعد کا تسلیم کیا جائے تو بھی عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنے کا "جواز" باقی ہے اس لیے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ان کو ابن ام مکتوم رحمۃ اللہ علیہ سے جو پردہ کا حکم دیا گیا تھا عین ممکن ہے کہ حضرت ابن مکتوم رحمۃ اللہ علیہ کے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہو جس کی طرف نظر کرنا جائز نہ ہو۔

اس لیے آپ ﷺ نے ان کو پردہ کا حکم دیا ہو۔ **ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ کا جائزہ:** ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ بھی نہایت عمدہ ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے عورتوں کے لیے مردوں کی طرف نظر کرنے کا جواز ثابت ہو رہا ہے اور حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا ورع اور تقویٰ پر محمول ہے۔ **شوافع کے قیاس کا جواب:** شوافع کا یہ قیاس نصوص کے مقابلہ میں واقع ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے اس لیے کہ پیچھے روایت گزر گئی جس میں حضور ﷺ کا عورتوں کو وعظ و نصیحت کرنے کا ذکر تھا۔ یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ وہ آپ ﷺ کا وعظ سنتی ہوں اور آپ ﷺ کی طرف نہ دیکھتی ہوں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں زیورات ڈالتی جا رہی ہوں مگر ان پر نظر نہ پڑ رہی ہو۔ اسی طرح حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اور حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوا ہے کہ عورت کے لیے مرد کی طرف دیکھنے کا حکم مرد کے عورت کی طرف دیکھنے کے حکم سے برعکس ہے نیز عورتوں کے

لیے گھروں سے کام کاج کے سلسلہ میں نکلنا مجبوری ہے۔ اور شریعت اسلامیہ نے عورتوں کو نقاب وحجاب میں باہر نکلنے کا حکم دیا ہے۔ مگر مردوں کو نقاب کرنے کا حکم نہیں دیا اس لیے حالت اضطرار کی وجہ سے مرد وعورت کے درمیان ''غض بصر'' کے اس حکم میں فرق کیا گیا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ہم یہ نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے ستر ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے لیے ستر ہے۔ بلکہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ نابالغ بچے کا چہرہ مرد کے لیے ہے اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کا مرد کی طرف دیکھنا حرام ہوگا اور اگر فتنہ نہ ہو تو پھر دیکھنا جائز ہے۔ اس لیے کہ ہمیشہ سے یہ طریقہ کار چلا آرہا ہے کہ مرد ہر زمانے میں کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلتے ہیں۔ جب کہ عورتیں نقاب پہن کر باہر نکلتی ہیں اگر مرد بھی اس حکم میں ان کے برابر ہوتے تو ان کو بھی نقاب پہننے کا حکم دیا جاتا، یا عورتوں کو گھروں سے نکلنے سے منع کر دیا جاتا۔'' (۱۱۴)

شیخ الاسلام ابن قدامہ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: ''اگر عورتوں کے لیے مردوں کی طرف نظر کرنا منع ہوتا تو مردوں پر پردہ کرنا واجب ہوتا جیسا کہ عورتوں پر واجب ہے تاکہ وہ مردوں کی طرف نہ دیکھ سکیں۔'' (۱۱۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''عورتوں کا مردوں کی طرف نظر کرنے کے جواز کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہمیشہ اس بات پر عمل ہوتا رہا ہے کہ عورتیں گھروں سے نکلتے وقت مساجد، بازار اور دوران سفر نقاب کر کے نکلا کرتی ہیں تاکہ اجنبی مردان کو نہ دیکھ سکیں لیکن کبھی مردوں کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی نقاب پہن کے نکلا کریں تاکہ عورتیں ان کو نہ دیکھ سکیں۔ یہ طریقہ کار بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرد وعورت کو جو ''غض بصر'' کا حکم دیا گیا ہے اس میں فرق ہے۔ (۱۱۶)

ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''عورتوں کا مردوں کی طرف نظر کرنے کے جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عورتیں حضور ﷺ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتی تھیں اور یقیناً ان کی نظر مردوں پر بھی پڑتی ہوگی اور اگر ان کے لیے مردوں کو دیکھنا جائز نہ ہوتا تو انہیں مسجد اور عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم نہ دیا جاتا، اور تحقیق عورتوں کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا اور مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔'' (۱۱۷)

معلوم ہوا عورتوں کے لیے مردوں کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ خلاصہ بحث اہل علم کی اس بحث سے درج ذیل پہلو سامنے آئے۔ ☆ مردوں کا اجنبیات عورتوں کی طرف بلا ضرورت دیکھنا ناجائز ہے۔

☆ عورتوں کا مردوں کو دیکھنا ''شہوت'' سے ہو تو بالاتفاق یہ حرام ہے۔ اگر بغیر ''شہوت'' کے ہو تو شوافع کے نزدیک پھر بھی دیکھنا حرام ہے۔

☆ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ''بلا شہوت'' عورت کا مرد کو دیکھنا بوجہ ضرورت جائز ہے۔ ورنہ نہیں اور یہی قول حالات وزمانہ کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ اس لیے کہ عصر حاضر میں علوم وفنون اور بالخصوص طبی علوم کی تحصیل اور دیگر ضروریات کے سلسلے میں عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ اگر ان کا مردوں کی طرف دیکھنے کو اسی طرح حرام قرار دیا جائے جس طرح مردوں کا عورتوں کو دیکھنا حرام ہے۔ تو ان کے لیے حرج ہوگا کہ مردوں کے لیے حجاب ونقاب کے ساتھ باہر نکلنے کا حکم نہیں ہے۔

سوسائٹی اور معاشرہ میں قدم بقدم مرد حضرات سے سامنا ہوتا رہتا ہے اور ان کو دیکھنے سے حرام کا ارتکاب کر کے وہ گناہگار ہو رہی ہیں۔ ''عموم بلویٰ'' کی وجہ سے عورتوں کا مردوں کی طرف نظر کرنے کو علی الاطلاق حرام قرار دینا محل نظر ہے۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح حج وعمرہ دیگر کاموں کے سلسلہ میں وہ گھروں سے باہر نکلتی تھیں یقیناً اجنبی مردوں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان پر نظر پڑتی ہوگی۔ اور اگر یہ جائز نہ ہوتا تو پھر مردوں کے لیے بھی ''نقاب'' کا حکم ہوتا یا عورتوں کے گھروں سے نکلنے پر پابندی ہوتی۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ میں اس قسم کے احکام نہیں ہیں۔ لہٰذا بلاضرورت عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھنا خلاف اولیٰ قرار دینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ گو ان کے لیے افضل اور بہتر یہی ہے کہ وہ بلاضرورت اجنبی مردوں کو نہ دیکھیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا منع ہے۔ اور رہی علت اباحت تو اباحت بقدر اباحت ہی مشروع ہوتی ہے۔ اور یہی ہمارا موقف ہے کیونکہ فتنہ دونوں اجانب سے ہوتا ہے لہٰذا کسی کی تخصیص نہیں البتہ عورتوں کے لیے حجات کا حکم گھر میں رہنے کے سبب بناء بر اصل اور مردوں کے لیے عدم حجاب کا حکم بناء بر عموم بلوئی اور دنیاوی امور و کاموں کے سبب سے ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

حواشی وحوالہ جات:

(۱) القرآن، النور: ۳۰ (۲) القرآن، النور: ۳۱ (۳) القرآن، آل عمران: ۳۱ (۴) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع، الصحیح، بیروت دار ابن کثیر الیمامہ، ۱۴۰۷ھ، جلد ۵، صفحہ ۲۳۰۴ (۵) مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، جلد ۴، صفحہ ۱۷۰۴، ۲۳۰۴ (۶) المنذری، عبد العظیم، الترغیب والترہیب، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۷ جلد ۳ صفحہ ۲۳ (۷) ابن قیم الجوزیہ، الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی دار المعرفت، ۱۴۱۸ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ (۸) عبداللہ بن محمود الموصلی الحنفی، الاختیار تعلیل المختار، قاہرہ، مطبعہ الحلبی، ۱۳۵۶ھ، جلد ۴، صفحہ ۱۵۴ الغزالی، محمد بن محمد، ابوحامد، الوسیط فی المذہب، قاہرہ دار السلام، ۱۴۱۷ھ، جلد ۵، صفحہ ۲۹ (۹) شامی، ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار (حاشیہ ابن عابدین) بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر، جلد ۶، ۳۷۱ (۱۰) برہان الدین محمود بن احمد، المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ، جلد نمبر ۵، صفحہ ۳۳۱، ۳۳۲ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، جلد ۷ صفحہ ۱۰۳، ۱۰۲ الخطیب الشربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ جلد ۴، صفحہ ۲۱۴، ۲۱۷ الغزالی، الوسیط فی المذہب، جلد ۵، صفحہ ۳۱، ۳۲ ابن جزی کلبی، محمد بن احمد، القوانین الفقہیہ، ناشر نا معلوم، س ن، جلد ۱، صفحہ ۲۹۴ محمد بن محمد الطرابلسی، المالکی، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ جلد ۳ صفحہ ۴۰۶ (۱۱) الکاسانی، علاء الدین، البدائع والصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء، جلد ۵ صفحہ ۱۲۲ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۹۶ الطرابلسی، المالکی، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵ الشیرازی، ابراہیم بن علی، ابو اسحاق، المہذب فی فقہ الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، س ن، جلد ۲، صفحہ ۴۲۴ (۱۲) النووی، شرح صحیح مسلم، جلد ۹، صفحہ ۲۱۰ (۱۳) الرازی، محمد بن عمر بن حسین، ابو عبداللہ، تفسیر الفخر الرازی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ جلد ۲۳، صفحہ ۳۶۲ الطرابلسی، المالکی، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵ الحصکفی، علاء الدین، درمختار، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۶ھ جلد ۶، صفحہ ۳۷۰ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۱ (۱۴) الحصکفی، الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۳۷۰ الطرابلسی، المالکی، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵ الشیرازی، ابو اسحاق، المہذب، جلد ۲، صفحہ ۴۲۵ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۱ (۱۵) الرازی، مفاتیح الغیب، جلد ۲۳، صفحہ ۳۶۲ (۱۶) الکاسانی، البدائع والصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۲ (۱۷) النووی، شرح صحیح مسلم، جلد ۹، صفحہ ۲۱۰ (۱۸) درویش مصطفیٰ حسن، فصل الخطاب فی مسئلۃ الحجاب والنقاب، قاہرہ، دار الاعتصام، (س ن) صفحہ ۷۳ (۱۹) ایضاً، صفحہ ۷۳ (۲۰) شامی، الرد المحتار علی الدر المختار، جلد ۱، صفحہ ۴۰۷ (۲۱) ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۴۰۶ (۲۲) ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۴۰۷ (۲۳) ابن رشد الجد، محمد بن احمد، المقدمات

[illegible] دار الغرب الاسلامی، ۱۴۰۸ھ، جلد ۳، صفحہ ۳۲۰ (۲۴) ابن عربی، محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ، جلد ۳، صفحہ ۸۰ (۲۵) الشیرازی، ابو اسحاق، المہذب، جلد ۲، صفحہ ۳۲ (۲۶) الغزالی، الوسیط فی المذہب، جلد ۵ صفحہ ۳۲ (۲۷) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲ (۲۸) القرآن، النور: ۳۰ الشیرازی، ابو اسحاق، المہذب، جلد ۲، صفحہ ۴۲۵ ابن عربی، احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۷۹ ابن رشد، البیان والتحصیل، جلد ۱۸، صفحہ ۲۵۹ (۲۹) الشافعی، محمد بن ادریس، تفسیر الامام الشافعی، المملکۃ العربیہ السعودیہ، دار التدمریۃ، ۱۴۲۷ھ، جلد ۳ صفحہ ۱۱۳۷ (۳۰) القرآن، الاحزاب ۵۳ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابو محمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲ (۳۱) القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب المصریہ، ۱۳۸۴ھ، جلد ۱۴، صفحہ ۲۲۷ (۳۲) ابن عربی، احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۸۰ مسلم، الصحیح، جلد ۴ صفحہ ۲۰۴۷ (۳۳) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۲۰۱ ابن عربی، احکام القرآن، جلد ۳ صفحہ ۳۸۰ ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۲۳۶ ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، ریاض، مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ، جلد ۹، صفحہ ۳۹۷ (۳۴) الشیرازی، ابو اسحاق، المہذب، جلد ۲، صفحہ ۴۲۵ ابن رشد، البیان والتحصیل، جلد ۱۸، صفحہ ۵۵۹ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، مصر، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ، جلد ۳ صفحہ ۴۲۳ احمد بن حنبل، المسند، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ جلد ۲ صفحہ ۶ (۳۵) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ مسلم، جلد ۳ صفحہ ۱۶۹۹ (۳۶) ابوداؤد، السجستانی، سلیمان بن اشعث، بیروت، المکتبۃ العصریہ، جلد ۲، صفحہ ۲۲۸ ابن ماجہ، محمد بن یزید، دار احیاء الکتب العربیہ، جلد ۱، صفحہ ۶۰۰ (۳۷) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲ (۳۸) الوسیط فی المذہب، جلد ۵، صفحہ ۳۲ (۳۹) مفتی صاحب کا ''سائر الاحکام'' لکھنا تسامح ہے۔ اس لیے کہ خلوت صحیحہ تمام احکام میں وطی کے قائم مقام نہیں ہے، بلکہ بعض احکام میں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ (فتاویٰ ہندیہ، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۳۰۴) (۴۰) احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۶۸ (۴۱) خلوت صحیحہ سے مراد نکاح کے بعد مرد و عورت کی ایسی تنہائی کی ملاقات ہے جہاں پر وطی سے کوئی حسی، شرعی اور طبعی مانع نہ ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۳۰۴) (۴۲) ایسی خلوت صحیحہ جس میں مرد نے عورت سے وطی نہ کی تو اس عورت پر بعض احکام وہ لاگو ہوں گے جو ایسی عورت پر لاگو ہوتے ہیں جس کے ساتھ خلوت صحیحہ میں وطی ہو چکی ہو، اور بعض احکام لاگو نہیں ہوں گے۔ تفصیل دیکھیے (فتاویٰ ہندیہ جلد ۱، صفحہ ۳۰۶) (۴۳) الجصاص، ابوبکر، احکام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، جلد ۵، صفحہ ۱۷۳ (۴۴) الکاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۲ (۴۵) المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، جلد ۴، صفحہ ۳۶۸ (۴۶) القرآن، النور: ۳۰ (۴۷) القرآن، النور: ۳۱ (۴۸) الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۰ھ جلد ۱۹، صفحہ ۱۵۱ (۴۹) ابن ابی شیبہ، المصنف، جلد ۳، صفحہ ۵۳۶ (۵۰) الکاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲ (۵۱) السرخسی، محمد بن ابی سہل، المبسوط، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۱۴ھ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۳ (۵۲) ابوبکر احمد بن عمرو البزار، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، المدینۃ المنورۃ، المکتبہ العلوم والحکم، ۱۹۸۸ء، جلد ۵، صفحہ ۲۳۲ (۵۳) الکاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۲ (۵۴) السرخسی، المبسوط، جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۳ المرغینانی، الہدایہ، جلد ۴، صفحہ ۳۶۸ (۵۵) السرخسی، المبسوط جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۲ (۵۶) متقدمین سے مراد وہ حضرات جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پایا اور ان سے فیض حاصل کیا اور جنہوں نے ان ائمہ ثلاثہ کا زمانہ نہیں پایا وہ متاخرین کہلاتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل تیسری صدی کا شروع قرار دیا ہے۔ تیسری صدی ہجری سے پہلے تک علماء متقدمین اور تیسری صدی کے آغاز سے متاخرین کہلاتے ہیں (مشتاق علی شاہ، متعارف فقہ، گوجرانوالہ، مکتبہ حنفیہ، س ن، صفحہ نمبر ۶۳) (۵۷) الحصکفی، الدر المختار، جلد ۶ صفحہ ۳۷۰ (۵۸) کاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ الغزالی، الوسیط فی المذہب، جلد ۵ صفحہ نمبر ۳۰ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۵ (۵۹) الزحیلی، وھبۃ الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دمشق، دار الفکر، سوریہ، طبع رابع (س ن) جلد ۴ صفحہ ۲۰۳ (۶۰) شامی، الرد المحتار، جلد ۶ صفحہ ۳۷۰ المغربی، شمس الدین، ابو عبداللہ، محمد بن محمد، مواہب الجلیل لشرح مختصر الخلیل، دار عالم الکتب ۱۴۲۳ھ، جلد ۵ صفحہ ۲۲ الشیرازی، المہذب، جلد ۲، صفحہ ۴۴۲ ابن قدامہ، الکافی فقہ الامام المبجل احمد بن حنبل، ناشر (نامعلوم) (ت ن) جلد ۳ صفحہ ۳ (۶۱) النووی، یحییٰ بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ جلد ۶ صفحہ ۱۸۴ (۶۲) الکاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵ صفحہ ۱۲۲ (۶۳) الحصکفی درمختار، جلد ۶ صفحہ ۳۷۱ (۶۴) الباجی، ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی، المنتقی شرح الموطا، مصر، مطبعہ السعادۃ، ۱۳۳۲ھ جلد ۴ صفحہ ۱۰۵ (۶۵) ابن رشد، البیان والتحصیل والشرح والتوجیہ والتعلیل لمسائل المستخرجہ، بیروت، دار الغرب الاسلامی ۱۴۰۸ھ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۱ (۶۶) ابن

قدامہ، الکافی فقہ الامام المبجل، جلد ۳ صفحہ ۳۰ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۶ (۶۷) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۳۶۵، الکافی فی فقہ الامام المبجل احمد بن حنبل، جلد ۳ صفحہ ۳ (۶۸) البخاری، جلد ۷ صفحہ ۳۸ (۶۹) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۳۷۹ھ جلد ۹ صفحہ ۳۳۶ (۷۰) ابن قتیبہ دینوری، عبداللہ بن مسلم، تاویل مختلف الحدیث، المکتب الاسلامی، موسسۃ الاشراق، ۱۴۱۹ھ جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ (۷۱) ناصر الدین الالبانی، الرواء لمسلم، عمان، المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۴۲۱ جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ (۷۲) المظہری، محمد ثناء اللہ، التفسیر المظہری، پاکستان، مکتبۃ الرشدیہ ۱۴۱۲ھ، جلد ۲ صفحہ ۴۹۲ البخاری، الصحیح، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ جلد ۳ صفحہ ۱۸ (۷۳) المظہری، التفسیر المظہری، جلد ۶ صفحہ ۴۹۳ الترمذی، السنن، جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ (۷۴) العینی، بدر الدین، ابو محمد، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، جلد ۹ صفحہ ۱۲۵ (۷۵) المظہری، التفسیر المظہری، جلد ۶ صفحہ ۴۹۳ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۱۰۶ ابن رشد، البیان والتحصیل، جلد ۴ صفحہ ۳۵۵ مسلم، الصحیح، جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۴ الترمذی، السنن، جلد ۳ صفحہ ۴۳۳ (۷۶) ابن رشد، البیان والتحصیل، جلد ۴ صفحہ ۳۵۶ (۷۷) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ البخاری، الجامع الصحیح، جلد ۷ صفحہ ۳۸ (۷۸) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۱۰۶ البخاری، الجامع الصحیح، جلد ۲، صفحہ ۱۸ المسلم، الصحیح، جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ (۷۹) المسلم، الصحیح، جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ (۸۰) الشیرازی، المہذب، جلد ۲، صفحہ ۳۴ (۸۱) النووی، المنہاج، جلد ۱۰، صفحہ ۹۶ (۸۲) النووی، المنہاج، جلد ۶ صفحہ ۱۸۴ (۸۳) القرآن، النور: ۳۱ (۸۴) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ، الجامع، بیروت، دار احیاء التراث العربی جلد ۵ صفحہ ۱۰۲ (۸۵) النووی، المنہاج، جلد ۱۰، صفحہ ۹۶ (۸۶) ایضا، جلد ۶ صفحہ ۱۸۶ (۸۷) النووی، المنہاج جلد ۶ صفحہ ۱۸۶ (ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لام سلمۃ ومیمونۃ احتجبا عنہ ای من ابن ام مکتوم فقالتا انہ اعمی لا یبصرنا فقال صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الیس تبصرانہ وھو حدیث حسن رواہ الترمذی) (۸۸) اسی طرح سنن ابی داؤد (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث، بیروت، مکتبہ العصریہ، جلد ۴ صفحہ ۶۳) مسند احمد (امام احمد بن حنبل، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۱ھ، جلد ۴۴ صفحہ ۱۵۹) موارد الظمآن (الہیثمی، علی بن ابی بکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، جلد ۱، صفحہ ۳۰۵ صحیح ابن حبان (محمد بن حبان، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۷، مسند ابو یعلی (ابو یعلی، احمد بن علی الموصلی، دمشق، دار المامون للتراث ۱۴۰۴ھ جلد ۱۲ صفحہ ۳۵۳، میں بھی حضرت میمونہ کا ذکر ہے۔ (۸۹) النووی، المنہاج، جلد ۱۰ صفحہ ۹۸ (۹۰) الشیرازی، ابو اسحاق، المہذب، جلد ۲ صفحہ ۳۴ (۹۱) النووی، المنہاج، جلد ۶ صفحہ ۱۸۴ (۹۲) النووی، المنہاج، جلد ۱۰ صفحہ ۹۷ (۹۳) الالبانی، الرواء لمسلم، عمان، المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۴۲۱ھ جلد ۱، صفحہ ۱۱۴ (۹۴) محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۶ (۹۵) فتح الباری، جلد ۲ صفحہ ۴۴۵، ۴۴۳ (۹۶) ابن رشد، البیان والتحصیل، جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۱ (۹۷) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۸ (۹۸) مصطفیٰ بن العدوی، ابو عبداللہ، ظلبایہ، المصری، سلسلۃ التفسیر لمصطفیٰ العدوی، ناشر (نامعلوم) (س ن) جلد ۴۶، صفحہ ۲ (۹۹) الباجی، المنتقیٰ، جلد ۳ صفحہ ۳۰۵ (۱۰۰) المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، جلد ۳، صفحہ ۳۰۵ (۱۰۱) ابن بطال، علی بن خلف، شرح صحیح بخاری، ریاض، مکتبۃ الرشد ۱۴۲۳ھ، جلد ۷ صفحہ ۳۶۴ (۱۰۲) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷ (۱۰۳) العینی، عمدۃ القاری، جلد ۲۰ صفحہ ۲۱۷ (۱۰۴) فتح الباری، جلد ۹ صفحہ ۳۳۷ العینی، عمدۃ القاری، جلد ۲۰ صفحہ ۲۱۷ (۱۰۵) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۲ھ جلد ۵ صفحہ ۲۰۵۵ (۱۰۶) العینی، عمدۃ القاری، جلد ۲۰ صفحہ ۲۱۷ (۱۰۷) الترمذی، الجامع السنن، جلد ۵ صفحہ ۱۰۲ (۱۰۸) العینی، عمدۃ القاری، جلد ۲۰ صفحہ ۲۱۷ (۱۰۹) ابن حجر، فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۳۷ (۱۱۰) نسخ کو جاننے کے لیے چار صورتیں ہیں۔ تفصیل دیکھیے (محمود الطحان، ڈاکٹر، تیسیر مصطلح الحدیث، لاہور، غزنی سٹریٹ اردو بازار، س ن، صفحہ ۵۹) (۱۱۱) ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، السنن، بیروت، المکتبۃ العصریہ، جلد ۴ صفحہ ۶۳ (۱۱۲) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۱۰۷ (۱۱۳) ابن حجر، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵ (۱۱۴) ابن حجر، فتح الباری، جلد ۹ صفحہ ۳۳۷ (۱۱۵) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷ صفحہ ۱۰۶ (۱۱۶) ابن حجر، فتح الباری، جلد ۹ صفحہ ۳۳۷ (۱۱۷) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، جلد ۵)

2149 حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي رَبِيعَةَ الْإِيَادِيِّ، عَنِ ابْنِ

2149- حسن لغیرہ، وھذا اسناد ضعیف، ابو ربیعۃ- واسمہ عمر بن ربیعۃ الایادی- قال ابو حاتم: منکر الحدیث، وذکرہ الذھبی فی "المغنی فی الضعفاء." وشریک- وھو ابن عبد اللہ النخعی- سیء الحفظ. ابن بریدۃ: ھو عبد اللہ الاسلمی. واخرجہ الترمذی (2982) من طریق شریک، بھذا الاسناد. وقال: ھذا حدیث غریب.

بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ

ابن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے علی! (اجنبی عورت پر) ایک نظر کے بعد (دوسری) نظر نہ ڈالو، کیونکہ تمہیں پہلی کی معافی ہے، دوسری کی معافی نہیں ہے۔''

2150 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، لِتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کوئی عورت، کسی دوسری عورت کے ساتھ بغل گیر ہو کر، اس (کے جسمانی خدوخال) کی بابت اپنے شوہر کو نہ بتائے، (کہ یوں لگے) کہ وہ شخص اسے دیکھ رہا ہے''۔

2151 حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً فَدَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ فَإِنَّهُ يُضْمِرُ مَا فِي نَفْسِهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک خاتون کو دیکھا، آپ ﷺ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا کیا، پھر آپ ﷺ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے، اور ان سے فرمایا:

''عورت، شیطان کی صورت میں آتی ہے، تو جو شخص اس سے کوئی چیز (یعنی مزاج میں شوخی) پائے، اسے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر لینی چاہیے، کیونکہ یہ چیز اس کی اس کیفیت کو ختم کر دے گی۔''

2150-اسنادہ صحیح۔ مسدد: ھو ابن مسرھد الاسدی، وابو عوانۃ: ھو الوضاح ابن عبد اللہ الیشکری، والاعمش: ھو سلیمان بن مھران، وابو وائل: ھو شقیق بن سلمۃ الاسدی۔ واخرجہ البخاری (5241)، والترمذی (3000)، والنسائی فی "الکبری" (9187) من طریق الاعمش، والبخاری (5240)، والنسائی فی "الکبری" (9186) و (9187) من طریق منصور بن المعتمر السلمی، کلاھما عن ابی وائل، بہ. زاد النسائی (9186): "فی الثوب الواحد."

2151-واخرجہ مسلم (1403)، والترمذی (1192)، والنسائی فی "الکبری" (9072) من طریق ھشام الدستوائی، ومسلم (1403) من طریق حرب بن ابی العالیۃ، ومسلم (1403) من طریق معقل بن عبید اللہ الجزری، ثلاثتھم عن ابی الزبیر، بہ. وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح غریب۔ واخرجہ النسائی (9073) من طریق حرب بن ابی العالیۃ، عن ابی الزبیر، مرسلاً. وھو فی "مسند احمد" (14537)، و "صحیح ابن حبان" (5572) و (5573).

انسان کے اعضاء کے زانی ہونے کا بیان

2152 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ ثَوْرٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا، أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ. فَزِنَا الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ وَيُكَذِّبُهُ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے "لمم" کی وضاحت میں اس سے عمدہ اور کوئی چیز نہیں دیکھی، جو روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے طور پر نقل کی ہے:

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) "بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمی کا زنا میں سے حصہ طے کر دیا ہے، جسے وہ لازمی طور پر پا کر رہے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے، اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔"

2153 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِكُلِّ ابْنِ آدَمَ حَظُّهُ مِنَ الزِّنَا بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ: وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ فَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ فَزِنَاهُمَا الْمَشْيُ، وَالْفَمُ يَزْنِي فَزِنَاهُ الْقُبَلُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"ہر آدمی کا زنا میں سے حصہ" اس کے بعد راوی نے یہ پورا واقعہ روایت کیا ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں۔

"دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں، ان کا زنا پکڑنا ہے، دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں، ان کا زنا چل کر جانا ہے، منہ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا، بوسہ لینا ہے"۔

2154 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ: وَالْأُذُنُ زِنَاهَا الِاسْتِمَاعُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مانند نقل کرتے ہیں: جس میں یہ الفاظ ہیں:

"کانوں کا زنا، سننا ہے"

2152- اسناده صحيح. محمد بن عبيد: هو ابن حساب الغبري، وابن ثور: هو محمد الصنعاني، ومعمر: هو ابن راشد الازدي، وابن طاوس: هو عبد الله اليماني. واخرجه البخاري (6243) من طريق سفيان بن عيينة، والبخاري (6612)، ومسلم (2657)، والنسائي في "الكبرى" (11480) من طريق معمر، كلاهما عن ابن طاوس، به. وهو في "مسند احمد" (7719)، و"صحيح ابن حبان" (4420) و(4421).

2153- اسناده صحيح. حماد: هو ابن سلمة البصري، وابو صالح: هو ذكوان السمان. واخرجه مسلم (2657) من طريق وهيب بن خالد، عن سهيل بن ابي صالح، به. وقال: "واللسان زناه الكلام" بدلا من: "والفم يزني، فزناه القبل." وهو في "مسند احمد" (8526) و(10920).

2154- حديث صحيح، وهذا اسناد قوي من اجل ابن عجلان- وهو محمد القرشي. -الليث: هو ابن سعد. واخرجه مسلم (2657) من طريق سهيل بن ابي صالح، عن ابيه، به. وهو في "مسند احمد" (8932)، و"صحيح ابن حبان" (4423).

زنا کی ممانعت وحرمت سے متعلق احادیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی لٹیرا شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری، رقم ۵۵۷۸، سنن ترمذی، ۲۶۲۵، سنن ابن ماجہ، ۳۹۳۶، شعب الایمان، ۵۳۴۳، تاریخ دمشق، ۱۲۲۴، مطبوعہ داراالاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے۔ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ اس نے پوچھا۔ پھر کون سا ہے؟ فرمایا: تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرو۔ اس نے پوچھا پھر کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہوگا

(بخاری رقم الحدیث ۸۸۶۱، مسلم ۸۶، سنن ترمذی ۳۱۸۲، سنن ابوداؤد ۲۳۱۰، سنن نسائی ۴۰۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا۔ ابومعاویہ نے کہا اور ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱) بوڑھا زانی (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) تکبر کرنے والا فقیر۔ (مسلم، ۱۰۷، سنن کبریٰ نسائی، ۲۱۳۸، شعب الایمان، ۵۴۰۵،)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا جہالت عام ہوجائے گی شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(بخاری، ۸۰، مسلم ۲۶۷۱، سنن ترمذی ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ ۴۰۴۵، مصنف عبدالرزاق، ۵۰۴۵، مسند حمیدی ۱۹۹۰،)

حضرت ظبیان نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے۔ جن تین سے محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے۔ اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو اور وہ لوگ اس کو منع کریں۔ پھر ان میں سے ایک شخص چپکے سے اس کے پیچھے جائے اور خاموشی سے اس کو دے دے۔ اور اس کے عطیہ کو اللہ کے سوا کوئی جانتا نہ ہو یا وہ شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہوجائے۔ پھر وہ ٹھہر جائیں۔ اور اپنے سر رکھ کر سو جائیں۔ پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے۔ اور میری حمد وثناء کرے۔ اور میری آیات کی تلاوت کرے اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو اس کا دشمن سے مقابلہ ہو وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ کہ وہ شخص شہید ہوجائے۔ یا فتح یاب ہو اور جن تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) بوڑھا زانی (۲) تکبر کرنے والا فقیر (۳) مالدار ظالم۔

(صحیح بن خزیمہ، ۲۴۵۶، سنن ترمذی، ۲۵۶۸، سنن نسائی ۱۶۱۴، مصنف عبدالرزاق ج ۵، ص ۲۸۹، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۵۳، صحیح ابن حبان

۳۳۴۹، مستدرک، ج ۲ ص ۱۱۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں سورج کو گرہن لگا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو طویل قیام کیا۔ پھر رکوع کیا تو لمبا رکوع کیا۔ پھر کھڑے ہوئے تو لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر رکوع کیا تو لمبا رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سجدہ کیا تو لمبا سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا جیسے پہلی رکعت میں کیا تھا۔ پھر فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا پس لوگوں کو خطبہ دیا تو اللہ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جن کو کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم اسے دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور تکبیر کہو۔ نماز پڑھو اور صدقہ دو پھر فرمایا: اے امت محمد ﷺ۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں ہے۔ جب اس کا بندہ یا باندی زنا کرے۔ اے امت محمد ﷺ۔ خدا کی قسم! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ (صحیح بخاری ۱۰۴۴، صحیح مسلم ۹۰۱، سنن ابوداؤد، ۱۱۷۷، سنن نسائی ۱۴۷۱)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تا کہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے (یعنی لوگوں کے دلوں میں زنا کی تحریک پیدا کرتی ہے)۔

(سنن ابوداؤد، ۴۱۷۳، سنن ترمذی، ۲۷۸۶، مسند احمد ج ۴، ص ۳۹۴، مسند حمیدی، ۵۵۷، مسند بزار، ۱۵۵۱، صحیح ابن حبان، ۴۴۲۴، مستدرک، ج ۲، ص ۳۹۶، سنن بیہقی، ج ۳، ص ۲۴۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔

(سنن ابوداؤد، ۴۶۹۰، سنن ترمذی، ۲۶۲۷، مستدرک، ج ۱، ص ۲۲، سنن بیہقی، ج ۲، ص ۵۳۶۶)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آنکھ زنا کرنے والی ہوتی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث، ۱۹۷۴۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت اس وقت اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو۔ اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہو گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔ (مسند ابویعلی، ۷۰۹۱، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۳۳، مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۵۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سود کھانے والے اور اس کا وکیل بننے والے اور اس کو گواہ بننے والا اور اس کو لکھنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ اور فرمایا: کس قوم میں زنا اور سود کا ظہور نہیں ہوتا مگر انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر دیا ہے۔ (مسند ابویعلی، رقم الحدیث، ۴۹۷۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا شمار ہوتا ہے فرمایا: یہ گناہ کہ تو اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ پھر کونسا

گناہ ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنی کو اولاد کو قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی پھر میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ (مسند ابویعلی، ۵۰۹۵، صحیح بخاری، ۶۱۹۷، مسلم، ۸۶)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ماسوائے کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک بات ہو یعنی جان کے بدلے جان اور شادی شادی شدہ زانی اور دین سے نکلنے والا یعنی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنے والا۔

(مسند ابویعلی، ۵۱۹۹، مسلم، ۱۶۷۶، بخاری، ۶۸۷۸، سنن ابوداؤد، ۴۳۵۲، ترمذی، ۱۴۰۲، نسائی، ۴۷۳۵، ابن ماجہ، ۲۵۳۴)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شخص آئے۔ میرا بازو پکڑا اور مجھے ایک سخت پہاڑ کے پاس لائے اور بولے: آپ اس پہاڑ پر چڑھیے۔ میں نے کہا: میرے اندر اتنی طاقت نہیں، بولے: ہم آپ کے لئے آسان کر دیں گے۔ میں چڑھا اور جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو سخت آوازیں سنائی دیں۔ میں نے کہا: یہ آوازیں کیسی ہیں؟ بولے: یہ دوزخیوں کی چیخ وپکار ہے۔ پھر مجھے لیکر چلے تو میں نے ایک ایسی قوم دیکھی کہ الٹے لٹکے ہیں اور ان کے جبڑوں سے خون بہہ رہا ہے۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ بولے: یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ افطار کے وقت سے پہلے افطار کرلیا کرتے تھے۔ فرمایا: یہود ونصاریٰ گھاٹے میں ہیں۔ راوی حدیث حضرت سلیمان بن عامر کہتے ہیں: یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہود ونصاریٰ کے متعلق حضور کا فرمان ہے یا حضرت ابوامامہ نے اپنی رائے سے خود فرمایا: حضور فرماتے ہیں: پھر میرا گذر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو پھولے ہوئے۔ بدبودار اور بدصورت تھے۔ میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں؟ بولے: یہ مقتول کفار، پھر کچھ روتے لوگ نظر آئے کہ وہ بھی پھولے۔ بدبودار کہ ان کی بدبو پاخانوں کے مثل تھی۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ بولے: زانی مرد وعورت ہیں۔ پھر مجھے ایسے مقام پر لے جایا گیا جہاں عورتوں کے پستانوں کو سانپ ڈس رہے تھے۔ میں نے کہا: ان کو یہ سزا کیوں مل رہی ہے؟ بولے: یہ عورتیں اپنے بچوں کو دودھ نہ پلا کر پریشان رکھتی تھیں۔ پھر میں کچھ بچوں کے پاس سے گذرا کہ وہ دو نہروں کے درمیان کھیل رہے تھے۔ میں نے کہا: یہ بچے کون ہیں؟ بولے: یہ مسلمانوں کے بچے ہیں۔ پھر مجھے ایسے تین لوگوں سے شرف ملاقات حاصل ہوا جو پاکیزہ شراب پی رہے تھے۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ بولے: یہ جعفر طیار، زید بن حارثہ، اور عبداللہ بن رواحہ ہیں۔ پھر مجھے مزید کچھ لوگوں سے شرف لقا حاصل ہوا۔ اور یہ بھی تین حضرات تھے۔ میں نے کہا یہ کون ہیں؟ بولے: یہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام ہیں۔ یہ حضرات مجھے دیکھ رہے تھے۔

(مسند ابویعلی، ۱۹۸۶، ابن حبان، ۷۴۴۸، ابن خزیمہ، ۱۹۸۶، مستدرک، ج ۱، ص ۴۳۰، الترغیب الترہیب، ج ۲، رقم الحدیث، ۱۴۸۵)

حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پوچھا کیا سورۃ نور کے نازل ہونے سے پہلے یا بعد میں کہا یہ مجھے معلوم نہیں۔ (بخاری، ۶۸۱۳، مسلم، ۱۸۰۲)

حضرت شعبی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے جمعہ کے دن ایک عورت کو سنگسار کیا تو فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق سنگسار کیا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۶۸۱۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ پھر اس نے اپنے اوپر چار مرتبہ گواہی دی تو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا جس کے تحت اسے سنگسار کر دیا گیا اور وہ شادی شدہ تھا۔ (بخاری، ۵۲۷۰، مسلم، ۱۶۹۱)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کتے کی قیمت زنا کا معاوضہ اور کاہن کی مٹھائی کھانے سے منع کیا ہے۔ (صحیح بخاری۔ رقم الحدیث، ۲۲۳۷)

حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں زنا ظاہر ہو گیا وہ قحط میں گرفتار ہو گی اور جس قوم میں رشوت ظاہر ہو گئی وہ رعب و دبدبہ میں گرفتار ہو گی۔ (مشکوۃ رقم الحدیث، ۳۴۲۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک سزا کا نافذ کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات کی بارش سے بہتر ہے۔ (مشکوۃ رقم الحدیث، ۳۴۳۰، ابن ماجہ ۳۱۰)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھے اس چیز کی جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (زبان) اور اس چیز کی جو دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے۔ (شرمگاہ) ضمانت دے (ان سے خلاف شرع کام نہ کرے) میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (بخاری، ۶۴۷۴، مسند ابویعلی، ۷۵۵۰، ۲ مستدرک، ج ۵ ص ۳۳، سنن ترمذی، ۲۴۰۸)

حضرت عثمان بن ابوعاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک منادی ندا کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے۔ کوئی سوال کرنے والا ہو تو اس کو عطا کیا جائے، کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دور کر دی جائے۔ پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کی جائے گی سوائے اس عورت کے جو پیسے لیکر زنا کراتی ہو اور سوائے اس شخص کے جو ظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔

(الترغیب والترہیب، ج ۳، کتاب الحدود، مسند احمد ج ۴ ص ۲۲، المعجم الاوسط، ۲۷۹۰، ۲ مجمع الزوائد، ج ۳ ص ۸۸)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: زانیوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہو گی۔ الترغیب والترہیب، ج ۳، کتاب الحدود، طبرانی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں نظر ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۵۵) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زنا فقر پیدا کرتا ہے۔

(شعب الایمان، ۵۴۱۸، الترغیب والترہیب، ۳۵۲۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساٹھ سال اپنے گرجے میں اللہ کی عبادت کی۔ پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہو گئی۔ راہب نے اپنے گرجے سے باہر جھانکا اور سوچا میں گرجے سے باہر نکل کر اللہ کا ذکر کروں اور زیادہ نیکی کروں۔ وہ گرجے سے اترا۔ اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں تھیں۔ جس وقت وہ باہر کھڑا تھا۔ تو ایک عورت آ کر اس سے ملی وہ دونوں ایک دوسرے تک کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک عابد نے اس عورت سے اپنی خواہش پوری کر لی۔ پھر اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا۔ اس کے بعد ایک سائل آیا۔ تو

اس نے ان دو روٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کی ساٹھ سال کی عبادت کا زنا کے گناہ کے ساتھ وزن کیا گیا۔ تو گناہ کا پلڑا بھاری نکلا۔ پھر ان دو روٹیوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو نیکیوں کا پلڑا بھاری نکلا۔ لہٰذا اس کو بخشش دیا گیا۔

(الترغیب والترہیب، ج ۳، کتاب الحدود، ۱۵۳ ۳ صحیح ابن حبان، رقم الحدیث، ۲۷۹ ۳)

حضرت نافع جو رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: متکبر مسکین، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (الترغیب والترہیب، ج ۳، کتاب الحدود، مجمع الزوائد، ج ۶ ص ۲۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے تو وہ اسے تین مرتبہ اللہ کی کتاب کے مطابق کوڑے مارے اور اگر چوتھی مرتبہ پھر زنا کرے تو اسے فروخت کر دے خواہ بالوں کی ایک رسی کی عوض فروخت کرے اس باب میں زید بن خالد اور شبل سے بھی احادیث منقول ہیں شبل، عبداللہ بن مالک اوسی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہ ہی سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اپنے غلام یا باندی پر حد جاری کرنے کے لیے حاکم کے پاس جانے کی ضرورت نہیں امام احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اسے حاکم کے سپرد کر دے حد جاری نہ کرے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1482)

حضرت عبداللہ بن ادریس نقل کی ہے پھر یہ حدیث ان کے علاوہ بھی اسی طرح منقول ہے محمد بن اسحاق بھی نافع ہے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کوڑے مارے اور جلاوطن بھی کیا۔ حضرت عمر نے بھی کوڑے مارے اور جلاوطن کی سزا بھی دی لیکن اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوڑے مارنے اور جلاوطن کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جلاوطن کرنا ثابت ہے حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد، عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا صحابہ کرام جن میں ابوبکر، عمر، علی، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر وغیرہ شامل ہیں کا اسی پر عمل ہے متعدد فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1479)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور ہم اکٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور والدین کی نافرمانی سے بچو۔ کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ اور ماں باپ کا نافرمان، رشتہ منقطع کرنے والا، بوڑھا زانی اور تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اس خوشبو کو نہیں پائے گا۔ کبریائی صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ (الترغیب والترہیب، ۳۶۶۵، مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۱۲۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور زانیوں کی شرمگاہوں کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی تکلیف ہوگی۔

(الترغیب والترغیب، ج ۳، کتاب الحدود، ۳۵۳۷، مجمع الزوائد، ج ۶ ص، ۲۵۵، مسند بزار، ۵۴۸)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ حرام ہے۔ اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے لہٰذا قیامت تک کے لئے حرام ہوگا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ اگر کوئی شخص دن عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۸، اس کے راوی ثقات ہیں۔ الترغیب والترہیب، ۳۵۴۷)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو قیامت کے دن اللہ عزوجل ایک اژدھے کو اس کے اوپر مسلط کردے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چار بندوں سے بغض فرماتا ہے قسم کھا کر سودا بیچنے والا، دھوکہ دینے والا فقیر، بوڑھا زانی، موٹے پیٹ والا حاکم۔

(رواہ الطبرانی والکبیر، من روایۃ ابن لھیعۃ، ترغیب وترہیب، کتاب الحدود۔ مجمع الزوائد، ج ۶ ص ۲۵۸)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ بوڑھا زانی، جھوٹا حکمران اور تکبر کرنے والا فقیر۔ (مسند بزار، ۱۳۰۸، الترغیب والترہیب، ۳۵۴۴، مجمع الزوائد، ج ۶ ص ۲۵۵)

حضرت راشد بن سعد مقرائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کی کھال کو آگ کی کینچیوں سے کاٹا جارہا تھا۔ میں نے کہا: اے جبریل یہ کون ہیں انہوں نے کہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے مزین ہوتے تھے۔ پھر میں ایک کنوئیں کے پاس سے گزرا جس سے سخت بدبو آرہی تھی۔ میں نے پوچھا؟ اے جبریل یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کرانے کے لئے خود کو مزین کرتی تھیں۔ اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لئے جائز نہ تھے۔ (شعب الایمان ۶۷۵۰، الترغیب الترہیب، ۳۵۴۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ بطور عادت زنا کرنے والا بت پرست کی طرح ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر، ج ۲۳ ص ۱۷۳، رقم الحدیث ۳۱۴۹، مساوی الاخلاق، ۴۷۷، الترغیب والترہیب، ۳۵۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (نظر رحمت) نہیں فرمائے گا۔ اور نہ اس کو پاک کرے گا اور فرمائے گا اس کو جہنمیوں کے ساتھ داخل کردو۔ (رواہ ابن ابی الدنیا والخرائطی، وغیرھا)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کالے سانپوں میں سے کسی کو مسلط کرے گا جو اس کو ڈس رہا ہوگا۔ (رواہ الطبرانی، ورواۃ ثقات)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجاہدین کی بیویوں کی حرمت جہاد میں شریک نہ ہونے والے لوگوں پر ایسی ہے جیسے کہ ان کی ماں کی حرمت اور جو جہاد میں شرکت نہ کرسکنے والا آدمی مجاہدین کے گھر بار کی

خدمت میں رہے اور پھر ان کے اہل میں خیانت کا مرتکب ہو تو قیامت کے دن اس کو مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور اس مجاہد سے کہا جائے گا کہ اس نے تیرے اہل میں خیانت کی پس اب تو جتنی چاہے نیکیاں لے لے۔ اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا بولو تمہارا کیا خیال ہے؟ (یعنی بتا گھاٹے میں کون رہا؟ مرد مجاہد یا خیانت کرنے والا؟) (صحیح مسلم، ۱۸۹۷، ۱۳۹، ابوداؤد فی الجہاد، ۲۴۹۶، نسائی فی الجہاد، باب ۴۸، ۳۱۸۹، ۴۷)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں جلوہ گر ہوئے، آپ نے ارشاد فرمایا: جب کسی قوم میں فحاشی کا رواج بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ علانیہ بے حیائی کرنے لگتی ہے تو ان لوگوں کے درمیان طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے اسلاف کے زمانہ میں موجود نہ تھیں۔

(سنن ابن ماجہ ابواب الفتن، ص290، باب العقوبات حدیث نمبر 4009)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ جس دن کہ عرش الٰہی کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (یعنی قیامت کے دن اور وہ سات آدمی یہ ہیں۔

۱: حاکم عادل۔

۲: وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا۔

۳: وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو اس کا دل مسجد میں اٹکا رہے یہاں تک کہ دوبارہ مسجد میں چلا جائے۔

۴: وہ دو آدمی جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں دوستی کی اس کے لئے جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے۔

۵: وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

۶: وہ شخص جس کو کسی صاحب حسب ونسب اور صاحب حسن وجمال خاتون نے غلط دعوت دی مگر اس نے یہ کہہ کر اس کی دعوت رد کر دی کہ: میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

۷: اور وہ شخص جس نے صدقہ کیا تو اس کو ایسا چھپایا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہ چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (بخاری فی الاذان باب ۳۶، وزکوۃ باب ۱۶، ۶۲۹، مسلم فی الزکوۃ ۹۱، ۱۰۳۱، جامع ترمذی، ۲۳۹۱، مسند احمد بن حنبل، ۴۳۹۲، الموطا امام مالک، ۱۷۰۹، صحیح ابن حبان، ۷۳۳۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سات سے بھی زیادہ مرتبہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل کا کفل نامی ایک شخص کسی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک عورت آئی تو اس نے اسے ساٹھ دینار دیئے تا کہ وہ اس سے جماع کر سکے۔ چنانچہ جب وہ شخص اس سے یہ فعل (یعنی جماع) کرنے لگا تو وہ رونے اور کانپنے لگی۔ اس نے کہا تم کیوں روتی ہو۔ کیا میں نے تمہارے ساتھ زبردستی کی ہے۔ اس عورت نے کہا نہیں بلکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو اس سے پہلے میں نے نہیں کیا لیکن ضرورت نے مجھے مجبور کیا۔ کفل نے کہا جو کام تم نے کبھی نہیں کیا آج کر رہی ہو۔ جاؤ وہ

دینار تمہارے ہیں۔ پھر اس شخص نے کہا اللہ کی قسم میں آج کے بعد کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر وہ اسی رات مر گیا تو صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو معاف کر دیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی، جامع ترمذی ج ۲، کتاب القیامۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی چلے جا رہے تھے کہ بارش ہونے لگی تو وہ لوگ پہاڑ کے دامن میں ایک غار میں چلے گئے اتنے میں پہاڑ کی بلندی سے ایک بڑا سا پتھر گرا اور اس کی وجہ سے غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ تو ان لوگوں نے آپس میں کہا: اپنے اپنے اعمال صالحہ پر نظر دوڑاؤ اور انھیں کے واسطہ سے خدا سے دعا کرو شائد خدا کوئی آسانی پیدا کر دے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے بھی بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں بکریاں چرا کر ان کا پیٹ پالتا تھا واپس آ کر بکریوں کا دودھ نکالتا تو پہلے والدین کے سامنے پیش کرتا اس کے بعد اپنے بچوں کو دیتا۔

اتفاقاً میں ایک دن صبح سویرے گھر سے نکل گیا اور شام تک واپس نہ آیا۔ جب میں واپس پلٹا تو میرے والدین سو چکے تھے میں نے روزانہ کی طرح دودھ نکالا اور دودھ لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا مجھے یہ گوارہ نہ ہوا کہ انھیں بیدار کروں اور نہ ہی یہ گوارہ ہوا کہ والدین سے پہلے بچی کو دودھ پیش کروں حالانکہ بچی بھوک کی وجہ سے رو رہی تھی اور میرے قدموں میں بلبلا رہی تھی مگر میری روش میں تبدیلی نہ آئی یہاں تک کہ صبح ہو گئی پروردگارا! اگر تو یہ جانتا ہے کہ یہ عمل میں نے صرف تیری رضا کے لئے انجام دیا ہے تو اسی عمل کے واسطہ سے اتنی گنجائش پیدا کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں اللہ نے اتنی گنجائش پیدا کر دی اور ان لوگوں کو آسمان دکھائی دینے لگا۔

دوسرے نے کہا: میرے چچا کی ایک لڑکی تھی میں اس سے ایسی شدید محبت کرتا تھا جیسے کہ مرد عورتوں سے کرتے ہیں میں نے اس سے مطلب برآری کی خواہش کی ان نے سو دینار کی شرط رکھی میں نے کوشش کر کے کسی طرح سو دینار جمع کئے انھیں ساتھ لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اور جب شیطانی مطلب پورا کرنے کی غرض سے اس کے نزدیک ہوا تو اس نے کہا اے بندۂ خدا اللہ سے ڈرو اور ناحق میرا لباس مت اتار دے یہ بات سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پروردگارا اگر میرا یہ عمل تیرے لئے ہے تو تھوڑی گنجائش اور مرحمت کر دے۔ اللہ نے تھوڑی سی گنجائش اور عطا کر دی۔

تیسرے آدمی نے کہا میں نے ایک شخص کو تھوڑے چاول کی اجرت پر اجیر کیا جب کام مکمل ہو گیا تو اس نے اجرت کا مطالبہ کیا میں نے اجرت پیش کر دی لیکن وہ چھوڑ کر چلا گیا میں اسی سے کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی قیمت سے بیل اور اس کا چرواہا خرید لیا۔ ایک دن وہ مزدور آیا اور مجھ سے کہا: خدا سے ڈرو اور میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے کہا جاؤ وہ بیل اور چرواہا لے لو اس نے پھر کہا خدا سے ڈرو اور میرا مذاق مت اڑاؤ۔ میں نے کہا میں ہرگز مذاق نہیں کر رہا ہوں یہ بیل اور چرواہا لے لو۔ چنانچہ وہ لے کر چلا گیا۔ پروردگار میرا یہ عمل اگر تیرے لئے تھا تو ہمارے لئے بقیہ راستہ کھول دے۔ اللہ نے راستہ کھول دیا۔

(بخاری فی الاجارۃ، ۲۲۷۲، مسلم، ۲۸۸۶، ابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابی ہریرۃ نحوہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے قریش کے جوانو! تم اپنی

شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور زنا نہ کرو۔ جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اس کے لئے جنت ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اجابۃ دعاء من بر والدیہ ج ۵ ص ۲۰۰۴ طبع مصر ۱۲۸۶ھ ق۔ فتح الباری عسقلانی ج ۱۰ ص ۳۳۸ شرح القسطلانی ج ۹ ص ۵۔ صحیح مسلم کتاب الرقاق باب قصۃ اصحاب الغار الثلاثۃ والتوسل بصالح الاعمال ج ۸ ص ۸۹ ط دار الفکر۔ وشرح النووی ج ۱۰ ص ۳۲۱ وذم الہوی لابن الجوزی ص ۲۴۶) ترغیب وترہیب (۳۶۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت پانچ نمازیں ادا کرے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے گی۔

(ترغیب وترہیب، ۸۵۳۶، ابن حبان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے داڑھوں کے درمیان اور ٹانگوں کے درمیان والی چیزوں کو برائی سے بچالیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ (جامع ترمذی، کتاب الزہد ج ۲)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مجھے اپنی چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب تم بات کرو تو سچ بولو۔ اور جب تم وعدہ کرو تو پورا کرو۔ اور جب [illegible] رے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرو۔ اور تم اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو اور تم اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم) سے روکو۔

(مسند احمد بن حنبل، ۲۲۳۱۷، ابن ابی دنیا، ابن حبان فی صحیحہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت پر اتنا خوف کسی چیز کا نہیں رکھتا جتنا قوم لوط کے عمل کا خوف رکھتا ہوں۔ (ابن ماجہ، ۲۳۶، جامع ترمذی، ۱۴۷۷)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی قوم عہد توڑتی ہے۔ تو ان میں قتل عام ہو جاتا ہے اور جب کسی قوم میں بے حیائی عام ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر موت عام کر دیتا ہے اور جب لوگ زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیتا ہے۔ اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ مسلم کی شرط پر یہ صحیح ہے۔ ابن ماجہ، بزار، اور بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ کے لفظ یہ ہیں۔ کہ نبی پاک ﷺ نے ہماری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا اے مہاجرین! جب تم پانچ کاموں میں مبتلاء کر دیئے جاؤ اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان کاموں کو نہ کرو یا تم میں وہ کام نہ پائے جائیں جب کسی قوم میں فحاشی بے حیائی عام ہونا شروع ہو جائے۔ اور ان میں طاعون اور وہ بیماریاں عام ہو جاتی ہیں۔ جو پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔ (ابن ماجہ، ۱۸۱۸، باب العقوبات)

جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگ جاتے ہیں تو ان پر قحط اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ بادشاہ ان پر ظلم کرتے ہیں۔ جب لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر بارش روک دیتا ہے۔ اگر زمین پر چوپائے نہ ہوتے تو آس پاس سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ برستا۔ اور جب لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔ تو وہ ان کا مال وغیرہ سب کچھ چھین لیتے ہیں اور جب مسلمان حکمران اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرا اور احکام خداوندی میں کچھ

لیتے اور کچھ چھوڑتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان اختلاف پیدا فرما دیتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا ہوگا تو لوگ بہ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل بہ کثرت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ مخلوق کے اوپر سے اٹھالے گا۔ پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ المعجم الکبیر، ۱۷۵۲، حافظ الہیثمی نے کہا کہ اس کی سند میں عبدالخالق بن زید بن واقد ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد، ۶، ص ۲۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے اپنی مخلوق میں سے سات بندوں پر لعنت کی ہے۔ اور ان میں ہر ایک پر تین بار لعنت کی ہے اور باقی ان میں سے ہر ایک پر (ایک بار) لعنت کافی ہے۔ فرمایا: جو شخص قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔ یہ بات تین بار فرمائی۔ اور جو ذبح کے وقت جانور پر غیر خدا کا نام لے۔ وہ بھی ملعون ہے۔ اور جو جانوروں کے پاس آئے (یعنی جانوروں سے بدفعلی کرے) وہ ملعون ہے۔ اور جو والدین کی نافرمانی کرے وہ بھی ملعون ہے اور جو ایک نکاح میں ماں اور اس کی بیٹی کو جمع کرے وہ بھی ملعون ہے اور جو زمین میں حدود کو بدل ڈالے وہ بھی ملعون ہے اور جو اپنے آقا کے غیر کا دعویٰ کرے وہ بھی ملعون ہے۔ (ترغیب وترہیب، ۳۶۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قوم لوط کا عمل کرنے والے کے متعلق فرمایا اوپر والے اور نیچے والے سب کو سنگسار کردو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 720)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار شخص ایسے ہیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب میں ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں فرمایا: مردوں میں سے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور عورتوں میں سے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے۔ (ترغیب وترہیب، ۳۶۹۷)

اور جانور کے پاس آئے یعنی جانور سے بدفعلی کرے اور جو مردوں کے پاس آئے (یعنی جو شخص مردوں کے ساتھ لواطت کرے)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم ایسے شخص کو پاؤ جس نے قوم لوط کا عمل کیا تو فاعل و مفعول دونوں کو قتل کردو۔ (ابوداؤد فی الحدود، باب ۲۸، ترمذی فی الحدود باب ۲۴، ابن ماجہ فی الحدود باب ۱۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو کسی جانور سے بدکاری کرے اس شخص کو اور اس جانور دونوں کو تم قتل کردو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے اس حدیث میں عارضہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے علاوہ جانور کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ (ابوداؤد فی الحدود باب ۲۹، ترغیب وترہیب، ۳۶۹۹)

ابن ابی دنیا اور بیہقی نے اپنی جید سند کے ساتھ محمد بن منکدر سے روایت کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا کہ اس عرب کے بعض پسماندہ علاقہ میں ایک ایسا شخص پایا ہے۔ جس سے نکاح کیا جاتا ہے

جس طرح عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایسا گناہ ہے جو ایک امت کے علاوہ کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو ان کے ساتھ کیا تم اس کو جانتے ہو۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو آگ کے ساتھ جلا دیا جائے پس آپ نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی رائے کو جمع کیا کہ اسے آگ میں جلایا جائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو آگ میں جلایا جائے۔

(الترمذی فی الرضاع، باب ۱۲، ابن حبان فی صحیحہ، النسائی، الترغیب والترہیب، ۳۷۰۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں وطی کرے۔ (الترغیب والترہیب، ۳۷۰۱، کتاب الحدود)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم شرماتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ یہ تم اپنی عورتوں کی دبر میں وطی نہ کرو۔ (مسند ابویعلی، الترغیب والترہیب، ۳۷۰۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: لوطیہ صغریٰ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے پیچھے کے مقام پر آئے یعنی پاخانہ کی جگہ اپنی خواہش پوری کرے۔ (المسند ج ۲ ص ۲۱۰، ۱۸۲)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا یہ تین مرتبہ کہا کہ تم اپنی بیوی کے پاس ان کے پیچھے کے مقام سے نہ آؤ۔ ابن ماجہ فی النکاح، باب ۲۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے عورتوں کی دبر استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ (ترغیب وترہیب، ۳۷۰۷)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنی عورتوں کی دبر استعمال کرتے ہیں۔ (طبرانی، ترغیب وترہیب، ۳۷۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی عورت کی سرین میں جماع کیا تحقیق اس نے کفر کیا۔ (طبرانی فی الاوسط)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرے۔ (ابن ماجہ فی النکاح باب ۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کی دبر میں جماع کیا وہ ملعون ہے۔ (ابوداؤد باب النکاح باب ۴۵، مسند احمد، ج ۲ ص ۴۷۹، ۴۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حائضہ کے پاس آیا یا بیوی کی دبر میں جماع کیا یا کاہن کے پاس گیا اور اس کو اچھا جانا تو اس نے کفر کیا اس کا جو حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔

(ترمذی فی الطہارت، باب ۱۰۲، الرضاع باب ۱۲، ابن ماجہ فی النکاح باب ۲۹، مسند احمد ج ۱ ص ۸۶، ج ۶ ص ۳۰۵)

حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تم عورتوں کے پاس ان کے پیچھے سے نہ آؤ (ان سے لواطت نہ کرو) بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے استحیا نہیں کرتا۔ (مسند احمد، ترمذی، النسائی، ابن حبان)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاعل ومفعول اور جو شخص کسی جانور سے بدکاری کرے انہیں قتل کردو۔

امام بغوی فرماتے ہیں کہ لوطی کی حد میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ وہ اس طرف گئے ہیں کہ لواطت کرنے والے کو زنا کی حد لگائی جائے۔ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائے اگر وہ شادی شدہ نہیں تو سو کوڑے مارے جائیں۔ یہ قول سعید بن مسیب، عطاء ابن ابی رباح، حسن قتادہ اور امام نخعی کا ہے۔

اور یہی بات ثوری اور امام اوزاعی کی ہے اور وہی امام شافعی کا قول ہے اسی طرح امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن سے روایت کیا گیا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک اس قول کے مطابق لواطت کرنے والے کو بھی سو کوڑے مارے جائیں مرد ہو یا عورت۔ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ سب کے لئے جلاوطنی عام ہے۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ لوطی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اسے سنگسار کیا جائے۔

سعید بن جبیر اور مجاہد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور یہی بات شعبی اور زہری نے یہی بات کہی ہے اور امام مالک، احمد اور امام اسحاق کا قول ہے۔

حماد بن ابراہیم نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ اگر کسی پر سنگسار کی حد لگائی گئی ہے تو لوطی کو دو مرتبہ سنگسار کیا جائے گا۔ آخری قول امام شافعی کا ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے جس طرح حدیث میں آیا ہے۔

حافظ نے کہا ہے کہ خلفائے اربعہ حضرت ابو بکر، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن زبیر اور ہشام بن عبد الملک نے لوطی کو آگ سے جلایا ہے۔ (الترغیب والترہیب، ۳۰۰/۷)

بَابٌ فِي وَطْءِ السَّبَايَا

باب: (جنگ میں) قید ہونے والی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا

2155 حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ الْهَاشِمِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

2155-اسناده صحيح. سعيد: هو ابن ابى عروبة، وقتادة: هو ابن دعامة السدوسى، وصالح ابى الخليل: هو صالح بن ابى مريم الضبعى.
واخرجه مسلم (1456)، والترمذى (1163) و (3264)، والنسائى فى "الكبرى" (5468) و (11030) من طرق عن قتادة، بهذا الاسناد.
واخرجه مسلم (1456) من طريق قتادة، والترمذى (1162) و (3265)، والنسائى فى "الكبرى" (5467) و (11031) من طريق عثمان البتي

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ يَوْمَ حُنَيْنٍ بَعْثًا إِلَى أَوْطَاسَ فَلَقُوا عَدُوَّهُمْ فَقَاتَلُوهُمْ فَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ وَأَصَابُوا لَهُمْ سَبَايَا فَكَأَنَّ أُنَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوا مِنْ غِشْيَانِهِنَّ مِنْ أَجْلِ أَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِي ذَلِكَ (وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) (النساء: 24) أَيْ: فَهُنَّ لَهُمْ حَلَالٌ إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: غزوہ حنین کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی طرف ایک مہم روانہ کی، ان کا دشمن سے سامنا ہوا، لڑائی ہوئی، اور وہ دشمن پر غالب آ گئے، انہیں قیدی عورتیں بھی ملیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ حضرات نے ان کے ساتھ صحبت کرنے میں حرج محسوس کیا، کیونکہ ان کے مشرک شوہر، (ابھی زندہ تھے) تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل کی:

''شادی شدہ عورتیں (بھی تمہارے لیے حرام ہیں) البتہ جن کے تم مالک بن جاؤ (ان کا حکم مختلف ہے)''

شرح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اور تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک ہو جاؤ یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے۔ (النساء: ۲۴)

جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی تحقیق کا بیان

میدان جنگ میں جو کافر قید ہو جائیں ان کو غلام بنالیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور جو کافر عورتیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوں اور قید ہو جائیں ان کو باندیاں بنالیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور ان باندیوں کے ساتھ ان کے مالک بغیر نکاح کے مباشرت کر سکتے ہیں۔ مخالفین اسلام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں انسانوں کو غلام اور باندیاں بنایا جاتا ہے اور یہ شرف انسان کے خلاف ہے بلکہ تذلیل انسانیت ہے۔ اس اعتراض کی وجہ اس مسئلہ سے ناواقفیت ہے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس، جرمنی اور یورپی ممالک میں جو وحشیانہ مظالم کئے جاتے رہے اور ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور ان کو آزاد کرنے پر جو اجر و ثواب کی بشارتیں دی ہیں یہ ان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اسلام نے یہ لازمی طور پر نہیں کہا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا جائے بلکہ اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا جائے یا جسمانی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دیا جائے یا ان کو لونڈی اور غلام بنالیا جائے چونکہ اس زمانہ میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا' اس لئے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنائیں تو تم بھی مکافات عمل کے طور پر ان کے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا سکتے ہو۔ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلے میں آزاد کریں تو تم بھی ان کے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دو' اور اگر وہ تمہارے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کریں تو تم بھی ان کے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کر لو اور اگر وہ تبرع اور احسان کر کے تمہارے جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیں

مسلمان مکارم اخلاق اور تبرع اور احسان کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

(آیت) '' فاذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتى تضع الحرب اوزارها''۔ (محمد: ٤)

ترجمہ: جب تم کافروں سے نبرد آزما ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو مضبوطی سے قید کر لو پھر یا تو ان پر محض احسان کر کے ان کو آزاد کر دو یا ان سے (مالی یا بدنی) فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو۔

اور اگر کافر مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنائیں تو مکافات عمل کے طور پر ان کے جنگی قیدیوں کو بھی لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (آیت) '' وجزاء سيئة سيئة مثلها ''۔ (الشوریٰ: ٤٠)

ترجمہ: برائی کا بدلہ تو اس کی مثل برائی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے لازمی طور پر جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنانے کی ہدایت نہیں دی ہے۔

ہم نے قرآن مجید کی آیت سے یہ بیان کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا مالی یا جانی فدیہ لے کر آزاد کرنا اسلام میں جائز ہے اب ہم اس پر احادیث سے دلائل پیش کر رہے ہیں مکہ جنگ سے فتح ہوا تھا اور تمام اہل مکہ جنگی قیدی تھے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احساناً ان کو آزاد کر دیا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ٢٦١ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٧٨٠ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٤٧٦٠ 'مسند احمد ج ٢ ص ٢٩٢ '٥٣٨ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٤ ص ٤٧٢ 'سنن کبریٰ للبیہقی ج ٩ ص ١١٨ 'مطولا و مختصرا)

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ٢١٣ ھ روایت کرتے ہیں:

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ''۔ اللہ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور صرف اسی نے تمام لشکروں کو شکست دی' سنو زمانہ جاہلیت کی ہر زیادتی' ہر خون اور ہر مال آج میرے قدموں کے نیچے ہے یہاں کعبہ کی چوکھٹ اور حجاج کی سبیل پر اے قریش کی جماعت! اللہ نے تم سے زمانہ جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے' تمام انسان آدم سے پیدا کئے گئے ہیں اور آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (مختصراً)

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام علی ہامش الروض الانف ج ٢ ص ٢٧٤ 'مطبوعہ مطبعہ فاروقیہ ملتان ١٣٩٧ ھ' سبل الہدیٰ والرشاد ج ٥ ص ٢٤٢)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ ھ نے اس خطبہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ٩ ص ١١٨ 'مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

مالی فدیہ کے بدلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا فرمایا تھا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کے متعلق فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبوداروں (قیدیوں) کے متعلق سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو آزاد کر دیتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۳۹ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۹ 'مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۵۸ 'مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۷۴۱۶ 'شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۷۱۳ 'سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۶۷ 'مسند احمد ج ۴ ص ۸۰ 'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۵۰۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر (قیدیوں کو) آزاد کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن اہل جاہلیت کے لئے چار سو (درہم) فدیہ مقرر فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کے لئے فدیہ کی رقم بھیجی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کے فدیہ کے لئے جو مال بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی ابوالعاص سے شادی کے موقع پر ان کو دیا تھا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہوگئی اور آپ نے فرمایا: اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس کے قیدی کو (بلا معاوضہ) آزاد کر دو اور ان کا ہار ان کو واپس کر دو۔ صحابہ نے کہا ٹھیک ہے' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے وعدہ لے لیا یا اس نے از خود وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کو آپ کے پاس بھیج دے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا تم بطن یا بج میں ٹھہرنا حتیٰ کہ تمہارے پاس سے (حضرت) زینب گزریں وہ دونوں حضرت زینب کو حضور کے پاس لے کر آئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۲ 'المستدرک ج ۳ ص ۲۳ 'مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۶)

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کا چار سو درہم فدیہ مقرر کیا تھا' عباس نے کہا ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ مال کہاں ہے جس کو تم نے اور ام الفضل نے زمین میں دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آگیا تو یہ مال میرے بیٹوں فضل' عبداللہ اور قثم کے لئے ہوگا۔ عباس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

امام بخاری اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعض انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھتیجے عباس سے فدیہ نہ لیں' آپ نے فرمایا۔ نہیں

بخدا تم ان میں سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔ آپ نے بعض سے چار ہزار فدیہ لیا بعض سے دو ہزار بعض سے ایک ہزار اور بعض پر احسان کر کے ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا۔

اہل مکہ کو لکھنا آتا تھا اور اہل مدینہ کو لکھنا نہیں آتا تھا' جس اہل مکہ کے پاس مال نہیں تھا آپ نے ان کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینہ کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھائیں اور جب وہ لڑکے لکھنے میں ماہر ہو گئے تو وہ آزاد کر دیئے گئے' حضرت زید بن ثابت نے بھی ان ہی سے لکھنا سیکھا تھا۔ (سبل الہدی والرشاد ج ٤ ص ٦٩' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٤)

مسلمانوں قیدیوں سے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبادلہ میں بھی قیدیوں کو آزاد کیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف بنو عقیل کا حلیف تھا۔ ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ عضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے پاس گئے درآں حالیکہ وہ بندھا ہوا تھا اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا حجاج کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ یعنی عضباء' اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے تم کو تمہارے حلیف ثقیف کے بدلہ میں پکڑا ہے پھر آپ چلے گئے اس نے کہا یا محمد' یا محمد' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہربان اور رقیق القلب تھے' آپ لوٹ آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نے مسلمان ہوں! آپ نے فرمایا اگر تو گرفتار ہونے سے پہلے یہ کہتا تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا آپ چلے گئے اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا اور پیاسا ہوں مجھے کھانا اور پانی دیجئے' آپ نے اس کی حاجت پوری کی' پھر اس کو ان دو مسلمانوں کے بدلہ میں آزاد کر دیا گیا جن کو ثقیف نے پکڑا تھا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ١٦٤١' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٣٣١٦' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ٨٢٩' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ٤٨٥٩' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ٥٣٩٥' مسند احمد ج ٤ ص ٤٣٠' ٤٣٣' سنن بیہقی ج ٩ ص ٧٢' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٤ ص ١٨٨' المعجم الکبیر للطبرانی ج ١٨ ص ٤٥٣)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے خلاف جہاد کیا۔ اس جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا تھا جب ہمارے اور پانی کے درمیان کچھ دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم رات کے آخری حصہ میں اتریں' پھر ہر طرف سے حملہ کا حکم دیا گیا' اور ہم ان کے پانی پر پہنچے اور جس جگہ کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا' میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں وہ مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے تیر کو دیکھا تو سب ٹھہر گئے میں ان سب ٹھہر گئے میں ان سب کو گھیر کر لے آیا' ان میں فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چمڑے کی کھال کو منڈھ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی' میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ لڑکی مجھے انعام میں دے دی' ہم مدینہ پہنچے ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے بھی نہ اتارے تھے کہ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بازار میں ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا: اے سلمہ یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے ابھی تک اس کا لباس بھی نہیں اتارا' اگلے دن میری پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمہ یہ لڑکی مجھے دے دو تمہارا باپ بہت اچھا تھا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم! یہ آپ کی ہے میں نے اس لڑکی کا لباس تک نہیں اتارا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے بدلہ میں کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۴۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۶' ۵۱' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۲۹)

جنگی قیدیوں کو احساناً بلا معاوضہ آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا معاوضہ بھی جنگی قیدیوں کو آزاد کیا ہے فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کو طلقاء (آزاد) قرار دینے اور جنگ بدر کے بعض جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد کرنے کی ہم اس سے پہلے احادیث سے مثالیں ذکر کر چکے ہیں بعض مزید احادیث ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف حملہ کرنے کے لئے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت بھیجی' صحابہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا ثمامہ بن اثال تھا اور اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو' ثمامہ مسجد کے قریب ایک درخت کے پاس گیا اس نے غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا: "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله"۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ایضاً ۔ ۴۶۹' ۲۴۲۲' ۲۴۲۳' ۴۳۷۲)

امام مسلم نے اس حدیث کو بہت تفصیل سے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۴)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: مروان بن الحکم اور مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوازن کے مسلمانوں کا وفد آیا اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ انہیں (مال غنیمت میں ان سے لئے ہوئے) اموال اور ان کے جنگی قیدی واپس کر دیں آپ نے فرمایا میرے نزدیک سب سے اچھی بات وہ ہے جو سب سے سچی ہو تم دو میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو جنگی قیدی یا مال' اور میں تم کو غور کے لئے مہلت دیتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس آنے کے بعد دس سے زیادہ راتوں تک ان کا انتظار کیا جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دو میں سے صرف ایک چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا ہم اپنے جنگی قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ کی شان کے مطابق اس کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا تمہارے یہ مسلمان بھائی تمہارے پاس رجوع کرتے ہوئے آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں تم میں سے جو شخص طیب خاطر سے ایسا کر سکتا ہے وہ کر دے' اور

جو یہ چاہتا ہو کہ اس کا حصہ اس کے پاس رہے تو جب اس کے بعد سب سے پہلے مال غنیمت حاصل ہوگا ہم ان کو اس کا حصہ واپس کر دیں گے۔ مسلمانوں نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر خوشی سے ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں پتا نہیں چلا کہ تم میں سے کس شخص نے خوشی سے اجازت دی اور کسی نے خوشی سے اجازت نہیں دی تم واپس جاؤ اور اپنے اپنے کارمختار سے مشورہ کرو۔ انہوں نے اپنے اپنے کارمختار سے مشورہ کیا اور پھر آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم خوشی سے اجازت دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۳۲-۳۱۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۳)

جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء کا بیان

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جنگی قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جائے قدوری اور صاحب ہدایہ کا یہی مختار ہے اور امام ابوحنیفہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، مگر عورتوں کا فدیہ لینے میں ان کا اختلاف ہے اور امام احمد نے بچوں کا بھی فدیہ لینے سے منع کیا ہے، اور سیر کبیر میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ لیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی ظاہر روایت یہی ہے، امام ابو یوسف نے کہا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کا فدیہ لیا جائے۔ امام ابو حنیفہ کے پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر جنگی قیدی کافروں کو لوٹا دیئے گئے تو وہ ان کی قوت اور مسلمانوں کے لئے ضرر کا باعث ہوں گے اور دوسرے قول اور تمام ائمہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدی کو قتل کرنے یا اس کو غلام بنانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں مسلمان قیدی کو کافروں سے چھڑا لیا جائے کیونکہ مسلمانوں کی حرمت بہت عظیم ہے، اور جنگی قیدی کو ان کے حوالے کرنے سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کی جو دلیل دی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کے بدلہ میں ہمارا مسلمان قیدی ہمارے پاس آ جائے گا تو اس ضرر کا توڑ ہو جائے گا اور یہ معاملہ برابر برابر ہو جائے گا اس کے علاوہ ایک مسلمان کو کافروں کی قید سے چھڑانے کی فضیلت اور اس کو اللہ کی عبادات کرنے کا موقع فراہم کرنا اس پر مستزاد ہے اور جب کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ٤٦١، دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٥ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

کافر جنگی قیدی کو مسلمان قیدی کے بدلہ میں آزاد کیا جائے یا مال کے بدلہ میں، قول مشہور کے مطابق پہلی صورت جائز نہیں ہے لیکن ضرورت کے وقت اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ سیر کبیر میں ہے۔ امام محمد نے فرمایا جب ان قیدیوں سے نسل متوقع نہ ہو جیسے شیخ فانی پھر بھی ان کے تبادلہ میں کوئی حرج نہیں ہے (الاختیار) قیدیوں کے تبادلہ میں اختلاف ہے لیکن محیط میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق یہ جائز ہے اس کی پوری بحث قہستانی میں ہے، اور زیلعی نے سیر کبیر سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا ظاہر قول جواز ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے اور ائمہ ثلاثہ سے بھی یہی منقول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں قیدیوں کا دو مشرک قیدیوں سے تبادلہ کیا اور ایک عورت کے بدلہ میں مکہ میں قید بہت سے مسلمانوں کو آزاد کرایا (ہدایہ، قدوری) اور دیگر متون میں جو مذکور ہے

قیدیوں سے فدیہ لینا جائز نہیں ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے جب ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ لینا بھی جائز ہے اور مسلمان قیدیوں سے تبادلہ بھی جائز ہے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۲۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کیا بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا قابل اعتراض ہے:

عام طور سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بغیر نکاح لونڈیوں سے مباشرت کرنا ایک غیر اخلاقی فعل ہے حالانکہ اسلام اس کو روا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے بعد بیویوں سے مباشرت کرنا اور ان کے جسم پر خواہی نخواہی مالکانہ تصرف کرنا کیونکر اخلاقی فعل ہو گیا؟ نکاح کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایک عورت خود یا اس کا وکیل کہے کہ میں اس شخص کے ساتھ اتنے مہر کے عوض خود کو یا اپنی موکلہ کو نکاح میں دیتا ہوں اور مرد کہے میں نے قبول کیا' اور امام مالک کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے کسی مجمع عام میں ایجاب وقبول کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے آخر ایجاب وقبول کے ان کلمات میں کیا تاثیر ہے کہ ایک عورت بالکلیہ مرد پر حلال ہو جاتی ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ محض ایجاب وقبول سے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حلال ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کی اس خاص صورت میں عورتوں کو مردوں پر حلال کر دیا ہے ورنہ تنہائی میں اگر عورت اور مرد ایجاب وقبول کے یہی کلمات کہہ لیں تو وہ ایک دوسرے پر حلال نہیں ہیں، بلکہ نکاح کے بعد بھی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا مطلقاً حلال نہیں ہے۔ حیض اور نفاس کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیوی سے مباشرت کی اجازت نہیں دی ہے اس لئے ان ایام میں بیوی سے مباشرت کرنا مرد کے لئے جائز نہیں ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ عورت کے مرد پر حلال ہونے کا سبب نکاح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے' اگر اللہ تعالیٰ نکاح کی صورت میں اجازت دے تو بیویاں شوہروں پر حلال ہو جاتی ہیں اور اگر اللہ ملک یمین کی صورت میں اجازت دے تو باندیاں مالکوں پر حلال ہو جاتی ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد وہ قابل اعتراض نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد یہ بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔

2156 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةٍ فَرَاَى امْرَاَةً مُجِحًّا فَقَالَ: لَعَلَّ صَاحِبَهَا اَلَمَّ بِهَا؟ قَالُوا: نَعَمْ. فَقَالَ: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهُ لَعْنَةً تَدْخُلُ مَعَهُ فِي قَبْرِهِ. كَيْفَ يُوَرِّثُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟ وَكَيْفَ يَسْتَخْدِمُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟

❀❀ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کی (اس کے بعد) آپ نے ایک عورت کو دیکھا، جس کے حمل کی مدت تقریباً پوری ہو چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید اس کے مالک نے (اس کے ساتھ صحبت کر کے) اسے تکلیف پہنچائی ہے، لوگوں نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

2156-حديث صحيح، وهذا اسناد جيد. مسكين- وهو ابن بكير الحذاء- صدوق، وقد توبع. النفيلي: هو عبد الله بن محمد القضاعي، وشعبة: هو ابن الحجاج. واخرجه مسلم (1441) من طرق عن شعبة بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (21703).

''میں نے یہ ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں، جو اس کی قبر میں اس کے ساتھ داخل ہو، یہ اس (حمل والے بچے) کو کیسے اپنا وارث بنائے گا، جبکہ وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے اور اس سے کیسے خدمت لے گا، جبکہ وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے''۔

2157 حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي الْوَدَّاكِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَرَفَعَهُ، أَنَّهُ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسَ: لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ، وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً

❁❁ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث کے طور پر نقل کرتے ہیں: (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے) اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا:

''حاملہ عورتوں کے ساتھ اس وقت تک صحبت نہ کی جائے، جب تک وہ حمل کو جنم نہیں دیدیتی اور غیر حاملہ کے ساتھ (اس وقت تک صحبت نہ کی جائے) جب تک اسے ایک مرتبہ حیض نہیں آجاتا''

2158 حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي مَرْزُوقٍ، عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَامَ فِينَا خَطِيبًا، قَالَ: أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ لَكُمْ إِلَّا مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يَوْمَ حُنَيْنٍ، قَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ يَعْنِي: إِتْيَانَ الْحَبَالَى وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَقَعَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ السَّبْيِ حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا، وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَبِيعَ مَغْنَمًا حَتَّى يُقْسَمَ.

❁❁ حنش صنعانی، حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں: وہ ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، انہوں نے فرمایا: میں تمہیں وہی بات کہوں گا، جو میں نے غزوہ حنین کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

''اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے، کسی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کسی اور کے کھیت کو، اپنے پانی سے سیراب کرے''

یعنی (قیدی عورتوں میں سے) حاملہ عورت کے ساتھ صحبت کرے۔

''اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ قیدی عورتوں میں سے، کسی عورت کے ساتھ، اس کا استبراء کرنے سے پہلے، صحبت کرے، اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کسی بھی

2157- واخرجه الدارمي في "سننه" (2295)، والحاكم في "المستدرك"/1952/، والبيهقي في "السنن الكبرى"/4497/، وفي "معرفة السنن والآثار" (15397)، والبغوي في "شرح السنة" (2394)

2158- اخرجه مختصراً الترمذي (1161) من طريق بسر بن عبيد الله، عن رويفع. وقال: حديث حسن. وهو في "مسند احمد" (16997) و"صحيح ابن حبان" (4850).

شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے، کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے اس میں سے کوئی چیز فروخت کردے''۔

دارالحرب کی عورتوں سے متعلق نکاح وغیرہ کے احکام کا بیان

والمحصنت من النسآء اور حرام کردی گئی ہیں شوہروں والی عورتیں۔ یعنی شوہروں والی عورتوں سے کسی دوسرے کا نکاح اس وقت تک درست نہیں جب تک ان کے شوہر مر نہ جائیں یا طلاق نہ دے دیں اور عدت وفات یا عدت طلاق گزر نہ جائے۔ سہاگن عورتوں کو محصنات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نکاح اور بیاہ سے ان کا تحفظ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول ان مہاجر عورتوں کے متعلق ہوا جو خود بغیر شوہر کے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آجاتی تھیں اور بعض مسلمان ان سے نکاح کر لیتے تھے پھر ان کے شوہر مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آجاتے تھے اللہ نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کی اس آیت میں ممانعت فرمادی۔

میں کہتا ہوں شاید اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آزاد عورت اگر ہجرت کر کے آجائے اور اس کا شوہر مسلمان ہو تو خواہ وہ دارالحرب میں ہی ہو مگر اس عورت کا جدید نکاح جائز نہیں کیونکہ دین دونوں کا ایک ہے اگرچہ حکماً وطینت کا اختلاف ہے لیکن اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر آئے اور اس کا شوہر مسلمان نہ ہو اور دارالحراب میں موجود ہو تو ایسی عورت کا جدید نکاح درست ہے اللہ نے فرمایا ہے: **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ۔۔ إلى وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ** یعنی اگر مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آجائیں تو ان کی جانچ کرلو اگر جانچ کے بعد وہ مومن ثابت ہوں تو پھر کافروں کے پاس ان کو واپس نہ بھیجو نہ وہ ان (کافروں) کے لئے حلال ہیں نہ وہ (کافر) ان کے لئے حلال ہیں۔۔الی قولہ اور ان سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

دارالحرب سے نکلتے ہی وقوع فرقت سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دارالحرب سے نکلتے ہی مومن عورت کی اپنے کافر شوہر سے فرقت ہو جاتی ہے کیونکہ وطینت حقیقۃً بھی بدل جاتی ہے اور حکماً بھی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرقت کے بعد کوئی عدت بھی نہیں ہے لیکن صاحبین کے نزدیک عدت لازم ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض ہو جانے کے بعد فرقت کا حکم ہوگا بشرطیکہ شوہر نے اس سے قربت کی ہو اور قربت نہ کی ہو تو مسلمان ہوتے ہی فرقت کا حکم ہو جائے گا وطینت کے اختلاف سے ان ائمہ کے نزدیک کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الا ما ملکت ایمانکم مگر جو تمہاری مملوک ہو جائیں۔ عطاء نے کہا اس استثناء کی مراد یہ ہے کہ اگر کسی کی باندی اسی کے غلام کے نکاح میں ہو تو غلام کے نکاح سے نکال لینے کا اس کو حق ہے مگر یہ قول باجماع سلف غلط ہے صحیح وہ ہے جو مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری کی روایت سے لکھا ہے ابوسعید کا بیان ہے کہ جنگ اوطاس میں ہم نے کچھ عورتیں گرفتار کی تھیں جن کے شوہر موجود تھے۔ ہم نے ان سے قربت کرنی مناسب نہیں سمجھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ

دریافت کیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو عورتیں غنیمت جنگ میں تم کو اللہ نے دی ہوں اور تم نے ان سے حلال سمجھ کر قربت لی ہو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول جنگ حنین کے دن ہوا۔ فتح حنین کے دن مسلمانوں کو کچھ عورتیں ہاتھ لگیں جو اہل کتاب کی تھیں اور ان کے شوہر موجود تھے اگر کوئی مسلمان ان میں سے کسی عورت سے قربت کرنی چاہتا تھا تو وہ کہتی تھی میرا شوہر ہے یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت گرفتار ہو کر آئے خواہ شوہر کے ساتھ یا بغیر شوہر کے بہر طور شوہر سے فرقت ہو جاتی ہے اور جو اس عورت کا مالک ہو اس کے لئے اس عورت سے قربت درست ہے لیکن استبراء ضروری ہے کیونکہ اوطاس کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے نداء کر دی تھی کہ حاملہ عورتوں سے وضع حمل سے پہلے نکاح نہ کیا جائے اور نہ غیر حاملہ عورتوں سے جب تک ان کو حیض نہ آ جائے۔

مملوکہ کے نکاح سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

اسی طرح مالک کو اختیار ہے کہ وہ مملوکہ کا کسی اور سے نکاح کرا دے اور یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ کسی عورت کے قیدی بنا لینے کا تقاضا یہی ہے کہ قید کرنے والے کو جس طرح قیدی کی ذات کی ملکیت خالص طور پر حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح قیدی سے کامل نفع اندوزی کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کا یہی قول ہے ان ائمہ کا بیان ہے کہ اوطاس کی لڑائی میں عورتوں کو ان کے شوہروں سمیت گرفتار کیا گیا تھا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ صرف قید ہونے سے ہی کسی عورت کی فرقت کا حکم نہیں ہو جاتا' ہاں اگر صرف ایک گرفتار ہو دوسرا گرفتار نہ ہو (تو محض گرفتاری سے ہی فرقت کا حکم ہو جائے گا) امام صاحب کے نزدیک وطنیت کا حقیقی اور حکمی اختلاف موجب فرقت ہے قیدی ہو جانا موجب فرقت نہیں۔ احناف کا مقولہ ہے کہ وطنیت کے اختلاف سے مصالح نکاح کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے گویا وطنیت کا اختلاف محرم ہونے کی طرح ہے اور گرفتاری کا تقاضا ہے کہ مملوک کی ذات کی خالص ملکیت مالک کو حاصل ہو رہا کامل طور پر صنفی تمتع اندوزی تو یہ ضروری نہیں۔ ملکیت ذات کے لئے ملکیت تمتع لازم نہیں۔ مگر یہ نص کے مقابلہ میں قیاسی استدلال ہے (جو قابل قبول نہیں)

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ جنگ اوطاس میں تنہا عورتوں کا بغیر مردوں کے گرفتار ہونا روایت میں آیا ہے۔ ترمذی کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے اوطاس میں کچھ عورتیں قید کیں جن کے شوہر ان کی قوم میں موجود تھے لوگوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ ترمذی کی روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے یقینی طور پر صرف عورتوں کا بغیر شوہروں کے گرفتار ہونا معلوم ہوتا ہو اس لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ظاہر ہے اور اگر صرف عورتوں کا بغیر شوہروں کے گرفتار ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی عموم الفاظ قابل اعتبار ہے۔ خصوص سبب معتبر نہیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ آیت میں شوہر والی عورتوں سے استثناء ملکیت ذات کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ اختلاف دار (وطن) کا لفظ نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بالا جماع آیت اپنے عموم پر نہیں ہے کیونکہ عموم آیت تو ہر مملوکہ کو شامل ہے خواہ جنگ میں گرفتار کی گئی ہو یا خریدی گئی ہو یا میراث کے ذریعہ سے ملی ہو اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ اگر کوئی منکوحہ خریدی جائے تو عموم آیت اس کو شامل نہیں ہے۔ پس آیت اگرچہ عام ہے مگر اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ مخصوص البعض ہے اس لئے شوہر والی عورت اگر بطور غنیمت ملی ہو تو آیت کے عموم سے اس کو بھی ہم نے خاص کر لیا (کیونکہ شوہر والی عورت کو اگر خرید لیا جائے تو وہ بالا جماع مخصوص ہے اوس پر ہم نے قیدی منکوحہ کو قیاس کر لیا)

میں کہتا ہوں کہ تخصیص عام خواہ ظنی ہی ہو مگر اس کے لئے دلیل شرعی ہونی چاہئے نص ہو یا اجماع ہو یا قیاس ہو صرف رائے تو تخصیص کے لئے کافی نہیں۔ اس کے علاوہ خرید کردہ منکوحہ کو بالا جماع عموم آیت سے مخصوص قرار دے دینا قابل تسلیم نہیں (ایسا کوئی اجماع نہیں ہے) بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی مراد اس آیت سے یہ ہے کہ جب منکوحہ باندی کو فروخت کر دیا جائے تو صرف بیچنے سے ہی شوہر سے اس کی تفریق ہو جاتی ہے اور محض فروخت ہی اس کے لئے طلاق بن جاتی ہے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ وابن جریر وعبد بن حمید)

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ آیت میں محصنات سے مراد ہوں صرف وہ آزاد عورتیں جو شوہر والیاں ہوں اور ان پر قیاس کر کے منکوحہ باندیوں کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا جائے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ منکوحہ آزاد عورتیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں سوائے ان عورتوں کے جن کو قید کر کے باندی بنا لیا گیا ہو اس وقت خرید کردہ یا میراث میں ملی ہوئی باندی کو حکم حلت سے خاص کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ خریدنے (اور میراث میں آنے سے) پہلے وہ محصنہ ہی نہیں تھی مملوکہ تھی ہاں وہ قیدی عورت جس کو قید کر کے باندی بنایا گیا ہو پہلے سے باندی نہیں تھی آزاد عورت تھی۔

کتب اللہ علیکم اللہ نے ان عورتوں کی حرمت کو تم پر فرض کر دیا ہے۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابن جریر نے کتاب اللہ کی تشریح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے (یعنی) چار (عورتیں تمہارے لئے مقرر کر دی ہیں) اور ابن جریج کی روایت سے ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ایک سے چار تک نکاح میں لانے کی اجازت دی ہے)

واحل لکم ما وراء ذلکم اور ان مذکورہ عورتوں کے ماسوا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ حدیث اور اجماع اور قیاس کی وجہ سے وہ عورتیں جن کی حرمت کی تشریح ہم نے مذکورہ بالا بیان میں کر دی ہے اور چار سے زیادہ عورتیں اس عمومی حکم حلت سے الگ کر لی گئی ہیں۔

ان تبتغوا باموالکم حرام کردہ مذکورہ بالا عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کو طلب کرنا مال کے ساتھ (تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے) **باموالکم** سے مراد ہے مال دے کر لینا خواہ مہر دے کر یا خرید کر۔

محصنین غیر مسافحین پاک دامن رہتے ہوئے بغیر ناجائز تعلق کے۔

محصنین سے مراد ہیں پاکدامن باعفت کیونکہ عفت نام ہے فاحشہ (یعنی بے حیائی اور زنا) سے شرمگاہ کو اور ملامت وعذاب

سے نفس کو بچانے اور محفوظ رکھنے کا۔ سفاح سے مراد ہے زنا' کیونکہ سفح کا لغوی ترجمہ ہے بہانا یعنی جو ہر منوی کو بے فائدہ بغیر غرض نسل کے بہانا (یہ ہی زنا ہے)۔ (تفسیر مظہری، سورہ نساء، لاہور)

2159 حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا بِحَيْضَةٍ زَادَ فِيهِ بِحَيْضَةٍ. وَهُوَ وَهْمٌ مِنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَهُوَ صَحِيحٌ فِي حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ. زَادَ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ، حَتَّى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسْ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الْحَيْضَةُ لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ وَهُوَ وَهْمٌ مِنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے، تاہم اس میں یہ الفاظ ہیں:

''وہ ایک حیض کے ذریعے اس کا استبراء کرے''۔

تو اس میں ''ایک حیض'' کے الفاظ زائد ہیں۔ یہ ابومعاویہ نامی راوی کا وہم ہے اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ''صحیح'' ہے، اس میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص (یہ نہ کرے) کہ وہ مال فے میں سے کسی جانور پر سوار ہو جائے اور پھر جب اسے کمزور کر دے تو اسے (مال غنیمت میں) واپس کر دے، اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا کوئی بھی شخص (یہ نہ کرے) کہ وہ مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے کوئی کپڑا پہن لے، اور جب وہ پرانا ہو جائے تو اسے واپس کر دے''۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ''ایک حیض'' کا لفظ محفوظ نہیں ہے، یہ ابومعاویہ نامی راوی کا وہم ہے۔

شرح:

شریعت میں استبراء کا مطلب ہے لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی صفائی طلب کرنا اس کی فقہی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں کوئی لونڈی آئے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا کسی وصیت میں ملی ہو، یا کسی نے ہبہ کی ہو اور یا میراث میں ملی ہو تو اس شخص کو اس لونڈی سے اس وقت تک جماع کرنا یا مساس کرنا اور یا بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے جب تک کہ استبراء نہ کر لے یعنی اس کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک حیض نہ آ جائے اگر اس کو حیض آتا ہو یا نہ آنے کی صورت میں اس پر ایک مہینہ کی مدت نہ گزر جائے اور یا حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت نہ ہو جائے اور یہ استبراء ہر حال میں کرنا ضروری ہے خواہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو یا اس کو کسی عورت نے کیوں نہ خریدا ہو یا وہ کسی محرم یا اپنے نابالغ بچہ کے مال سے بذریعہ وراثت وغیرہ کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اگرچہ ان صورتوں میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ استبراء واجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ استبراء میں حکمت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اس کے رحم کا کسی غیر کے نطفہ سے پاک ونا معلوم ہو جائے تا کہ اس کے نطفہ کا کسی غیر کے نطفہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کسی غیر کے نطفہ کا کوئی احتمال نہیں ہے لیکن چونکہ یہ صریح نص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے غزوہ کے موقع پر

حاصل ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ خبردار حاملہ لونڈی سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آ جائے اور ظاہر ہے کہ ان لونڈیوں میں باکرہ بھی ہوں گی اور ایسی لونڈیاں بھی ہوں گی جو باکرہ کی نطفہ کے اختلاط کا احتمال نہیں رکھتی ہوں گی اس لئے قیاس کو نظر انداز کر کے ان صورتوں میں بھی استبراء کو واجب قرار دیا ہے۔

حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونیوالی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے بایں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لئے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اس کو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔(مسلم ،مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 531)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا الخ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرے گا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارے میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کرنیوالے کی ملکیت میں آئی ہے تو وہ اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہٰذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کا اپنا وارث بنانا لازم آئے گا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کر دے گا جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا لہٰذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کرنیوالی صورت ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

باندی سے جماع بغیر استبراء کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آ جائے۔

(احمد ابوداؤد دارمی ،مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 532)

اگر کسی غیر حاملہ کو اس کی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کر اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔لونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائے گا۔یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے۔

چنانچہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دارالحرب سے کسی کافرہ کو بطور لونڈی کے پکڑ لانے سے اس کا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے یعنی کفار سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جو شادی شدہ عورتیں بطور لونڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائے گا) لیکن اس بارے میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ ان کے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت اما اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔اور حضرت رویفع ابن ثابت الانصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حاملہ ہے جائز نہیں ہے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی سے اس وقت تک جماع کرے جب کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے اس کا استبراء نہ کر لے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے)۔ ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ زرع تک نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کو اپنا پانی پلانے سے منع کیا۔(مشکوۃ شریف:جلد سوم:حدیث نمبر 533)

حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تا کہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ و نسب کا اختلاط نہ ہو۔غیر حائضہ لونڈی کے بارے میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر

پورا ایک یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

بَابٌ فِي جَامِعِ النِّكَاحِ

باب: نکاح سے متعلق متفرق روایات

2160 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا اَبُو خَالِدٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمُ امْرَاَةً اَوِ اشْتَرَى خَادِمًا، فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ، وَاَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ، وَاِذَا اشْتَرَى بَعِيرًا فَلْيَاْخُذْ بِذِرْوَةِ سَنَامِهِ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: زَادَ اَبُو سَعِيدٍ، ثُمَّ لِيَاْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَةِ فِي الْمَرْاَةِ وَالْخَادِمِ

❀❀ عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

"جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے، یا کوئی خدمت گار (غلام یا کنیز) خریدے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے: "اے اللہ! میں تجھ سے، اس کی بھلائی، اور جس بھلائی پر تو نے اسے پیدا کیا ہے، اس کا سوال کرتا ہوں، اور اس کے شر سے، اور جس شر پر تو نے اسے پیدا کیا ہے، اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

جب آدمی کوئی اونٹ خریدے، تو اس کی کوہان کی چوٹی پکڑ کر بھی اسے یہی کلمات پڑھنے چاہئیں۔

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ابوسعید نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: "پھر وہ اس کی پیشانی پکڑ کر برکت کی دعا کرے" یہ الفاظ بیوی اور خادم کے بارے میں ہیں۔

مباشرت کے بعض آداب کا بیان

جب مسلمان شخص کی بیوی کی رخصتی ہو تو مسلمان کے لیے کئی ایک امور مستحب ہیں جو سنت سے ثابت ہیں جو ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

اول:

اس کا دل بہلائے مثلا اس کو پینے کے لیے کوئی چیز پیش کرے اس کی دلیل درج ذیل ہے: اسماء بنت یزید بن سکن بیان کرتی ہیں: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنایا اور پھر آپ کے پاس آئی اور آپ کو بلایا تو آپ آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور ایک بڑا پیالہ لایا گیا جس میں دودھ تھا آپ نے اسے نوش فرمایا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو

اس نے سر جھکا لیا اور شرما گئیں۔

اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: تو میں نے اسے ڈانٹا اور کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پکڑ لو وہ بیان کرتی ہیں تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے لے کر تھوڑا سا پیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: اپنے ساتھی کو دو (یعنی آپ اپنے آپ کو مراد لے رہے تھے)۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

دوم:

بیوی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے لیے دعا کرنی اور بسم اللہ پڑھنی اور برکت کی دعا کرتے ہوئے جو حدیث میں وارد ہے وہ کلمات کہنے: عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے یا کوئی خادم اور غلام خریدے تو وہ یہ کلمات کہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ

اے اللہ میں اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے، اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے۔

ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوسعید نے یہ الفاظ زائد کیے ہیں کہ پھر وہ اس کی پیشانی پکڑ کر عورت اور خادم میں برکت کی دعا کرے۔

اسے ابوداود نے سنن ابوداود کتاب النکاح باب فی جامع النکاح میں روایت کیا ہے، اور صحیح الجامع حدیث نمبر (341) میں اسے حسن قرار دیا گیا ہے۔

سوم:

خاوند کے لیے مستحب ہے کہ وہ بیوی کو دو رکعت پڑھائے اور خود امامت کرائے اور بیوی اس کے پیچھے کھڑی ہو کیونکہ سلف سے ایسا کرنا منقول ہے، اس میں دو اثر ملتے ہیں:

پہلا:

ابوسعید مولی ابی اسید بیان کرتے ہیں کہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کچھ نے انہیں یہ تعلیم دی اور انہیں فرمایا: "جب تم اپنی بیوی کے پاس (پہلی رات) جاؤ تو دو رکعت ادا کرو اور پھر اللہ تعالی سے اس چیز کی خیر و بھلائی کا سوال کرو جو تمہارے پاس آئی ہے، اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔

دوسرا:

شقیق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ابوحریز نامی ایک شخص آیا اور (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما) کو عرض کرنے لگا: میں نے ایک نوجوان کنواری لڑکی سے شادی کی ہے، اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ مجھے ناپسند نہ کرنے لگے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: الفت و محبت تو اللہ کی جانب سے ہے، اور ناپسندیدگی شیطان کی جانب سے، وہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ نے جو تمہارے لیے حلال کیا ہے اسے

تمہارے لیے ناپسند بنادے، لہٰذا جب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ تو اسے کہو کے وہ تمہارے پیچھے دو رکعت ادا کرے" مندرجہ بالا دونوں اثر ابن ابی شیبہ نے روایت کیے ہیں۔

چہارم:

جب وہ بیوی سے مجامعت کرنے لگے تو درج ذیل دعا پڑھے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے اور وہ یہ دعا پڑھے تو ان دونوں کو ہونے والی اولاد کو شیطان ضرر نہیں دیگا:

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، اے اللہ ہمیں شیطان سے دور رکھ، اور جو ہمیں اولاد عطا کرے اسے بھی شیطان سے دور رکھ" اسے بخاری نے روایت کیا ہے دیکھیں فتح الباری حدیث نمبر (3271)

نکاح کے ولیمہ میں مدعوین کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں، لہٰذا آپ اپنے رشتہ داروں اور دوست واحباب میں سے جسے چاہیں دعوت دیں، اور جس کو دعوت دینے میں مصلحت وفائدہ ہو اسے آپ دعوت دیں۔

شرعی طور پر آپ کے لیے جائز نہیں کہ اس تقریب میں کوئی بھی برائی اور حرام عمل کیا جائے مثلا موسیقی اور مرد وعورت کا اختلاط، یا مردوں کے سامنے عورتوں کا رقص وغیرہ یہ سب کا اللہ کی ناراضگی کا باعث بنتے ہیں۔

اور پھر آپ اللہ کی جانب سے ملنے والی نعمت کو کس طرح معصیت ونافرمانی اور برائی میں تبدیل کرتے ہیں، عورتوں کے لیے ممکن ہے کہ شریعت نے ان کے لیے جو اجازت دی ہے وہ کریں مثلا مباح اور اچھے اشعار پڑھنا، اور ان کے لیے صرف دف بجانا جائز ہے اور یہ بھی مردوں سے علیحدگی میں۔

شادی میں نکاح کے بعد ولیمہ کرنا مسنون ہے اگر استطاعت ہو تو مہمانوں کے لیے بکرا ذبح کیا جائے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: "تم ولیمہ کرو چاہے ایک بکری ہی ہو۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (2048)

2161 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ، قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، ثُمَّ قُدِّرَ أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا

❀❀ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

2161-اسناده صحيح. جرير: هو ابن عبد الحميد الضبي، ومنصور: هو ابن المعتمر السلمي، وكريب: هو مولى ابن عباس. واخرجه البخاري (141)، ومسلم (1434)، وابن ماجه (1919)، والترمذي (1117)، والنسائي في "الكبرى" (8981) و (10024) و (10028) من طرق عن منصور، بهذا الاسناد. وهو في "مسند احمد" (1867)، و "صحيح ابن حبان" (983).

''جب کوئی شخص اپنے بیوی کے پاس آئے (یعنی اس کے ساتھ صحبت کرنے لگے) تو اسے یہ دعا پڑھ لینی چاہیے:

''اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے، اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) تو ہمیں عطا کرے گا، اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھنا''۔

(نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) اگر (اس صحبت کے نتیجے میں) ان کے نصیب میں اولا ہوئی، تو شیطان اسے کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

2162 حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، عَنْ وَكِيعٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ مَخْلَدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''وہ شخص ملعون ہے، جو اپنی بیوی کی پچھلی شرمگاہ میں، صحبت کرتا ہے''۔

2163 حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ: إِنَّ الْيَهُودَ يَقُولُونَ: إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ فِي فَرْجِهَا مِنْ وَرَائِهَا كَانَ وَلَدُهُ أَحْوَلَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى {نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ} (البقرة:223)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہودی یہ کہا کرتے تھے، جب کوئی شخص اپنی بیوی کی فرج (یعنی اگلی شرمگاہ میں) پیچھے کی طرف سے صحبت کرے، تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، (تو اس بارے میں) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

''تمہاری بیویاں تمہارے کھیت ہیں، تم اپنے کھیت میں جیسے چاہو، آؤ!''

شرح

پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہی ایک ہو، طریقہ خواہ کوئی بھی ہو، سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی، ابن جریج فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے سے لیکن ایک ہی رہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہو آؤ، ہاں اس کے منہ پر نہ مار، زیادہ برا نہ کہہ، اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا، ایک ہی گھر میں رہ۔ (احمد وسنن)

2163- اسناده صحيح. ابن بشار: هو محمد العبدي، وعبد الرحمن: هو ابن مهدي، وسفيان: هو الثوري. واخرجه البخاري (4528)، ومسلم (1435)، وابن ماجه (1925)، والنسائي في "الكبرى" (8924-8927) و (10971) و (10972) من طرق عن محمد بن المنكدر، به. وهو في "صحيح ابن حبان" (4166) و (4197).

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتائیے، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے الٹا کر کے مباشرت کی تھی، لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابط حضرت حفصہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے، فرمایا بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو، کہا فرمایئے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے، جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کرلوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی، ام سلمہ نے بٹھایا اور کہا ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں گے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انصاریہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنین نے آپ سے پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصاریہ عورت کو بلالو، پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو،

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہلاک ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا، میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامنے سے آ، پیچھے سے آ، اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ انصار والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو اللہ بخشے، انہیں کچھ وہم سا ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے۔ بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے۔ یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے۔ یہی عادت ان انصار کی بھی تھی۔ ان کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے، وہ جس طرح جی چاہتا ملتے۔ اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں جب اترے تو ایک مکی مجاہد مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے، عورت نے انکار کردیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے اور جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے قرآن شریف سیکھا اول سے آخر تک انہیں سنایا، ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا۔ اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گزرا) ابن عمر کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس

آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافع سے فرمایا جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں، فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وطی کے بارے میں اتری ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے، دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی سنداً صحیح نہیں بلکہ انہیں حضرت نافع سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے وطی دبر کو جائز کیا ہے؟ تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے، اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف سند صحیح نہیں، معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمر سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی انشاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال بلکہ حرام ہے، تو یہ قول یعنی جواز کا بعض کا بعض فقہاء مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول ہرگز یہ نہیں، صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے لوگو! شرم وحیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا۔ عورت کے پاخانہ کی جگہ وطی نہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا۔ (مسند احمد)

اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

(ترمذی)

حضرت ابن عباس سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا کہ میں نے آیت (انی شئتم) کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ ناراض ہوئے اور اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر، خواہ بیٹھ کر چت خواہ پٹ لیکن جگہ وہی ایک ہو، ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ وطی کرے وہ چھوٹا لوطی ہے۔ (مسند احمد)

ابو درداء فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ۔ ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر والا ہو خواہ نیچے والا ہو، اور اپنے ہاتھ سے مشت زنی کرنے والا، اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنے والا اور عورت کی دبر میں وطی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا اور ہمسایہ کو ستانے والا، یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے، لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں، مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے وطی کرے اسے کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا (مسند)

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے، اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اتری ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتاتے ہیں، ترمذی میں روایت ہے کہ ابوسلمہ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی) ایک مرفوع حدیث میں اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے، اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

2164 حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى أَبُو الْأَصْبَغِ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّ ابْنَ عُمَرَ وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ أَوْهَمَ إِنَّمَا كَانَ هَذَا الْحَيُّ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَهُمْ أَهْلُ وَثَنٍ مَعَ هَذَا الْحَيِّ مِنْ يَهُودَ وَهُمْ أَهْلُ كِتَابٍ وَكَانُوا يَرَوْنَ لَهُمْ فَضْلًا عَلَيْهِمْ فِي الْعِلْمِ فَكَانُوا يَقْتَدُونَ بِكَثِيرٍ مِنْ فِعْلِهِمْ وَكَانَ مِنْ أَمْرِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَأْتُوا النِّسَاءَ إِلَّا عَلَى حَرْفٍ وَذَلِكَ أَسْتَرُ مَا تَكُونُ الْمَرْأَةُ فَكَانَ هَذَا الْحَيُّ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ أَخَذُوا بِذَلِكَ مِنْ فِعْلِهِمْ وَكَانَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ يَشْرَحُونَ النِّسَاءَ شَرْحًا مُنْكَرًا، وَيَتَلَذَّذُونَ مِنْهُنَّ مُقْبِلَاتٍ وَمُدْبِرَاتٍ وَمُسْتَلْقِيَاتٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْمَدِينَةَ تَزَوَّجَ رَجُلٌ مِنْهُمُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَذَهَبَ يَصْنَعُ بِهَا ذَلِكَ فَأَنْكَرَتْهُ عَلَيْهِ، وَقَالَتْ: إِنَّمَا كُنَّا نُؤْتَى عَلَى حَرْفٍ فَاصْنَعْ ذَلِكَ وَإِلَّا فَاجْتَنِبْنِي، حَتَّى شَرِيَ أَمْرُهُمَا فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ) (البقرة: 223) أَيْ: مُقْبِلَاتٍ وَمُدْبِرَاتٍ وَمُسْتَلْقِيَاتٍ يَعْنِي بِذَلِكَ مَوْضِعَ الْوَلَدِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، ان کو یہ غلط فہمی ہوئی، انصار کے ایک قبیلے کے لوگ بت پرستی کرتے تھے، ان کے ساتھ یہودیوں کا ایک قبیلہ بھی رہتا تھا، وہ لوگ اہل کتاب تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ان پر علمی اعتبار سے فضیلت حاصل ہے، تو وہ انصار ان یہودیوں کے بہت سے افعال میں ان کی پیروی کیا کرتے تھے، اہل کتاب کا معاملہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک سمت سے (یعنی عورت کے سامنے کی طرف سے) اس کے ساتھ صحبت کرتے تھے، یہ عورت کے پردے کے لیے زیادہ مناسب تھا، جبکہ اہل قریش کا یہ طریقہ تھا کہ وہ منکر طور پر کھلا کر کے (یعنی اسے برہنہ کر کے) اس سے، آگے کی طرف سے، پیچھے کی طرف سے، چت لٹا کر، (ہر طرح سے اگلی شرمگاہ میں صحبت کرتے تھے)۔

جب مہاجرین مدینہ منورہ آئے، ان میں سے ایک صاحب نے ایک انصاری خاتون کے ساتھ شادی کی، اس شخص نے اس خاتون کا ساتھ بھی وہی طرز عمل اختیار کرنا چاہا، (جو ان لوگوں کا معمول تھا)، تو اس عورت نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا: ہم عورتوں کے ساتھ صرف ایک سمت سے صحبت کی جا سکتی ہے، تم اسی طرح کرو، ورنہ مجھ سے دور رہو، ان دونوں کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا، اس بات کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

''تمہاری بیویاں، تمہارے کھیت ہیں، تم اپنے کھیت میں جیسے چاہو آؤ''۔
یعنی آگے کی طرف سے، پیچھے کی طرف سے، چت لٹا کر، جبکہ بچے کی جگہ (یعنی اگلی شرمگاہ میں صحبت کی جائے)۔

آداب مباشرت کے بعض احکام کا بیان

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں) یعنی تمہارے کھیتوں کی جگہ ہیں کھیتوں کے ساتھ انہیں اس لیے تشبیہ دی ہے کہ ان کے رحموں میں جو نطفے ڈالے جاتے ہیں وہ تخموں کے مشابہ ہیں غرض اس سے یہ ہے کہ عورتوں سے صحبت کرنا محض نسل باقی رکھنے کے لیے تمہارے واسطے مباح کر دیا گیا ہے۔
فَأْتُوا حَرْثَكُمْ (پس تم اپنی کھیتیوں میں آؤ) یعنی ان کی فرجوں میں صحبت کرو گویا یہ آیت فاتوھن من حیث امرکم اللہ کا بیان ہے۔
اَنّٰى شِئْتُمْ (جہاں سے چاہو) یعنی جس طرح تم چاہو کیونکہ کلمہ انی کیف اور این کے معنی میں مشترک ہے اور اینکے معنی یہاں بن نہیں سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جگہ کے عام ہونے پر دلالت کرے گا۔ حالانکہ کھیتی کی جگہ ایک ہی ہے اس لیے یہاں کیف ہی کے معنی معین ہوں گئے اس آیت کے شان نزول میں جو ایک تحقیق ہم عنقریب بیان کریں گے۔ اس کا مقتضی بھی یہی ہے' واللہ اعلم۔

عورتوں کی دبر میں وطی کی ممانعت میں مذاہب اربعہ کا بیان

عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کی جو ہم نے حرمت بیان کی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد اور جمہور اہل سنت کا یہی قول ہے امام مالک سے اس کے جواز کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے لیکن امام مالک کے شاگرد امام مالک کی طرف جواز کے انتساب کے منکر ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ پہلے ان کا یہ مذہب تھا پھر انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دو قول ہیں پہلا قول جو ابن عبدالحکم نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ اس کی حرمت اور حلت میں رسول اللہ سے کچھ ثابت نہیں ہے اور قیاس بھی یہی (چاہتا) ہے کہ یہ حلال ہو گویا انہوں نے اس فعل کو اس پر قیاس کیا ہے کہ کوئی شخص اپنا ذکر اپنی بی بی کے ہاتھ میں یا ران سے لگا کر حاجت پوری کرے۔
حاکم نے سند کے ساتھ ابن عبدالحکم سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں میں نے امام شافعی سے گفتگو کی تھی انہوں نے یہ جواب دیا کہ محمد بن حسن نے بھی (اس بارے میں) مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے ان سے یہ کہا کہ اگر تم اس بارے میں محض جھگڑا کرنا اور روایتوں کو صحیح کرنا چاہتے ہو (اگرچہ اس کی بابت روایت کوئی بھی صحیح نہیں، ہے) تو تم خود واقف اور جاننے والے ہو اور اگر منصفانہ بحث کرتے ہو تو میں موجود ہوں انہوں نے کہا کہ نہیں منصفانہ ہی گفتگو کرنی چاہتا ہوں تب میں نے اس سے پوچھا کہ تم اس فعل کو کس دلیل سے حرام کہتے ہو کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ فاتوا حرثکم اَنّٰى شِئْتُمْ اور کھیتی فقط فرج ہی میں ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کیا اس جگہ کے سوا اور سب جگہیں اس آیت سے حرام ہو جائیں گی کہا ہاں میں نے پوچھا کہ اس میں تم کیا کہتے ہو کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی پنڈلیوں کے بیچ میں یا بغل میں وطی کر لے یا اپنا ذکر اس کے ہاتھ میں دیدے کیا اس میں بھی کوئی کھیتی ہے کہا نہیں میں نے کہا کیا یہ فعل حرام ہے کہا نہیں تب میں نے کہا کہ ایسی آیت کو اپنی دلیل کیوں بناتے ہو جو

کس طرح دلیل نہیں ہوسکتی کہنے لگے (دوسری جگہ) اللہ نے فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ (یعنی جو اپنی فرجوں کی حفاظت کرنے والے ہیں) تو اس میں فرج کو نام لے کر کہا ہے میں نے کہا کہ یہی دلیل ہے جس سے علما اس کے جواز پر حجت لاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جنہوں نے اپنی بی بی اور اپنی لونڈی کے علاوہ اوروں سے اپنی شہوت پوری کرنے کو روکا اور اس کے توتم بھی قائل ہو۔

میں کہتا ہوں کہ جب ہم نے یہ بیان کر دیا کہ عورتوں سے بدفعلی کرنے کی حرمت کا سبب پلیدی ہی ہے اور یہ پلیدی اس صورت میں منتفی ہے کہ جب کوئی عورت کی پنڈلیوں وغیرہ میں وطی کرے تو اسے امام شافعی کے قیاس کا ضعیف ہونا صاف معلوم ہو گیا امام موصوف نے اسی وجہ سے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے (اب ان کا یہ قول نہیں ہے)۔

حاکم کہتے ہیں شاید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس (کے جواز) کے پہلے قائل ہوں گے ورنہ اب ان کا یہ قول نہیں ہے اب تو ان سے بھی اس کی حرمت ہی مشہور ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ ابن عبدالحکم نے (جو امام شافعی سے یہ روایت کی ہے اس نے) صریح جھوٹ بولا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ امام موصوف نے اپنی سنن میں اس کی حرمت کی خوب تشریح کر دی ہے اور ان سے بہت سے علما نے اسے نقل بھی کیا ہے منجملہ ان کے ماوردی نے حاوی میں اور ابونصر بن صباح نے شامل میں اور ان کے علاوہ اوروں نے بھی شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ہ ربیع کیا بن عبدالحکم کی تکذیب کرنے سے کوئی فائدہ نہیں نکلتا کیونکہ وہ اس بارے میں اکیلے ہی راوی نہیں بلکہ ان کے بھائی عبدالرحمن نے بھی اس میں ان ہی کی موافقت کی ہے۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ اس بارے میں امام شافعی کے دو قول ہیں اخیر قول یہ ہے کہ اس سے انہوں نے رجوع کر لیا ہے وہ اس کی حرمت میں جمہور کے موافق ہیں اس بدفعلی کی حرمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں ابن جوزی کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے یہ مروی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا ہے منجملہ ان کے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب، خزیمہ بن ثابت، ابوہریرہ، ابن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، ابن مسعود، عقبہ بن عامر، براء بن عازب، طلق بن علی، ابوذر، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے راوی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نسائی اور بزار نے زمعہ بن صالح کی سند سے روایت کی ہے زمعہ نے طاؤس سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ہادی سے انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے اور زمعہ ضعیف ہیں احمد اور ابو حاتم نے ان کا ضعیف ہونا بیان کیا ہے اور ذہبی کہتے ہیں کہ یہ صالح الحدیث ہیں لیکن ان پر موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہے باقی رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ان لفظوں سے نقل کیا ہے: ان اللہ لا یستحیی من الحق لا تاتوا النساء فی اعجازھن (یعنی اللہ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا تم عورتوں سے بدفعلی (یعنی دبر میں وطی) نہ کیا کرو) اور خزیمہ ابن ثابت کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کو پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جائز ہے جب وہ پشت پھیر کے چلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بلا کے فرمایا تم نے کیا پوچھا تھا آیا یہ پوچھتے تھے کہ دونوں راستوں میں سے کون سے میں جائز ہے سو اگر پیچھے ہو کر فرج میں وطی کرے تو جائز ہے اور اگر پیچھے ہو کر دبر ہی میں

کرنے لگے تو یہ ہرگز جائز نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ حق (بات بیان کرنے) سے نہیں شرماتا تم لوگ عورتوں کی دبر میں وطی ہرگز نہ کیا کرو۔ یہ روایت امام شافعی امام احمد ترمذی ابن ماجہ دارمی نے نقل کی ہے اور اس میں عمرو بن اجنحہ راوی مجہول الحال ہیں اور یہی روایت وھب بن سوید بن ہلال کے طریق سے نسائی نے نقل کی ہے اس طرح کہ انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے علی ابن سائب سے انہوں نے حصین بن محصن سے انہوں نے ہرمی بن عبداللہ سے انہوں خزیمہ سے روایت کی ہے اور ہرمی کے طریق سے بھی اسے امام احمد، نسائی، ابن حبان نے نقل کیا ہے اور ان کا حال بھی معروف نہیں ہے بزار کہتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی حدیث صحیح معلوم نہیں ہوتی اور جو خزیمہ بن ثابت سے روایت کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اسی طرح حاکم نے حافظ ابوعلی نیشاپوری سے نقل کیا ہے اور ایسا ہی نسائی سے مروی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ان دونوں روایتوں کو امام بخاری نے تسلیم کرلیا ہے۔ رہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا (یعنی جو عورت کی دبر میں وطی کرے وہ ملعون ہے) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا جو عورت کی دبر میں وطی کرے اس روایت کو امام احمد اور ابوداود نے نقل کیا ہے اور باقی اصحاب سنن نے سہل بن ابی صالح کے طریق سے انہوں نے حرث بن مخلد سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حارث بن مخلد مشہور نہیں ہیں اور ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کا حال معروف (بین المحدثین) نہیں ہے اس کے علاوہ سہیل پر اس میں اختلاف بھی ہے چنانچہ اسماعیل بن عیاش نے سہیل سے انہوں نے محمد بن منکدر سے انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جسے دار قطنی اور ابن شاہین نے نقل کیا ہے اس کو عفرہ کے مولی عمر نے سہیل سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جو ابن عدی نے نقل کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور ابوہریرہ کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے جسے امام احمد اور ترمذی نے حماد بن سلمہ کے طریق سے روایت کیا ہے حماد حکیم اثرم سے وہ ابوتمیمہ سے وہ ابوہریرہ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایام والی عورت سے یا عورت کی دبر میں وطی کی یا کسی نے کاہن (نجومی) کے کہنے کو سچا جانا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ احکام کا کفر کیا۔

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے سوائے حکیم کے طریق کے اور کسی سند سے ہم اسے نہیں جانتے اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابوتمیمہ کا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سننا کچھ مشہور نہیں ہے بزار کا قول یہ ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور حکیم (والی سند) دلیل بنانے کے لائق نہیں ہے اور جس سند میں وہی اکیلے ہوں (کہ وہ اور روایت اور سند سے مروی نہ ہو) تو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے یہ حدیث ایک تیسرے طریق سے بھی مروی ہے جسے نسائی نے زہری کی روایت سے انہوں نے ابوسلمہ سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے حمزہ کنانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس میں عبدالمالک جو راوی ہیں ان کے بار میں دحیم اور ابوحاتم وغیرہ نے گفتگو کی ہے اور محفوظ یہی ہے کہ وہ روایت موقوف ہے اس حدیث کی روایت ایک چوتھے طریق سے بھی آئی ہے جسے نسائی نے بکر بن خنیس کے طریق سے انہوں نے لیث سے انہوں مجاہد سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان لفظوں سے نقل کیا ہے کہ: من اتی شیئاً من الرجال والنساء فی الادبار فقد کفر (ترجمہ: جس شخص نے مرد یا عورت کے ساتھ دبر

میں وطی کی اس نے کفر کیا) بکر اور لیث دونوں ضعیف ہیں یہی روایت پانچویں طریق سے بھی مروی ہے جسے عبداللہ ابن عمر بن ابان نے مسلم بن خالد زنجی سے انہوں نے علا سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا ہے کہ: ملعون من اتی النساء فی ادبارھن (یعنی وہ آدمی ملعون ہے جو عورتوں کی دبر میں وطی کرے) یہ روایت امام احمد اور نسائی نے نقل کی ہے اور نسائی وغیرہ نے مسلم (بن خالد) کو ضعیف کہا ہے ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بہت سچا آدمی ہے۔ یحییٰ بن معین وغیرہ نے اسے معتبر راوی کہا ہے رہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دیث سو اس کو ترمذی نسائی ابن حبان امام احمد بزار نے کثیر بن عباس کے طریق سے روایت کیا ہے بزار کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ وھب کی سند سے زیادہ اچھی سند کے ساتھ کسی نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ابو خالد الاحمر اس کے اکیلے راوی ہیں جو ضحاک بن عثمان سے وہ محمد بن سلیمان سے وہ کریب سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح ابن عدی نے کہا ہے اور اسی کو نسائی۔ نے ہناد سے انہوں نے وکیع سے انہوں نے ضحاک سے موقوفا روایت کیا ہے اور ان کے نزدیک مرفوع سے یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ ابن عباس سے ایک اور طریقے سے بھی موقوفا مروی ہے جسے بزار نے معمر سے انہوں نے ابن طاؤس سے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی ہے کہ ابن عباس سے ایک آدمی نے عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کو پوچھا تو آپ نے فرمایا تو مجھ سے کفر کی بات کو پوچھتا ہے اسے نسائی نے ابن المبارک کی روایت سے انہوں نے معمر سے نقل کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ رہی عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث سو اسے امام احمد نے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ ان لفظوں سے نقل کیا ہے کہ کسی نے رسول اللہ سے مسئلہ پوچھا کہ مرد عورت کی دبر میں وطی کرے تو کیسا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لواطت صغریٰ ہے (یعنی جائز نہیں ہے) نسائی نے اسے نقل کیا ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرو کا قول ہے عبدالرزاق وغیرہ نے اسی طرح بیان کیا ہے اور اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے جو اسماعیل نے معجم میں نقل کی ہے لیکن اس میں یزید رقاشی، (راوی) ضعیف ہیں اور ابی بن کعب سے بھی بہت ہی ضعیف سند کے ساتھ جزء الحسن بن عرفہ میں روایت ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی بہت واہی سند کے ساتھ ابن عدی کے ہاں روایت ہے علی ہذا القیاس۔

عقبہ بن عامر سے امام احمد کے ہاں اس میں ابن لھیعہ راوی ہیں اور یہ سب حدیثیں اگر چہ ضعیف ہیں لیکن ایک کی دوسری سے قوت ہو جانے کے باعث اس کا علم یقیناً ہو جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایسی نہی وارد ہے جو اب کسی طرح رد نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کا قائل ہونا بے شک واجب ہے واللہ اعلم اور جو لوگ اس فعل کے مباح ہونے کے قائل ہیں انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو اپنی دلیل بنایا ہے جو ان سے بہت سے طریقوں کے ساتھ صحیح طور پر مروی ہے کہ عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کی بابت انہوں نے فرمایا: نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انّٰی شئتم (یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اب تم اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو آؤ) اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اسی طرح طبرانی نے بہت عمدہ سند کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ آیت دبر میں وطی جائز ہونے کے بابت نازل ہوئی ہے ابن عمر سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی نے عورت کی دبر میں وطی کر لی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: نساء کم حرث لکم [الآیۃ] نازل فرمائی۔

اسی طرح ابن جریر ابو یعلی ابن مردویہ عبداللہ بن نافع کی سند سے انہوں نے ہشام بن سعد سے انہوں نے زید بن اسلم سے انہوں نے عطاء بن یسار سے انہوں نے ابو سعید خدری سے یہ روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت کی دبر میں وطی کر لی تھی لوگوں نے اس پر لعنت ملامت کی تو اللہ تعالیٰ نے نساء کم حرث لکم آیت نازل فرمائی:

میں کہتا ہوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو سعید خدری دونوں کا یہ وہم ہے اس آیت کے معنی میں دونوں نے غلطی کھائی ہے اور اگر اس آیت کے نازل ہونے کا یہی سبب تھا (جو ان دونوں نے بیان کیا ہے) تو حکم واقعہ کے مطابق نہیں ہوتا اس لیے کہ: فاتوا حرثکم انی شئتم اللہ تعالیٰ کا فرمانا کھیتی میں جانے کا حکم ہے نہ کہ دبر میں وطی کرنے کا کیونکہ یہ کھیتی کا موقع ہی نہیں ہے لہٰذا دبر کے مباح کرنے پر یہ آیت حجت ہرگز نہیں بن سکتی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ وہم نافع کا ہے کیونکہ عبداللہ بن حسن سے مروی ہے کہ وہ سالم بن عبداللہ سے ملے اور ان سے کہا کہ اے ابو عمرو وہ کیسی حدیث ہے جو نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عورتوں کی دبر میں وطی کرنے میں کچھ برائی نہیں سمجھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ نافع جھوٹ بولتا ہے اور اس کی غلطی ہے بلکہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے سے ہو کر فرجوں ہی میں وطی کیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سالم کا قول بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابن عمر سے اس کو روایت کرنے میں نافع ہی تنہا نہیں ہیں بلکہ اس کو زید بن اسلم عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر سعید بن یسار وغیرہ نے بھی ابن عمر سے روایت کیا ہے اس طرح شیخ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے پس صحیح یہ ہے کہ یہ وہم تو یقیناً ابن عمر ہی سے ہوا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس وہم ہونے کا راس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی حکم کیا ہے ابوداؤد اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدا مغفرت کرے اس سے یہ غلطی ہوگئی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انصار کے ایک قبیلہ کے لوگ پہلے بت پرست تھے ان کا زیادہ میل جول ایک یہودی قبیلہ کے ساتھ تھا وہ اہل کتاب تھے۔ یہ (بیچارے) انصار علم میں انہیں اپنے سے افضل سمجھتے تھے اسی لیے ان کے افعال میں اکثر ان کا قتدا کر لیتے تھے اور اہل کتاب کی یہ عادت تھی کہ وہ عورتوں سے فقط ایک ہی طرف سے وطی کرتے تھے اور اس میں عورت کے لیے پردہ زیادہ رہتا ہے پس انصار کے اس قبیلہ نے ان ہی کا طریقہ لے لیا تھا قریش کے قبیلہ کے لوگ عورتوں کو خوب چرتے تھے اور کبھی سیدھی، کبھی الٹی، کبھی چت لٹا کے خوب ان سے مزے لیتے تھے۔

پھر جب مہاجرین مدینہ منورہ میں آئے تو ان میں سے ایک شخص کا نکاح انصاریہ عورت سے ہوگیا یہ مہاجر اس عورت کے ساتھ بھی ویسا ہی کرنے لگے اس عورت نے اس کو برا سمجھ کر ان کا کر دیا اور کہا ہمارے ہاں تو فقط ایک ہی طرح سے ہم بستری کی جاتی ہے پھر ان کا یہ قصہ سب لوگوں میں پھیل گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خبر پہنچ گئی اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم ان شئتم (یعنی خواہ انہیں سیدھی خواہ الٹی خواہ چت لٹا کر کسی طرح کرو اور مراد اس سے ولادت ہی کی جگہ تھی (نہ کہ دبر) اس آیت کے شان نزول میں۔ اسی طرح بخاری، ابوداؤد، ترمذی نے جابر رضی اللہ عنہ سے

روایت کی ہے جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جس وقت عورت سے کوئی پیچھے سے صحبت کرے تو بھینگا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا کیا اور فرمایا کہ نساؤ کم حرث لکم فاتو حرثکم انی شئتم یعنی پیشاب گاہ میں تو جس طرح چاہو کرلو اللہ تعالیٰ کا مقصود اس سے بچہ پیدا ہونے ہی کی جگہ ہے کہ وہ کھیتی کے لیے ہے اسی طرح امام احمد نے عبدالرحمن بن ثابت سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں عبدالرحمن کی بیٹی حفصہ کے پاس گیا میں نے کہا میں تم سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن تم سے پوچھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہنے لگی کہ بھتیجے شرم نہ کرو (پوچھو) میں نے کہا عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کو پوچھتا ہوں فرمایا یہود کہا کرتے تھے کہ جو کوئی عورت کو پھیر کے وطی کرے تو اس کا بچہ بھینگا ہوگا۔ پھر جب مہاجر لوگ مدینہ منورہ میں (مکہ سے ہجرت کرکے) آئے تو انصار کی عورتوں سے ان کی شادیاں ہونے لگیں اور انہوں نے عورتوں کو پھیر کے وطی کی تو ایک عورت نے اپنے میاں کا کہا ماننے سے انکار کردیا اس نے کہا کہ جب تک رسول اللہ نہ آجائیں ہم اس طرح نہ کرائیں گے پھر میں ام سلمہ کے پاس گئی اور ان سے یہ قصہ میں نے ذکر کیا وہ بولیں کہ بیٹھ جاؤ حضرت کو آنے دو (دریافت کرلیں گے) جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس انصاریہ کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے شرم آئی وہ تو نکل کے چلی گئی اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا اس انصاریہ کو بلالو وہ بلائی گئی تو (اس کے آنے پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر اسے سنائی کہ (نساؤ کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم (یعنی راستہ تو ایک ہی ہے اور اس میں جس طرح چاہے کرلیا کرو)۔

امام احمد اور ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ میں تو ہلاک ہوگیا۔ فرمایا: کیا سبب؟ عرض کیا کہ رات میں نے (صحبت کرتے ہوئے) اپنی بی بی کو پھیر لیا تھا اور اس نے کچھ انکار نہ کیا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: نساؤ کم حرث لکم [الآیۃ] تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ چت پٹ جس طرح چاہو کرلو لیکن دبر اور ایام کی حالت میں بچا کرو اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر یہی فرمائی کہ چت پٹ جس طرح چاہو کرو لیکن دبر اور ایام کی حالت میں بچا کرو۔ اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر یہی فرمائی ہے کہ چت پٹ جس طرح چاہو کرو لیکن دبر اور ایام کی حالت میں نہ کیا کرو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول: فاعتزلوا النساء فی المحیض کی (عورتوں سے بحالت حیض جدا رہو ۱۲) کی تفسیر فرمائی تھی کہ اصنعوا کل شیء الا النکاح (یعنی سوائے وطی کے سب کچھ کرلیا کرو) اگرچہ بظاہر یہ آیت اس پر دلالت نہ کرتی تھی کہ عورتوں کے کھانے پینے میں شریک رہنا جائز ہے پس اس سے اس روایت کا رد صاف ظاہر ہوگیا جو ابن عبدالحکم نے امام شافعی سے نقل کی ہے کہ یہ آیت دبر (میں وطی کرنے) کو حرام کرنے والی نہیں ہے جیسا کہ یہ پنڈلی میں وطی کرنے کو حرام نہیں کرتی۔

وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ (اور اپنے لیے (اعمال صالحہ) آگے بھیجو) یعنی صحبت کرنے سے فقط اس وقت کی لذت ہی مقصود نہ رکھو بلکہ ان فائدوں کا قصد کرو جو دین کی طرف راجع ہوتے ہیں مثلاً حرام کاری سے بچنا نیک اولاد ہونا کہ تمہارے لیے دعا اور

استغفار کرے اور مرجائے تو قیامت میں پیش خیمہ ہو کیونکہ مباح امور اگر خالص صحیح نیت کے زیر اثر ہوں تو عبادت بن جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمہارے صحبت کرنے میں بھی ثواب ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنی شہوت پوری کریں تو جب بھی ہمیں اجر ملتا ہے فرمایا تم ہی بتاؤ اگر کوئی حرام کاری کرے تو کیا اس کا اس کے ذمے گناہ نہیں ہوتا پس اسی طرح اگر کوئی حلال جگہ کرے گا تو اسے اجر بھی ملے گا۔ اس کو مسلم رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نقل کیا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل سب ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے یا تو صدقہ جاریہ ہو یا علم ہو جس سے (اس کے مرنے کے بعد) لوگ فائدہ اٹھائیں یا نیک اولاد ہو کہ اس کے حق میں دعا کرے یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے تین بچے مرجائیں تو اسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی ہاں قسم پوری ہونے کے لیے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت سے فرمایا تھا کہ تم میں سے جس کے تین بچے مرجائیں اور وہ ان پر صبر کرتی رہے تو ضرور بہشت میں جائے گی ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! یا دو ہوں فرمایا ہاں دو بھی اس کو بھی مسلم نے نقل کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ میری امت میں سے جس کے دو بچے) بھی پیش خیمہ ہوں گے تو ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں بھیج دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ آپ کی امت میں سے جس کا ایک بچہ ہی ہو فرمایا ایک والی کا بھی یہی حکم ہے۔ الحدیث

یہ روایت ترمذی نے نقل کی ہے بعض مفسرین نے کہا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **و قدموا لانفسکم** آیت **فاتوا حرثکم** کے لیے عطف تفسیری ہو اور معنی یہ ہوں کہ تمہارے اپنی کھیتی میں جانے (یعنی اپنی بی بی سے ہم بستری کرنے) میں تمہارے لیے پیش خیمہ بنانا اور دعوات اور استغفارات کرانا ہے یعنی اگر نیک اولاد ہو جائے اس سے نکاح کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اگرچہ اس کی نیک نیتی نہ ہو۔ عطا اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس **وقدموا لانفسکم** سے وطی کرتے **وقت بسم اللہ** اور دعا پڑھنی مراد ہے امام بخاری نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی اپنی عورت سے صحبت کرتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرے: **اَللّٰھُمَّ جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا** تو اگر ان مرد وعورت کے مقدر میں اس صحبت سے کوئی بچہ ہوگا تو اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے گا۔ (تفسیر مظہری، سورہ بقرہ، لاہور)

بَابٌ فِي إِتْيَانِ الْحَائِضِ وَمُبَاشَرَتِهَا

باب: حیض والی عورت سے صحبت کرنا اور مباشرت کرنا

2165 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ

الْيَهُودَ كَانَتْ إِذَا حَاضَتْ مِنْهُمُ امْرَاَةٌ اَخْرَجُوهَا مِنَ الْبَيْتِ. وَلَمْ يُؤَاكِلُوهَا وَلَمْ يُشَارِبُوهَا، وَلَمْ يُجَامِعُوهَا فِي الْبَيْتِ فَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ. فَاَنْزَلَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى (وَيَسْاَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ. قُلْ: هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ) (البقرة، 222) اِلٰى آخِرِ الْاٰيَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ، وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ غَيْرَ النِّكَاحِ فَقَالَتِ الْيَهُودُ: مَا يُرِيدُ هٰذَا الرَّجُلُ اَنْ يَدَعَ شَيْئًا مِنْ اَمْرِنَا اِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ. فَجَاءَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ اِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللهِ اِنَّ الْيَهُودَ تَقُولُ: كَذَا وَكَذَا. اَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ فِي الْمَحِيضِ. فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا. فَخَرَجَا. فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ اِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمَا. فَظَنَنَّا اَنَّهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہودیوں کا یہ معمول تھا، کہ جب ان میں سے کسی عورت کو حیض آجاتا، تو وہ اس کو گھر سے نکال دیتے، وہ ایسی عورت کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے یا پیتے نہیں تھے، گھر میں اس کے ساتھ اکٹھے نہیں رہتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

''لوگ تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں؟ تم فرمادو، یہ گندگی ہے، حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو'' یہ آیت کے آخر تک ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کے ساتھ گھر میں ساتھ رہو، اور صحبت کرنے کے علاوہ ان کے ساتھ سب کچھ کر سکتے ہو، اس پر یہودیوں نے کہا: یہ صاحب (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہودیوں نے اس، اس طرح کی بات کہی ہے۔ کیا ہم (ایسی خواتین کے ساتھ) حیض کے دوران صحبت بھی نہ کرلیا کریں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی رنگت تبدیل ہوگئی، یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا: آپ ان دونوں پر ناراضگی کا اظہار کریں گے، وہ دونوں حضرات وہاں سے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا تحفہ پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلوایا، جس سے ہمیں یہ اندازہ ہوگیا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں پر (زیادہ) ناراض نہیں ہوئے۔

2166 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ جَابِرِ بْنِ صُبْحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ خِلَاسًا الْهَجَرِيَّ. قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، تَقُولُ: كُنْتُ اَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيتُ فِي الشِّعَارِ الْوَاحِدِ وَاَنَا حَائِضٌ طَامِثٌ. فَاِنْ اَصَابَهُ مِنِّي شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ. وَلَمْ يَعْدُهُ. وَاِنْ اَصَابَ تَعْنِي ثَوْبَهُ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ وَلَمْ يَعْدُهُ وَصَلّٰى فِيهِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر میں رات بسر کرتے تھے، حالانکہ میں اس وقت

حیض کی حالت میں ہوتی تھی، اگر آپ ﷺ پر، مجھ سے کوئی چیز (یعنی خون) لگ جاتا تو آپ صرف اس جگہ کو دھو لیتے (جہاں خون لگا تھا) اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتے تھے، اور اگر آپ ﷺ کے کپڑے پر (خون) لگ جاتا تو آپ اس جگہ کو دھو لیتے تھے، اور کچھ نہیں کرتے تھے اور پھر اسی کپڑے میں نماز ادا کر لیتے تھے۔

2167 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ وَهِيَ حَائِضٌ أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ ثُمَّ يُبَاشِرُهَا

❁❁ سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی کسی زوجہ محترمہ کے ساتھ، اس کے حیض کے دوران، مباشرت کرنا ہوتی، تو آپ ﷺ اسے تہبند باندھنے کی ہدایت کرتے اور پھر اس کے ساتھ مباشرت کر لیتے۔

حیض کی حالت میں حکم مباشرت کا بیان

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ (اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگ تم سے حیض کی بابت دریافت کرتے ہیں محیض مصدر (میمی) جیسے مجیی اور بیت اور معنی یہ ہیں کہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ عورت سے حیض کی حالت میں کس طرح برتاؤ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے یسئلونک (پہلے) تین جگہ بغیر واؤ کے فرمایا ہے اور پھر تین جگہ واؤ کے ساتھ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین سوال تو متفرق وقتوں میں کیے گئے تھے اور اسی واسطے ان کو جمع کے لفظ کے ساتھ فرمایا ہے۔

قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ (اے محمد) کہہ دو کہ وہ (یعنی حیض) ناپاکی ہے اس لیے حیض میں عورتوں سے تم الگ رہو) اور الگ رہنے سے مراد سب علماء کے نزدیک ان سے صحبت نہ کرنا ہے نہ یہ کہ کھانے پینے اور پاس بیٹھنے وغیرہ میں (ان سے) پرہیز کیا جائے بخاری اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو پہلے مذکور ہو چکی ہے نقل کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ سوائے صحبت کے اور سب کچھ کر لیا کرو حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ناپاکی کی حالت میں ایک برتن سے کھا لیتے تھے اور بعض اوقات میں ناپاک ہوتی تو حضرت مجھے تہبند باندھ لینے کے لیے فرمایا اور جب میں باندھ لیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس لیٹ جاتے تھے اور اعتکاف کی حالت میں (مسجد سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سر نکال دیتے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو دیتی تھی۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔

اور فرماتی ہیں کہ میں پانی پی کر پیالہ حضرت کو دیدیتی تھی تو آپ اس میں میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے تھے۔ اسی طرح میں ایک ہڈی کو چوس کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر اسے چوس لیتے تھے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے اور فرماتی ہیں کہ میری ناپاکی کی حالت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ لیتے اور پھر قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور فرماتی ہیں کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں مجھ سے فرمایا: بوریا اٹھا دو۔ میں نے کہا: ناپاک ہوں۔ فرمایا: تمہارے ہاتھ میں ناپاکی نہیں ہے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی چادر میں نماز پڑھ لیتے تھے کہ کچھ ان پر ہوتی تھی اور کچھ مجھ پر اور میں ناپاک ہوتی تھی یہ روایت متفق علیہ ہے، حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایام سے ہوئی تو میں نے اپنے وہی ایام کے کپڑے پہن لیے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہیں ایام آگئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی چادر میں لے لیا۔ یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ) یہ حکم سابق کی تاکید اور اس کی انتہاء کا بیان ہے۔

عاصم نے بروایت ابوبکر اور حمزہ اور کسائی نے **یطھرن** کو طا اور ہ کے تشدید سے پڑھا ہے اور باقی قراء نے ط کے جزم اور ہ کے ضمہ سے مخفف پڑھا ہے اور معنی دونوں قرأتوں کے امام مالک امام شافعی امام احمد کے نزدیک ایک ہی ہے یعنی جب تک وہ نہا نہ لیں پس خون منقطع ہونے کے بعد ان کے نہانے سے پہلے مردوں کو ان کے قریب جانا ہرگز جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ تخفیف کی قرأت کے یہ معنی ہیں کہ یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائیں اور خون بند ہو جائے اور قرأۃ پر خون بند ہونے کے بعد نہانے سے پہلے قریب جانا جائز ہے اور تشدید کی قرأۃ کے معنی نہانے کے ہیں اس قرأۃ پر یہ جائز نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تخفیف کی قرأۃ پر یہ جائز نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تخفیف کو اس صورت پر حمل کیا ہے کہ جب دس روز کے بعد خون بند ہو اور تشدید کی قرأت کو دس روز سے کم پر لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تشدید کی قرات تو اس معنی پر ناطق اور دال ہے کہ نہانے سے پہلے (عورتوں کے) قریب جانا منع ہے اور تخفیف کی قرأت نہانے سے پہلے قربت کے مباح ہونے پر دال نہیں ہے بلکہ فقط اس کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے اور (حکم) مفہوم (حکم) منطوق کا مقابل نہیں ہو سکتا اور سب علماء کا اس پر اجماع ہونے کے بعد کہ حیض کی حالت میں صحبت کرنا حرام ہے اس بارے میں اختلاف ہے کہ جو شخص اس فعل کا مرتکب ہو جائے آیا اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہوتا محض استغفار کر لینا کافی ہے اور جدید قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی ہے کہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دینار خیرات کرے اگر اتنی توفیق نہ ہو تو نصف دینار اور امام شافعی کا پہلا قول یہ ہے کہ جو شروع حیض میں صحبت کرے اس پر ایک دینار صدقہ کرنا لازم ہے اور جو اخیر میں کرے اس پر نصف دینار ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں روایت کی ہے جس نے اپنی بیوی سے ایام کی حالت میں صحبت کر لی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک یا نصف دینار صدقہ کر دے۔ یہ روایت امام احمد نے یحییٰ سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے حکم سے انہوں نے عبدالحمید سے انہوں نے مقیم سے نقل کی ہے اور اہل سنن ودارقطنی نے بھی سے نقل کیا ہے اور یہ حدیث صحیحین میں بھی مروی ہے مگر مقیم کی روایت کو فقط بخاری ہی نے نقل کیا ہے اور ابن قطان حاکم ابن دقیق العید نے اسے صحیح کہا ہے پس جس نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے اس کی روایت بھی کچھ مضر نہیں ہے کیونکہ ثقہ کا مرفوع کرنا زیادتی مقبولہ ہے۔

امام شافعی کے پہلے قول کی دلیل علما نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت خون زرد آتا ہو (اور کوئی صحبت کرے) تو نصف دینار ہے اگر سرخ آتا ہو تو پورا دینا۔ اس حدیث کا مدار عبدالکریم ابوامیہ پر ہے اور ابوامیہ کی روایت کے ترک پر سب کا اجماع ہے۔ ابوایوب سختیانی اسے جھوٹا کہتے تھے احمد اور یحییٰ کا قول ہے کہ یہ آدمی معتبر نہیں ہے۔ سوائے جماع کے کچھ دوسری لذت آفریں حرکت کرنے کے جواز و عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ لذت اٹھانا جائز ہے اور جمہور کہتے ہیں جائز نہیں امام احمد کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو پہلے گذر چکی ہے کہ: اصنعوا كل شيء الا النكاح (یعنی سوائے جماع کے اور سب کچھ کرلیا کرو) اور حضرت عکرمہ بعض ازواج مطہرات سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت ناپاک عورت سے کچھ کرنا چاہتے تو اس کی شرمگاہ پر کچھ ڈال لیتے تھے یہ روایت ابن جوزی نے نقل کی ہے اور جمہور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث سے حجت لاتے ہیں حضرت معاذ کہتے ہیں میں (حضرت سے) پوچھا تھا کہ یارسول اللہ مجھے اپنی بیوی سے ناپاکی کی حالت میں کیا کیا کرنا چاہئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاجامہ کے اوپر سب کرنا درست ہے اور اس سے بھی بچنا زیادہ افضل ہے یہ روایت رزین نے نقل کی ہے محی السنۃ کہتے ہیں کہ اس کی اسناد قوی نہیں ہے اور عبداللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور زید بن اسلم سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے لیے اپنی بیوی سے ناپاکی کی حالت میں کیا کرنا جائز ہے فرمایا کہ اسے پاجامہ پہنا کر اس سے اوپر تمہیں سب کچھ کرنے کا اختیار ہے یہ روایت امام مالک اور دارمی نے مرسلاً نقل کی ہے اور تحقیقی بات یہ ہے کہ اگر کسی کی شہوت اس کے بس میں ہے تب تو فرج کے علاوہ پائجامہ کے اوپر مساس کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ آیت سے صحبت ہی کا منع ہونا مراد ہے اور حقیقت و مجاز میں جمع کرنا جائز نہیں ہے ورنہ پھر اس کا ترک واجب ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جو کھیت کے گرد گھومتا ہے اس کا اندر گھس جانا کچھ بعید نہیں ہوتا اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ عورت کو ناپاکی آنا نماز کے وجوب اور جواز دونوں کو روک دیتا ہے علی ہذا القیاس روزہ کے جواز کو بھی روک دیتا ہے ہاں اس کے وجوب کو نہیں روکتا (یعنی اس حالت میں روزہ رکھنا تو جائز نہیں لیکن ذمہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس لیے نماز کی قضا نہیں کی جاتی اور روزوں کی قضا کی جاتی ہے کہ بعد میں رکھنے پڑتے ہیں۔)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ایام سے ہوتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے روزوں کی قضاء کراتے اور نماز کی قضا نہیں کراتے تھے یہ حدیث مسلم اور ترمذی نے نقل کی ہے اور یہ حدیث مشہور ہے اکثر صحابہ سے صراحتاً اور دلالتاً اس کے معنی مروی ہیں اور صحیحین میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے فرمایا تھا: الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم (یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب کسی کو ایام آتے ہیں تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے) علاوہ اس کے (اس عورت سے) آپ نے یہی فرمایا تھا کہ جس وقت ایام آئیں تو نماز تم چھوڑ دیا کرو۔ ایام آنے کی حالت میں مسجد میں جانا طواف کرنا قرآن شریف چھونا اور پڑھنا بالاجماع منع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا یمسه الا المطهرون (یعنی اس (قرآن شریف) کو پاک ہی لوگ ہاتھ لگایا کریں) اور رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ ان مکانوں (

کے دروازوں) کو مسجد سے پھیر دو کیونکہ ناپاک عورت اور جنبی کا مسجد میں آنا میں جائز نہیں سمجھتا۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناپاک عورت اور جنبی قرآن مجید کی کوئی آیت وغیرہ نہ پڑھا کریں یہ روایت ترمذی ابن ماجہ دارقطنی نے نقل کی ہے اور اسی کی شاہد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث ہے جو دارقطنی نے مرفوعاً روایت کی ہے لیکن ان دونوں حدیثوں کی سند میں کچھ شبہ ہے۔ واللہ اعلم۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ (پس جس وقت وہ پاک ہوجائیں) یہاں سب قاریوں کا تشدید کے ساتھ پڑھنے پر اتفاق ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ مقاربت مباح ہونے کے لیے غسل شرط ہے۔

فَاْتُوْهُنَّ (پس ان سے مجامعت کرو) یعنی پاک ہونے کے بعد جمع کو تمہارے لیے اللہ نے مباح کردیا ہے۔

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (جہاں سے تمہیں اللہ نے امر کیا ہے) یعنی فرج میں نہ کہ دبر میں اور مباح ہونا ہم نے اس لیے کہا ہے کہ جماع کا امر اباحت کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے مجاہد قتادہ عکرمہ نے کہا ہے (اس آیت کے معنی یہ ہیں) یعنی جہاں سے تمہیں اللہ نے عورتوں سے بچنے کا حکم کیا تھا اور وہ فرج ہے اور یہی ابن عباس کا قول ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں من کے معنی فی کے ہیں یعنی جس جگہ تمہیں اللہ نے اجازت دے رکھی ہے اور وہ جگہ فرج ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ یعنی فی یوم الجمعۃ اور ابن حنفیہ نے یہ معنی کیے ہیں یعنی ”جس جگہ مقاربت کرنا حلال ہے نہ کہ جہاں گناہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (کفر اور گناہ سے) توبہ کرنے والوں کو بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (اور پاک ہونے والوں سے بھی محبت رکھتا ہے) یعنی جو ناپاکیوں سے بچتے ہیں جیسے ایام والی عورت سے مقاربت کرنا یا دبر میں (بدفعلی) کرنا اس کے علاوہ اور ناپاکیوں اور پلیدیوں سے بچنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کی حرمت اس آیت سے اشارۃً ثابت ہے یا ایام والی عورت کے ساتھ وطی کرنے کی حرمت پر قیاس کرنے سے ثابت ہے کیونکہ یہ بھی ایسا ہی برا فعل ہے جیسا کہ حیض میں وطی کرنا بلکہ وطی تو ہر طرح برا ہی فعل ہے خواہ فرج میں ہو خواہ دبر میں عورت کے ساتھ ہو یا مرد کے ساتھ ہو اور اسی وجہ سے اس کے بعد غسل کرنا واجب ہوتا ہے لیکن فرج میں وطی کرنا محض نسل باقی رکھنے کی ضرورت کی وجہ سے مباح کردیا گیا ہے تاہم اس کے مباح ہونے میں چند شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ نکاح ہو چکا ہو دوسرے عورت محرم نہ ہو تیسرے رحم خالی ہو چوتھے حیض سے پاک ہو وغیرہ وغیرہ اور دبر میں وطی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے چاہے مفعول یہ مرد ہو یا عورت ہو پس برا فعل ہونے کی وجہ سے اس کا حکم حرمت کا رہے گا مردوں کو مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنے کی حرمت نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے اور اسی (فعل کی سزا) میں لوط کی قوم ہلاک ہو چکی ہے اور ایسا ہی عورتوں کی دبر میں بدفعلی کرنا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ آیت فاتوھنکو من حیث امرکم اللہ کے ساتھ مقید کردیا ہے اور ناپاکی ہونے کی وجہ سے جماع حرام ہونے کے وہم کو دفع کرنے اور مباح ونے کی ضرورت کا سبب بیان کرنے کے لیے اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ بقرہ، لاہور)

فاذا تطہرن“۔ یعنی جب وہ پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرلیں، یہی موقف امام مالک اور جمہور علماء کا ہے اور بلاشبہ وہ

طہارت جس کے سبب حائضہ عورت سے جماع حلال ہوجاتا ہے جب اس کا خون ختم ہوجائے وہ اس کا پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنا ہے جیسا کہ جنبی کی طہارت (پانی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے) اور تیمم یا کوئی اور اس کی جانب سے جائز نہ ہوگا۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ طبری رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن مسلمہ، اہل مدینہ اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا ہے۔ اور یحییٰ بن بکیر اور محمد بن کعب قرظی نے کہا ہے: جب حیض والی عورت پاک ہوجائے۔ (یعنی اس کا خون ختم ہوجائے) اور اس نے ایسی جگہ تیمم کرلیا جہاں پانی نہ ہو تو وہ اپنے خاوند کے لئے حلال ہوگئی اگرچہ اس نے غسل نہ بھی کیا ہو۔

حضرت مجاہد، عکرمہ اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: خون کا منقطع ہونا ہی اسے زوج کے لئے حلال کردیتا ہے لیکن اسے وضو کرلینا چاہئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: اگر اس کا خون دس دن گزرنے کے بعد ختم ہوا تو آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ غسل سے پہلے اس سے وطی کرلے اور اگر خون کا انقطاع دس دنوں سے پہلے پہلے ہوگیا تو پھر جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ غسل کرلے یا اس پر نماز کا وقت داخل ہوجائے۔ یہ ایسا فیصلہ ہے جس کی کوئی وجہ اور علت نہیں، تحقیق انہوں نے حائضہ عورت کے لئے اس کا خون منقطع ہونے کے بعد اس طرح فیصلہ کیا ہے جو عدت میں محبوس ہو۔ اور انہوں نے اس کے خاوند کو کہا: عورت کی طرف رجوع کرنا جائز ہے جب تک وہ تیسرے حیض سے غسل نہ کرلے، پس ان کے اس قول کے قیاس کی بنا پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے وطی کی جائے یہاں تک کہ وہ غسل کرلے یہ اہل مدینہ کے ساتھ موافقت ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس میں حکم کو دو شرطوں پر معلق کیا ہے: ان میں سے ایک خون کا منقطع ہونا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: (آیت) ''حتّٰی یطھرن'' اور دوسرا پانی کے ساتھ غسل کرنا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔: (آیت) ''فاذا تطھرن'' یعنی جب وہ پانی کے ساتھ غسل کرلیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثل ہے۔

(آیت) ''وابتلوا الیتمٰی حتی اذا بلغوا النکاح''۔ الآیہ (النساء:٦)

ترجمہ: اور آزماتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر کو)۔

اس میں بھی حکم دو شرطوں پر معلق ہے اور حکم مال دینے کا جواز ہے۔ دو شرطوں میں سے ایک مکلف کا نکاح کی عمر کو پہنچنا ہے اور دوسرا دانائی کا محسوس کرنا ہے، اسی طرح مطلقہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) ''فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ''۔ (البقرۃ: ٢٣٠)

ترجمہ: تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ۔

پھر عسیلہ کی شرط (مراد جماع ہے) کے بارے حدیث پاک موجود ہے۔ پس حلالہ بھی مجموعی طور پر دو امروں پر موقوف ہوا اور وہ نکاح کا انعقاد اور وطی کا پایا جانا ہے۔

(بخاری شریف: باب: من اجاز طلاق الثلاث لقول اللہ تعالیٰ الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح، حدیث نمبر: ٥٢٦٠، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے: بے شک آیت کا معنی ہے: شرط میں غایت وہی ہے جو اس سے پہلی غایت میں مذکور ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد: (آیت) 'حتی یطھرن''۔ یعنی مخفف بعینہٖ ''یطھرن''۔ مشدد کے معنی میں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آیت میں دو لغتوں کو جمع کر دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(آیت) ''فیه رجال یحبون ان یتطھروا، واللّٰه یحب المطھرین''۔ (التوبہ)

ترجمہ: اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے)

کمیت نے کہا ہے: وما کانت الانصار فیھا اذلة ولا غیبا فیھا اذا الناس غیب''۔

اور یہ بھی کہ دو قراتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔ پس ضروری ہے کہ ان دونوں کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کو علیحدہ معنی پر محمول کرتے ہیں پس ہم مخفف کو اس معنی پر محمول کرتے ہیں جبکہ اس کا خون دس دنوں سے کم میں ختم ہو جائے، تو ہم اس کے ساتھ وطی کی اجازت نہیں دیتے یہاں تک کہ وہ غسل کر لے، کیونکہ آدمی خون کے دوبارہ لوٹ آنے سے محفوظ اور امن میں نہیں ہوتا اور ہم دوسری قراءت کو اس معنی پر محمول کرتے ہیں جبکہ اس کا خون اکثر مدت پر جا کر ختم ہو تو اس صورت میں اس کے ساتھ وطی جائز ہوتی ہے اگرچہ وہ غسل نہ بھی کرے۔

حضرت ابن عربی نے کہا ہے: ان کے دلائل میں سے یہ قوی ترین ہے۔ پس پہلے (استدلال) کا جواب یہ ہے کہ وہ فصحاء کے کلام میں سے نہیں ہے اور نہ ہی بلغاء کی زبان ہے، کیونکہ وہ تعداد میں تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور جب لفظ کو ایک الگ فائدہ پر محمول کرنا ممکن ہو تو اسے لوگوں کے کلام میں تکرار پر محمول نہیں کیا جاتا، تو پھر علیم حکیم رب کریم کے کلام میں کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور دوسرے (استدلال) کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ معنی پر محمول ہے، تو پھر ان پر لازم ہے کہ جب خون منقطع ہو جائے تو وہ اس کے لئے غسل سے پہلے رجعت کی صورت میں حیض کا حکم نہ لگائیں اور وہ اس طرح نہیں کہتے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ عورت جب حائضہ ہے تو حیض والی عورت کے ساتھ وطی کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہوتا اور یہ بھی جو انہوں نے کہا ہے وہ اکثر مدت پر انقطاع دم اباحت وطی کا تقاضا کرتا ہے اور جو ہم نے کہا ہے وہ ممنوع ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور جب ایسی دو دلیلوں کے درمیان تعارض آ جائے جن میں سے ایک نہی کا تقاضا کرتی ہو اور دوسری اباحت کا تو ان دونوں کے باعث اور سبب کو غلبہ دیا جائے گا (پس) نہی کے سبب کو غلبہ دیا جائے گا، جیسا کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ملک یمین کی حیثیت سے دو بہنوں کو جمع کرنے کے بارے میں کہا ہے۔ ایک آیت نے دونوں کو حلال قرار دیا ہے۔ اور دوسری نے دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور تحریم اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمارے علماء نے کتابیہ عورت کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا اسے غسل کرنے پر مجبور کیا جائے گا یا نہیں، تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قاسم کی روایت میں کیا ہے: ہاں تاکہ خاوند کے لئے اس کے ساتھ وطی حلال ہو جائے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (آیت) ''ولا تقربوھن حتی یطھرن، فاذا تطھرن''۔ آپ کہتے ہیں: جب وہ پانی کے ساتھ طہارت حاصل کر لیں اور یہ صرف مسلمان عورت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

بَابٌ فِيْ كَفَّارَةِ مَنْ أَتَى حَائِضًا

باب: جو شخص حیض والی عورت کے ساتھ صحبت کر لے، اس کا کفارہ

2168 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، غَيْرُهُ، عَنْ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي الْحَكَمُ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ؟ قَالَ: يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ، أَوْ بِنِصْفِ دِينَارٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر لے اور وہ عورت اس وقت حائضہ ہو، اس شخص کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: اس کو ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا چاہیے۔

2169 حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِذَا أَصَابَهَا فِي الدَّمِ فَدِينَارٌ، وَإِذَا أَصَابَهَا فِي انْقِطَاعِ الدَّمِ فَنِصْفُ دِينَارٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب مرد، عورت کے (حیض دوران) خون کے نکلنے کی مدت میں اس کے ساتھ صحبت کر لے، تو ایک دینار صدقہ کرے اور جب خون کی آمد منقطع ہو جانے کے بعد صحبت کرے، تو نصف دینار (صدقہ کرے)۔

حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت پر کفارہ سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کے بارے میں اور جو کچھ اس سے مباح سمجھا جاتا ہے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبیدہ السلمانی سے مروی ہے کہ یہ واجب ہے کہ آدمی اپنی بیوی کے بستر سے علیحدہ رہے جبکہ وہ حالت حیض میں ہو۔ یہ قول شاذ ہے اور علماء کے قول سے خارج ہے۔ اگرچہ عموم آیت اس کا تقاضا کرتی ہے لیکن سنت ثابتہ اس کے خلاف ہے اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ حضرت ام میمونہ رضی اللہ عنہا اس پر آگاہ ہوئیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کر رہے ہو۔

اور امام مالک، شافعی، اوزاعی، ابوحنیفہ، ابو یوسف اور علماء کی ایک بہت بڑی جماعت رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے: مرد کے لئے عورت کے اس حصے سے استمتاع جائز ہے جو ازار کے اوپر ہے، کیونکہ جب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے پوچھا تو آپ نے اسے ارشاد فرمایا: (سائل نے کہا) کیا حالت حیض میں میری میرے لئے حلال ہوتی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: چاہیے کہ وہ اپنی ازار (چادر) مضبوطی کے ساتھ باندھ لے تو پھر اس کے لئے اوپر سے وہ تیرے لئے لئے مباح ہے۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حالت حیض میں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: اپنی چادر

کو مضبوط باندھ لے پھر اپنے بستر کی طرف لوٹ آ۔

(بخاری شریف: باب: من سمی النفاس حیضا والحیض نفاس، حدیث نمبر: ۲۸۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جو حالت حیض میں عورت کے ساتھ مجامعت کرتا ہے کہ اس پر کیا ہوگا؟

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے: وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور مزید اس پر کوئی شے لازم نہیں، یہی قول ربیعہ اور یحییٰ بن سعید کا ہے اور اسی طرح داؤد نے بھی کہا ہے اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ نصف دینار صدقہ کرے گا۔ (بخاری شریف: باب: فی کفارۃ من ۔۔۔۔۔ حائضا، حدیث نمبر: ۱۸۰۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: عبدالحمید کی حدیث کتنی اچھی ہے کہ وہ مقسم کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے گا۔'' اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے: اسی طرح صحیح روایت ہے۔ فرمایا: نصف دینار۔ علامہ طبری نے اسے مستحب قرار دیا ہے پس اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر کوئی شے نہ ہوگی اور بغداد میں امام شافعی کا یہی قول ہے۔

اور محدثین میں سے ایک جماعت نے کہا ہے: اگر اس نے خون کی حالت میں وطی کی تو اس پر دینار ہوگا اور اگر اس نے خون کے انقطاع کی حالت میں وطی کی تو اس کے لئے نصف دینار ہوگا۔

اور امام اوزاعی نے کہا ہے: جس نے اپنی بیوی کے ساتھ حالت حیض میں وطی کی وہ ایک دینار کے دوخمس صدقہ کرے۔ ان تمام کی اسناد سنن ابی داؤد اور دار قطنی وغیرہ میں ہیں۔

اور کتاب ترمذی (جامع ترمذی: باب: ماجاء فی الکفارۃ فی ذالک، حدیث نمبر: ۱۲۷، ضیاء القرآن پبلی کیشنز) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے: ''جب خون سرخ ہو تو ایک دینار ہوگا اور خون کا رنگ زرد ہو تو نصف دینار ہوگا''۔

ابوعمر نے کہا ہے: ان کی دلیل جنہوں نے استغفار اور توبہ کے سوا ایسے آدمی پر کوئی کفارہ واجب نہیں کیا اس حدیث کا مضطرب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کی مثل حدیث حجت نہیں بن سکتی، کیونکہ فی الاصل ہر کوئی ذمہ داری سے بری ہے اور یہ واجب نہیں کہ اس میں کسی مسکین اور کسی دوسرے کے لئے کوئی شے ثابت ہو مگر کسی دلیل کے ساتھ جس میں نہ کوئی رد ہو اور نہ اس پر طعن ہو اور یہ اس مسئلہ میں معدوم ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ بقرہ، بیروت)

ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل کا بیان

حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے اور نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، صحابہ نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت ہی سے غرض ہے، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہ نے خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض ہو گئے۔ جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی بزرگ تحفتاً دودھ لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا، اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا۔ (مسلم)

پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے۔ اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے، احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہمند باندھے ہوئے ہوتی تھیں۔ (ابوداؤد)

حضرت عمارہ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی اس حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا، سنو ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، آتے ہی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے، دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی، آپ کو جاڑا لگنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ادھر آؤ، میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو حیض سے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آ گئی۔ حضرت مسروق ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے پاس آئے اور کہا السلام علی النبی و علی اهلہ حضرت عائشہ نے جواب دے کر مرحبا مرحبا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی، آپ نے کہا ام المومنین ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا، میں تیری ماں اور تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے، جو پوچھنا ہو پوچھ، کہا فرمائیے آدمی کے لئے اپنے حائضہ بیوی حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے۔ (ابن جریر)

اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنین کا یہ قول مروی ہے، حضرت ابن عباس مجاہد حسن اور عکرمہ کا فتویٰ بھی یہی ہے، مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔ حضرت عائشہ سے منقول ہے میں حیض سے ہوتی تھی، میں ہڈی چوستی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے، میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی، ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے۔

اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریئے پر آ جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب بھی نہ آتے جب تک میں پاک نہ ہو جاؤں۔ تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہبند ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے، حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ فرماتی

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہبند باندھ لیں۔ (بخاری)

اس طرح بخاری مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کے حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند سے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن مسیب اور حضرت شریح کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر زرد رنگ کا ہو تو آدھا دینار۔ مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار، دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے۔

امام شافعی کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔ جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل فرماتے ہیں طہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہبند باندھ لیتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں سوتی، اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس زندگی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے، ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ۔ اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے، اس کی دلیل آیت (فأتوھن) ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں۔ یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں، علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے ان لوگوں کو امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے، بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا

دیتا ہے لیکن یہ غور طلب بات ہے، دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر "حکم" ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا، جیسے قرآن کریم میں ہے آیت

(فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ)(التوبہ:5)

یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر یہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے آیت

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (5۔المائدہ:2) جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو، اور جگہ ہے آیت

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الجمعہ:10)

یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ ان علماء کرام کا یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے، مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک وہ غسل نہ کر لے، ہاں اگر وہ معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے۔

ہاں امام ابوحنیفہ ان تمام علماء کے مخالف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک آخری معیاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند اس سے صحبت کرنا حلال ہے، گو اس نے غسل نہ کیا ہو، واللہ اعلم، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ (یطھرون) کا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے اور (تطھرون) سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مقاتل بن حیات، حضرت لیث بن سعد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں، پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں سے آنے کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے، مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے، اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے، ایسا کرنے سے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہ اور تابعین سے بھی یہی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ وطی کرنا حرام ہے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اس لئے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں، اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں، گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں، حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح

دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ

باب: عزل کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

2170 حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الطَّالَقَانِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، ذُكِرَ ذَلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي الْعَزْلَ قَالَ: فَلِمَ يَفْعَلُ أَحَدُكُمْ؟، وَلَمْ يَقُلْ فَلَا يَفْعَلُ أَحَدُكُمْ، فَإِنَّهُ لَيْسَتْ مِنْ نَفْسٍ مَخْلُوقَةٍ إِلَّا اللَّهُ خَالِقُهَا.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَزَعَةُ: مَوْلَى زِيَادٍ

❁❁ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (عزل کرنے) کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے فرمایا:

"آدمی یہ کیوں کرتا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: آدمی یہ نہ کرے، (آپ نے فرمایا)
"جس بھی جان نے پیدا ہونا ہے، اللہ تعالیٰ اسے پیدا کر ہی دے گا"
(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) قزعہ (نامی راوی) زیاد کا غلام ہے۔

2171 حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ، حَدَّثَهُ، أَنَّ رِفَاعَةَ، حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَجُلًا، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي جَارِيَةً وَأَنَا أَعْزِلُ عَنْهَا

وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرِّجَالُ، وَإِنَّ الْيَهُودَ تُحَدِّثُ أَنَّ الْعَزْلَ مَوْءُودَةُ الصُّغْرَى قَالَ: كَذَبَتْ يَهُودُ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ

❁❁ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! میری ایک کنیز ہے، میں اس سے عزل کرتا ہوں، میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حاملہ ہو جائے، اور میں صرف وہی چیز چاہتا ہوں جو مرد چاہتے ہیں، یہودی یہ کہتے ہیں: عزل کرنا، چھوٹی قسم کا زندہ درگور کرنا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی غلط کہتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو تم اسے روکنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہو۔

2172 حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَرَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ فَسَأَلْتُهُ

2170-اسناده صحيح. سفيان: هو ابن عيينة، وابن ابي نجيح: هو عبدالله بن ابي نجيح، مجاهد: هو ابن جبر، وقزعة: هو ابن يحيى البصري. واخرجه مسلم(1438)، والترمذي(1170)، والنسائي في "الكبرى"(9042)من طرق عن سفيان بن عيينة بهذا الاسناد. وعلّقه البخاري بصيغة الجزم عن قزعة بالر(7409)

عَنِ الْعَزْلِ؟، فَقَالَ: اَبُوْ سَعِيْدٍ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَاَصَبْنَا سَبْيًا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَاَحْبَبْنَا الْفِدَاءَ فَاَرَدْنَا اَنْ نَعْزِلَ. ثُمَّ قُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا قَبْلَ اَنْ نَسْاَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَسَاَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: مَا عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا، مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ

❁❁ ابن محیریز بیان کرتے ہیں: میں مسجد میں داخل ہوا، تو میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا، میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا، میں نے ان سے عزل کے بارے میں دریافت کیا: تو انہوں نے بتایا:

غزوہ بنو مصطلق کے موقعہ پر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے، (اس غزوہ میں) ہم نے عرب عورتوں کو قیدی بنا لیا، ہمیں عورتوں کی شدید طلب محسوس ہوئی، اور ہمارے لیے ان کے بغیر رہنا مشکل ہو گیا، ہم فدیہ بھی حاصل کرنا چاہتے تھے، ہم نے عزل کرنے کا ارادہ کیا، پھر ہم نے سوچا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں، کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے سے پہلے عزل کر لیں؟ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا: تو آپ نے فرمایا:

''اگر تم یہ نہ کرو، تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں ہے، قیامت کے دن تک جس بھی جان نے پیدا ہونا ہے، وہ پیدا ہو کر رہے گی''۔

2173 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّ لِي جَارِيَةً اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَنَا اَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ، فَقَالَ: اعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ، فَاِنَّهُ سَيَاْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا قَالَ: فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ، فَقَالَ: اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَمَلَتْ، قَالَ: قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهُ سَيَاْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا

❁❁ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک انصاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی: میری ایک کنیز ہے، میں اس کے ساتھ صحبت کرتا ہوں، لیکن اس کا حاملہ ہونا مجھے پسند نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اُس سے

2172-اسناده صحيح. القعنبي: هو عبد الله بن مسلمة، وابن محيريز: هو عبد الله الجمحي. وهو عند مالك في "الموطا" 5942/2، ومن طريقه اخرجه البخاري (2542). واخرجه البخاري (4138)، ومسلم (1438)، والنسائي في "الكبرى" (5026) و (5027) من طريق ربيعة بن ابي عبد الرحمن، والبخاري (7409) من طريق موسى ابن عقبة، والنسائي (9041) من طريق الضحاك بن عثمان، ثلاثتهم عن محمد بن يحيى بن حبان، به. واخرجه البخاري (2229) و (5210) و (6603)، ومسلم (1438) والنسائي في "الكبرى" (5024) و (5025) و (5028) و (9039) و (9040) من طريق ابن شهاب الزهري، عن عبد الله بن محيريز، به. واخرجه مسلم (1438)، والنسائي في "الكبرى" (5029) من طريق معبد بن سيرين، ومسلم (1438)، والنسائي في "الكبرى" (5030) و (5462) و (9046) من طريق عبد الرحمن بن بشر بن مسعود، ومسلم (1438) من طريق ابي الودّاك، وابن ماجه (1926)، والنسائي في "الكبرى" (9037) من طريق عبيد الله بن عبد الله، والنسائي في "الكبرى" (9038

2173-واخرجه مسلم (1439) من طريق زهير بن معاوية، به. واخرجه مسلم (1439) والنسائي في "الكبرى" (9048) من طريق عروة بن عياض، وابن ماجه (89) من طريق سالم بن ابي الجعد، كلاهما عن جابر. وهو في "مسند احمد" (14318) و (15174)، و "صحيح ابن حبان" (4194).

عزل کرلو لیکن اس کے پاس وہ چیز آجائے گی جو اس کے نصیب میں طے کردی گئی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کچھ عرصہ بعد وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے بتایا، اس کی کنیز حاملہ ہوگئی ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے تو تمہیں بتادیا تھا کہ اس کے پاس عنقریب وہ آجائے گا، جو اس کے نصیب میں ہے''۔

عزل سے متعلق فقہی احکام کا بیان

عزل کا مطلب یہ ہے کہ عورت سے اس طرح جماع کیا جائے کہ مرد جب منزل ہونے لگے تو وہ اپنا عضو مخصوص عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال کر مادہ کا باہر ہی اخراج کردے۔ اس طریقہ سے مادہ منویہ چونکہ اندر نہیں پہنچتا اس لئے عورت حاملہ ہونے سے بچ جاتی ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ عزل جائز ہے اور بعض حضرات جن میں کچھ صحابہ بھی شامل ہیں اس کو ناجائز کہتے ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ عزل کرنا جائز ہے چنانچہ درمختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی خاص مصلحت یا عذر کی بناء پر عزل کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اپنی لونڈی سے عزل کرنا تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے جب کہ اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی جائز ہوگا اسی طرح اگر کسی دوسرے کی لونڈی اپنے نکاح میں ہو تو اس کے مالک کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اس سے عزل کرنا جائز ہوگا۔ حضرت امام شافعی کے بارے میں سید نے یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی عزل کرنا جائز ہے لیکن لونڈی خواہ اپنی مملوکہ ہو یا منکوحہ ہو اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے۔ اور امام نووی نے جو شافعی المسلک ہیں) یہ لکھا ہے کہ ہمارے یعنی شوافع کے نزدیک عزل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ انقطاع نسل کا سبب ہے۔

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس لونڈی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور میں اس سے جماع بھی کرتا ہوں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو عزل کرلیا کرو لیکن اس لونڈی کے ذریعہ جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہوگی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ شخص نہیں آیا اور پھر جب آیا تو کہنے لگا کہ میری لونڈی حاملہ ہوگئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی آگاہ کردیا تھا کہ اس کے ذریعہ جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہوگی۔ (مسلم)

علامہ نووی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عزل کرنے کے باوجود اگر حمل ٹھہر جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور علامہ ابن ہمام نے اس بارے میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت کی اجازت کے بعد یا اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا اور اس کے باوجود اس عورت کے حمل ٹھہر گیا تو آیا اس شخص کے لئے اس حمل سے انکار کرنا یعنی یہ کہنا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے) جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، چنانچہ علماء کا قول ہے کہ اگر اس شخص نے عزل کرنے کے بعد دخول نہیں کیا تھا یا دخول کیا تھا مگر اس سے پہلے پیشاب نہیں کیا تھا تو پھر اس کے لئے اس حمل سے انکار کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس بات کا قوی

احتمال ہوسکتا ہے کہ اس کے ذکر میں منی کا کوئی قطرہ باقی رہ گیا ہو اور وہ اب دخول کی صورت میں عورت کے رحم میں چلا گیا ہو اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ اگر کسی شخص نے مثلا جماع سے فارغ ہونے کے بعد پیشاب کرنے سے پہلے غسل جنابت کیا اور اس کے بعد جب اس نے پیشاب کیا تو منی کا کوئی قطرہ نکل آیا تو اس صورت میں اس پر واجب ہوگا کہ وہ اب پھر غسل کرے۔

اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی المصطلق کی جنگ میں گئے تو عرب قوم میں سے کچھ لونڈی غلام ہمارے ساتھ آئے، ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور مجرد رہنا ہمارے لئے سخت مشکل ہو گیا اور ان لونڈیوں سے جو ہمارے ہاتھ لگی تھیں ہم نے عزل کرنا چاہا) تاکہ ان کے حمل نہ ٹھہر جائے) آخر ہم نے عزل کا ارادہ کر لیا مگر پھر ہم نے سوچا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے آپ سے اس کے بارے میں دریافت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے کے قیامت تک جو جان پیدا ہونیوالی ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گی۔ (بخاری ومسلم)

امام نووی کہتے ہیں کہ سبیا من العرب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل عرب پر بھی رق جاری ہوتا ہے جب کہ وہ مشرک ہوں (یعنی جس طرح غیر عرب مشرک وکافر جنگ میں پکڑ لئے جانے کے بعد غلام ولونڈی بنائے جا سکتے ہیں اسی طرح اگر وہ مشرک وکافر جن کا تعلق عرب نسل سے ہو کسی جنگ میں بطور قیدی ہاتھ لگیں تو وہ بھی مسلمانوں کے حق میں لونڈی غلام ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں جن لونڈی غلاموں کا ہاتھ لگنا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق بنی المصطلق سے تھا جو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور قبیلہ خزاعہ والے اہل عرب میں سے تھے چنانچہ حضرت امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

(ما علیکم ان لا تفعلوا) میں حروف "الف" کے زبر کے ساتھ یعنی (ان) بھی صحیح ہے اور الف کے زیر کے ساتھ یعنی ان بھی صحیح ہے اس جملہ کے معنی نووی نے یہ بیان کئے ہیں کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ جب یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے تو وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گا اس لئے تم عزل کرو یا عزل نہ کرو پیدا ہونوالی جان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اگر اسے دنیا میں آنا ہے تو تم لاکھ عزل کر لو ضبط ولادت کے لاکھ طریق آزما لو وہ اس دنیا میں آ کر رہے گی اور اگر اس کا پیدا ہونا مقدر نہیں ہے تو پھر اگر عزل نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں حاصل یہ کہ تمہارا عزل کرنا کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ (ان لا تفعلوا) میں حرف، لا، زائد ہے اس صورت میں اس جملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ عزل کرنے میں کوئی قباحت نہیں اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے جائز ہونے کی دلیل ہوگی۔

اور حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کے بارے میں پوچھا گیا (کہ عزل کرنا جائز ہے یا نہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منی کے ہر پانی سے بچہ بنتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پیدا ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی (مسلم)

بظاہر اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ سوال اور جواب میں کوئی مطابقت نہیں ہے حالانکہ اگر حدیث کے حقیقی مفہوم پر نظر ہو تو یہ اشکال
پیدا ہونے کا کوئی محل ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ سوال کا مقصد یہ تھا کہ عزل کرنے کی اجازت مل جائے تا کہ عورت کے ہاں ولادت
ہونے کا کوئی خوف نہ رہے، سوال کے اسی حقیقی مفہوم کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم لوگ تو یہ سمجھتے ہو کہ مرد کی
منی کا عورت کے رحم میں گرنا عورت کے ہاں ولادت ہونے کا سبب ہے اور عزل کر لینا ولادت نہ ہونے کا سبب ہے بلکہ حقیقت یہ
ہے کہ منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم تک پہنچ جاتی ہے مگر اس سے بچہ نہیں بنتا اور بعض
اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ عزل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود عورت حاملہ ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا حاملہ ہونا مرد
کے مادہ تولید کے اندر کرنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے، اسی طرح عورت کا حاملہ نہ ہونا بھی اللہ
تعالیٰ کی مشیت وارادہ ہی پر موقوف ہے عزل پر موقوف نہیں ہے۔ ہاں یہ ثابت ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تولد و تناسل کا ایک نظام
مقرر کر دیا ہے کہ مرد کے نطفہ سے بچہ کی تولید ہوتی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ عزل کرنے کی صورت میں بھی نطفہ کا کوئی حصہ بلا اختیار
عورت کے رحم میں چلا جائے اور اس سے بچہ بن جائے بلکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کسی بچہ کا پیدا ہونا تقدیر الٰہی میں ہے
تو اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ اس بچہ کو بغیر نطفہ کے بھی پیدا کر دے۔

بظاہر یہ احادیث عزل کے جائز نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان کا حقیقی مفہوم ومنشاء اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کرنا
پسندیدہ نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے، اس مسئلہ میں حنفیہ اور دوسرے علماء کا جو فقہی مسلک ہے اس کا بیان حضرت جابر کی روایت کی تشریح
میں گزر چکا ہے۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں
اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں اس
کے شیر خوار بچہ کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں مدت رضاعت میں وہ حاملہ نہ ہو جائے اور اس حالت میں بچہ کو دودھ پلانا نقصان پہنچ
جائے گا) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ نقصان پہنچاتا تو روم وفارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا۔ (مسلم)

لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مدت رضاعت میں جماع اور پھر حمل ٹھہرنے سے چونکہ عورت کے دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس
لئے اس دودھ کو پینے سے شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اس کے علاوہ ایسی حالت میں عورت کا دودھ بھی کم ہو جاتا ہے اس کا حاصل یہ
تھا کہ اسی خوف کی بناء پر اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کی اجازت چاہی اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ اگر مدت رضاعت میں جماع کرنا اور حمل ٹھہر جانا شیر خوار بچہ کو نقصان دہ ہوتا تو یہ روم و
فارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا کیونکہ وہ اس کے عادی ہیں اور جب ان کی یہ عادت ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے تو معلوم ہوا
کہ مدت رضاعت میں حمل ٹھہر جانا نقصان دہ نہیں ہے لہٰذا عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور حمل ٹھہر جانے کے خوف کی وجہ سے
عزل نہ کرو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عزل کی کراہت وناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور حضرت جدامہ بنت وہب کہتی ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت لوگوں

کی ایک جماعت وہاں موجود تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو غیلہ سے منع کر دوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم وفارس کے لوگ اپنی اولاد کی موجودگی میں غیلہ کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو میں نے اس ارادہ کو ترک کر دیا) پھر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا حکم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عزل کرنا تو پوشیدہ طور پر زندہ گاڑ دینا ہے اور یہ ایک بری عادت ہے جو اس آیت کریمہ: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ (التکویر:8) (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی تھی) کے حکم میں داخل ہے۔ (مسلم)

غیلہ کے معنی ہیں حمل کی حالت میں بچہ کو دودھ پلانا اور نہایہ میں لکھا ہے کہ غیلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرے چنانچہ اہل عرب غیلہ یعنی ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرنے) احتراز کرتے تھے اور اس کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ اس صورت میں شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو ایام رضاعت میں اپنی بیوی کے پاس جانے سے منع کر دیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ روم وفارس کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کا ارادہ ترک فرما دیا۔

واد کے معنی ہیں زندہ درگور کرنا، جیتا گاڑ دینا، زمانہ جاہلیت میں اہل عرب تنگدستی کے خوف اور عار کی وجہ سے اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان والدین سے سخت باز پرس کی جائے گی جو اپنے ہاتھوں اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو بھی واد خفی یعنی پوشیدہ زندہ گاڑ دینے سے تعبیر فرمایا۔ اس طرح یہ حدیث منسوخ ہے یا آپ نے یہ بات محض تہدید وتنبیہ کے طور پر فرمائی ہے یا پھر یہ کہ اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ عزل نہ کرنا ہی اولی اور زیادہ بہتر ہے۔

ان حضرات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک مجلس منعقد تھی۔ حاضرین میں حضرت علی حضرت زبیر اور حضرت سعد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق بھی موجود تھے۔ عزل کے سلسلہ میں مباحثہ ہو رہا تھا صحابہ کی رائے تھی کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک صحابی نے یہ کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عزل کرنا موؤدۃ (چھوٹی موؤدہ ہے یعنی جس طرح اپنی اولاد کو زندہ گاڑ دینا موؤدۃ کبری ہے اسی طرح عزل کرنا موؤدۃ صغری ہے حضرت علی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس سلسلہ میں حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے موؤدۃ کے مفہوم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی اگر جان پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل کرایا جائے یا زندہ پیدا ہونے کے بعد اسے جیتا جاگتا گاڑ دیا جائے تو اس کو موؤدۃ کہا جائے گا۔ حضرت علی کا یہ جواب سن کر حضرت عمر نے فرمایا علی! اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے تم نے سچ کہا ہے چنانچہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ جب تک بچہ میں جان نہ پڑے اسقاط حمل جائز ہے اور قرار حمل کے بعد ایک سو

بیس دن میں حمل کے اندر جان پڑتی ہے گویا قرارِ حمل کے بعد ایک سو بیس دن کے اندر اندر تو اسقاط حمل جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی عزل کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس کے مکروہ ہونے پر ضرور دلالت کرتا ہے بایں معنی کہ عزل کرنا وادِ حقیقی یعنی واقعۃً زندہ درگور کردینے کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ وادِ حقیقی کا مطلب ہوتا ہے ایک جان کو ہلاک کر دینا جب کہ عزل میں یہ صورت نہیں ہوتی البتہ عزل کرنا وادِ حقیقی کے مشابہ یقیناً ہے اسی واسطے اس کو پوشیدہ زندہ گاڑ دینا فرمایا گیا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کے ذریعہ چونکہ اپنے مادہ تولید نطفہ کو ضائع کیا جاتا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مادۂ تولید اللہ تعالیٰ نے بچہ پیدا ہونے کے لئے مہیا کیا ہے اس لئے یہ فعل یعنی عزل کرنا اپنے بچہ کو ہلاک کرنے یا اس کو زندہ درگور کردینے کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کے بارے میں یہ صحیح روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عزل مؤدۃ صغریٰ ہے۔ نیز حضرت ابوامامہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ جب ان سے عزل کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی مسلمان کو عزل کرتے نہیں دیکھا سنا اس سے معلوم ہوا کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ (فتح القدیر، کتاب نکاح، بیروت)

اسی طرح حضرت ابن عمر سے یہ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق نے بعض لوگوں کو عزل کرنے پر مارا ہے اور حضرت عثمان غنی کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ عزل کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان تمام روایات سے عزل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ذِكْرِ الرَّجُلِ مَا يَكُونُ مِنْ إِصَابَتِهِ أَهْلَهُ

باب: آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی تفصیل بیان کرنے کا حرام ہونا

2174 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا بِشْرٌ، حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، ح وحَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، كُلُّهُمْ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، حَدَّثَنِي شَيْخٌ مِنْ طُفَاوَةَ قَالَ: تَثَوَّيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ بِالْمَدِينَةِ فَلَمْ أَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَشْمِيرًا، وَلَا أَقْوَمَ عَلَى ضَيْفٍ مِنْهُ، فَبَيْنَمَا أَنَا عِنْدَهُ يَوْمًا، وَهُوَ عَلَى سَرِيرٍ لَهُ، وَمَعَهُ كِيسٌ فِيهِ حَصًى أَوْ نَوًى، وَأَسْفَلَ مِنْهُ جَارِيَةٌ لَهُ سَوْدَاءُ وَهُوَ يُسَبِّحُ بِهَا، حَتَّى إِذَا أَنْفَدَ مَا فِي الْكِيسِ أَلْقَاهُ إِلَيْهَا، فَجَمَعَتْهُ فَأَعَادَتْهُ فِي الْكِيسِ، فَدَفَعَتْهُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَلَا أُحَدِّثُكَ عَنِّي وَعَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أُوعَكُ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ: مَنْ أَحَسَّ الْفَتَى الدَّوْسِيَّ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هُوَ ذَا يُوعَكُ فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ، فَأَقْبَلَ يَمْشِي حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيَّ، فَقَالَ لِي مَعْرُوفًا: فَنَهَضْتُ، فَانْطَلَقَ

يَمْشِي حَتّٰى اَتٰى مَقَامَهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ. فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ وَمَعَهُ صَفَّانِ مِنْ رِجَالٍ، وَصَفٌّ مِنْ نِسَاءٍ. اَوْ صَفَّانِ مِنْ نِسَاءٍ وَصَفٌّ مِنْ رِجَالٍ. فَقَالَ: اِنْ اَنْسَانِي الشَّيْطَانُ شَيْئًا. مِنْ صَلَاتِي فَلْيُسَبِّحِ الْقَوْمُ وَلْيُصَفِّقِ النِّسَاءُ قَالَ: فَصَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَنْسَ مِنْ صَلَاتِهِ شَيْئًا. فَقَالَ مَجَالِسَكُمْ. مَجَالِسَكُمْ . زَادَ مُوسٰى هَاهُنَا ثُمَّ حَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاَثْنٰى عَلَيْهِ. ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ ثُمَّ اتَّفَقُوا: ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى الرِّجَالِ فَقَالَ: هَلْ مِنْكُمُ الرَّجُلُ اِذَا اَتٰى اَهْلَهُ فَاَغْلَقَ عَلَيْهِ بَابَهُ وَاَلْقٰى عَلَيْهِ سِتْرَهُ وَاسْتَتَرَ بِسِتْرِ اللّٰهِ قَالُوا: نَعَمْ. قَالَ: ثُمَّ يَجْلِسُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَيَقُولُ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلْتُ كَذَا قَالَ: فَسَكَتُوا. قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَى النِّسَاءِ. فَقَالَ: هَلْ مِنْكُنَّ مَنْ تُحَدِّثُ؟ فَسَكَتْنَ فَجَثَتْ فَتَاةٌ قَالَ مُؤَمَّلٌ. فِي حَدِيثِهِ فَتَاةٌ كَعَابٌ عَلٰى اِحْدٰى رُكْبَتَيْهَا وَتَطَاوَلَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَرَاهَا وَيَسْمَعَ كَلَامَهَا فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اِنَّهُمْ لَيَتَحَدَّثُونَ، وَاِنَّهُنَّ لَيَتَحَدَّثْنَهُ. فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا مَثَلُ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: اِنَّمَا مَثَلُ ذٰلِكَ مَثَلُ شَيْطَانَةٍ. لَقِيَتْ شَيْطَانًا فِي السِّكَّةِ فَقَضٰى مِنْهَا حَاجَتَهُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ اِلَيْهِ. اَلَا وَاِنَّ طِيبَ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ، وَلَمْ يَظْهَرْ لَوْنُهُ اَلَا اِنَّ طِيبَ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَلَمْ يَظْهَرْ رِيحُهُ.

قَالَ اَبُو دَاوُدَ: وَمِنْ هَاهُنَا حَفِظْتُهُ عَنْ مُؤَمَّلٍ. وَمُوسٰى اَلَا لَا يُفْضِيَنَّ رَجُلٌ اِلٰى رَجُلٍ وَلَا امْرَاَةٌ اِلَى امْرَاَةٍ اِلَّا اِلٰى وَلَدٍ اَوْ وَالِدٍ. وَذَكَرَ ثَالِثَةً فَاُنْسِيتُهَا وَهُوَ فِي حَدِيثِ مُسَدَّدٍ وَلٰكِنِّي لَمْ اُتْقِنْهُ كَمَا اُحِبُّ. وَقَالَ مُوسٰى، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ اَبِي نَضْرَةَ، عَنِ الطُّفَاوِيِّ

ابونضرہ بیان کرتے ہیں: میں مدینہ منورہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مہمان بنا، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا، جوان سے زیادہ عبادت گزار اوران سے بڑھ کر مہمان نواز ہو، ایک مرتبہ میں ان کے پاس موجود تھا، وہ اپنے پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں چھوٹی کنکریاں یا شاید گٹھلیاں تھیں، ان کی سیاہ فام کنیز نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان پر تسبیح پڑھ رہے تھے، جب اس تھیلی کی گٹھلیاں ختم ہو جاتیں تو وہ تھیلی کنیز کو دے دیتے، وہ گٹھلیاں اکٹھی کر کے پھر تھیلی میں ڈال دیتی، اوران کی طرف بڑھادیتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اپنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک واقعہ سناؤں؟ میں نے کہا: جی ہاں! توانہوں نے بتایا:

ایک مرتبہ مجھے بخار تھا، میں مسجد میں موجود تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مسجد داخل ہوئے، آپ نے تین مرتبہ فرمایا: دوس قبیلے سے تعلق رکھنے والے نوجوان کی کسی کو خبر ہے؟ ایک صاحب نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ یہاں مسجد کے ایک کونے میں بخار میں مبتلا پڑا ہوا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے، آپ نے اپنا دست مبارک مجھ پر رکھا اور میرے متعلق اچھے کلمات ارشاد فرمائے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا، آپ چلتے ہوئے اس جگہ تک تشریف لے گئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرتے

تھے، آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف رخ کیا، آپ کے ساتھ مردوں کی دو صفیں تھیں اور عورتوں کی ایک صف تھی، (راوی کو شک ہے یا شاید) عورتوں کی دو صفیں تھیں اور مردوں کی ایک صف تھی، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر شیطان میری نماز میں سے کوئی چیز مجھے بھلوا دے، تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی ماریں''۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا کی، آپ نماز میں کوئی چیز نہیں بھولے، آپ نے فرمایا: اپنی جگہ پر رہو، اپنی جگہ پر رہو، یہاں موسیٰ نامی راوی نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر آپ نے فرمایا: ''اما بعد'' پھر تمام راوی یہ الفاظ نقل کرنے میں متفق ہیں۔

پھر آپ مردوں کی طرف متوجہ ہوئے، آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے، جو اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے کے لیے دروازہ بند کر لیتا ہے، اس پر پردہ ڈال دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پردے میں آجاتا ہے؟ لوگوں نے عرض کی: جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس کے بعد وہ (مردوں میں) بیٹھ کر یہ کہتا ہے، میں نے اس طرح کیا اور میں نے اُس طرح کیا، راوی کہتے ہیں، تو لوگ خاموش رہے، نبی اکرم ﷺ پھر خواتین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسی باتیں کرتی ہے؟

تو خواتین بھی خاموش رہیں، تو ایک نوجوان عورت ایک گھٹنے کے بل اٹھی، ایک راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: اس کا سینہ ابھرا ہوا تھا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنے آپ کو (دوسروں) سے کچھ بلند کیا، تاکہ آپ اسے دیکھ اور اس کی بات سن لیں۔

اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! مرد ایسی باتیں کرتے ہیں اور عورتیں بھی ایسی باتیں کرتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو، اس کی مثال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کی مثال یوں ہے، جیسے مؤنث شیطان، مذکر شیطان سے گلی میں ملتی ہے، تو وہ اس کے ساتھ صحبت کرتا ہے، اور لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ خبردار! مردوں کی خوشبو وہ ہے، جس کی بو ظاہر ہو لیکن رنگت ظاہر نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کی رنگت ظاہر ہو لیکن بو ظاہر نہ ہو''

(امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) یہاں سے میں نے مؤمل اور موسیٰ سے یہ الفاظ یاد رکھے ہیں۔

''کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ساتھ اور کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ نہ لیٹیں۔ البتہ باپ بیٹا ایسا کر سکتے ہیں۔''

راوی نے تیسری چیز بھی بیان کی ہے۔ جسے میں بھول گیا ہوں۔ اور وہ بات مسدد کی نقل کردہ روایت میں ہے۔ تاہم یہ مجھے اس طرح سے یاد نہیں ہے، جیسے مجھے پسند ہو۔

موسیٰ نے یہ روایت، حماد، جریری، ابونضرہ کے حوالے سے، طفاوی سے نقل کی ہے۔

بیوی کے پوشیدہ احوال بیان کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے سب سے برا شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی سے

ہم بستر ہو اور اس کی بیوی ہم آغوش ہو اور پھر وہ اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔
(بخاری ومسلم مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 396)

علامہ طیبی (ان اعظم الامانۃ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت بڑی امانت کہ جس میں خیانت کرنیوالے سے قیامت کے دن سخت باز پرس ہوگی شوہر و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور نجی امور سے متعلق باتیں ہیں یعنی خاوند بیوی کے درمیان جنسی افعال اور راز و نیاز کی باتیں ایک بہت بڑی امانت ہے جس کی حفاظت ہر شوہر کی ذمہ داری ہے جو شوہر اس امانت کی حفاظت نہیں کرے گا بایں طور کہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کے بعد اس کے راز افشاء کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس کی جائے گی اور اشرف کے قول کے مطابق اس ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت میں خیانت اس شخص کی خیانت ہوگی جو اپنی بیوی سے ہمبستری کرے اور پھر اس کے راز کو افشاء کرے۔

اور افشاء کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان راز و نیاز کی جو باتیں ہوئی ہوں اور جنسیات سے متعلق جو افعال ہوئے ہوں ان کو لوگوں سے کہتا پھرے جیسا کہ بے حیاء لوگوں کی عادت ہے یا اپنی بیوی کے کسی عیب کو بیان کرتا پھرے اور یا یہ کہ اپنی بیویوں کی ان خوبیوں اور اوصاف کو ذکر کرتا پھرے جن کو چھپانا شرعاً اخلاقاً اور عرفاً واجب ہے۔ ابن ملک کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی میں سے ہر ایک اپنے دوسرے کے افعال واقوال کا امین ہے لہٰذا ان میں سے جو بھی اپنے دوسرے کے ان افعال واقوال کو ظاہر کرے گا جن کو ظاہر کرنا وہ دوسرا ناپسند کرتا ہو تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔ بہر کیف حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور ذاتی امور سے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں یا جو افعال ہوتے ہیں ان کو غیروں کے سامنے بیان کرنا یا ایک دوسرے کے عیوب وغیرہ کو ظاہر کرنا اخلاقی نکتہ نظر ہی سے معیوب نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر آخرت میں مؤخذاہ الٰہی کا موجب ہے۔

اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب علم و دانش نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کے عیوب کیونکر ذکر کروں یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو گویا میں اس کے عیوب کو جو طلاق کی وجہ ہیں تمہارے سامنے بیان کر دوں اور یہ مجھے گوارا نہیں ہے کہ جب تک وہ میری بیوی ہے اس کے عیوب دوسروں کے سامنے آئیں۔ پھر جب اس نے طلاق دیدی تو پھر کچھ اور لوگوں نے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق کیوں دی؟ اس نے کہا کہ میں ایک اجنبی عورت کے عیوب کیسے ظاہر کروں یعنی اگر میں طلاق کی وجہ بیان کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک اجنبی عورت کے عیوب تمہارے سامنے بیان کر دوں اور اسے میں مطلقاً مناسب نہیں سمجھتا۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ خاوند و بیوی کے لئے ایک دوسرے کی باتوں کو ظاہر کرنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ اس کا کوئی فائدہ اور مقصد نہ ہو، ہاں اگر اس کا کوئی فائدہ یا اس کی کوئی معقول وجہ ہو تو پھر یہ ممانعت نہیں ہوگی مثلاً اگر عورت کا دعوی ہو

کہ اس کا خاوند اس کی جنسی خواہش کی تسکین کا اہل نہیں ہے، یا بیوی یہ شکایت کرے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ بیزاری اور لا پرواہی کا برتاؤ کرتا ہے تو اس صورت میں بیوی کے لئے ان چیزوں کا ذکر کرنا غیر پسندیدہ نہیں ہوگا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم) اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی بری بات کو اعلانیہ بیان کیا جائے ہاں اگر کسی پر ظلم کیا گیا ہے تو وہ اسے اعلانیہ بھی بیان کرسکتا ہے۔

شرح سنن ابوداؤد جلد چہارم کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! شرح سنن ابوداؤد کی چوتھی جلد مکمل ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے میرے اس کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے اور میرے صغیرہ وکبیرہ، سہوا، عمدا ہر قسم کے گناہوں کو معاف کردے اور مجھے دنیا وآخرت میں ہر قسم کی پریشانیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق